تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان درجہ عالیہ سال اول
برائے طالبات کے نصاب کے عین مطابق

کتاب النکاح

تصنیف

امام برہان الدین ابو الحسن علی بن ابوبکر الفرغانی رحمۃ اللہ علیہ

متوفی ۵۱۱-۵۹۳

2 جلدوں کو 1 فائل میں ترتیب دیا گیا ہے

طالب دعا: زوہیب حسن عطاری

ترجمہ و توضیح

شیخ الحدیث مفتی محمد صدیق ہزاروی مدظلہ العالی

سابق رکن اسلامی نظریاتی کونسل

تنظیم المدارس اہل سنّت پاکستان درجہ عالمیہ سال اوّل
برائے طالبات کے نصاب کے عین مطابق

جلد دوم

کتاب الطلاق

تصنیف

امام برہان الدین ابوالحسن علی بن ابوبکر الفرغانی رحمۃ اللہ علیہ

متوفی ۵۱۱-۵۹۳

ترجمہ و توضیح

شیخ الحدیث مفتی محمد صدیق ہزاروی مدظلہ العالی

سابق رکن اسلامی نظریاتی کونسل

نام کتاب	:	الہدایہ، کتاب النکاح
موضوع	:	فقہ
زبان	:	عربی، اُردو
مصنف	:	امام ابوالحسن برہان الدین علی بن ابوبکر بن عبدالجلیل فرغانی مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ
مترجم وشارح	:	شیخ الحدیث مفتی محمد صدیق ہزاروی سعیدی مدظلہ العالی (سابق رکن اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان)
صفحات	:	264
سن اشاعت	:	مئی 2018ء بمطابق رمضان المبارک 1439ھ
ہدیہ لیمینیشن جلد	:	=/300روپے
ناشر	:	مکتبہ اعلیٰ حضرت (دربار مارکیٹ لاہور)
رابطہ	:	042-37247301
		0300-8842540 - 0315-8842540

نوٹ: اس کتاب کی پروف ریڈنگ مصنف نے انتہائی احتیاط کے ساتھ کی ہے۔
تاہم بشری تقاضے کے مطابق اگر کوئی غلطی رہ گئی ہو تو قارئین سے گزارش ہے کہ ادارہ کو لازماً مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اُس لفظی غلطی کو درست کیا جاسکے۔ ادارہ آپ کا شکر گزار ہوگا۔

فہرست

کچھ ابو حنظلہ کے قلم سے

الحمدللہ! قارئین کو جان کر خوشی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور نبی کریم ﷺ کی نظرِ عنایت کے صدقہ میں ''مکتبہ اعلیٰ حضرت'' نے اب درس نظامی کے طلباء وطالبات کے لیے تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان کے نصاب میں شامل کتب کے متون وحواشی اور شروحات پر جید علماء کی زیرنگرانی کام کا باقاعدہ آغاز کردیا ہے۔

اسی سلسلہ کی کڑی زیرنظر کتاب ''الہدایہ کتاب النکاح والطلاق'' ہے اس کتاب کی خصوصیات جلد اول ''کتاب النکاح'' کے بیک ٹائٹل (Back Title) پر بیان کردی گئی ہیں۔

یہاں بس اتنا عرض کرنا ہے کہ میں اُمید کرتا ہوں کہ جس طرح آپ نے ہماری پہلی مطبوعات پر پسندیدگی کا اظہار فرمایا ہے اسی طرح اب درس نظامی کی کتب کو بھی پذیرائی بخشیں گے۔

اور ان شاء اللہ عزوجل ادارہ کی بھی کوشش ہوگی کہ اپنی سابقہ روایات کو برقرار رکھتے ہوئے اِن کتابوں کے لیے درسِ نظامی کی کتب پڑھانے کا وسیع تجربہ رکھنے والے اور طلباء کی ذہنی سطح کے مطابق کتاب کو ترتیب دینے والے جید علماء اہل سنت سے خدمات لی جائیں۔

نیز عمدہ اندازِ کمپوزنگ، بہترین پروف ریڈنگ دیدہ زیب ٹائٹل اور معیاری کاغذ وجلد پر خصوصی توجہ دی جانے کے ساتھ ساتھ ہدیہ بھی کم از کم رکھنے کی کوشش کی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ ہمیں اپنے ارادے پر ثابت قدمی عطا فرمائے۔

آمین! بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وسلم

خادم العلم والعلماء

محمد اجمل قادری عطاری

۱۰ رمضان المبارک ۱۴۳۹ھ

26- مئی 2017ء

مقدمہ

ازقلم: محمد صدیق ہزاروی مدظلہ العالی

انسان، تخلیق خداوندی کا عظیم وحسین شاہکار ہے نہ تو وہ خود اپنا خالق ہے اور نہ ہی وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی مخلوق ہے۔ اس لیے انسان احکام خداوندی کو بجالانے اور اسی کے دیے ہوئے ضابطۂ حیات کے مطابق اپنی مستعار زندگی گزارنے کا پابند ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انسانی زندگی کے جملہ پہلوؤں کے لیے انبیاء کرام علیہم السلام کے ذریعے ایک نظام حیات عطا کیا جسے ''دین'' کا نام دیا جاتا ہے۔

گزشتہ ادوار میں انبیاء کرام تسلسل سے مبعوث ہوتے رہے اور وحی الٰہی کے ذریعے عطا کیے گئے دین سے اپنی امتوں کو روشناس بھی کرتے رہے اور اس کے مطابق عمل کی تلقین بھی کرتے رہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے جب سلسلۂ نبوت کی آخری کڑی کو ختم نبوت کا تاج پہنایا سرکارِ دو عالم حضرت محمد ﷺ کو آخری نبی بنا کر مبعوث فرمایا تو آپ کے پردہ فرمانے کے بعد وحی کا سلسلہ ختم ہو گیا۔

جب کہ آپ کی نبوت کو قیامت تک جاری وساری رکھا گیا یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ انسانی زندگی کو پیش آنے والے مسائل کا اندازہ لگانا ممکن نہیں اور یہ مسائل وہ ہیں جن کے بارے میں وحی یعنی قرآن وسنت کی واضح نصوص نہیں ہیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان مسائل کو قرآن وسنت کی روشنی میں حل کرنے کے لیے ایسی شخصیت کو پیدا فرمایا جن کو **تفقہ فی الدین** ''یعنی دین کی سمجھ عطا فرمائی'' اور ایسے لوگوں کی عظمت کو رسول اکرم ﷺ نے یوں بیان فرمایا:

فَقِيْهٌ وَاحِدٌ اَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ۔ ◆

ترجمہ: ایک فقیہ شیطان پر ایک ہزار عابد سے زیادہ سخت ہے۔

اللہ تعالیٰ جن لوگوں کے لیے بھلائی کا ارادہ کرتا ہے ان کو دین کی سمجھ (فقہ) عطا کرتا ہے۔ ایسے عظیم المرتبت افراد فقیہ کہلاتے ہیں اور ان میں سے بعض فقہی امامت کے منصب پر بھی فائز ہیں اور ان سب کے سرخیل حضرت امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ ہیں جن کو سراج الامہ، امام الائمہ اور امام اعظم کہا جاتا ہے۔

آج دنیا میں فقہ اسلامی چار صورتوں میں رائج ہے:

(۱) فقہ حنفی، (۲) فقہ مالکی، (۳) فقہ شافعی (۴) حنبلی۔

◆ جامع ترمذی، ابواب العلم، صفحہ: ۳۸۴

لیکن ان چاروں مکتبہ ہائے فقہ میں فقہ حنفی کو چند وجوہ سے فوقیت حاصل ہے۔

فقہ حنفی کی خصوصیات

علامہ شبلی نعمانی کی اپنی تصنیف لطیف سیرت نعمان میں فقہ حنفی کی چند خصوصیات ذکر کی ہیں جو اس فقہ کو دوسری فقہ سے ممتاز کرتی ہیں ان کا اجمالی خاکہ یوں ہے:

۱۔ فقہ حنفی عقل کے مطابق ہے۔

۲۔ فقہ حنفی آسان ہے۔

۳۔ فقہ حنفی میں قواعد معاملات کی وسعت ہے۔

۴۔ فقہ حنفی میں ذمیوں کے حقوق کا بیان ہے۔

۵۔ فقہ حنفی نصوص شرعیہ کے زیادہ مطابق ہے۔

نوٹ: تفصیل کے لیے نور الایضاح راقم کے ترجمہ کا ابتدائیہ مطالعہ فرمائیں۔ (محمد صدیق ہزاروی)

برصغیر کے مسلمان اور فقہ حنفی

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب جاہل آدمی ہندوستان کے ممالک اور ماوراء النہر کے شہروں (روسی ریاستوں) میں ہو اور کوئی عالم شافعی، مالکی اور حنبلی وہاں موجود نہ ہو اور نہ ان مذاہب کی کوئی کتاب ہو تو اس پر واجب ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کرے اور حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب سے باہر نکلنا اس پر حرام ہے کیونکہ اس صورت میں شریعت کی رسی اپنی گردن سے نکال کر مہمل اور بیکار رہ جائے گا۔[1]

طبقات فقہاء

فقہ حنفی سے تعلق رکھنے والے فقہاء کرام کو سات طبقات میں تقسیم کیا گیا ہے:

۱۔ مجتہدین فی الشرع جیسے چاروں فقہ کے امام۔

۲۔ مجتہدین فی المذہب، جیسے امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ وغیرہ۔

۳۔ مجتہدین فی المسائل، جیسے امام حصاف وغیرہ۔

۴۔ اصحاب تخریج (مقلدین) جیسے احمد بن علی بن ابی بکر رازی رحمۃ اللہ علیہ۔

۵۔ اصحاب ترجیح (مقلدین) جیسے امام قدوری اور صاحب ہدایہ۔

۶۔ وہ مقلدین جو اقوی اور قوی وغیرہ میں تمیز کر سکیں۔ جیسے صاحب کنز وغیرہ۔

۷۔ محض مقلدین فقہاء۔

---

[1] شاہ ولی اللہ، الانصاف مع اُردو ترجمہ کشاف، صفحہ: ۷۷

ہدایہ اور صاحب ہدایہ

ہدایہ درس نظامی میں شامل ایک جامع اور بے مثال کتاب ہے جس کے مصنف ''علی بن ابی بکر عبدالجلیل بن خلیل بن ابی بکر فرغانی مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ' ہیں جو فقہاء کے پانچویں طبقہ میں شامل ہیں اور یہ حضرات ایک روایت کو دوسری روایت پر ترجیح دیتے ہیں۔

آپ کی کنیت ابوالحسن اور لقب برہان الدین ہے۔ آپ امیر المؤمنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اولاد سے تھے۔

آپ کی ولادت ۸ رجب المرجب ۵۱۱ ہجری بروز پیر عصر کے بعد ہوئی۔

حضرت امام مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے امام، فقیہ، حافظ، محدث، مفسر، جامع علوم، ضابطہ فنون، محقق، زاہد اور دیگر کئی خوبیوں کی حامل شخصیت تھے۔ علم ادب اور شاعری میں بے مثل تھے۔ آپ نے اپنے وقت کے جلیل القدر فضلاء سے علم حاصل کیا۔

۵۴۴ ہجری میں آپ نے حج بیت اللہ شریف اور سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری کا شرف حاصل کیا۔

آپ کا وصال ۵۹۳ ہجری میں سمرقند میں ہوا۔ آپ کو مرغینانی شہر کی نسبت سے مرغینانی کہا جاتا ہے اور یہ شہر فرغانہ کے سات شہروں میں سے ہے اس لیے آپ کو فرغانی بھی کہا جاتا ہے۔

آپ کی تصانیف میں، ہدایہ المبتدی، کفایہ المنتہیٰ، کتاب المنتقی، کتاب التجنیس والمزید، کتاب مناسک حج، مختارات النوازل اور دیگر کئی کتب کے علاوہ ہدایہ معروف ومتداول کتاب ہے۔

کہتے ہیں آپ نے ذی قعدہ ۵۷۳ ہجری میں بدھ کے دن نمازِ ظہر کے بعد ہدایہ کی تصنیف شروع کی اور اسے تیرہ سال کے عرصہ میں مکمل کیا۔ اس مدت میں آپ ہمیشہ روزہ دار رہے اور جن دنوں میں روزہ رکھنا منع ہے (عید الفطر، عید الاضحیٰ اور ایام تشریق ۱۱، ۱۲، ۱۳ ذوالحجہ) ان دنوں کے علاوہ آپ نے کبھی روزہ نہ چھوڑا اور آپ نے اپنے روزہ دار ہونے کی کسی کو خبر نہ دی۔ جب خادم کھانا لاتا تو آپ فرماتے رکھ کر چلا جا جب وہ چلا جاتا تو آپ کسی طالب علم کو بلا کر کھلا دیتے۔

ہدایہ لکھنے کی وجہ یہ تھی کہ آپ نے ابتداء میں فقہ کی کوئی مختصر کتاب لکھنے کا ارادہ کیا جس میں ہر طرح کے مسائل ہوں تو آپ نے مختصر قدوری اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک جامع صغیر کو پسند کر کے تبرکاً جامع صغیر کی ترتیب پر ہدایہ المبتدی لکھی پھر وعدہ کیا کہ اگر فرصت ملی تو اس کی تشریح کفایہ المنتھی لکھوں گا۔

چنانچہ آپ نے حسب وعدہ اسی جلدوں میں کفایہ المنتہیٰ لکھی۔

پھر سوچا کہ شاید اتنی بڑی شرح کو کوئی نہ دیکھے پھر آپ نے دوسری مختصر شرح ہدایہ کے نام سے لکھی (جو چار جلدوں پر مشتمل ایک ضخیم اور جامع کتاب ہے)◆

◆ حدائق الحنفیہ، صفحہ: ۲۷۸ تا ۲۸۰ اختصار کے ساتھ

خصوصیات ہدایہ

ہدایہ چار جلدوں پر مشتمل فقہ کا انسائیکلو پیڈیا ہے جس میں عبادات اور معاملات کے علاوہ انسانی زندگی کے جملہ اُمور کا شافی بیان ہے۔

ہدایہ محض مسائل کا مجموعہ نہیں بلکہ ان تمام مسائل کے دلائل بھی اِس کتاب میں مذکور ہیں۔ ہدایہ میں صاحبِ ہدایہ نے قرآن وحدیث کو مقدم رکھا اور اس کے بعد عقلی دلائل ذکر کیے اور یوں ان لوگوں کے زہریلے پروپیگنڈہ کا قلع قمع کیا جو امام الائمہ، سراج الامہ، حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو حدیث سے لاعلم اور اپنی رائے پر عمل کرنے والا قرار دیتے ہیں۔

ہدایہ جہاں حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اجتہاد واستنباط کے مطابق اسلامی فقہ کی اہم کتاب ہے۔ وہاں اگر اسے فقہ مقارن کی کتاب بھی کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔

نوٹ: فقہ مقارن سے مراد مختلف فقہی مسالک کی اجتہادی کاوشوں کا تقابلی جائزہ ہے۔

آپ نے اختلافی صورت میں دیگر ائمہ کے اقوال بھی نقل کیے اور نہایت دیانت داری کے ساتھ اُن کے دلائل بھی ذکر کیے اور پھر حنفی ہونے کے ناطے اپنے فرض منصبی کو پورا کرتے ہوئے فقہ حنفی کی ترجیح بھی بیان فرمائی۔

مثال کے طور پر مہر کی کم از کم مقدار کے بارے میں حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول اور اس کی دلیل نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جو چیز بیع، ثمن (قیمت) بن سکتی ہے وہ مہر بھی بن سکتی ہے کیونکہ عورت کا حق ہے لہٰذا مہر مقرر کرنے کا اختیار عورت کو حاصل ہے۔

اور احناف کے نزدیک کم از کم مہر دس درہم ہیں آپ اس کی دو طرح دلیل دیتے ہیں۔

نقلی دلیل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ گرامی کہ آپ نے فرمایا: ''دس درہم سے کم مہر نہیں''۔ اور عقلی دلیل یہ ہے کہ مہر بطور وجوب حق شرع ہے کیونکہ اس میں عورت کے محل (شرمگاہ) کا شرف ہے لہٰذا اس کا اندازہ ایسے مال کے ساتھ لگایا جائے گا جس کی قدر و قیمت ہے اور وہ دس درہم ہے کیونکہ چوری کا نصاب جس پر ہاتھ کٹتا ہے وہ دس درہم ہے (باب المہر)

آپ نے دیکھا کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا موقف اُن کی دلیل کے ساتھ ذکر کر کے احناف کا موقف اور دلائل کے ساتھ اس کی برتری کو واضح کیا۔

زیرِ نظر ترجمہ وتوضیح

اس میں کوئی شک نہیں کہ جامع صغیر اور مختصر القدوری کی عبارات کو صاحبِ ہدایہ نے نہایت احسن طریقے سے حل کیا اور کوئی گوشہ مخفی نہ چھوڑا لیکن دورِ حاضر میں اس کا اُردو ترجمہ ہی نہیں اس کی توضیح نہایت لازمی اور ضروری ہے۔

عام طور پر دیکھا گیا کہ بعض حضرات کسی کتاب کی شرح کا یہ انداز اختیار کرتے ہیں کہ ترجمہ کو کھینچ تان کر شرح بنا لیتے ہیں لیکن بعض حل طلب عبارات یا الفاظ کی توضیح نہ ہونے کی وجہ سے طالب علم پریشانی کا شکار ہوتا ہے۔

جب یہ بات واضح ہے کہ ہدایہ، قدوری کی شرح ہے اور بعض عبارات متن حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی ''جامع صغیر'' کی ہیں تو ضرورت شرح کی نہیں بلکہ توضیح کی باقی رہ جاتی ہے جبکہ بعض حضرات نے اس طرف توجہ نہ فرمائی بلکہ اسی شرح میں کچھ اضافہ کے ساتھ اسے تفصیلی بنا دیا اور کئی مقامات پر ہدایہ کی عبارات کو تشنۂ توضیح چھوڑ دیا۔

جس سے طالب علم کی الجھن سلجھن میں تبدیل نہیں ہو رہی بلکہ بعض مقامات پر مترجم کی عدم توجہ سے فقہی مسئلہ الٹ ہو گیا، ہم برائے اصلاح چند مثالیں ذکر کرتے ہیں۔

طلاق سنت کی بحث میں طلاق احسن کے بارے میں صاحب ہدایہ لکھتے ہیں: ''**ولا خلاف لاحد فی الکراھۃ**'' ظاہر ترجمہ یہی ہے کہ اس کے مکروہ ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں چنانچہ مترجم نے بھی مکھی پر مکھی مارتے ہوئے یہی ترجمہ کیا تاہم اس کے مکروہ ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔ ◆

اس طرح معاملہ بالکل الٹ ہو گیا حالانکہ اس طلاق کے مکروہ نہ ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں، یہاں عبارت محذوف ہے یعنی ''ولا خلاف لاحد فی عدم الکراھۃ'' لفظ عدم محذوف ہے۔ ◆

ایک جگہ شرح میں لکھا کہ کسی شخص نے اَنْتِ طَالِقٌ وَّ طَالِقٌ کہا تو اس کے دو رجعی طلاقیں واقع ہو جائیں گی یہ اس صورت میں ہے جب وہ عورت مدخول بہا ہو۔ (ایضاً، ص:48)

اب یہاں یہ بھی بتانا چاہئے تھا کہ غیر مدخول کا کیا حکم ہوگا اسے ایک ہی طلاق ہوگی اور اس کی وجہ بھی بتائی جاتی کہ وہ ایک طلاق سے بائن ہو گئی۔ ایک مقام پر ہے: ''وَلِاَبِیْ حَنِیْفَۃَ رَحِمَہُ اللہُ اَنَّ الْمُرَادَ بِہِ الْاَکْثَرَ مِنَ الْاَقَلِّ وَالْاَقَلَّ مِنَ الْاَکْثَرِ '' حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس سے مراد کم سے زیادہ اور زیادہ سے کم ہوتا ہے یعنی جب کہا میری عمر ساٹھ سے ستر تک ہے تو ساٹھ (کم) سے زیادہ اور ستر (زیادہ) سے کم یعنی درمیان ہوگی لیکن مترجم نے یوں ترجمہ کیا: ''اس طرح کے کلام میں سب سے کم سے مراد سب سے زیادہ اور سب سے زیادہ سے مراد سب سے کم ہوتا ہے۔'' ◆

بہر حال اس طرح کی کئی مثالیں ہیں اسی بحث میں غایہ اور مغیا کا ذکر ہے تو وضاحت ضروری تھی کہ غایہ کیا ہوتا ہے اور مغیا کسے کہتے ہیں کیونکہ طالبات کے مدارس میں اساتذہ کا تجربہ بھی بہت کم ہوتا ہے۔ الحمد للہ! ہم نے اپنی سی کوشش کی کہ ترجمہ کے ساتھ توضیح اس انداز میں کی جائے کہ اساتذہ اور طالبات کے لئے مشکل آسان ہو جائے۔

پھر بھی کوئی کمی رہ گئی ہو تو اس سے آگاہی بہت بڑا احسان ہوگا۔ آیات و احادیث کے حوالہ جات لگا دیے گئے ہیں۔

آخر میں اہم اور ضروری سوالات دیئے گئے تا کہ امتحانی تیاری میں آسانی ہو۔

اس لیے اس بات کی اشد ضرورت محسوس کی گئی کہ ''ہدایہ کتاب النکاح'' اور ''کتاب الطلاق'' جو تنظیم المدارس اہل

◆ جہانگیری الہدایہ کتاب الطلاق، ص:57 شبیر برادرز لاہور

◆ جہانگیری الہدایہ کتاب الطلاق، ص:12 شبیر برادرز لاہور

◆ عینی شرح ہدایہ، جلد:2، ص:214، کتاب الطلاق

سنت پاکستان کے طالبات کے نصاب میں شامل ہے کا ترجمہ اور توضیح اس طرح کی جائے کہ طالبات بآسانی سمجھ سکیں۔

چنانچہ "مکتبہ اعلیٰ حضرت" کے فعال اور زیرک پروپرائٹر علامہ محمد اجمل قادری عطاری سلمہ اللہ نے راقم کو یہ ذمہ داری سونپی اور راقم نے اس ذمہ داری کو نبھانے کی بھرپور کوشش کی پھر پروف ریڈنگ کا فریضہ بھی ایک فاضل مدرس استاذ العلماء علامہ دل محمد چشتی مدظلہ نے ادا کیا۔

اس کے باوجود ہم اپنی بے بضاعتی کا اعتراف کرتے ہوئے علوم عربیہ کے اساتذہ اور طلباء و طالبات سے یہ گزارش ضروری سمجھتے ہیں کہ کسی بھی مقام پر اصلاح کی ضرورت سمجھیں تو بلا جھجک مطلع فرمائیں۔

راقم نے حضرت صاحب ہدایہ کی عبارت کو واضح کرنے کی کوشش کی اس کی شرح نہیں لکھی اور نہ ہی اس کی کسی عربی شرح کا ترجمہ کیا۔ البتہ عینی شرح ہدایہ مصنفہ عظیم محدث علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ کیا۔

اس کتاب کی چند خصوصیات درج ذیل ہیں:

۱۔ اس کے ترجمہ و توضیح کا تہائی حصہ مدینہ طیبہ اور مکہ مکرمہ کی پُرنور فضا میں منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوا۔ مواجہہ شریف کے سامنے، صفہ شریف پر، ریاض الجنۃ میں، مسجد نبوی کے دیگر حصوں میں، مسجد قبا میں بئر روحہ کے پاس جو مدینہ طیبہ سے مکہ مکرمہ کے راستے ایک مبارک کنواں ہے جہاں حضور ﷺ سفر کے دوران آرام فرماتے تھے، بدر کے مقام پر مسجد عریش کے سائے میں، خانہ کعبہ کے سامنے، مسجد حرام میں، جبل ثور پر نظر ڈالتے ہوئے ترجمہ و توضیح کی سعادت حاصل کی گئی۔

نوٹ: 31 جنوری 2018ء کو راقم نے اپنی اہلیہ اور بیٹے فاضل نوجوان مولانا محمد بشارت صدیق ہزاروی کے ساتھ عمرہ کی سعادت حاصل کرنے حرمین طیبین کا سفر کیا۔

۲۔ اس کتاب کی دوسری خصوصیات یہ ہے کہ بعض مقامات پر عبارت محذوف ہونے کی وجہ سے مفہوم بالکل اُلٹ ہو رہا تھا وہاں محذوف عبارت کی وضاحت کر دی۔

مثلاً طلاق احسن (سب سے اچھا طریقہ) کے بارے میں صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

ولا خلاف لاحد فی الکراھۃ

اس کا بظاہر ترجمہ یہ ہے کہ اس کے مکروہ ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔ حالانکہ یہ تو سب سے اچھا طریقہ طلاق ہے۔ کئی دوستوں نے اسی طرح نقل کر دیا جب کہ علماء نے یہاں محذوف عبارت نکالی۔

استاذ العلماء علامہ عبد الرزاق بھترالوی لکھتے ہیں:

ای لاخلاف فی عدم الکراھۃ۔

ترجمہ: یعنی اس کے مکروہ نہ ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔

عربی کتب کا ترجمہ کرنے والے احباب کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیے ورنہ محض ایک نقطے سے محرم، (حا، کی بجائے

جیم کے ساتھ) مجرم بن جاتا ہے۔

۳۔ بعض مقامات پر الفاظ کی وضاحت ضروری تھی راقم نے ایک جگہ نہیں بلکہ وہ لفظ جہاں جہاں آیا اس کی تشریح کردی جیسے فضولی مہر مثل، مدبر وغیرہ الفاظ۔

۴۔ دورِ جدید کے حوالے سے اگر کسی مسئلہ کی وضاحت ضروری تھی تو اس کی نشاندہی بھی کی گئی۔

۵۔ دونوں جلدوں کتاب النکاح اور کتاب الطلاق کے آخر میں ہر باب سے متعلق ضروری سوالات دیے گئے تاکہ امتحانی تیاری میں مدد مل سکے۔

نوٹ: اساتذہ سے گزارش ہے کہ طالبات کو پڑھاتے ہوئے عبارت کی تصحیح کے ساتھ ساتھ مسائل پر خصوصی توجہ دیں اور سوالات تسلسل کے ساتھ حل کروائیں۔

اس موقعہ پر علامہ مولانا محمد اجمل قادری سلمہ اللہ کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مجھ جیسے ادنیٰ طالب علم کو اس عظیم کام کی سعادت کا مستحق بنایا اور خراجِ تحسین بھی پیش کرتا ہوں کہ وہ برصغیر کی عظیم علمی فقہی روحانی شخصیت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت سے قائم ''مکتبہ اعلیٰ حضرت'' کے ذریعے خوب سے خوب تر بلکہ خوب ترین لٹریچر سے امت مسلمہ کو بہرہ ور کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کی ہمت اور مکتبہ کی اشاعت میں برکت پیدا فرمائے۔

محمد صدیق ہزاروی سعیدی ازہری
شیخ الحدیث جامعہ ہجویریہ دربار عالیہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ لاہور
۵ رمضان المبارک ۱۴۳۹ھ
21 مئی 2018 بروز سوموار

2

نکاح کا بیان

نکاح کا لغوی معنی الضم ''ملانا'' ہے۔ اس لیے لغوی اعتبار سے اور اہل اُصول کے نزدیک وطی پر اس کا اطلاق حقیقی اور عقد نکاح پر مجازی ہے اسی لیے جب قرآن وسنت میں اس کا ذکر کسی قرینہ کے بغیر آئے تو اس سے وطی مراد ہوتی ہے جیسے ارشادِ خداوندی ہے:

وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ ❶

ترجمہ: اور تم ان عورتوں سے نکاح (وطی) نہ کرو جن سے تمہارے آباؤ اجداد نے وطی کی۔

اسی لیے اگر کسی شخص نے کسی عورت سے زنا کیا تو وہ عورت اس کے بیٹے پر حرام ہوگی۔ اور جہاں عقد کا احتمال ہو وہاں مجازی معنیٰ یعنی عقدِ نکاح مراد ہوگا جیسے ارشادِ خداوندی ہے:

حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ❷

ترجمہ: (تین طلاق والی عورت پہلے خاوند کے لیے حلال نہیں ہوگی) حتیٰ کہ وہ کسی دوسرے شخص سے نکاح کرے۔

تو یہاں مجازی معنیٰ یعنی عقد نکاح مراد ہے کیونکہ یہاں مقصود وطی نہیں بلکہ نکاح ہے اور وطی حدیث سے ثابت ہے اس لیے نکاح کے بعد وطی بھی ہوگی تو وہ خاتون پہلے خاوند کے لیے حلال ہوگی۔

اصطلاح فقہاء میں نکاح ایسے عقد کو کہتے ہیں جس کی وجہ سے مرد کے لیے عورت سے شرعی طور پر جنسی نفع حاصل کرنا جائز ہو کیونکہ اگر مرد کو عورت کا اس قدر اشتیاق ہو کہ نکاح نہ کرنے کی صورت میں زنا کا ڈر ہو تو نکاح واجب ہے اور اگر اسے محض ڈر نہ ہو بلکہ زنا کا یقین ہو تو نکاح فرض ہے۔

اور راجح قول کے مطابق نکاح سنت مؤکدہ ہے لہٰذا اس کے ترک سے گناہ گار ہوگا۔

گناہ سے بچنے اور اولاد حاصل کرنے کی نیت سے نکاح کرنے پر ثواب ملتا ہے بشرطیکہ جماع، مہر اور نفقہ پر قادر ہو۔ اور اگر عورت پر ظلم کرنے کا ڈر ہو تو نکاح کرنا مکروہ ہے۔ ❸

فوائد نکاح

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے نکاح کے پانچ فوائد ذکر کیے ہیں:

1. اولاد کا حاصل ہونا اور یہی نکاح کا مقصود ہے تاکہ نسل انسانی باقی رہے۔
2. شہوت کو توڑنا اور اس طرح انسان زنا کاری سے محفوظ رہتا ہے۔

❶ سورۃ نساء، آیت: ۲۲ ❷ سورۃ البقرۃ، آیت: ۲۳۰ ❸ درمختار کتاب النکاح

۳ تدبیر منزل: یعنی نکاح کے ذریعے گھریلو نظام درست ہوتا ہے کیونکہ مرد گھر کے باہر کے اُمور انجام دیتا ہے اور بیوی گھریلو نظام کو درست رکھتی ہے۔

۴ خاندان اور قبیلے کا بڑھنا کیونکہ اس طرح انسان کو معاونین کی کثرت حاصل ہوتی ہے۔

۵ مجاہدہ نفس: شادی شدہ انسان کو زیادہ محنت کرنا پڑتی ہے اور وہ دن رات محنت کرتا ہے یوں اسے محنت کی عادت پڑ جاتی ہے اور سستی اور کاہلی سے بچ جاتا ہے۔

نوٹ: حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ پر نہایت تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اس سلسلے میں آپ کی جامع تصنیف احیاء علوم الدین (کتاب النکاح) کا مطالعہ ضروری ہے۔ ہم نے اختصار کے ساتھ چند سطور ذکر کی ہیں۔

اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو ازدواجی زندگی باعث رحمت بنانے کی توفیق عطا فرمائے جس کے لیے قرآن وسنت کے مطابق میاں بیوی کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھیں اور اپنی اولاد کے لیے اپنے عمل کو بہتر نمونے کے طور پر پیش کریں۔

ایجاب وقبول

(۱) [اَلنِّكَاحُ يَنْعَقِدُ بِالْإِيْجَابِ وَالْقُبُوْلِ بِلَفْظَيْنِ يُعَبَّرُ بِهِمَا عَنِ الْمَاضِيْ] لِاَنَّ الصِّيْغَةَ وَاِنْ كَانَتْ لِلْاِخْبَارِ وَضْعًا فَقَدْ جُعِلَتْ لِلْاِنْشَاءِ شَرْعًا دَفْعًا لِلْحَاجَةِ۔

ترجمہ: [نکاح ایجاب وقبول کے ایسے دولفظوں کے ساتھ منعقد ہوتا ہے جن کی تعبیر (زمانہ) ماضی سے کی جائے] کیونکہ صیغہ اگر چہ اپنی وضع کے اعتبار خبر دینے کے لیے ہے لیکن شرعی طور پر اسے انشاء کے لیے مقرر کیا گیا تا کہ حاجت پوری ہو سکے۔

توضیح: نکاح کے دو رکن ہیں جن کے بغیر نکاح منعقد نہیں ہوتا اور وہ ایجاب اور قبول ہیں ان میں سے پہلا ایجاب ہوتا ہے اور دوسرا قبول چاہے پہلا عورت کی طرف سے اور دوسرا مرد کی طرف سے ہو یا پہلا مرد اور دوسرا عورت کی طرف سے ہو۔

لفظ منہ سے بولنے کو کہا جاتا ہے لہٰذا ایجاب اور قبول دونوں کے لیے الفاظ کا بولنا شرط ہے لکھنے سے نکاح نہیں ہوگا۔ علامہ عینی فرماتے ہیں:

قید باللفظین لیخرج الکتابة فانه لو کتب رجل علی شی لامرأة زوجنی نفسك فکتبت المرأة علی ذلك الشیٔ عقیقبه زوجت نفسی منك لا ینعقد النکاح۔ [1]

لفظ کی قید کتابت کو نکالنے کے لیے ہے اگر کسی شخص نے کسی چیز (مثلاً کاغذ) پر کسی عورت کی طرف لکھا کہ اپنا نکاح مجھ سے کرو اس نے اسی چیز پر اس کلام کے بعد لکھا میں نے اپنا نکاح تجھ سے کیا تو یہ نکاح منعقد نہیں ہوگا۔

خبر اور انشاء:

کوئی واقعہ ہو چکا ہو تو اس کی اطلاع کو خبر کہتے ہیں اور جب کوئی عقد ہو رہا ہو تو وہ انشاء ہے۔

چونکہ صیغے دو قسم کے ہیں: ① ماضی کا صیغہ۔ ② مضارع کا صیغہ۔

مضارع زمانہ حال اور مستقبل دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس لیے مضارع کا صیغہ استعمال کرنے میں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ وہ وعدہ کر رہا ہے کہ میں تم سے نکاح کروں گا۔ اور ماضی کا صیغہ اگر چہ خبر کے لیے استعمال ہوتا ہے لیکن حاجت کی بنیاد پر شریعت نے اسے انشاء کے لیے قرار دیا۔ گویا جب مرد کے لیے نَكَحْتُكِ "میں نے تجھ سے نکاح کیا" تو یہ ایجاب ہے اور عورت کہے قَبِلْتُ "میں نے قبول کیا" یہ قبول ہے اور دونوں ماضی کے صیغے خبر کی بجائے انشاء کے لیے

[1] عینی شرح ہدایہ، جلد:۲، صفحہ:۶

استعمال ہوئے۔

ایجاب قبول کے لیے دوسری صورت

(۲) [وَيَنْعَقِدُ بِلَفْظَيْنِ يُعَبَّرُ بِأَحَدِهِمَا عَنِ الْمَاضِيْ وَبِالْآخَرِ عَنِ الْمُسْتَقْبَلِ. مِثْلَ اَنْ يَّقُوْلَ زَوِّجْنِي فَيَقُوْلُ زَوَّجْتُكَ] لِاَنَّ هٰذَا تَوْكِيْلٌ بِالنِّكَاحِ وَالْوَاحِدُ يَتَوَلّٰى طَرَفَيِ النِّكَاحِ عَلٰى مَا نُبَيِّنُهُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى۔

ترجمہ:[اور (نکاح) ایسے دو لفظوں کے ساتھ (بھی) منعقد ہو جاتا ہے جن میں سے ایک کو ماضی سے اور دوسرے کو مستقبل سے تعبیر کیا جائے جیسے عورت کہے مجھ سے نکاح کرو اور مرد کہے میں نے تجھ سے نکاح کیا] کیونکہ یہ نکاح کا وکیل بنانا ہے اور ایک شخص نکاح کی دونوں طرفوں کا ولی بن سکتا ہے جیسے ہم ان شاء اللہ بیان کریں گے۔

پہلی صورت میں ایجاب وقبول دونوں ماضی کے صیغے کے ساتھ تھے اب دوسری صورت بیان کی کہ ایک طرف ماضی اور دوسری طرف مستقبل کا صیغہ ہو۔◆

یاد رہے کہ مستقبل سے مراد امر کا صیغہ ہے مضارع کا صیغہ نہیں اور جب عورت نے امر کا صیغہ استعمال کیا تو گویا اس نے مرد کو اپنے نکاح کا وکیل بنایا اور مرد نے اس کا وکیل بن کر اپنے ساتھ اس کا نکاح کر دیا ہے گویا وہ اپنی طرف سے اصیل اور عورت کی طرف سے وکیل ہے۔ گویا یوں کہا کہ میں نے تیرا نکاح اپنے ساتھ کر دیا اور چونکہ نکاح میں ایک شخص دونوں طرف کا ولی بن سکتا ہے لہٰذا یہ نکاح درست ہے جیسے دادا اپنے ایک بیٹے کے بیٹے اور دوسرے بیٹے کی بیٹی کا نکاح کر دے اور دونوں کی طرف سے ولی یا وکیل ہو۔

نوٹ: بیع میں ایک شخص دونوں طرف سے وکیل نہیں بن سکتا اس کی وجہ آگے چل کر بیان ہوگی۔

عقد نکاح کے لیے چند دیگر الفاظ

(۳) [وَيَنْعَقِدُ بِلَفْظِ النِّكَاحِ وَالتَّزْوِيْجِ وَالْهِبَةِ وَالتَّمْلِيْكِ وَالصَّدَقَةِ]
وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ: لَا يَنْعَقِدُ اِلَّا بِلَفْظِ النِّكَاحِ وَالتَّزْوِيْجِ
لِاَنَّ التَّمْلِيْكَ لَيْسَ حَقِيْقَةً فِيْهِ وَلَا مَجَازًا عَنْهُ لِاَنَّ التَّزْوِيْجَ لِلتَّلْفِيْقِ وَالنِّكَاحَ لِلضَّمِّ.

◆ عربی زبان میں مضارع کا صیغہ حال اور مستقبل دونوں کے لیے آتا ہے اس لیے اس کا استعمال درست نہیں لیکن اُردو میں حال اور مستقبل کے لیے الگ الگ صیغے ہوتے ہیں لہٰذا اُردو میں ایک طرف ماضی اور دوسری طرف حال کا صیغہ ہو سکتا ہے۔ بہار شریعت میں ہے مرد نے کہا میں تجھ سے نکاح کرتا ہوں عورت نے کہا میں نے قبول کیا تو نکاح ہو جائے گا۔ (بہار شریعت حصہ ہفتم، صفحہ: ۷، مکتبۃ المدینہ) ۱۲ ہزاروی

وَلَا ضَمَّ وَلَا اِزْدِوَاجَ بَيْنَ الْمَالِكِ وَالْمَمْلُوْكَةِ اَصْلًا۔

وَلَنَا اَنَّ التَّمْلِيْكَ سَبَبٌ لِمِلْكِ الْمُتْعَةِ فِيْ مَحَلِّهَا بِوَاسِطَةِ مِلْكِ الرَّقَبَةِ وَهُوَ الثَّابِتُ بِالنِّكَاحِ وَالسَّبَبِيَّةُ طَرِيْقُ الْمَجَازِ۔

ترجمہ: [اور نکاح لفظ، نکاح، تزویج، ھبہ، تملیک اور صدقہ سے منعقد ہو جاتا ہے]

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں (نکاح) صرف لفظ نکاح اور لفظ تزویج سے منعقد ہوتا ہے

اس لیے کہ تملیک (مالک بنانا) اس میں نہ تو حقیقت ہے اور نہ ہی مجاز ہے۔

کیونکہ تزویج، تلفیق (ملانے) اور لفظ نکاح، ضم (ملانے) کے لیے استعمال ہوتا ہے اور مالک اور مملوک میں یہ دونوں معنی (ضم اور تلفیق) بالکل نہیں پائے جاتے۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ تملیک ملک رقبہ کے واسطہ سے ملک متعہ کا اس کے مقام پر سبب ہے اور وہ نکاح سے ثابت ہے اور سبب کا ہونا مجاز کے طریقہ پر ہے۔

توضیح: نکاح کے ذریعے مرد کو عورت کی مِلکِ بُضع (یا ملک متعہ) حاصل ہوتی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس کی شرمگاہ سے نفع حاصل کرنے کا مالک ہو جاتا ہے اس لیے لفظِ نکاح اور لفظ تزویج کے ذریعے عقد نکاح پر سب کا اتفاق ہے لیکن لفظ ہبہ، صدقہ اور تملیک کا مفہوم یہ ہے کہ کسی شخص کا کسی دوسرے شخص کو اپنے کل کا مالک بنانا اور اسے ''مِلکِ رقبہ'' کہا جاتا ہے۔

اور یہ بات واضح ہے کہ جب کل کی مِلک حاصل ہو جائے تو اس کے ضمن میں جزء کی مِلک بھی حاصل ہو جاتی ہے۔

لہٰذا جب عورت یوں کہے کہ میں نے تجھے اپنا مالک بنایا یا میں نے اپنے آپ کو تیرے لیے ھبہ کیا یا میں نے اپنے آپ کو تجھ پر صدقہ کیا تو اس کا حقیقی مفہوم تو یہ ہے کہ وہ اس عورت کے کل کا مالک ہو جائے لیکن چونکہ وہ آزاد عورت ہے اور وہ کسی کی لونڈی نہیں بن سکتی لہٰذا بطور مجاز نکاح مراد ہوگا اور مِلک رقبہ متعہ کا سبب بن جائے گی اور مجازی معنیٰ لینے میں سبب ایک ذریعہ بنتا ہے۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

صرف لفظ نکاح اور تزویج کے لفظ سے نکاح منعقد ہو سکتا ہے اور تملیک یا ھبہ یا صدقہ وغیرہ کے ذریعے خاوند مالک اور عورت مملوکہ بن جاتی ہے اور نکاح کا مفہوم یعنی ملنا وہ مالک اور مملوک کے درمیان نہ تو حقیقتاً پایا جاتا ہے نہ مجازاً لہٰذا ان الفاظ سے نکاح نہیں منعقد ہوتا۔

اس کا جواب مندرجہ بالا کلام میں گزر چکا ہے کہ ان الفاظ کے ذریعے مرد اور عورت کے درمیان مالک اور لونڈی کا رشتہ قائم نہیں ہوتا اور یہ حقیقی مفہوم ہے جو یہاں مراد نہیں بلکہ یہاں مجازی معنیٰ مراد ہوگا اور وہ مِلک متعہ کا حصول ہے۔

لفظ فی محلھا کا مطلب محل متعہ ہے جہاں سے نفع حاصل کیا جا سکتا ہے ان الفاظ کے ذریعے لڑکوں، جانوروں،

رضاعی بہن اور مجوسی عورت کو خارج کر دیا کیونکہ وہ ملک متعہ کے محل نہیں۔ ◆

لفظ بیع وغیرہ کے ذریعے انعقاد نکاح

(۴) وَيَنْعَقِدُ بِلَفْظِ الْبَيْعِ هُوَ الصَّحِيْحُ لِوُجُوْدِ طَرِيْقِ الْمَجَازِ [وَلَا يَنْعَقِدُ بِلَفْظِ الْإِجَارَةِ] فِي الصَّحِيْحِ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِسَبَبٍ لِمِلْكِ الْمُتْعَةِ [وَ] لَا بِلَفْظِ [الْإِبَاحَةِ وَالْإِحْلَالِ وَالْإِعَارَةِ] لِمَا قُلْنَا [وَ] لَا بِلَفْظِ [الْوَصِيَّةِ] لِأَنَّهَا تُوْجِبُ الْمِلْكَ مُضَافًا إِلٰى مَا بَعْدَ الْمَوْتِ۔

ترجمہ: اور (نکاح) لفظ بیع کے ساتھ بھی منعقد ہو جاتا ہے یہی صحیح ہے کیونکہ مجاز کا طریقہ پایا گیا [اور لفظ اجارہ کے ساتھ صحیح نہیں کیونکہ یہ ملک متعہ کا سبب نہیں] اجارہ اجرت پر حاصل کرنا ہوتا ہے اس میں ملک نہیں ہوتی [اور] لفظ [اباحت، احلال (حلال کرنا) اور اعارہ کے ساتھ منعقد نہیں ہوتا] اس وجہ سے جو ہم نے کہی ہے [اور] لفظ [وصیت] کے ساتھ بھی منعقد نہیں ہوتا کیونکہ اس کے ذریعے ملک، موت کے بعد کی طرف مضاف ہوتی ہے۔

توضیح: مزید چار الفاظ کا ذکر کیا گیا جن میں سے پہلے لفظ، لفظ بیع کے ذریعے نکاح منعقد ہو جاتا ہے کیونکہ بیع کے ذریعے خریدار کو مبیع کی ملک حاصل ہو جاتی ہے اور چونکہ آزاد انسان کا سودا نہیں ہوتا لہٰذا مجازاً اس سے نکاح مراد ہوگا کیونکہ ملک رقبہ، ملک متعہ کا سبب ہے اور ملک متعہ نکاح کے ذریعے حاصل ہوتی ہے۔

دیگر پانچ الفاظ سے نکاح منعقد نہیں ہوتا۔

(۱) **اجارہ:** اجرت پر حاصل کرنا ہوتا ہے اس میں ملک نہیں ہوتی۔
(۲) **اباحت:** کسی کے لیے کسی چیز سے نفع حاصل کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔ اسے مالک نہیں بنایا جا سکتا۔
(۳) **احلال:** کا معنی کسی کا کسی چیز سے نفع حاصل کرنے کو حلال قرار دینا یہ بھی تملیک نہیں محض نفع حاصل کیا جا سکتا ہے۔
(۴) **اعارہ:** کا معنی ادھار کے طور پر دینا اس میں بھی ملک متعہ حاصل نہیں ہوتی۔
(۵) لفظ وصیت تو اگرچہ وصیت میں ملک حاصل ہوتی ہے لیکن وہ موت کے بعد حاصل ہوتی ہے جب کہ نکاح میں ملک کا حصول زندگی میں ہوتا ہے۔

لہٰذا ان الفاظ کے ذریعے نکاح منعقد نہیں ہوتا۔

◆ عینی، جلد: ۲، صفحہ: ۱۲

انعقادِ نکاح کے لیے گواہوں کی موجودگی

(۵) قَالَ [وَلَا يَنْعَقِدُ نِكَاحُ الْمُسْلِمِيْنَ اِلَّا بِحُضُوْرِ شَاهِدَيْنَ حُرَّيْنِ عَاقِلَيْنِ بِالْغَيْنِ مُسْلِمَيْنِ رَجُلَيْنِ اَوْ رَجُلٍ وَّامْرَاَتَيْنِ عُدُوْلًا كَانُوْا اَوْ غَيْرَ عُدُوْلٍ اَوْ مَحْدُوْدَيْنَ فِي الْقَذْفِ]

اِعْلَمْ اَنَّ الشَّهَادَةَ شَرْطٌ فِيْ بَابِ النِّكَاحِ لِقَوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ «لَا نِكَاحَ اِلَّا بِشُهُوْدٍ» وَهُوَ حُجَّةٌ عَلٰى مَالِكٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ فِي اشْتِرَاطِ الْاِعْلَانِ دُوْنَ الشَّهَادَةِ

وَلَا بُدَّ مِنْ اِعْتِبَارِ الْحُرِيَّةِ فِيْهَا لِاَنَّ الْعَبْدَ لَا شَهَادَةَ لَهٗ لِعَدَمِ الْوِلَايَةِ.

وَلَا بُدَّ مِنْ اِعْتِبَارِ الْعَقْلِ وَالْبُلُوْغِ. لِاَنَّهٗ لَا وِلَايَةَ بِدُوْنِهِمَا.

وَلَا بُدَّ مِنْ اِعْتِبَارِ الْاِسْلَامِ فِيْ اَنْكِحَةِ الْمُسْلِمِيْنَ لِاَنَّهٗ لَا شَهَادَةَ لِلْكَافِرِ عَلَى الْمُسْلِمِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں: [اور مسلمانوں کا نکاح ایسے دو گواہوں کی موجودگی کے بغیر منعقد نہیں ہوتا جو آزاد، عاقل، بالغ اور مسلمان ہوں دو مرد ہوں یا ایک مرد اور دو عورتیں ہوں عادل ہوں یا غیر عادل یا جن کو قذف کی حد لگائی گئی]۔

جان لو! نکاح کے سلسلے میں گواہی شرط ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا:

لَا نِكَاحَ اِلَّا بِشُهُوْدٍ۔ ◆

ترجمہ: گواہوں کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔

اور یہ (حدیث) حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف دلیل ہے کہ آپ اعلان کو شرط قرار دیتے ہیں گواہی کو (شرط قرار) نہیں (دیتے)۔

اور اس (گواہی) میں آزادی کا اعتبار ضروری ہے کیونکہ ولایت نہ رکھنے کی وجہ سے غلام کی گواہی کی کوئی حیثیت نہیں اور عاقل اور بالغ ہونے کا اعتبار ضروری ہے کہ ان دونوں کے بغیر ولایت نہیں ہوتی۔

اور مسلمانوں کے کے نکاح میں اسلام کا اعتبار بھی ضروری ہے کیونکہ کافر، مسلمان کا گواہ نہیں ہو سکتا۔

توضیح: انعقاد نکاح کے لیے گواہوں کا ہونا شرط ہے اگر گواہ نہ ہوں تو نکاح منعقد نہیں ہوتا اس سلسلے میں رسول اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی دلیل ہے آپ نے فرمایا: ''گواہوں کے بغیر نکاح نہیں ہوتا''۔

یہ نقلی دلیل ہے اور عقلی دلیل یہ ہے کہ مرد یا عورت سے دونوں میں سے کسی ایک یا دونوں کے انکار کی صورت میں گواہوں کے ذریعے اس انکار کا رد کیا جا سکتا ہے۔

گواہوں کے لیے درج ذیل شرائط ہیں:

◆ مصنف ابن شیبہ، باب من قال لا نکاح الا بولی، حدیث: ۱۵۹۳۲

۱ گواہ دو مرد ہوں یا ایک مرد اور دو عورتیں ہوں۔

۲ آزاد ہوں، کیونکہ گواہ وہ شخص ہو سکتا ہے جس کو اپنے اُوپر ولایت یعنی اختیار حاصل ہو غلام کو اپنے او پر اختیار نہیں ہوتا۔

۳ عاقل اور بالغ ہوں، کیونکہ جو مجنون ہو یا بچہ ہو وہ بھی ولایت نہیں رکھتے کیونکہ ولایت کے لیے عقل اور بلوغت دونوں شرط ہیں۔

۴ گواہوں کا مسلمان ہونا بھی شرط ہے کیونکہ کافر کی، مسلمان کے خلاف گواہی نہیں ہے۔

نوٹ: ان شرائط کے بعد گواہ کا عادل ہونا ضروری نہیں بلکہ غیر عادل (فاسق) بھی گواہ بن سکتا۔

محدود فی القذف اس شخص کو کہتے ہیں جیسے کسی شخص کو قذف یعنی زنا وغیرہ کے الزام پر اَسّی کوڑے حد لگائی گئی ہو۔

''محدود فی القذف'' گواہی دے نہیں سکتا۔ ارشادِ خداوندی ہے:

وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ ◆[1]

ترجمہ: اور ان لوگوں (محدود فی القذف) کی گواہی کبھی بھی قبول نہ کرو۔

لیکن یہ گواہ بن سکتا ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف:

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نکاح میں گواہی شرط نہیں بلکہ اعلان شرط ہے ان کے خلاف وہ حدیث حجت ہے جو پہلے ذکر کی گئی کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

لَا نِكَاحَ اِلَّا بِشُهُوْدٍ۔

ترجمہ: گواہوں کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔

اور جس کام کے بغیر دوسرا کام نہ ہو سکے وہ شرط ہوتا ہے جیسے وضو کے بغیر نماز نہیں ہوتی تو نماز کے لیے وضو شرط ہے۔

گواہوں کے لیے کون سے اوصاف شرط نہیں

(٦) وَلَا يُشْتَرَطُ وَصْفُ الذُّكُوْرَةِ حَتّٰى يَنْعَقِدَ بِحُضُوْرِ رَجُلٍ وَّامْرَاَتَيْنِ وَفِيْهِ خِلَافُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى. وَسَتَعْرِفُ فِي الشَّهَادَاتِ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى. وَلَا تُشْتَرَطُ الْعَدَالَةُ حَتّٰى يَنْعَقِدَ بِحَضْرَةِ الْفَاسِقَيْنِ عِنْدَنَا خِلَافًا لِّلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ۔ لَهٗ اَنَّ الشَّهَادَةَ مِنْ بَابِ الْكَرَامَةِ وَالْفَاسِقُ مِنْ اَهْلِ الْاِهَانَةِ۔

◆[1] سورۃ نور، آیت: ۴

وَلَنَا اَنَّهٗ مِنْ اَهْلِ الْوَلَايَةِ فَيَكُوْنُ مِنْ اَهْلِ الشَّهَادَةِ.

وَهٰذَا لِاَنَّهٗ لَمَّا لَمْ يُحَرِّمْ الْوِلَايَةَ عَلٰى نَفْسِهٖ لِاِسْلَامِهٖ لَا يُحَرِّمُ عَلٰى غَيْرِهٖ لِاَنَّهٗ مِنْ جِنْسِهٖ. وَلِاَنَّهٗ صَلُحَ مُقَلَّدًا فَيَصْلُحُ مُقَلِّدًا وَكَذَا شَاهِدًا۔

وَالْمَحْدُوْدُ فِي الْقَذْفِ مِنْ اَهْلِ الْوِلَايَةِ فَيَكُوْنُ مِنْ اَهْلِ الشَّهَادَةِ تَحَمُّلًا. وَاِنَّمَا الْفَائِتُ ثَمَرَةُ الْاَدَاءِ بِالنَّهْيِ لِجَرِيْمَتِهٖ فَلَا يُبَالِيْ بِفَوَاتِهٖ كَمَا فِيْ شَهَادَةِ الْعُمْيَانِ وَابْنَيِ الْعَاقِدَيْنِ۔

ترجمہ: اور (گواہوں کے لیے) مرد ہونے کا وصف شرط نہیں حتیٰ کہ ایک مرد اور دو عورتوں کی موجودگی میں بھی (نکاح) منعقد ہو جاتا ہے۔

اور اس میں حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے اور عنقریب شہادتوں کے باب میں تمہیں اس کا علم ہو جائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اور اس میں عادل ہونا بھی شرط نہیں حتیٰ کہ ہمارے نزدیک دو فاسقوں کی موجودگی میں بھی نکاح منعقد ہو جاتا ہے اس میں حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ شہادت (گواہی) عزت کے باب سے ہے اور فاسق قابل توہین لوگوں میں سے ہے۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ وہ (فاسق) مسلمان ہونے کی وجہ سے اپنے نفس پر ولایت رکھنے والوں میں سے ہے پس گواہی دینے کے اہل لوگوں میں سے بھی ہوگا اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان ہونے کی وجہ سے وہ اپنے نفس پر ولایت سے محروم نہیں لہٰذا اپنے غیر پر ولایت سے بھی محروم نہیں ہوگا کیونکہ یہ اسی کی جنس سے ہے۔

اور اس لیے بھی کہ وہ مقلد (اسم مفعول) بننے کی صلاحیت رکھتا ہے تو مقلد (اسم فاعل) بننے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے۔ [1] اسی طرح گواہ بھی بن سکتا ہے۔

اور جس شخص کو حد قذف لگائی گئی وہ بھی اہل ولایت سے ہے لہٰذا وہ گواہ بننے کی اہلیت رکھتا ہے اس سے جو چیز فوت ہو گئی وہ اس کے گواہی دینے کے فائدے کا فوت ہونا ہے کیونکہ اسے اس کے جرم کی وجہ سے منع کیا گیا لہٰذا اس ادائیگی کے فوت ہونے کی پروا نہیں کی جائے گی جس طرح اندھے شخص اور عاقدین کے بیٹوں کی گواہی کا حکم ہے (وہ گواہ بن سکتے ہیں گوای دے نہیں سکتے۔ (عاقدین وہ جن دونوں کا نکاح ہو رہا ہے)

توضیح: نکاح کا گواہ بننے کے لیے مرد ہونا شرط نہیں بلکہ ایک مرد اور دو عورتیں مجلس میں حاضر ہوں تو گواہ بن سکتی ہیں۔

اسی طرح گواہوں کا عادل ہونا (یعنی فاسق نہ ہونا بھی شرط نہیں محدود فی القذف نہ ہونا بھی شرط نہیں بلکہ وہ

[1] یہاں مقلد (اسم فاعل) سے مراد وہ شخص ہے جو کسی دوسرے کو کوئی ذمہ داری سونپ سکے اور مقلد (اسم مفعول) وہ ہوتا ہے جسے کوئی ذمہ داری سونپی جائے ۱۲ ہزاروی

گواہ بن سکتا۔

محدود فی القذف اس شخص کو کہتے ہیں جس کو قذف کی حد لگائی گئی اور قذف کسی پاکدامن پر زنا کا الزام لگانا ہے۔

نابینا شخص بھی نکاح کا گواہ ہوسکتا ہے اور مرد اور عورت جن کا نکاح ہو رہا ہو ان کی بالغ اولاد بھی گواہ بن سکتی ہے۔

اس کی وجہ:

اس کی وجہ یہ ہے کہ نکاح کا گواہ بننے لیے کے یہ بات ضروری ہے کہ وہ اپنے اُوپر ولایت یعنی اختیار رکھتا ہو اس کا اختیار کسی دوسرے کے پاس نہ ہو۔

فاسق اور جسے حد قذف لگائی گئی وہ اپنے اُوپر ولایت رکھتے ہیں لہٰذا وہ گواہ بن سکتے ہیں۔

گواہی دینا:

البتہ یہ فرق ہے کہ اگر کسی وقت نکاح کی گواہی دینا پڑ جائے تو **محدود فی القذف** گواہی دے نہیں سکتا کیونکہ اس کے اس جرم کی وجہ سے اس کی گواہی ہمیشہ کے لیے غیر مقبول ہوگئی اس سے پہلے آیت کریمہ ذکر کر دی گئی ہے۔

نابینا شخص دیکھنے سے محروم ہونے کی وجہ سے اور عاقدین کی اولاد تہمت کی وجہ سے اپنے ماں باپ کے حق میں گواہی نہیں دے سکتے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف:

اس مسئلہ میں حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا دو جگہ اختلاف ہے۔

(1) ان کے نزدیک عورت، نکاح کی گواہ نہیں بن سکتی۔

(2) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عورتوں کی گواہی جائز نہیں کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

لَا نِكَاحَ اِلَّا بِوَلِيٍّ وَ شَاهِدَىْ عَدْلٍ۔ [1]

ترجمہ: ولی اور دو گواہوں کے بغیر نکاح نہیں ہوتا ہے۔

تو شاہدین کا لفظ مذکر پر بولا جاتا ہے یا ایک مرد اور ایک عورت پر بولا جاتا ہے اور دوسرا مفہوم بالاجماع مراد نہیں لہٰذا پہلا مفہوم متعین ہو گیا یعنی دو مرد، ہم کہتے ہیں عورتوں کی گواہی پر نص موجود ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّ امْرَاَتٰنِ [2]

ترجمہ: اگر مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں۔

البتہ اس میں شبہ ہوتا ہے اور نکاح شبہ سے ثابت ہو جاتا ہے۔ [3]

---

[1] صحیح ابن حبان [2] سورۃ البقرۃ، آیت: ۲۸۲ [3] عینی شرح ہدایہ، جلد: ۱، صفحہ: ۱۶

ذمیوں کی گواہی

(۷) قَالَ: [وَاِنْ تَزَوَّجَ مُسْلِمٌ ذِمِّيَّةً بِشَهَادَةِ ذِمِّيَّيْنِ جَازَ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَاَبِيْ يُوْسُفَ۔ وَقَالَ مُحَمَّدٌ وَّزُفَرُ: لَا يَجُوْزُ] لِاَنَّ السَّمَاعَ فِي النِّكَاحِ شَهَادَةٌ وَّلَا شَهَادَةَ لِلْكَافِرِ عَلَى الْمُسْلِمِ فَكَاَنَّهُمَا لَمْ يَسْمَعَا كَلَامَ الْمُسْلِمِ۔

وَلَهُمَا اَنَّ الشَّهَادَةَ شُرِطَتْ فِي النِّكَاحِ عَلَى اعْتِبَارِ اِثْبَاتِ الْمِلْكِ لِوُرُوْدِهٖ عَلٰى مَحَلٍّ ذِيْ خَطَرٍ لَّا عَلٰى اِعْتِبَارِ وُجُوْبِ الْمَهْرِ اِذْ لَا شَهَادَةَ تُشْتَرَطُ فِيْ لُزُوْمِ الْمَالِ وَهُمَا شَاهِدَانِ عَلَيْهَا۔

بِخِلَافِ مَا اِذَا لَمْ يَسْمَعَا كَلَامَ الزَّوْجِ لِاَنَّ الْعَقْدَ يَنْعَقِدُ بِكَلَامَيْهِمَا وَالشَّهَادَةُ شُرِطَتْ عَلَى الْعَقْدِ۔

ترجمہ: فرماتے ہیں: [اور اگر مسلمان کسی ذمیہ عورت سے دو ذمی مردوں کی گواہی سے نکاح کرے تو حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے اور حضرت امام محمد اور حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جائز نہیں]

کیونکہ نکاح میں سننا شہادت ہے اور مسلمان کے خلاف کافر کی شہادت (معتبر) نہیں تو گویا ان دونوں نے مسلمان کے کلام کو نہیں سنا۔

شیخین کی دلیل یہ ہے کہ نکاح میں شہادت ملک کو ثابت کرنے کے اعتبار سے مشروط ہے کیونکہ وہ ایسے محل پر واقع ہوتی ہے جو عزت واحترام کے لائق ہے،

مہر واجب ہونے کے اعتبار سے نہیں کیونکہ مال لازم ہونے پر شہادت شرط نہیں اور وہ دونوں اس عورت پر گواہ ہوں گے۔

بخلاف اس کے جب وہ خاوند کا کلام نہ سنے کیونکہ نکاح ان دونوں (مرد اور عورت) کے کلام سے منعقد ہوتا ہے اور شہادت عقد پر شرط ہے۔

توضیح: اہل کتاب جو مسلمانوں کے ملک میں رہتے ہیں ان کو ذمی کہا جاتا ہے اور چونکہ اہل کتاب عورتوں سے مسلمان مرد کا نکاح جائز ہے اس لیے مسلمان مرد اور ذمیہ عورت کے نکاح میں جب دونوں گواہ ذمی ہوں تو اس کا کیا حکم ہوگا؟

تو اس سلسلے میں چار حنفی ائمہ کے درمیان اختلاف ہے۔

شیخین (حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام ابو یوسف رحمہما اللہ) کے نزدیک یہ گواہی جائز ہے اور نکاح منعقد ہو جائے گا جب کہ حضرت امام محمد اور حضرت امام زفر رحمہما اللہ کے نزدیک یہ گواہی جائز نہیں لہٰذا شرط نہ پائے جانے کی وجہ سے یہ نکاح منعقد نہیں ہوگا۔

دلائل

حضرت امام محمد اور حضرت امام زفر رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ چونکہ نکاح میں شہادت ایجاب وقبول کے الفاظ سننے کا نام ہے اور کافر کی شہادت مسلمان کے خلاف معتبر نہیں تو گویا ان ذمی گواہوں نے ایجاب وقبول کو سنا ہی نہیں اور جب سننا گواہی ہے تو گویا گواہی نہیں پائی گئی۔

شیخین کی دلیل یہ ہے کہ نکاح میں شہادت کی شرط اس بنیاد پر ہے کہ مرد کو عورت کی متعہ (شرمگاہ) کی ملک حاصل ہو کیونکہ یہ شہادت ایسے محل پر واقع ہو رہی جو بے قیمت نہیں بلکہ احترام اور عزت کا مقام ہے۔

مہر کے وجوب پر گواہی شرط نہیں گویا مرد کی طرف سے مہر دیا جاتا ہے جس پر گواہی شرط نہیں لہٰذا مرد کی طرف سے گواہی نہ ہوئی اور عورت کی طرف سے مرد کو متعہ کا مالک بنایا جاتا ہے لہٰذا جو چیز عورت کی طرف سے دی جارہی ہے اس پر گواہی شرط ہے اور چونکہ عورت ذمیہ (غیر مسلم) ہے لہٰذا دو ذمی مردوں کی گواہی جائز ہوئی اور یہ گواہی مسلمان کے خلاف نہیں کہ ناجائز ہوتی۔

البتہ گواہ مرد کے کلام کو نہ سنے تو نکاح منعقد نہیں ہوگا کیونکہ عقد دونوں کے کلام سے منعقد ہوتا ہے اور شہادت عقد پر شرط ہے۔

مباشر اور وکیل کا حکم

(۸) قَالَ: [وَمَنْ اَمَرَ رَجُلًا بِاَنْ يُّزَوِّجَ ابْنَتَهُ الصَّغِيْرَةَ فَزَوَّجَهَا وَالْاَبُ حَاضِرٌ بِشَهَادَةِ رَجُلٍ وَّاحِدٍ سِوَاهُمَا جَازَ النِّكَاحُ] لِاَنَّ الْاَبَ يُجْعَلُ مُبَاشِرًا لِّلْعَقْدِ لِاتِّحَادِ الْمَجْلِسِ وَيَكُوْنُ الْوَكِيْلُ سَفِيْرًا وَّ مُعَبِّرًا فَيَبْقَى الْمُزَوِّجُ شَاهِدًا

[وَاِنْ كَانَ الْاَبُ غَائِبًا لَمْ يَجُزْ] لِاَنَّ الْمَجْلِسَ مُخْتَلِفٌ فَلَا يُمْكِنُ اَنْ تَجْعَلَ الْاَبَ مُبَاشِرًا.

وَعَلٰى هٰذَا اِذَا زَوَّجَ الْاَبُ اِبْنَتَهُ الْبَالِغَةَ بِمَحْضَرِ شَاهِدٍ وَّاحِدٍ اِنْ كَانَتْ حَاضِرَةً جَازَ. وَاِنْ كَانَتْ غَائِبَةً لَّمْ يَجُزْ.

ترجمہ: [اور جس شخص نے کسی دوسرے آدمی سے کہا کہ وہ اس کی چھوٹی بیٹی کا نکاح کر دے پس اس نے اس کا نکاح ایک آدمی کی شہادت سے کر دیا اور باپ موجود تھا اور یہ شخص ان دونوں کے علاوہ (تیسرا آدمی) تھا تو نکاح جائز ہے]

کیونکہ باپ کو نکاح کا مباشر (نکاح کر کے دینے والا) قرار دیا جائے گا اور وکیل سفیر اور معبر ہوگا اور نکاح کر کے دینے والا گواہ ہو جائے گا۔

[اور اگر باپ غائب ہوتو جائز نہیں] کیونکہ مجلس مختلف ہے لہٰذا باپ کو مباشر قرار دینا ممکن نہیں،
اسی طرح ہے جب باپ اپنی بالغہ بیٹی کا نکاح ایک گواہ کی موجودگی میں کر کے دے اگر وہ لڑکی موجود ہے تو جائز ہے
اور اگر (مجلس سے) غائب ہے تو جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

توضیح: مجلس نکاح میں کم از کم چار افراد کا ہونا ضروری ہے:

① وہ لڑکا جس کا نکاح ہو رہا ہے وہ خود ہو یا اس کا وکیل ہو۔

② وہ لڑکی جس کا نکاح ہو رہا ہے وہ خود یا اس کا وکیل ہو اگر وہ بالغہ ہے ورنہ اس کا باپ یا کوئی دوسرا ولی یا باپ کا مقرر کردہ وکیل ہو۔

③، ④ دو گواہ ہوں۔

اگر باپ، وکیل اور تیسرا ایک آدمی ہو تو اس صورت میں باپ خود نکاح کر کے دینے والا ہوگا جسے مباشر کہا گیا اور وکیل اور دوسرا شخص دو گواہ ہو جائیں گے نیز اب وکیل محض سفیر (ترجمان) ہوگا اور نکاح منعقد ہو جائے گا۔

اور اگر باپ مجلس میں موجود نہ ہو تو چونکہ وکیل مباشر ہو جائے گا اور ایک گواہ رہ جائے گا لہٰذا نکاح نہیں ہوگا کیونکہ دو گواہ کا ہونا شرط ہے یہ وہ صورت ہے جب لڑکی نابالغہ ہو اگر لڑکی بالغہ ہو اور مجلس میں موجود ہو اور اس کے علاوہ اس کا باپ اور ایک اور شخص موجود ہوں اور باپ نکاح کر کے دے تو اب مباشر اس لڑکی کو قرار دیا جائے گا گویا اس نے خود اپنا نکاح کیا اور باپ اور دوسرا شخص مل کر دو گواہ ہو جائیں گے اور لڑکی موجود نہ ہو تو نکاح نہیں ہوگا کیونکہ باپ مباشر ہوا اور باقی ایک گواہ رہ گیا۔

نوٹ: مجلس نکاح میں لڑکی یا اس کے وکیل اسی طرح لڑکے یا اس کے وکیل کا موجود ہونا ضروری ہے۔
اس لیے اگر لڑکا ٹیلی فون کے ذریعے ایجاب یا قبول کرے اور مجلس میں موجود نہ ہو تو اس کا نکاح نہیں ہوگا۔
لہٰذا جو لڑکا یا لڑکی بیرونِ ملک ہوں وہ کسی کو اپنا وکیل بنائیں جو مجلس میں ایجاب یا قبول کرے۔ (۱۲ ہزاروی)

محرمات کا بیان

ماں دادی اور نانی سے نکاح حرام ہے

(۹) قَالَ: [لَا يَحِلُّ لِلرَّجُلِ اَنْ يَتَزَوَّجَ بِأُمِّهِ وَلَا بِجَدَّاتِهِ مِنْ قِبَلِ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ] لِقَوْلِهِ تَعَالٰى: ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَ بَنٰتُكُمْ﴾ وَالْجَدَّاتُ اُمَّهَاتٌ. اِذِ الْاُمُّ هِيَ الْاَصْلُ لُغَةً اَوْ ثَبَتَتْ حُرْمَتُهُنَّ بِالْاِجْمَاعِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں: [اور کسی مرد کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنی ماں اور جدہ سے نکاح کرے وہ (جدہ) مردوں کی طرف سے ہو (یعنی دادی) یا عورتوں کی طرف سے (یعنی نانی)]

کیونکہ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَ بَنٰتُكُمْ﴾ [1]

ترجمہ: تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں حرام کردی گئیں۔

اور دادیاں (اور نانیاں) بھی مائیں ہیں کیونکہ لغت میں اُم، اصل کو کہا جاتا ہے یا ان کی حرمت اجماع سے ثابت ہے،

توضیح: جن عورتوں سے نکاح کرنا ہمیشہ کے لیے حرام ہے ان کو محرمات کہا جاتا ہے جن کا تفصیلی ذکر چوتھے پارے کے آخر میں کیا گیا ابتدائی طور پر یہاں ماؤں اور جدات کا ذکر کیا گیا۔ عربی میں جدہ، دادی اور نانی دونوں کو کہا جاتا ہے لہٰذا دادی اور نانی چاہے اُوپر تک چلی جائیں یعنی پردادی وغیرہ اور پرنانی وغیرہ ان سب سے نکاح حرام ہے۔

ماں کی حرمت صریح الفاظ میں بیان ہوئی ہے جس کا ذکر ابھی آیت کریمہ کے حوالے سے کیا گیا اور دادیوں اور نانیوں کی حرمت دو طرح سے ثابت ہوتی ہے۔

(۱) لغوی اعتبار، کیونکہ لغت میں اُم اصل کو کہا جاتا ہے تو امھات کے لفظ میں دادیاں اور نانیاں سب شامل ہوں گی۔

(۲) امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ دادی اور نانی سے نکاح حرام ہے اور اس امت کا اجماع شرعی دلیل ہے۔

---

[1] سورۃ النساء، آیت: ۲۳

بیٹی، پوتی، بہن بھانجی، بھتیجی، خالہ اور پھوپھی کی حرمت

(۱۰) قَالَ: [وَلَا بِبِنْتِهٖ] لِمَا تَلَوْنَا [وَلَا بِبِنْتِ وَلَدِهٖ وَاِنْ سَفُلَتْ] لِلْاِجْمَاعِ [وَلَا بِاُخْتِهٖ وَلَا بِبَنَاتِ اُخْتِهٖ وَلَا بِبَنَاتِ اَخِيْهِ وَلَا بِعَمَّتِهٖ وَلَا بِخَالَتِهٖ] لِاَنَّ حُرْمَتَهُنَّ مَنْصُوْصٌ عَلَيْهَا فِي هٰذِهِ الْاٰيَةِ. وَتَدْخُلُ فِيْهَا الْعَمَّاتُ الْمُتَفَرِّقَاتُ وَالْخَالَاتُ الْمُتَفَرِّقَاتُ وَبَنَاتُ الْاِخْوَةِ الْمُتَفَرِّقِيْنَ لِاَنَّ جِهَةَ الْاِسْمِ عَامَّةٌ۔

ترجمہ: [(کسی مرد کے لیے) اپنی بیٹی سے نکاح کرنا بھی جائز نہیں] اس آیت کی وجہ سے جو ہم نے ذکر کی [اور اولاد کی بیٹی سے بھی جائز نہیں] اس پر اجماع ہے۔

[اپنی بہن اور بہن کی بیٹیوں اور بھائی کی بیٹیوں، پھوپھی اور خالہ سے بھی نکاح جائز نہیں] کیونکہ آیت کریمہ میں ان کی حرمت صریح الفاظ میں بیان کی گئی۔ اس میں متفرق پھوپھیاں، متفرق خالائیں اور متفرق بھائیوں کی بیٹیاں بھی شامل ہیں کیونکہ نام کی جہت عام ہے (سب کو شامل ہے)۔

توضیح: نوٹ: یہ بات یاد رہے کہ جو عورتیں کسی مرد پر ہمیشہ کے لیے حرام ہوتی ہیں ان کی حرمت کی تین صورتیں ہیں:

① نسبی اعتبار سے حرام۔　② مصاہرت (سسرالی رشتہ) کی وجہ سے حرام اور

③ رضاعت (دودھ پینے) کی وجہ سے حرام۔

ابھی تک جن رشتوں کی حرمت کا ذکر کیا گیا یہ سب نسبی اعتبار سے حرام ہیں۔

بیٹیوں سے نکاح حرام ہے جیسا کہ گزشتہ آیت میں ذکر ہوا ہے اور اخلاقی اعتبار سے بھی یہ نہایت برا عمل ہے اور حیا سے گری ہوئی بات اور اس بات پر بھی اجماع کہ اپنی اولاد کی اولاد سے بھی نکاح حرام ہے یعنی پوتیوں، نواسیوں اور ان کی اولاد پھر ان کی اولاد نیچے تک حرام ہیں۔

بہن اور بہن کی اولاد یعنی بھانجیوں اور بھائی کی اولاد یعنی بھتیجیوں سے بھی نکاح حرام ہے اسی طرح پھوپھی اور خالہ سے بھی حرام ہے۔ قرآن پاک کی آیت میں واضح طور پر ان کی حرمت کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے لیے دیکھیے سورۃ نساء، آیت: ۲۲۔

متفرق سے مراد یہ ہے کہ پھوپھی سگی ہو یعنی اس کے ماں باپ کے اور پھوپھی کے ماں باپ ایک ہوں یا دونوں کا باپ ایک اور ماں الگ الگ ہو یا ماں ایک اور باپ الگ الگ ہوں۔

اسی طرح خالہ اور بھتیجیوں کا حکم ہے سگی ہوں یا باپ کی طرف سے ہوں یا ماں کی طرف سے سب کا حکم ایک ہے کیونکہ یہ اسم یعنی خالہ، پھوپھی، بہن، بھتیجی اور بھانجی ان سب بولا جاتا ہے۔

ساس اور سوتیلی بیٹی کی حرمت

(۱۱) قَالَ: [وَلَا بِأُمِّ امْرَأَتِهِ الَّتِيْ دَخَلَ بِهَا أَوْ لَمْ يَدْخُلْ] لِقَوْلِهِ تَعَالٰى: ﴿وَأُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ﴾ مِنْ غَيْرِ قَيْدِ الدُّخُوْلِ۔

[وَلَا بِبِنْتِ امْرَأَتِهِ الَّتِيْ دَخَلَ بِهَا] لِثُبُوْتِ قَيْدِ الدُّخُوْلِ بِالنَّصِّ [سَوَاءٌ كَانَتْ فِيْ حِجْرِهِ أَوْ فِيْ حِجْرِ غَيْرِهِ] لِأَنَّ ذِكْرَ الْحِجْرِ خَرَجَ مَخْرَجَ الْعَادَةِ لَا مَخْرَجَ الشَّرْطِ وَلِهٰذَا اكْتَفٰى فِيْ مَوْضِعِ الْإِحْلَالِ بِنَفْيِ الدُّخُوْلِ

فرماتے ہیں: [بیوی کی ماں سے نکاح حرام ہے اس (بیوی) سے جماع کیا ہو یا نہ]

کیونکہ ارشادِ خداوندی ہے:

وَأُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ ◆

ترجمہ: اور تمہاری بیویوں کی مائیں تم پر حرام ہیں۔

اس میں جماع کی قید نہیں۔

[اور اپنی اس بیوی کی بیٹی سے بھی (نکاح حرام ہے) جس کے ساتھ جماع کر چکا ہو] کیونکہ جماع کی قید نص سے ثابت ہے۔

[چاہے وہ لڑکی اس کی پرورش میں ہو یا کسی دوسرے کی پرورش میں ہو] کیونکہ آیت میں پرورش کا ذکر عادت کے طور پر کیا گیا بطور شرط نہیں۔ اسی لیے حلال ہونے کے مقام پر جماع کی نفی پر اکتفاء کیا گیا۔

توضیح: اب ان رشتوں کی حرمت کا ذکر ہے جن میں مصاہرت کی وجہ سے حرمت آتی ہے یعنی سسرالی رشتے، اس سلسلے میں ساس اور سوتیلی بیٹی کا ذکر کیا گیا ساس کے ساتھ نکاح بالکل حرام ہے جب اس کی بیٹی سے نکاح ہوا تو وہ حرام ہو گئی جماع کیا ہو یا نہ، کیونکہ ارشادِ خداوندی ہے کہ

وَأُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ

ترجمہ: تمہاری بیویوں کی مائیں تم پر حرام ہیں۔

مطلق ہے اس میں جماع کی قید نہیں۔

لیکن سوتیلی بیٹی کی ماں سے جماع کیا ہو تو اب اس لڑکی سے نکاح نہیں ہو سکتا اور اگر جماع نہیں ہوا اور اسے طلاق دے دی تو اس کی لڑکی سے نکاح کر سکتا ہے۔

◆ سورۃ النساء، آیت: ۲۳

کیونکہ قرآن پاک میں یہ قید ذکر کی گئی ارشادِ خداوندی ہے:

فَإِنۡ لَّمۡ تَكُونُوا دَخَلۡتُم بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ ◆

قرآن پاک میں جو فرمایا فی حجور کم تو عام طور پر سوتیلی بیٹی اپنی ماں کے ساتھ سوتیلے باپ کے گھر میں رہتی ہے تو یہ قید اتفاقی ہے اور احترازی نہیں یعنی یہ بتانے کے لیے نہیں کہ اگر پرورش میں نہ ہو تو اور حکم ہوگا اور پرورش میں ہو تو اور حکم ہوگا۔

یہی وجہ ہے کہ جب اس لڑکی سے نکاح جائز قرار دیا گیا تو صرف اس کی ماں سے جماع کی نفی کی گئی پرورش میں نہ ہونے کا ذکر نہیں کیا گیا لہٰذا اگر وہ اس شخص کی پرورش میں نہ بھی ہو تو اس کے نکاح کا حکم وہی ہوگا جو پرورش میں ہونے کی صورت میں ہے۔

باپ، دادا اور اولاد کی بیویوں کی حرمت

(۱۲) قَالَ [وَلَا بِامۡرَأَةِ أَبِيهِ وَأَجۡدَادِهِ] لِقَوۡلِهِ تَعَالَىٰ: ﴿وَلَا تَنكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُم مِّنَ النِّسَاءِ﴾ [وَلَا بِامۡرَأَةِ ابۡنِهِ وَبَنِي أَوۡلَادِهِ] لِقَوۡلِهِ تَعَالَىٰ ﴿وَحَلَائِلُ أَبۡنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنۡ أَصۡلَابِكُمۡ﴾ وَذِكۡرُ الۡأَصۡلَابِ لِإِسۡقَاطِ اعۡتِبَارِ التَّبَنِّي لَا لِإِحۡلَالِ حَلِيلَةِ الۡابۡنِ مِنَ الرَّضَاعَةِ

ترجمہ: فرمایا [کہ اپنے باپ اور دادا کی بیوی سے بھی (نکاح جائز نہیں)]

کیونکہ ارشادِ خداوندی ہے:

وَلَا تَنكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُم مِّنَ النِّسَاءِ ◆

ترجمہ: ''اور جن عورتوں سے تمہارے باپ دادا نے نکاح کیا ان سے نکاح نہ کرو''۔

[اور اپنے بیٹے کی بیوی اور اولاد کی اولاد میں سے کسی کی بیوی سے بھی (نکاح کرنا جائز) نہیں]۔

کیونکہ ارشادِ خداوندی ہے:

وَحَلَائِلُ أَبۡنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنۡ أَصۡلَابِكُمۡ ◆

ترجمہ: ''اور تمہارے نسبی بیٹوں کی بیویوں سے بھی (نکاح کرنا) جائز نہیں۔

اصلاب (نسبی اولاد) کا ذکر اس لیے کیا کہ متبنیٰ کے اعتبار کو ساقط کیا جائے رضاعی بیٹی کی بیوی کو حلال کرنے کے لیے نہیں۔

توضیح: حرمت مصاہرت کے سلسلے میں مزید دو قسم کے رشتوں کا ذکر فرمایا: باپ، دادا اور نانا چاہے اوپر تک چلے جائیں

◆ سورۃ النساء، آیت: ۲۳ ◆ سورۃ النساء، آیت: ۲۲ ◆ سورۃ النساء، آیت: ۲۳

ان کی بیویاں ماں کی طرح ہوتی ہیں اس لیے ان سے نکاح حرام قرار دیا گیا۔

بیٹوں کی بیویاں چونکہ بیٹیوں کی طرح ہوتی ہیں لہٰذا ان سے بھی نکاح جائز نہیں اس میں پوتے اور نواسے بھی شامل ہیں چاہے وہ نیچے تک چلے جائیں۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

یہاں ایک شبہ پیدا ہوتا ہے کہ جب بیٹوں کے ساتھ اصلاب کا ذکر کیا تو اس سے ثابت ہوا کہ اس کے (صُلبی) بیٹوں کی بیویوں سے نکاح حرام ہے تو رضاعی بیٹے کی بیوی سے جائز ہوگا تو اس شبہ کا ازالہ کرتے ہوئے فرمایا کہ نسبی بیٹے کا ذکر کر کے متبنّیٰ (منہ بولا یا لے پالک) بیٹے کو نکالا کہ اس کی بیوی سے نکاح ہو سکتا ہے۔

لہٰذا رضاعی بیٹے کی بیوی سے نکاح جائز نہیں۔

رضاعی ماں اور رضاعی بہن کی حرمت

(۱۳) [وَلَا بِأُمِّهِ مِنَ الرَّضَاعَةِ وَلَا بِأُخْتِهِ مِنَ الرَّضَاعَةِ] لِقَوْلِهِ تَعَالٰی: ﴿وَ اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ﴾ وَلِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ: «يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ»۔

ترجمہ: [اور رضاعی ماں اور رضاعی بہن کے ساتھ بھی (نکاح) جائز نہیں] کیونکہ ارشادِ خداوندی ہے:

وَ اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ ❶

ترجمۂ: 'اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا اور تمہاری رضاعی بہنیں'۔

اور رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ۔ ❷

ترجمۂ: رضاعت سے وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔

توضیح: جس عورت نے اپنی اولاد کے علاوہ کسی لڑکے کو دودھ پلایا تو وہ عورت اس کی رضاعی ماں بن جاتی ہے اور اس کی اولاد اس کے بہن بھائی بن جاتے ہیں۔

اسی طرح اس کی نواسیاں اور پوتیاں اس دودھ پینے والے کی بھانجیاں اور بھتیجیاں بن جاتی ہیں لہٰذا ان سب سے نکاح حرام ہے رضاعی ماں اور بہن کا ذکر نص قرآنی میں ہے اور باقی رشتوں کا ذکر رسول اکرم ﷺ کے فرمانِ مبارک میں ہے کہ جو رشتے نسبی طور پر حرام ہوتے ہیں وہ رضاعی طور پر بھی حرام ہوتے ہیں۔

---

❶ سورۃ النساء، آیت: ۲۳ ❷ اخرجہ البخاری فی صحیحہ: ۹/ ۱۳۹ حدیث: ۵۰۹۹۔ و مسلم فی صحیحہ: ۱۶۸/ ۲، حدیث: ۱۴۴۴

نوٹ: یہ حدیث عام مخصوص البعض ہے یعنی بعض نسبی رشتے حرام ہوتے ہیں لیکن وہ رضاعت کی وجہ سے حرام نہیں ہوتے۔ تفصیل رضاعت کے باب میں آئے گی۔ (۱۲ ہزاروی)

دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا

(۱۴) [وَلَا يَجْمَعُ بَيْنَ أُخْتَيْنِ نِكَاحًا وَّلَا بِمِلْكِ يَمِيْنٍ وَّطْئًا] لِقَوْلِهِ تَعَالٰى: ﴿وَ اَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ﴾ وَلِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ: «مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ لَا يَجْمَعَنَّ مَاءَهٗ فِيْ رَحِمِ اُخْتَيْنِ»۔

ترجمہ: [اور دو بہنوں کو ایک نکاح میں اور ملک یمین کے ساتھ وطی کے طور پر جمع نہ کرے] کیونکہ ارشادِ خداوندی ہے:

وَ اَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ ◆[1]

ترجمہ: "اور دو بہنوں کو (ایک نکاح میں) جمع کرنا (حرام) ہے۔

اور سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ لَا يَجْمَعَنَّ مَاءَهٗ فِيْ رَحِمِ اُخْتَيْنِ۔ ◆[2]

ترجمہ: جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ دو بہنوں کے رحم میں اپنا پانی اکٹھا نہ کرے۔

توضیح: قرآن وسنت کی روشنی میں اور صلہ رحمی اور حیاء کے اعتبار سے بیک وقت دو بہنوں کو نکاح میں رکھنا جائز نہیں البتہ ایک کو طلاق دی جائے یا وہ انتقال کر جائے تو دوسری سے نکاح کر سکتا ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ایک بہن سے نکاح کرے اور دوسری سے لونڈی (ملک یمین) کے طور پر جماع کرے تو یہ بھی حرام ہے یا دونوں بہنوں سے بطور لونڈی وطی کرے یہ بھی ناجائز ہے البتہ دو بہنیں کسی کی لونڈیاں ہوں اور ایک سے وطی کرے اور دوسری سے وطی نہ کرے تو جائز ہے۔

جس لونڈی سے وطی کی اس کی بہن سے نکاح کا حکم

(۱۵) [فَاِنْ تَزَوَّجَ اُخْتَ اَمَةٍ لَهٗ قَدْ وَطِئَهَا صَحَّ النِّكَاحُ] لِصُدُوْرِهٖ مِنْ اَهْلِهٖ مُضَافًا اِلٰى مَحِلِّهٖ [وَ] اِذَا جَازَ [لَا يَطَأُ الْاَمَةَ وَاِنْ كَانَ لَمْ يَطَأِ الْمَنْكُوْحَةَ] لِاَنَّ الْمَنْكُوْحَةَ مَوْطُوْءَةٌ حُكْمًا. وَلَا يَطَأُ الْمَنْكُوْحَةَ لِلْجَمْعِ اِلَّا اِذَا حَرَّمَ الْمَوْطُوْءَةَ عَلٰى نَفْسِهٖ لِسَبَبٍ مِّنَ الْاَسْبَابِ فَحِيْنَئِذٍ يَطَأُ الْمَنْكُوْحَةَ لِعَدَمِ الْجَمْعِ. وَيَطَأُ الْمَنْكُوْحَةَ اِنْ لَّمْ يَكُنْ وَطِئَ الْمَمْلُوْكَةَ لِعَدَمِ الْجَمْعِ وَطْئًا اِذْ

◆ [1] سورۃ النساء، آیت: ۲۳ ◆ [2] صحیح بخاری، کتاب النکاح، رقم الحدیث: ۵۱۰۶

الْمَرْقُوْفَةُ لَيْسَتْ مَوْطُوْءَةً حُكْمًا۔

ترجمہ: [اگر کوئی شخص اپنی اس لونڈی بہن سے نکاح کرے جس لونڈی سے وہ وطی کر چکا ہے تو نکاح صحیح ہے] کیونکہ یہ نکاح اپنے محل میں اور (نکاح کے) اہل کی طرف سے ہوا ہے [اور] جب جائز ہے تو [لونڈی سے وطی نہ کرے اگر چہ اس نے منکوحہ سے وطی نہ کی ہو]

کیونکہ منکوحہ حکمی طور پر موطوءۃ ہوتی ہے اور منکوحہ سے وطی نہ کرے کیونکہ اس طرح دو بہنیں جمع ہو جائیں گی مگر یہ کہ موطوءہ کو (حرمت کے) اسباب سے کسی بھی سبب سے اپنے اُوپر حرام کر دے اس وقت وہ منکوحہ سے جماع کر سکتا ہے کیونکہ اب جمع کرنا نہیں پایا گیا۔

اور منکوحہ سے جماع کر سکتا ہے اگر مملوکہ (لونڈی) ہے جماع نہ کیا ہو کیونکہ اب ان کو وطی کے طور پر جمع کرنا نہیں کیونکہ جو غلامی میں ہے وہ حکمی طور پر موطوءہ نہیں ہوتی۔

توضیح: اگر کسی شخص کی لونڈی ہو اور اس سے صحبت کر چکا ہو تو اس کی بہن سے نکاح کر سکتا ہے کیونکہ نکاح کے لیے دو باتوں کا ہونا ضروری ہے ایک یہ کہ نکاح کرنے والا نکاح کا اہل ہو اور عورت نکاح کا محل ہو یعنی اس سے نکاح جائز ہو تو یہاں دونوں باتیں پائی گئیں۔

لیکن اب لونڈی سے وطی نہیں کر سکتا کیونکہ منکوحہ عورت موطوءہ کے حکم میں ہوتی ہے لہٰذا اس طرح دو بہنوں کا بطور وطی جمع کرنا پایا جائے گا۔

البتہ اگر اس موطوءہ لونڈی کو کسی بھی طریقے پر اپنے اُوپر حرام کر دے مثلاً اسے فروخت کر دے یا کسی دوسرے شخص کے نکاح میں دے دے تو اب اس کی منکوحہ بہن سے جماع کر سکتا ہے کیونکہ اب دو بہنوں کا جمع کرنا لازم نہیں آتا۔

یہ بات بھی یاد رہے کہ منکوحہ عورت حکمی طور پر موطوءہ ہوتی ہے لیکن مملوکہ یعنی لونڈی حکماً موطوءہ نہیں ہوتی لہٰذا اگر لونڈی سے صحبت نہیں کی تو اب اس کی بہن سے نکاح کے بعد جماع کر سکتا ہے۔

ایک عقد میں دو بہنوں سے نکاح کا حکم

(۱۶) [فَاِنْ تَزَوَّجَ اُخْتَيْنِ فِيْ عُقْدَتَيْنِ وَلَا يَدْرِيْ اَيَّتُهُمَا اُوْلٰى فُرِّقَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَهُمَا] لِاَنَّ نِكَاحَ اِحْدَاهُمَا بَاطِلٌ بِيَقِيْنٍ، وَلَا وَجْهَ اِلَى التَّعْيِيْنِ لِعَدَمِ الْاَوْلَوِيَّةِ وَلَا اِلَى التَّنْفِيْذِ مَعَ التَّجْهِيْلِ لِعَدَمِ الْفَائِدَةِ اَوْ لِلضَّرَرِ فَتَعَيَّنَ التَّفْرِيْقُ

[وَلَهُمَا نِصْفُ الْمَهْرِ] لِاَنَّهٗ وَجَبَ لِلْاُوْلٰى مِنْهُمَا، وَانْعَدَمَتِ الْاَوْلَوِيَّةُ لِلْجَهْلِ بِالْاَوَّلِيَّةِ فَيُصْرَفُ اِلَيْهِمَا. وَقِيْلَ لَا بُدَّ مِنْ دَعْوٰى كُلِّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُمَا اَنَّهَا الْاُوْلٰى اَوِ الْاِصْطِلَاحِ لِجَهَالَةِ الْمُسْتَحِقَّةِ۔

ترجمہ: [پس اگر دو بہنوں سے دو عقدوں میں نکاح کرے اور یہ معلوم نہ ہو کہ ان میں سے پہلی کون سی ہے تو اس مرد کے اور ان دونوں کے درمیان تفریق کر دی جائے]

کیونکہ ان میں سے ایک کا نکاح یقینی طور پر باطل ہے اور کسی ایک کو متعین نہیں کیا جا سکتا کیونکہ کسی ایک کو اولیٰ قرار نہیں دیا جا سکتا اور نکاح کا نفاذ بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ مجہول ہے لہٰذا اس کا کوئی فائدہ نہیں یا اس میں ضرر ہے لہٰذا تفریق متعین ہو گئی۔

[اور ان دونوں کے لیے نصف مہر ہوگا] کیونکہ یہ مہر اس کے لیے واجب ہوا جس سے پہلے نکاح ہوا اور جہالت کی وجہ سے پہلے ہونا معدوم ہو گیا کیونکہ پہلے ہونا مجہول ہے لہٰذا اسے دونوں کی طرف پھیرا جائے گا۔

اور کہا گیا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کا یہ دعویٰ کرنا ضروری ہے کہ وہ پہلی ہے یا وہ آپس میں صلح کریں کیونکہ جو مستحق ہے وہ مجہول ہے۔

توضیح: جب دو بہنوں کو بیک وقت ایک نکاح میں جمع کرنا حرام ہے تو اب دو صورتیں ہوں گی ایک یہ کہ جس سے پہلے نکاح ہوا وہ معلوم ہے تو یقینی طور پر دوسری بہن سے نکاح منعقد نہیں ہوا دوسری صورت یہ ہے کہ دونوں سے دو عقد میں نکاح ہوا لیکن یہ معلوم نہیں کہ پہلے کس سے نکاح ہوا تو اس صورت میں تفریق کر دی جائے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک کے ساتھ نکاح یقینی طور پر باطل ہے لیکن یہ معلوم نہیں کہ وہ کون سی ہے لہٰذا کسی ایک کے ساتھ پہلے نکاح کرنے کا فیصلہ نہیں ہو سکتا اور نکاح کو نافذ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس کا فائدہ نہیں یا ضرر ہے لہٰذا تفریق متعین ہو گئی فائدہ سے مراد اولاد کا حصول ہے اور اس کے لیے وطی ضروری ہے اور غیر معین سے وطی نہیں کر سکتا۔ اور ضرر کا مطلب یہ ہے کہ دونوں عورتیں نہ تو مطلقہ ہوں گی اور نہ ہی نکاح میں ہوں گی تو وہ پریشانی کا شکار ہوں گی۔

جہاں تک مہر کا تعلق ہے تو غیر مدخول کو کل مہر کا نصف دیا جاتا ہے اور چونکہ نکاح مجہول طریقے پر باطل ہے لہٰذا نصف مہر دونوں میں تقسیم کیا جائے گا۔

اصل میں یہ نصف مہر اس عورت کے لیے واجب ہوا جس کے ساتھ پہلے نکاح ہوا کیونکہ اس کا نکاح صحیح ہوا لیکن اس کا علم نہ ہونے کی وجہ سے کسی ایک کو زیادہ مستحق قرار نہیں دیا جا سکتا۔

ایک قول یہ ہے اور یہ فقیہ ابو جعفر ہندوانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ان میں سے ہر ایک کے لیے ضروری ہے کہ وہ دعویٰ کرے کہ پہلے اس کا نکاح ہوا یا وہ آپس میں مصالحت کر لیں کیونکہ اصل مستحق مجہول ہے۔

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں صلح کی صورت یہ ہے کہ قاضی کے ہاں وہ دونوں کہیں کہ اس شخص کے ذمہ ہمارا مہر ہے لہٰذا وہ نصف مہر پر مصالحت کر لیں اور یوں ہر ایک کے لیے کل مہر کا چوتھا حصہ ہوگا۔ ◆

◆ عینی شرح ہدایہ، جلد: ۲، صفحہ: ۳۲

خالہ اور بھانجی نیز پھوپھی اور بھتیجی کو ایک نکاح میں جمع کرنا

(۱۷) [وَلَا يَجْمَعُ بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَعَمَّتِهَا أَوْ خَالَتِهَا أَوْ اِبْنَةِ أَخِيهَا أَوْ اِبْنَةِ أُخْتِهَا] لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ: «لَا تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ عَلَى عَمَّتِهَا وَلَا عَلَى خَالَتِهَا وَلَا عَلَى اِبْنَةِ أَخِيهَا وَلَا عَلَى اِبْنَةِ أُخْتِهَا» وَهٰذَا مَشْهُورٌ، يَجُوزُ الزِّيَادَةُ عَلَى الْكِتَابِ بِمِثْلِهِ۔

ترجمہ: [اور کسی عورت اور اس کی پھوپھی یا اس کی خالہ یا اس کی بھتیجی یا اس کی بھانجی کو (ایک نکاح میں جمع نہ کیا جائے)]

کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ عَلَى عَمَّتِهَا وَلَا عَلَى خَالَتِهَا وَلَا عَلَى اِبْنَةِ أَخِيهَا وَلَا عَلَى اِبْنَةِ أُخْتِهَا۔ ❶

ترجمہ: "کسی عورت سے اس کی پھوپھی پر اور اس کی خالہ پر اور اس کی بھتیجی اور اس کی بھانجی پر نکاح نہ کیا جائے"

اور یہ مشہور حدیث ہے اس کے ساتھ قرآن پاک پر اضافہ کیا جاسکتا ہے۔

توضیح: اگر کسی شخص کے نکاح میں ایک عورت ہو تو اس کی موجودگی میں اس کی پھوپھی یا اس کی خالہ یا اس کی بھتیجی یا اس کی بھانجی سے نکاح کرنا جائز نہیں (اور یہ اسی طرح حرام ہے جیسے دو بہنوں کو بیک وقت نکاح میں لانا ناجائز ہے)۔

اس حرمت پر صاحب ہدایہ نے رسول اکرم ﷺ کی حدیث کو بطور دلیل پیش کیا۔

اس کے ساتھ ہی آپ نے ایک اعتراض کا جواب دیا اعتراض یہ ہے کہ قرآن پاک میں جن عورتوں کی حرمت کا ذکر ہے یہ ان میں شامل نہیں ہے۔

اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ حدیث مشہور ہے اور مشہور حدیث کے ذریعے قرآنی حکم میں اضافہ کیا جاسکتا ہے۔

نوٹ: قرآنی حکم سے مراد ﴿وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذٰلِكُمْ﴾ ❷ ہے (اور ان (بیان کردہ محرمات) کے علاوہ تمہارے لیے حلال ہیں) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جن محرمات کا ذکر ہے ان کے علاوہ حلال ہیں تو اس کا جواب دیا کہ یہ حرمت حدیث مشہور سے ثابت ہے اور یہ عام مخصوص البعض ہے جس طرح بت پرست اور ستارہ پرست عورتوں سے نکاح جائز نہیں۔ ❸

❶ ابوداود، کتاب النکاح، رقم الحدیث: ۲۰۶۵　❷ سورۃ النساء، آیت: ۲۴　❸ عینی، جلد: ۲، صفحہ: ۳۳

دو عورتوں کو جمع کرنے کا ضابطہ

(۱۸) [وَلَا يُجْمَعُ بَيْنَ امْرَاَتَيْنِ لَوْ كَانَتْ اِحْدَاهُمَا رَجُلًا لَمْ يَجُزْ لَهُ اَنْ يَتَزَوَّجَ بِالْاُخْرٰى] لِاَنَّ الْجَمْعَ بَيْنَهُمَا يُفْضِيْ اِلَى الْقَطِيْعَةِ وَالْقَرَابَةُ الْمُحَرِّمَةُ لِلنِّكَاحِ مُحَرِّمَةٌ لِلْقَطْعِ.
وَلَوْ كَانَتِ الْمَحْرَمِيَّةُ بَيْنَهُمَا بِسَبَبِ الرَّضَاعِ يَحْرُمُ لِمَا رَوَيْنَا مِنْ قَبْلُ۔

ترجمہ: [اور ایسی دو عورتوں کو (ایک نکاح میں) جمع نہ کیا جائے کہ اگر ان میں سے ایک مرد ہوتی تو اس کے لیے دوسری کے ساتھ نکاح جائز نہ ہوتا]
کیونکہ ان دونوں کو جمع کرنا قطع رحم کی طرف لے جاتا ہے اور ایسی قرابت جو نکاح کو حرام قرار دیتی ہے وہ قطع رحمی کو بھی حرام قرار دیتی ہے۔
اور اگر ان کے درمیان رضاعت کی وجہ سے محرمیت ہو تو وہ بھی حرام ہوگی جیسا کہ ہم پہلے روایت بیان کر چکے ہیں۔

توضیح: اس سے پہلے شخصی طور پر حرام رشتوں کا ذکر کیا کہ فلاں فلاں سے نکاح حرام ہے یا فلاں سے فلاں نکاح حرام ہے یا فلاں فلاں کو ایک نکاح میں جمع کرنا حرام ہے اب ایک ضابطہ بیان کر دیا اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ اس کی روشنی میں کئی رشتوں کی حرمت کا پتہ چلتا ہے ضابطہ یہ ہے کہ اگر دو عورتوں میں سے ایک کو مرد تصور کیا جائے تو دوسری کے ساتھ اس کا نکاح جائز نہ ہو تو ایسی دو عورتوں کو بھی ایک نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔
اس کی وجہ یہ ہے کہ اس طرح صلہ رحمی ختم ہو جاتی ہے اور باہمی تعلقات ٹوٹ جاتے ہیں کیونکہ ایک شخص کی دو یا زیادہ بیویاں ہوں تو فطری طور پر وہ ایک دوسرے کی مخالف ہوتی ہیں (الا ما شاء اللہ)
اب اگر خالہ کو مرد تصور کیا جائے تو وہ بھانجی کا ماموں ہو جائے گی اور ماموں بھانجی کا آپس میں نکاح نہیں ہو سکتا اس لیے وہ دونوں کسی شخص کے نکاح میں ایک ہی وقت میں نہیں آ سکتیں کیونکہ خالہ ماں کی طرح ہوتی ہے اور نکاح کی صورت میں ان کے درمیان چپقلش ہوگی اسی لیے قرابت کی وجہ سے نکاح حرام ہوتا کہ اس سے قطع رحمی لازم آتی ہے (ایسی قرابت جس میں وہ ایک دوسرے کے محرم ہوں) اور اگر ان کے درمیان محرمیت رضاعت کی وجہ سے ہو مثلاً وہ رضائی طور پر خالہ بھانجی ہو تو بھی ان کو ایک نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔
کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا جو رشتے نسب سے حرام ہوتے ہیں وہ رضاعت سے بھی حرام ہوتے ہیں۔

دو عورتوں کو جمع کرنے کی ایک اور صورت

(۱۹) [وَلَا بَأْسَ بِاَنْ يَّجْمَعَ بَيْنَ امْرَاَةٍ وَّ بِنْتِ زَوْجٍ كَانَ لَهَا مِنْ قَبْلُ] لِاَنَّهٗ لَا قَرَابَةَ بَيْنَهُمَا

وَلَا رِضَاعَ۔

وَقَالَ زُفَرُ: لَا يَجُوْزُ لِأَنَّ اِبْنَةَ الزَّوْجِ لَوْ قَدَّرْتَهَا ذَكَرًا لَا يَجُوْزُ لَهُ التَّزَوُّجُ بِامْرَأَةِ أَبِيْهِ۔ قُلْنَا: اِمْرَأَةُ الْأَبِ لَوْ صَوَّرْتَهَا ذَكَرًا جَازَ لَهُ التَّزَوُّجُ بِهٰذِهِ وَالشَّرْطُ اَنْ يُصَوَّرَ ذٰلِكَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ۔

ترجمہ: [کسی عورت اور اس کے پہلے خاوند کی بیٹی کو جمع کرنے میں کوئی حرج نہیں] کیونکہ ان کے درمیان نہ قرابت ہے اور نہ ہی رضاعت حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ جائز نہیں کیونکہ اس (پہلے) خاوند کی بیٹی کو اگر مذکر تصور کرو تو اس کے لیے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کرنا جائز نہیں۔

ہم کہتے ہیں باپ کی بیوی کو اگر تم مرد تصور کرو تو اس کے لیے اس لڑکی سے نکاح جائز ہے اور شرط یہ ہے کہ اس بات کا تصور دونوں طرف سے ہو (اور یہاں دونوں طرف سے نہیں)۔

توضیح: اس مسئلہ کی مثال اس طرح سمجھیں کہ مثلاً زید کی ایک بیٹی سکینہ ہے اور زید نے اس بیٹی کی ماں کے مرنے کے بعد ہندہ سے شادی کی پھر زید فوت ہو گیا تو ہندہ نے عمرو سے شادی کی اور عمرو نے سکینہ سے بھی شادی کر لی۔

تو سکینہ ہندہ کی بیٹی نہ ہونے کی وجہ سے اس کے ساتھ عمرو کے نکاح میں جمع ہو سکتی ہے۔

حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس طرح کرنا جائز نہیں وہ دلیل کے طور پر فرماتے ہیں کہ ہندہ، سکینہ کی سوتیلی ماں ہے اگر سکینہ کو لڑکا تصور کیا جائے تو اس کا اپنی سوتیلی ماں سے نکاح درست نہیں لہٰذا یہ دونوں ایک ہی نکاح میں جمع نہیں ہو سکتیں۔

ہم کہتے ہیں یہ ضابطہ جو گذشتہ مسئلہ میں بیان کیا تھا ایک طرفہ نہیں دو طرفہ ہے اگر ہندہ کو مرد تصور کریں تو اس کا نکاح سکینہ سے ہو سکتا ہے لہٰذا یہ دونوں عمرو کے نکاح میں جمع ہو سکتی ہیں۔

نوٹ: راقم کے نزدیک بہتر یہ ہے کہ اس سے نکاح کرنے سے پرہیز کیا جائے اگرچہ جائز ہے۔ ۱۲ ہزاروی

زنا کے ذریعے حرمت مصاہرت کا ثبوت

(۲۰) قَالَ [وَمَنْ زَنٰى بِامْرَأَةٍ حَرُمَتْ عَلَيْهِ اُمُّهَا وَبِنْتُهَا]

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: اَلزِّنَا لَا يُوْجِبُ حُرْمَةَ الْمُصَاهَرَةِ لِاَنَّهَا نِعْمَةٌ فَلَا تُنَالُ بِالْمَحْظُوْرِ۔ وَلَنَا اَنَّ الْوَطْءَ سَبَبُ الْجُزْئِيَّةِ بِوَاسِطَةِ الْوَلَدِ حَتّٰى يُضَافَ اِلٰى كُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا كَمَلًا فَيَصِيْرُ اُصُوْلُهَا وَفُرُوْعُهَا كَاُصُوْلِهٖ وَفُرُوْعِهٖ وَكَذٰلِكَ عَلَى الْعَكْسِ، وَالْاِسْتِمْتَاعُ بِالْجُزْءِ حَرَامٌ اِلَّا فِيْ مَوْضِعِ الضَّرُوْرَةِ وَهِيَ الْمَوْطُوْءَةُ، وَالْوَطْءُ مُحَرِّمٌ مِّنْ حَيْثُ اَنَّهٗ سَبَبُ الْوَلَدِ لَا مِنْ حَيْثُ اِنَّهٗ زِنٰى۔

فرماتے ہیں:[اور جس نے کسی عورت سے زنا کیا تو اس پر اس عورت کی ماں اور بیٹی حرام ہو جائیں گی]
حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں زنا سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ یہ ایک نعمت ہے لہٰذا وہ کسی ممنوع کام سے حاصل نہیں ہوگی۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ وطی، بچے کے واسطہ سے جزء ہونے کا سبب ہے حتی کہ اس کی نسبت ان دونوں (ماں باپ) کی طرف کامل طور پر کی جاتی ہے تو عورت کے اُصول وفروع، مرد کے اُصول وفرع کی طرح ہوں گے اسی طرح اس کے برعکس بھی ہے اور جزء سے نفع حاصل کرنا حرام ہے البتہ ضرورت کی صورت میں جائز ہے اور یہ وہ عورت ہے جس سے وطی کی گئی اور وطی حرام کرنے والی ہے کیونکہ وہ بچے کا سبب ہے اس اعتبار سے نہیں کہ وہ زنا ہے۔

توضیح: حرمت مصاہرت سے مراد یہ کہ نسبی اور رضاعی رشتہ کے علاوہ کوئی رشتہ حرام ہو یعنی سسرالی اعتبار سے حرمت ہو۔
یہاں یہ مسئلہ بیان کیا جا رہا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی عورت سے زنا کرے (معاذ اللہ) تو اس عورت کی ماں اور بیٹی جس طرح نکاح کی صورت میں حرام ہوتی ہیں اس صورت میں بھی وہ اس زانی پر حرام ہوں گی یا نہیں؟
تو احناف کے نزدیک وہ حرام ہوں گی اور حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے گی۔ لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ حرام نہیں ہوں گی ان کے ساتھ اس شخص کا نکاح جائز ہے آپ کی دلیل یہ ہے کہ مصاہرت ایک نعمت ہے (یعنی اس کے ذریعے باہمی محبت اور تعلق بڑھتا ہے) اور نعمت حرام کام یعنی زنا سے حاصل نہیں ہو سکتی۔
ہماری دلیل یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی عورت سے وطی کرتا ہے تو وہ ایک دوسرے کے جزء بن جاتے ہیں کہ ان کے اس عمل سے پیدا ہونے والا بچہ دونوں کی طرف کامل طور پر منسوب ہوتا ہے کہا جاتا ہے یہ فلاں مرد کا بیٹا ہے اور فلاں عورت کا بیٹا ہے لہٰذا عورت کے اُصول وفروع، اس مرد کے اُصول وفروع بن جاتے ہیں جس نے وطی کی اور اسی طرح اس مرد کے اُصول وفروع اس عورت کے اُصول وفروع بن جاتے ہیں۔
تو اس طرح وہ ایک دوسرے کی جز ہو گئے اس لیے زانی، مزنیہ عورت کی ماں یا باپ سے نکاح نہیں کر سکتا۔
سوال: اگر وہ ایک دوسرے کی جزء بن گئے تو ایک بار کے بعد دوبارہ ان کے درمیان صحبت کا عمل جائز نہیں ہونا چاہیے؟

جواب: اس کا جواب دیا کہ یہ ضرورت کے تحت ہے کیونکہ اگر اسے اس پر حرام قرار دیا جائے تو نسل انسانی کا سلسلہ ختم ہو جائے گا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل کا جواب دیتے ہوئے صاحب ہدایہ فرماتے ہیں چونکہ وطی بچے کی پیدائش کا سبب ہے اس لیے اس وطی کی وجہ سے اس عورت کے اُصول وفروع اس پر حرام ہیں محض زنا کے اعتبار سے (ان سے نکاح) حرام نہیں ہوا۔
علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
چونکہ وطی بچے کی پیدائش کا سبب ہے تو وطی کو اس کے قائم مقام کر دیا جیسے سفر، مشقت کا سبب ہے تو سفر کو اس کے قائم

مقام کر دیا۔◆

اس کی وضاحت یوں ہے کہ وطی، بچے کی ولادت کا سبب ہے اس لیے حرام ہے کیونکہ بچے کا پیدا ہونا مشکوک ہے لہٰذا وطی کو اس کے قائم مقام قرار دے کر حرام کر دیا گیا۔ واللہ اعلم۔ (۱۲ ہزاروی)

شہوت کے ساتھ چھونے سے حرمت

(۲۱) [وَمَنْ مَسَّتْهُ اِمْرَاَةٌ بِشَهْوَةٍ حَرُمَتْ عَلَيْهِ اُمُّهَا وَابْنَتُهَا] وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى: لَا تَحْرُمُ،

وَعَلٰى هٰذَا الْخِلَافِ مَسُّهُ امْرَاَةً بِشَهْوَةٍ وَّنَظْرُهُ اِلٰى فَرْجِهَا وَنَظْرُهَا اِلٰى ذَكَرِهٖ عَنْ شَهْوَةٍ لَهٗ اَنَّ الْمَسَّ وَالنَّظَرَ لَيْسَا فِي مَعْنَى الدُّخُولِ. وَلِهٰذَا لَا يَتَعَلَّقُ بِهِمَا فَسَادُ الصَّوْمِ وَالْاِحْرَامِ وَوُجُوْبُ الْاِغْتِسَالِ فَلَا يَلْحَقَانِ بِهٖ۔

وَلَنَا اَنَّ الْمَسَّ وَالنَّظَرَ سَبَبٌ دَاعٍ اِلَى الْوَطْئِ فَيُقَامُ مَقَامَهٗ فِيْ مَوْضِعِ الْاِحْتِيَاطِ. ثُمَّ اِنَّ الْمَسَّ بِشَهْوَةٍ اَنْ تَنْتَشِرَ الْاٰلَةُ اَوْ تَزْدَادَ اِنْتِشَارًا هُوَ الصَّحِيْحُ. وَالْمُعْتَبَرُ النَّظَرُ اِلَى الْفَرْجِ الدَّاخِلِ وَلَا يَتَحَقَّقُ ذٰلِكَ اِلَّا عِنْدَ اِتِّكَائِهَا.

وَلَوْ مَسَّ فَاَنْزَلَ فَقَدْ قِيْلَ اِنَّهٗ يُوْجِبُ الْحُرْمَةَ وَالصَّحِيْحُ اَنَّهٗ لَا يُوْجِبُهَا لِاَنَّهٗ بِالْاِنْزَالِ تَبَيَّنَ اَنَّهٗ غَيْرُ مُفْضٍ اِلَى الْوَطْئِ وَعَلٰى هٰذَا اِتْيَانُ الْمَرْاَةِ فِي الدُّبُرِ۔

ترجمہ: [اور جس شخص کو کسی عورت نے شہوت کے ساتھ ہاتھ لگایا اس پر اس عورت کی ماں اور اس کی بیٹی حرام ہو جائے گی] حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حرام نہیں ہوگی اور یہی اختلاف ہے جب مرد کسی عورت کو شہوت کے ساتھ چھوئے یا اس کی شرمگاہ کی طرف شہوت کے ساتھ دیکھے یا عورت شہوت کے ساتھ کسی مرد کی شرمگاہ کو دیکھے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ ہاتھ لگانا یا دیکھنا جماع کی طرح نہیں اسی لیے ان دو کاموں کے ساتھ روزے اور احرام کے فساد کا تعلق نہیں ہوتا اور غسل بھی واجب نہیں ہوتا پس جماع کے ساتھ ان کو ملایا نہیں جائے گا۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ (شہوت کے ساتھ عورت کو) ہاتھ لگانا یا (اس کی شرمگاہ کو) دیکھنا وطی کی طرف دعوت دیتا ہے لہٰذا احتیاط کے مقام پر دیکھنا اس (وطی) کے قائم مقام ہوگا۔ پھر شہوت کے ساتھ ہاتھ لگانے کی صورت یہ ہے کہ مرد کا آلہ تناسل میں انتشار آ جائے یا انتشار بڑھ جائے۔ یہ صحیح ہے اور معتبر فرج داخل کو دیکھنا ہے اور یہ صورت اس وقت متحقق ہو گی جب اس عورت نے ٹیک لگائی ہوئی ہو۔ اور اگر ہاتھ لگانے سے انزال ہو جائے تو کہا گیا کہ حرمت واجب ہو جائے گی

◆ عینی، جلد: ۴، صفحہ: ۳۸

اور صحیح یہ ہے کہ واجب نہیں ہوگی کیونکہ انزال سے یہ بات واضح ہوگئی کہ یہ عمل ہاتھ لگانا وطی کی طرف لے جانے والا نہیں اسی طرح عورت کے ساتھ بدفعلی کا حکم ہے۔

توضیح: اسلام گناہ تک پہنچنے کے ذرائع کو بھی بند کرتا ہے اسی لیے وہ اُمور زنا کے لیے بنیاد بنتے ہیں ان کو بھی جرم قرار دیا گیا۔

اس سلسلے میں یہ مسئلہ ذکر کیا گیا کہ اگر کوئی عورت شہوت کے ساتھ کسی مرد کو ہاتھ لگادے یا اس کی شرمگاہ کی طرف نظر کرے اسی طرح اگر کوئی مرد کسی عورت کو شہوت کے ساتھ ہاتھ لگائے یا اس کی شرمگاہ کی طرف دیکھے تو اس مرد پر اس عورت کی ماں اور بیٹی حرام ہو جائیں گی۔

اس مسئلہ میں حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے ان کے نزدیک حرام نہیں ہوں گی۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ حرمت جماع سے ہوتی ہے اور یہ دونوں کام جماع کے معنیٰ میں نہیں یہی وجہ ہے کہ ان کاموں سے روزہ نہیں ٹوٹتا اور نہ ہی احرام فاسد ہوتا ہے اور غسل بھی واجب نہیں ہوتا لہٰذا شہوت کے ساتھ کسی مرد کسی عورت کو یا کسی عورت کا کسی مرد کو ہاتھ لگانا یا شرمگاہ کی طرف دیکھنا حرمت مصاہرت کا سبب نہیں۔

احناف کی دلیل یہ ہے کہ شہوت کے ساتھ ہاتھ لگانا یا شرمگاہ کی طرف دیکھنا وطی کو دعوت دینے والے کام ہیں لہٰذا احتیاط کے مقام پر یہ وطی کے قائم مقام ہوں گے۔

شہوت کے ساتھ ہاتھ لگانے کی علامت یہ ہے کہ جب مرد عورت کو یا عورت مرد کو ہاتھ لگائے تو مرد کا آلہ تناسل منتشر ہو جائے یا اس کے انتشار میں اضافہ ہو جائے صحیح قول یہی ہے۔

صحیح کہہ کر ان مشائخ کے قول سے احتراز کیا ہے جو انتشار کی شرط نہیں لگاتے بلکہ وہ کہتے ہیں جب اس کا دل عورت کی طرف مائل ہو جائے تو یہی شہوت ہے۔

عورت کی شرمگاہ کی طرف دیکھنے میں فرج داخل کی طرف دیکھنے کا اعتبار ہے اور وہ اسی صورت میں دکھائی دیتی ہے جب عورت کسی چیز کے ساتھ ٹیک لگا کر اس طرح بیٹھے کہ اس کے اعضاء ڈھیلے ہوں۔

نوٹ: عورت کی شرمگاہ دو طرح کی ہوتی ہیں ایک فرج خارج جو کلی طور پر فرج نہیں ہوتی اور دوسری فرج داخل جسے مکمل طور پر فرج کہا جاتا ہے اور اسی کی طرف دیکھنا حرمت مصاہرت میں معتبر ہے۔

استثنائی صورت

اگر مرد نے عورت کو چھوا، یا عورت نے مرد کو ہاتھ لگایا اور مرد کو انزال ہو گیا تو ایک قول کے مطابق حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے گی لیکن صحیح قول کے مطابق حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوگی کیونکہ انزال سے ثابت ہو گیا کہ وہ اس عورت سے جماع کی طرف نہیں جا سکتا اسی طرح اگر کسی عورت سے بدفعلی کرے (جو حرام ہے اگرچہ اپنی بیوی ہی ہو) تو اس میں بھی یہی اختلاف ہے کہ اگر انزال ہو گیا تو حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوگی اور اگر نہ ہوا تو ثابت ہو جائے گی۔

مطلقہ بیوی کی عدت کے دوران اس کی بہن سے نکاح کرنا

(۲۲) [وَاِذَا طَلَّقَ امْرَأَةً طَلَاقًا بَائِنًا اَوْ رَجْعِيًّا لَمْ يَجُزْ لَهُ اَنْ يَتَزَوَّجَ بِاُخْتِهَا حَتّٰى تَنْقَضِيَ عِدَّتُهَا] وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ اِنْ كَانَتِ الْعِدَّةُ عَنْ طَلَاقٍ بَائِنٍ اَوْ ثَلَاثٍ يَجُوْزُ لِانْقِطَاعِ النِّكَاحِ بِالْكُلِّيَّةِ اِعْمَالًا لِلْقَاطِعِ، وَلِهٰذَا لَوْ وَطِئَهَا مَعَ الْعِلْمِ بِالْحُرْمَةِ يَجِبُ الْحَدُّ۔

وَلَنَا اَنَّ نِكَاحَ الْاُوْلٰى قَائِمٌ لِبَقَاءِ بَعْضِ اَحْكَامِهِ كَالنَّفَقَةِ وَالْمَنْعِ وَالْفِرَاشِ وَالْقَاطِعُ تَاَخَّرَ عَمَلُهُ وَلِهٰذَا بَقِيَ الْقَيْدُ،

وَالْحَدُّ لَا يَجِبُ عَلٰى اِشَارَةِ كِتَابِ الطَّلَاقِ، وَعَلٰى عِبَارَةِ كِتَابِ الْحُدُوْدِ يَجِبُ لِاَنَّ الْمِلْكَ قَدْ زَالَ فِيْ حَقِّ الْمِلْكِ فَيَتَحَقَّقُ الزِّنَا وَلَمْ يَرْتَفِعْ فِيْ حَقِّ مَا ذَكَرْنَا فَيَصِيْرُ جَامِعًا۔

ترجمہ: [اور جب کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق بائن یا طلاق رجعی دے تو اس کے لیے اس کی بہن سے نکاح کرنا جائز نہیں یہاں تک کہ اس کی عدت گزر جائے]

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگر طلاق بائن یا تین طلاقوں کی عدت ہو تو یہ نکاح جائز ہے کیونکہ نکاح مکمل طور پر منقطع ہو گیا اس طرح نکاح کو ختم کرنے والی طلاق پر عمل ہوگا۔

اسی لیے اگر وہ حرام جانتے ہوئے اس سے وطی کرے تو حد واجب ہوگی اور ہماری دلیل یہ ہے کہ بعض احکام کے باقی ہونے کی وجہ سے پہلا نکاح قائم ہے مثلاً اس کا نفقہ (گھر سے) باہر نکلنے سے منع کرنا اور اس کا فراش ہونا اور نکاح کے قاطع یعنی طلاق کا عمل موخر ہو گیا اسی لیے قید (عورت کا گھر میں پابند ہونا) باقی ہے اور حد کے بارے میں کتاب الطلاق سے عدم وجوب کا اشارہ ملتا ہے اور کتاب الحدود کی عبارت سے وجوب کا پتہ چلتا ہے۔

کیونکہ حلت کے حق میں مِلک زائل ہو گئی لہٰذا زنا متحقق ہو گیا اور جن باتوں کا ہم نے ذکر کیا ان کے حق میں مِلک ختم نہیں ہوئی بس وہ (دو بہنوں کو) جمع کرنے والا ہو جائے گا۔

توضیح: اگر کسی شخص نے بیوی کو طلاق دی اور وہ عدت گزار رہی ہے چاہے طلاق بائن ہو یا رجعی، تو اس دوران وہ اس کی بہن سے نکاح نہیں کر سکتا کیونکہ اس طرح دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا لازم آئے گا۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ تعالیٰ کے نزدیک طلاق بائن یا تین طلاقوں کی صورت میں عورت کے دوران اس کی بہن سے نکاح کر سکتا ہے۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ اس صورت میں وہ اس کی مِلک سے نکل چکی ہے اور طلاق بائن یا تین طلاقیں پہلے نکاح کو بالکل ختم کر دیتی ہیں وہ فرماتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اگر وہ شخص اس بات کو جانتے ہوئے کہ وہ اس پر حرام ہے، اس سے وطی کرے

تو اس پر حد واجب ہوگی۔

احناف کی دلیل یہ ہے کہ عدت کے اختتام تک نکاح مکمل طور پر ختم نہیں ہوتا بلکہ بعض احکام کے اعتبار سے باقی ہوتا ہے یعنی عدت کے دوران مطلقہ عورت کا نفقہ خاوند کے ذمہ ہوتا ہے اور وہ اسے گھر سے باہر جانے سے منع کر سکتا ہے اور اگر طلاق کے بعد دو سال کے اندر اندر بچہ پیدا ہو تو وہ اسی شخص کا ہوگا کیونکہ وہ اس کی فراش یعنی بستر والی کہلاتی ہے۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ طلاق بائن ملک کو ختم کر دیتی تو یہ صحیح ہے لیکن عدت کے ختم ہونے تک یہ عمل موخر ہوتا ہے اسی لیے وہ اس کی قید میں رہتی ہے (وہ دوسری جگہ نکاح نہیں کر سکتی اور نہ ہی گھر سے باہر جا سکتی ہے جب تک عدت ختم نہ ہو)۔

جہاں تک اس پر حد قائم ہونے کا تعلق ہے اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے بطور دلیل پیش کیا تو یہ قطعی اور اجماعی نہیں بلکہ اس میں دو قول ہیں (مبسوط کی) کتاب الطلاق میں اس طرف اشارہ ہے کہ حد واجب نہیں ہوگی اور کتاب الحدود کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ حد واجب ہوگی کیونکہ ملک زائل ہوگئی اور زنا متحقق ہوگیا۔

لیکن جن اُمور کا ہم نے ذکر کیا ان کے حوالے سے ملک زائل نہیں ہوئی لہٰذا اگر مطلقہ بیوی کی عدت کے دوران اس کی بہن سے نکاح کیا تو بہنوں کو جمع کرنا لازم آئے گا اور وہ نص قطعی سے حرام ہے (جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے)

مرد کا اپنی لونڈی کے ساتھ اور عورت کا اپنے غلام کے ساتھ نکاح جائز نہیں

(۲۳) [وَلَا يَتَزَوَّجُ الْمَوْلٰى اَمَتَهٗ وَلَا الْمَرْاَةُ عَبْدَهَا] لِاَنَّ النِّكَاحَ مَا شُرِعَ اِلَّا مُثْمِرًا بِثَمَرَاتٍ مُشْتَرَكَةٍ بَيْنَ الْمُتَنَاكِحَيْنِ، وَالْمَمْلُوْكِيَّةُ تُنَافِي الْمَالِكِيَّةَ فَيَمْتَنِعُ وُقُوْعُ الثَّمَرَةِ عَلَى الشِّرْكَةِ۔

ترجمہ: [اور آقا اپنی لونڈی سے نکاح نہ کرے اور نہ عورت اپنے غلام سے نکاح کرے] کیونکہ نکاح کا جواز اس لیے ہے کہ اس سے وہ ثمرات پیدا ہوں جو دو نکاح کرنے والوں کے درمیان ہوتے ہیں اور مملوکیت، مالکیت کے منافی ہے لہٰذا شرکت کی بنیاد پر ان ثمرات کا وقوع نہیں ہو سکتا۔

توضیح: مالک ہونے کو مالکیت اور غلام یا لونڈی ہونے کو مملوکیت کہا جاتا ہے اور نکاح میں مرد اور عورت دونوں کے ایک دوسرے کے ذمے حقوق ہوتے ہیں ارشادِ خداوندی ہے:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ ◆[1]

ترجمہ: اور ان عورتوں کے اس کی مثل (حقوق) ہیں جس طرح ان کے ذمہ حقوق ہیں۔

اور چونکہ غلام یا لونڈی کا کوئی حق نہیں ہوتا اس لیے غلام اپنی مالکہ سے نکاح نہیں کر سکتا کیونکہ اس طرح معاملہ اُلٹ

◆[1] سورۃ البقرۃ، آیت: ۲۲۸

ہو جائے گا۔ قرآن مجید میں ارشادِ خداوندی ہے:

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ ◆

ترجمہ: مرد عورتوں پر حاکم ہیں۔

اور یہاں عورت اپنے غلام خاوند پر حاکم ہو رہی ہے اور اگر مرد آقا اپنی لونڈی سے نکاح کرے تو اس لونڈی کو کوئی حق حاصل نہیں ہوگا اور یہ بھی قرآنی حکم کے خلاف ہے۔

اس لیے مرد کا اپنی لونڈی سے اور عورت کا اپنے غلام سے نکاح کرنا جائز نہیں۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نکاح کے ثمرات ہوتے ہیں جن کے لیے نکاح کی مشروعیت ہے تو عورت کے لیے مہر، لباس، نفقہ اور وطی مرد پر واجب ہے اور مرد کے لیے یہ کہ عورت پر قادر ہو وہ اس کے گھر میں رہے گھریلو اُمور انجام دے اور اس نکاح میں ایسا نہیں ہو سکتا۔

اہل کتاب عورتوں سے نکاح کرنا

(۲۴) [وَيَجُوْزُ تَزْوِيْجُ الْكِتَابِيَّاتِ] لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى: ﴿وَ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ﴾ اَیِ الْعَفَائِفُ، وَلَا فَرْقَ بَيْنَ الْكِتَابِيَّةِ الْحُرَّةِ وَالْاَمَةِ عَلٰى مَا نُبَيِّنُ مِنْ بَعْدُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى۔

ترجمہ: [اور اہل کتاب عورتوں سے نکاح جائز ہے]

کیونکہ ارشادِ خداوندی ہے:

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ◆

ترجمہ: اور اہل کتاب کی پاک دامن عورتوں سے نکاح ہو سکتا ہے۔

محصنات سے پاک دامن عورتیں مراد ہیں اور کتابی عورت آزاد ہو یا لونڈی ان میں کوئی فرق نہیں جیسا کہ ہم بعد میں بیان کریں گے ان شاء اللہ!

توضیح: قرآن مجید میں ان عورتوں کا بھی ذکر ہے جن سے نکاح کرنا جائز ہے اور ان کا بیان بھی ہے جن سے نکاح کرنا جائز نہیں مسلمان عورتوں کے علاوہ جن عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے وہ اہل کتاب ہیں اہل کتاب عورت آزاد ہو یا لونڈی، دونوں کے ساتھ نکاح جائز ہے قرآن پاک میں اس کے پاک دامن ہونے کی قید لگائی ہے کیونکہ یہ عادت کے طور پر ذکر کی گئی البتہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قول سے احتراز ہے کہ آپ نے محصنات سے مسلمان عورتیں مراد لی ہیں۔ ◆

◆ سورۃ النساء، آیت: ۳۴ ◆ سورۃ المائدہ، آیت: ۵ ◆ عینی شرح ہدایہ، جلد: ۲، صفحہ: ۴۸

مجوسی (آتش پرست) عورت سے نکاح جائز نہیں

(۲۵) وَلَا يَجُوزُ تَزْوِيجُ الْمَجُوسِيَّاتِ لِقَوْلِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ: «سُنُّوا بِهِمْ سُنَّةَ أَهْلِ الْكِتَابِ غَيْرَ نَاكِحِي نِسَائِهِمْ وَلَا اٰكِلِي ذَبَائِحِهِمْ»۔

ترجمہ: اور مجوسی عورتوں سے نکاح جائز نہیں کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

سُنُّوا بِهِمْ سُنَّةَ أَهْلِ الْكِتَابِ غَيْرَ نَاكِحِي نِسَائِهِمْ وَلَا اٰكِلِي ذَبَائِحِهِمْ ◆[1]

ترجمہ: ''ان کے ساتھ وہ طریقہ اختیار کرو جو اہل کتاب کے ساتھ اختیار کرتے ہو البتہ ان کی عورتوں سے نکاح نہ کرو اور نہ ہی ان کے ذبح کردہ جانور (کا گوشت) کھاؤ''۔

توضیح: مسلمان اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے عطاء کردہ احکامات کا پابند ہے اس لیے رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد پر عمل کرنا ضروری ہے کہ باقی معاملات میں آتش پرستوں (مجوسیوں) کے ساتھ وہی برتاؤ کیا جائے جو اہل کتاب کے ساتھ کیا جاتا ہے لیکن مجوسیوں کی عورتوں سے نکاح کرنا اور ان کا ذبیحہ کھانا جائز نہیں۔

بت پرست اور صابی عورت سے نکاح

(۲۶) قَالَ [وَلَا الْوَثَنِيَّاتِ] لِقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ﴾ [وَيَجُوزُ تَزْوِيجُ الصَّابِئَاتِ إِنْ كَانُوا يُؤْمِنُونَ بِدِينِ نَبِيٍّ وَيُقِرُّونَ بِكِتَابٍ] لِأَنَّهُمْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ [وَإِنْ كَانُوا يَعْبُدُونَ الْكَوَاكِبَ وَلَا كِتَابَ لَهُمْ لَمْ تَجُزْ مُنَاكَحَتُهُمْ] لِأَنَّهُمْ مُشْرِكُونَ. وَالْخِلَافُ الْمَنْقُولُ فِيهِ مَحْمُولٌ عَلَى اشْتِبَاهِ مَذْهَبِهِمْ. فَكُلٌّ أَجَابَ عَلَى مَا وَقَعَ عِنْدَهُ. وَعَلَى هٰذَا حِلُّ ذَبِيحَتِهِمْ۔

ترجمہ: امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں [اور بت پرست عورتوں سے بھی نکاح جائز نہیں]

کیونکہ ارشادِ خداوندی ہے:

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ◆[2]

ترجمہ: اور مشرکہ عورتوں سے نکاح نہ کرو حتی کہ وہ ایمان لے آئیں۔

[اور صابی عورتوں سے نکاح جائز ہے اگر وہ کسی نبی کے دین پر ایمان رکھتی ہوں اور (آسمانی) کتاب کا اقرار کرتی ہوں] کیونکہ وہ اہل کتاب سے ہیں۔

◆[1] ابن شیبہ، کتاب النکاح، ◆[2] سورۃ البقرۃ، آیت: ۲۲۱

[اور اگر وہ ستاروں کی پوجا کرتی ہوں اور ان کی کوئی کتاب نہ ہو تو ان کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں] کیونکہ وہ مشرک ہیں اور اس سلسلے میں جو اختلاف منقول ہے وہ ان کے مذہب کے بارے میں اشتباہ پر محمول ہے لہٰذا ہر ایک نے وہ جواب دیا جو اس کے نزدیک واقع ہوا، اور ان کے ذبیحہ کے حلال ہونے کے بارے میں بھی یہی اختلاف ہے۔

توضیح: صابی مذکر اور صابیہ مؤنث کو کہتے ہیں اس کا معنیٰ نکلنا ہے لہٰذا جو لوگ ایک دین سے دوسرے دین کی طرف نکل گئے وہ صابی ہیں۔

چونکہ ان کے بارے میں اشتباہ ہے کہ ان کا تعلق اہل کتاب سے ہے یا نہیں اس لیے ان کی عورتوں سے نکاح میں بھی اختلاف ہے۔

اور یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ اہل کتاب سے نکاح جائز ہے اور بت پرستوں سے ناجائز ہے۔

لہٰذا اگر یہ کسی نبی کو مانتے ہوں اور کسی الہامی کتاب کے قائل ہوں تو ان کے ساتھ نکاح جائز ہوگا اور ان کا ذبیحہ بھی حلال ہوگا ورنہ نہ ان کی عورتوں سے نکاح جائز ہے اور نہ ہی ان کا ذبیحہ حلال ہے۔

اسی اشتباہ کی وجہ سے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان سے نکاح جائز ہے اور صاحبین کے نزدیک جائز نہیں۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ اہل کتاب سے ہیں زبور کا اقرار کرتے ہیں اور ستاروں کی پوجا نہیں کرتے۔

جبکہ صاحبین کے نزدیک یہ ستارہ پرست ہیں اور کسی کتاب کو نہیں مانتے تو جس کے نزدیک جو ثابت ہے اس کے نزدیک اسی کے مطابق فتویٰ ہے۔

حالتِ احرام میں نکاح کا حکم

(۲۷) قَالَ: [وَيَجُوْزُ لِلْمُحْرِمِ وَالْمُحْرِمَةِ اَنْ يَّتَزَوَّجَا فِي حَالَةِ الْاِحْرَامِ] وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ: لَا يَجُوْزُ. وَتَزْوِيْجُ الْوَلِيِّ الْمُحْرِمِ وَلِيَّتَهُ عَلٰى هٰذَا الْخِلَافِ۔

لَهُ قَوْلُهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا يَنْكِحُ الْمُحْرِمُ وَلَا يُنْكِحُ»۔ وَلَنَا مَا رُوِيَ: «اَنَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ تَزَوَّجَ بِمَيْمُوْنَةَ وَهُوَ مُحْرِمٌ»۔ وَمَا رَوَاهُ مَحْمُوْلٌ عَلَى الْوَطْئِ۔

ترجمہ: امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: [اور محرم مرد اور محرمہ عورت کے لیے حالتِ احرام میں نکاح کرنا جائز ہے]

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جائز نہیں اور محرم ولی کا اس بچی کا نکاح کر کے دینا جس کا وہ ولی ہے اسی اختلاف پر ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشادِ گرامی ہے:

لَا یَنْکِحُ الْمُحْرِمُ وَلَا یُنْکِحُ [1]

ترجمہ: آپ نے فرمایا: محرم نکاح نہ کرے اور نہ نکاح کر کے دے۔

اور ہماری دلیل یہ روایت ہے:

اَنَّہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ تَزَوَّجَ بِمَیْمُوْنَۃَ وَھُوَ مُحْرِمٌ [2]

ترجمہ: کہ نبی اکرم ﷺ نے حالتِ احرام میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی ذکر کردہ روایت جماع پر محمول ہے۔

توضیح: جو شخص حج یا عمرہ کے احرام میں ہو یا عورت اس حالت میں ہو تو ان کے نکاح کرنے اور اسی طرح نکاح کر کے دینے میں اختلاف ہے۔ احناف کے نزدیک یہ جائز ہے۔

کیونکہ جب حضور علیہ السلام نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تو آپ حالتِ احرام میں تھے۔

یہ نکاح مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ طیبہ جاتے ہوئے مقام سرف میں ہوا حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا انتقال بھی اسی مقام پر ہوا تھا۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک احرام میں نکاح جائز نہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے منع فرمایا حدیث گزر چکی ہے ہماری طرف سے ان کو جواب یہ ہے کہ اس سے وطی کرنا مراد ہے نکاح مراد نہیں۔

صحیح بخاری میں ہے کہ بَنٰی لَھَا وَھُوَ حَلَالٌ کہ آپ نے جب حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا قرب اختیار کیا تو آپ احرام میں نہیں تھے۔ یعنی حالتِ احرام میں نکاح جائز ہے وطی جائز نہیں۔

دوسری بات یہ کہ محرم اس لڑکی کا نکاح کر کے دے سکتا ہے جس کا وہ مولیٰ ہے یا نہیں؟

تو اس میں بھی یہی اختلاف ہے ہمارے نزدیک اس کا نکاح کر کے دے سکتا ہے لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز نہیں اس کا جواب بھی یہی ہے کہ اس کا نکاح کر کے دے سکتا ہے البتہ رخصتی نہ کی جائے۔

لونڈی سے نکاح کرنا

(۲۸) [وَیَجُوْزُ تَزْوِیْجُ الْاَمَۃِ مُسْلِمَۃً کَانَتْ اَوْ کِتَابِیَّۃً] وَقَالَ الشَّافِعِیُّ رَحِمَہُ اللّٰہُ: لَا یَجُوْزُ لِلْحُرِّ اَنْ یَتَزَوَّجَ بِاَمَۃٍ کِتَابِیَّۃٍ لِاَنَّ جَوَازَ نِکَاحِ الْاِمَاءِ ضَرُوْرِیٌّ عِنْدَہٗ لِمَا فِیْہِ مِنْ تَعْرِیْضِ الْجُزْءِ عَلَی الرِّقِّ، وَقَدِ انْدَفَعَتِ الضَّرُوْرَۃُ بِالْمُسْلِمَۃِ وَلِھٰذَا جُعِلَ طَوْلُ الْحُرَّۃِ مَانِعًا مِّنْہُ۔ وَعِنْدَنَا الْجَوَازُ مُطْلَقٌ لِلْاِطْلَاقِ الْمُقْتَضِیْ، وَفِیْہِ امْتِنَاعٌ عَنْ تَحْصِیْلِ الْجُزْءِ الْحُرِّ لَا

[1] صحیح مسلم، کتاب النکاح، حدیث: ۴۱، ۴۲
[2] صحیح مسلم کتاب النکاح، حدیث: ۴۷، ۴۶

اِرْقَاقُهٗ وَلَهٗ اَنْ لَّا يُحَصِّلَ الْاَصْلَ فَيَكُوْنُ لَهٗ اَنْ لَّا يُحَصِّلَ الْوَصْفَ۔

ترجمہ:[لونڈی کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے وہ مسلمان ہو یا کتابیہ] حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: آزاد آدمی کے لیے جائز نہیں کہ وہ کتابیہ لونڈی سے نکاح کرے کیونکہ ان کے نزدیک لونڈی سے نکاح کرنا ضرورت کے تحت ہے کیونکہ اس میں اپنی جزء کو غلامی پر پیش کرنا ہے اور مسلمان لونڈی کے ذریعے ضرورت پوری ہو جاتی ہے اسی لیے آزاد عورت سے نکاح کی طاقت اس نکاح میں رکاوٹ ہے اور ہمارے نزدیک جواز مطلق ہے کیونکہ آیت کا مقتضی مطلق ہے اور اس میں آزاد جزء کو حاصل کرنے سے رُکنا ہے اسے غلام بنانا نہیں اور مرد کو حق ہے کہ وہ اصل کو ہی حاصل نہ کرے تو اسے یہ بھی حق ہے کہ وصف کو حاصل نہ کرے۔

توضیح: لونڈی سے نکاح کرنا جائز ہے اور اس میں مسلمان کی قید نہیں کتابیہ لونڈی سے بھی نکاح ہو سکتا ہے کیونکہ اس کا مقتضی (ضاد کے نیچے کسرہ ہے یعنی اسم فاعل) مطلق ہے اور وہ یہ ارشادِ خداوندی ہے:

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ [1]

ترجمہ: پس جو عورتیں تمہیں پسند ہوں ان سے نکاح کرو۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ کے نزدیک کتابیہ لونڈی سے آزاد آدمی کا نکاح کرنا جائز نہیں۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ لونڈی سے نکاح ضرورت کے تحت ہوتا ہے یعنی جب آزاد عورت سے نکاح نہ ہو سکے تو لونڈی سے نکاح کرو تو یہ ضرورت مسلمان لونڈی سے نکاح کی صورت میں پوری ہو سکتی ہے۔

وہ فرماتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اگر آزاد عورت سے نکاح کی طاقت ہو تو لونڈی سے نکاح نہیں کر سکتا ان کا استدلال قرآن پاک کی اس آیت سے ہے:

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ [2]

ترجمہ: اور تم میں سے جو شخص آزاد مومنہ عورتوں سے نکاح کی (مالی) طاقت نہیں رکھتا وہ لونڈی سے نکاح کرے۔

ہمارے نزدیک جواز مطلق ہے جیسا کہ پہلے آیت کریمہ کے حوالے سے بیان کیا گیا۔

امام شافعی علیہ الرحمۃ تعالیٰ نے اپنے موقف پر ایک اور دلیل دی ہے وہ اس طرح کی کہ کتابیہ لونڈی سے نکاح کی صورت میں اپنی جزء یعنی لونڈی سے پیدا ہونے والی اولاد کو غلام بنانا ہے جو درست نہیں۔

اس کا جواب یوں دیا گیا کہ انسان کو اس بات کی آزادی حاصل ہے کہ وہ اولاد حاصل نہ کرے تو جب وہ اصل یعنی مطلقاً اولاد کو حاصل کرنے کا پابند نہیں تو اس بات کی آزادی بھی حاصل ہے کہ وہ جس قسم کی اولاد حاصل کرنا چاہے، حاصل

[1] سورۃ النساء، آیت: ۳ [2] سورۃ النساء، آیت: ۲۵

کرسکتا ہے، آزاد ہو یا غلام۔

مثلاً اگر وہ عزل کرے (یعنی جماع کے وقت مادہ منویہ عورت کے رحم میں نہ جانے دے بلکہ باہر خارج کرے) تو ضرورت کے تحت اس کی اجازت ہے کہ وہ اولاد حاصل نہ کرے۔

آزاد بیوی کی موجودگی میں لونڈی سے نکاح کا حکم

(۲۹) [وَلَا يَتَزَوَّجُ اَمَةً عَلٰى حُرَّةٍ] لِقَوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا تُنْكَحُ الْاَمَةُ عَلَى الْحُرَّةِ» وَهُوَ بِاِطْلَاقِهٖ حُجَّةٌ عَلَى الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ فِيْ تَجْوِيْزِهٖ ذٰلِكَ لِلْعَبْدِ، وَعَلٰى مَالِكٍ فِيْ تَجْوِيْزِهٖ ذٰلِكَ بِرِضَا الْحُرَّةِ. وَلِاَنَّ لِلرِّقِّ اَثَرًا فِيْ تَنْصِيْفِ النِّعْمَةِ عَلٰى مَا نُقَرِّرُهٗ فِيْ كِتَابِ الطَّلَاقِ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ فَيَثْبُتُ بِهٖ حِلُّ الْمَحَلِّيَّةِ فِيْ حَالَةِ الْاِنْفِرَادِ دُوْنَ حَالَةِ الْاِنْضِمَامِ۔

ترجمہ: [اور آزاد عورت پر لونڈی سے نکاح نہ کرے] کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

لَا تُنْكَحُ الْاَمَةُ عَلَى الْحُرَّةِ[1]

ترجمہ: آزاد بیوی کی موجودگی میں لونڈی سے نکاح نہ کیا جائے۔

اور یہ حدیث مطلق ہونے کی وجہ سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف حجت ہے کہ وہ غلام کے لیے جائز قرار دیتے ہیں۔

اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف بھی حجت ہے کہ وہ آزاد عورت کی اجازت سے جائز قرار دیتے ہیں۔

اور اس لیے بھی کہ غلامی کا نعمت کو نصف کرنے میں اثر ہوتا ہے جیسا کہ ہم اسے طلاق کے بیان میں ذکر کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ پس اس وجہ سے انفرادی حالت میں حلال ہونا ثابت ہو گیا البتہ ملانے کی صورت میں جائز ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

توضیح: ایک شخص بیک وقت چار بیویاں رکھ سکتا ہے وہ تمام آزاد ہوں یا بعض آزاد اور بعض لونڈیاں، لیکن اگر اس کے نکاح میں آزاد عورت ہو تو کیا وہ اس کی موجودگی میں لونڈی سے نکاح کرسکتا ہے تو اس سلسلے میں تین موقف ہیں۔

احناف کا موقف اس کی مطلقاً اجازت نہیں اس کی ایک نقلی دلیل ہے اور ایک عقلی دلیل ہے۔

نقلی دلیل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

آپ نے فرمایا: ''آزاد عورت پر (یعنی اس کی موجودگی میں) لونڈی سے نکاح نہ کیا جائے''۔

عقلی دلیل یہ ہے کہ غلامی، نعمت کو نصف کر دیتی ہے اس کی تفصیل طلاق کی بحث میں آئے گی فی الحال یوں سمجھ لیں کہ آزاد مرد بیک وقت چار بیویاں رکھ سکتا ہے غلام صرف دو رکھ سکتا ہے۔ لیکن اس سے واضح ہوا کہ آزاد عورت کو لونڈی

[1] دارقطنی، کتاب الطلاق، حدیث: ۳۹۵۷

پر فضیلت حاصل ہے لہٰذا اگر پہلی بیوی لونڈی ہو تو اس کی موجودگی میں آزاد عورت سے نکاح جائز ہے لیکن آزاد عورت کی موجودگی میں لونڈی سے نکاح کرنا جائز نہیں کیونکہ عام طور پر دوسری بیوی کی اہمیت زیادہ ہوتی ہے اور اس طرح لونڈی کی اہمیت زیادہ ہوگی۔

لہٰذا اگر صرف لونڈی سے نکاح کرے تو جائز ہے لیکن دونوں کو یعنی آزاد اور لونڈی کو ایک ہی عقد میں جمع کرنا یا آزاد کی موجودگی میں لونڈی سے نکاح کرنا جائز نہیں۔

دوسرا موقف امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے وہ فرماتے ہیں غلام کے لیے یہ نکاح جائز ہے البتہ آزاد کے لیے ناجائز ہوگا۔

تیسرا موقف حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ہے وہ فرماتے ہیں آزاد بیوی کی اجازت سے لونڈی سے نکاح کر سکتا ہے اگر وہ اجازت نہ دے تو نہیں کر سکتا۔

ان دونوں ائمہ کے خلاف وہ حدیث حجت ہے جو شروع میں ذکر کی گئی کہ وہ مطلق ہے اس میں آزاد اور غلام، اجازت اور عدم اجازت کی تفریق نہیں ہے۔

لونڈی کی موجودگی میں آزاد عورت سے نکاح

(۳۰) [وَيَجُوْزُ تَزْوِيْجُ الْحُرَّةِ عَلَيْهَا] لِقَوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ: «وَتُنْكَحُ الْحُرَّةُ عَلَى الْاَمَةِ» وَلِاَنَّهَا مِنَ الْمُحَلَّلَاتِ فِيْ جَمِيْعِ الْحَالَاتِ اِذْ لَا مُنَصِّفَ فِيْ حَقِّهَا۔

ترجمہ: [اور لونڈی کی موجودگی میں آزاد عورت سے نکاح کرنا جائز ہے] کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

وَتُنْكَحُ الْحُرَّةُ عَلَى الْاَمَةِ[1]

ترجمہ: اور لونڈی پر آزاد عورت سے نکاح کیا جا سکتا ہے۔

اور اس لیے بھی کہ یہ ہر حالت میں حلال عورتوں میں سے ہے کیونکہ اس کے حق میں کوئی چیز نصف کرنے والی نہیں۔

توضیح: یہ مسئلہ واضح ہے آزاد عورت کو لونڈی پر ترجیح ہوتی ہے لہٰذا لونڈی پر آزاد عورت سے نکاح لونڈی کے لیے اس کی توہین کا باعث نہیں اور آزاد مرد یا عورت کے لیے نعمت نصف نہیں ہوتی پھر سب سے بڑھ کر حضور علیہ السلام کی حدیث شریف (مذکور بالا) سے اس کا جواز ثابت ہو رہا ہے۔

آزاد مطلقہ بائنہ عورت کی عدت کے دوران لونڈی سے نکاح کا حکم

(۳۱) [فَاِنْ تَزَوَّجَ اَمَةً عَلٰى حُرَّةٍ فِيْ عِدَّةٍ مِّنْ طَلَاقٍ بَائِنٍ اَوْ ثَلَاثٍ لَّمْ يَجُزْ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ، وَيَجُوْزُ عِنْدَهُمَا] لِاَنَّ هٰذَا لَيْسَ بِتَزَوُّجٍ عَلَيْهَا وَهُوَ الْمُحَرَّمُ۔

[1] دار قطنی کتاب الطلاق، حدیث: ۵۹۵۷

وَلِهٰذَا لَوْ حَلَفَ لَا يَتَزَوَّجُ عَلَيْهَا لَمْ يَحْنَثْ بِهٰذَا۔

وَلِاَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ اَنَّ نِكَاحَ الْحُرَّةِ بَاقٍ مِّنْ وَجْهٍ لِبَقَاءِ بَعْضِ الْاَحْكَامِ۔ فَيَبْقَى الْمَنْعُ احْتِيَاطًا. بِخِلَافِ الْيَمِيْنِ لِاَنَّ الْمَقْصُوْدَ اَنْ لَّا يُدْخِلَ غَيْرَهَا فِيْ قَسْمِهَا۔

ترجمہ: [اور اگر آزاد عورت طلاق بائن یا تین طلاقوں کی عدت گزار رہی ہو تو اس دوران بھی لونڈی سے نکاح کرنا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جائز نہیں جبکہ صاحبین کے نزدیک جائز ہے]

(صاحبین فرماتے ہیں) یہ نکاح آزاد عورت پر نکاح کرنا نہیں اور یہی بات حرام ہونے کا سبب ہے، اسی لیے اگر وہ قسم کھائے کہ وہ آزاد عورت پر لونڈی سے نکاح نہیں کرے گا تو اس نکاح کی وجہ سے حانث نہیں ہوگا۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ ایک اعتبار سے آزاد عورت کا نکاح بعض احکام کے باقی رہنے کی وجہ سے باقی ہے لہٰذا احتیاط کے طور پر منع کرنا بھی باقی ہے بخلاف قسم کے کیونکہ مقصود یہ ہے کہ وہ دوسری عورت کو اس کی باری میں داخل نہیں کرے گا۔

توضیح: طلاق بائن کی صورت میں یا تین طلاقیں دی جائیں تو عورت جدا ہو جاتی ہے اور وہ رجوع نہیں کر سکتا اور جب تک نکاح نہ کرے وہ اس کے لیے حلال نہیں ہو سکتی۔

تو حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اس بات کا اعتبار کرتے ہوئے کہ وہ من وجہ نکاح میں ہے مطلقہ بائنہ یا ثلاثہ کی عدت کے دوران لونڈی سے نکاح کو ناجائز قرار دیا۔

جب کہ صاحبین فرماتے ہیں چونکہ طلاق بائن یا تین طلاقوں کی وجہ سے ان میاں بیوی کے درمیان جدائی ہو چکی ہے لہٰذا اب لونڈی سے نکاح کرنا آزاد عورت کی موجودگی میں نکاح کرنا نہیں۔

وہ اپنے موقف پر ایک استشہاد پیش کرتے ہیں کہ اگر وہ یہ قسم اُٹھائے کہ وہ اپنی بیوی پر سوکن نہیں لائے گا اور اب پہلی بیوی مطلقہ بائنہ کی عدت کے دوران دوسری عورت سے نکاح کرے وہ حانث نہیں ہوگا۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اس کا جواب یوں دیتے ہیں کہ اس سے مقصود اس عورت کی باری میں کسی دوسری کو داخل کرنا ہے یعنی اس کی باری میں کسی دوسری عورت کو اس کے ساتھ شریک نہیں کرے گا کیونکہ قسم کھانے والے کا مقصد عورت کی دلجوئی ہوتی ہے لہٰذا جب عدت کے دوران دوسری عورت سے نکاح کرے تو اس نے اس پہلی عورت کی باری میں دوسری کو شریک نہیں کیا۔ [1]

آزاد آدمی بیک وقت چار شادیاں کر سکتا ہے

(۳۲) [وَلِلْحُرِّ اَنْ يَّتَزَوَّجَ اَرْبَعًا مِّنَ الْحَرَائِرِ وَالْاِمَاءِ. وَلَيْسَ لَهٗ اَنْ يَّتَزَوَّجَ اَكْثَرَ مِنْ

[1] عینی، جلد:۲، صفحہ:۵۸

ذٰلِكَ] لِقَوْلِهٖ تَعَالٰی: ﴿ فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ﴾ وَالتَّنْصِيْصُ عَلَى الْعَدَدِ يَمْنَعُ الزِّيَادَةَ عَلَيْهِ۔

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ: لَا يَتَزَوَّجُ إِلَّا أَمَةً وَّاحِدَةً لِأَنَّهٗ ضَرُوْرِيٌّ عِنْدَهٗ: وَالْحُجَّةُ عَلَيْهِ مَا تَلَوْنَا إِذِ الْأَمَةُ الْمَنْكُوْحَةُ يَنْتَظِمُهَا اِسْمُ النِّسَاءِ كَمَا فِي الظِّهَارِ۔

ترجمہ: [آزاد شخص کے لیے چار عورتوں سے نکاح جائز ہے وہ آزاد ہوں یا لونڈیاں، لیکن ان سے زیادہ (ایک ہی وقت میں) نکاح کرنا جائز نہیں]،

کیونکہ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿ فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ﴾ [1]

''پس تم ان عورتوں سے نکاح کرو جو تمہیں پسند ہوں دو، تین یا چار''۔

اور جب نص میں عدد بیان ہو تو اس پر اضافہ جائز نہیں اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں صرف ایک لونڈی سے نکاح کر سکتا ہے کیونکہ آپ کے نزدیک یہ نکاح ضرورت کے تحت ہے اور ان کے خلاف یہ آیت حجت ہے جو ذکر کی گئی کیونکہ منکوحہ لونڈی بھی لفظ نساء میں شامل ہے جس طرح ظہار میں ہوتا ہے۔

توضیح: قرآن مجید کی ہدایت کے مطابق کوئی شخص بیک وقت صرف چار عورتوں سے شادی کر سکتا ہے کیونکہ آیت مذکورہ بالا میں چار تک کا ذکر ہے اس سے زیادہ کا نہیں۔

البتہ ان میں سے کوئی فوت ہو جائے یا اسے طلاق ہو جائے تو کسی اور عورت سے نکاح کر سکتا ہے اگرچہ یہ تعداد پانچ یا اس سے زیادہ ہو سکتی ہے لیکن بیک وقت چار سے زیادہ نہیں ہوں گی۔

ان چار خواتین میں آزاد اور لونڈیاں بھی ہو سکتی ہیں یا صرف آزاد یا صرف لونڈیاں ہوں تمام صورتیں جائز ہیں۔

لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں لونڈی صرف ایک ہو سکتی ہے کیونکہ ان کے نزدیک لونڈی سے نکاح ضرورت کے تحت ہوتا ہے جب آزاد عورت سے نکاح کی استطاعت نہ ہو اور ضرورت ایک سے بھی پوری ہو سکتی ہے۔

ہماری طرف سے ان کے خلاف مذکورہ بالا آیت کریمہ حجت ہے جس میں لفظ ''النساء'' ذکر ہوا اور یہ لفظ آزاد کی طرح لونڈی پر بھی استعمال ہوتا ہے اور یہ جمع ہے لہٰذا ایک سے زیادہ لونڈیوں سے بھی نکاح ہو سکتا ہے۔

اس کی مثال ظہار سے دی گئی ظہار یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے ''تم مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہو'' تو وہ کفارہ کی ادائیگی تک اس پر حرام ہو جاتی ہے (تفصیل طلاق کے بیان میں ہے)۔

تو یہاں بھی لفظ نساء ہے تو وہ آزاد اور لونڈی دونوں کو شامل ہے ارشادِ خداوندی ہے:

[1] سورۃ النساء، آیت: ۳

اَلَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآىِٕهِمْ ◆

ترجمہ: اور وہ لوگ جو اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں"۔

تو جس طرح ظہار میں آزاد اور لونڈی دونوں شامل ہیں اور صیغہ جمع کا ہے اسی طرح نکاح سے متعلق آیت کا بھی یہی حکم ہے۔

غلام بیک وقت دو سے زیادہ عورتوں سے نکاح نہیں کرسکتا

(۴۳) [وَلَا يَجُوْزُ لِلْعَبْدِ اَنْ يَّتَزَوَّجَ اَكْثَرَ مِنْ اِثْنَتَيْنِ] وَقَالَ مَالِكٌ: يَجُوْزُ لِاَنَّهٗ فِيْ حَقِّ النِّكَاحِ بِمَنْزِلَةِ الْحُرِّ عِنْدَهٗ حَتّٰى مَلَّكَهٗ بِغَيْرِ اِذْنِ الْمَوْلٰى۔

وَلَنَا اَنَّ الرِّقَّ مُنَصِّفٌ فَيَتَزَوَّجُ الْعَبْدُ اِثْنَتَيْنِ وَالْحُرُّ اَرْبَعًا اِظْهَارًا لِشَرَفِ الْحُرِّيَّةِ

ترجمہ: [اور غلام کے لیے جائز نہیں کہ وہ (بیک وقت) دو سے زیادہ عورتوں سے نکاح کرے] حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جائز ہے کیونکہ ان کے نزدیک نکاح حلال ہونے میں وہ آزاد کی طرح ہے حتی کہ وہ اپنے مولیٰ کی اجازت کے بغیر بھی نکاح کرنے کا مالک (مختار) ہوتا ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ غلامی (نعمت کو اسی طرح سزا کو بھی) نصف کرنے والی ہے پس غلام دو سے اور آزاد چار سے نکاح کرسکتا ہے اس میں آزادی کے شرف کو ظاہر کرنا ہے۔

توضیح: چونکہ غلامی کی وجہ سے نعمت نصف ہوجاتی ہے اس لیے غلام صرف دو عورتوں کو بیک وقت رکھ سکتا ہے اس مسئلہ میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے۔ وہ فرماتے ہیں نکاح کے معاملے میں غلام آزاد آدمی کی طرح ہے حتیٰ کہ وہ اپنے آقا کی اجازت کے بغیر نکاح کرسکتا ہے احناف کی دلیل یہ ہے آزادی اور غلامی کے درمیان امتیاز ضروری ہے تاکہ آزادی کا شرف ظاہر ہو اس لیے غلام کو چار کر کے نصف یعنی دو عورتوں سے نکاح کی اجازت ہے۔

چوتھی بیوی کو طلاق دینے کے بعد مزید شادی کرنا

(۴۴) قال: [فَاِنْ طَلَّقَ الْحُرُّ اِحْدَى الْاَرْبَعِ طَلَاقًا بَائِنًا لَمْ يَجُزْ لَهٗ اَنْ يَّتَزَوَّجَ رَابِعَةً حَتّٰى تَنْقَضِيَ عِدَّتُهَا] وَفِيْهِ خِلَافُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ

وَهُوَ نَظِيْرُ نِكَاحِ الْاُخْتِ فِيْ عِدَّةِ الْاُخْتِ۔

ترجمہ: امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: [اگرچہ آزاد شخص چار میں سے ایک بیوی کو طلاق بائن دے تو اس کے لیے چوتھی عورت سے نکاح کرنا جائز نہیں جب تک اس کی عدت پوری نہ ہوجائے] اور اس میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف

◆ سورۃ المجادلہ، آیت: ۲

ہے اور وہ ایک بہن کی عدت میں دوسری بہن سے نکاح کرنے کی مثل ہے۔

توضیح: یہ بات پہلے بیان ہو چکی ہے کہ طلاق بائن یا تین طلاقوں کے بعد عورت مرد پر حرام ہو جاتی ہے اور اس کی ملک سے نکل جاتی ہے لیکن بعض اُمور کی وجہ سے من وجہ اس کی ملک میں باقی رہتی ہے اس لیے اگر کوئی شخص اپنی چار بیویوں میں سے کسی ایک کو طلاق دے تو عدت ختم ہونے سے پہلے مزید شادی نہیں کر سکتا کیونکہ اس طرح ایک نکاح میں پانچ عورتیں جمع ہوں گی جو جائز نہیں جس طرح ایک بہن کی عدت ختم ہونے سے پہلے اس کی بہن سے نکاح کرنا جائز نہیں کیونکہ اس طرح دو بہنیں ایک نکاح میں جمع ہو جائیں گی۔

لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ نکاح جائز ہے وہ فرماتے ہیں طلاق بائن یا تین طلاقوں کی صورتوں میں عورت اس کی ملک سے نکل جاتی ہے لہٰذا پانچ عورتیں بیک وقت نکاح میں جمع نہیں ہوں گی۔

زنا سے حمل ٹھہر جائے تو اس عورت سے نکاح کا حکم

(۳۵) قَالَ: [فَاِنْ تَزَوَّجَ حُبْلٰى مِنْ زِنًا جَازَ النِّكَاحُ وَلَا يَطَؤُهَا حَتّٰى تَضَعَ حَمْلَهَا] وَهٰذَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَ مُحَمَّدٍ۔ وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ: النِّكَاحُ فَاسِدٌ۔

[وَاِنْ كَانَ الْحَمْلُ ثَابِتَ النَّسَبِ فَالنِّكَاحُ بَاطِلٌ بِالْاِجْمَاعِ] لِاَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ اَنَّ الْاِمْتِنَاعَ فِي الْاَصْلِ لِحُرْمَةِ الْحَمْلِ، وَهٰذَا الْحَمْلُ مُحْتَرَمٌ لِاَنَّهٗ لَا جِنَايَةَ مِنْهُ، وَلِهٰذَا لَمْ يَجُزْ اِسْقَاطُهٗ۔

وَلَهُمَا اَنَّهَا مِنَ الْمُحَلَّلَاتِ بِالنَّصِّ وَ حُرْمَةُ الْوَطْيِ كَيْ لَا يَسْقِيْ مَاؤُهٗ زَرْعَ غَيْرِهٖ، وَالْاِمْتِنَاعُ فِيْ ثَابِتِ النَّسَبِ لِحَقِّ صَاحِبِ الْمَاءِ وَلَا حُرْمَةَ لِلزَّانِيْ۔

ترجمہ: حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ جامع الصغیر میں فرماتے ہیں: [اگر زنا سے حاملہ ہونے والی عورت سے نکاح کرے تو یہ نکاح جائز ہے اور جب تک حمل وضع نہ ہو (بچہ پیدا نہ ہو) اس سے وطی نہ کرے] یہ حکم حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک ہے حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ نکاح فاسد ہوگا اور اگر حمل کا نسب ثابت ہو تو بالاجماع نکاح باطل ہے۔

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ اصل میں رُکنا حمل کے حرمت کی وجہ سے ہے اور یہ حمل محترم ہے کیونکہ اس بچے کی طرف سے کوئی جرم نہیں ہوا اسی لیے اس کو ساقط کرنا جائز نہیں۔

طرفین کی دلیل یہ ہے کہ یہ عورت نص قرآنی کے مطابق حلال عورتوں میں سے ہے اور وطی کا حرام ہونا اس لیے ہے کہ دوسرے کی کھیتی کو اپنے پانی سے سیراب نہ کرے اور یہ رُکنا اس میں ہے جہاں نسب ثابت ہو کیونکہ پانی والے (یعنی

خاوند) کے حق کی وجہ سے ہے اور زانی کے لیے کوئی حرمت نہیں۔

توضیح: کسی عورت سے زنا کیا گیا (معاذ اللہ) تو اس کی دو صورتیں ہیں:

پہلی صورت یہ کہ جس عورت سے زنا ہوا وہ شادی شدہ ہے تو اس کا حمل زانی کی طرف نہیں بلکہ اس کے خاوند کی طرف منسوب ہوگا اور زانی پر حد نافذ ہوگی اور اس عورت کا کسی اور سے نکاح کرنا بالاجماع باطل ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ وہ عورت کسی کے نکاح میں نہیں اور زنا سے حمل ٹھہر گیا تو کیا اس کا نکاح ہو سکتا ہے تو اس سلسلے میں حضرت امام ابو حنیفہ اور حضرت امام محمد (طرفین) کے نزدیک جائز ہے لیکن جب تک بچہ پیدا نہ ہو اس سے جماع کرنا جائز نہیں۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا نکاح فاسد ہوگا آپ کی دلیل یہ ہے کہ نکاح سے ممانعت اس حمل کی حرمت کی وجہ سے ہے کیونکہ وہ اس بچے کی عزت و حرمت ہے اور وہ کسی جرم کا مرتکب نہیں ہوا یہی وجہ ہے کہ اس حمل کو ساقط کرنا جائز نہیں۔

طرفین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ وہ عورت ان عورتوں میں سے ہے جن سے نکاح کرنا جائز ہے کیونکہ کسی کے نکاح میں نہیں اور محرمات میں سے بھی نہیں البتہ بچے کی پیدائش تک اس سے وطی کرنا اس لیے منع ہے کہ تا کہ وہ اپنے پانی سے دوسرے کی کھیتی کو سیراب نہ کرے یعنی وہ دوسرے آدمی کی وطی سے حاملہ ہے تو گویا وہ اس کی کھیتی ہے۔

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ثابت النسب حمل میں ممانعت اس حمل کی حرمت کی وجہ سے ہے تو اس کے جواب میں طرفین فرماتے ہیں کہ اس ممانعت کی وجہ یہ نہیں بلکہ خاوند کے حق کی وجہ سے منع کیا گیا اور زانی کا کوئی احترام نہیں ہوتا لہٰذا زنا سے حاملہ عورت سے نکاح جائز ہے۔

قیدی حاملہ عورت سے نکاح اور حاملہ ام ولد سے نکاح کا حکم

(۳٦) [فَإِنْ تَزَوَّجَ حَامِلًا مِّنَ السَّبْيِ فَالنِّكَاحُ فَاسِدٌ] لِأَنَّهُ ثَابِتُ النَّسَبِ [وَإِنْ زَوَّجَ أُمَّ وَلَدِهٖ وَهِيَ حَامِلٌ مِّنْهُ فَالنِّكَاحُ بَاطِلٌ] لِأَنَّهَا فِرَاشٌ لِّمَوْلَاهَا حَتّٰى يَثْبُتَ نَسَبُ وَلَدِهَا مِنْهُ مِنْ غَيْرِ دَعْوَةٍ. فَلَوْ صَحَّ النِّكَاحُ لَحَصَلَ الْجَمْعُ بَيْنَ الْفِرَاشَيْنِ. إِلَّا أَنَّهُ غَيْرُ مُتَأَكِّدٍ حَتّٰى يَنْتَفِيَ الْوَلَدُ بِالنَّفْيِ مِنْ غَيْرِ لِعَانٍ فَلَا يُعْتَبَرُ مَا لَمْ يَتَّصِلْ بِهِ الْحَمْلُ۔

ترجمہ: [پس اگر قیدی حاملہ عورت سے نکاح کرے تو نکاح فاسد ہوگا] کیونکہ اس کا نسب ثابت ہے۔

[اور اگر اپنی ام ولد (لونڈی) کا نکاح کر کے دے اور وہ اسی سے حاملہ ہو تو نکاح باطل ہوگا]

کیونکہ وہ اپنے آقا کی فراش ہے حتیٰ کہ اس لونڈی کا بچہ اس آقا سے کسی دعویٰ کے بغیر بھی ثابت ہوتا ہے لہٰذا اگر نکاح صحیح ہو تو دو فراشوں کا جمع ہونا لازم آ گیا۔ لیکن وہ تاکیدی نہیں حتیٰ کہ وہ اگر اس بچے کی نفی کرنا چاہے تو لعان کے بغیر نفی کر سکتا

ہے تو اس کا اعتبار نہیں ہوگا جب تک اس کے ساتھ حمل متصل نہ ہو۔

توضیح: یہاں دو مسئلوں کا ذکر ہے ان کی وضاحت سے پہلے چند الفاظ کی وضاحت ضروری ہے۔

تَزَوَّجَ: نکاح کرنا اور **زَوَّجَ:** کسی کے نکاح میں دینا۔ پہلا باب **تفعل** ہے اور دوسرا باب **تفعیل**۔

فراش بچھونے کو کہتے ہیں اس سے مراد بچے کے نسب کا ثبوت ہے یعنی جس سے بچے کا نسب ثابت ہو وہ خاوند ہو یا مولیٰ (لونڈی کا آقا) ام ولد اپنی لونڈی جس سے اس کے مولیٰ کی اولاد ہو۔

پہلا مسئلہ:

اگر کوئی عورت کفار سے لڑائی کے بعد مسلمانوں کی قید میں آ گئی اور وہ حاملہ ہے تو چونکہ اس کا حمل اس کے خاوند سے ہے لہٰذا جب تک بچہ پیدا نہ ہو اس سے نکاح فاسد ہوگا کیونکہ اس بچے کا نسب ثابت ہے۔

دوسرا مسئلہ:

کسی شخص کی لونڈی ہو جو اس کے بچے کی ماں یعنی اُم ولد ہو اور اب حاملہ بھی ہو تو اگر اس کا آقا کسی دوسرے شخص سے نکاح کرے تو یہ نکاح باطل ہوگا کیونکہ وہ اپنے آقا کی فراش ہے یعنی پیدا ہونے والے بچے کا نسب اسی سے ثابت ہوگا جس کی دلیل یہ ہے کہ وہ اس بچے کا دعویٰ نہ بھی کرے تو بھی اسی سے نسب ثابت ہوگا۔

لہٰذا اگر وہ اس حالت میں اس کا نکاح کر کے دے گا تو دو فراش جمع ہوں گے ایک مولیٰ کا اور دوسرا نکاح کرنے والے کا اور اسی طرح نسب مشتبہ ہو جائے گا جس طرح منکوحہ عورت سے دوسرا شخص نکاح کرے تو یہی صورت ہوتی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ جب وہ مولیٰ کی فراش ہے تو حاملہ نہ ہونے کی صورت میں بھی اس کا نکاح کسی دوسرے شخص کے ساتھ جائز نہیں ہونا چاہیے۔

تو اس کا جواب یوں دیا کہ یہ فراش غیر متاکد یعنی ضعیف ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ وہ اس بچے کی اپنے آپ سے نفی کر سکتا ہے اور لعان بھی لازم نہیں آئے گا اسی لیے یہ فراش اسی وقت معتبر ہوتا ہے جب حمل کے ساتھ متصل ہو لہٰذا اگر ام ولد غیر حاملہ ہو تو اس کو کسی کے نکاح میں دیا جا سکتا ہے۔

لونڈی سے وطی کے بعد اسے کسی کے نکاح میں دینا

(۳۷) قَالَ: [وَمَنْ وَطِئَ جَارِيَتَهُ ثُمَّ زَوَّجَهَا جَازَ النِّكَاحُ] لِاَنَّهَا لَيْسَتْ بِفِرَاشٍ لِمَوْلَاهَا فَإِنَّهَا لَوْ جَاءَتْ بِوَلَدٍ لَّا يَثْبُتُ نَسَبُهُ مِنْ غَيْرِ دَعْوَةٍ إِلَّا أَنَّ عَلَيْهِ أَنْ يَّسْتَبْرِئَهَا صِيَانَةً لِمَائِهِ، وَإِذَا جَازَ النِّكَاحُ [فَلِلزَّوْجِ أَنْ يَّطَأَهَا قَبْلَ الْاِسْتِبْرَاءِ] عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَأَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ۔

وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ: لَا أُحِبُّ لَهُ أَنْ يَّطَأَهَا حَتّٰى يَسْتَبْرِئَهَا لِاَنَّهُ اِحْتَمَلَ الشُّغْلَ بِمَاءِ

الْمَوْلٰی فَوَجَبَ التَّنَزُّہُ کَمَا فِی الشِّرَاءِ۔

وَلَهُمَا اَنَّ الْحُکْمَ بِجَوَازِ النِّکَاحِ اَمَارَةُ الْفَرَاغِ فَلَا يُؤْمَرُ بِالْاِسْتِبْرَاءِ لَا اسْتِحْبَابًا وَّلَا وُجُوْبًا۔ بِخِلَافِ الشِّرَاءِ لِاَنَّهٗ يَجُوْزُ مَعَ الشُّغْلِ۔

ترجمہ: امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ تعالیٰ فرماتے ہیں: [اور جو شخص اپنی لونڈی سے وطی کرے پھر اسے کسی کے نکاح میں دے تو نکاح جائز ہے] اس لیے کہ وہ اپنے مولیٰ کی فراش نہیں کیونکہ اگر اس کے ہاں بچہ پیدا ہو تو (مولیٰ کے) دعویٰ کے بغیر اس کا نسب ثابت نہیں ہوگا مگر اس پر لازم ہے کہ اپنے پانی (مادہ منویہ) کو بچانے کے لیے اس کا استبراء کرے۔

اور جب نکاح جائز ہے [تو خاوند کے لیے استبراء سے پہلے اس سے وطی کرنا جائز ہے]۔ یہ حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک ہے اور حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں اس کے استبراء سے پہلے اس کے ساتھ وطی کرنے کو پسند نہیں کرتا کیونکہ اس بات کا احتمال ہے کہ وہ (لونڈی) اپنے مولیٰ کے مادہ منویہ میں مشغول ہو تو اس کے پیٹ کا خالی ہونا واجب ہے جیسے اس لونڈی کا حکم ہے جسے خریدا گیا۔

شیخین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ نکاح کے جواز کا حکم اس بات کی علامت ہے کہ اس کا پیٹ فارغ ہے لہٰذا اس کے استبراء کا حکم نہیں دیا جائے گا نہ وجوب کے طور پر اور نہ ہی استحباب کے طور پر۔ بخلاف خریدنے کے کہ وہ پیٹ کے مشغول ہونے کے باوجود جائز ہے۔

توضیح: اگر کسی شخص نے اپنی لونڈی سے وطی کی پھر اسے کسی کے نکاح میں دے دیا تو یہ نکاح بھی جائز ہے اور اس کے پیٹ کی حالت معلوم کرنے کہ حاملہ ہے یا نہیں (یعنی استبراء) سے پہلے اس سے جماع بھی کر سکتا ہے۔

یہ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب تک اس کا استبراء نہ ہو جائے یعنی حیض کے ذریعے معلوم نہ ہو جائے کہ وہ حاملہ نہیں اس سے نکاح میرے نزدیک پسندیدہ نہیں۔

آپ کی دلیل یہ ہے کہ ہو سکتا ہے اس کے پیٹ میں اس کے مولیٰ کے مادہ منویہ کی وجہ سے حمل ہو جس طرح اس لونڈی کا استبراء ضروری ہے جسے خریدا گیا اس کا استبراء بھی ضروری ہے

خریدنے کا مسئلہ اس طرح ہے کہ کسی آدمی نے لونڈی خریدی تو اسے چاہیے کہ پہلے استبراء کرے اور جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ وہ دوسرے آدمی کے مادہ منویہ کے ساتھ مشغول نہیں یعنی وہ حاملہ نہیں اس وقت تک وہ اس سے وطی نہیں کر سکتا۔

شیخین کی دلیل یہ ہے کہ جب اس سے نکاح جائز ہے تو جماع بھی جائز ہے کیونکہ نکاح کا جواز اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا رحم فارغ ہے لہٰذا استبراء نہ تو واجب ہے اور نہ مستحب۔

جہاں تک نکاح کے جواز کا تعلق ہے تو اس کی دلیل یہ ہے کہ وہ اپنے مولیٰ کی فراش نہیں کیونکہ اگر اس کے ہاں بچہ

پیدا ہو تو جب تک وہ مولیٰ دعویٰ نہ کرے اس سے بچے کا نسب ثابت نہیں ہوتا البتہ اسے چاہیے کہ اپنے مادہ منویہ کو بچانے کے لیے اس کا استبراء کرے۔

یعنی جب تک بچے کے بارے میں قطعی طور پر معلوم نہ ہو جائے کہ وہ اس لونڈی کے پیٹ میں ہے یا نہیں کسی سے اس کا نکاح نہ کرے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے خریدی جانے والی لونڈی پر جو قیاس کیا کہ اس کا استبراء ہوتا ہے تو طرفین فرماتے ہیں دونوں مسئلوں میں فرق ہے کہ حاملہ لونڈی کا سودا جائز ہے اس سے نکاح جائز نہیں۔

زانیہ عورت سے نکاح اور جماع کا حکم

(۳۸) [وَكَذَا إِذَا رَأَى امْرَأَةً تَزْنِيْ فَتَزَوَّجَهَا حَلَّ لَهُ أَنْ يَّطَأَهَا قَبْلَ أَنْ يَّسْتَبْرِئَهَا عِنْدَهُمَا. وَقَالَ مُحَمَّدٌ: لَا أُحِبُّ لَهُ أَنْ يَّطَأَهَا مَا لَمْ يَسْتَبْرِئْهَا] وَالْمَعْنٰى مَا ذَكَرْنَا۔

ترجمہ: [اور اسی طرح جب کسی عورت کو دیکھے کہ وہ زنا کی مرتکب ہو رہی ہے پھر اس سے نکاح کرے تو اس کے لیے اس سے وطی کرنا جائز ہے چاہے استبراء نہ ہوا ہو یہ طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک ہے حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں استبراء سے پہلے اس کے ساتھ وطی کرنے کو پسند نہیں کرتا] اس کا مفہوم وہی ہے جو پہلے گزر گیا ہے۔

توضیح: یہ مسئلہ گذشتہ مسئلہ کی طرح ہے نکاح بالاتفاق جائز ہے البتہ وطی میں اختلاف ہے شیخین کہتے ہیں کہ استبراء کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ حاملہ نہیں ہے اور جب نکاح جائز ہے تو وطی بھی جائز ہے لیکن امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا موقف یہ ہے کہ اس کا استبراء ہونا چاہیے کیونکہ اس کے ساتھ جماع ہوا اور آپ نے اس وطی کو ناپسند فرمایا حرام کا حکم نہیں دیا یعنی مناسب یہ ہے کہ استبراء کے بعد وطی کی جائے۔

نکاح متعہ کا حکم

(۳۹) قَالَ [وَنِكَاحُ الْمُتْعَةِ بَاطِلٌ] وَهُوَ أَنْ يَّقُوْلَ لِامْرَأَةٍ أَتَمَتَّعُ بِكِ كَذَا مُدَّةً بِكَذَا مِنَ الْمَالِ وَقَالَ مَالِكٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ: هُوَ جَائِزٌ لِأَنَّهُ كَانَ مُبَاحًا فَيَبْقٰى إِلٰى أَنْ يَّظْهَرَ نَاسِخُهُ۔

قُلْنَا: ثَبَتَ النَّسْخُ بِإِجْمَاعِ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمْ وَابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا صَحَّ رُجُوْعُهُ إِلٰى قَوْلِهِمْ فَتَقَرَّرَ الْإِجْمَاعُ۔

ترجمہ: امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: [اور نکاح متعہ باطل ہے] اور وہ اس طرح ہے کہ کوئی مرد کسی عورت سے کہے میں تم سے اتنی مدت کے لیے اتنے مال کے بدلے میں نفع حاصل کروں گا۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جائز ہے کیونکہ یہ مباح تھا لہٰذا جب تک اس کا ناسخ نہ ہو باقی رہے گا۔

ہم کہتے ہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے نسخ ثابت ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قول کی طرف رجوع ثابت ہے پس اجماع مضبوط ہو گیا۔

توضیح: لفظ متعہ. تمتع سے ہے جس کا معنی نفع اُٹھانا ہے نکاح کن الفاظ کی ساتھ منعقد ہوتا ہے اس سے پہلے گزر گیا ان الفاظ میں تمتع کا لفظ نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ نکاح کسی خاص وقت کے لیے نہیں بلکہ ہمیشہ کے لیے ہوتا ہے جب کہ متعہ میں یہ ہوتا ہے کہ خاص رقم کے بدلے میں ایک خاص وقت تک کوئی شخص کسی عورت سے جنسی نفع اُٹھاتا ہے جیسے متن میں الفاظ ذکر کیے گئے، لہٰذا یہ باطل ہے۔

ضرورت کے تحت جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سفر میں جاتے تو اس کی ضرورت پڑتی تھی پھر اسے منع کر دیا گیا۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں چونکہ پہلے یہ مباح یعنی جائز تھا اور اس کو منسوخ کرنے کے لیے کوئی ناسخ نہیں لہٰذا جائز ہے۔

ہم کہتے ہیں اس کی حرمت پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے اس پر یہ اعتراض ہوا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اسے جائز قرار دیتے ہیں تو اجماع کیسے ہوا؟

اس کا جواب دیا گیا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے اس قول سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قول کی طرف رجوع کر لیا تھا لہٰذا سب کا اجماع ہو گیا اور یہ اجماع دلیل شرعی ہے۔

نکاح مُوَقَّت کا حکم

(۴۰) [وَالنِّكَاحُ الْمُوَقَّتُ بَاطِلٌ] مِثْلُ اَنْ يَّتَزَوَّجَ امْرَاَةً بِشَهَادَةِ شَاهِدَيْنِ اِلٰى عَشَرَةِ اَيَّامٍ۔ وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللّٰهُ: هُوَ صَحِيْحٌ لَازِمٌ لِاَنَّ النِّكَاحَ لَا يَبْطُلُ بِالشُّرُوْطِ الْفَاسِدَةِ۔ وَلَنَا اَنَّهُ اَتٰى بِمَعْنَى الْمُتْعَةِ وَالْعِبْرَةُ فِي الْعُقُوْدِ لِلْمَعَانِيْ، وَلَا فَرْقَ بَيْنَ مَا اِذَا طَالَتْ مُدَّةُ التَّوْقِيْتِ اَوْ قَصُرَتْ لِاَنَّ التَّاْقِيْتَ هُوَ الْمُعَيِّنُ لِجِهَةِ الْمُتْعَةِ وَقَدْ وُجِدَ

ترجمہ: [اور خاص وقت کے لیے نکاح باطل ہے] جیسے کوئی شخص کسی عورت سے دو گواہوں کی موجودگی میں دس دن کے لیے نکاح کرے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ نکاح صحیح لازم ہے کیونکہ نکاح، فاسد شرطوں کے ساتھ باطل نہیں ہوتا ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ متعہ کے معنی میں ہے اور عقود میں مفہوم کا اعتبار ہوتا ہے اور اس بات میں کوئی فرق نہیں کہ مقررہ مدت زیادہ ہو یا کم، کیونکہ وقت مقرر کرنا ہی متعہ کی جہت کو متعین کرنا ہے اور وہ پایا گیا۔

توضیح: نکاح موقت کا مطلب کسی خاص وقت کے لیے نکاح کرنا ہے اور یہ بھی نکاح متعہ کی طرح ہے صرف اتنا فرق ہے کہ اس میں لفظ نکاح استعمال ہوتا ہے اور متعہ میں تمتع (نفع اُٹھانا) کا لفظ ہوتا ہے۔

نکاح موقت میں گواہ بھی ہوتے ہیں اور تمام اُمور عام نکاح کی طرح ہوتے ہیں لیکن ایک وقت مقرر ہوتا ہے مثلاً وہ دس دن کے لیے نکاح کرتا ہے۔

ائمہ ثلاثہ (احناف) کے نزدیک یہ نکاح بھی متعہ کی طرح باطل ہے۔

لیکن امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ نکاح صحیح اور لازم ہو جاتا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ اس میں دنوں کی قید شرط فاسد ہے اور شرط فاسد سے نکاح باطل نہیں ہوتا۔

ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں چونکہ عقود میں معانی اور مقصود کا اعتبار ہوتا ہے اور اس اعتبار سے نکاح متعہ اور نکاح موقت میں کوئی فرق نہیں وقت زیادہ مقرر کیا جائے یا کم ایک ہی بات ہے لہٰذا یہ باطل ہے۔

اس کو متعہ کی طرح قرار دینے کی وجہ یہی ہے کہ اس میں بھی وقت مقرر ہوتا ہے اور متعہ میں بھی۔

نوٹ: نکاح کے ذریعے معاشرتی زندگی بہتر بنیادوں پر استوار ہوتی ہے برادری اور قبیلہ بنتا ہے نیک اور صالح اولاد مقصود ہوتی ہے محض جنسی خواہش کی تکمیل مقصود نہیں ہوتی اس لیے نکاح ہمیشہ کے لیے ہوتا ہے جب کہ نکاح موقت یا متعہ تو محض عورت کو کرائے پر حاصل کرنے کی طرح ہے۔ (۱۲ ہزاروی)

ایک عقد میں دو خواتین سے نکاح

(۴۱) [وَمَنْ تَزَوَّجَ امْرَأَتَيْنِ فِيْ عُقْدَةٍ وَّاحِدَةٍ وَّإِحْدَاهُمَا لَا يَحِلُّ لَهٗ نِكَاحُهَا صَحَّ نِكَاحُ الَّتِيْ يَحِلُّ نِكَاحُهَا وَبَطَلَ نِكَاحُ الْأُخْرٰى] لِأَنَّ الْمُبْطِلَ فِيْ إِحْدَاهُمَا. بِخِلَافِ مَا إِذَا جَمَعَ بَيْنَ حُرٍّ وَّ عَبْدٍ فِي الْبَيْعِ لِأَنَّهٗ يَبْطُلُ بِالشُّرُوْطِ الْفَاسِدَةِ. وَقَبُوْلُ الْعَقْدِ فِي الْحُرِّ شَرْطٌ فِيْهِ.

ثُمَّ جَمِيْعُ الْمُسَمّٰى لِلَّتِيْ يَحِلُّ نِكَاحُهَا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ. وَعِنْدَهُمَا يُقْسَمُ عَلٰى مَهْرِ مِثْلَيْهِمَا وَهِيَ مَسْأَلَةُ الْأَصْلِ۔

ترجمہ: [اور جس شخص نے دو عورتوں سے ایک ہی عقد میں نکاح کیا اور ان میں سے ایک اس کے لیے حلال نہیں تھی تو جس سے نکاح کرنا جائز ہے اس کے ساتھ نکاح صحیح ہوگا اور دوسری کا نکاح باطل ہو جائے گا] کیونکہ نکاح کو باطل کرنے والا سبب ان میں سے ایک میں پایا جاتا ہے۔

بخلاف اس کے جب آزاد مرد اور غلام کو ایک سودے میں اکٹھا کرے (تو جائز نہیں) کیونکہ بیع باطل شرائط سے باطل ہوتی ہے اور آزاد میں عقد کو قبول کرنا بیع میں شرط ہے۔

پھر امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تمام مقررہ مہر اس کے لیے ہوگا جس سے نکاح جائز ہے اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک مہر مثل کے مطابق وہ مہر ان دونوں میں تقسیم ہوگا یہ مسئلہ مبسوط کا ہے (مبسوط کو اصل کہا جاتا ہے)۔

توضیح: اگر کسی شخص نے ایک ہی عقد میں ایسی دو عورتوں سے نکاح کیا جن میں سے ایک اس پر حرام ہے جیسے رضاعی بہن وغیرہ اور دوسری سے نکاح جائز ہے تو جس سے نکاح جائز ہے اس کے ساتھ نکاح ہو جائے گا اور دوسری کا نکاح باطل ہوگا۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ کسی شخص نے آزاد آدمی اور غلام کو ایک ہی عقد میں فروخت کیا یا خریدا تو ایک کا سودا بھی جائز نہیں ہوگا۔

دونوں کے حکم میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ نکاح فاسد شرائط کی وجہ سے باطل نہیں ہوتا اور جب نکاح کو باطل کرنے کا سبب ایک میں پایا جاتا ہے تو اس سے نکاح صحیح ہو جائے گا کیونکہ دونوں کا نکاح ایک دوسرے کے ساتھ مشروط ہے اور یہ شرط فاسد ہے اور نکاح میں شرط فاسد، فاسد ہو جاتی ہے اور عقد صحیح ہو جاتا ہے۔

جب کہ بیع میں ایسا نہیں ہوتا بلکہ بیع شرط فاسد سے فاسد ہو جاتی ہے لہٰذا دونوں کی بیع نہیں ہوگی۔

اور غلام میں بیع کے صحیح ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ آزاد کی بیع کو بھی قبول کیا جائے ورنہ سودے میں تفریق لازم آئے گی اور یہ حرام ہے اور آزاد آدمی کی بیع کو قبول کرنا شرط فاسد ہے لہٰذا یہ بیع باطل ہوگی۔

جہاں تک مہر کا تعلق ہے تو حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک (اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول بھی یہی ہے) تمام مہر اس عورت کے لیے ہے جس سے نکاح صحیح ہوا جبکہ صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں ان کے مہر مثل کے بارے میں معلوم کیا جائے یعنی جس قدر مہر ان کے خاندان کی دیگر عورتوں کا ہوتا ہے اسی تناسب سے دونوں میں تقسیم کیا جائے۔

یہ مسئلہ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب مبسوط میں مذکور ہے اس کتاب کو اصل بھی کہا جاتا ہے کیونکہ آپ نے سب سے پہلے یہی کتاب تحریر فرمائی تھی۔

جب کوئی عورت کسی شخص سے نکاح کا دعویٰ کرے

(۴۲) [وَمَنِ ادَّعَتْ عَلَيْهِ اِمْرَاَةٌ اَنَّهُ تَزَوَّجَهَا وَاَقَامَتْ بَيِّنَةً فَجَعَلَهَا الْقَاضِيْ اِمْرَاَتَهُ وَلَمْ يَكُنْ تَزَوَّجَهَا وَسِعَهَا الْمُقَامُ مَعَهُ وَاَنْ تَدَعَهُ يُجَامِعُهَا] وَهٰذَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ يُوْسُفَ اَوَّلًا.

وَفِيْ قَوْلِهِ الْاٰخَرِ وَهُوَ قَوْلُ مُحَمَّدٍ لَّا يَسَعُهُ اَنْ يَّطَاهَا وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ لِاَنَّ الْقَاضِيَ اَخْطَاَ الْحُجَّةَ اِذِ الشُّهُوْدُ كَذَبَةٌ فَصَارَ كَمَا اِذَا ظَهَرَ اَنَّهُمْ عَبِيْدٌ اَوْ كُفَّارٌ وَّلِاَبِيْ حَنِيْفَةَ اَنَّ الشُّهُوْدَ صَدَقَةٌ عِنْدَهُ وَهُوَ الْحُجَّةُ لِتَعَذُّرِ الْوُقُوْفِ عَلٰى حَقِيْقَةِ الصِّدْقِ.

بِخِلَافِ الْكُفْرِ وَالرِّقِّ لِاَنَّ الْوُقُوْفَ عَلَيْهِمَا مُتَيَسِّرٌ.

وَاِذَا ابْتَنَى الْقَضَاءُ عَلَى الْحُجَّةِ وَاَمْكَنَ تَنْفِيْذُهُ بَاطِنًا بِتَقْدِيْمِ النِّكَاحِ نَفَذَ قَطْعًا لِّلْمُنَازَعَةِ.

بِخِلَافِ الْاَمْلَاكِ الْمُرْسَلَةِ لِاَنَّ فِي الْاَسْبَابِ تَزَاحُمًا فَلَا اِمْكَانَ

ترجمہ: [اور جس شخص پر کسی عورت نے دعویٰ کیا کہ اس نے اس سے نکاح کیا ہے اور اس پر گواہ بھی قائم کر دیے اور قاضی نے اسے اس کی بیوی قرار دے دیا حالانکہ اس نے اس سے نکاح نہیں کیا تھا تو وہ اس کے ساتھ رہ سکتی ہے اور اپنے ساتھ صحبت کی اجازت دے سکتی ہے]

یہ حکم حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔

اور حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا پہلا قول بھی یہی ہے آپ کا دوسرا قول اور یہی حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی ہے، یہ ہے کہ اس کے لیے اس سے جماع کی گنجائش نہیں۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے کیونکہ قاضی سے دلیل میں خطا ہوئی اس لیے گواہ جھوٹے تھے جس طرح اگر ظاہر ہو جائے کہ گواہ غلام یا کافر ہیں۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ قاضی کے ہاں گواہ سچے تھے اور یہی حجت (دلیل) ہے کیونکہ حقیقت صدق سے آگاہی مشکل ہے۔

بخلاف کفر اور غلامی کے کیونکہ ان دونوں باتوں سے آگاہی آسان ہے۔

اور جب فیصلہ دلیل کی بنیاد پر ہوا اور اسے باطنی طور پر نافذ کرنا ممکن ہے کہ نکاح پہلے ہو تو جھگڑے کو ختم کرنے کے لیے وہ قطعی طور پر نافذ ہوگا۔

اور املاک مرسلہ کا مسئلہ بھی اس کے خلاف ہے کیونکہ اسباب میں ٹکراؤ ہے لہٰذا (اس کا نفاذ) ممکن نہیں۔

توضیح: کسی عورت نے کسی مرد پر دعویٰ کیا کہ اس نے اس سے نکاح کیا ہے اور گواہ بھی قائم کر دیے۔ قاضی نے گواہوں کی گواہی پر اس کی بیوی قرار دے دیا حالانکہ اس عورت کا اس مرد سے نکاح نہیں ہوا تھا۔

تو کیا اس کے لیے اس بات کی گنجائش ہے کہ وہ اس کے ساتھ زندگی گزارے اور اسے صحبت کی اجازت دے؟

اس سلسلے میں ائمہ ثلاثہ احناف کے درمیان اختلاف ہے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ عورت اس کی بیوی کے طور پر اس کے ساتھ رہ سکتی ہے اور اسے صحبت کی اجازت بھی دے سکتی ہے۔

آپ کی دلیل یہ ہے کہ قاضی کے ہاں گواہ سچے تھے اور یہی دلیل ہے کیونکہ حقیقت حال معلوم کرنا مشکل ہے ظاہر میں ان کو جھٹلانے کی کوئی وجہ نہیں۔

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس عورت کے لیے اس کے ساتھ رہنے اور جماع کی اجازت دینے کی گنجائش

نہیں۔ وہ فرماتے ہیں جب معلوم ہوا کہ ان کا نکاح نہیں ہوا تھا تو قاضی کے فیصلے میں خطاء ثابت ہوگئی کیونکہ گواہوں کا جھوٹا ہونا واضح ہوگیا اور جس طرح قاضی کے فیصلے کے بعد گواہوں کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ غلام یا کافر ہیں تو قاضی کا فیصلہ باطل ہوجاتا ہے۔ اسی طرح یہاں بھی ہوگا۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی یہی ہے۔

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا پہلا قول حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی طرح ہے۔

اور آپ کا دوسرا قول حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان گواہوں کو غلام یا کافر گواہوں پر قیاس کرنے کا جواب یوں دیا کہ دونوں میں فرق ہے کیونکہ غلامی اور کفر پر آگاہی آسان ہے لیکن گواہوں کے جھوٹ پر گواہی مشکل ہے۔

اس بنیاد پر حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا موقف یہ ہے کہ جب قاضی کے فیصلہ کرتے وقت گواہوں کا جھوٹا ہونا ثابت نہیں تھا تو یہ گواہی حجت ہے لہٰذا اگر پہلے نکاح نہیں بھی ہوا تھا تو اب اسے باطنی نافذ قرار دیا جائے گا تاکہ جھگڑا ختم ہوجائے۔

نوٹ: یہ اس صورت میں ہے جب اس عورت کا کسی دوسرے شخص کے نکاح میں ہونا ثابت نہ ہوا گر ثابت ہو کہ یہ فلاں کی بیوی ہے اور اس نے طلاق بھی نہیں دی تو اب یہ نکاح ثابت نہیں ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (۱۲ ہزاروی)

املاک مرسلہ سے مراد وہ املاک ہیں جن کا کوئی سبب بیان نہ کیا جائے مثلاً کوئی شخص دعویٰ کرے کہ فلاں لونڈی اس کی مِلک ہے لیکن مِلک کا سبب بیان نہ کرے کہ اس نے خریدی ہے یا وراثت میں آئی یا کس طرح آئی ہے اور حقیقت میں اس کی ملکیت نہ ہو تو قاضی کا فیصلہ نافذ نہیں ہوگا کیونکہ اس کا سبب بیان نہیں ہوا لیکن یہاں اس عورت نے اس مرد کے ساتھ نکاح کا ذکر کیا لہٰذا اس فیصلہ کو باطنی طور پر نافذ کیا جائے گا۔

ولی اور کفو کا بیان

آزاد عاقل بالغ اپنے نکاح کا اختیار رکھتی ہے

(۴۳) [وَيَنْعَقِدُ نِكَاحُ الْحُرَّةِ الْعَاقِلَةِ الْبَالِغَةِ بِرِضَاهَا] وَإِنْ لَّمْ يَعْقِدْ عَلَيْهَا وَلِيٌّ بِكْرًا كَانَتْ أَوْ ثَيِّبًا [عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَأَبِيْ يُوْسُفَ] رَحِمَهُمَا اللّٰهُ [فِيْ ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ۔ وَعَنْ أَبِيْ يُوْسُفَ] رَحِمَهُ اللّٰهُ [أَنَّهُ لَا يَنْعَقِدُ إِلَّا بِوَلِيٍّ۔ وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ يَنْعَقِدُ مَوْقُوْفًا]

وَقَالَ مَالِكٌ وَّالشَّافِعِيُّ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ لَا يَنْعَقِدُ النِّكَاحُ بِعِبَارَةِ النِّسَاءِ أَصْلًا لِأَنَّ النِّكَاحَ يُرَادُ لِمَقَاصِدِهٖ وَالتَّفْوِيْضُ إِلَيْهِنَّ مُخِلٌّ بِهَا. إِلَّا أَنَّ مُحَمَّدًا رَحِمَهُ اللّٰهُ يَقُوْلُ يَرْتَفِعُ الْخَلَلُ بِإِجَازَةِ الْوَلِيِّ۔

وَوَجْهُ الْجَوَازِ أَنَّهَا تَصَرَّفَتْ فِيْ خَالِصِ حَقِّهَا وَهِيَ مِنْ أَهْلِهٖ لِكَوْنِهَا عَاقِلَةً مُمَيِّزَةً وَّلِهٰذَا كَانَ لَهَا التَّصَرُّفُ فِي الْمَالِ وَلَهَا اخْتِيَارُ الْأَزْوَاجِ. وَإِنَّمَا يُطَالَبُ الْوَلِيُّ بِالتَّزْوِيْجِ كَيْ لَا تُنْسَبَ إِلَى الْوَقَاحَةِ. ثُمَّ فِيْ ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ لَا فَرْقَ بَيْنَ الْكُفْءِ وَغَيْرِ الْكُفْءِ وَلٰكِنْ لِلْوَلِيِّ الْاِعْتِرَاضُ فِيْ غَيْرِ الْكُفْءِ۔

وَعَنْ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَأَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ أَنَّهُ لَا يَجُوْزُ فِيْ غَيْرِ الْكُفْءِ لِأَنَّ كَمْ مِنْ وَاقِعٍ لَّا يُرْفَعُ۔ وَيُرْوٰى رُجُوْعُ مُحَمَّدٍ إِلٰى قَوْلِهِمَا

ترجمہ: [اور آزاد عاقلہ بالغہ عورت کا نکاح اس کی مرضی سے منعقد ہو جاتا ہے] اگرچہ اس کا ولی اس کا عقد نہ کرے وہ کنواری ہو یا ثیبہ، [یہ حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک ہے اور یہ ظاہر الروایت کے مطابق ہے۔ اور حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ ولی کے بغیر (یہ نکاح) منعقد نہیں ہوتا اور حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک منعقد ہوتا ہے لیکن موقوف ہوتا ہے]

حضرت امام مالک اور حضرت امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک عورتوں کی عبارت سے نکاح بالکل منعقد نہیں ہوتا کیونکہ نکاح سے اس کے مقاصد کا ارادہ کیا جاتا ہے اور (یہ اختیار) ان کو سونپنے میں ان مقاصد میں خلل آتا ہے، مگر امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ولی کی اجازت سے یہ خلل ختم ہو جاتا ہے۔

اور جواز کی وجہ یہ ہے کہ عورت نے خالص اپنے حق میں تصرف کیا اور وہ اس (تصرف) کی اہل ہے کیونکہ وہ عقلمند اور (صحیح اور غلط میں) تمیز کرنے والی ہے۔

اسی لیے اسے مالی تصرف کا حق حاصل ہوتا ہے تو اپنے لیے خاوند اختیار کرنے کا بھی حق ہے اور ولی سے اس (لڑکی) کے نکاح کا مطالبہ اس لیے کیا جاتا ہے کہ اسے بے حیائی کی طرف منسوب نہ کیا جائے۔

پھر ظاہر الروایت کے مطابق کفو اور غیر کفو کا فرق نہیں البتہ ولی کو اعتراض کا حق ہے جب وہ غیر کفو میں نکاح کرے۔

حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام ابو یوسف رحمہما اللہ سے منقول ہے کہ غیر کفو میں جائز نہیں کیونکہ کتنے ہی واقعات ایسے ہیں جن کو عدالت میں نہیں لے جایا جاتا۔

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے شیخین کے قول کی طرف رجوع مروی ہے۔

توضیح: اس باب میں عورت کے اولیاء اور کفو کا بیان ہے۔

اولیاء ولی کی جمع ہے اور ولی اس شخص کو کہتے ہیں جس کے پاس دوسرے کے اختیارات ہوں اور کفو برابری کو کہتے ہیں اور یہاں اس سے مراد عورت کا ہم پلہ ہونا ہے یعنی جس فرد سے نکاح کیا جا رہا ہے وہ عورت کی برابر سطح کا ہو۔ (تفصیل آگے آ رہی ہے)

جس لڑکی کا نکاح کیا جا رہا ہے وہ دو قسم کی ہوگی:

① بالغہ اور آزاد لڑکی جو مجنونہ نہ ہو اور اچھے برے میں تمیز کر سکتی ہو۔

② نابالغ ہو یا لونڈی یا مجنونہ ہو۔

یہاں اس لڑکی کے نکاح کے احکام بیان ہو رہے ہیں جو عاقلہ بالغہ اور آزاد ہے (لونڈی نہیں) اور پاگل بھی نہیں تو کیا وہ ولی کے بغیر خود اپنا نکاح کر سکتی ہے؟

اس سلسلے میں تین قول ہیں:

① حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول اور یہی حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول ہے اور وہ ظاہر الروایت (یعنی روایت الاصل) کے مطابق ہے۔

نوٹ: حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی چھ کتب (مبسوط، زیادات، جامع صغیر، جامع کبیر، سیر صغیر اور سیر کبیر)۔ کے مسائل ظاہر الروایت کہلاتے ہیں۔

حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عاقلہ بالغہ آزاد لڑکی اپنا نکاح خود کر سکتی ہے وہ کنواری ہو یا ثیبہ (جس کی پہلے شادی ہو چکی ہے)

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ ایسی لڑکی سمجھ اور تمیز کرنے والی ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ اسے اپنے مالی معاملات میں ولی کی ضرورت نہیں ہوتی وہ ان معاملات میں خود مختار ہوتی ہے لہٰذا وہ اپنے نکاح کے معاملہ میں خود مختار ہوگی۔

سوال: جب یہ لڑکی اپنے نکاح میں خود مختار ہے تو اس کے ولی سے اس کے رشتے کا مطالبہ کیوں کیا جاتا ہے؟

جواب: اس مطالبے کی وجہ یہ ہے کہ جب وہ خود فیصلہ کرے گی تو اس پر یہ لازم آئے گا کہ یہ حیا اور شرم سے خالی ہے۔

نوٹ: امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ایک قول کے مطابق ایسی لڑکی کا نکاح ولی کے بغیر نہیں ہو سکتا۔

دوسرا موقف امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا ہے وہ فرماتے ہیں۔

ولی کے بغیر عاقلہ بالغہ لڑکی کا نکاح موقوف منعقد ہوتا ہے یعنی ولی کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے اگر ولی اجازت دے تو نافذ ہو گا ورنہ نہیں۔

تیسرا موقف حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے وہ فرماتے ہیں عورتوں کی عبارت سے نکاح بالکل منعقد نہیں ہوتا ہے۔

وہ فرماتے ہیں نکاح کے کچھ مقاصد ہوتے ہیں اور عورتیں صحیح فیصلہ نہیں کر سکتیں یعنی مجموعی طور پر یہ سنجیدہ فیصلہ نہیں کر سکتیں لہٰذا ان مقاصد میں خلل آئے گا۔

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جواب یہ دیا کہ وہ خلل ولی کی اجازت سے ختم ہو سکتا ہے۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے دلیل گزر چکی ہے کہ بالغہ عاقلہ آزاد لڑکی سمجھ دار ہوتی ہے لہٰذا وہ اپنے حق میں صحیح فیصلہ کرے گی۔

دوسرا مسئلہ یہ کہ آزاد بالغہ عاقلہ لڑکی صرف کفوء میں نکاح کا اختیار رکھتی ہے یا غیر کفو میں خود نکاح کر سکتی ہے؟

ظاہر الروایت کے مطابق اس میں کوئی فرق نہیں البتہ عورتوں کے اولیاء باپ وغیرہ کو اختیار ہے کہ اگر وہ غیر کفو میں نکاح کرے تو اس پر اعتراض کریں اور اسے قبول نہ کریں۔

یہ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

شیخین کے نزدیک اگر وہ غیر کفو، میں نکاح کرے تو جائز نہیں کیونکہ بعض اوقات عورت کے ولی اس رشتے کو پسند نہیں کرتے لیکن وہ عدالتوں تک رسائی حاصل نہیں کرتے لہٰذا بعد میں مشکلات پیدا ہوتی ہیں۔

ایک روایت کے مطابق حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی شیخین کے قول کی طرف رجوع کر لیا گویا تینوں ائمہ احناف کا اتفاق ہو گیا اور آزاد عاقلہ بالغہ لڑکی غیر کفو میں نکاح نہیں کر سکتی۔

بالغ باکرہ لڑکی کو نکاح پر مجبور نہیں کیا جا سکتا

(۴۴) [وَلَا يَجُوْزُ لِلْوَلِيِّ اِجْبَارُ الْبِكْرِ الْبَالِغَةِ عَلَى النِّكَاحِ] خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ۔ لَهُ الْاِعْتِبَارُ بِالصَّغِيْرَةِ وَهٰذَا لِاَنَّهَا جَاهِلَةٌ بِاَمْرِ النِّكَاحِ لِعَدَمِ التَّجْرِبَةِ وَلِهٰذَا يَقْبِضُ الْاَبُ صُدَاقَهَا بِغَيْرِ اَمْرِهَا۔

وَلَنَا اَنَّهَا حُرَّةٌ مُخَاطَبَةٌ فَلَا يَكُوْنُ لِلْغَيْرِ عَلَيْهَا وَلَايَةٌ، وَالْوِلَايَةُ عَلَى الصَّغِيْرَةِ لِقُصُوْرِ عَقْلِهَا وَقَدْ كَمُلَ بِالْبُلُوْغِ بِدَلِيْلِ تَوَجُّهِ الْخِطَابِ عَلَيْهَا فَصَارَ كَالْغُلَامِ وَكَالتَّصَرُّفِ فِي الْمَالِ، وَاِنَّمَا يَمْلِكُ الْاَبُ قَبْضَ الصَّدَاقِ بِرِضَاهَا دَلَالَةً وَّلِهٰذَا لَا يَمْلِكُ مَعَ نَهْيِهَا۔

ترجمہ: [اور ولی کے لیے جائز نہیں کہ وہ کنواری بالغہ لڑکی کو نکاح پر مجبور کرے] اس میں حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے۔

وہ اسے چھوٹی لڑکی (نابالغہ) پر قیاس کرتے ہیں اور وہ اس لیے کہ وہ تجربہ نہ ہونے کی وجہ سے نکاح کے معاملہ سے بے خبر ہوتی ہے اسی لیے اس کا مہر اس کا باپ اس کی اجازت کے بغیر وصول کرتا ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ وہ آزاد ہے اور (احکام شریعت کی) مخاطبہ ہے لہٰذا اس پر اس کے غیر کی ولایت نہیں ہوتی اور نہ بالغہ پر ولایت اس کی عقل کی کمی کی وجہ سے ہوتی ہے اور بالغہ ہونے کی وجہ سے اس کی عقل کامل ہوگی جس کی دلیل یہ ہے کہ اسے (شرعی احکام کا) خطاب ہوتا ہے لہٰذا یہ غلام کی طرح ہے اور مال میں تصرف کی طرح ہے۔

اور باپ اس کے مہر پر قبضہ کا مالک اس کی مرضی سے ہوتا ہے اور یہ بات دلالتاً ثابت ہوتی ہے اسی لیے اگر وہ منع کرے تو وہ (وصول کرنے کا) اختیار نہیں رکھتا۔

توضیح: جن لڑکیوں کا نکاح ہوتا ہے وہ تین قسم کی ہیں:

1. آزاد، عاقلہ، بالغہ، ثیبہ یعنی جس کا پہلے نکاح ہوا پھر وہ بیوہ یا مطلقہ ہوگی تو وہ اپنا نکاح کرنے کی مختار ہے یہ مسئلہ گزر چکا ہے۔
2. آزاد، نابالغہ لڑکی اس کا نکاح ولی کر کے دیتا ہے (یہ مسئلہ آگے آئے گا)۔
3. آزاد، بالغہ، عاقلہ کنواری لڑکی کو ولی مجبور کر سکتا ہے یا نہیں اب یہ مسئلہ بیان ہو رہا ہے۔

اس میں احناف اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے احناف کے نزدیک بالغہ کنواری لڑکی کو اس کا ولی مجبور نہیں کر سکتا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ولی اپنی مرضی سے اس کا نکاح کر سکتا ہے۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ کنواری لڑکی ناتجربہ کار رہتی ہے اور وہ نکاح کے معاملات کو نہیں سمجھتی لہٰذا وہ نابالغہ کی طرح ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ اس کا مہر اس کا باپ وصول کرتا ہے۔

احناف کی دلیل یہ ہے کہ جب لڑکی بالغ ہوگئی تو اب شرعی احکام کی پابند ہوتی ہے اور شریعت اسے مخاطب کرتی ہے لہٰذا اب کسی دوسرے کو اس پر ولایت حاصل نہیں ہوتی لیکن نابالغہ کی عقل و شعور میں کمی ہوتی ہے اس لیے دوسرے شخص (باپ وغیرہ) کو اس پر ولایت حاصل ہوتی ہے جبکہ بالغہ کی عقل کامل ہوتی ہے اسی لیے وہ مالی معاملات میں مختار ہوتی ہے

خود تصرف کرتی ہے اور اس سلسلے میں وہ بالغ لڑکے کی طرح ہے۔

جہاں تک باپ کا مہر وصول کرنے کا معاملہ ہے تو وہ اس کی مرضی سے وصول کرتا ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ وہ خاموش رہتی ہے اور اعتراض نہیں کرتی اور اگر وہ منع کر دے تو باپ وصول نہیں کر سکتا لہٰذا اس مسئلہ کو مہر پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

کنواری لڑکی کی اجازت

(۴۵) قَالَ: [وَإِذَا اسْتَأْذَنَهَا فَسَكَتَتْ أَوْ ضَحِكَتْ فَهُوَ إِذْنٌ] لِقَوْلِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ: «اَلْبِكْرُ تُسْتَأْمَرُ فِيْ نَفْسِهَا. فَإِنْ سَكَتَتْ فَقَدْ رَضِيَتْ» وَلِأَنَّ جِهَةَ الرِّضَاءِ فِيْهِ رَاجِحَةٌ، لِأَنَّهَا تَسْتَحْيِي عَنْ إِظْهَارِ الرَّغْبَةِ لَا عَنِ الرَّدِّ. وَالضِّحْكُ أَدَلُّ عَلَى الرِّضَا مِنَ السُّكُوْتِ. بِخِلَافِ مَا إِذَا بَكَتْ لِأَنَّهُ دَلِيْلُ السُّخْطِ وَالْكَرَاهَةِ۔

وَقِيْلَ إِذَا ضَحِكَتْ كَالْمُسْتَهْزِئَةِ بِمَا سَمِعَتْ لَا يَكُوْنُ رِضًا. وَإِذَا بَكَتْ بِلَا صَوْتٍ لَمْ يَكُنْ رَدًّا۔

ترجمہ: امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: [پس جب اس (کنواری لڑکی) سے (اس کے ولی نے) اجازت مانگی اور وہ خاموش رہی یا ہنس پڑی تو یہ اجازت ہے]

کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

اَلْبِكْرُ تُسْتَأْمَرُ فِيْ نَفْسِهَا. فَإِنْ سَكَتَتْ فَقَدْ رَضِيَتْ [1]

ترجمہ: کنواری لڑکی سے اس کے نفس کے بارے میں اجازت طلب کی جائے پس اگر وہ خاموش رہے تو وہ راضی ہو گئی۔

اور اس لیے بھی کہ اس میں رضامندی کے پہلو کو ترجیح حاصل ہے کیونکہ وہ رغبت ظاہر کرنے میں حیا کرتی ہے رد کرنے میں نہیں اور ہنسنا، خاموشی کے مقابلے میں رضامندی پر زیادہ دلالت ہے۔

بخلاف اس کے جب وہ رو پڑے کیونکہ وہ ناراضگی اور ناپسندیدگی کی دلیل ہے۔

اور کہا گیا ہے کہ جب اس طرح ہنسے کہ گویا وہ اس بات کا مذاق اُڑا رہی ہے جو اس نے سنی تو وہ رضامندی نہیں ہو گی اور جب آواز کے بغیر روئے تو یہ رد نہیں ہو گا۔

توضیح: کنواری بالغہ لڑکی کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح نہیں ہوتا اب سوال یہ ہے کہ اس کی رضامندی کس طرح ظاہر ہو گی؟ تو اس کی چند صورتیں ہیں:

[1] صحیح مسلم، کتاب النکاح، حدیث: ٦٠

⑪ جب کنواری لڑکی سے اس کی رائے معلوم کی جائے اور وہ خاموش رہے۔
⑫ وہ خاموش رہنے کی بجائے ہنس پڑے۔
⑬ وہ رونے لگ جائے۔

جب خاموشی اختیار کرے یا ہنس پڑے تو یہ اس کی رضامندی ہے خاموشی کے بارے میں حدیث شریف ذکر کی گئی اور عقلی دلیل یہ دی گئی کہ وہ حیا کی وجہ سے اپنی رغبت کا اظہار نہیں کر سکتی لہٰذا خاموشی، رضامندی پر دلالت کرتی ہے اور ہنسنا اس سے بھی بڑھ کر دلالت ہے۔

رونے کی دو صورتیں ہیں اگر آواز کے ساتھ روئے تو یہ ناپسندیدگی کی دلیل ہے لہٰذا یہ رد کرنا ہوگا گویا وہ اس پر ناراض ہے اور اسے یہ رشتہ پسند نہیں۔ اور آواز کے بغیر روئے تو یہ رد نہیں کیونکہ یہ خوشی کا رونا ہے

ہنسنے کے بارے میں بھی دو صورتیں ہیں عام طریق پر ہنسے تو رضامندی ہے اور اگر وہ اس طرح ہنسے جس طرح کوئی بات سن کر اس کا مذاق اُڑایا جاتا ہے تو یہ رضامندی نہیں ہوگی؟

غیر ولی کا اجازت لینا

(٤٦) قَالَ: [وَإِنْ فَعَلَ هٰذَا غَيْرُ وَلِيٍّ] يَعْنِي اسْتَأْمَرَ غَيْرُ الْوَلِيِّ [أَوْ وَلِيٌّ غَيْرُهُ أَوْلٰى مِنْهُ لَمْ يَكُنْ رِضًا حَتّٰى تَتَكَلَّمَ بِهِ] لِأَنَّ هٰذَا السُّكُوْتَ لِقِلَّةِ الْاِلْتِفَاتِ إِلٰى كَلَامِهِ فَلَمْ يَقَعْ دَلَالَةً عَلَى الرِّضَا. وَلَوْ وَقَعَ فَهُوَ مُحْتَمَلٌ. وَالْاِكْتِفَاءُ بِمِثْلِهِ لِلْحَاجَةِ وَلَا حَاجَةَ فِيْ حَقِّ غَيْرِ الْأَوْلِيَاءِ.

بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ الْمُسْتَأْمِرُ رَسُوْلَ الْوَلِيِّ لِأَنَّهُ قَائِمٌ مَقَامَهُ.

وَيُعْتَبَرُ فِي الْاِسْتِئْمَارِ تَسْمِيَةُ الزَّوْجِ عَلٰى وَجْهٍ تَقَعُ بِهِ الْمَعْرِفَةُ لِتَظْهَرَ رَغْبَتُهَا فِيْهِ مِنْ رَغْبَتِهَا عَنْهُ

ترجمہ: امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے جامع الصغیر میں فرمایا: [اگر یہ کام ولی کے غیر نے کیا یعنی غیر ولی نے اجازت طلب کی یا] اسے ولی نے اس سے پوچھا جس کے علاوہ دوسرا ولی اس سے زیادہ قریبی ہے تو جب تک وہ زبان سے نہ کہے رضامندی نہیں ہوگی]

کیونکہ یہ خاموشی اس شخص کے کلام کی طرف کم توجہ کی وجہ سے ہے لہٰذا یہ رضامندی پر دلالت نہیں ہوگی اور اگر دلالت ہو بھی تو اس میں احتمال ہے اور اس کی مثل پر حاجت کے وقت اکتفاء کیا جاتا ہے اور غیر اولیاء کے حق میں حاجت نہیں۔

بخلاف اس کے جب ولی کا نمائندہ اجازت طلب کرے تو وہ (ولی) کے قائم مقام ہوتا ہے۔

اور طلب کرتے وقت خاوند کا نام لینا اس طریقے پر معتبر ہوگا جس سے معرفت حاصل ہو جائے تاکہ اس لڑکی کی اس

(لڑکے) میں رغبت بے رغبتی سے واضح اور ظاہر ہوجائے۔

توضیح: جس شخص کو لڑکی کے معاملات کا اختیار ہوتا ہے وہ ولی کہلاتا ہے۔ یہ بات گزر چکی ہے کہ جب ولی اجازت طلب کرے اور لڑکی خاموش ہوجائے تو اس کی خاموشی رضامندی ہوگی اب یہ بتایا جارہا ہے کہ اگر ولی کے علاوہ کوئی شخص اس سے اجازت طلب کرے تو چونکہ لڑکی اس کی بات کی طرف توجہ کم کرے گی لہٰذا اب زبان سے اجازت دینا ضروری ہے کیونکہ خاموشی، اجازت پر دلالت نہیں کرے گی اور اگر دلالت ہو بھی تو قطعی نہیں ہوگی بلکہ اس میں احتمال ہوگا کہ رضامندی ہے یا نہیں؟

اسی طرح اگر اجازت لینے والا ولی ہو لیکن وہ قریبی نہ ہو تو بھی یہی حکم ہے اگر ولی نے کسی شخص کو اپنا وکیل بنایا اور اس نے لڑکی سے اجازت طلب کی تو اس کا خاموش رہنا بھی اجازت ہوگی کیونکہ وہ ولی کے قائم مقام ہے۔

لڑکی سے اجازت طلب کرتے وقت یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے شوہر کا ذکر اس طرح ہو کہ کسی قسم کا ابہام نہ رہے اور پوری طرح معرفت حاصل ہوجائے، یعنی اس کا نام اس کے باپ کا نام اور اگر مزید کسی وصف کی ضرورت ہو تو وہ بھی ذکر کیا جائے تاکہ لڑکی کی رغبت کا پتہ چل سکے یا یہ کہ وہ اس میں دلچسپی نہیں رکھتی۔

نکاح کے وقت مہر کا ذکر شرط نہیں

(۴۷) [وَلَا تُشْتَرَطُ تَسْمِيَةُ الْمَهْرِ هُوَ الصَّحِيْحُ] لِاَنَّ النِّكَاحَ صَحِيْحٌ بِدُوْنِهٖ وَلَوْ زَوَّجَهَا فَبَلَغَهَا الْخَبَرُ فَسَكَتَتْ فَهُوَ عَلٰى مَا ذَكَرْنَا لِاَنَّ وَجْهَ الدَّلَالَةِ فِي السُّكُوْتِ لَا يَخْتَلِفُ.

ثُمَّ الْمُخْبِرُ اِنْ كَانَ فُضُوْلِيًّا يُشْتَرَطُ فِيْهِ الْعَدَدُ اَوِ الْعَدَالَةُ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ خِلَافًا لَهُمَا. وَلَوْ كَانَ رَسُوْلًا لَا يُشْتَرَطُ اِجْمَاعًا وَّلَهٗ نَظَائِرُ

ترجمہ: [اور مہر کا ذکر شرط نہیں یہی صحیح ہے] کیونکہ نکاح اس کے بغیر بھی نکاح صحیح ہوتا ہے اگر (اس کے ولی نے) اس کا نکاح کر کے دیا اور اسے خبر پہنچی اور وہ خاموش رہی تو جس طرح ہم نے کہا ہے اسی طرح ہوگا (رضامندی ہوگی) کیونکہ خاموشی کی صورت میں (رضامندی پر) دلالت مختلف نہیں ہوتی۔

پھر اگر خبر دینے والا فضولی ہو تو اس میں عدد یا عدالت شرط ہے یہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔

صاحبین رحمہما اللہ کا اس میں اختلاف ہے اور اگر اس کا نمائندہ ہے تو سب کا اتفاق ہے کہ شرط نہیں اور اس کی کئی مثالیں ہیں۔

توضیح: نکاح میں گواہوں کا ہونا شرط ہے لیکن مہر کا مقرر کرنا شرط نہیں یعنی نکاح میں مہر کا ذکر نہ بھی کیا جائے تو نکاح صحیح ہو گا لیکن مہر واجب ہوجائے گا۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر لڑکی کے ولی نے اس سے اجازت لیے بغیر اس کا نکاح کر دیا پھر اس کو خبر پہنچی اور وہ خاموش رہی تو اس کی رضامندی پائی گئی کیونکہ خاموشی رضامندی پر دلالت کرتی ہی وہ اجازت لیتے وقت ہو یا خبر پہنچنے کے وقت دونوں صورتوں میں کوئی اختلاف نہیں۔

خبر دینے والے شخص کے بارے میں دو صورتیں ہیں:

پہلی صورت یہ کہ وہ فضولی ہو تو اس میں دو باتوں میں سے ایک بات شرط ہے یعنی یا دو آدمی خبر دیں اور اگر ایک خبر دے تو وہ عادل ہو یعنی فاسق نہ ہو یہ شرط حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے صاحبین کے نزدیک یہ شرط نہیں۔

اور اگر خبر دینے والا نکاح کر کے دینے والے کا نمائندہ ہو تو تینوں ائمہ کا اتفاق ہے کہ (مذکورہ بالا) شرط نہیں کیونکہ وہ ولی کے قائم مقام ہے۔

نوٹ: فضولی اس شخص کو کہتے ہیں جو نہ تو لڑکی کا ولی ہو اور نہ ہی اس کا وکیل ہو۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت امام صاحب اور صاحبین رحمہما اللہ کے درمیان جو اختلاف ذکر کیا گیا اس کی کئی مثالیں ہیں۔

ایک مثال یہ کہ اگر موکل اپنے وکیل کو معزول کر دے اور کوئی غیر متعلق شخص خبر دے تو وہی اختلاف ہے جو یہاں بیان ہوا۔امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عدد یا عدالت شرط ہے۔

صاحبین کے نزدیک نہیں اور اگر موکل کا نمائندہ خبر دے تو یہ شرط نہیں۔

ثیبہ کی رضامندی کا اظہار

(۴۸) [وَلَوْ اِسْتَأْذَنَ الثَّيِّبَ فَلَا بُدَّ مِنْ رِضَاهَا بِالْقَوْلِ] لِقَوْلِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ: «اَلثَّيِّبُ تُشَاوَرُ» وَلِاَنَّ النُّطْقَ لَا يُعَدُّ عَيْبًا مِّنْهَا وَقَلَّ الْحَيَاءُ بِالْمُمَارَسَةِ فَلَا مَانِعَ مِنَ النُّطْقِ فِيْ حَقِّهَا

ترجمہ: [اور اگر (ولی نے) ثیبہ سے اجازت طلب کی تو اس کی رضامندی کے کلام کے ذریعے اظہار ضروری ہے]

کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

اَلثَّيِّبُ تُشَاوَرُ[1]

ترجمہ: ثیبہ سے مشاورت کی جائے۔

نیز اس کا بولنا عیب شمار نہیں ہوتا اور تجربہ کار ہونے کی وجہ سے جھجک کم ہو جاتی ہے لہٰذا اس کے حق میں بولنے سے کوئی چیز رکاوٹ نہیں ہوتی۔

[1] کنز العمال، باب حرف النون، حدیث: ۴۵۷۷۷۔ مسند امام احمد، حدیث: ۲۱۳۱

توضیح: ثیبہ یعنی وہ عورت جس کا پہلے نکاح ہوا پھر وہ طلاق یافتہ یا بیوہ ہوگئی اب اس کا دوسرا نکاح ہے تو جب اس سے اجازت طلب کی جائے تو ضروری ہے کہ وہ زبان سے اظہار کرے خاموشی اجازت کی دلیل نہیں ہوگی۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ پہلے اپنے خاوند کے ساتھ رہ چکی ہے اس لیے اس میں جھجک کنواری لڑکی کے مقابلے میں کم ہوتی ہے۔ اور جب وہ زبان سے اجازت دے گی تو اس پر بے شرمی وغیرہ کا کوئی الزام نہیں ہوگا۔

کسی سبب سے بکارت زائل ہو تو بھی کنواری کے حکم میں ہے

(۴۹) [وَاِذَا زَالَتْ بَكَارَتُهَا بِوَثْبَةٍ اَوْ حَيْضَةٍ اَوْ جِرَاحَةٍ اَوْ تَعْنِيْسٍ فَهِيَ فِيْ حُكْمِ الْاَبْكَارِ] لِاَنَّهَا بِكْرٌ حَقِيْقَةً لِاَنَّ مُصِيْبَهَا اَوَّلُ مُصِيْبٍ لَّهَا وَمِنْهُ الْبَاكُوْرَةُ وَالْبُكْرَةُ وَلِاَنَّهَا تَسْتَحْيِيْ لِعَدَمِ الْمُمَارَسَةِ [وَلَوْ زَالَتْ] بَكَارَتُهَا [بِزِنًا فَهِيَ كَذٰلِكَ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ]

وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ وَ مُحَمَّدٌ وَالشَّافِعِيُّ: لَا يَكْتَفِيْ بِسُكُوْتِهَا لِاَنَّهَا ثَيِّبٌ حَقِيْقَةً لِاَنَّ مُصِيْبَهَا عَائِدٌ اِلَيْهَا وَمِنْهُ الْمَثُوْبَةُ وَالْمَثَابَةُ وَالتَّثْوِيْبُ.

وَلِاَبِيْ حَنِيْفَةَ اَنَّ النَّاسَ عَرَفُوْهَا بِكْرًا فَيُعَيِّبُوْنَهَا بِالنُّطْقِ فَتَمْتَنِعُ عَنْهُ فَيُكْتَفٰى بِسُكُوْتِهَا كَيْ لَا تَتَعَطَّلَ عَلَيْهَا مَصَالِحُهَا.

بِخِلَافِ مَا اِذَا وُطِئَتْ بِشُبْهَةٍ اَوْ بِنِكَاحٍ فَاسِدٍ لِاَنَّ الشَّرْعَ اَظْهَرَهُ حَيْثُ عَلَّقَ بِهٖ اَحْكَامًا. اَمَّا الزِّنَا فَقَدْ نُدِبَ اِلٰى سَتْرِهٖ، حَتّٰى لَوْ اُشْتُهِرَ حَالُهَا لَا يُكْتَفٰى بِسُكُوْتِهَا

ترجمہ: [اور جب کسی لڑکی کی بکارت اُچھلنے کودنے یا حیض یا زخم یا زیادہ وقت گزرنے کی وجہ سے زائل ہو جائے تو وہ کنواری لڑکیوں کے حکم میں ہوگی] کیونکہ وہ حقیقتاً کنواری ہے کیونکہ اس تک پہنچنے والا (خاوند) پہلی مرتبہ اس تک پہنچا ہے اور اسی سے باکورہ اور بکرہ کا لفظ ہے نیز وہ عدم تعلق کی وجہ سے حیا کرتی ہے۔

[اور اگر اس کی بکارت] زنا کی وجہ سے زائل ہو جائے تو بھی حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہی ہے۔

حضرت امام ابو یوسف، امام محمد اور امام شافعی رحمہم اللہ فرماتے ہیں اس کی خاموشی کافی نہیں کیونکہ حقیقتاً وہ ثیبہ ہے کیونکہ اس تک پہنچنے والا اس کی طرف لوٹنے والا ہے اور اسی سے مثوبہ، مثابہ اور تثویب کا لفظ ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ اسے کنواری لڑکی کے طور پر پہچانتے ہیں لہٰذا زبانی اجازت کی صورت میں وہ اس پر عیب لگائیں گے اور وہ اس سے رُک جائے گی اس لیے خاموشی کافی ہے تا کہ اس کی وجہ سے (نکاح کے) مصالح (مقاصد) معطل نہ ہو جائیں۔

بخلاف اس کے جب اس سے شبہ کے طور پر یا نکاح فاسد کی صورت میں وطی کی جائے کیونکہ شریعت نے اسے ظاہر

کیا جب اس کے ساتھ احکام کو معلق کیا۔
لیکن زنا کو چھپانا مستحب ہے حتیٰ کہ اگر اس کی حالت مشہور ہو جائے تو خاموشی پر اکتفاء نہیں کیا جائے گا۔

توضیح: عورت کا کنوارہ پن اس کے پردۂ بکارت کے قائم رہنے سے ہوتا ہے البتہ بعض اوقات شادی کے بغیر ہی اس کا پردۂ بکارت زائل ہو جاتا ہے مثلاً اچھلنے کودنے، حیض آنے یا شادی کے بغیر زیادہ وقت گزر جانے کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے ایسی صورت میں وہ ایک اعتبار سے کنواری نہیں رہتی لیکن جب اس کا نکاح نہیں ہوا تو اس اعتبار سے وہ کنواری ہے۔

اس بنیاد پر یہ سوال ہے کہ اس کی اجازت خاموشی کی صورت میں معتبر ہوگی یا نہیں تو ائمہ کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ وہ کنواری لڑکی کے حکم میں ہے کیونکہ وہ حقیقتاً باکرہ (کنواری) ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے جماع پہلی مرتبہ ہو رہا ہے اسی سے باکورہ کا لفظ ہے جو پہلے پھل کو کہا جاتا ہے اور اسی سے بکرۃ کا لفظ ہے جو صبح کے وقت کو کہا جاتا ہے

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ چونکہ وہ پہلے کسی کی بیوی نہیں رہی اس لیے وہ جواب دینے میں جھجک محسوس کرتی ہے لہٰذا اس کی خاموشی ہی اس کی اجازت ہوگی۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر زنا سے پردۂ بکارت زائل ہو تو بھی یہی حکم ہے۔

حضرت امام ابو یوسف، حضرت امام محمد اور حضرت امام شافعی رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ زنا کی صورت میں خاموشی کافی نہیں کیونکہ وہ اسے ثیبہ شمار کرتے ہیں اور ثیبہ کی اجازت کلام کے ذریعے ہوتی ہے۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ ثیبہ کا معنی وہ عورت جس کا قرب پہلی مرتبہ نہیں ہو رہا کیونکہ یہ لوٹنے کے معنی میں ہے اس سے **مثوبۃ، مثابہ** اور **تثویب** کا لفظ ہے **مثوبۃ جزاء، مثابہ** لوٹنے کی جگہ اور **تثویب** اعلان کے بعد اعلان کو کہا جاتا ہے۔ جزاء بھی لوٹ کر آتی ہے کیونکہ وہ عمل کا بدلہ ہوتا ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جس عورت سے زنا ہوا اور وہ کنواری تھی تو لوگ اسے کنواری ہی سمجھتے ہیں لہٰذا اگر وہ زبان سے بولے گی تو لوگ اس بات کو معیوب سمجھیں گے اس لیے وہ نہیں بولے گی بنابریں اس کی خاموشی کو کافی سمجھا جائے تاکہ نکاح کے مصالح و مقاصد معطل نہ ہوں۔

سوال: جب کنواری لڑکی سے شبہ کے ساتھ وطی کی گئی یا نکاح فاسد کی صورت میں وطی ہوتی ہے تو اس کے نکاح کے وقت زبان سے اظہار کیوں ضروری قرار دیا گیا؟

جواب: اس کی وجہ یہ ہے کہ شریعت نے اس کے ساتھ احکام کو متعلق کر کے اسے ظاہر کر دیا لیکن زنا کو چھپانا مستحب ہے لہٰذا دونوں میں فرق ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اگر زنا والی حالت مشہور ہو جائے تو خاموشی کافی نہیں ہوگی۔

نکاح کے بارے میں مرد عورت کا اختلاف

(۵۰) [وَإِذَا قَالَ الزَّوْجُ بَلَغَكِ النِّكَاحُ فَسَكَتِّ وَقَالَتْ رَدَدْتُ فَالْقَوْلُ قَوْلُهَا] وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللّٰهُ: اَلْقَوْلُ قَوْلُهُ لِاَنَّ السُّكُوْتَ اَصْلٌ وَّالرَّدَّ عَارِضٌ. فَصَارَ كَالْمَشْرُوْطِ لَهُ الْخِيَارُ اِذَا ادَّعَى الرَّدَّ بَعْدَ مُضِيِّ الْمُدَّةِ.

وَنَحْنُ نَقُوْلُ اِنَّهُ يَدَّعِيْ لُزُوْمَ الْعَقْدِ وَتَمَلُّكَ الْبُضْعِ وَالْمَرْاَةُ تَدْفَعُهُ فَكَانَتْ مُنْكِرَةً. كَالْمُوْدَعِ اِذَا ادَّعَى رَدَّ الْوَدِيْعَةِ.

بِخِلَافِ مَسْاَلَةِ الْخِيَارِ لِاَنَّ اللُّزُوْمَ قَدْ ظَهَرَ بِمُضِيِّ الْمُدَّةِ. وَاِنْ اَقَامَ الزَّوْجُ الْبَيِّنَةَ عَلٰى سُكُوْتِهَا ثَبَتَ النِّكَاحُ لِاَنَّهُ نَوَّرَ دَعْوَاهُ بِالْحُجَّةِ.

وَاِنْ لَّمْ تَكُنْ لَّهُ بَيِّنَةٌ فَلَا يَمِيْنَ عَلَيْهَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ

وَهِيَ مَسْاَلَةُ الْاِسْتِحْلَافِ فِي الْاَشْيَاءِ السِّتَّةِ. وَسَتَاْتِيْكَ فِي الدَّعْوٰى اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى

ترجمہ: [اور جب مرد نے کہا کہ تجھے نکاح کی خبر پہنچی اور تو خاموش رہی اور عورت نے کہا کہ میں نے رد کر دیا تھا تو عورت کا قول معتبر ہوگا]

حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مرد کا قول معتبر ہوگا کیونکہ خاموشی اصل ہے اور رد کرنا عارض (لاحق ہونے والی بات) ہے پس یہ اس کی طرح ہوگا جیسے کسی کے لیے خیار شرط رکھی گئی ہو اور وہ ایک مدت کے بعد رد کرنے کا دعویٰ کرے۔

اور ہم کہتے ہیں کہ مرد عقد کے لازم ہونے اور بضع (شرمگاہ) کا مالک ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔

اور عورت اس دعویٰ کو رد کر رہی ہے پس وہ انکار کرنے والی ہے جس طرح کسی شخص کے پاس امانت رکھی گئی جب وہ امانت لوٹانے کا دعویٰ کرے۔

بخلاف مسئلہ خیار کے کیونکہ مدت گزرنے کے بعد لزوم ظاہر ہو گیا اور گر خاوند عورت کی خاموشی پر گواہ قائم کرے تو نکاح ثابت ہو جائے گا کیونکہ اس نے اپنے دعویٰ کو دلیل کے ساتھ واضح کر دیا اور اگر اس کے پاس گواہ نہ ہوں تو حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عورت کو قسم نہیں دی جائے گی اور یہ چھ کاموں میں قسم لینے کا مسئلہ ہے اور عنقریب دعویٰ کے بیان میں یہ مسئلہ آئے گا۔

توضیح: جب نکاح عورت کی اجازت کے بغیر ہو اور پھر اسے اطلاع کی گئی تو چونکہ یہ نکاح اس کی اجازت اور قبولیت پر موقوف ہوتا ہے اگر وہ رد کر دے تو منعقد نہیں ہوگا اور خاموش رہے تو منعقد ہو جائے گا اگر وہ کنواری ہو۔

لیکن جب خاوند نے کہا کہ تو نے اطلاع ملنے پر خاموشی اختیار کی تھی اور عورت کہے میں نے رد کر دیا تھا تو کس کی

بات معتبر ہوگی؟

ائمہ ثلاثہ احناف یعنی حضرت امام ابوحنیفہ، حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد رحمہم اللہ کے نزدیک عورت کا قول معتبر ہوگا جب کہ حضرت امام زفر علیہ الرحمہ فرماتے ہیں مرد کا قول معتبر ہوگا۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ خاموشی اصل ہے اور رد کرنا اس کو عارض یعنی لاحق ہوتا ہے لہٰذا اس کا اعتبار ہوگا۔

انہوں نے اس سلسلے میں خیار شرط کی مثال دی وہ اس طرح کہ جب بیع میں کوئی ایک فریق شرط خیار رکھے اور تین دن کے اندر رد نہ کرے اور خاموش رہے تو اس سے بیع منعقد ہو جائے گی اسی طرح یہاں بھی اصل خاموشی ہے اور اس کے مطابق نکاح ہو گیا۔

ہماری (دیگر ائمہ کی) دلیل یہ ہے کہ مرد نے نکاح کے لازم ہونے کا دعویٰ کیا اور یہ کہ وہ عورت کی شرمگاہ کا مالک ہو چکا ہے جب کہ عورت اس دعویٰ کا رد کر رہی ہے لہٰذا اسے منکرہ قرار دیا جائے گا جس طرح مودع (جس کے پاس امانت رکھی) گئی وہ دعویٰ کرے کہ اس نے امانت لوٹا دی تو مدعی نے گواہ پیش کرنا ہوتے ہیں لہٰذا یہاں مرد کو گواہ پیش کرنا ہوں گے جس طرح امانتدار کا دعویٰ گواہوں کے بغیر قبول نہیں ہوتا۔

اسی لیے اگر خاوند گواہ پیش کر دے تو اس کا دعویٰ دلیل کے ساتھ واضح اور مضبوط ہو جائے گا اور اس کے حق میں فیصلہ ہو جائے گا اگر گواہ پیش نہ کرے تو عورت کی بات تسلیم کی جائے گی البتہ اسے قسم نہیں دی جائے گی کیونکہ کچھ باتوں پر قسم نہیں دی جاتی ان باتوں کا بیان کتاب الدعویٰ میں ہوگا۔

نوٹ: وہ چھ کام یہ ہیں: نکاح، طلاق کے بعد رجوع، ایلاء میں قسم توڑنا، ام ولد بنانا، غلامی اور ولاء۔ [1]

جب ولی نابالغ لڑکے اور لڑکی کا نکاح کرے

(۵۱) [وَيَجُوْزُ نِكَاحُ الصَّغِيْرِ وَالصَّغِيْرَةِ إِذَا زَوَّجَهُمَا الْوَلِيُّ بِكْرًا كَانَتِ الصَّغِيْرَةُ أَوْ ثَيِّبًا وَالْوَلِيُّ هُوَ الْعَصَبَةُ] وَمَالِكٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ يُخَالِفُنَا فِي غَيْرِ الْأَبِ. وَالشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ فِي غَيْرِ الْأَبِ وَالْجَدِّ، وَفِي الثَّيِّبِ الصَّغِيْرَةِ أَيْضًا۔

وَجْهُ قَوْلِ مَالِكٍ أَنَّ الْوَلَايَةَ عَلَى الْحُرَّةِ بِاعْتِبَارِ الْحَاجَةِ وَلَا حَاجَةَ هُنَا لِانْعِدَامِ الشَّهْوَةِ. إِلَّا أَنَّ وَلَايَةَ الْأَبِ ثَبَتَتْ نَصًّا بِخِلَافِ الْقِيَاسِ وَالْجَدُّ لَيْسَ فِي مَعْنَاهُ فَلَا يُلْحَقُ بِهِ۔

قُلْنَا: لَا بَلْ هُوَ مُوَافِقٌ لِلْقِيَاسِ لِأَنَّ النِّكَاحَ يَتَضَمَّنُ الْمَصَالِحَ وَلَا تَتَوَفَّرُ إِلَّا بَيْنَ الْمُتَكَافِئَيْنِ عَادَةً وَلَا يَتَّفِقُ الْكُفْءُ فِي كُلِّ زَمَانٍ. فَأَثْبَتْنَا الْوَلَايَةَ فِي حَالَةِ الصِّغَرِ إِحْرَازًا لِلْكُفْءِ۔

وَجْهُ قَوْلِ الشَّافِعِيِّ أَنَّ النَّظَرَ لَا يَتِمُّ بِالتَّفْوِيْضِ إِلَى غَيْرِ الْأَبِ وَالْجَدِّ لِقُصُوْرِ شَفَقَتِهِ

[1] عینی شرح ہدایہ، جلد: ۲، صفحہ: ۹۰

وَبُعْدِ قَرَابَتِهِ وَلِهٰذَا لَا يَمْلِكُ التَّصَرُّفَ فِي الْمَالِ مَعَ أَنَّهُ أَدْنٰى رُتْبَةً. فَلِأَنْ لَا يَمْلِكُ التَّصَرُّفَ فِي النَّفْسِ وَإِنَّهُ أَعْلٰى أَوْلٰى۔

وَلَنَا أَنَّ الْقَرَابَةَ دَاعِيَةٌ إِلَى النَّظَرِ كَمَا فِي الْأَبِ وَالْجَدِّ، وَمَا فِيهِ مِنَ الْقُصُوْرِ أَظْهَرْنَاهُ فِي سَلْبِ وَلَايَةِ الْإِلْزَامِ. بِخِلَافِ التَّصَرُّفِ فِي الْمَالِ فَإِنَّهُ يَتَكَرَّرُ فَلَا يُمْكِنُ تَدَارُكُ الْخَلَلِ فَلَا تُفِيْدُ الْوَلَايَةُ إِلَّا مُلْزِمَةً وَمَعَ الْقُصُوْرِ لَا تَثْبُتُ وَلَايَةُ الْإِلْزَامِ وَجْهُ قَوْلِهِ فِي الْمَسْأَلَةِ الثَّانِيَةِ أَنَّ الثِّيَابَةَ سَبَبٌ لِحُدُوْثِ الرَّأْيِ لِوُجُوْدِ الْمُمَارَسَةِ فَأَدَرْنَا الْحُكْمَ عَلَيْهَا تَيْسِيْرًا۔

وَلَنَا مَا ذَكَرْنَا مِنْ تَحَقُّقِ الْحَاجَةِ وَوُفُوْرِ الشَّفَقَةِ. وَلَا مُمَارَسَةَ تُحْدِثُ الرَّأْيَ بِدُوْنِ الشَّهْوَةِ فَيُدَارُ الْحُكْمُ عَلَى الصِّغَرِ. ثُمَّ الَّذِيْ يُؤَيِّدُ كَلَامَنَا فِيْمَا تَقَدَّمَ قَوْلُهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ: «اَلنِّكَاحُ إِلَى الْعَصَبَاتِ» مِنْ غَيْرِ فَصْلٍ وَالتَّرْتِيْبُ فِي الْعَصَبَاتِ فِي وِلَايَةِ النِّكَاحِ كَالتَّرْتِيْبِ فِي الْإِرْثِ وَالْأَبْعَدُ مَحْجُوْبٌ بِالْأَقْرَبِ۔

ترجمہ: [اور نابالغ لڑکے اور لڑکی کا نکاح جائز ہے جب ان کا ولی یہ نکاح کرے وہ لڑکی کنواری ہو یا ثیبہ اور ولی عصبہ ہے]۔

اور حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ باپ کے علاوہ (ولی) کے بارے میں ہم سے اختلاف کرتے ہیں اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ باپ اور دادا کے علاوہ میں اختلاف کرتے ہیں اور اگر نابالغ لڑکی ثیبہ ہو تو اس میں بھی اختلاف کرتے ہیں۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ آزاد لڑکی پر ولایت حاجت کے تحت ہوتی ہے اور یہاں حاجت نہیں کیونکہ اسے شہوت نہیں مگر باپ کی ولایت قیاس کے خلاف نص سے ثابت ہے اور دادا اس (باپ) کے معنی میں نہیں لہٰذا اسے اس کے ساتھ ملایا نہیں جائے گا۔

ہم کہتے ہیں بلکہ یہ قیاس کے موافق ہے کیونکہ نکاح کچھ مصالح کو شامل ہوتا ہے اور یہ مصالح عام طور پر اس وقت تک نہیں پائے جاتے جب تک دونوں طرف برابری (کفو) نہ ہو اور ہر وقت کفوء میسر نہیں آتا لہٰذا ہم نے نابالغی کی حالت میں ولایت کو ثابت کیا تاکہ کفوء محفوظ رہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ باپ اور دادا کے علاوہ کسی کو ولایت سونپنے میں شفقت نہیں ہے کیونکہ دوسروں میں شفقت کم اور قرابت دور کی ہوتی ہے۔ اسی لیے وہ (دور کا ولی) اس (نابالغ) کے مالی تصرف کا اختیار نہیں رکھتا پھر اس (مال) کا مرتبہ کم ہے تو اگر اس کے نفس پر اختیار نہ ہو تو یہ اولیٰ ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ قرابت، شفقت کی دعوت دیتی ہے جس طرح باپ اور دادا میں ہوتا ہے اور اس (باپ دادا کے علاوہ ولی) میں جو کمی ہوتی ہے اسے ہم نے لازم کرنے کی ولایت سلب کرنے کے ساتھ ظاہر کر دیا۔

بخلاف مالی تصرف کے کہ وہ بار بار ہوتا ہے اس سے خلل کا تدارک ممکن نہیں لہٰذا ولایت کا فائدہ اِسی وقت ہوگا جب وہ لازم کرنے والی ہو اور شفقت کی کمی لازم کرنے کی ولایت کو ثابت نہیں کرتی۔

دوسرے مسئلہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ ثیبہ ہونا رائے پیدا ہونے کا سبب ہے کیونکہ اسے تجربہ حاصل ہو گیا پس ہم نے آسانی کے لیے اس پر حکم لگایا ہماری دلیل وہی ہے جو ہم نے ذکر کی یعنی حاجت کا متحقق ہونا اور شفقت کا زیادہ ہونا اور شہوت کے بغیر تجربہ سے رائے پیدا نہیں ہوتی لہٰذا حکم اس کی نابالغی پر لگے گا۔

ہمارے دوسرے قول کی تائید نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ گرامی سے ہوتی ہے کہ آپ نے فرمایا:

اَلنِّکَاحُ اِلَی الْعَصَبَاتِ۔

ترجمہ: نکاح کا اختیار عصبات کو ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس رشاد میں تفصیل نہیں (یعنی ثیبہ اور باکرہ کا فرق نہیں)۔

پھر نکاح کی ولایت میں عصبات کی ترتیب وہی ہے جو وراثت کے سلسلے میں ہے۔ بس نزدیک والا عصبہ دور والے کے لیے رکاوٹ ہوگا۔

توضیح: چونکہ نابالغ لڑکے یا لڑکی کے مالی اور عائلی معاملات اس کے ولی کے اختیار میں ہوتے ہیں اس لیے وہ خود تصرف نہیں کر سکتے اور ان کا نکاح ولی کرتا ہے۔

ولی قریبی بھی ہوتا ہے اور دُور کا قرابتدار بھی تو کس کو نابالغ کے نکاح کا اختیار ہوگا۔ اس سلسلے میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے اور تین موقف ہیں۔

احناف کا موقف یہ ہے کہ عصبات جو ولی بنتے ہیں ہر ولی کو نابالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح کرنے کا اختیار ہے البتہ جب قریب کا ولی موجود ہو تو دور کے ولی کو اختیار نہیں ہوگا۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صرف باپ کو اختیار ہے اس کے علاوہ کوئی دوسرا ولی نابالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح کرنے کا اختیار نہیں رکھتا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک باپ اور دادا کے علاوہ کسی دوسرے ولی کو اختیار نہیں۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل

آپ فرماتے ہیں آزاد آدمی پر دوسرے کی ولایت حاجت کے وقت ہوتی ہے اور یہاں شہوت نہ ہونے کی وجہ سے حاجت نہیں یعنی ابھی اسے نکاح کی حاجت نہیں کیونکہ شہوت نہ ہونے کی وجہ سے گناہ کا خطرہ نہیں۔

سوال وجواب

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے یہ سوال کیا جاتا ہے کہ جب نابالغ کو نکاح کی حاجت نہیں تو اس کے والد کو ولایت کی

کیا ضرورت ہے وہ فرماتے ہیں یہ نص سے ثابت ہے۔

نوٹ: نص سے مراد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ان کی نابالغی میں رسول اکرم ﷺ سے نکاح کرنا ہے جسے حضور علیہ السلام نے صحیح قرار دیا۔

اور باپ کا اس وقت نکاح کرنا اگرچہ قیاس کے خلاف ہے لیکن نص کو ترجیح ہے۔

اور دادا کا یہ مقام نہیں کیونکہ باپ کی جزء ہونے کی وجہ سے جو اولاد پر باپ کو ولایت حاصل ہے۔ جب کہ دادا میں جزئیت کمزور ہوتی ہے اور شفقت ناقص ہوتی ہے لہٰذا دادا کو باپ کے حکم میں نہیں لیا جائے گا۔

احناف کی دلیل

ہم کہتے ہیں باپ کا نکاح کر کے دینا قیاس کے خلاف نہیں بلکہ موافق ہے کیونکہ نکاح کے کچھ مقاصد ہوتے ہیں جیسے نسل بڑھانا، عورت کو ٹھکانہ دینا اور شہوت کو پورا کرنا وغیرہ۔ اور یہ مقاصد اسی وقت پورے ہوتے ہیں جب شوہر اور بیوی میں کفو (برابری) ہو اور ہر زمانے میں کفو میسر نہیں ہوتا اس لیے بچپن میں جب کفو میسر آیا تو نکاح قیاس کے موافق ہوا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں چونکہ اس نکاح کی بنیاد نابالغ بچے اور بچی پر شفقت ہے اور باپ دادا کے علاوہ کو ولایت سونپی جائے تو شفقت پوری حاصل نہیں ہوگی کیونکہ دوسرے اولیاء میں شفقت کم ہوتی ہے اور قرابت دور کی ہوتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ اس بچے اور بچی کے مالی تصرف کا اختیار نہیں رکھتے حالانکہ مالی تصرف کم درجہ میں ہوتا ہے تو جب اس کی اجازت نہیں تو نکاح اس سے اعلیٰ ہے کہ یہ نفس کا معاملہ ہے تو اس کا اختیار بدرجہ اولیٰ نہیں ہوگا۔

احناف کی دلیل

ائمہ احناف فرماتے ہیں جب وہ لوگ یعنی باپ اور دادا کے علاوہ عصبات قریبی رشتہ دار ہیں تو یہ قرابت شفقت کو دعوت دیتی ہے جس طرح باپ اور دادا ہے اور شفقت کی کمی کا تدارک اس طرح کیا گیا کہ اس نکاح کو لازم نہیں کیا گیا اور وہ لڑکا یا لڑکی بالغ ہونے کے بعد اس نکاح کو فسخ کرنے کا اختیار رکھتے ہیں جہاں تک مال کا تعلق ہے تو اس کی ولایت اس لیے نہیں کہ یہ معاملہ بار بار ہوتا ہے لہٰذا خلل کا تدارک ممکن نہیں ہوتا۔

اور ولایت کا فائدہ اسی وقت ہوتا ہے جب ولایت لازم کرنے والی اور ولایت میں نقصان لازم کرنے کی ولایت نہیں۔

دوسرا مسئلہ

ہمارے نزدیک نابالغہ لڑکی کنواری ہو یا ثیبہ اس پر ولایت حاصل ہوتی ہے لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ثیبہ پر

کسی کو ولایت حاصل نہیں ہوتی۔

وہ فرماتے ہیں ثیبہ کو معاملات کا تجربہ ہوتا ہے لہٰذا وہ خود اپنی رائے دے سکتی ہے لہٰذا آسانی کے لیے ہم نے حکم اسی کی طرف پھیر دیا۔

احناف کی دلیل

احناف کی دلیل یہ ہے کہ کفو کے مہیا ہونے کی وجہ سے نابالغ بچی کے نکاح کی حاجت ہوتی ہے اور ولی کو شفقت بھی حاصل ہوتی ہے جب کہ بالغ نہ ہونے کی وجہ سے اسے ممارست (تجربہ) نہیں ہوتا لہٰذا وہ صحیح رائے نہیں دے سکتی کیونکہ اسے شہوت حاصل نہیں۔ اس لیے بنیاد اس کے نابالغ ہونے کو بنایا جائے گا اور ہماری دلیل کو اس حدیث سے بھی تائید حاصل ہے جس میں حضور علیہ السلام نے فرمایا: ''نکاح کا معاملہ عصبات کے سپرد ہے''۔

اس میں ثیبہ اور باکرہ کا فرق نہیں رکھا گیا۔

نوٹ: عصبات کی جو ترتیب وراثت کی تقسیم میں ہے وہی نکاح میں بھی ہے اور قریب والے عصبہ کی موجودگی میں دُور کے عصبہ کو حاصل نہیں ہوگی۔

عصبات کی ترتیب

سب سے پہلے بیٹا پھر اس کا بیٹا نیچے تک، پھر باپ اُس کے بعد دادا، اُوپر تک پھر بھائی اس کے بعد بھائی کی اولاد، پھر چچا اس کے بعد اس کی اولاد۔

بالغ ہونے کے بعد فسخ نکاح کا اختیار

(۵۲) قَالَ: [فَإِنْ زَوَّجَهُمَا الْأَبُ وَالْجَدُّ] يَعْنِي الصَّغِيْرَ وَالصَّغِيْرَةَ [فَلَا خِيَارَ لَهُمَا بَعْدَ بُلُوْغِهِمَا] لِأَنَّهُمَا كَامِلَا الرَّأْيِ وَافِرَا الشَّفَقَةِ فَيَلْزَمُ الْعَقْدُ بِمُبَاشَرَتِهِمَا كَمَا إِذَا بَاشَرَاهُ بِرِضَاهُمَا بَعْدَ الْبُلُوْغِ [وَإِنْ زَوَّجَهُمَا غَيْرُ الْأَبِ وَالْجَدِّ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا الْخِيَارُ إِذَا بَلَغَ. إِنْ شَاءَ أَقَامَ عَلَى النِّكَاحِ، وَإِنْ شَاءَ فَسَخَ] وَهٰذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ۔

وَقَالَ أَبُوْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ: لَا خِيَارَ لَهُمَا اِعْتِبَارًا بِالْأَبِ وَالْجَدِّ۔

وَلَهُمَا أَنَّ قَرَابَةَ الْأَخِ نَاقِصَةٌ وَالنُّقْصَانُ يُشْعِرُ بِقُصُوْرِ الشَّفَقَةِ فَيَتَطَرَّقُ الْخَلَلُ إِلَى الْمَقَاصِدِ عَسَى وَالتَّدَارُكُ مُمْكِنٌ بِخِيَارِ الْإِدْرَاكِ. وَإِطْلَاقُ الْجَوَابِ فِي غَيْرِ الْأَبِ وَالْجَدِّ يَتَنَاوَلُ الْأُمَّ. وَالْقَاضِيَ هُوَ الصَّحِيْحُ مِنَ الرِّوَايَةِ لِقُصُوْرِ الرَّأْيِ فِي أَحَدِهِمَا وَنُقْصَانِ الشَّفَقَةِ فِي الْآخَرِ فَيَتَخَيَّرُ۔

ترجمہ: [اور اگر ان (نابالغ لڑکے اور لڑکی) کا نکاح باپ یا دادا نے کیا تو بالغ ہونے کے بعد ان کو اختیار نہیں ہوگا]

کیونکہ ان (باپ اور دادا) کی رائے، کامل اور شفقت بھرپور ہے لہٰذا ان کا کیا ہوا نکاح لازم ہو جائے گا جس طرح اگر باپ دادا ان بچوں کے بالغ ہونے کے بعد ان کی مرضی سے کریں۔

[اور اگر باپ دادا کے علاوہ کسی نے یہ نکاح کیا تو ان میں سے ہر ایک کو اختیار ہوگا جب بالغ ہو جائیں اگر چاہیں تو اس نکاح کو قائم رکھیں اور اگر چاہیں تو توڑ دیں]

یہ حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک ہے۔ حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں باپ اور دادا پر قیاس کرتے ہوئے فرماتے ہیں ان کو اختیار نہیں۔

طرفین کی دلیل یہ ہے کہ قرابت ناقص ہے اور یہ نقص شفقت کے ناقص ہونے کی خبر دیتی ہے لہٰذا مقاصد میں خلل پیدا ہوگا اور خیار بلوغ کے ذریعے اس کا تدارک ممکن ہے اور جب باپ اور دادا کا مطلق ذکر ہوا تو اس میں ماں اور قاضی بھی شامل ہیں صحیح روایت یہی ہے کیونکہ ان میں سے ایک (یعنی ماں) میں رائے کی کمی ہے اور دوسرے (یعنی قاضی) میں شفقت کم ہے لہٰذا اس (بچے اور بچی) کو اختیار ہوگا۔

توضیح: نابالغ لڑکا یا لڑکی نکاح اور گھریلو زندگی کا تجربہ نہیں رکھتے اس لیے ان کا نکاح ان کا ولی کرتا ہے۔

ولی کے لیے ضروری ہے کہ اس کی رائے اور فکر کامل ہو اور شفقت بھرپور ہو اس کی مثال باپ اور دادا ہے۔

بعض اوقات باپ یا دادا نہیں ہوتے تو دوسرا ولی جیسے چچا وغیرہ نکاح کر کے دیتے ہیں ان میں باپ دادا کے مقابلہ میں شفقت کم ہوتی ہے۔

اسی طرح کبھی ماں نکاح کر کے دیتی ہے اور کبھی قاضی نابالغ بچے اور بچی کا نکاح کر کے دیتا ہے کیونکہ قاضی کو ولایت عامہ حاصل ہوتی ہے اب سوال یہ ہے کہ بلوغ کے بعد کیا اس لڑکے یا لڑکی کو اپنا نکاح فسخ کرنے کا اختیار حاصل ہوگا تو اگر باپ یا دادا نے نکاح کر کے دیا تو بلوغت کے بعد ان کو نکاح فسخ کرنے کا اختیار نہیں۔

اگر ان دونوں کے علاوہ کسی ولی نے نکاح کیا تو اس میں ائمہ احناف کے درمیان اختلاف ہے۔

امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ (یعنی طرفین) کے نزدیک بلوغت کے بعد ان کو اختیار ہے نکاح کو برقرار رکھیں یا توڑ دیں لڑکا ہو یا لڑکی۔

حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے باپ دادا پر قیاس کرتے ہوئے فرمایا کہ کسی دوسرے ولی کا کیا ہوا نکاح توڑنے کا اختیار بھی نہیں۔

طرفین کی دلیل یہ ہے کہ مثلاً بھائی نے نکاح کر کے دیا تو چونکہ اس کی قرابت ناقص ہوتی ہے اور اس وجہ سے شفقت بھی کم ہوتی ہے لہٰذا مقاصد نکاح میں خلل آ سکتا ہے اور اسکا تدارک اس طرح ہو سکتا ہے کہ ان بچوں کو خیار بلوغ حاصل ہو اگر چاہیں تو اس نکاح کو برقرار رکھیں اور چاہیں تو فسخ کر دیں۔

اسی طرح ماں اور قاضی کا معاملہ ہے ماں میں شفقت بھرپور ہوتی ہے لیکن رائے کامل نہیں ہوتی اور قاضی کی رائے

کامل ہوتی ہے لیکن شفقت نہیں ہوتی لہٰذا ان کے منعقد کردہ نکاح کے بارے میں بھی خیار بلوغ حاصل ہوگا۔

نوٹ: یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہوسکتا ہے باپ دادا نے اپنے خیار ولایت کو غلط استعمال کیا ہو تو اس کا تدارک کیسے ہوگا؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ بلوغت کے بعد اگر لڑکے کو اعتراض ہو تو اسے طلاق کا اختیار حاصل ہوتا ہے اور اگر لڑکی ہو تو اسے خلع کا اختیار ہوتا ہے۔

قاضی کا فیصلہ شرط ہے

(۵۳) قَالَ [وَيُشْتَرَطُ فِيْهِ الْقَضَاءُ] بِخِلَافِ خِيَارِ الْعِتْقِ لِاَنَّ الْفَسْخَ هَاهُنَا لِدَفْعِ ضَرَرٍ خَفِيٍّ وَهُوَ تَمَكُّنُ الْخَلَلِ وَلِهٰذَا يَشْمَلُ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى فَجُعِلَ اِلْزَامًا لِحَقِّ الْآخَرِ فَيُفْتَقَرُ اِلَى الْقَضَاءِ۔ وَخِيَارُ الْعِتْقِ لِدَفْعِ ضَرَرٍ جَلِيٍّ وَهُوَ زِيَادَةُ الْمِلْكِ عَلَيْهَا

[وَلِهٰذَا يَخْتَصُّ بِالْاُنْثٰى فَاعْتُبِرَ دَفْعًا وَالدَّفْعُ لَا يَفْتَقِرُ اِلَى الْقَضَاءِ]

ترجمہ: فرماتے ہیں (اور اس میں قاضی کا فیصلہ شرط ہے) بخلاف خیار عتق کے کیونکہ یہاں فسخ ایک پوشیدہ ضرر کو دور کرنے کے لیے ہے اور وہ خلل کا پایا جانا ہے۔ اسی لیے یہ خیار لڑکے اور لڑکی دونوں کو شامل ہے لہٰذا دوسرے کے حق میں الزام قرار پائے گا اس لیے قضاء کا محتاج ہوتا ہے خبار عتق واضح ضرر کو دور کرنے کے لیے ہے اور وہ عورت پر زیادہ ملک کے لیے ہوتا ہے۔

[اسی لیے وہ عورت کے ساتھ خاص ہے تو اس میں دُور کرنے کا اعتبار ہے اور دُور کرنے میں قاضی کے فیصلے کی ضرورت نہیں ہے]۔

توضیح: جب لڑکا یا لڑکی بالغ ہو جائیں اور بچپن میں ان کا نکاح باپ دادا کے علاوہ کسی ولی نے کیا ہو تو انھیں فسخ نکاح کا اختیار ہوتا ہے اسے خیار بلوغ کہتے ہیں۔

جب کوئی لونڈی کسی کے نکاح میں ہو اور اسے اس کے مولیٰ نے آزاد کر دیا تو اسے بھی اختیار ہوتا ہے کہ نکاح کو برقرار رکھے یا فسخ کر دے اسے خیار عتق کہا جاتا ہے۔

خیار بلوغ کے سلسلے میں نکاح کو فسخ کرنے کے لیے قاضی کا فیصلہ شرط ہے جب کہ خیار عتق میں فسخ کے لیے قاضی کا فیصلہ شرط نہیں ہے۔

خیار بلوغ اور عتق میں فرق کی وجہ

جب بچپن میں نکاح کیا اور کفوء میں کیا اور مہر بھی پورا مقرر کیا تو بظاہر کوئی حرج نہیں لیکن ولی نے نکاح کر کے دیا اس

میں شفقت کی کمی کی وجہ سے خلل کا پایا جانا ممکن ہے جو مخفی ہے لہٰذا اس کے لیے قاضی کے پاس جانا ضرور ہوگا کیونکہ اس میں دوسرے فریق پر الزام ہے یعنی ولی جس نے نکاح کیا اس نے مناسب رشتہ، تلاش نہیں کیا جب کہ لونڈی کو جب آزاد کیا تو اس کے خاوند کی مِلک میں اضافہ ہو گیا پہلے وہ دو طلاقوں کا مالک تھا اب تین طلاقوں کا مالک ہو گیا اور یہ ضرر عورت کے ساتھ خاوند کو نہیں ہوتا۔

جب کہ خیار بلوغ لڑکے اور لڑکی دونوں کو حاصل ہوتا ہے کیونکہ نکاح میں خلل ان میں سے کسی کے حق میں بھی ہو سکتا ہے۔ اس لیے دونوں مسئلوں میں فرق ہے۔

خلاصہ یہ کہ جب دوسرے فریق پر الزام ہو تو قاضی کے ہاں جانا ضروری ہے اور جب الزام نہ ہو تو اس کی ضرورت نہیں بچپن میں کیے گئے نکاح کے سلسلے میں نکاح کرنے والے ولی پر الزام ہو سکتا ہے لیکن لونڈی آزاد ہونے کی صورت میں خاوند کا کوئی قصور نہیں لہٰذا اس پر الزام بھی نہیں۔

خیار بلوغ کب تک ہوگا

(۵۴) ثُمَّ عِنْدَهُمَا اِذَا بَلَغَتْ الصَّغِيْرَةُ وَقَدْ عَلِمَتْ بِالنِّكَاحِ فَسَكَتَتْ فَهُوَ رِضًا [وَاِنْ لَمْ تَعْلَمْ بِالنِّكَاحِ فَلَهَا الْخِيَارُ حَتّٰى تَعْلَمَ فَتَسْكُتُ] شُرِطَ الْعِلْمَ بِاَصْلِ النِّكَاحِ لِاَنَّهَا لَا تَتَمَكَّنُ مِنَ التَّصَرُّفِ اِلَّا بِهٖ، وَالْوَلِيُّ يَنْفَرِدُ بِهٖ فَعُذِرَتْ بِالْجَهْلِ، وَلَمْ يُشْتَرَطِ الْعِلْمُ بِالْخِيَارِ لِاَنَّهَا تَتَفَرَّغُ لِمَعْرِفَةِ اَحْكَامِ الشَّرْعِ وَالدَّارُ دَارُالْعِلْمِ فَلَمْ تُعْذَرْ بِالْجَهْلِ، بِخِلَافِ الْمُعْتَقَةِ لِاَنَّ الْاَمَةَ لَا تَتَفَرَّغُ لِمَعْرِفَتِهَا فَتُعْذَرُ بِالْجَهْلِ بِثُبُوتِ الْخِيَارِ

ترجمہ: پھر ان دونوں (حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام محمد رحمہما اللہ) کے نزدیک جب نابالغ لڑکی بالغ ہوگئی اور اسے نکاح کا علم ہوا اور وہ خاموش رہی تو یہ رضامندی ہے

[اور اگر اسے نکاح کا علم نہیں ہوا تو اسے اختیار ہے حتیٰ کہ اسے علم ہو جائے اور وہ خاموش رہے]

علم کا ہونا اصل نکاح کی شرط ہے کیونکہ وہ لڑکی (رد کرنے کے) تصرف پر علم کے بغیر نہیں ہوتی اور ولی اس (نکاح کر کے دینے) میں منفرد ہے لہٰذا لاعلمی کی وجہ سے لڑکی کو معذور شمار کیا جائے گا خیار (خیار بلوغ) کا علم شرط نہیں کیونکہ وہ احکام شریعت کی معرفت کے لیے فارغ تھی اور علمی (یعنی اسلامی) مُلک تھا لہٰذا جہالت عذر نہیں ہوگا۔

بخلاف اس (لونڈی) کے جسے آزاد کیا گیا کیونکہ وہ احکام شریعت کی معرفت کے لیے فارغ نہیں ہوتی لہٰذا خیار عتق کے ثابت ہونے سے لاعلمی کی وجہ سے معذور ہوگی۔

توضیح: جب ایسی لڑکی جس کا نکاح بچپن میں ہوا اور اسے خیار بلوغ حاصل تھا تو اگر اسے اعتراض ہو تو اسے بالغ ہونے

کے فوراً بعد رد کر دینا چاہیے کیونکہ اس کی خاموشی رضامندی شمار ہوتی ہے۔

لیکن رد کرنے کے لیے نکاح کا علم ہونا ضروری ہے لہٰذا اگر اسے نکاح کا علم تھا اور وہ خاموش رہی تو یہ رضامندی ہوگی اور اگر اسے علم نہ تھا تو جب تک اسے معلوم نہیں ہو جائے کہ اس کا نکاح کیا گیا تھا وہ معذور پائے گی اور خاموشی رضامندی نہیں ہوگی کیونکہ علم کے بغیر وہ کیسے رد کر سکتی ہے۔

لیکن لونڈی جو آزاد کی گئی اس کا یہ کہنا کہ مجھے خیارِ عتق کا علم نہیں تھا اس لیے میں خاموش رہی تو یہ عذر ہوگا کیونکہ اسے علم حاصل کرنے کے لیے فرصت نہیں ہوتی اس لیے وہ معذور ہوگی۔

لڑکی اور لڑکے کے خیارِ بلوغ میں فرق

(۵۵) [ثُمَّ خِيَارُ الْبِكْرِ يَبْطُلُ بِالسُّكُوْتِ. وَلَا يَبْطُلُ خِيَارُ الْغُلَامِ مَالَمْ يَقُلْ رَضِيْتُ اَوْ يَجِيءُ مِنْهُ مَا يُعْلَمُ اَنَّهُ رِضًا. وَكَذٰلِكَ الْجَارِيَةُ اِذَا دَخَلَ بِهَا الزَّوْجُ قَبْلَ الْبُلُوْغِ]

اعْتِبَارًا لِهٰذِهِ الْحَالَةِ بِحَالَةِ ابْتِدَاءِ النِّكَاحِ.

وَخِيَارُ الْبُلُوْغِ فِيْ حَقِّ الْبِكْرِ لَا يَمْتَدُّ اِلٰى اٰخِرِ الْمَجْلِسِ وَلَا يَبْطُلُ بِالْقِيَامِ فِيْ حَقِّ الثَّيِّبِ وَالْغُلَامِ لِاَنَّهُ مَا ثَبَتَ بِاِثْبَاتِ الزَّوْجِ بَلْ لِتَوَهُّمِ الْخَلَلِ فَاِنَّمَا يَبْطُلُ بِالرِّضَا غَيْرَ اَنَّ سُكُوْتَ الْبِكْرِ رِضًا. بِخِلَافِ خِيَارِ الْعِتْقِ

لِاَنَّهُ ثَبَتَ بِاِثْبَاتِ الْمَوْلٰى وَهُوَ الْاِعْتَاقُ فَيُعْتَبَرُ فِيْهِ الْمَجْلِسُ كَمَا فِيْ خِيَارِ الْمُخَيَّرَةِ.

ترجمہ: [پھر کنواری لڑکی کا اختیار اس کی خاموشی سے باطل ہو جاتا ہے اور لڑکے کا اختیار اس وقت تک باطل نہیں ہوتا جب تک وہ یہ بات نہ کہے کہ میں راضی ہوا یا اس سے کوئی ایسا عمل ظاہر ہو جس سے رضامندی کا پتہ چلے۔ اسی طرح وہ لڑکی جس سے اس کے خاوند نے بلوغت سے پہلے جماع کیا]

اس حالت کو ابتدائے نکاح کی حالت پر قیاس کیا جاتا ہے۔

اور کنواری لڑکی کا اختیار مجلس کے آخر تک نہیں جاتا اور لڑکے اور ثیبہ کے حق میں (مجلس سے) کھڑے ہونے سے باطل نہیں ہوتا کیونکہ یہ خاوند کے ثابت کرنے سے ثابت نہیں ہوا بلکہ خلل کے وہم سے ثابت ہوا وہ رضامندی کے بعد باطل ہوتا ہے۔

لیکن کنواری لڑکی کی خاموشی رضامندی ہوتی ہے بخلاف خیارِ عتق کے کیونکہ وہ مولیٰ کے ثابت کرنے سے ثابت ہوا اور وہ آزاد کرنا ہے لہٰذا اس میں مجلس کا اعتبار ہوگا جس طرح اس عورت کے اختیار کا حکم ہے جسے (طلاق کا) اختیار دیا گیا۔

توضیح: یہ بات اس سے پہلے بیان ہو چکی ہے کہ کنواری لڑکی کی رضامندی اس کی خاموشی سے ثابت ہو جاتی ہے جبکہ ثیبہ

کی رضامندی کے لیے اس کا بولنا ضروری ہے، اس لیے بالغ ہونے کے بعد جب کنواری لڑکی یعنی جس کا بچپن میں نکاح ہوا اور ابھی تک صحبت نہیں، خاموش رہی تو اس کا خیار بلوغ ختم ہو جائے گا لیکن لڑکا یا وہ لڑکی جس سے اس کے خاوند نے بالغ ہونے سے پہلے جماع کیا ان کا اختیار باطل نہیں ہوگا جب تک وہ زبان سے رضامندی کا اظہار نہ کریں یا کوئی ایسا عمل ظاہر ہو جو رضامندی پر دلالت کرے مثلاً بلوغت کے بعد اس لڑکے نے اپنی منکوحہ سے وطی کی تو یہ بھی رضامندی کی دلیل ہے۔

بلوغت کے بعد وہی حکم ہوگا جو نکاح کے وقت ہوتا ہے یعنی کنواری لڑکی کی خاموشی اور ثیبہ اور لڑکے کا زبان سے اظہار کرنا۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ یہ اختیار کب تک رہے گا تو باکرہ (کنواری) لڑکی کو جس مجلس میں نکاح کا علم ہوا اسی وقت اظہار ضروری ہے اگر رد کرنا چاہے ورنہ خاموشی سے رضامندی ثابت ہو جائے گی اور یہ اختیار مجلس کے آخر تک نہیں جائے گا۔

جب کہ لڑکے اور ثیبہ کا اختیار مجلس سے اُٹھنے سے بھی ختم نہیں ہوگا کیونکہ جو اختیار خاوند نے دیا ہو وہ مجلس کے آخر تک رہتا ہے اور ان کا یہ اختیار نکاح میں خلل کے وہم کی وجہ سے ہے لہٰذا یہ مجلس کے بعد بھی باقی رہے گا یہ اس وقت ختم ہوگا جب وہ اپنی رضامندی کا اظہار کریں لیکن کنواری لڑکی کا اختیار خاموشی سے ختم ہو جاتا ہے لہٰذا وہ مجلس کے اندر ختم ہو جائے گا۔

جس لونڈی کو آزاد کیا گیا اور وہ کسی کے نکاح میں تھی تو اس کا خیار عتق مجلس کے اندر معتبر ہوگا مجلس کے بعد یہ اختیار باقی نہیں رہے کیونکہ یہ اختیار اس کے مولیٰ کی طرف سے حاصل ہوا جب اس نے اسے آزاد کیا جس طرح کوئی خاوند اپنی بیوی کو طلاق کا اختیار دے تو وہ مجلس کے آخر تک رہتا ہے مجلس ختم ہو جانے یا اس کے اُٹھ جانے سے ختم ہو جاتا ہے۔

خیار بلوغ کی وجہ سے علیحدگی طلاق نہیں

(۵۶) [ثُمَّ الْفُرْقَةُ بِخِيَارِ الْبُلُوْغِ لَيْسَتْ بِطَلَاقٍ] لِاَنَّهٗ يَصِحُّ مِنَ الْاُنْثٰى وَلَا طَلَاقَ اِلَيْهَا. وَكَذَا بِخِيَارِ الْعِتْقِ لِمَا بَيَّنَّا. بِخِلَافِ الْمُخَيَّرَةِ لِاَنَّ الزَّوْجَ هُوَ الَّذِيْ مَلَّكَهَا وَهُوَ مَالِكٌ لِّلطَّلَاقِ

ترجمہ: [پھر خیار بلوغ کی وجہ سے ہونے والی جدائی طلاق نہیں] کیونکہ یہ عورتوں کی طرف سے صحیح ہوتی ہے اور عورت کو طلاق دینے کا اختیار نہیں اسی طرح خیار عتق کا حکم ہے بخلاف اس عورت کے جس کو طلاق کا اختیار دیا گیا کیونکہ خاوند نے ہی اسے مالک بنایا اور وہ طلاق کا مالک ہے۔

توضیح: جس لڑکے یا لڑکی کا بچپن میں نکاح ہوا اور ان کو خیار بلوغ حاصل تھا اور ان میں سے کسی نے اس اختیار کو استعمال کیا اور نکاح فسخ ہو گیا تو یہ طلاق نہیں کیونکہ طلاق دینا مرد کا کام ہے ارشادِ خداوندی ہے:

بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ◆

ترجمہ: نکاح کی گرہ مرد کے ہاتھ میں ہے۔

◆ سورۃ البقرۃ، آیت: ۲۳۷

اور یہاں عورت بھی فسخ کر سکتی ہے اسی طرح خیار عتق بھی لونڈی کو حاصل ہوتا ہے لہٰذا وہ بھی طلاق نہیں۔ لیکن جب کسی عورت نے خاوند کی طرف سے دیے گئے اختیار کو استعمال کر کے طلاق دی تو یہ طلاق ہی ہوگی کیونکہ مرد طلاق کا مالک ہے اور اسی نے اسے طلاق حاصل کرنے کا حق دیا ہے۔

بلوغت سے پہلے ان میں سے کسی ایک کا فوت ہو جانا

(۵۷) [فَإِنْ مَاتَ اَحَدُهُمَا قَبْلَ الْبُلُوْغِ وَرِثَهُ الْاٰخَرُ] وَكَذَا اِذَا مَاتَ بَعْدَ الْبُلُوْغِ قَبْلَ التَّفْرِيْقِ لِاَنَّ اَصْلَ الْعَقْدِ صَحِيْحٌ وَّالْمِلْكُ ثَابِتٌ بِهٖ وَقَدِ انْتَهٰى بِالْمَوْتِ.

بِخِلَافِ مُبَاشَرَةِ الْفُضُوْلِيِّ اِذَا مَاتَ اَحَدُ الزَّوْجَيْنِ قَبْلَ الْاِجَازَةِ لِاَنَّ النِّكَاحَ ثَمَّهٗ مَوْقُوْفٌ فَيَبْطُلُ بِالْمَوْتِ وَهَاهُنَا نَافِذٌ فَيَتَقَرَّرُ بِهٖ۔

ترجمہ: [پس اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک بالغ ہونے سے پہلے فوت ہو جائے تو دوسرا اس کا وارث ہو جائے گا] اور اسی طرح جب بالغ ہونے کے بعد تفریق سے پہلے فوت ہو کیونکہ اصل عقد (عقدِ نکاح) صحیح ہے اور اس کے ذریعے ملک ثابت ہوگئی جو موت کے ساتھ ختم ہوئی۔

بخلاف اس کے جب فضولی نکاح کر کے دے اور اس میاں بیوی میں سے کوئی ایک اجازت دینے سے پہلے فوت ہو جائے، کیونکہ اس جگہ نکاح (اجازت پر) موقوف تھا اور وہ موت کی وجہ سے باطل ہو گیا اور یہاں (بچپن میں نکاح کی صورت میں) نافذ ہے لہٰذا وہ موت سے پکا ہو گیا۔

توضیح: جب نکاح ہو جائے تو مرد عورت کا رشتہ قائم ہو جاتا ہے رخصتی ہو یا نہ لہٰذا اگر ان میں سے کوئی فوت ہو جائے تو دوسرا اس کا وارث ہو جاتا ہے۔

بچپن کے نکاح کے حوالے سے تین صورتیں ہوں گی:

① نکاح ہو گیا اور ابھی بالغ نہیں ہوئے کہ لڑکا یا لڑکی دونوں میں سے ایک فوت ہو گیا۔

② دونوں بالغ ہو گئے اور ابھی ان کے درمیان تفریق نہیں ہوئی اور ایک فوت ہو گیا۔

③ بلوغت کے بعد خیار بلوغ استعمال کیا اور تفریق ہو گئی اور ایک فوت ہو گیا۔

پہلی دو صورتوں میں چونکہ وہ آپس میں میاں بیوی ہیں لہٰذا وراثت کا حق ہوگا۔

اور تیسری صورت میں تفریق ہو گئی لہٰذا اب اگر ان میں سے کوئی ایک فوت ہو تو دوسرا وارث نہیں ہوگا کیونکہ موت سے پہلے ازدواجی رشتہ ختم ہو گیا۔

فضولی وہ شخص جو لڑکے یا لڑکی کی اجازت کے بغیر ان کا نکاح کر دیتا ہے یہ نکاح ان فریقین کی اجازت پر موقوف ہوتا

ہے اس صورت میں اگر اجازت دینے سے پہلے ایک فوت ہو جائے تو چونکہ نافذ نہیں ہوا لہٰذا دوسرا فریق اس کا وارث نہیں ہوگا اور یہ نکاح باطل ہو جائے گا جب کہ پہلی صورت میں ایک کی موت سے نکاح پکا ہو گیا۔

کن لوگوں کو ولایت تصرف حاصل نہیں ہوتی

(۵۸) قَالَ [وَلَا وَلَايَةَ لِعَبْدٍ وَّلَا صَغِيْرٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ] لِاَنَّهُ وَلَايَةَ لَهُمْ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ فَاَوْلٰى اَنْ لَّا تَثْبُتَ عَلٰى غَيْرِهِمْ وَلِاَنَّ هٰذِهٖ وَلَايَةٌ نَظَرِيَّةٌ وَّلَا نَظَرَ فِي التَّفْوِيْضِ اِلٰى هٰؤُلَاءِ

ترجمہ: امام قدوری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: [غلام، نابالغ اور پاگل کو ولایت حاصل نہیں] کیونکہ ان کو خود اپنے نفس پر ولایت نہیں تو یہ زیادہ مناسب ہے کہ ان کے لیے دوسروں پر بھی ثابت نہ ہو اور اس لیے بھی کہ یہ ولایت شفقت کے طور پر ہے اور ان لوگوں کے سپرد کرنے میں شفقت نہیں۔

توضیح: چونکہ غلام، بچہ اور مجنون اپنے اُوپر ولایت نہیں رکھتے اور ان کو اپنے تصرفات کا اختیار نہیں ہوتا لہٰذا کسی دوسرے کے لیے بدرجہ اولیٰ ولی نہیں بن سکتے۔

علاوہ ازیں ولایت کی بنیاد شفقت اور عقل و شعور ہے اور یہ لوگ اس سے عاری ہیں مجنون اور نابالغ بچے کو شعور نہیں اور غلام کسی مناسب رشتہ کی تلاش سے بے بس ہوتا ہے کیونکہ اپنے آقا کی خدمت میں مصروف ہوتا ہے۔

کافر کو مسلمان پر ولایت نہیں

(۵۹) [وَلَا] وِلَايَةَ [لِكَافِرٍ عَلٰى مُسْلِمٍ] لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى: ﴿وَ لَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا﴾ وَلِهٰذَا لَا تُقْبَلُ شَهَادَتُهٗ عَلَيْهِ وَلَا يَتَوَارَثَانِ. اَمَّا الْكَافِرُ فَتَثْبُتُ لَهٗ وِلَايَةُ الْاِنْكَاحِ عَلٰى وَلَدِهِ الْكَافِرِ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى: ﴿وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ﴾ وَلِهٰذَا تُقْبَلُ شَهَادَتُهٗ عَلَيْهِ وَيُجْرِيْ بَيْنَهُمَا التَّوَارُثُ

ترجمہ: اور کافر کو مسلمان پر (ولایت) حاصل نہیں کیونکہ ارشادِ خداوندی ہے:

وَ لَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ◆

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ ہرگز کافروں کے لیے مومنوں پر کوئی راستہ نہیں بنائے گا۔

اسی لیے اس کی گواہی اس (مسلمان) کے خلاف قبول نہیں کی جاتی اور نہ ہی وہ ایک دوسرے کے وارث ہیں۔

لیکن کافر اپنی کافر اولاد کا نکاح کر کے دینے کی ولایت رکھتا ہے کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

◆ سورۃ النساء، آیت: ۱۴۱

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ [1]

ترجمہ: اور وہ لوگ جو کافر ہیں ان میں سے بعض، بعض کے ولی ہیں۔

اسی لیے اس کے خلاف میں اس کی گواہی قبول کی جاتی ہے اور ان کے درمیان وراثت جاری ہوتی ہے۔

توضیح: کیا کوئی کافر کسی شخص کا ولی بن سکتا ہے تو اس سلسلے میں دو صورتیں ہیں:

- مسلمان کا ولی یعنی مختار بننا کہ اس کا نکاح کر کے دے تو یہ جائز نہیں کیونکہ قرآن پاک نے اس کی نفی کی جس طرح آیت گزر چکی ہے یہی وجہ کہ مسلمان کے حق میں یا اس کے خلاف کافر کی گواہی بھی قبول نہیں ہوتی اور وہ ایک دوسرے کے وارث بھی نہیں بن سکتے۔
- دوسری صورت یہ کہ کافر کسی کافر کا ولی بنے مثلاً اپنے بیٹے کا نکاح کرے تو اس کے لیے یہ ولایت ثابت ہے جس طرح قرآن پاک کی مذکورہ بالا آیت میں بیان کیا گیا۔

یہی وجہ ہے کہ وہ اس کے خلاف گواہی دے سکتا ہے اور وہ ایک دوسرے کے وارث بھی بن سکتے ہیں۔

عصبات کے علاوہ رشتہ دار بھی ولی بن سکتے ہیں

(٦٠) [وَلِغَيْرِ الْعَصَبَاتِ مِنَ الْاَقَارِبِ وَلَايَةُ التَّزْوِيْجِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ]

مَعْنَاهُ عِنْدَ عَدَمِ الْعَصَبَاتِ، وَهٰذَا اسْتِحْسَانٌ،

وَقَالَ مُحَمَّدٌ: لَا تَثْبُتُ وَهُوَ الْقِيَاسُ، وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ، وَقَوْلُ اَبِيْ يُوْسُفَ فِيْ ذٰلِكَ مُضْطَرِبٌ وَالْاَشْهَرُ اَنَّهٗ مَعَ مُحَمَّدٍ۔

لَهُمَا مَا رَوَيْنَا، وَلِاَنَّ الْوَلَايَةَ اِنَّمَا ثَبَتَتْ صَوْنًا لِلْقَرَابَةِ عَنْ نِسْبَةِ غَيْرِ الْكُفْءِ اِلَيْهَا وَاِلَى الْعَصَبَاتِ الصِّيَانَةُ۔

وَلِاَبِيْ حَنِيْفَةَ اَنَّ الْوِلَايَةَ نَظَرِيَّةٌ وَّالنَّظَرُ يَتَحَقَّقُ بِالتَّفْوِيْضِ اِلٰى مَنْ هُوَ الْمُخْتَصُّ بِالْقَرَابَةِ الْبَاعِثَةِ عَلَى الشَّفَقَةِ۔

ترجمہ: [اور عصبات کے علاوہ دوسرے رشتہ داروں کو بھی نکاح کر کے دینے کی ولایت حاصل ہے یہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے]

اس کا مطلب یہ ہے کہ جب عصبات نہ ہوں، اور یہ استحسان کے طور پر ہے۔

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ ولایت ثابت نہیں اور یہی قیاس ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی

[1] سورۃ الانفال، آیت: ۷۳

ایک روایت اسی طرح ہے۔

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا قول اس مسئلہ میں ڈانواں ڈول ہے زیادہ مشہور یہ ہے کہ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق ہے ان دونوں حضرات کی دلیل وہ حدیث ہے جو ہم نے نقل کی (کہ نکاح کی ولایت عصبات کے لیے ہے)
نیز ولایت قرابت کو بچانے کے لیے ہوتی ہے تا کہ غیر کفو کی اس کی طرف نسبت نہ ہو اور یہ حفاظت عصبات کو اختیار دینے سے ہی ہو سکتی ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ ولایت شفقت کے طور پر ہے اور شفقت اس صورت میں ہوتی ہے جب یہ معاملہ اس کے سپرد کیا جائے جو ایسی قرابت کے ساتھ خاص ہے جو شفقت کا باعث ہو۔

توضیح: عصبات کو نکاح کر کے دینے کی ولایت حاصل ہے لیکن کیا ان کے علاوہ دیگر قریبی رشتہ داروں کو بھی یہ ولایت حاصل ہے تو اس سلسلے میں ائمہ احناف کے درمیان اختلاف ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک غیر عصبات مثلاً ماموں کو بھی یہ حق حاصل ہے اور یہ استحسان ہے۔

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ان لوگوں کو یہ حق حاصل نہیں اور یہ قیاس ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک روایت حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق ہے۔

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول میں اضطراب ہے یعنی کسی ایک طرف قطعی طور پر نہیں لیکن مشہور یہ ہے کہ وہ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی رائے سے متفق ہیں۔

صاحبین اپنے موقف پر یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: اَلنِّکَاحُ اِلَی الْعَصَبَاتِ ''نکاح کا اختیار عصبات کو ہے''۔

ان کی دوسری دلیل عقلی ہے کہ نکاح کی ولایت اس لیے ہوتی ہے کہ قرابت کو غیر کفوء کی طرف نسبت سے بچایا جائے اور قرابت کا خیال تو عصبات ہی رکھ سکتے ہیں کیونکہ وہ مرد کے رشتہ دار ہوتے ہیں اور ان ہی کی برادری سے لڑکی یا لڑکے جس کا نکاح کیا جا رہا ہوتا، اس کا تعلق ہوتا ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس ولایت کی بنیاد شفقت ہے اور شفقت اسی صورت میں ہو سکتی ہے جب یہ ولایت اس کو سونپی جائے جو ایسی قرابت کے ساتھ خاص ہو جو شفقت کا باعث ہو۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل کا مطلب یہ ہے کہ بعض اوقات عصبات میں وہ شفقت نہیں ہوتی جو ذوی الارحام میں ہوتی ہے۔

مثلاً لڑکی کا چچا اپنے ذاتی مقاصد اور دنیوی حرص میں بھتیجی کا نکاح نامناسب جگہ کر دیتا ہے جب کہ ماموں بھانجی کے بارے میں اچھی سوچ رکھتا ہے لہٰذا اس کی شفقت زیادہ ہوگی حالانکہ وہ عصبات میں سے نہیں بلکہ ذوی الارحام میں سے ہے اور دوسری برادری سے تعلق رکھتا ہے۔

اور آج کے زمانے میں ایسی کئی مثالیں ہیں کہ لڑکی کی دولت ہتھیانے کے لیے چچا اس کا نکاح اپنے نالائق بیٹے سے کر دیتا ہے۔ (۱۲ ہزاروی)

اور حدیث شریف کا جواب یہ ہے کہ جب عصبات ہوں تو نکاح کے بارے میں ان کا حق ہے۔

جس کا ولی نہ ہو

(۶۱) [وَمَنْ لَّا وَلِيَّ لَهَا] يَعْنِي الْعَصَبَةَ مِنْ جِهَةِ الْقَرَابَةِ [إِذَا زَوَّجَهَا مَوْلَاهَا الَّذِي أَعْتَقَهَا] [جَازَ] لِأَنَّهُ آخِرُ الْعَصَبَاتِ، وَإِذَا عُدِمَ الْأَوْلِيَاءُ فَالْوَلَايَةُ إِلَى الْإِمَامِ وَالْحَاكِمِ لِقَوْلِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهِ وَسَلَّمَ: «اَلسُّلْطَانُ وَلِيُّ مَنْ لَّا وَلِيَّ لَهُ»۔

ترجمہ: [اور جس لڑکی کا کوئی ولی نہ ہو] یعنی قرابت کی جہت سے عصبہ نہ ہو [جب اس کا مولیٰ جس نے اسے آزاد کیا تھا اس کا نکاح کر دے تو جائز ہے] کیونکہ وہ عصبات میں آخری ہے۔

اور جب ولی نہ ہوں تو ولایت امام اور حاکم کو حاصل ہوگی کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

اَلسُّلْطَانُ وَلِيُّ مَنْ لَّا وَلِيَّ لَهُ۔[1]

ترجمہ: ''بادشاہ اس کا ولی ہے جس کا کوئی ولی نہ ہوگا''۔

توضیح: اگر لڑکی لونڈی تھی اور اسے آزاد کیا گیا اور اس کا کوئی ولی نہ ہو تو جس مولیٰ نے اسے آزاد کیا وہ اس کا نکاح کر کے دے سکتا ہے کیونکہ آزاد کرنے والا اس کا عصبہ ہے جسے عصبہ سببی کہتے ہیں لیکن یہ اسی وقت ہے جب اس کا عصبہ حقیقی نہ ہو یہ آخری درجہ کا عصبہ ہے۔

نوٹ: چونکہ آج کل غلامی کا سلسلہ نہیں لہٰذا اب یہ سلسلہ ختم ہو چکا ہے اگر لڑکی کا کوئی ولی نہ ہو تو حاکم کو اسی طرح قاضی کو ولایت کا حق ہوگا اس کی دلیل رسول اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ جس کا کوئی ولی نہ ہو حاکم اس کا ولی ہے اس حدیث شریف کی روشنی میں حاکم کو ولایت عامہ حاصل ہوتی ہے اس کا کسی نسبی رشتے سے تعلق نہیں ہوتا۔

قریبی ولی زیادہ دُور گیا ہوا ہو

(۶۲) [وَإِذَا غَابَ الْوَلِيُّ الْأَقْرَبُ غَيْبَةً مُّنْقَطِعَةً جَازَ لِمَنْ هُوَ أَبْعَدُ مِنْهُ أَنْ يُّزَوِّجَ] وَقَالَ زُفَرُ: لَا يَجُوْزُ لِأَنَّ وَلَايَةَ الْأَقْرَبِ قَائِمَةٌ لِأَنَّهَا ثَبَتَتْ حَقًّا لَّهُ صِيَانَةً لِلْقَرَابَةِ فَلَا تَبْطُلُ بِغَيْبَتِهِ، وَلِهٰذَا لَوْ زَوَّجَهَا حَيْثُ هُوَ جَازَ، وَلَا وَلَايَةَ لِلْأَبْعَدِ مَعَ وَلَايَتِهِ۔

[1] ابوداؤد، کتاب النکاح، حدیث: ۲۰۸۳

وَلَنَا اَنَّ هٰذِهٖ وَلَايَةٌ نَظَرِيَّةٌ وَّلَيْسَ مِنَ النَّظَرِ التَّفْوِيْضُ اِلٰى مَنْ لَّا يَنْتَفِعُ بِرَأْيِهٖ فَفَوَّضْنَاهُ اِلَى الْاَبْعَدِ وَهُوَ مُقَدَّمٌ عَلَى السُّلْطَانِ كَمَا اِذَا مَاتَ الْاَقْرَبُ.

وَلَوْ زَوَّجَهَا حَيْثُ هُوَ فِيْهِ مُنِعَ وَ بَعْدَ التَّسْلِيْمِ نَقُوْلُ لِلْاَبْعَدِ بُعْدُ الْقَرَابَةِ وَقُرْبُ التَّدْبِيْرِ وَلِلْاَقْرَبِ عَكْسُهٗ فَنَزَلَا مَنْزِلَةَ وَلِيَّيْنِ مُتَسَاوِيَيْنِ فَاَيُّهُمَا عَقَدَ نَفَذَ وَلَا يُرَدُّ

ترجمہ: [جب قریب ترین ولی "غیبت منقطعہ" کے طور پر غائب ہو (غیبت منقطعہ کی وضاحت آگے آ رہی ہے) تو دور کے ولی کے لیے اس کا نکاح کر کے دینا جائز ہے]

حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ جائز نہیں کیونکہ قریب ترین ولایت قائم ہے کیونکہ ولایت اس کے لیے قرابت کی حفاظت کی خاطر ثابت ہے لہٰذا اس کے غائب ہونے سے ساقط نہیں ہوگی۔

یہی وجہ ہے کہ وہ اس جگہ جہاں وہ موجود ہے اس لڑکی کا نکاح کر کے دے تو جائز ہے اور اس (قریبی ولی) کی موجودگی میں دُور کے ولی کی ولایت نہیں حاصل ہوتی۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ ولایت شفقت کے طور پر ہے اور ایسے شخص کو ولایت سونپنا جس کی رائے سے نفع حاصل نہ ہوسکتا ہو، شفقت نہیں۔ اس لیے ہم نے اسے دُور کے ولی کے سپرد کر دیا اور وہ بادشاہ پر مقدم ہے جس طرح قریب کا ولی فوت ہو جائے (تو دُور والے کو ولایت حاصل ہوتی ہے) اور اگر اس نے اسی جگہ نکاح کر کے دیا یہاں وہ موجود ہے تو یہ بات تسلیم نہیں اور اگر مان بھی لیں تو ہم کہتے ہیں کہ دور کے ولی کے لیے قرابت کی دوری اور تدبیر کا قرب ہے اور قریبی ولی کا معاملہ اس کے برعکس ہے تو اس طرح دونوں برابر کے ولی شمار ہوں گے لہٰذا ان میں سے جو بھی عقدِ نکاح کر کے دے وہ نافذ ہو جائے گا اور رد نہیں کیا جائے گا۔

توضیح: ولی دو قسم کے ہوتے ہیں:

① ولی اقرب ② ولی ابعد

قرب کا ولی جیسے باپ ولی اقرب کہلاتا ہے اور دُور کا ولی جیسے چچا ولی ابعد کہلاتا ہے۔

اُصولی بات یہ ہے کہ جب ولی اقرب موجود ہو تو ولی ابعد کو نکاح کر کے دینے کا اختیار نہیں ہوتا۔

لیکن جب ولی اقرب غائب اور وہ بروقت نکاح کر کے نہ دے سکتا ہو ولی ابعد کو اختیار ہوگا اور بعض اوقات ایک اچھا رشتہ میسر آتا ہے اگر ولئ اقرب کا انتظار کیا جائے تو وہ رشتہ کسی اور جگہ ہو جاتا ہے اس لیے ولی ابعد کو اختیار دیا گیا کہ وہ نکاح کر کے دے۔

اختلاف

اس مسئلہ میں حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں ولئ ابعد کا نکاح کر کے دینا جائز نہیں کیونکہ ولئ

اقرب کی ولایت قائم ہے کیونکہ ولیٔ اقرب کو یہ ولایت اس لیے حاصل ہوئی ہے کہ رشتہ داری کی حفاظت ہو سکے لہٰذا اس کی عدم موجودگی میں چاہے وہ زیادہ عرصہ تک غائب ہے اس کا حق ولایت باطل نہیں ہوگا۔

حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے موقف پر بطور شہادت یہ بات ذکر کی کہ اگر ولیٔ اقرب وہاں سے بھی نکاح کر دے جہاں وہ موجود ہے تو جائز ہے۔

اور یہ بات واضح ہے کہ ولی اقرب کی موجودگی میں ولی ابعد کو ولایت حاصل نہیں ہوتی۔

دیگر ائمہ احناف کی دلیل

ائمہ ثلاثہ احناف کی دلیل یہ ہے کہ اس ولایت سے مقصود (بچی یا بچے پر) شفقت ہے (جس کو نظر کیا گیا) اور جب ولیٔ اقرب موجود نہ ہو تو شفقت کا تقاضا یہ ہے کہ ولیٔ ابعد کو اختیار دیا جائے کیونکہ ولیٔ اقرب کی رائے سے نفع حاصل نہیں ہو سکتا۔

نیز ولی ابعد ولایت میں بادشاہ سے مقدم ہے تو جس طرح ولیٔ اقرب کے فوت ہونے کی صورت میں ولیٔ ابعد کو اختیار حاصل ہوتا ہے اس صورت میں بھی وہ نکاح کر کے دے سکتا ہے۔

حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ نے ولیٔ اقرب کے بارے میں فرمایا کہ وہ جس جگہ ہو نکاح کر کے دے سکتا ہے۔

اس کا جواب دیا گیا کہ یہ بات تسلیم نہیں کی جاتی اور متفق علیہ نہیں لہٰذا اسے بطور استشہاد پیش کرنا درست نہیں۔ اور اگر تسلیم بھی کر لیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ ولیٔ اقرب اور ولیٔ ابعد کی ولایت مساوی ہے کیونکہ ولی اقرب کی قرابت اگرچہ قریب کی ہے لیکن اس کی رائے کا حصول بعید ہے۔

بنابریں ان میں سے جو بھی نکاح کر کے دے جائز ہوگا۔

نوٹ: آج کے دور میں وسائل مہیا ہیں اگر ولیٔ اقرب دور بھی ہو بروقت پہنچ نہ سکتا ہو تو بھی موبائل کے ذریعے اپنی رائے دے سکتا ہے یا ولی ابعد کو اختیار سونپ سکتا ہے۔

لیکن اگر بچی یا بچے کے لیے مناسب رشتہ ملتا ہے تو ولیٔ اقرب کے انتظار میں اس سنہری موقعہ کو ہاتھ سے نہ جانے دیا جائے اور ولی ابعد نکاح کر کے دے۔

حضرت امام ابوحنیفہ اور صاحبین رحمہما اللہ کی رائے حکمت پر مبنی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب (۱۲ ہزاروی)

غیبتِ مُنْقَطِعَہ کی وضاحت

(۶۳) [وَالْغَيْبَةُ الْمُنْقَطِعَةُ اَنْ يَّكُوْنَ فِيْ بَلَدٍ لَّا تَصِلُ اِلَيْهَا الْقَوَافِلُ فِي السَّنَةِ اِلَّا مَرَّةً وَّاحِدَةً] وَهُوَ اخْتِيَارُ الْقُدُوْرِيِّ۔

وَقِيْلَ اَدْنٰى مُدَّةِ السَّفَرِ لِاَنَّهٗ لَا نِهَايَةَ لِاَقْصَاهُ وَهُوَ اِخْتِيَارُ بَعْضِ الْمُتَاخِرِيْنَ۔
وَقِيْلَ: اِذَا كَانَ بِحَالٍ يَفُوْتُ الْكُفْءُ الْخَاطِبُ بِاسْتِطْلَاعِ رَاْيِهٖ، وَهٰذَا اَقْرَبُ اِلَى الْفِقْهِ لِاَنَّهٗ لَا نَظَرَ فِيْ اِبْقَاءِ وَلَايَتِهٖ حِيْنَئِذٍ۔

ترجمہ: [اور غیبت منقطعہ یہ ہے کہ وہ (ولی اقرب) ایسے شہر میں ہو کہ اس تک قافلے سال میں صرف ایک بار پہنچ سکتے ہوں] یہ امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ کا مختار قول ہے۔

اور کہا گیا کہ سفر کی کم از کم مدت (غیبۃ منقطعہ) ہے کیونکہ زیادہ (مدت سفر) کی انتہاء نہیں بعض متاخرین کا یہی مختار قول ہے۔

یہ بھی کہا گیا کہ اگر وہ ایسی حالت میں ہو کہ اس کی رائے پر اطلاع حاصل کرنے تک کفوء فوت ہو جائے (تو یہ غیبت منقطعہ ہے) اور یہ قول فقہ کے زیادہ قریب ہے کیونکہ اس صورت میں اس کی ولایت کو باقی رکھنے میں شفقت نہیں۔

توضیح: غیبت کا معنی غائب ہونا اور منقطعہ کا معنی کٹ جانے والی، یعنی ولی اقرب سے رابطہ نہ ہو سکے اور اس کی رائے فوری طور پر معلوم نہ ہو سکے۔

اس غیبت کے بارے میں تین قول ہیں:

① پہلا قول حضرت امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ کا مختار قول ہے وہ فرماتے ہیں اتنا دور ہو کہ وہاں سے قافلے سال میں صرف ایک بار آسکتے ہوں۔

② دوسرا قول جو قیل کے ساتھ ذکر کر کے اس کی کمزوری کی طرف اشارہ کیا گیا وہ بعض متاخرین فقہاء کا قول ہے وہ یہ کہ کم از کم مدت سفر ہو یعنی تین دن کی مسافت جو آج کے دور میں بانوے (92) کلو میٹر ہے۔

③ ایک اور قول جو اگرچہ قیل کے ساتھ ذکر کیا گیا جو اس کے کمزور ہونے کی طرف اشارہ ہے لیکن صاحب ہدایہ نے اسے فقہ (یعنی فہم و فراست) کے زیادہ قریب قرار دیا یہ ہے کہ وہ ایسی حالت میں ہو کہ اس کی رائے پر مطلع ہونے تک برابری کا رشتہ ہاتھوں سے نکل جائے یہ قول اس لیے مناسب ہے کہ اصل بات اس بچے یا بچی پر شفقت کی ہے اور مناسب برابر کا رشتہ (یعنی کفوء) کا حصول نہ ہو تو شفقت نہیں ہوگی۔

نوٹ: یہ تیسرا قول اس لیے بھی مناسب ہے کہ دورِ حاضر میں ٹیلی فون کے ذریعے رائے حاصل کی جا سکتی ہے اور زمانے کے تغیر سے اس قسم کے مسائل بدلتے رہتے ہیں۔ البتہ بعض اوقات کسی ایسے علاقہ میں ہوتا ہے جہاں ٹیلی فونک رابطہ بھی ممکن نہیں ہوتا تو اب ولایت، ولی ابعد کی طرف منتقل ہو جائے گی۔ پہلی دو صورتیں آج کے زمانے میں مفقود ہیں۔

واللہ اعلم، بالصواب (۱۲ ہزاروی)

مجنون کے نکاح میں باپ اور بیٹے میں سے کون مقدم ہے

(۶۴) [وَإِذَا اجْتَمَعَ فِي الْمَجْنُوْنَةِ أَبُوْهَا وَابْنُهَا فَالْوَلِيُّ فِيْ نِكَاحِهَا ابْنُهَا فِيْ قَوْلِ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَأَبِيْ يُوْسُفَ. وَقَالَ مُحَمَّدٌ أَبُوْهَا] لِأَنَّهُ أَوْفَرُ شَفَقَةً مِّنَ الْإِبْنِ۔
وَلَهُمَا أَنَّ الْإِبْنَ هُوَ الْمُقَدَّمُ فِي الْعُصُوْبَةِ. وَهٰذِهِ الْوِلَايَةُ مَبْنِيَّةٌ عَلَيْهَا وَلَا مُعْتَبَرَ بِزِيَادَةِ الشَّفَقَةِ كَأَبِي الْأُمِّ مَعَ بَعْضِ الْعَصَبَاتِ۔

ترجمہ: [اور جب پاگل عورت کا باپ اور بیٹا دونوں اکٹھے ہوں تو حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہما کے قول کے مطابق اس کے نکاح کا ولی اس کا بیٹا ہوگا۔ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کا باپ ہوگا] کیونکہ بیٹے کے مقابلے میں اس کی شفقت زیادہ ہے۔
شیخین کی دلیل یہ ہے کہ عصبہ ہونے میں بیٹا مقدم ہے اور یہ ولایت عصوبت (عصبہ ہونے) پر مبنی ہے اور زیادہ شفقت کا اعتبار نہیں جس طرح (بچی کا) نانا بعض عصبات کے ساتھ ہو (تو نانا ولی نہیں ہوگا)

توضیح: ایک ایسی عورت جو ثیبہ ہے اور پہلے نکاح سے اس کا بیٹا بھی موجود ہے لیکن وہ مجنونہ ہونے کی وجہ سے اپنا نکاح خود نہیں کر سکتی اور اس کا باپ بھی موجود ہے تو اس کا نکاح کرنے کا اختیار کسے ہوگا؟
اس مسئلہ میں شیخین اور حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان اختلاف ہے شیخین فرماتے ہیں بیٹے کا حق زیادہ ہے کیونکہ وہ باپ کے مقابلے میں ولی اقرب ہے اور عصبات میں وہ مقدم ہے حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں باپ کو زیادہ حق حاصل ہے کیونکہ وہ زیادہ شفیق ہے۔
شیخین نے اس کا جواب دیا کہ محض شفقت کا اعتبار نہیں جیسے نانا اپنے نواسے پر اس کے چچا سے زیادہ شفقت رکھتا ہے لیکن چونکہ چچا عصبہ ہے اور نانا عصبہ نہیں اس لیے چچا کو حق ہوگا نانا کو باوجود زیادہ شفقت کے ولایت حاصل نہیں ہوگی۔
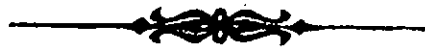
کفو کا بیان

نکاح میں کفو کا اعتبار ہوتا ہے

(٦٥) [اَلْكَفَاءَةُ فِي النِّكَاحِ مُعْتَبَرَةٌ] قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ: «اَلَا لَا يُزَوِّجُ النِّسَاءَ اِلَّا الْاَوْلِيَاءُ، وَلَا يُزَوَّجْنَ اِلَّا مِنَ الْاَكْفَاءِ» وَلِاَنَّ انْتِظَامَ الْمَصَالِحِ بَيْنَ الْمُتَكَافِئِيْنَ عَادَةً. لِاَنَّ الشَّرِيْفَةَ تَأْبٰى اَنْ تَكُوْنَ مُسْتَفْرَشَةً لِلْخَسِيْسِ فَلَا بُدَّ مِنْ اِعْتِبَارِهَا. بِخِلَافِ جَانِبِهَا؛ لِاَنَّ الزَّوْجَ مُسْتَفْرِشٌ فَلَا تَغِيْظُهُ دَنَاءَةُ الْفِرَاشِ۔

ترجمہ: [نکاح میں کفوء معتبر ہے] رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

اَلَا لَا يُزَوِّجُ النِّسَاءَ اِلَّا الْاَوْلِيَاءُ، وَلَا يُزَوَّجْنَ اِلَّا مِنَ الْاَكْفَاءِ۔ ◆

ترجمہ: سنو! عورتوں کا نکاح صرف ان کے اولیاء کر کے دیں اور ان کا نکاح صرف کفوء والوں سے کیا جائے۔

اور اس لیے بھی کہ عام طور پر نکاح کے مقاصد کا انتظام دو ہم پلہ (میاں بیوی) کے درمیان ہوتا ہے کیونکہ معزز (خاندان کی) لڑکی ادنیٰ شخص کا بچھونا بننے سے انکار کرتی ہے لہٰذا اس (کفوء) کا اعتبار ضروری ہے۔ بخلاف مرد کی جانب سے کیونکہ خاوند بچھونے والا ہوتا ہے لہٰذا بچھونے (بیوی) کا ادنیٰ ہونا اس کو غصہ نہیں دلاتا۔

توضیح: کفوء برابری کو کہتے ہیں سورۂ اخلاص میں ہے:

وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ◆

ترجمہ: اور اس (اللہ تعالیٰ) کا کوئی ہمسر یعنی ہم پلہ اور برابر نہیں۔

چونکہ نکاح کے ذریعے زندگی کے اہم مقاصد تکمیل پاتے ہیں جن میں اہم مقاصد توالد و تناسل یعنی نسل انسانی کا بڑھانا ہے اور میاں بیوی ایک گاڑی کے دو پہیوں کی طرح ہوتے ہیں۔

علاوہ ازیں حکم خداوندی کے مطابق مرد کو عورت پر برتری حاصل ہوتی ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ ◆

ترجمہ: مرد عورتوں پر افسر ہیں۔ (ترجمہ کنز الایمان)

◆ دار قطنی، کتاب النکاح، حدیث: ٣٥٥٩ ◆ سورۃ الاخلاص، آیت: ٤ ◆ سورۃ النساء، آیت: ٣٤

لہٰذا عورت کا مرد کے برابر یا کم درجہ میں ہونا ضروری ہے کیونکہ عورت ہمبستری کے اعتبار سے بچھونا کی طرح ہوتی ہے اگر بڑے اور معزز خاندان کی عورت ہوگی تو وہ خاوند کی بات نہیں مانے گی اور ان کا خاندانی نظام معطل ہو جائے گا لیکن چونکہ مرد کو بحیثیت مرد برتری حاصل ہے اس کے لیے ضروری نہیں کہ وہ عورت اس کی کفو یا ہم پلہ ہو کیونکہ اگر عورت کم درجہ کی بھی ہو تو مرد کو اس پر اعتراض نہیں ہوگا کیونکہ وہ بستر کی طرح ہے مرد بستر کی طرح نہیں۔

نوٹ: کفو کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

اگر عورت غیر کفو میں شادی کرے

(۶۶) [وَاِذَا زَوَّجَتِ الْمَرْاَةُ نَفْسَهَا مِنْ غَيْرِ كُفْوٍ فَلِلْاَوْلِيَاءِ اَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَهُمَا] دَفْعًا لِضَرَرِ الْعَارِ عَنْ اَنْفُسِهِمْ

ترجمہ: [پس اگر عورت اپنے کفو کے غیر میں خود بخود شادی کرے تو اس کے اولیاء کو اعتراض کا حق ہے کہ وہ ان دونوں کے درمیان تفریق کرا دیں] تا کہ وہ اپنے آپ سے عار کو دور کر دیں

توضیح: چونکہ عورت کا اچھے خاندان میں نکاح کرنا خاندان کے لیے عزت کا باعث ہوتا ہے اس لیے اگر وہ خود کفو سے باہر نکاح کر لیتی ہے تو خاندان والوں کو اپنے آپ سے عار (شرمندگی) کو دور کرنے کے لیے ان کے درمیان تفریق کرانے کا حق حاصل ہے۔

نسب میں کفو کا اعتبار

(۶۷) [ثُمَّ الْكَفَاءَةُ تُعْتَبَرُ فِي النَّسَبِ]؛ لِاَنَّهُ يَقَعُ بِهِ التَّفَاخُرُ [فَقُرَيْشٌ بَعْضُهُمْ اَكْفَاءٌ لِبَعْضٍ، وَالْعَرَبُ بَعْضُهُمْ اَكْفَاءٌ لِبَعْضٍ] وَالْاَصْلُ فِيهِ قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ: «قُرَيْشٌ بَعْضُهُمْ اَكْفَاءٌ لِبَعْضٍ بَطْنٌ بِبَطْنٍ، وَالْعَرَبُ بَعْضُهُمْ اَكْفَاءٌ لِبَعْضٍ قَبِيلَةٌ بِقَبِيلَةٍ، وَالْمَوَالِي بَعْضُهُمْ اَكْفَاءٌ لِبَعْضٍ رَجُلٌ بِرَجُلٍ» وَلَا يُعْتَبَرُ التَّفَاضُلُ فِيمَا بَيْنَ قُرَيْشٍ لِمَا رَوَيْنَا۔

وَعَنْ مُحَمَّدٍ كَذٰلِكَ اِلَّا اَنْ يَكُونَ نَسَبًا مَشْهُورًا كَاَهْلِ بَيْتِ الْخِلَافَةِ. كَاَنَّهُ قَالَ تَعْظِيمًا لِلْخِلَافَةِ وَتَسْكِينًا لِلْفِتْنَةِ۔

وَبَنُو بَاهِلَةَ لَيْسُوا بِاَكْفَاءٍ لِعَامَّةِ الْعَرَبِ؛ لِاَنَّهُمْ مَعْرُوفُونَ بِالْخَسَاسَةِ۔

ترجمہ: [پھر نسب میں کفوء کا اعتبار ہے] کیونکہ اسی (نسب) کے ذریعے ایک دوسرے پر فخر کا اظہار ہوتا ہے۔

[پس قریش ایک دسرے کا کفو ہیں اور عرب ایک دوسرے کا کفو ہیں]

اور اس سلسلے میں اصل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے آپ نے فرمایا:

قُرَيْشٌ بَعْضُهُمْ اَكْفَاءٌ لِبَعْضٍ بَطْنٌ بِبَطْنٍ، وَالْعَرَبُ بَعْضُهُمْ اَكْفَاءٌ لِبَعْضٍ قَبِيْلَةٌ بِقَبِيْلَةٍ، وَالْمَوَالِي بَعْضُهُمْ اَكْفَاءٌ لِبَعْضٍ رَجُلٌ بِرَجُلٍ۔ ◆

ترجمہ: بعض قریش بعض کے کفو ہیں بطن، بطن کے ساتھ، بعض اہل عرب دوسرے بعض کے کفو ہیں قبیلہ، قبیلہ کے مقابلے میں اور موالی (عجمی) بعض دوسرے بعض کے کفو ہیں مرد مرد کے مقابلہ میں۔

اور قریش کے بعض کو دوسرے بعض پر فضیلت حاصل نہیں اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے روایت کی ہے۔

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اسی طرح مروی ہے مگر کہ نسب مشہور ہو جیسے بیت خلافت والے۔

گویا آپ نے خلافت کی تعظیم اور فتنہ ختم کرنے کے لیے یہ بات فرمائی۔

اور بنو باہلہ عام عرب کے کفو نہیں کیونکہ وہ گھٹیا پن کے ساتھ معروف ہیں۔

توضیح: کفو میں کن اُمور کا اعتبار ہوگا تو اس سلسلے میں سب سے پہلے نسب کا اعتبار کیا جائے گا اور سب سے اعلیٰ نسب قریش کا ہے لہٰذا قریش کی کوئی بھی شاخ ہو وہ ایک دوسرے کے کفو ہیں، اسی طرح قریش کے علاوہ دیگر اہل عرب چاہے ان کا کسی بھی قبیلے سے تعلق ہو وہ ایک دوسرے کا کفو ہیں۔

اور موالی یعنی عجمی ایک دوسرے کے کفو ہیں ہر شخص دوسرے کا کفو ہے۔

اس کی وجہ یہ بیان کی گئی کہ عام طور پر ایک دوسرے پر فخر نسب کے اعتبار سے کیا جاتا ہے۔

اس سلسلے میں صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ نے بطور دلیل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارک پیش کی ہے (جو متن اور ترجمہ کے ساتھ ذکر کر دی گئی ہے)۔

اس حدیث کی روشنی میں صاحب ہدایہ نے بتایا کہ قریش کے جتنے بطون (شاخیں) ہیں وہ برابر ہیں ان میں کسی کو کسی پر فضیلت نہیں۔

اس سلسلے میں حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے ان حضرات کی فضیلت کا ذکر کیا جن کا خلافت سے تعلق ہے اس کی دو وجہ ذکر کی گئی ہیں۔

پہلی بات ان کی تعظیم ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ تا کہ ان کو دوسروں کے ساتھ برابری دینے سے جو فتنہ سر اُٹھا سکتا ہے اس کا خاتمہ اور سدِّ باب ہو جائے۔

عرب کا ایک قبیلہ بنو باہلہ تھا جو خسیس اور کمینی حرکات کا مرتکب تھا اس لیے اس کو عام اہل عرب کا کفو قرار نہیں دیا گیا۔

نوٹ: یہاں دو باتیں قابل توجہ ہیں:

(1) جو قریش ہیں وہ ایک دوسرے کے کفو ہیں وہ ہاشمی ہوں یا اُموی، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا تعلق بنو اُمیہ سے تھا

◆ سنن کبریٰ کتاب النکاح، باب اعتبار الفقہ فی الکناعۃ، حدیث: ۱۳۷۶۹

اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صاحبزادیاں ہاشمیہ تھیں لیکن حضور علیہ السلام نے یکے بعد دیگرے اپنی دو صاحبزادیاں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دیں۔

﴿۴﴾ بنو باہلہ اہل عرب میں سے تھے لیکن اُن کی گھٹیا قسم کی حرکات کی وجہ سے ان کو اہل عرب کا کفو قرار نہیں دیا لہٰذا اگر کوئی شخص قریش میں سے ہو لیکن اس کی عادات اچھی نہ ہوں تو کسی معزز قرشی خاتون کو اس کے نکاح میں نہ دینا مناسب ہے۔

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق روحانی، علمی خاندان کی بچیوں کے لیے ان کے مناسب رشتہ تلاش کیا جائے۔

عجمیوں کے لیے احکامِ کفو

(۶۸) [وَاَمَّا الْمَوَالِیْ فَمَنْ کَانَ لَهٗ اَبَوَانِ فِی الْاِسْلَامِ فَصَاعِدًا فَهُوَ مِنَ الْاَکْفَاءِ] یَعْنِیْ لِمَنْ لَّهٗ اٰبَاءٌ فِیْهِ۔

وَمَنْ اَسْلَمَ بِنَفْسِهٖ اَوْ لَهٗ اَبٌ وَّاحِدٌ فِی الْاِسْلَامِ لَا یَکُوْنُ کُفُوًا لِمَنْ لَّهٗ اَبَوَانِ فِی الْاِسْلَامِ؛ لِاَنَّ تَمَامَ النَّسَبِ بِالْاَبِ وَالْجَدِّ،

وَاَبُوْ یُوْسُفَ اَلْحَقَ الْوَاحِدَ بِالْمُثَنّٰی کَمَا هُوَ مَذْهَبُهٗ فِی التَّعْرِیْفِ۔

وَمَنْ اَسْلَمَ بِنَفْسِهٖ لَا یَکُوْنُ کُفُوًا لِمَنْ لَّهٗ اَبٌ وَّاحِدٌ فِی الْاِسْلَامِ؛ لِاَنَّ التَّفَاخُرَ فِیْمَا بَیْنَ الْمَوَالِیْ بِالْاِسْلَامِ وَالْکَفَاءَةُ فِی الْحُرِّیَّةِ نَظِیْرُهَا فِی الْاِسْلَامِ فِیْ جَمِیْعِ مَا ذَکَرْنَا؛ لِاَنَّ الرِّقَّ اَثَرُ الْکُفْرِ وَفِیْهِ مَعْنَی الذُّلِّ فَیُعْتَبَرُ فِیْ حُکْمِ الْکَفَاءَةِ

ترجمہ: [جہاں تک عجمیوں کا تعلق ہے تو جن کے دو باپ (باپ اور دادا) یا اس سے اُوپر حلقہ بگوش اسلام تھے تو وہ کفو ہیں] یعنی وہ ان کے کفو ہیں جن کے کئی پشتیں اسلام میں تھیں

اور جو شخص خود ایمان لایا (اس کا باپ ایمان نہیں لایا) وہ اس کا کفو نہیں ہو سکتا جس کا صرف باپ ایمان لایا کیونکہ عجمیوں میں ایک دوسرے پر فخر کا سبب اسلام ہے

اور آزادی کے سلسلے میں کفاءت (کفو ہونا) ان تمام صورتوں میں جو ہم نے ذکر کی ہیں، آزادی میں اس کی مثل ہے۔

کیونکہ غلامی، کفر کا اثر ہے اور اس میں ذلت ورسوائی والا معنیٰ پایا جاتا ہے لہٰذا کفاءت میں اس کا اعتبار ہوگا۔

توضیح: چونکہ اسلام کا آغاز سرزمین عرب میں ہوا اور عجم کے لوگوں کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑا جاتا تھا پھر اسلام عرب سے نکل کر عجم میں آیا یعنی سرزمین عرب سے باہر آیا تو عجمیوں کے لیے کفو کی بنیاد نسب نہیں بلکہ اسلام سے وابستگی کو معیار قرار دیا گیا۔ اور اس سلسلے میں یہ ضابطہ بتایا گیا۔

الف) جس عجمی (مسلمان) کا باپ اور دادا یعنی دو پشتیں مسلمان تھیں یا اس سے پہلے بھی مسلمان تھے مثلاً پردادا مسلمان تھا تو وہ اس کا کفو ہے جس کے کئی آباؤاجداد مسلمان تھے۔

ب) جو شخص خود تو ایمان لایا یا اس کا باپ بھی مسلمان تھا وہ اس کا کفو نہیں ہوگا جس کا باپ اور دادا دونوں مسلمان تھے کیونکہ نسب کی تکمیل باپ اور دادا دونوں کے ساتھ ہوتی ہے۔

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے ایک کو دو سے ملایا جس طرح پہچان کرانے میں ان کا طریقہ ہے یعنی امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کسی شخص کی پہچان کے لیے اس کے باپ کا نام لینا ضروری ہے دادا کا ذکر ضروری نہیں۔

ج) جو شخص خود اسلام لایا اس کا باپ مسلمان نہیں وہ اس کا کفو نہیں ہو سکتا ہے جس کا باپ بھی مسلمان ہوا۔

نوٹ: عجمیوں کے درمیان فخر کی بنیاد (نسب نہیں بلکہ) اسلام ہے اور آزادی کے حوالے سے وہی معیار ہے جو اسلام کے اعتبار سے اُوپر بیان کیا گیا کیونکہ غلامی کفر کا اثر ہے تو گویا غلامی سے نکل کر آزادی میں آنا اسی طرح ہے جیسے کفر سے اسلام میں آنا کیونکہ غلامی اور کفر ذلت کا باعث ہیں جب کہ عزت اسلام اور آزادی میں ہے اس لیے شوہر کا عورت کے لیے کفو ہونا اسی باعث فخر بات یعنی اسلام اور آزادی کے ذریعے ہوگا۔

دین داری میں کفو

(۶۹) قَالَ: [وَتُعْتَبَرُ اَيْضًا فِي الدِّيْنِ] اَيِ الدِّيَانَةِ. وَهٰذَا قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَاَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ هُوَ الصَّحِيْحُ؛ لِاَنَّهٗ مِنْ اَعْلَى الْمَفَاخِرِ. وَالْمَرْاَةُ تُعَيَّرُ بِفِسْقِ الزَّوْجِ فَوْقَ مَا تُعَيَّرُ بِضَعَةِ نَسَبِهٖ.

وَقَالَ مُحَمَّدٌ: لَا تُعْتَبَرُ؛ لِاَنَّهٗ مِنْ اُمُوْرِ الْاٰخِرَةِ فَلَا تُبْتَنٰى عَلَيْهِ اَحْكَامُ الدُّنْيَا اِلَّا اِذَا كَانَ يُصْفَعُ وَيُسْخَرُ مِنْهُ اَوْ يَخْرُجُ اِلَى الْاَسْوَاقِ سَكْرَانَ وَيَلْعَبُ بِهِ الصِّبْيَانُ؛ لِاَنَّهٗ مُسْتَخَفٌّ بِهٖ.

ترجمہ: فرماتے ہیں: [اور دین داری میں بھی کفو کا اعتبار ہوتا ہے] دین سے مراد دیانتداری ہے اور یہ قول حضرت امام ابو حنیفہ اور حضرت امام ابو یوسف علیہما الرحمۃ کا ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ یہ (دیانتداری) باعث فخر اُمور میں سے اعلیٰ سبب ہے اور عورت کو خاوند کے فاسق ہونے پر نسبی کمزوری پر دلائی جانے والی عار سے زیادہ شرمندگی دلائی جاتی ہے۔

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کا اعتبار نہیں کیونکہ یہ آخرت کے اُمور سے ہے لہٰذا یہ دنیوی احکام کی بنیاد نہیں بن سکتی۔

البتہ یہ کہ وہ شخص ایسا ہو کہ اسے تھپڑ مارے جاتے ہوں اور اس کا مذاق اُڑایا جاتا ہو وہ نشے کی حالت مین بازاروں مین جاتا ہو اور بچے اس کے ساتھ کھیلتے ہوں کیونکہ اس طرح اسے حقیر سمجھا جاتا ہے۔

توضیح: عجمیوں کے کفو کے بارے میں دوسری بات دین داری یعنی اعمال صالحہ کو ضروری قرار دیا یعنی لڑکی کے لیے ایسا شوہر اس کا کفو ہوگا جو مسلمان ہونے کے ساتھ ساتھ دین دار ہو فاسق نہ ہو اور بد دیانت نہ ہو۔

یہ مؤقف حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام ابویوسف رحمہما اللہ کا ہے۔ جب کہ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ دیانتداری کا اعتبار نہیں۔

شیخین کی دلیل یہ ہے کہ (اسلام کے بعد) دیانتداری باعث فخر اُمور میں سے اعلیٰ سبب فخر ہے اور اگر کسی عورت کا خاوند فاسق ہو تو اسے عار دلائی جاتی ہے اور اسے شرمندگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ دیانتداری کا تعلق آخرت کے اُمور میں سے ہے لہٰذا دنیوی احکام کے لیے اسے کفو کا معیار قرار نہیں دیا جاسکتا لیکن اگر اس کی حرکات ایسی ہوں کہ جب وہ بازار میں جائے تو لوگ اس کا مذاق اُڑائیں، اسے تھپڑ ماریں اور بچے اس کے پیچھے لگ جائیں تو یہ کفو نہیں ہوگا۔

مالداری کے اعتبار سے کفو

(۷۰) قَالَ [وَ] تُعْتَبَرُ [فِي الْمَالِ وَهُوَ اَنْ يَّكُوْنَ مَالِكًا لِلْمَهْرِ وَالنَّفَقَةِ] وَهٰذَا هُوَ الْمُعْتَبَرُ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ. حَتّٰى اَنَّ مَنْ لَّا يَمْلِكُهُمَا اَوْ لَا يَمْلِكُ اَحَدَهُمَا لَا يَكُوْنُ كُفُوًا؛ لِاَنَّ الْمَهْرَ بَدَلُ الْبُضْعِ فَلَا بُدَّ مِنْ اِيْفَائِهٖ وَبِالنَّفَقَةِ قِوَامُ الْاِزْدِوَاجِ وَدَوَامُهُ۔

وَالْمُرَادُ بِالْمَهْرِ قَدْرُ مَا تَعَارَفُوْا تَعْجِيْلَهٗ؛ لِاَنَّ مَا وَرَاءَهٗ مُؤَجَّلٌ عُرْفًا۔

وَعَنْ اَبِيْ يُوْسُفَ اَنَّهٗ اِعْتَبَرَ الْقُدْرَةَ عَلَى النَّفَقَةِ دُوْنَ الْمَهْرِ؛ لِاَنَّهٗ تَجْرِي الْمُسَاهَلَةُ فِي الْمَهْرِ وَيُعَدُّ الْمَرْءُ قَادِرًا عَلَيْهِ بِيَسَارِ اَبِيْهِ۔

ترجمہ: فرماتے ہیں [اور مال میں بھی کفو (کا اعتبار) ہوگا وہ اس طرح کہ وہ شخص مہر اور نفقہ دینے کا مالک ہو] ظاہر الروایت کے مطابق یہی معتبر ہے حتیٰ کہ اگر کوئی شخص ان دو چیزوں (مہر اور نفقہ) کا مالک نہ ہو یا ان میں سے ایک کا مالک نہ ہو تو وہ کفو نہیں ہوگا۔

کیونکہ مہر، شرمگاہ کا بدل ہے اس لیے اس کی ادائیگی ضروری ہے اور نفقہ کے ذریعے ازدواجی زندگی قائم اور دائم رہتی ہے اور مہر سے مراد وہ مقدار ہے جس کی جلدی ادائیگی معروف ہو کیونکہ اس کے علاوہ عرف میں موجل ہوتا ہے۔

اور حضرت امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت میں ہے کہ آپ نے نفقہ کا اعتبار کیا مہر کا نہیں کیونکہ مہر کے معاملہ میں آسانی ہوتی ہے اور مرد کو اپنے باپ کی کشادہ حالی سے قادر شمار کیا جاتا ہے۔

توضیح: کفو کے اعتبار سے تیسری چیز جس کا اعتبار کیا جاتا ہے مرد کا اس قدر مال کا مالک ہونا ہے کہ وہ عورت کو مہر معجّل ادا

کر سکے اور اس کا نفقہ (خوراک، لباس اور رہائش) مہیا کر سکے۔

نوٹ: مہر کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ مہر معجل: جس کی ادائیگی فوری طور پر ضروری ہو۔

۲۔ مہر مؤجل: اجل مدت کو کہتے ہیں یعنی بعد کا کوئی وقت مقرر کیا جائے اسے غیر معجل بھی کہا جاتا ہے یعنی جس کی ادائیگی فوراً نہیں۔

۳۔ عندالطلب: جب عورت مطالبہ کرے تو ادائیگی کی جائے مرد اور عورت یا ان کے وکیل جس صورت پر متفق ہو جائیں اس کے مطابق عمل ہوگا۔

مہر پر قادر ہونا اس لیے ضروری ہے کہ یہ عورت سے جنسی نفع کے حصول کا بدل ہے اور نفقہ اس لیے ضروری ہے کہ عورت مرد کے گھر میں رہنے کی پابند ہوتی ہے اور مال کمانا مرد کا کام ہے لہٰذا زندگی کا نظام قائم کرنا اور اس کو برقرار رکھنا اس کے بغیر ممکن نہیں۔

مرد کے مہر پر قادر ہونے سے مراد یہ ہے کہ عرف کے مطابق جو مہر فوری دیا جاتا ہے اس پر قادر ہو کیونکہ باقی موجل ہوتا ہے جو بعد میں دیا جاتا ہے۔

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ ہے کہ نفقہ پر قادر ہونا ضروری ہے کیونکہ مہر کے معاملے میں آسانی ہوتی ہے اور شوہر کا باپ خوشحال ہو تو اس بنیاد پر شوہر کو قادر سمجھا جاتا ہے یعنی باپ ادا کرے گا۔

خوشحالی کے اعتبار سے کفو

(۱۷) فَاَمَّا الْكَفَاءَةُ فِي الْغِنٰى فَمُعْتَبَرَةٌ فِي قَوْلِ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ حَتّٰى اِنَّ الْفَائِقَةَ فِي الْيَسَارِ لَا يُكَافِئُهَا الْقَادِرُ عَلَى الْمَهْرِ وَالنَّفَقَةِ؛ لِاَنَّ النَّاسَ يَتَفَاخَرُوْنَ بِالْغِنٰى وَيَتَعَيَّرُوْنَ بِالْفَقْرِ۔

وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ: لَا يُعْتَبَرُ؛ لِاَنَّهُ لَا ثَبَاتَ لَهُ اِذِ الْمَالُ غَادٍ وَّرَائِحٌ

ترجمہ: مالداری کے اعتبار سے کفو حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک معتبر ہے حتیٰ کہ مالداری میں فوقیت رکھنے والی لڑکی کا کفو وہ شخص نہیں ہو سکتا جو (صرف) مہر اور نفقہ پر قادر ہو کیونکہ لوگ مالداری پر فخر کرتے اور فقر کی وجہ سے عار محسوس کرتے ہیں۔

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں (مالداری کا) اعتبار نہیں ہوگا کیونکہ مالداری برقرار رہنے والی چیز نہیں اور مال آنے جانے والی چیز ہے (غاد صبح آیا رائح شام کو چلا گیا)۔

توضیح: مالداری کی وضاحت گزشتہ مسئلہ میں ہوگئی اس کے بعد مال کی فراوانی یعنی خوشحالی ہوتی ہے تو کفو میں یہ معتبر ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلے میں ائمہ ثلاثہ احناف کا اختلاف ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک یہ معتبر ہے کیونکہ جب لڑکی خوشحال ہو اور مرد صرف مہر اور نفقہ دے سکتا ہو تو وہ اس کا کفو نہیں ہوگا کیونکہ خوشحالی معاشرے میں باعث فخر سمجھی جاتی ہے اور فقر کو عار سمجھا جاتا ہے۔

لیکن امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کفو میں خوشحالی کا اعتبار نہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ مال آتا جاتا ہے آج ہے کل نہیں، آج نہیں کل آجائے گا۔ لہٰذا آنے جانے والی چیز کو معیار نہ بنایا جائے۔

کفو میں پیشے کا اعتبار

(۷۲) [وَ] تُعْتَبَرُ [فِي الصَّنَائِعِ] وَهٰذَا عِنْدَ اَبِيْ يُوْسُفَ وَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ۔

وَعَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ فِيْ ذٰلِكَ رِوَايَتَانِ۔

وَعَنْ اَبِيْ يُوْسُفَ اَنَّهُ لَا تُعْتَبَرُ اِلَّا اَنْ تَفْحُشَ كَالْحَجَّامِ وَالْحَائِكِ وَالدَّبَّاغِ۔

وَجْهُ الْقَوْلِ الْاٰخَرِ اَنَّ الْحِرْفَةَ لَيْسَتْ بِلَازِمَةٍ، وَيُمْكِنُ التَّحَوُّلُ عَنِ الْخَسِيْسَةِ اِلَى النَّفِيْسَةِ مِنْهَا

ترجمہ: [اور پیشوں میں بھی کفو کا (اعتبار) ہے] یہ حضرت ابویوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس مسئلہ میں دو روایتیں منقول ہیں۔

حضرت امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ ہے کہ پیشے کا اعتبار نہیں ہوگا مگر جب گھٹیا قسم کا پیشہ ہو جیسے پچھنے لگانا، کپڑے بننا اور چمڑوں کو رنگنا (تو اس کا اعتبار ہوگا)۔

پیشوں کے اعتبار کی وجہ یہ ہے کہ لوگ اچھے پیشوں پر فخر کرتے ہیں اور گھٹیا پیشوں کو باعث عار سمجھتے ہیں۔ دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ پیشہ لازم نہیں ہوتا اور گھٹیا پیشے سے عمدہ پیشے کی طرف پھر سکتا ہے۔

توضیح: کفر کے سلسلے میں اسلام، دیانتداری اور مالداری کے بعد چوتھی بات شوہر کا پیشہ ہے اس کا اعتبار کیا جائے یا نہیں؟

حضرت امام ابویوسف اور حضرت امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک اس کا اعتبار ہوگا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اچھے پیشے کی وجہ سے لوگ ایک دوسرے پر فخر کرتے ہیں (جیسے وکالت اور ڈاکٹری وغیرہ) اور گھٹیا پیشہ ہو تو باعث عار ہوتا ہے کہا جاتا ہے فلاں حجام ہے، جولاہا ہے دباغت کا عمل کرتا ہے یعنی چمڑوں کو رنگتا ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس سلسلے میں دو اور روایتیں ہیں یعنی ایک قول وہی ہے جو صاحبین کا ہے اور اس کی وجہ بیان کردی ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ کفو کے سلسلے میں پیشے کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پیشہ لازم نہیں ہوتا یعنی آدمی ہمیشہ ایک ہی پیشے سے وابستہ نہیں رہتا بلکہ پیشہ بدلتا رہتا ہے لہٰذا اگر آج کسی گھٹیا پیشے سے وابستہ ہے تو کل وہ اچھا اور باعث فخر پیشہ بھی اختیار کر سکتا ہے۔

نوٹ: اگر لڑکی کا والد یا خاندان بھی اسی پیشے سے وابستہ ہوں جو اس لڑکے کا ہے تو اس سلسلے میں انھیں عار محسوس نہ ہوگی لہٰذا وہ اس کا کفو ہوگا اگرچہ ادنیٰ قسم کا پیشہ ہو۔ (۱۲ ہزاروی)

حجامت سے مراد پچھنہ لگانا یعنی جسم سے خون نکالنا ہے بال وغیرہ کاٹنا مراد نہیں اگرچہ اس پیشے کو بھی ادنیٰ سمجھا جاتا ہے۔

مہر مثل سے کم مہر پر عورت کا شادی کرنا

(۷۳) قَالَ: [وَإِذَا تَزَوَّجَتِ الْمَرْأَةُ وَنَقَصَتْ عَنْ مَهْرِ مِثْلِهَا فَلِلْأَوْلِيَاءِ الْاِعْتِرَاضُ عَلَيْهَا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ حَتّٰى يُتِمَّ لَهَا مَهْرَ مِثْلِهَا أَوْ يُفَارِقَهَا] وَقَالَا: لَيْسَ لَهُمْ ذٰلِكَ۔

وَهٰذَا الْوَضْعُ إِنَّمَا يَصِحُّ عَلٰى قَوْلِ مُحَمَّدٍ عَلٰى اِعْتِبَارِ قَوْلِهِ الْمَرْجُوْعِ إِلَيْهِ فِي النِّكَاحِ بِغَيْرِ الْوَلِيِّ، وَقَدْ صَحَّ ذٰلِكَ وَهٰذِهِ شَهَادَةٌ صَادِقَةٌ عَلَيْهِ.

لَهُمَا أَنَّ مَا زَادَ عَلَى الْعَشَرَةِ حَقُّهَا وَمَنْ أَسْقَطَ حَقَّهُ لَا يُعْتَرَضُ عَلَيْهِ كَمَا بَعْدَ التَّسْمِيَةِ۔

وَلِأَبِيْ حَنِيْفَةَ أَنَّ الْأَوْلِيَاءَ يَفْتَخِرُوْنَ بِغَلَاءِ الْمَهْرِ وَيَتَعَيَّرُوْنَ بِنُقْصَانِهِ فَأَشْبَهَ الْكَفَاءَةَ.

بِخِلَافِ الْإِبْرَاءِ بَعْدَ التَّسْمِيَةِ؛ لِأَنَّهُ لَا يُتَعَيَّرُ بِهِ۔

ترجمہ: فرماتے ہیں: [اور جب کوئی عورت خود اپنا نکاح کرے اور مہر مثل سے کم مہر رکھے تو اس کے اولیاء کو اس پر اعتراض کا حق ہے یہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے یہاں تک کہ اس کے لیے مہر مثل ہو یا جدائی]

اور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں ان کو یہ حق نہیں اور یہ مسئلہ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کے اعتبار پر ہوگا جس کی طرف آپ نے رجوع کیا کہ عورت ولی کے بغیر نکاح کر سکتی ہے اور یہ بات صحیح ثابت ہے اور یہ مسئلہ اس (رجوع) پر سچی گواہی ہے۔

صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ دس (درہم) سے زائد عورت کا حق ہے اور جو شخص اپنا حق ساقط کرے اس پر اعتراض نہیں ہو سکتا جس طرح مہر مقرر کرنے کے بعد (ساقط کرے)

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ (عورت کے) ولی مہر کے زیادہ ہونے پر فخر کرتے اور اس کی کمی پر عار محسوس کرتے ہیں لہٰذا یہ کفو کے مشابہ ہو گیا اور مقرر کرنے کے بعد بری الذمہ قرار دینا اس کے خلاف ہے کیونکہ اسے باعث

عار نہیں سمجھا جاتا۔

توضیح: چونکہ احناف کے نزدیک عاقلہ بالغہ لڑکی اپنا نکاح ولی کے بغیر خود کر سکتی ہے لہٰذا اگر اس نے نکاح کرتے وقت مہر مثل سے کم مہر رکھا تو اس کے ولی اعتراض کر سکتے ہیں حتیٰ کہ اس کا شوہر مہر مکمل کرے یا اسے چھوڑ دے یہ بات امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔

نوٹ: اس لڑکی کے ددھیال میں لڑکیوں کا جو مہر عام طور پر مقرر ہوتا ہے اس کو مہر مثل کہا جاتا ہے۔

صاحبین فرماتے ہیں اس لڑکی کے ولی اس عمل پر اعتراض نہیں کر سکتے۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ کم از کم مہر دس درہم ہے اور یہ لازمی ہے اس سے زائد لڑکی کا حق ہے اور جس شخص کا کوئی حق ہو وہ اسے ساقط کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔

بطور شہادت صاحبین فرماتے ہیں جس طرح مہر مقرر ہو جائے تو اس کے بعد لڑکی پورا یا بعض مہر ساقط کر سکتی ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ عرف میں مہر کا زیادہ ہونا باعث فخر ہوتا ہے اور اگر کم ہو تو عار شمار ہوتا ہے لہٰذا جس طرح لڑکی غیر کفو میں نکاح کرے تو خاندان والے شرمندگی محسوس کرتے ہیں اور تفریق کروا سکتے ہیں مہر کی کمی کا معاملہ بھی اسی طرح ہے۔

صاحبین کے قول کے حوالے سے صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ صاحبین کا یہ اختلاف اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے پہلے قول سے رجوع کر لیا پہلے ان کا قول یہ تھا کہ اگر بالغہ لڑکی اپنا نکاح خود کرے تو ولی کی اجازت پر موقوف ہوگا اس قول کے مطابق لڑکی کا خود نکاح کرنا درست نہیں، لیکن جب انہوں نے فرمایا کہ لڑکی کم مہر پر نکاح کرے تو اس کے ولی کو اعتراض کا حق نہیں تو اس سے واضح ہو گیا کہ ان کے نزدیک بھی بالغہ عاقلہ لڑکی اپنا نکاح خود کر سکتی ہے اور یہ نکاح منعقد ہو جائے گا موقوف نہیں ہوگا۔

صاحبین کے اس استشہاد کہ عورت مقررہ مہر میں کمی کر سکتی ہے کا، حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ جب مہر مناسب مقدار میں مقرر ہو پھر عورت اپنی مرضی سے کم کرے یا اسے مکمل طور پر ساقط کر دے تو یہ شرمندگی کا باعث نہیں ہوتا بلکہ اسے عزت کا باعث سمجھا جاتا ہے لہٰذا اس مذکورہ مسئلہ کو اس پر قیاس نہیں کر سکتے۔

جب نابالغ لڑکے یا لڑکی کا باپ کم مہر مقرر کرے

(۴۷) [وَاِذَا زَوَّجَ الْاَبُ بِنْتَهُ الصَّغِيْرَةَ وَنَقَصَ عَنْ مَهْرِهَا اَوْ اِبْنَهُ الصَّغِيْرَ وَزَادَ فِيْ مَهْرِ امْرَاَتِهٖ جَازَ ذٰلِكَ عَلَيْهِمَا، وَلَا يَجُوْزُ ذٰلِكَ لِغَيْرِ الْاَبِ وَالْجَدِّ، وَهٰذَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ، وَقَالَا: لَا يَجُوْزُ الْحَطُّ وَالزِّيَادَةُ اِلَّا بِمَا يَتَغَابَنُ النَّاسُ فِيْهِ]

وَمَعْنٰى هٰذَا الْكَلَامِ اَنَّهٗ لَا يَجُوْزُ الْعَقْدُ عِنْدَهُمَا؛ لِاَنَّ الْوَلَايَةَ مُقَيَّدَةٌ بِشَرْطِ النَّظَرِ فَعِنْدَ فَوَاتِهٖ يَبْطُلُ الْعَقْدُ.

وَهٰذَا لِاَنَّ الْحَطَّ عَنْ مَهْرِ الْمِثْلِ لَيْسَ مِنَ النَّظَرِ فِيْ شَيْءٍ كَمَا فِي الْبَيْعِ. وَلِهٰذَا لَا يَمْلِكُ ذٰلِكَ غَيْرُهُمَا۔

وَلِاَبِيْ حَنِيْفَةَ اَنَّ الْحُكْمَ يُدَارُ عَلٰى دَلِيْلِ النَّظَرِ وَهُوَ قُرْبُ الْقَرَابَةِ. وَفِي النِّكَاحِ مَقَاصِدُ تَرْبُوْ عَلَى الْمَهْرِ۔

اَمَّا الْمَالِيَّةُ فَهِيَ الْمَقْصُوْدُ فِي التَّصَرُّفِ الْمَالِيِّ وَالدَّلِيْلُ عَدِمْنَاهُ فِيْ حَقِّ غَيْرِهِمَا۔

ترجمہ: [جب باپ اپنی نابالغ بیٹی کا نکاح کر کے دے اور اس کا مہر (مہر مثل سے) کم رکھے یا اپنے بیٹے کا نکاح کرے اور اس کی بیوی کا مہر زیادہ رکھے تو دونوں طرح جائز ہے۔لیکن باپ یا دادا کے علاوہ کسی کے لیے ایسا کرنا جائز نہیں۔ یہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔اور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کم کرنا یا زیادہ اسی قدر جائز ہے جس قدر لوگ کمی زیادتی کرتے ہیں]۔

اس کلام کا مطلب یہ ہے کہ (اس صورت میں) صاحبین کے نزدیک نکاح جائز نہیں ہوگا کیونکہ ولایت شفقت کے ساتھ مقید ہے اور یہ شرط نہ پائی جائے تو عقد باطل ہو جائے گا۔

کیونکہ مہر مثل سے کم کرنے میں کسی قسم کی شفقت نہیں جیسے خرید وفروخت میں ہوتا ہے اسی لیے باپ دادا کے علاوہ کسی کو یہ اختیار نہیں۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حکم کا دارومدار شفقت کی دلیل پر ہے اور وہ قرابت کا قرب ہے اور نکاح میں مقاصد مہر سے بڑھ کر ہوتے ہیں۔

اور جہاں تک مالیت کا تعلق ہے تو مالی تصرف میں مالیت ہی مقصود ہوتی ہے اور ان دونوں (باپ دادا) کے غیر میں ہم نے دلیل کو معدوم پایا (یعنی قرابت کو معدوم پایا)۔

توضیح: اگر لڑکی کا باپ اس کا نکاح کر کے دے اور مہر مثل سے کم ہو تو یہ شفقت کے خلاف ہے جس طرح باپ اپنی اولاد کا مال کم قیمت پر فروخت کرے تو جائز نہیں۔

اور چونکہ شفقت بنیاد ہے اسی لیے باپ دادا کے علاوہ کوئی دوسرا ولی کم مہر پر نکاح کر کے دینے کا مجاز نہیں۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حکم کا دارومدار شفقت کی دلیل پر ہے (کیونکہ شفقت ایک پوشیدہ امر ہے)۔

اور شفقت کی دلیل قریبی قرابت کا ہونا ہے جو باپ دادا کو حاصل ہے آپ کی دلیل اس حکمت پر مبنی ہے کہ بعض اوقات ایک اچھا رشتہ ملتا ہے تو کم مہر پر قبول کرنا پڑتا ہے کیونکہ نکاح کے مقاصد مہر پر فوقیت رکھتے ہیں اس لیے مہر کی کمی کی

وجہ سے ان مقاصد کو ترک نہ کیا جائے جہاں تک بیع کا تعلق ہے تو اس پر قیاس صحیح نہیں کیونکہ بیع میں مقصود مال ہوتا ہے لہٰذا اگر اس میں کمی ہوئی تو گویا کوئی مقصد حاصل نہ ہوا۔

اور جہاں تک باپ دادا کے علاوہ اولیاء کا تعلق ہے تو ان میں شفقت کی دلیل معدوم ہے یعنی قرابت قریبہ نہیں لہٰذا باپ دادا کو ان پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

نابالغ بیٹے یا بیٹی کا لونڈی یا غلام سے نکاح کرنا

(۷۵) [وَمَنْ زَوَّجَ ابْنَتَهُ وَهِيَ صَغِيْرَةٌ عَبْدًا اَوْ زَوَّجَ اِبْنَهُ وَهُوَ صَغِيْرٌ اَمَةً فَهُوَ جَائِزٌ] قَالَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ [وَهٰذَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ اَيْضًا]؛ لِاَنَّ الْاِعْرَاضَ عَنِ الْكَفَاءَةِ لِمَصْلَحَةٍ تَفُوْقُهَا وَعِنْدَهُمَا هُوَ ضَرَرٌ ظَاهِرٌ لِعَدَمِ الْكَفَاءَةِ فَلَا يَجُوْزُ۔

ترجمہ: [اور جس شخص نے اپنی نابالغ بیٹی کا نکاح کسی غلام سے کیا یا اپنے نابالغ بیٹے کا نکاح کسی لونڈی کے ساتھ کیا تو یہ جائز ہے]۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں [یہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے] کیونکہ کسی ایسی مصلحت کے لیے کفو کو چھوڑنا ہے جو کفو پر فوقیت رکھتی ہے۔

اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک واضح ضرر ہے کیونکہ کفو نہیں لہٰذا جائز ہے۔

توضیح: اگر باپ بیٹی کا نکاح کسی غلام سے یا اپنے بیٹے کا نکاح کسی لونڈی سے کرے تو حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے جب کہ صاحبین اسے ناجائز قرار دیتے ہیں۔

حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بعض اوقات کسی اچھے مقصد کے لیے کفو کو نظر انداز کرنا پڑتا ہے۔

صاحبین فرماتے ہیں کفو نہ ہونے کی وجہ سے لڑکی کو ضرر پہنچتا ہے اور یہ واضح ہے لہٰذا جائز نہیں۔

نوٹ: یہ بات یاد رہے کہ آج کے دور میں غلاموں اور لونڈیوں کا وجود نہیں لیکن اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اگر کسی اچھے مقصد کے لیے باپ اپنی بیٹی کا نکاح غیر کفو میں کر دے اور لڑکی کو بھی اعتراض نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ (۱۲ ہزاروی)

نکاح میں ولایت کے احکام

وکیل کا خود اپنے ساتھ نکاح کرنا

(۷۶) [وَيَجُوْزُ لِابْنِ الْعَمِّ اَنْ يُّزَوِّجَ بِنْتَ عَمِّهٖ مِنْ نَفْسِهٖ] وَقَالَ زُفَرُ: لَا يَجُوْزُ [وَاِنْ اَذِنَتِ الْمَرْاَةُ لِلرَّجُلِ اَنْ يُّزَوِّجَهَا مِنْ نَفْسِهٖ فَعَقَدَ بِحَضْرَةِ شَاهِدَيْنِ جَازَ] وَقَالَ زُفَرُ وَالشَّافِعِيُّ: لَا يَجُوْزُ۔

لَهُمَا اَنَّ الْوَاحِدَ لَا يُتَصَوَّرُ اَنْ يَّكُوْنَ مُمَلِّكًا وَّمُتَمَلِّكًا كَمَا فِي الْبَيْعِ.

اِلَّا اَنَّ الشَّافِعِيَّ يَقُوْلُ فِي الْوَلِيِّ ضَرُوْرَةً؛ لِاَنَّهٗ لَا يَتَوَلَّاهُ سِوَاهُ. وَلَا ضَرُوْرَةَ فِي حَقِّ الْوَكِيْلِ۔

وَلَنَا اَنَّ الْوَكِيْلَ فِي النِّكَاحِ سَفِيْرٌ وَّمُعَبِّرٌ. وَالتَّمَانُعُ فِي الْحُقُوْقِ دُوْنَ التَّعْبِيْرِ وَلَا تَرْجِعُ الْحُقُوْقُ اِلَيْهِ.

بِخِلَافِ الْبَيْعِ؛ لِاَنَّهٗ مُبَاشِرٌ حَتّٰى رَجَعَتِ الْحُقُوْقُ اِلَيْهِ. وَاِذَا تَوَلّٰى طَرَفَيْهِ فَقَوْلُهٗ زَوَّجْتُ يَتَضَمَّنُ الشَّطْرَيْنِ فَلَا يَحْتَاجُ اِلَى الْقَبُوْلِ

ترجمہ: [اور چچا کے بیٹے کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے چچا کی بیٹی کو خود اپنے نکاح میں دے] حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ جائز نہیں۔

[اور اگر کسی عورت نے کسی مرد کو اجازت دی کہ وہ اس سے نکاح کرے اور دو گواہ موجود ہوں تو جائز ہے]۔

حضرت امام زفر اور حضرت امام شافعی رحمہما اللہ فرماتے ہیں جائز نہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ ایک ہی کا شخص مالک بنانے والا اور مالک بننے والا ہونا تصور نہیں کیا جا سکتا جس طرح بیع میں (یہ نہیں ہوتا)۔

مگر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ولی کے سلسلے میں یہ عمل ضرورت کے تحت ہوتا ہے کیوں کہ اس کے سوا کسی کو یہ ولایت حاصل نہیں اور وکیل کے حق میں اس کی ضرورت نہیں۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ نکاح میں وکیل سفیر اور معبر (تعبیر کرنے والا) ہوتا ہے اور ممانعت حقوق میں ہے تعبیر میں نہیں اور حقوق اس (وکیل) کی طرف نہیں لوٹتے بخلاف بیع کے کیونکہ وہ خود عمل کرنے والا ہے حتیٰ کہ حقوق اسی کی طرف لوٹتے ہیں پس جب وہ دونوں طرفوں کی ولایت کا مالک ہوگا تو اس کا قول میں نے نکاح میں دیا دونوں طرفوں کو شامل ہوگا لہٰذا لفظ قبول کی ضرورت نہیں ہوگی۔

توضیح: بعض اوقات نکاح کرنے والا عورت کا ولی ہوتا ہے اور کبھی وکیل بھی ہوتا ہے جیسے چچا کا بیٹا جب ولی ہو اور اسی لڑکی سے نکاح کرے جس کا ولی ہے اسی طرح اگر عورت کسی ایسے شخص کو اپنے نکاح کا وکیل بنائے جو خود اس سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو اس صورت میں لفظ قبول کی ضرورت نہیں ہوگی۔ مثلاً چچا کا بیٹا جب اپنی چچازاد سے نکاح کرے اور اس کا ولی بھی ہو تو وہ دونوں طرف سے ولی ہوگا اور اس کا یہ کہنا کافی ہوگا کہ میں نے تجھ سے نکاح کیا لیکن دو گواہوں کی موجودگی ضروری ہے اسی طرح عورت کا وکیل جب خود اس سے نکاح کرے تو یہی الفاظ کہے گا اور قبولیت کا لفظ کہنے کی ضرورت نہیں ہوگی حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ چچازاد ولی کے مسئلہ میں فرماتے ہیں اس طرح جائز نہیں۔

دوسرے مسئلہ میں حضرت امام شافعی اور حضرت امام زفر رحمہما اللہ دونوں کا اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں یہ جائز نہیں۔ وہ فرماتے ہیں: یہ بات تصور نہیں کی جاتی کہ ایک ہی شخص مُمَلِّك (مالک بنانے والا) اور مُتَمَلِّك (مالک بننے والا) ہو یعنی چچازاد یا وکیل عورت کو اپنی ملک میں دے اور خود اس کی ملکیت کو قبول کرنے والا ہو۔

انہوں نے اس کو بیع پر قیاس کیا کہ کوئی شخص خود فروخت کرنے والا اور خود ہی خریدنے والا ہو تو ایسا نہیں ہوسکتا۔

اعتراض

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراض ہوا کہ آپ نے وکیل کے حوالے سے یہ اعتراض کیا کہ ایک ہی شخص دو طرفوں کا ولی نہیں ہوسکتا لیکن چچازاد والے مسئلہ میں آپ جواز کے قائل ہیں کہ وہ دونوں طرف کا ولی ہوسکتا ہے اس فرق کی وجہ کیا ہے؟

جواب

وہ فرماتے ہیں ولی کے معاملے میں ضرورت ہے کیونکہ اس کے بغیر کوئی دوسرا شخص لڑکی کا ولی نہیں اور وکیل کے حق میں ضرورت نہیں (یعنی اس کے علاوہ کسی دوسرے کو وکیل بنایا جاسکتا ہے) ہماری دلیل یہ ہے کہ نکاح میں وکیل محض سفیر ہوتا ہے نکاح کے حقوق میاں بیوی کی طرف لوٹتے ہیں جہاں دونوں طرف کے حقوق ایک ہی شخص کی طرف لوٹتے ہوں وہاں ممانعت ہے جیسے بیع میں حقوق بائع اور مشتری کی طرف لوٹتے ہیں بائع مبیع دیتا اور ثمن وصول کرتا ہے اور مشتری ثمن دے کر مبیع وصول کرتا ہے تو ایک ہی آدمی مبیع دے اور خود وصول کرے ایسا نہیں ہوسکتا لہٰذا بیع میں ایک آدمی کا دونوں طرف سے وکیل بننا درست نہیں لیکن نکاح میں چونکہ وہ محض ایجاب و قبول کا واسطہ ہوتا ہے بضع سے نفع کا مالک شوہر اور مہر کی مالک بیوی ہوتی ہے لہٰذا یہ جائز ہے

آقا کی اجازت کے بغیر غلام اور لونڈی کا نکاح کرنا

(۷۷) قَالَ [وَتَزْوِيجُ الْعَبْدِ وَالْاَمَةِ بِغَيْرِ اِذْنِ مَوْلَاهُمَا مَوْقُوفٌ فَاِنْ اَجَازَهُ الْمَوْلٰى جَازَ، وَاِنْ رَدَّهُ بَطَلَ، وَكَذٰلِكَ لَوْ زَوَّجَ رَجُلٌ امْرَاَةً بِغَيْرِ رِضَاهَا اَوْ رَجُلًا بِغَيْرِ رِضَاهُ]

وَهٰذَا عِنْدَنَا فَإِنَّ كُلَّ عَقْدٍ صَدَرَ مِنَ الْفُضُوْلِيِّ وَلَهٗ مُجِيْزٌ اِنْعَقَدَ مَوْقُوْفًا عَلَى الْاِجَازَةِ.
وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: تَصَرُّفَاتُ الْفُضُوْلِيِّ كُلُّهَا بَاطِلَةٌ لِاَنَّ الْعَقْدَ وُضِعَ لِحُكْمِهٖ. وَالْفُضُوْلِيُّ لَا يَقْدِرُ عَلٰى اِثْبَاتِ الْحُكْمِ فَتَلْغُوْ.
وَلَنَا اَنَّ رُكْنَ التَّصَرُّفِ صَدَرَ مِنْ اَهْلِهٖ مُضَافًا اِلٰى مَحَلِّهٖ. وَلَا ضَرَرَ فِي انْعِقَادِهٖ فَيَنْعَقِدُ مَوْقُوْفًا.
حَتّٰى اِذَا رَاَى الْمَصْلَحَةَ فِيْهِ يُنَفِّذُهٗ. وَقَدْ يَتَرَاخٰى حُكْمُ الْعَقْدِ عَنِ الْعَقْدِ

ترجمہ: فرماتے ہیں: [اور مولیٰ کی اجازت کے بغیر غلام اور لونڈی کا نکاح موقوف ہوگا پس اگر آقا اجازت دے تو جائز ہوگا اور اگر رد کر دے تو باطل ہوگا اور اسی طرح اگر کوئی شخص کسی عورت کا نکاح اس کی رضامندی معلوم کرنے کے بغیر کر کے دے یا کسی مرد کا نکاح اس کی رضامندی کے بغیر کرے] (تو اس کا یہی حکم ہے کہ موقوف ہوگا)

اور یہ ہمارے نزدیک ہے کیونکہ جو عقد فضولی سے عمل میں آئے اور اس کی اجازت دینے والا کوئی ہو تو وہ اس کی اجازت پر موقوف منعقد ہوگا اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں فضولی کے تمام تصرفات باطل ہیں کیونکہ عقد اس لیے وضع ہوا کہ اس پر اس کا حکم لگایا جائے اور فضولی حکم ثابت کرنے پر قادر نہیں پس (یہ عقد) لغو ہو جائے گا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ تصرف کا رکن اپنے اہل سے صادر ہوا اور اپنے محل کی طرف مضاف ہوا اور اس کے انعقاد میں کوئی نقصان بھی نہیں پس (اجازت پر) موقوف منعقد ہوگا۔

حتیٰ کہ اگر (وہ جس کا نکاح کیا) اس میں بہتری دیکھے تو نافذ کر دے اور بعض اوقات حکم، عقد سے موخر ہوتا ہے۔

توضیح: یہاں دو مسئلے ذکر کیے گئے۔

پہلا مسئلہ: کسی شخص نے کسی لونڈی یا غلام کا نکاح ان کے آقا کی اجازت کے بغیر کر دیا تو یہ نکاح موقوف ہوگا یعنی اگر آقا اجازت دے تو منعقد ہو جائے گا ورنہ نہیں۔

دوسرا مسئلہ: کسی شخص نے کسی لڑکے یا لڑکی کا نکاح کر دیا اور ان سے اجازت نہیں لی تھی تو یہ بھی ان کی اجازت پر موقوف ہوگا اگر وہ اجازت دیں تو نافذ ہو جائے گا ورنہ نہیں۔

نوٹ: ایسا شخص جو کسی کی اجازت کے بغیر کسی کا نکاح کرے حالانکہ اس نے اسے وکیل نہیں بنایا اور وہ ولی بھی نہیں ہے تو وہ نکاح کرنے والا فضولی کہلاتا ہے۔ ہمارے ائمہ ثلاثہ احناف کے نزدیک یہ صورت جائز ہے یعنی جب کوئی فضولی کسی کا نکاح کرے اور اس کی اجازت دینے والا کوئی ہو تو یہ بطور موقوف منعقد ہوتا ہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: فضولی کے تمام عقود باطل ہوتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ عقد کی وضع اس لیے ہے کہ اس کے بعد اس پر حکم لگایا جائے اور فضولی حکم کو ثابت نہیں کر سکتا لہٰذا اس کا عقد لغو ہوگا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ جب کوئی تصرف یعنی عمل ہوتا ہے تو اس کا رکن دو چیزیں ہیں ایک یہ کہ عقد کرنے والا اس کا اہل ہو اور جس پر عقد ہو رہا ہے وہ اس کا محل ہو تو چونکہ وہ شخص عاقل بالغ ہے اور جس کا نکاح کیا وہ کسی کی بیوی نہیں لہٰذا دونوں باتیں پائی گئیں۔

رہی یہ بات کہ اس کے عقد کرنے سے لڑکے یا لڑکی کو کوئی نقصان ہو تو یہ بات بھی نہیں کیونکہ یہ عقد لازم نہیں بلکہ موقوف ہوتا ہے یہاں تک کہ جس کا نکاح کیا اگر وہ مناسب سمجھے تو اجازت دے ورنہ رد کر دے۔

رہا یہ سوال کہ عقد کا حکم نافذ نہیں ہو رہا تو اس کا جواب یہ ہے کہ بعض اوقات حکم عقد سے متاخر ہوتا ہے فوری طور پر نافذ نہیں ہوتا۔

اس کی مثال خیار شرط ہے یعنی جب دو آدمی باہم بیع کا عقد کریں اور کوئی ایک یا دونوں خیار شرط رکھیں تو یہاں عقد ہو جاتا ہے لیکن تین دن تک اس کا حکم نافذ نہیں ہوتا جب تک وہ شخص اپنی رائے ظاہر نہ کرے۔

نوٹ: نکاح فضولی میں حکمت یہ ہے کہ بعض اوقات کسی شخص کو اپنی بیٹی کے لیے مناسب رشتہ مطلوب ہوتا ہے اس دوران کسی دوسرے شخص کو کسی مناسب رشتے کا پتہ چلتا ہے اگر وہ اس میں تاخیر کرے حتیٰ کہ لڑکی کے والد کو بتائے تو وہ رشتہ ہاتھ سے نکل سکتا ہے اس لیے فضولی فوراً نکاح کر دیتا ہے اور بعد میں اجازت سے اس کا نفاذ ہو جاتا ہے۔ (۱۲ ہزاروی)

ایجاب وقبول کی مجلس

(۷۸) [وَمَنْ قَالَ اشْهَدُوْا اَنِّيْ قَدْ تَزَوَّجْتُ فُلَانَةَ فَبَلَغَهَا فَاَجَازَتْ فَهُوَ بَاطِلٌ. وَاِنْ قَالَ اٰخَرُ اشْهَدُوْا اَنِّيْ قَدْ زَوَّجْتُهَا مِنْهُ فَبَلَغَهَا الْخَبَرُ فَاَجَازَتْ جَازَ. وَكَذٰلِكَ اِنْ كَانَتِ الْمَرْاَةُ هِيَ الَّتِيْ قَالَتْ جَمِيْعَ ذٰلِكَ] وَهٰذَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ. وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ: اِذَا زَوَّجَتْ نَفْسَهَا غَائِبًا فَبَلَغَهُ فَاَجَازَهُ جَازَ۔

وَحَاصِلُ الْخِلَافِ اَنَّ الْوَاحِدَ لَا يَصْلُحُ فُضُوْلِيًّا مِنَ الْجَانِبَيْنِ اَوْ فُضُوْلِيًّا مِنْ جَانِبٍ وَاَصِيْلًا مِنْ جَانِبٍ عِنْدَهُمَا خِلَافًا لَهُ۔

ترجمہ: [اور کوئی شخص کہے کہ گواہ ہو جاؤ کہ میں نے فلاں عورت سے نکاح کر لیا ہے اس عورت تک یہ بات پہنچی اور اس نے اجازت دے دی تو یہ باطل ہے اور اگر کوئی شخص کہے کہ گواہ ہو جاؤ تو میں نے فلاں لڑکی کا نکاح فلاں لڑکے سے کر دیا اور اسے خبر پہنچے اور وہ اس کو جائز قرار دے تو یہ جائز ہے اور اسی طرح اگر کوئی عورت یہ تمام باتیں کہے (تو یہی حکم ہے)] یہ حضرت امام ابو حنیفہ اور حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک ہے۔

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر کوئی عورت اپنا نکاح کسی غائب سے کرے پس اسے خبر پہنچے اور وہ جائز قرار دے تو جائز ہے۔

اختلاف کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شخص دونوں طرف سے فضولی ہو یا ایک طرف سے فضولی اور دوسری طرف سے اصیل ہو تو طرفین کے نزدیک یہ درست نہیں اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک درست ہے۔

توضیح: پہلی صورت میں جب وہ کہتا ہے کہ میں نے فلاں عورت سے اپنا نکاح کیا تو وہ اپنی جانب سے اصیل اور عورت کی طرف سے فضولی ہے تو یہ نکاح باطل ہے۔

دوسری صورت میں جب وہ کہتا ہے کہ میں نے اس عورت کا فلاں مرد سے نکاح کیا تو وہ دونوں کی طرف سے فضولی ہے کہ ان دونوں نے نہ اسے وکیل بنایا اور نہ ہی وہ ان کا ولی ہے۔

اور دونوں صورتوں میں اس نے اس عقد پر گواہ بھی بنائے اگر کوئی اس طرح کرے تو بھی یہی حکم ہوگا۔

یہ حکم حضرت امام ابو حنیفہ اور حضرت امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک ہے جب کہ حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر کوئی عورت اپنا نکاح کسی غائب مرد سے کرے اور وہ اسے جائز قرار دے تو یہ جائز ہے۔

دو فضولیوں یا ایک فضولی کے درمیان عقد کا جواز

(۷۹) وَلَوْ جَرَى الْعَقْدُ بَيْنَ الْفُضُولِيَّيْنِ اَوْ بَيْنَ الْفُضُولِيِّ وَالْاَصِيْلِ جَازَ بِالْاِجْمَاعِ۔

هُوَ يَقُوْلُ لَوْ كَانَ مَأْمُوْرًا مِنَ الْجَانِبَيْنِ يَنْفُذُ. فَاِذَا كَانَ فُضُوْلِيًّا يَتَوَقَّفُ وَصَارَ كَالْخُلْعِ وَالطَّلَاقِ وَالْاِعْتَاقِ عَلٰى مَالٍ۔

وَلَهُمَا اَنَّ الْمَوْجُوْدَ شَطْرُ الْعَقْدِ؛ لِاَنَّهٗ شَطْرٌ حَالَةَ الْحَضْرَةِ فَكَذَا عِنْدَ الْغَيْبَةِ. وَشَطْرُ الْعَقْدِ لَا يَتَوَقَّفُ عَلٰى مَا وَرَاءَ الْمَجْلِسِ كَمَا فِي الْبَيْعِ. بِخِلَافِ الْمَامُوْرِ مِنَ الْجَانِبَيْنِ؛ لِاَنَّهٗ يَنْتَقِلُ كَلَامُهٗ اِلَى الْعَاقِدَيْنِ. وَمَا جَرٰى بَيْنَ الْفُضُوْلِيَّيْنِ عَقْدٌ تَامٌّ. وَكَذَا الْخُلْعُ وَاُخْتَاهُ؛ لِاَنَّهٗ تَصَرُّفُ يَمِيْنٍ مِنْ جَانِبِهٖ حَتّٰى يَلْزَمَ فَيَتِمُّ بِهٖ۔

ترجمہ: اور اگر دو فضولیوں یا ایک فضولی اور اصیل کے درمیان عقد منعقد ہو تو بالاتفاق جائز ہے۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگر ایک شخص دونوں طرف سے مامور ہو تو (اس کا کیا گیا نکاح) نافذ ہو جاتا ہے تو جب وہ فضولی ہو تو وہ موقوف ہوگا اور یہ خلع اور مال کے بدلے میں طلاق اور آزاد کرنے کی طرح ہے اور صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ موجود، عقد کا ایک حصہ ہے کیونکہ (نکاح کرنے والے کی) موجودگی میں بھی ایک حصہ ہوتا ہے تو غائب ہونے کی صورت میں بھی ایک حصہ ہوگا۔

اور عقد کا حصہ مجلس کے بعد تک موقوف نہیں ہوتا جس طرح بیع میں ہوتا۔

بخلاف اس کے جس کو دونوں طرف سے اجازت دی گئی ہو کیونکہ اس کا کلام دونوں عقد کرنے والوں کی طرف منتقل

8

ہو جاتا ہے اور دو فضولیوں کے درمیان جو کچھ جاری ہوتا ہے وہ مکمل عقد ہوتا ہے اسی طرح خلع اور اس کے ساتھ دو مذکورہ باتیں کیونکہ مرد کی طرف سے مشروط تصرف ہے پس وہ لازم ہو کر مکمل ہو جائے گا۔

توضیح: دو فضولیوں کے درمیان عقد کا مطلب یہ ہے کہ لڑکی کا نکاح کرنے والا ایسا شخص ہو جس کو وکیل نہیں بنایا گیا اور لڑکے کی طرف سے قبول کرنے والا دوسرا شخص ہو اور اسے بھی لڑکے نے وکیل نہیں بنایا۔

ایک فضولی اور ایک اصیل کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً لڑکا جس کا نکاح ہو رہا ہے وہ خود ایجاب یا قبول کرے اور لڑکی کی طرف سے فضولی ہو یا اس کے برعکس ہو یعنی لڑکی خود ایجاب کرے اور لڑکے کی طرف سے فضولی قبول کرے۔

ان دونوں صورتوں کو بالاتفاق جائز قرار دیا گیا ہے گزشتہ مسئلے میں اختلاف کے سلسلے میں دلیل دیتے ہوئے حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگر لڑکے نے ایک شخص کو وکیل بنایا اور لڑکی نے دوسرے شخص کو وکیل بنایا اور ان دونوں نے ان کا آپس میں نکاح کیا تو جائز (اور فوراً منعقد ہو جاتا ہے) اور اگر دونوں فضولی ہوں تو بھی منعقد ہو جائے گا البتہ اجازت پر موقوف ہوگا۔

جیسے کوئی عورت خلع کرے تو وہ خاوند کے قبول کرنے پر موقوف ہوتا ہے یا عورت مال دے کر طلاق حاصل کرنا چاہے تو خاوند کے قبول کرنے پر موقوف ہوتی ہے اور اگر غلام مال دے کر آزادی حاصل کرنا چاہے تو وہ بھی مالک کے قبول کرنے پر موقوف ہوتی ہے۔

طرفین کے نزدیک عدم جواز کی دلیل یہ ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب ایک ہی شخص دونوں طرف سے فضولی ہو یا ایک طرف سے فضولی اور دوسری طرف سے اصیل ہو تو عقد کے دو حصوں میں سے ایک پایا گیا جس طرح اگر لڑکی یا لڑکا موجود ہو تو ایک کا قول عقد کا ایک ہی حصہ ہوتا ہے تو عدم موجودگی میں بھی اسی طرح ایک ہی حصہ ہوگا۔

اور اس حصے کا جواب مثلاً قبول کرنا مجلس کے اندر ضروری ہے مجلس کے ختم ہونے کے بعد نہیں ہو سکتا جس طرح بائع کے قول کہ ''میں نے بیچا'' کا جواب خریدار کی طرف سے مجلس کے اندر ضروری ہے۔

جہاں تک ان دو آدمیوں کا تعلق ہے جن کو مرد و عورت نے اپنا وکیل بنایا کیونکہ ان کا کلام عاقدین کی طرف منتقل ہوتا ہے گویا خود لڑکے اور لڑکی نے ایک مجلس میں ایجاب و قبول کیا۔

لہٰذا جو عقد دو فضولیوں کے درمیان ہوگا وہ مکمل عقد ہوگا خلع وغیرہ کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ یہ ایسا تصرف ہے جو دوسرے کے جواب کے ساتھ مشروط ہے۔

یعنی ایک نے کہا کہ میں نے فلاں لڑکے کا نکاح فلاں لڑکی کے ساتھ کیا دوسرے نے کہا میں نے اس لڑکی کی طرف سے قبول کیا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہاں چار صورتیں ہیں:

① ایک ہی شخص دونوں کی طرف سے فضولی ہے۔

② ایک ہی شخص ایک طرف سے اصیل (خود نکاح کرنے والا) اور دوسری طرف سے فضولی ہو۔

8/8

③ دو شخص دو طرفوں سے فضولی ہوں۔ ④ ایک شخص اصیل ہو اور دوسرا شخص فضولی ہو۔

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عقد صحیح ہوگا اور موقوف ہوگا یعنی چاروں صورتوں میں صحیح ہوگا طرفین کے نزدیک پہلی دو صورتوں میں عقد باطل ہوگا دوسری دو صورتوں میں صحیح ہوگا۔ گویا پچھلی دو صورتوں میں بالاتفاق صحیح ہے اور پہلی دو صورتوں میں اختلاف ہے۔

موکل کی ہدایت کے خلاف وکیل نکاح کرے

(۸۰) [وَمَنْ اَمَرَ رَجُلًا اَنْ يُّزَوِّجَهُ اِمْرَاَةً فَزَوَّجَهُ اثْنَتَيْنِ فِيْ عُقْدَةٍ لَّمْ تَلْزَمْهُ وَاحِدَةٌ مِّنْهُمَا]؛ لِاَنَّهُ لَا وَجْهَ اِلَى تَنْفِيْذِهِمَا لِلْمُخَالَفَةِ وَلَا اِلَى التَّنْفِيْذِ فِيْ اِحْدَاهُمَا غَيْرَ عَيْنٍ لِلْجَهَالَةِ وَلَا اِلَى التَّعْيِيْنِ لِعَدَمِ الْاَوْلَوِيَّةِ فَتَعَيَّنَ التَّفْرِيْقُ

ترجمہ: [کسی شخص نے دوسرے آدمی سے کہا (اسے وکیل بنایا) کہ وہ اس کا نکاح کسی ایک عورت سے کر دے اس نے اس کا نکاح دو عورتوں سے ایک ہی عقد میں کیا تو اسے ان میں سے ایک بھی لازم نہیں ہوگا] کیونکہ ان دونوں کے نکاح کو نافذ کرنے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ اس میں (موکل کے حکم کی) مخالفت ہے۔

اور ان میں سے کسی ایک غیر معین کا نکاح نافذ کرنے کی بھی کوئی صورت نہیں کیونکہ وہ مجہول ہے اور متعین بھی نہیں کیا جا سکتا کیونکہ کسی ایک کو اولیٰ قرار نہیں دیا جا سکتا لہٰذا تفریق متعین ہو گئی۔

توضیح: اگر کوئی شخص دوسرے آدمی کو اپنے نکاح کا وکیل بنائے تو صحیح اور جائز ہے البتہ وکیل کو چاہیے کہ وہ موکل کے حکم اور مرضی کے مطابق عمل کرے۔

اگر وہ اس کے خلاف کرے تو نافذ نہیں ہوگا جیسے اس مثال میں بتایا گیا کہ اس نے ایک عورت سے نکاح کا وکیل بنایا وکیل نے اس کا نکاح دو عورتوں سے ایک ہی عقد میں کر دیا تو موکل کو یہ عقد لازم نہیں ہوگا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اسے ایک عورت بطور بیوی مطلوب ہے لہٰذا دونوں سے نکاح اس کی مرضی کے خلاف ہے اگر کہا جائے کہ ایک کے ساتھ نکاح کو جائز قرار دیا جائے تو یہ اس لیے نہیں ہو سکتا کہ وہ متعین نہیں ہو سکتی لہٰذا اگر غیر متعین کا نکاح صحیح قرار دیا جائے تو وہ مجہول ہے اگر ایک کو متعین کیا جائے تو اسے اولیٰ قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں لہٰذا یہ نکاح جائز نہیں ہوگا۔

وکیل آزاد عورت کی بجائے لونڈی سے نکاح کرے تو کیا ہوگا؟

(۸۱) [وَمَنْ اَمَرَهُ اَمِيْرٌ بِاَنْ يُّزَوِّجَهُ امْرَاَةً فَزَوَّجَهُ اَمَةً لِغَيْرِهِ جَازَ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ] رُجُوْعًا اِلَى اِطْلَاقِ اللَّفْظِ وَعَدَمِ التُّهْمَةِ [وَقَالَا: لَا يَجُوْزُ اِلَّا اَنْ يُّزَوِّجَهُ كُفْوًا]؛ لِاَنَّ الْمُطْلَقَ يَتَصَرَّفُ

اِلَى الْمُتَعَارَفِ وَهُوَ التَّزَوُّجُ بِالْاَكْفَاءِ۔

قُلْنَا اَلْعُرْفُ مُشْتَرَكٌ اَوْ هُوَ عُرْفٌ عَمَلِيٌّ فَلَا يَصْلُحُ مُقَيِّدًا۔

وَذُكِرَ فِي الْوَكَالَةِ اَنَّ اِعْتِبَارَ الْكَفَاءَةِ فِي هٰذَا اسْتِحْسَانٌ عِنْدَهُمَا؛ لِاَنَّ كُلَّ اَحَدٍ لَّا يَعْجِزُ عَنِ التَّزَوُّجِ بِمُطْلَقِ الزَّوْجِ فَكَانَتِ الْاِسْتِعَانَةُ فِي التَّزَوُّجِ بِالْكُفْءِ. وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

ترجمہ: [کسی شخص کو حاکم نے حکم دیا کہ وہ کسی عورت سے اس کا نکاح کردے اس نے دوسرے شخص کی لونڈی کے ساتھ اس کا نکاح کردیا تو حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے] لفظ کے مطلق ہونے اور تہمت نہ ہونے کی طرف رجوع کیا جائے گا [اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں: یہ جائز نہیں مگر یہ کہ اس کا نکاح کفو میں کرے]

کیونکہ مطلق (کلام) متعارف کی طرف پھرتا ہے اور وہ کفو میں نکاح کرنا ہے۔

ہم کہتے ہیں عرف مشترک ہے یا عرف عملی ہے پس اسے مقید کرنا صحیح نہیں۔

اور (مبسوط کی) ''کتاب الوکالت'' میں ذکر کیا گیا کہ اس مسئلہ میں کفو کا اعتبار کرنا صاحبین کے نزدیک بطور استحسان ہے کیونکہ مطلق عورت سے نکاح کرنے سے کوئی شخص عاجز نہیں پس کفو میں نکاح کرنے کے لیے مدد طلب کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔

توضیح: کسی حاکم یا امیر نے دوسرے آدمی سے کہا کہ کسی عورت کے ساتھ اس کا نکاح کرادے اس نے کسی دوسرے آدمی کی لونڈی سے اس کا نکاح کردیا تو اس کے جائز ہونے میں اختلاف ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے اور صاحبین کے نزدیک جائز نہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ امراءۃ (عورت) کا لفظ مطلق ہے آزاد اور لونڈی دونوں پر بولا جاتا ہے دوسری بات یہ کہ اس شخص پر تہمت بھی نہیں آئے گی کیونکہ اس نے اپنی لونڈی کے ساتھ نکاح نہیں کرایا بلکہ دوسرے کی لونڈی سے نکاح کرایا ہے لہٰذا جائز ہے۔

صاحبین رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں: جب مطلق بولا جائے تو عرف کے مطابق مراد ہوتی ہے اور عرف یہ ہے کہ کفو میں نکاح کرایا جائے۔

ہم کہتے ہیں عرف مشترک ہے (یعنی کفو اور غیر کفو دونوں کو شامل ہے) یا عرف پر عمل اسی طرح مطلق ہے لہٰذا اسے کفو کے ساتھ مقید کرنا درست نہیں۔

مبسوط کی کتاب الوکالت میں حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں کفو کا اعتبار کرنا بطور استحسان ہے یعنی قیاس کے مطابق نہیں، اس کی وجہ انہوں نے یہ بتائی ہے کہ مطلقاً کسی بھی خاتون سے نکاح کرنا مشکل نہیں اور کوئی شخص اس سے عاجز نہیں لہٰذا وکیل بنانے کا مقصد یہی ہے کہ کفو میں نکاح کرنے کے لیے مدد حاصل کی جائے۔

مہر کے احکام

مہر ذکر کیے بغیر بھی نکاح صحیح ہوتا ہے

(۸۲) [وَيَصِحُّ النِّكَاحُ وَإِنْ لَّمْ يُسَمِّ فِيهِ مَهْرًا]؛ لِاَنَّ النِّكَاحَ عَقْدُ انْضِمَامٍ وَّازْدِوَاجٍ لُغَةً فَيَتِمُّ بِالزَّوْجَيْنِ. ثُمَّ الْمَهْرُ وَاجِبٌ شَرْعًا اِبَانَةً لِشَرَفِ الْمَحَلِّ فَلَا يَحْتَاجُ اِلٰى ذِكْرِهٖ لِصِحَّةِ النِّكَاحِ.

وَكَذَا اِذَا تَزَوَّجَهَا بِشَرْطِ اَنْ لَّا مَهْرَ لَهَا لِمَا بَيَّنَّا. وَفِيهِ خِلَافُ مَالِكٍ

ترجمہ: [اور نکاح صحیح ہوجاتا ہے اگرچہ مہر کا ذکر نہ کرے] کیونکہ نکاح ملنے اور جوڑا بنانے کا عقد ہے پس وہ مرد اور عورت کے ساتھ مکمل ہوجاتا ہے پھر مہر شرعی طور پر واجب ہے تاکہ محل (شرمگاہ) کی عظمت کو ظاہر کیا جائے لہٰذا نکاح کے صحیح ہونے کے لیے اس کے ذکر کی ضرورت نہیں۔

اور اسی طرح جب اس شرط پر نکاح کرے کہ اس کے لیے مہر نہیں ہوگا جیسا کہ ہم نے بیان کیا اور اس میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے۔

توضیح: یہاں دو مسئلوں کا بیان ہے۔ ایک یہ کہ مہر شرعی طور پر واجب ہے کیونکہ اس کی وجہ سے محل نکاح (شرمگاہ) کی عزت اور احترام ظاہر ہوتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ نکاح میں اس کا ذکر کرنا نکاح کی صحت کے لیے ضروری نہیں بلکہ اس کے ذکر کے بغیر بھی نکاح منعقد ہوجاتا ہے کیونکہ نکاح کا معنیٰ ملنا اور جوڑا بننا ہے اور وہ مرد وعورت کے ایجاب وقبول کے ساتھ مکمل ہوجاتا ہے۔

اسی طرح اگر مرد کہے کہ میں مہر نہیں دوں گا تب بھی نکاح ہوجائے اور مہر واجب ہوگا۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے ان کے نزدیک نکاح میں مہر شرط ہے اور شرط کے بغیر مشروط نہیں پایا جاتا لہٰذا جب تک مہر کا ذکر نہ کیا جائے ان کے نزدیک منعقد نہیں۔

یاد رہے کہ احناف کے نزدیک مہر شرط نہیں بلکہ گواہوں کا ہونا شرط ہے۔

کم از کم مہر دس درہم ہے

(۸۳) [وَاَقَلُّ الْمَهْرِ عَشَرَةُ دَرَاهِمَ] وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: مَا يَجُوْزُ اَنْ يَّكُوْنَ ثَمَنًا فِي الْبَيْعِ، لِاَنَّهٗ حَقُّهَا فَيَكُوْنُ التَّقْدِيْرُ اِلَيْهَا وَلَنَا قَوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «وَلَا مَهْرَ اَقَلُّ مِنْ عَشَرَةٍ» وَلِاَنَّهٗ حَقُّ الشَّرْعِ وُجُوْبًا اِظْهَارًا لِشَرَفِ الْمَحَلِّ فَيَتَقَدَّرُ بِمَا لَهٗ خَطَرٌ وَهُوَ الْعَشَرَةُ اِسْتِدْلَالًا بِنِصَابِ السَّرِقَةِ۔

ترجمہ: [اور مہر کی کم از کم مقدار دس درہم ہے] اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جو چیز بیع میں ثمن (قیمت) بن سکتی ہے وہ مہر بھی بن سکتی ہے کیونکہ یہ عورت کا حق ہے پس اس کی مقدار مقرر کرنا عورت کا اختیار ہے۔

اور ہماری دلیل رسول اکرم ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی ہے:

وَلَا مَهْرَ اَقَلُّ مِنْ عَشَرَةٍ[1]

ترجمہ: اور دس سے کم مہر نہیں۔

نیز وجوب کے اعتبار سے یہ شریعت کا حق ہے تا کہ محل نکاح کا شرف ظاہر ہو پس اتنا مال مقرر ہو گا جس کی قدر و قیمت ہو اور وہ دس (درہم) ہیں کیونکہ چوری کے نصاب سے استدلال کیا گیا۔

توضیح: مہر کی کم از کم مقدار میں اختلاف ہے۔ احناف کے نزدیک کم از کم مقدار دس درہم ہے اس کی دلیل سرکارِ دو عالم ﷺ کی حدیث شریف ہے آپ نے فرمایا: "دس (درہم) سے کم مہر نہیں"۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جتنی رقم کا سودا ہو سکتا ہے اتنی مقدار مہر بن سکتی ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ عورت کا حق ہے لہٰذا وہ جس قدر چاہے مقرر کرے۔ احناف فرماتے ہیں یہ شریعت کا حق ہے اور شریعت نے عورت کی بُضع کے شرف کے طور پر اسے واجب کیا لہٰذا کم از کم مہر اس قدر ہونا چاہیے جس کی قدر و قیمت ہو احناف سرقہ (چوری) کے نصاب سے استدلال کرتے ہیں کہ کم از کم دس درہم کی چوری پر چور کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے لہٰذا مہر بھی کم از کم دس درہم ہو گا اور مذکورہ حدیث شریف سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔

نوٹ: آج کل دس درہم پونے تین تولے چاندی کے برابر ہے لہٰذا پونے تین تولے چاندی کی قیمت لگائی جائے۔

یہ کم از کم مقدار ہے زیادہ کی حد مقرر نہیں لیکن مہر اس قدر مقرر کیا جائے جس کی ادائیگی بھی ہو سکے یعنی درمیانہ راستہ اختیار کیا جائے نہ بہت زیادہ کم ہو اور نہ ہی بہت زیادہ۔

[1] دار قطنی کتاب النکاح، باب المهر، حدیث: ۳۵۵۹

اگر مہر دس درہم سے کم مقرر کیا تو کیا حکم ہوگا؟

(۸۴) [وَلَوْ سَمّٰى اَقَلَّ مِنْ عَشْرَةٍ فَلَهَا الْعَشَرَةُ عِنْدَنَا]۔

وَقَالَ زُفَرُ: لَهَا مَهْرُ الْمِثْلِ؛ لِاَنَّ تَسْمِيَةَ مَالَا يَصْلُحُ مَهْرًا كَانْعِدَامِهٖ وَلَنَا اَنَّ فَسَادَ هٰذِهِ التَّسْمِيَةِ لِحَقِّ الشَّرْعِ وَقَدْ صَارَ مُقْتَضِيًا بِالْعَشَرَةِ. فَاَمَّا مَا يَرْجِعُ اِلٰى حَقِّهَا فَقَدْ رَضِيَتْ بِالْعَشَرَةِ لِرِضَاهَا بِمَا دُوْنَهَا. وَلَا مُعْتَبَرَ بَعَدَمِ التَّسْمِيَةِ؛ لِاَنَّهَا قَدْ تَرْضٰى بِالتَّمْلِيْكِ مِنْ غَيْرِ عِوَضٍ تَكَرُّمًا. وَلَا تَرْضٰى فِيْهِ بِالْعِوَضِ الْيَسِيْرِ۔

ترجمہ: [اور اگر دس درہم سے کم (مہر) مقرر کیا تو عورت کے لیے دس درہم ہوں گے]

حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس کے لیے مہر مثل ہوگا کیونکہ ایسی چیز مقرر کرنا جو مہر بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی وہ معدوم ہونے کے برابر ہے۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ اس مقرر کردہ مہر کا فساد شریعت کے حق کے طور پر ہے اور دس کے عدد کے ساتھ اسے پورا کیا جاسکتا ہے۔

اور جو چیز عورت کے حق کی طرف لوٹتی ہے تو وہ دس پر راضی ہوگی کیونکہ وہ تو دس سے کم پر راضی ہوگئی تھی اور جب مقرر نہ کیا جائے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ بعض اوقات عورت عزت واحترام کے طور پر کسی عوض کے بغیر دوسرے شخص کو اپنا مالک بنادیتی ہے لیکن تھوڑے معاوضے پر راضی نہیں ہوتی۔

توضیح: یہ بات پہلے بیان ہو چکی ہے کہ مہر کی کم از کم مقدار دس درہم ہے اب یہ بتایا جارہا ہے کہ اگر نکاح کے وقت مہر دس درہم سے کم مقدار مقرر کیا جائے تو کیا ہوگا؟

ائمہ ثلاثہ احناف فرماتے ہیں: عورت کو پورے دس درہم دیے جائیں۔

لیکن امام زفر رحمۃ اللہ علیہ اس سے اختلاف کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اسے مہر مثل دیا جائے کیونکہ جو مقدار یا جو چیز مہر بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی وہ نہ ہونے کے برابر ہے گویا مہر مقرر ہی نہیں ہوا لہٰذا مہر مثل دیا جائے۔

دیگر ائمہ فرماتے ہیں دس درہم سے کم مقدار شریعت کے حق کے طور پر فاسد ہوئی لہٰذا جب دس درہم پورے کیے جائیں تو شریعت کا حق پورا ہوجائے گا۔

رہا عورت کا مسئلہ اور اس کا حق دس درہم جب پورا کردیا گیا تو وہ راضی ہوگی کیونکہ وہ کم پر راضی ہو چکی ہے نیز اس مسئلہ کو مہر مقرر نہ کرنے والا مسئلہ پر قیاس نہیں کیا جاسکتا کیونکہ بعض اوقات عورت عوض کے بغیر اپنے آپ کو مرد کے سپرد کر دیتی ہے اور وہ اسے عزت کا باعث سمجھتی ہے لیکن عوض کم ہو تو اس پر راضی نہیں ہوتی کیونکہ اس میں وہ اپنے لیے ہتک عزت

سمجھتی ہے لہٰذا اس پر وہ راضی نہیں ہوتی۔

جماع سے پہلے طلاق دی تو کس قدر مہر دینا ہوگا

(۸۵) [وَلَوْ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُوْلِ بِهَا تَجِبُ خَمْسَةٌ عِنْدَ عُلَمَائِنَا الثَّلَاثَةِ رَحِمَهُمُ اللّٰهُ. وَعِنْدَهُ تَجِبُ الْمُتْعَةُ كَمَا إِذَا لَمْ يُسَمِّ شَيْئًا]

ترجمہ: [اور اگر عورت کو جماع سے پہلے طلاق دے تو ہمارے تین ائمہ امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کے نزدیک پانچ درہم واجب ہوں گے اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک متعہ (کپڑوں کا جوڑا) واجب ہوگا جس طرح مہر مقرر نہ کرنے کی صورت میں ہوتا ہے]۔

توضیح: گزشتہ مسئلہ کی فرع کے طور پر یہ مسئلہ بیان فرمایا کہ اگر مہر دس درہم سے کم مقرر کیا اور جماع سے پہلے طلاق دے دی تو اس صورت میں پانچ درہم دینا ہوں گے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ مہر دس درہم پورا کیا جائے گا اور جماع سے پہلے طلاق کی صورت میں نصف مہر دینا پڑتا ہے۔

قرآن پاک میں ہے:

وَإِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ [1]

ترجمہ: طلاق دے دو اور تم ان کے لیے کچھ بھی مقرر کر چکے ہو تو جتنا تم نے مقرر کیا اس کا آدھا واجب ہے۔

لہٰذا پانچ درہم ہوں گے اور یہ تینوں ائمہ کے نزدیک ہے۔ لیکن امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دس درہم سے کم مہر کالعدم ہوتا ہے اور مہر مثل واجب ہوتا ہے اور مہر مثل کی صورت میں جماع سے پہلے طلاق دی جائے تو متعہ کپڑوں کا ایک جوڑا دینا ہے جس طرح مہر بالکل مقرر نہ ہو اور طلاق کی یہی صورت ہو تو متعہ دینا پڑتا ہے۔

جماع کرنے یا مرد کے فوت ہونے سے مکمل مقرر کردہ مہر لازم ہوگا

(۸۶) [وَمَنْ سَمّٰى مَهْرًا عَشَرَةً فَمَا زَادَ فَعَلَيْهِ الْمُسَمّٰى إِنْ دَخَلَ بِهَا أَوْ مَاتَ عَنْهَا]؛ لِأَنَّهُ بِالدُّخُوْلِ يَتَحَقَّقُ تَسْلِيْمُ الْمُبْدَلِ وَبِهِ يَتَأَكَّدُ الْبَدَلُ، وَبِالْمَوْتِ يَنْتَهِي النِّكَاحُ نِهَايَتَهُ، وَالشَّيْءُ بِانْتِهَائِهِ يَتَقَرَّرُ وَيَتَأَكَّدُ فَيَتَقَرَّرُ بِجَمِيْعِ مَوَاجِبِهِ

[وَإِنْ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُوْلِ بِهَا وَالْخَلْوَةِ فَلَهَا نِصْفُ الْمُسَمّٰى] لِقَوْلِهِ تَعَالٰى: ﴿وَإِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوْهُنَّ﴾ الْآيَةِ وَالْأَقْيِسَةُ مُتَعَارِضَةٌ. فَفِيْهِ تَفْوِيْتُ الزَّوْجِ الْمِلْكَ عَلٰى

[1] سورۃ البقرۃ، آیت: ۲۳۷

نَفْسِهٖ بِاخْتِيَارِهٖ وَفِيْهِ عَوْدُ الْمَعْقُوْدِ عَلَيْهِ اِلَيْهِ سَالِمًا فَكَانَ الْمَرْجِعُ فِيْهِ النَّصَّ. وَ شَرَطَ اَنْ يَّكُوْنَ قَبْلَ الْخَلْوَةِ، لِاَنَّهَا كَالدُّخُوْلِ عِنْدَنَا عَلٰى مَا نُبَيِّنُهٗ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى۔

ترجمہ: [جس شخص نے دس درہم یا اس سے زائد رقم مہر مقرر کیا تو اس پر مقرر کردہ مہر لازم ہوگا اس سے جماع کرے یا اس کو چھوڑ کر فوت ہو جائے] کیونکہ صحبت کی وجہ سے مبدل کا سونپنا ثابت ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھ بدل موکد ہو جاتا ہے۔

اور موت کے ساتھ نکاح اپنی انتہاء کو پہنچ جاتا ہے اور ہر چیز انتہاء کو پہنچنے سے پکی اور موکد ہو جاتی ہے پس وہ اپنے تمام لوازمات کے ساتھ پکی ہو جاتی ہے۔

[اور اگر اس سے صحبت کرنے سے پہلے اور خلوت (خلوت صحیحہ) سے پہلے طلاق دے تو اس کے لیے نصف مہر ہوگا]۔

کیونکہ ارشادِ خداوندی ہے:

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ [1]

ترجمہ: اور اگر تم ان کو صحبت سے پہلے طلاق دو۔

اور اس سلسلے میں قیاس باہم ٹکراتے ہیں اور اس میں خاوند کا اپنے اختیار سے اپنی ملک ختم کرنا ہے اور اس صورت میں معقود علیہ (جس پر عقد ہوا صحیح سلامت واپس لوٹ آئی پس قرآنی نص کی طرف رجوع ہوگا۔

اور یہ شرط بھی رکھی گئی کہ خلوت سے پہلے ہو کیونکہ ہمارے نزدیک خلوت (صحیحہ) صحبت کی طرح ہے جیسے ہم بیان کریں گے۔ ان شاء اللہ

توضیح: اگر مہر مقرر کیا جائے اور وہ دس درہم ہو یا زیادہ تو اس کی ادائیگی کی تین صورتیں بیان کی گئی۔

① نکاح کے بعد عورت کا قرب حاصل کیا یعنی جماع ہوا تو پورا مہر جو مقرر ہوا واجب ہو جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صحبت کی صورت میں عورت کی طرف سے مبدل منہ سونپ دیا گیا یعنی شرمگاہ سے نفع مبدل منہ ہے (جس چیز کا بدل ہو وہ مبدل منہ ہوتی ہے اور جو کچھ اس کے عوض میں دیا جائے وہ بدل ہوتا ہے)۔ اور اس طرح بدل پکا ہو گیا اور وہ پورا مہر ہے۔

② نکاح کے بعد جماع یا خلوت صحیحہ نہیں ہوئی اور خاوند فوت ہو گیا تو اس صورت میں بھی پورا مہر دینا پڑے گا کیونکہ خاوند کے فوت ہونے سے نکاح اپنی انتہاء کو پہنچ گیا ہے اور جب کوئی چیز اپنی انتہاء کو پہنچے تو وہ پکی اور موکد (تاکیدی) ہو جاتی ہے اور اسی طرح اس کے ذریعے جو کچھ لازم ہوتا ہے وہ بھی پکا ہو جاتا ہے لہٰذا مہر جو نکاح کے

---

[1] سورۃ البقرۃ، آیت: ۲۳۷

لوازمات میں سے وہ بھی پکا ہوگیا۔

(۳) اگر جماع یا خلوت صحیحہ سے پہلے طلاق دے تو نصف مہر دینا پڑے گا یہ قرآنی حکم ہے جس طرح آیت مع ترجمہ گزر چکی ہے۔

قیاس کا تقاضا کیا ہے؟

اس سلسلے میں دو قیاس ہیں جو باہم ٹکراتے ہیں:

پہلا قیاس یہ ہے کہ پورا مہر دیا جائے کیونکہ مرد نے اپنے اختیار سے مِلک بضع کو ختم کیا یعنی طلاق دی عورت کا کوئی قصور نہیں۔

دوسرا قیاس یہ ہے کہ چونکہ معقود علیہ یعنی شرمگاہ صحیح سلامت واپس ہوگئی اس سے نفع نہیں اُٹھایا گیا لہٰذا مہر بالکل نہیں ہونا چاہیے۔

جب دونوں قیاس متضاد ہیں تو فیصلہ قرآن پاک کے ذریعے ہوگا وہ نصف مہر دینے کا فیصلہ ہے۔

نوٹ: خلوت صحیحہ سے پہلے طلاق دی تو بھی یہی حکم ہے خلوت صحیحہ یہ ہے کہ مرد اور عورت ایک کمرہ میں ہوں دروازہ بند ہو رمضان المبارک کا دن بھی نہ ہو عورت کو حیض یا کوئی ایسی بیماری بھی نہ ہو جو جماع میں رکاوٹ ہے تو اس صورت میں خلوت صحیحہ جماع کے قائم مقام ہوتی ہے (تفصیل آگے آ رہی ہے)۔

مہر مثل کا لزوم

(۸۷) قَالَ: [وَإِنْ تَزَوَّجَهَا وَلَمْ يُسَمِّ لَهَا مَهْرًا اَوْ تَزَوَّجَهَا عَلٰى اَنْ لَّا مَهْرَ لَهَا فَلَهٗ مَهْرُ مِثْلِهَا اِنْ دَخَلَ بِهَا اَوْ مَاتَ عَنْهَا]

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: لَا يَجِبُ شَيْءٌ فِي الْمَوْتِ، وَاَكْثَرُهُمْ عَلٰى اَنَّهٗ يَجِبُ فِي الدُّخُوْلِ۔

لَهٗ اَنَّ الْمَهْرَ خَالِصُ حَقِّهَا فَتَتَمَكَّنُ مِنْ نَفْيِهِ اِبْتِدَاءً كَمَا تَتَمَكَّنُ مِنْ اِسْقَاطِهِ اِنْتِهَاءً وَلَنَا اَنَّ الْمَهْرَ وُجُوْبًا حَقُّ الشَّرْعِ عَلٰى مَا مَرَّ. وَاِنَّمَا يَصِيْرُ حَقَّهَا فِي حَالَةِ الْبَقَاءِ فَتَمْلِكُ الْاِبْرَاءَ دُوْنَ النَّفْيِ۔

ترجمہ: فرماتے ہیں: [اور اگر وہ اس سے نکاح کرے اور مہر مقرر نہ کرے یا اس شرط پر نکاح کرے کہ اس کے لیے مہر نہیں ہوگا تو اس کے لیے مہر مثل ہوگا اگر اس سے صحبت کر لی یا وہ اسے چھوڑ کر فوت ہوگیا]

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: موت کی صورت میں کچھ بھی واجب نہیں اور اکثر شوافع کا موقف یہ ہے کہ جماع کی صورت میں (مہر مثل) واجب ہوگا۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ مہر خالص عورت کا حق ہے تو جس طرح وہ ابتدائی طور پر اس کی نفی پر قادر ہے انتہاء میں بھی اسے ساقط کر سکتی ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ مہر شرعی حق کے طور پر واجب ہوا ہے جس طرح (ہمارا موقف) گزر چکا ہے۔

اور حالت بقاء میں وہ عورت کا حق بنتا ہے لہٰذا وہ بریٔ الذمہ کرنے کا اختیار رکھتی ہے نفی کا حق نہیں رکھتی۔

توضیح: اگر نکاح کرتے وقت مہر مقرر نہ کیا یا کہا کہ وہ مہر نہیں دے گا اور صحبت کر لی یا وہ فوت ہو گیا تو مہر مثل دینا ہوگا۔

اس مسئلہ میں حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں اگر خاوند فوت ہو گیا تو عورت کے لیے کچھ نہیں ہوگا اور آپ کے اکثر مقلدین فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ صحبت کی صورت میں مہر مثل واجب ہوگا۔

اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ احناف کے نزدیک مہر کا وجوب شرعی ہے اور یہ شریعت کا حق ہے جبکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ عورت کا حق ہے اسی لیے وہ فرماتے ہیں کہ عورت نکاح کے وقت مہر ساقط کر دے کہ وہ نہیں لے گی تو ایسا ہو سکتا ہے تو اسی طرح بعد میں بھی جب نکاح موت کی وجہ سے ختم ہو گیا تو اسے ساقط کرنے کا حق ہے۔

احناف کے نزدیک یہ ابتداء میں مہر حقِ شرع ہوتا ہے بعد میں عورت کا حق بنتا ہے اسی لیے شروع میں عورت اس کی نفی نہیں کر سکتی کیونکہ اس وقت اس کا حق نہیں لیکن بعد میں مرد کو اس سے بری الذمہ قرار دے سکتی ہے کیونکہ اب اس کا اپنا حق ہے۔

عورت کے لیے متعہ (سامان) حق مہر

(۸۸) [وَلَوْ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُوْلِ بِهَا فَلَهَا الْمُتْعَةُ] لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى: ﴿وَّ مَتِّعُوْهُنَّ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ﴾ اَلْاٰيَة: ثُمَّ هٰذِهِ الْمُتْعَةُ وَاجِبَةٌ رُجُوْعًا اِلَى الْاَمْرِ. وَفِيْهِ خِلَافُ مَالِكٍ

ترجمہ: [اور اگر اس سے صحبت کیے بغیر طلاق دے دی تو عورت کے لیے متعہ ہوگا]

کیونکہ ارشادِ خداوندی ہے:

وَّ مَتِّعُوْهُنَّ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ ◆[1]

ترجمہ: اور ان کو سامان دو کشادہ حال پر اس کی طاقت کے مطابق ہے۔

پھر یہ متعہ واجب ہے کیونکہ امر کا صیغہ ہے اور اس میں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے۔

توضیح: اگر مہر مقرر ہو اور جماع سے پہلے طلاق دے تو اس کا حکم بیان ہو چکا ہے کہ نصف مہر دینا ہوگا۔

اب یہ بتایا جا رہا ہے کہ اگر مہر مقرر نہ ہو اور جماع سے پہلے طلاق دی تو متعہ (یعنی کپڑوں کا ایک جوڑا اور چادر) دینا ہوگا اور یہ واجب ہے کیونکہ آیت کریمہ میں وَمَتِّعُوْهُنَّ امر کا صیغہ ہے اور امر وجوب کو چاہتا ہے۔

◆[1] سورۃ البقرۃ، آیت: ۲۳۶

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک متعہ واجب نہیں ہے۔

متعہ کے تین کپڑے

(۸۹) [وَالْمُتْعَةُ ثَلَاثَةُ أَثْوَابٍ مِّنْ كِسْوَةِ مِثْلِهَا] وَهِيَ دِرْعٌ وَّ خِمَارٌ وَّمِلْحَفَةٌ وَهٰذَا التَّقْدِيْرُ مَرْوِيٌّ عَنْ عَائِشَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا۔

وَقَوْلُهٗ مِنْ كِسْوَةِ مِثْلِهَا إِشَارَةٌ إِلٰى أَنَّهٗ يُعْتَبَرُ حَالُهَا وَهُوَ قَوْلُ الْكَرْخِيِّ فِي الْمُتْعَةِ الْوَاجِبَةِ لِقِيَامِهَا مَقَامَ مَهْرِ الْمِثْلِ۔

وَالصَّحِيْحُ أَنَّهٗ يُعْتَبَرُ حَالُهٗ عَمَلًا بِالنَّصِّ وَهُوَ قَوْلُهٗ تَعَالٰى: ﴿عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ﴾ ثُمَّ هِيَ لَا تُزَادُ عَلٰى نِصْفِ مَهْرِ مِثْلِهَا وَلَا تَنْقُصُ عَنْ خَمْسَةِ دَرَاهِمَ. وَيُعْرَفُ ذٰلِكَ فِي الْأَصْلِ

ترجمہ: [اور متعہ کے تین کپڑے ہیں جس طرح کا لباس وہ پہنتی ہے] اور یہ قمیص، دوپٹہ اور بڑی چادر ہے، (کپڑوں کی) یہ مقدار حضرت عائشہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے

مصنف کا قول، من کسورۃ مثلھا میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عورت کی حالت کا اعتبار ہوگا متعہ واجبہ کے سلسلے میں حضرت امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی قول ہے کیونکہ یہ مہر مثل کے قائم مقام ہے۔

اور صحیح یہ ہے کہ مرد کی حالت کا اعتبار کیا جائے اور وہ نص پر عمل ہے اور وہ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ﴾ [1]

ترجمہ: ''کشادہ حال (مرد) پر اس کی طاقت کے مطابق اور تنگ دست پر اس کی حیثیت کے مطابق''۔

پھر یہ مہر مثل کے نصف سے زیادہ اور پانچ درہم سے کم نہ ہو اور یہ بات مبسوط سے معلوم ہوئی ہے۔

توضیح: اگر مہر مقرر نہیں ہوا اور صحبت سے پہلے طلاق دے دی تو اس صورت میں تین کپڑے دینے ہوتے ہیں۔

ان کی تفصیل بیان کی جارہی ہے اور وہ تین کپڑے قمیص، دوپٹہ اور بڑی چادر ہے۔

نوٹ: آج کے زمانے میں سلوار بھی ضروری ہے کیونکہ عورت کا لباس قمیص، سلوار اور دوپٹہ یا بڑی چادر پر مشتمل ہوتا ہے۔ (۱۲ ہزاروی)

ان تینوں کپڑوں کے بارے میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے۔

اس سلسلے میں دوسری بات یہ ہے کہ وہ کپڑے کس قسم کے ہوں تو امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ کا قول اور امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ کے

[1] سورۃ البقرۃ، آیت: ۲۳۶

متن کے مطابق عورت کی حالت کا اعتبار کیا جائے اگر وہ عمدہ لباس پہنتی ہے تو اس طرح کے کپڑے دیئے جائیں۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ مرد کی حالت کا اعتبار کیا جائے کیونکہ قرآن پاک میں مرد کی حالت کا ذکر کیا گیا (آیت کریمہ اور اس کا ترجمہ گزر چکا ہے)۔

تیسری بات یہ ہے کہ متعہ کی قیمت مہر مثل کے نصف سے زیادہ نہ ہو کیونکہ یہ مقررہ مہر کے نصف کے قائم مقام ہے اور مہر مثل مقررہ مہر کے قائم مقام ہے اسی لیے یہ پانچ درہم سے کم مالیت کا لباس بھی نہ ہو ورنہ نصف مہر سے کم ہو جائے گا۔

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب مبسوط جسے اصل بھی کہا جاتا ہے، میں یہ بات ذکر کی ہے۔

مہر مقرر نہ ہونے کے بعد کسی مقدار پر میاں بیوی کا متفق ہونا

(۹۰) [وَاِنْ تَزَوَّجَهَا وَلَمْ يُسَمِّ لَهَا مَهْرًا ثُمَّ تَرَاضَيَا عَلٰى تَسْمِيَةٍ فَهِيَ لَهَا اِنْ دَخَلَ بِهَا اَوْ مَاتَ عَنْهَا. وَاِنْ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُوْلِ بِهَا فَلَهَا الْمُتْعَةُ]

وَعَلٰى قَوْلِ اَبِيْ يُوْسُفَ الْاَوَّلِ نِصْفُ هٰذَا الْمَفْرُوْضِ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ؛ لِاَنَّهُ مَفْرُوْضٌ فَيَتَنَصَّفُ بِالنَّصِّ۔

وَلَنَا اَنَّ هٰذَا الْفَرْضَ تَعْيِيْنٌ لِلْوَاجِبِ بِالْعَقْدِ وَهُوَ مَهْرُ الْمِثْلِ وَذٰلِكَ لَا يَتَنَصَّفُ فَكَذَا مَا نَزَلَ مَنْزِلَتَهُ. وَالْمُرَادُ بِمَا تَلَا الْفَرْضُ فِي الْعَقْدِ اِذْ هُوَ الْفَرْضُ الْمُتَعَارَفُ۔

ترجمہ: [اور اگر کسی شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا اور مہر مقرر نہ کیا پھر کسی مقدار پر راضی ہو گئے تو عورت کے لیے وہی ہوگا اگر اس سے جماع کر لیا یا اسے چھوڑ کر مر گیا اور اگر جماع سے پہلے اسے طلاق دے دی تو اس کے لیے متعہ ہوگا]

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے پہلے قول کے مطابق اس مقررہ مہر کا نصف ہوگا۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے کیونکہ یہی مقرر ہوا پس نص کے مطابق اس کا نصف ہوگا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ اس مہر کو متعین کرنا ہے جو عقد کے وقت واجب ہوا اور وہ مہر مثل ہے اور وہ نصف نہیں ہو سکتا اسی طرح جو اس کی جگہ پر آیا ہے اسے بھی نصف نہیں کیا جا سکتا اور آیت کریمہ میں وہ مقرر کردہ مراد ہے جو عقد کے وقت مقرر ہوا کیونکہ عرف میں مقرر سے یہی مراد ہے۔

عقد کے بعد مہر میں اضافہ

(۹۱) قَالَ [وَاِنْ زَادَ لَهَا فِي الْمَهْرِ بَعْدَ الْعَقْدِ لَزِمَتْهُ الزِّيَادَةُ] خِلَافًا لِزُفَرَ. وَسَنَذْكُرُهُ فِي

زِيَادَةِ الثَّمَنِ وَالْمُثَمَّنِ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى

[وَ] اِذَا صُحِّحَتْ الزِّيَادَةُ [تَسْقُطُ بِالطَّلَاقِ قَبْلَ الدُّخُوْلِ] وَعَلٰى قَوْلِ اَبِيْ يُوْسُفَ اَوَّلًا تَنْتَصِفُ مَعَ الْاَصْلِ لِاَنَّ النِّصْفَ عِنْدَهُمَا يَخْتَصُّ بِالْمَفْرُوْضِ فِي الْعَقْدِ. وَعِنْدَهٗ الْمَفْرُوْضُ بَعْدَهٗ كَالْمَفْرُوْضِ فِيْهِ عَلٰى مَامَرَّ۔

ترجمہ: فرماتے ہیں: [اگر عقد کے بعد مرد نے عورت کے لیے مہر میں اضافہ کیا تو زائد (رقم) اس پر لازم ہو جائے گی] اس میں امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے اور ہم ثمن اور جس کا بدلہ ثمن ہیں اس بحث میں عنقریب ذکر کریں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

[اور] جب اضافہ کرنا صحیح ہے [تو جماع سے پہلے طلاق دینے کی صورت میں وہ ساقط ہو جائے گا]

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے پہلے قول کے مطابق اصل مہر کے ساتھ وہ بھی نصف ہو جائے گا۔

کیونکہ طرفین (حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام محمد رحمہما اللہ) کے نزدیک نصف عقد میں مقرر کیے گئے مہر کے ساتھ خاص ہے۔

اور حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جو بعد میں مقرر ہوا وہ عقد میں مقرر کیے گئے کی طرح ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔

توضیح: بعض اوقات خاوند، اپنی بیوی کی کسی بات پر خوش ہو کر اس کے مہر میں اضافہ کر دیتا ہے جو عقد نکاح کے وقت مقرر ہوا تھا تو یہ اضافہ بھی اس پر لازم ہو جائے گا۔

حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا اس میں اختلاف ہے وہ اسے لازم نہیں سمجھتے۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں ثمن اور مثمن کی بحث میں اس کا تذکرہ ہوگا کسی چیز کا سودا ہو تو اس کی قیمت کو ثمن کہا جاتا ہے اور اس چیز کو مثمن کہا جاتا ہے تو بعض اوقات خریدار مقررہ قیمت سے زیادہ دیتا ہے تو یہ ثمن میں اضافہ ہے اور کبھی فروخت کرنے والا مبیع میں اضافہ کرتا ہے جس طرح ایک کلو چینی خریدی تو دوکاندار نے کچھ زیادہ دے دی۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر صحبت سے پہلے طلاق دے تو چونکہ اس صورت میں نصف مہر دینا ہوتا ہے تو کیا اس زائد کو بھی نصف کیا جائے گا مثلاً پانچ ہزار روپے مہر مقرر ہوا بعد میں ایک ہزار کا اضافہ کر دیا تو کیا نصف مہر اڑھائی ہزار ہو یا تین ہزار تو حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک یہ نصف مہر عقد کے وقت مقرر کردہ مہر کے ساتھ خاص ہے زائد کا نصف نہیں ہوگا۔

جب کہ حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا پہلا قول یہ تھا کہ زائد رقم بھی نصف ہوگی وہ فرماتے ہیں جس طرح عقد کے وقت مہر مقرر نہ ہوا اور بعد میں کسی مقدار پر میاں بیوی کا اتفاق ہو گیا تو وہ معتبر ہوتا ہے اسی طرح اس زائد کا بھی اعتبار ہوگا۔

عورت کا مقرر مہر سے کچھ چھوڑ دینا

(۹۲) [وَاِنْ حَطَّتْ عَنْهُ مِنْ مَهْرِهَا صَحَّ الْحَطُّ] لِاَنَّ الْمَهْرَ بَقَاءً حَقُّهَا وَالْحَطُّ لَاقِيْهِ حَالَةَ الْبَقَاءِ۔

ترجمہ: [اگر خاتون اپنے مہر سے کچھ حصہ مرد کو چھوڑ دے تو یہ چھوڑنا جائز ہے]۔
کیونکہ مہر باقی رہنے کے اعتبار سے عورت کا حق ہے اور حالت بقا میں کمی کرنا اس سے متصل ہوجاتا ہے۔

توضیح: جس طرح مرد کو اختیار ہے کہ وہ مقرر شدہ مہر میں اضافہ کر دے اسی طرح عورت کو بھی اختیار ہے کہ وہ مقررہ مہر میں کمی کر دے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ حالت بقاء میں مہر عورت کا حق ہے اور یہ کمی وہ اپنے حق میں کر رہی ہے۔
حالت بقاء کی قید اس لیے ہے کہ ابتدائی طور پر مہر شریعت کا حق ہوتا ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے لیکن اس کے بعد عورت کا حق بن گیا اور وہ اپنے حق میں کمی کر سکتی ہے۔

خلوت صحیحہ اور اس کے احکام

(۹۳) [وَاِذَا خَلَا الرَّجُلُ بِامْرَاَتِهٖ وَلَيْسَ هُنَاكَ مَانِعٌ مِنَ الْوَطْءِ ثُمَّ طَلَّقَهَا فَلَهَا كَمَالُ الْمَهْرِ] وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: لَهَا نِصْفُ الْمَهْرِ؛ لِاَنَّ الْمَعْقُوْدَ عَلَيْهِ اِنَّمَا يَصِيْرُ مُسْتَوْفِيًا بِالْوَطْءِ فَلَا يَتَاَكَّدُ الْمَهْرُ دُوْنَهٗ وَلَنَا اَنَّهَا سَلَّمَتِ الْمُبْدَلَ حَيْثُ رَفَعَتِ الْمَوَانِعَ وَ ذٰلِكَ وُسْعَهَا فَيَتَاَكَّدُ حَقُّهَا فِي الْبَدَلِ اِعْتِبَارًا بِالْبَيْعِ

ترجمہ: [اور جب کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ علیحدگی میں ہو اور وہاں وطی سے کوئی رکاوٹ نہ ہو پھر وہ اسے طلاق دے تو اس عورت کے لیے پورا مہر ہوگا]
حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کے لیے نصف مہر ہوگا کیونکہ جس پر عقد ہوا وہ وطی کے ذریعے وصول کیا جاتا ہے لہٰذا وطی کے بغیر مہر تاکیدی نہیں ہوگا۔
ہماری دلیل یہ ہے کہ عورت نے مُبْدَلْ (مہر جس چیز کا بدل ہے) مرد کو سونپ دیا جب رکاوٹیں اُٹھا دیں اور اس کے بس میں یہی ہے لہٰذا بیع پر قیاس کرتے ہوئے عورت کا حق پکا ہو جائے گا۔

توضیح: خلوت صحیحہ یہ ہے کہ میاں بیوی ایک کمرے میں اکٹھے ہوں وہاں کوئی آنے جانے والا نہ ہو اور جماع میں کوئی رکاوٹ نہ ہو (رکاوٹوں کا ذکر آئندہ مسئلہ میں ہے)۔ پھر وہ طلاق دے تو ہمارے نزدیک پورا مہر دینا پڑے گا۔

لیکن حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں نصف مہر دینا ہوگا ان کی دلیل یہ ہے کہ پورا مہر اس صورت میں ہوتا ہے جب جماع ہوا جب جماع نہیں ہوا تو یہ مہر کس چیز کا بدل ہوگا لہٰذا نصف مہر دینا ہوگا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ عورت کے بس میں جو کچھ تھا وہ اس نے کر دیا کہ اس نے اپنے آپ کو مرد کے سپرد اس طرح کیا کہ جماع میں کوئی رکاوٹ نہ تھی اگر مرد نے فائدہ نہیں اُٹھایا تو اس میں عورت کا کوئی قصور نہیں۔ اس لیے وہ پورے مہر کی مستحق ہے۔

یہ اسی طرح ہے کہ سودا فروخت کرنے والا، خریدی گئی چیز خریدار کے سپرد کر دے تو وہ قیمت کا مستحق ہو جائے گا۔ یہاں اسی طرح ہے۔

خلوت صحیحہ میں رکاوٹیں

(۹۴) [وَاِنْ كَانَ اَحَدُهُمَا مَرِيْضًا اَوْ صَائِمًا فِيْ رَمَضَانَ اَوْ مُحرِمًا بِحَجِّ فَرْضٍ اَوْ نَفْلٍ اَوْ بِعُمْرَةٍ اَوْ كَانَتْ حَائِضًا فَلَيْسَتِ الْخَلْوَةُ صَحِيْحَةً] حَتّٰى لَوْ طَلَّقَهَا كَانَ لَهَا نِصْفُ الْمَهْرِ؛ لِاَنَّ هٰذِهِ الْاَشْيَاءَ مَوَانِعُ. اَمَّا الْمَرَضُ فَالْمُرَادُ مِنْهُ مَا يَمْنَعُ الْجِمَاعَ اَوْ يَلْحَقُهُ بِهٖ ضَرَرٌ. وَقِيْلَ مَرَضُهُ لَا يُعْرٰى عَنْ تَكَسُّرٍ وَفُتُوْرٍ. وَهٰذَا التَّفْصِيْلُ فِيْ مَرَضِهَا وَ صَوْمُ رَمَضَانَ لِمَا يَلْزَمُهُ مِنَ الْقَضَاءِ وَالْكَفَّارَةِ. وَالْاِحْرَامِ لِمَا يَلْزَمُهُ مِنَ الدَّمِ وَفَسَادِ النُّسُكِ وَالْقَضَاءِ. وَالْحَيْضُ مَانِعٌ طَبْعًا وَ شَرْعًا

[وَاِنْ كَانَ اَحَدُهُمَا صَائِمًا تَطَوُّعًا فَلَهَا الْمَهْرُ كُلُّهُ]؛ لِاَنَّهُ يُبَاحُ لَهُ الْاِفْطَارُ مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ فِيْ رِوَايَةِ الْمُنْتَقٰى. وَهٰذَا الْقَوْلُ فِي الْمَهْرِ هُوَ الصَّحِيْحُ.

وَصَوْمُ الْقَضَاءِ وَالْمَنْذُوْرِ كَالتَّطَوُّعِ فِيْ رِوَايَةٍ؛ لِاَنَّهُ لَا كَفَّارَةَ فِيْهِ. وَالصَّلَاةُ بِمَنْزِلَةِ الصَّوْمِ فَرْضُهَا كَفَرْضِهٖ وَنَفْلُهَا كَنَفْلِهٖ.

ترجمہ: [اور اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک بیمار ہو یا ماہِ رمضان کا روزہ رکھا ہوا ہو یا فرض یا نفل حج یا عمرہ کا احرام باندھا ہوا ہو یا عورت حالتِ حیض میں ہو تو یہ خلوت صحیحہ نہیں ہے] حتیٰ کہ اگر وہ اسے طلاق دے تو اس کے لیے نصف مہر ہو گا کیونکہ یہ اُمور (جماع میں) رکاوٹ ہیں۔

مرض سے مراد وہ مرض ہے جو جماع میں رکاوٹ بنے یا اس کی وجہ سے تکلیف پہنچے، یہ بھی کہا گیا کہ مرد کی مرض سے مراد یہ ہے کہ وہ جماع پر قادر نہ ہو سکے اسی طرح عورت کے سلسلے میں بھی یہی تفصیل ہے۔

اور رمضان کا روزہ اس لیے رکاوٹ ہے کہ اس میں (جماع کی وجہ سے) قضاء اور کفارہ لازم آتا ہے۔

اور احرام اس لیے (رکاوٹ ہے) کہ اس سے دم، عبادت کا فساد اور قضاء لازم آتی ہے۔

اور حیض فطری اور شرعی طور پر رکاوٹ ہے۔

[اور اگر ان میں سے ایک نفلی روزے سے ہو تو عورت کے لیے مکمل مہر ہوگا] کیونکہ اس کے لیے کسی عذر کے بغیر بھی روزہ توڑنا جائز ہے یہ المنتقی (کتاب) کی روایت ہے۔ اور مہر کے بارے میں یہی صحیح قول ہے۔

اور ایک روایت کے مطابق قضاء اور نذر کا روزہ نفلی روزے کی طرح ہے کیونکہ اس میں کفارہ نہیں اور نماز روزے کی طرح ہے فرض نماز فرض روزے کی طرح اور نفلی نماز نفلی روزے کی طرح۔

توضیح: اس سے پہلے خلوت صحیحہ کا حکم بیان کیا گیا اب یہ بتایا جا رہا ہے کہ وہ کون کون سی باتیں ہیں جن کی موجودگی میں خلوت صحیحہ نہیں ہوتی اگرچہ وہ خلوت میں ہوں۔ تو اس سلسلے میں بنیادی بات یہ ہے کہ اگر جماع میں کوئی طبعی یا شرعی رکاوٹ ہو تو خلوت صحیحہ نہیں ہوگی۔

مثلاً مرد ایسا بیمار ہو کہ وہ جماع پر قادر نہ ہو یا عورت کو کوئی ایسی بیماری لاحق ہو جس کی وجہ سے جماع نہ ہو سکتا ہو، اسی طرح وہ حالتِ حیض میں ہو تو یہ طبعی رکاوٹیں ہیں کیونکہ ان حالات میں جماع نہیں ہو سکتا۔ شرعی رکاوٹوں میں رمضان المبارک میں روزہ دار ہونا یا حج فرض یا نفل یا عمرہ کا احرام باندھا ہوا ہو تو ان صورتوں میں شرعی طور پر جماع ممنوع ہے۔

اگر روزے کی حالت میں جب رمضان کا روزہ ہو جماع کرے تو قضاء اور کفارہ دونوں لازم ہوتے ہیں اس لیے مسلمان جماع سے پرہیز کرتا ہے احرام حج کا ہو یا عمرہ کا اس حالت میں جماع کی وجہ سے حج اور عمرہ فاسد ہو جاتے ہیں، قضاء بھی لازم ہوتی ہے اور دم بھی واجب ہوتا ہے اس لیے جماع میں رکاوٹ ہوتی ہے لہٰذا یہ خلوت صحیحہ نہیں ہوگی۔

حیض کی حالت میں جماع سے طبعی طور پر نفرت ہوتی ہے اور شریعت نے بھی منع کیا گویا حیض طبعی اور شرعی دونوں اعتبار سے رکاوٹ ہے البتہ نفلی روزہ ہو یا قضا کا روزہ تو یہ جماع میں رکاوٹ نہیں کیونکہ کسی عذر کی وجہ سے ان روزوں کو توڑا جا سکتا ہے لہٰذا اس صورت میں خلوت صحیحہ ہوگی اور اگر اس کے بعد طلاق دی تو پورا مہر دینا ہوگا اسی طرح نذر کے روزے کا حکم ہے کیونکہ نفلی روزے اور قضاء اور نذر کے روزے کو توڑنے سے کفارہ لازم نہیں آتا۔

نفلی روزے کو بلا عذر توڑنے کا قول "المنتقی" میں مذکور ہے اور مہر کے حوالے سے اسی قول کو صحیح قرار دیا گیا۔

نماز کا حکم روزے کی طرح ہے فرض نماز، فرض روزے کی طرح اور نفلی نماز، نفلی روزے کی طرح ہے اس کا معنیٰ یہ ہے کہ فرض نماز پڑھ رہا ہو تو خلوت صحیحہ نہیں ہوگی اور نفلی نماز پڑھ رہا ہو تو خلوت صحیحہ ہوگی۔

یہ حکم مرد اور عورت دونوں کے حوالے سے ہے۔

مجبوب کی خلوت کا حکم

(۹۵) [وَإِذَا خَلَا الْمَجْبُوْبُ بِامْرَاَتِهٖ ثُمَّ طَلَّقَهَا فَلَهَا كَمَالُ الْمَهْرِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ. وَقَالَا عَلَيْهِ نِصْفُ الْمَهْرِ] لِاَنَّهٗ اَعْجَزُ مِنَ الْمَرِيْضِ، بِخِلَافِ الْعِنِّيْنِ؛ لِاَنَّ الْحُكْمَ اُدِيْرَ عَلٰى سَلَامَةِ الْاٰلَةِ۔

وَلِاَبِیْ حَنِیْفَةَ اَنَّ الْمُسْتَحَقَّ عَلَیْهَا التَّسْلِیْمُ فِیْ حَقِّ السَّحْقِ وَقَدْ اَتَتْ بِهٖ۔

ترجمہ: [اور جب مجبوب شخص (جس کا عضو مخصوص کٹا ہوا ہو) اپنی بیوی کے ساتھ تنہائی میں ہو پھر اسے طلاق دے تو اس کے لیے پورا مہر ہوگا یہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے اور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں نصف مہر ہوگا]۔
کیونکہ یہ مریض سے زیادہ عاجز ہے بخلاف عنین (نامرد) کے کیونکہ حکم آلہ (عضو تناسل) کی سلامتی پر لگتا ہے۔
حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی پہلی دلیل یہ ہے کہ عورت کی ذمہ داری (عضو کے) رگڑنے کے لیے اپنے آپ کو پیش کرنا ہے اور اس نے اس پر عمل کیا ہے۔

توضیح: مجبوب (جیم کے ساتھ) اسے کہتے ہیں جس کا عضو مخصوص کٹا ہوا ہو اور عنین وہ شخص ہے جس کا عضو کٹا ہوا نہ ہو لیکن اس میں مردانگی طاقت نہ ہو۔

اگر مجبوب نے اپنی بیوی کے ساتھ خلوت اختیار کی اور کوئی رکاوٹ نہ تھی پھر طلاق دی تو اس کے ذمے کتنا مہر ہوگا؟
اس سلسلے میں حضرت امام اعظم اور صاحبین رحمہما اللہ کے درمیان اختلاف ہے۔
حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ خلوت صحیحہ ہے لہٰذا طلاق دینے کی صورت میں پورا مہر دینا ہوگا۔
وہ فرماتے ہیں: عورت نے اپنے آپ کو پیش کر دیا اور مرد اپنے عضو مخصوص کو اس کے ساتھ رگڑ کر شہوت ختم کر سکتا ہے۔
صاحبین فرماتے: مجبوب مریض سے زیادہ عاجز ہے کیونکہ مریض پھر بھی جماع کر سکتا ہے یہ نہیں کر سکتا لہٰذا یہ خلوت صحیحہ نہیں ہوگی اور نصف مہر لازم ہوگا۔

صاحبین پر اعتراض ہوا کہ اس طرح تو عنین (نامرد) بھی عاجز ہے۔ لہٰذا اس کی خلوت کو بھی خلوت صحیحہ نہیں ہونی چاہیے اس کے جواب میں وہ فرماتے ہیں اصل حکم آلۂ تناسل کی سلامتی پر نافذ ہوتا ہے اور اس کا آلہ سلامت ہے لہٰذا یہ خلوت صحیحہ ہے۔

عورت پر عدت لازم ہے

(۹۶) قَالَ: [وَعَلَیْهَا الْعِدَّةُ فِیْ جَمِیْعِ هٰذِهِ الْمَسَائِلِ] اِحْتِیَاطًا اسْتِحْسَانًا لِتَوَهُّمِ الشُّغْلِ، وَالْعِدَّةُ حَقُّ الشَّرْعِ وَالْوَلَدِ فَلَا یُصَدَّقُ فِیْ اِبْطَالِ حَقِّ الْغَیْرِ. بِخِلَافِ الْمَهْرِ؛ لِاَنَّهٗ مَالٌ لَا یُحْتَاطُ فِیْ اِیْجَابِهٖ۔

وَذَكَرَ الْقُدُوْرِیُّ فِیْ شَرْحِهٖ اَنَّ الْمَانِعَ اِنْ كَانَ شَرْعِیًّا كَالصَّوْمِ وَالْحَیْضِ تَجِبُ الْعِدَّةُ لِثُبُوْتِ التَّمَكُّنِ حَقِیْقَةً، وَاِنْ كَانَ حَقِیْقِیًّا كَالْمَرَضِ وَالصِّغَرِ لَا تَجِبُ لِانْعِدَامِ التَّمَكُّنِ حَقِیْقَةً۔

ترجمہ: امام محمد رحمۃ اللہ علیہ "جامع صغیر" میں فرماتے ہیں: [اور ان تمام مسائل میں عورت پر عدت واجب ہے] یہ بطور احتیاط استحسان ہے کیونکہ (جماع میں) مشغولیت کا وہم موجود ہے اور عدت، شریعت اور اولاد کا حق ہے لہٰذا غیر کے حق میں (مرد اور عورت کی) تصدیق نہیں کی جائے گی۔

بخلاف مہر کے کیونکہ وہ مال ہے اس کے واجب کرنے میں احتیاط نہیں ہوتی۔ حضرت امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شرح میں یہ بات فرمائی ہے کہ اگر رکاوٹ شرعی ہو جیسے روزہ اور حیض تو عدت واجب ہوگی کیونکہ حقیقتاً جماع پر قدرت حاصل ہے۔

اور اگر رکاوٹ حقیقی ہو جیسے بیماری یا عمر کے اعتبار سے چھوٹا ہونا تو عدت واجب نہیں ہوگی کیونکہ حقیقتاً اس کے لیے جماع ممکن نہیں۔

توضیح: اس سے پہلے خلوت صحیحہ کا ذکر ہوا اور وہ صورتیں بھی بتائیں جو خلوت صحیحہ میں رکاوٹ بنتی ہیں اور وہ صورتیں بھی ذکر کیں جو رکاوٹ نہیں بنتی۔

چونکہ جماع یا خلوت سے دو حکم متعلق ہوتے ہیں:

۱۔ جب خلوت کے بعد طلاق دی تو ایک حکم عدت کا ہے اور وہ خلوت صحیحہ ہو یا غیر صحیحہ عدت واجب ہوگی کیونکہ شرعی حکم بھی ہے اور بچے کا بھی حق ہے کہ اس کا نسب خراب نہ ہو اس لیے میاں بیوی کی یہ بات نہیں مانی جائے گی کہ انہوں نے جماع نہیں کیا کیونکہ اس کا وہم موجود ہے۔

۲۔ مہر کا وجوب تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر خلوت صحیحہ کے بعد طلاق دی تو پورا مہر واجب ہوگا اور اگر خلوت صحیحہ نہ تھی تو نصف مہر واجب ہوگا۔

دونوں کے احکام میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ مال کا معاملہ زیادہ اہم نہیں جبکہ عدت کا معاملہ اہم ہے کہ شریعت اور بچے کا حق اس سے متعلق ہے لہٰذا اس کی بجائے استحسان پر عمل ہوگا اس میں زیادہ احتیاط ہے۔

حضرت امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلے میں ایک ضابطہ بیان فرمایا وہ اس طرح کہ اگر رکاوٹ شرعی ہو اور جماع پر قدرت حاصل ہو جیسے رمضان کا روزہ ہو یا عورت حالتِ حیض میں ہو تو جماع ممکن ہونے کی وجہ سے عدت لازم ہوگی (امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات شیخ ابوالحسن کرخی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب المختصر کی شرح میں فرمائی) اور اگر عذر طبعی ہو کہ وہ جماع پر قادر ہی نہ ہو جیسے ایسی بیماری جس کی وجہ سے جماع نہیں ہوسکتا یا فریقین میں سے کسی کا اتنا چھوٹا ہونا کہ جماع ممکن نہ ہو تو عدت لازم نہیں ہوگی پہلی صورت میں جماع حقیقتاً ممکن ہے دوسری صورت میں حقیقتاً ممکن نہیں۔

مطلقہ عورت کے لیے متعہ کا وجوب اور عدم وجوب

(۹۷) قَالَ: [وَتُسْتَحَبُّ الْمُتْعَةُ لِكُلِّ مُطَلَّقَةٍ اِلَّا لِمُطَلَّقَةٍ وَاحِدَةٍ وَهِيَ الَّتِيْ طَلَّقَهَا الزَّوْجُ قَبْلَ

الدُّخُوْلِ بِهَا وَقَدْ سَمَّى لَهَا مَهْرًا] وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: تَجِبُ لِكُلِّ مُطَلَّقَةٍ إِلَّا لِهٰذِهٖ؛ لِأَنَّهَا وَجَبَتْ صِلَةً مِنَ الزَّوْجِ؛ لِأَنَّهُ أَوْحَشَهَا بِالْفِرَاقِ، إِلَّا أَنَّ فِيْ هٰذِهِ الصُّوْرَةِ نِصْفَ الْمَهْرِ طَرِيْقَةُ الْمُتْعَةِ لِأَنَّ الطَّلَاقَ فَسْخٌ فِيْ هٰذِهِ الْحَالَةِ وَالْمُتْعَةُ لَا تَتَكَرَّرُ

[وَلَنَا أَنَّ الْمُتْعَةَ خَلَفٌ عَنْ مَهْرِ الْمِثْلِ فِي الْمُفَوَّضَةِ]؛ لِأَنَّهُ سَقَطَ مَهْرُ الْمِثْلِ وَوَجَبَتِ الْمُتْعَةُ، وَالْعَقْدُ يُوْجِبُ الْعِوَضَ فَكَانَ خَلَفًا وَالْخَلَفُ لَا يُجَامِعُ الْأَصْلَ وَلَا شَيْئًا مِنْهُ فَلَا تَجِبُ مَعَ وُجُوْبِ شَيْءٍ مِنَ الْمَهْرِ، وَهُوَ غَيْرُ جَانٍ فِي الْإِيْحَاشِ فَلَا تَلْحَقُهُ الْغَرَامَةُ بِهٖ فَكَانَ مِنْ بَابِ الْفَضْلِ۔

ترجمہ: [اور ہر طلاق یافتہ عورت کے لیے متعہ مستحب ہے سوائے ایک مطلقہ کے، یہ وہ عورت ہے جسے مرد نے جماع سے پہلے طلاق دی اور اس نے مہر بھی مقرر کیا تھا]

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس مطلقہ کے علاوہ تمام مطلقہ عورتوں کے لیے متعہ واجب ہے کیونکہ خاوند کی طرف سے بطور عطیہ دیا جاتا ہے کیونکہ اس نے اسے جدا کر کے وحشت اور پریشانی میں ڈالا ہے مگر اس صورت میں نصف مہر، متعہ کے طریقے پر ہوتا ہے کیونکہ اس حالت میں طلاق فسخ نکاح ہے اور متعہ میں تکرار نہیں (اور ہماری دلیل یہ ہے کہ مفوضہ عورت میں متعہ، مہر مثل کی جگہ آتا ہے) کیونکہ مہر مثل ساقط ہو گیا اور متعہ واجب ہو گیا۔ اور جو قائم مقام ہوتا ہے وہ اصل کے ساتھ جمع نہیں ہوتا اور نہ اس کی کسی جزء کے ساتھ جمع ہوتا ہے۔

لہٰذا جب مہر میں سے کچھ بھی واجب ہو تو اس کے ساتھ یہ واجب نہیں ہو گا اور اگر (طلاق کی وجہ سے) عورت وحشت اور پریشانی میں مبتلا ہوتی ہے تو اس میں مرد کا کوئی گناہ نہیں لہٰذا اس وجہ سے اس پر چٹی نہیں آئے گی بس (متعہ کا دینا) محض فضل و احسان ہے (واجب نہیں)۔

توضیح: مطلقہ عورتوں کے مہر اور متعہ کے حوالے سے درج ذیل چار صورتیں ہیں:

① طلاق جماع کے بعد دی اور مہر مقرر ہوا تھا اس صورت میں پورا مہر لازم ہوتا ہے اور متعہ مستحب ہے۔

② طلاق جماع سے پہلے دی اور مہر مقرر ہوا تھا اس صورت میں نصف مہر لازم ہوتا ہے اور متعہ مستحب نہیں۔ ◆

③ طلاق جماع کے بعد دی اور مہر مقرر نہیں ہوا تھا تو اس صورت میں مہر مثل واجب ہو گا اور متعہ مستحب ہو گا۔

④ طلاق جماع سے پہلے دی اور مہر مقرر نہیں ہوا تو اس صورت میں متعہ واجب ہو گا۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں متعہ تمام صورتوں میں واجب ہے البتہ طلاق جماع سے پہلے ہو اور مہر مقرر ہوا تو متعہ واجب نہیں۔

◆ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہاں اشتباہ ہوا ایسی عورت کے لیے متعہ مستحب ہے۔ (عینی جلد: ۲، صفحہ: ۱۳۳)

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں چونکہ مرد نے عورت کو طلاق دے کر پریشان کیا لہٰذا اس کی طرف متعہ بطور عطیہ دینا ضروری ہے لیکن مذکورہ بالا صورت میں نصف مہر متعہ کے طریقہ پر ہے (یعنی اگر مہر مثل ہوتو اس صورت میں متعہ دینا ہوتا) وہ فرماتے ہیں جماع سے پہلے طلاق، فسخ نکاح ہے اور متعہ میں تکرار نہیں ہوتا لہٰذا جب نصف مہر دے دیا تو متعہ نہ دیا جائے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ جس عورت نے مہر طے کیے بغیر نکاح کیا اور اپنے آپ کو مرد کے حوالے کر دیا اس کے لیے متعہ، مہر مثل کا نائب (قائم مقام) ہے کیونکہ اگر جماع کے بعد طلاق ہوئی تو مہر مثل دینا ہوتا ہے جماع سے پہلے طلاق ہوتو مہر مثل کی جگہ متعہ آ گیا۔ اور نائب اصل کے ساتھ جمع نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کی کسی چیز کے ساتھ جمع ہوتا ہے لہٰذا جب نصف مہر واجب ہوا تو متعہ واجب نہیں ہوگا۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے جو فرمایا کہ مرد نے عورت کو طلاق دے کر پریشان کیا لہٰذا متعہ ضروری ہے تا کہ کچھ نہ کچھ تسلی ہوتو اس کا جواب یوں دیا گیا کہ چونکہ طلاق دینا مرد کا حق ہے لہٰذا اس نے طلاق دے کر کوئی جرم نہیں کیا اس لیے اس پر کوئی چٹی نہیں اگر متعہ کو واجب قرار دیا جائے تو یہ چٹی ہوگی اس لیے محض مستحب ہوگا۔

البتہ ایک صورت میں واجب ہوگا جب مہر مقرر نہ ہو اور جماع سے پہلے طلاق دے دی۔

نکاح شغار کا حکم

(۹۸) [وَإِذَا زَوَّجَ الرَّجُلُ بِنْتَهُ عَلَى أَنْ يُّزَوِّجَهُ الْاٰخَرُ بِنْتَهُ أَوْ أُخْتَهُ لِيَكُوْنَ أَحَدُ الْعَقْدَيْنِ عِوَضًا عَنِ الْاٰخَرِ فَالْعَقْدَانِ جَائِزَانِ، وَلِكُلِّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُمَا مَهْرُ مِثْلِهَا]

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: بَطَلَ الْعَقْدَانِ؛ لِأَنَّهُ جَعَلَ نِصْفَ الْبُضْعِ صَدَاقًا وَّالنِّصْفَ مَنْكُوْحَةً. وَلَا اشْتِرَاكَ فِيْ هٰذَا الْبَابِ فَبَطَلَ الْإِيْجَابُ۔

وَلَنَا أَنَّهُ سَمّٰى مَالَا يَصْلُحُ صَدَاقًا فَيَصِحُّ الْعَقْدُ وَيَجِبُ مَهْرُ الْمِثْلِ كَمَا إِذَا سَمَّى الْخَمْرَ وَالْخِنْزِيْرَ وَلَا شَرِكَةَ بِدُوْنِ الْاِسْتِحْقَاقِ

ترجمہ: [اور جب کوئی شخص اس شرط پر اپنی بیٹی کا نکاح کرے کہ دوسرا شخص اپنی بیٹی یا بہن کا نکاح اس سے کرے تا کہ یہ دونوں عقد ایک دوسرے کا عوض ہو جائیں تو دونوں عقد جائز ہوں گے اور ان میں سے ہر ایک کے لیے مہر مثل ہوگا]

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں دونوں عقد باطل ہو جائیں گے کیونکہ بُضع (شرمگاہ) کا نصف مہر اور نصف منکوحہ ہوا اور اس باب میں اشتراک نہیں لہٰذا ایجاب باطل ہو گیا۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ اس نے اس چیز کا ذکر کیا جو مہر نہیں بن سکتی لہٰذا عقد صحیح ہوا اور مہر مثل واجب ہو گیا جس طرح

اگر شراب اور خنزیر کا ذکر کریں اور استحقاق کے بغیر شرکت نہیں ہوتی۔

توضیح: نکاح شغار سے مراد وہی نکاح ہے جسے ہمارے ہاں وٹہ سٹہ کہتے ہیں یعنی ایک شخص مثلاً اپنی بیٹی دوسرے آدمی کے بیٹے کے نکاح میں دیتا ہے اور اس کی بیٹی کا نکاح اپنے بیٹے سے کرتا ہے نکاح شغار میں اور ہمارے ہاں مروجہ وٹہ سٹہ نکاح میں فرق یہ ہے کہ نکاح شغار میں دوسرا رشتہ پہلے کے لیے مہر قرار پاتا ہے یعنی وہ اپنی لڑکی کے مہر کے بدلے میں دوسرے کی لڑکی کو بیاہ کر لاتا ہے اسطرح دونوں لڑکیاں ایک دوسرے کا مہر بھی بنتی ہیں جب کہ ہمارے ہاں مروجہ وٹہ سٹہ میں الگ مہر مقرر ہوتا ہے۔

احناف کے نزدیک نکاح شغار درست ہے کیونکہ مہر میں ایسی چیز کا ذکر ہوا جو مہر نہیں بن سکتی لیکن اس سے نکاح کے انعقاد میں فرق نہیں پڑتا جس طرح نکاح میں خنزیر یا شراب کا ذکر کریں تو نکاح ہو جاتا ہے لیکن ان تمام صورتوں میں مہر مثل واجب ہو جاتا ہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ دونوں عقد باطل ہو جائیں گے ان کے خیال میں نصف بُضع کا نکاح ہوا کیونکہ باقی نصف بُضع (شرمگاہ) مہر میں چلی گئی اور یہ اشتراک صحیح نہیں لہٰذا یہ دونوں نکاح باطل ہو گئے۔

ہماری دلیل گزر چکی ہے البتہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اشتراک والے موقف کا جواب یہ ہے کہ یہاں شرکت نہیں ہوئی کیونکہ شرکت استحقاق کے بغیر نہیں ہوتی اور یہاں استحقاق نہیں پایا جاتا ہے کیونکہ ایک شرمگاہ دو آدمیوں کے درمیان مشترک نہیں ہوتی جس طرح ایک عورت دو مردوں سے نکاح کرے تو صحیح نہیں اور جب اشتراک صحیح نہیں تو جو کچھ واجب کیا وہ باطل ہو گیا۔

خاوند کا خدمت یا تعلیم قرآن پر نکاح کرنا

(۹۹) وَاِنْ تَزَوَّجَ حُرٌّ امْرَاَۃً عَلٰی خِدْمَتِہٖ اِیَّاھَا سَنَۃً اَوْ عَلٰی تَعْلِیْمِ الْقُرْآنِ صَحَّ النِّکَاحُ وَلَھَا مَھْرُ الْمِثْلِ۔

وَقَالَ مُحَمَّدٌ: لَھَا قِیْمَۃُ خِدْمَتِہٖ سَنَۃً وَاِنْ تَزَوَّجَ عَبْدٌ بِاِذْنِ مَوْلَاہُ عَلٰی خِدْمَتِہٖ لَھَا سَنَۃً جَازَ وَلَھَا الْخِدْمَۃُ. وَقَالَ الشَّافِعِیُّ: لَھَا تَعْلِیْمُ الْقُرْآنِ وَالْخِدْمَۃُ فِی الْوَجْھَیْنِ لِاَنَّ مَا یَصِحُّ اَخْذُ الْعِوَضِ عَنْہُ بِالشَّرْطِ یَصْلُحُ مَھْرًا عِنْدَہٗ لِاَنَّ بِذٰلِکَ تَحَقَّقَ الْمُعَاوَضَۃُ. فَصَارَ کَمَا اِذَا تَزَوَّجَھَا عَلٰی خِدْمَۃِ حُرٍّ اٰخَرَ اَوْ عَلٰی رَعْیِ الزَّوْجِ غَنَمَھَا۔

وَلَنَا اَنَّ الْمَشْرُوْعَ اِنَّمَا ھُوَ الْاِبْتِغَاءُ بِالْمَالِ وَالتَّعْلِیْمُ لَیْسَ بِمَالٍ وَکَذٰلِکَ الْمَنَافِعُ عَلٰی اَصْلِنَا وَخِدْمَۃُ الْعَبْدِ اِبْتِغَاءٌ بِالْمَالِ لِتَضَمُّنِہٖ تَسْلِیْمَ رَقَبَۃِ الْعَبْدِ وَلَا کَذٰلِکَ الْحُرُّ

وَلِاَنَّ خِدْمَةَ الزَّوْجِ لَاتُسْتَحَقُّ بِعَقْدِ النِّكَاحِ لِمَا فِيْهِ مِنْ قَلْبِ الْمَوْضُوْعِ بِخِلَافِ خِدْمَةِ حُرٍّ اٰخَرَ بِرِضَاهُ

وَلَا مُنَاقَضَةَ وَ بِخِلَافِ خِدْمَةِ الْعَبْدِ لِاَنَّهُ يَخْدُمُ الْمَوْلٰى مَعْنًى حَيْثُ يَخْدُمُهَا بِاِذْنِهٖ وَاَمْرِهٖ وَ بِخِلَافِ رَعْيِ الْغَنَمِ لِاَنَّهُ مِنْ بَابِ الْقِيَامِ بِاُمُوْرِ الزَّوْجِيَّةِ فَلَا مُنَاقَضَةَ عَلٰى اَنَّهُ مَمْنُوْعٌ فِيْ رِوَايَةٍ ثُمَّ عَلٰى قَوْلِ مُحَمَّدٍ تَجِبُ قِيْمَةُ الْخِدْمَةِ لِاَنَّ الْمُسَمّٰى مَالٌ اِلَّا اَنَّهُ عَجَزَ عَنِ التَّسْلِيْمِ لِمَكَانِ الْمُنَاقَضَةِ فَصَارَ كَالتَّزَوُّجِ عَلٰى عَبْدِ الْغَيْرِ. وَعَلٰى قَوْلِ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَاَبِيْ يُوْسُفَ يَجِبُ مَهْرُ الْمِثْلِ لِاَنَّ الْخِدْمَةَ لَيْسَتْ بِمَالٍ اِذْ لَاتُسْتَحَقُّ فِيْهِ بِحَالٍ وَهٰذَا لِاَنَّ تَقَوُّمَهُ بِالْعَقْدِ لِلضَّرُوْرَةِ فَاِذَا لَمْ يَجِبْ تَسْلِيْمُهُ فِيْ هٰذَا الْعَقْدِ لَمْ يَظْهَرْ تَقَوُّمُهُ فَيَبْقَى الْحُكْمُ لِلْاَصْلِ وَهُوَ مَهْرُ الْمِثْلِ

ترجمہ: اور اگر آزاد مرد نے کسی عورت سے اس شرط پر نکاح کیا کہ (بطور مہر) وہ ایک سال اس (بیوی) کی خدمت کرے گا یا اسے قرآن پاک کی تعلیم دے گا تو یہ نکاح صحیح ہے اور اس کے لیے مہر مثل ہوگا۔

اور حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس عورت کے لیے ایک سال خدمت کی اجرت ہوگی۔

اور اگر کسی غلام نے اپنے آقا کی اجازت سے کسی عورت سے نکاح کیا کہ وہ ایک سال اس کی خدمت کرے گا تو یہ جائز ہے اور اس کے لیے (بطور مہر) خدمت ہوگی۔

اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں دونوں صورتوں میں اس کے لیے تعلیم قرآن اور خدمت ہوگی کیونکہ آپ کے نزدیک جس چیز کا عوض لینا بطور شرط صحیح ہے وہ مہر بھی بن سکتی ہے کیونکہ اس کے ذریعے معاوضہ ثابت ہوگیا پس یہ اس طرح ہوگیا جیسے اس سے نکاح اس شرط پر کیا کہ وہ کسی دوسرے آزاد آدمی کی خدمت کرے گا یا خاوند بیوی کی بکریاں چرائے گا۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ شریعت میں نکاح کا حکم مال طلب کرنے کے ساتھ دیا گیا اور تعلیم مال نہیں اور اسی طرح ہمارے ضابطے کے مطابق منافع بھی مال نہیں اور غلام کا خدمت کرنا مال کے ساتھ طلب ہے کیونکہ اس کے ضمن میں غلام کی گردن کو سونپنا ہے اور آزاد کا یہ معاملہ نہیں ہے۔

نیز نکاح کی وجہ سے خاوند کا (بیوی کی) خدمت کرنا (عورت کا) استحقاق نہیں کیونکہ اس میں موضوع کو بدلنا ہے بخلاف اس کے جب وہ کسی دوسرے آدمی کی خدمت اس کی مرضی سے کرے (کیونکہ یہ نکاح کی وضع کے خلاف نہیں) اور اس میں کوئی مناقضہ نہیں اور بخلاف غلام کے خدمت کرنے کے کیونکہ وہ معنوی طور پر مولیٰ کی خدمت کر رہا ہے کیونکہ وہ اس کی اجازت اور حکم سے بیوی کی خدمت کرتا ہے اور بخلاف بکریاں چرانے کے کیونکہ کہ اُمورِ زوجیت کو قائم کرنے سے

ہے پس کوئی مناقضہ نہیں۔

علاوہ ازیں ایک روایت کے مطابق یہ ممنوع ہے پھر حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر خدمت کی اجرت واجب ہوگی کیونکہ جو مقرر ہوا وہ مال ہے مگر مناقضہ کی وجہ سے وہ سونپنے سے عاجز ہے تو گویا یہ غیر کے غلام پر نکاح کی طرح ہوا۔

اور حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر مہر مثل واجب ہوگا اس لیے کہ خدمت کرنا مال نہیں کیونکہ کسی حال میں اس کا استحقاق نہیں یہ اس لیے کہ عقد کے ذریعے اس کی قیمت لگانا ضرورت کے تحت ہے تو جب اس عقد میں اس کا سونپنا واجب نہ ہوا تو اس کا قیمت والا ہونا ظاہر نہ ہوا پس اصل پر حکم باقی رہا اور وہ مہر مثل ہے۔

توضیح: مذکورہ بالا مسئلہ کو سمجھنے سے پہلے دو باتوں کا جاننا لازمی ہے۔

پہلی بات یہ ہے کہ مہر مال ہوتا ہے اور وہ بھی ایسا مال جو متقوم ہو یعنی شرعی اعتبار سے اس کا لین دین صحیح ہو مال کے علاوہ کوئی چیز مہر نہیں بن سکتی۔ ارشادِ خداوندی ہے:

اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ [1]

ترجمہ: یہ کہ اپنے مالوں کے ذریعے تلاش کرو۔

دوسری بات یہ کہ نکاح کی وضع اس اعتبار سے ہے کہ عورت مرد کی خدمت کر سکتی ہے مرد اس کا خادم نہیں ہو سکتا ارشادِ خداوندی ہے:

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ [2]

ترجمہ: مرد عورتوں پر حاکم ہیں۔

ہاں اس کی معاونت وغیرہ کر سکتا ہے یہ اخلاقی فرض ہے۔

پہلا مسئلہ:

اب مسئلہ کی طرف آتے ہیں تو مسئلہ یہ ہے کہ اگر آزاد آدمی اس شرط پر کسی عورت سے نکاح کرے کہ وہ مہر ادا کرنے کی بجائے ایک سال (یا کسی بھی مدت تک) اس کی خدمت کرے گا یا اسے قرآنِ پاک سکھائے گا تو نکاح صحیح ہو جائے گا اور اس عورت کو مہر مثل دے گا۔ یہ شیخین (حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ) کا موقف ہے۔

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وہ عورت کو اس قدر رقم دے جس قدر ایک سال خدمت کی اجرت بنتی ہے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا یہی مہر ہے کہ وہ سال بھر اس کی خدمت کرے یا قرآن پاک کی تعلیم دے اگر یہ شرط رکھی ہے۔

دلائل

شیخین کی دلیل یہ ہے کہ چونکہ شرعی حکم مال کی ادائیگی ہے (جیسے آیت مذکورہ بالا میں ہے) اور خدمت اور تعلیم دینا

[1] سورۃ النساء، آیت: ۲۴ [2] سورۃ النساء، آیت: ۳۴

مال نہیں اسی طرح کسی قسم کا نفع اُٹھانا بھی مال نہیں (یہ ہمارے ہاں قاعدہ ہے)۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ نکاح کی وجہ سے عورت کو یہ حق حاصل نہیں ہوتا کہ مرد اس کی خدمت کرے کیونکہ یہ نکاح کی وضع کو بدلنا ہے کیونکہ نکاح کے ذریعے عورت مرد کی خدمت کرتی ہے مرد نہیں۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ جس عمل کا عوض شرط کے ساتھ لیا جا سکتا ہے وہ ان کے نزدیک مہر بننے کی صلاحیت رکھتا ہے کیونکہ اس کے ساتھ معاوضہ ثابت ہو جاتا ہے اور یہ اسی طرح ہے جیسے وہ اس شرط پر نکاح کرے کہ وہ کسی دوسرے آزاد آدمی کی خدمت کرے گا یا اس کی بکریاں چرائے گا۔

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ عورت کی خدمت کرنا بھی ایک اعتبار سے مال ہے لیکن اس عمل سے مرد عاجز ہے کیونکہ یہاں معاملہ اُلٹ ہو رہا ہے کہ عورت کی بجائے مرد خدمت کرے گا اس لیے قیمت واجب ہوگی۔

البتہ اگر شرط ہو کہ وہ عورت کے علاوہ کسی اور آزاد مرد مثلاً اس کے باپ یا بھائی کی خدمت کرے گا تو یہ صحیح ہے کیونکہ یہ معنوی طور پر مال بھی ہے کیونکہ اس طرح گویا وہ ان حضرات کی خدمت کی اجرت بیوی کو بطور مہر دے رہا ہے۔

دوسرا مسئلہ:

اگر کسی غلام نے اپنے آقا کی اجازت سے کسی عورت سے نکاح کیا اور یہ شرط رکھی کہ وہ (مثلاً) ایک سال اس کی خدمت کرے گا تو یہ جائز ہے اور وہ اس کی خدمت کرے اس مسئلہ میں حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی اتفاق ہے۔

کیونکہ غلام کا خدمت کرنا مال کے ذریعے ہی نکاح کرنا ہے کیونکہ اس طرح وہ گویا اپنے آقا کی خدمت کر رہا ہے کیونکہ اس کی اجازت سے اس نے نکاح کیا اور بکریاں چرانے کی شرط بھی صحیح ہے کیونکہ یہ زوجیت کے اُمور کو قائم کرنا ہے جیسے عورت نے جانور رکھے ہوں اور خاوند ان کی دیکھ بھال کرے لہٰذا اس میں کوئی مناقضہ نہیں یعنی نکاح کی وضع کے خلاف نہیں۔

اس کے باوجود ایک روایت کے مطابق یہ بھی جائز نہیں لہٰذا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اس مسئلہ پر قیاس کرنا درست نہیں یہاں ایک سوال کا جواب بھی دیا گیا۔

سوال یہ ہے کہ خدمت کو عقد میں قیمتی قرار دیا گیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ ضرورت کے تحت عقد میں اس کو قیمتی قرار دیا گیا لیکن جب اس پر عمل نہیں ہو سکتا یعنی خاوند اس کی خدمت نہیں کر سکتا تو مہر مثل واجب ہوگا اور یہی مہر میں اصل ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جو چیز مہر نہیں بن سکتی اس کی شرط نکاح کی صحت میں رکاوٹ نہیں البتہ مہر مثل دینا ہوگا۔

عورت کا مہر پر قبضہ کے بعد شوہر کو ہبہ کرنا

(۱۰۰) [فَاِنْ تَزَوَّجَهَا عَلٰى اَلْفٍ فَقَبَضَتْهَا وَوَهَبَتْهَا لَهٗ ثُمَّ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُوْلِ بِهَا رَجَعَ عَلَيْهَا بِخَمْسِمِائَةٍ]؛ لِاَنَّهٗ لَمْ يَصِلْ اِلَيْهِ بِالْهِبَةِ عَيْنُ مَا يَسْتَوْجِبُهٗ؛ لِاَنَّ الدَّرَاهِمَ وَالدَّنَانِيْرَ لَا تَتَعَيَّنَانِ فِي الْعُقُوْدِ وَالْفُسُوْخِ. وَكَذَا اِذَا الْمَهْرُ مَكِيْلًا اَوْ مَوْزُوْنًا اَوْ شَيْئًا اٰخَرَ فِي الذِّمَّةِ لِعَدَمِ تَعَيُّنِهَا

[فَاِنْ لَمْ تَقْبِضِ الْاَلْفَ حَتّٰى وَهَبَتْهَا لَهٗ ثُمَّ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُوْلِ بِهَا لَمْ يَرْجِعْ وَاحِدٌ مِنْهُمَا عَلٰى صَاحِبِهٖ بِشَيْءٍ۔ وَفِي الْقِيَاسِ يَرْجِعُ عَلَيْهَا بِنِصْفِ الصَّدَاقِ وَهُوَ قَوْلُ زُفَرَ]؛ لِاَنَّهٗ سَلَّمَ الْمَهْرَ لَهٗ بِالْاِبْرَاءِ فَلَا تَبْرَأُ عَمَّا يَسْتَحِقُّهٗ بِالطَّلَاقِ قَبْلَ الدُّخُوْلِ۔
وَجْهُ الْاِسْتِحْسَانِ اَنَّهٗ وَصَلَ اِلَيْهِ عَيْنُ مَا يَسْتَحِقُّهٗ بِالطَّلَاقِ قَبْلَ الدُّخُوْلِ وَهُوَ بَرَاءَةُ ذِمَّتِهٖ عَنْ نِصْفِ الْمَهْرِ. وَلَا يُبَالِيْ بِاخْتِلَافِ السَّبَبِ عِنْدَ حُصُوْلِ الْمَقْصُوْدِ

ترجمہ: [اور اگر عورت سے مثلاً ایک ہزار (روپے) مہر پر نکاح کیا اور عورت نے اس پر قبضہ کر کے خاوند کو ہبہ کر دیا پھر جماع سے پہلے طلاق دے دی تو پانچ سو کے لیے اس (عورت) کی طرف رجوع کرے]

کیونکہ مرد کی طرف ہبہ کے ذریعے وہ مال بعینہ نہیں پہنچا جو اس کا حق تھا۔ کیونکہ درہم اور دینار (روپیہ پیسہ) عقد اور فسخ کرنے میں متعین نہیں ہوتے اسی طرح اگر مہر کیلی یا وزنی یا کوئی اور چیز ہو جو اس کے ذمہ میں ہے کیونکہ وہ متعین نہیں۔

[پس اگر عورت نے ہزار پر قبضہ نہیں کیا حتیٰ کہ اسے ہبہ کر دیا پھر جماع سے پہلے اسے طلاق دے دی تو ان میں سے کوئی بھی دوسرے کی طرف رجوع نہ کرے اور قیاس یہ ہے کہ نصف مہر کے لیے مرد، عورت کی طرف رجوع کرے اور حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا یہی قول ہے]

کیونکہ اس نے (مرد کو) بری الذمہ قرار دیتے ہوئے مہر اس کے حوالے کر دیا پس عورت جماع سے پہلے طلاق کی وجہ سے جس چیز کی مستحق ہوئی اس سے بری الذمہ قرار نہیں دیا۔

استحسان کی وجہ یہ ہے کہ مرد جماع سے پہلے طلاق دینے کی وجہ سے جس چیز کا مستحق ہوا وہ بعینہ اس تک پہنچ گئی ہے اور وہ اسے نصف مہر سے بری الذمہ قرار دینا ہے۔

اور جب مقصود حاصل ہو جائے تو اس کے سبب کی پرواہ نہیں کی جاتی۔

توضیح: اگر عورت اپنا مہر خاوند کو ہبہ کرتی ہے تو اس کا حکم کیا ہوگا اس سلسلے میں مختلف صورتیں ہیں:

1. عورت نے مہر پر قبضہ کر کے پھر ہبہ کیا۔
2. ابھی قبضہ نہیں کیا اور ہبہ کر دیا۔
3. ہبہ کرنے کے بعد مرد نے اسے جماع سے پہلے طلاق دے دی جب کہ ہبہ، قبضہ کے بعد کیا۔
4. مہر پر قبضہ کرنے سے پہلے ہبہ کیا اور جماع سے پہلے طلاق دے دی۔

پہلی صورت میں جب قبضہ کے بعد ہبہ کیا اور جماع سے پہلے طلاق دے دی تو مرد نصف مہر کے لیے عورت کی طرف رجوع کر سکتا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت نصف مہر کی مستحق تھی اور اس نے تمام مہر دے دیا اب ہونا تو یہ چاہیے کہ مرد عورت سے

کچھ نہ لے کیونکہ پورا مہر واپس مل گیا لیکن درہم، دینار اور روپیہ پیسہ متعین نہیں ہوتے لہٰذا مرد تک وہ رقم نہیں پہنچی جس کا وہ مستحق تھا یعنی نصف مہر اسی طرح اگر کیلی یا وزنی یا کوئی دوسری چیز عورت کے ذمے تھی تو ہبہ کرنے سے وہ مرد تک نہیں پہنچی۔

واضح الفاظ میں یوں سمجھیں کہ جو رقم عورت نے ہبہ کی وہ اور تھی اور جو نصف مہر واپس لینا تھا وہ یہ رقم نہیں ہے۔

دوسری صورت یعنی جب قبضہ کرنے سے پہلے ہبہ کر دیا یعنی عورت نے مہر وصول نہ کیا اور یوں کہا کہ جو مہر تجھ سے لینا ہے وہ تمہیں بطور عطیہ دے دیا اب جب جماع سے پہلے طلاق دی تو قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ عورت سے نصف مہر واپس لے لیکن بطور استحسان ان میں سے کوئی بھی دوسرے سے کچھ نہ لے۔

امام زفر رحمۃ اللہ علیہ قیاس پر عمل کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ عورت نے مرد کو بری الذمہ قرار دینے کے ذریعے پورا مہر مرد کو سونپ دیا لیکن جماع سے پہلے طلاق کی صورت میں وہ جس کا مستحق ہوا یعنی نصف مہر کا تو وہ عورت سے واپس لے سکتا ہے کیونکہ اس کی معافی نہیں ہوئی۔

یوں سمجھیں کہ مرد نے حکمی طور پر مہر ادا کر دیا لیکن جماع سے پہلے طلاق کی وجہ سے عورت صرف نصف مہر کی مستحق تھی لہٰذا باقی اسے واپس کرنا ہوگا لیکن استحسان کی وجہ یہ ہے کہ جماع سے پہلے طلاق دینے سے مرد کو پورا مہر مل گیا یعنی جب اس نے تمام مہر معاف کر دیا تو وہ نصف مہر بھی اس میں شامل ہے۔

البتہ واپس ملنے کی صورت مختلف ہے تو جب مقصود حاصل ہو جائے تو سبب کے اختلاف سے فرق نہیں پڑتا۔

مہر کے بعض پر قبضہ کر کے پورا مہر ہبہ کرنا

(۱۰۱) [وَلَوْ قَبَضَتْ خَمْسَمِائَةٍ ثُمَّ وَهَبَتِ الْاَلْفَ كُلَّهَا الْمَقْبُوْضَ وَغَيْرَهُ اَوْ وَهَبَتِ الْبَاقِيَ ثُمَّ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُوْلِ بِهَا لَمْ يَرْجِعْ وَاحِدٌ مِنْهُمَا عَلٰى صَاحِبِهٖ بِشَيْءٍ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ۔ وَقَالَا: رَجَعَ عَلَيْهَا بِنِصْفِ مَاقَبَضَتْ]

اِعْتِبَارًا لِلْبَعْضِ بِالْكُلِّ، وَلِاَنَّ هِبَةَ الْبَعْضِ حَطٌّ فَيَلْتَحِقُ بِاَصْلِ الْعَقْدِ۔

وَلِاَبِيْ حَنِيْفَةَ اَنَّ مَقْصُوْدَ الزَّوْجِ قَدْ حَصَلَ وَهُوَ سَلَامَةُ نِصْفِ الصَّدَاقِ بِلَا عِوَضٍ فَلَا يَسْتَوْجِبُ الرُّجُوْعَ عِنْدَ الطَّلَاقِ۔

وَالْحَطُّ لَا يَلْتَحِقُ بِاَصْلِ الْعَقْدِ فِي النِّكَاحِ، اَلَا تَرٰى اَنَّ الزِّيَادَةَ فِيْهِ لَا تَلْتَحِقُ حَتّٰى لَا تَتَنَصَّفُ،

ترجمہ: [اور اگر عورت نے (ایک ہزار میں سے) پانچ سو پر قبضہ کیا پھر تمام ایک ہزار جس پر قبضہ کیا اور جس پر قبضہ نہیں کیا ہبہ کر دیا۔ یا باقی (جس پر قبضہ نہیں) ہبہ کر دیا پھر جماع سے پہلے طلاق دے دی تو ان میں سے کوئی بھی دوسرے کی

طرف کسی چیز کے لیے رجوع نہ کرے۔ یہ حضرت امام ابوحنیفہ ﷫ کے نزدیک ہے اور صاحبین ﷭ کے نزدیک جس نصف پر قبضہ کیا ہے مرد اس کے لیے عورت کی طرف رجوع کرے]

انہوں نے بعض کو کل پر قیاس کیا نیز بعض کا ہبہ کمی کرنا ہے پس وہ اصل کے ساتھ مل جائے گا۔

حضرت امام ابوحنیفہ ﷫ کے نزدیک خاوند کا مقصود حاصل ہو گیا اور وہ کسی عوض کے بغیر نصف مہر کی سلامتی ہے۔ لہٰذا وہ طلاق کے وقت (عورت کی طرف) رجوع کا مستحق نہیں ہوگا اور جو کم کیا نکاح میں وہ اصل عقد کے ساتھ نہیں ملتا۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ جو اضافہ کیا جاتا ہے وہ اصل کے ساتھ مل کر نصف نہیں ہوتا۔

توضیح: بیوی کے خاوند کو مہر ہبہ کرنے سے متعلق مزید ایک صورت بیان کی جارہی ہے وہ اس طرح کہ ایک ہزار روپیہ مہر مقرر ہوا اور ابھی پانچ سو کی ادائیگی ہوئی تھی کہ عورت نے پورا مہر مرد کو ہبہ کردیا جس پر قبضہ کیا تھا وہ بھی اور جس پر قبضہ نہیں کیا وہ بھی، باقی پانچ سو ہبہ کردیئے۔

پھر مرد نے جماع سے پہلے طلاق دے دی تو اس میں امام ابوحنیفہ ﷫ اور صاحبین کا اختلاف ہے امام اعظم ﷫ فرماتے ہیں مرد اور عورت دونوں ایک دوسرے سے کچھ بھی واپس نہ لیں۔

صاحبین ﷭ فرماتے ہیں جس پر عورت نے قبضہ کیا اس کے نصف کے لیے مرد عورت کی طرف رجوع کرے وہ بعض کو کل پر قیاس کرتے ہیں یعنی اگر کل مہر پر قبضہ ہوتا اور طلاق جماع سے پہلے ہوتی تو مرد کل مہر کا نصف واپس لیتا اسی طرح جب نصف پر قبضہ ہوا تو نصف کا نصف واپس لے گا۔

دوسری بات یہ ہے کہ بعض مہر کا حصہ مہر میں سے کم کرنا ہے لہٰذا وہ کمی عقد کے ساتھ ملے گی یعنی جتنا کم کیا اسے نکال کر باقی کا نصف ہوگا۔

حضرت امام ابوحنیفہ ﷫ فرماتے ہیں کہ خاوند کا مقصود حاصل ہو گیا اور وہ کسی عوض کے بغیر نصف مہر کا صحیح سلامت واپس ہو جانا ہے لہٰذا طلاق کے وقت رجوع کا حق نہیں ہوگا مطلب یہ ہے کہ جب عورت نے مہر ہبہ کردیا یا باقی پانچ سو ہبہ کردیا تو خاوند کو نصف مہر واپس مل گیا وہی اس کا استحقاق تھا۔

صاحبین کے اس موقف کہ جو کم کیا گیا وہ اصل عقد کے ساتھ ملے گا یعنی اس باقی رقم پر ہی نکاح ہوا ہے مثلاً پانچ سو معاف ہوئے تو عقد صرف پانچ سو پر ہوا۔

اس کا جواب امام اعظم ﷫ کی طرف سے یوں دیا گیا کہ نکاح میں جو مہر کم کیا گیا وہ اصل عقد کے ساتھ لاحق نہیں ہوگا۔

اس پر بطور دلیل آپ فرماتے ہیں کہ اگر مرد عقد کے بعد مہر میں اضافہ کرتا ہے تو وہ عقد سے ملحق نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ اگر جماع سے پہلے طلاق دے تو اس موجودہ رقم کو نصف نہیں کیا جائے گا بلکہ عقد کے وقت جو مہر مقرر ہوا اسے نصف کیا جاتا ہے تو کمی کی صورت میں بھی اسی طرح ہوگا۔

نصف مہر سے کم ہبہ کرنے کا حکم

(۱۰۲) وَلَوْ كَانَتْ وَهَبَتْ اَقَلَّ مِنَ النِّصْفِ وَقَبَضَتْ الْبَاقِيْ. فَعِنْدَهٗ يَرْجِعُ عَلَيْهَا اِلٰى تَمَامِ النِّصْفِ۔

وَعِنْدَهُمَا بِنِصْفِ الْمَقْبُوْضِ

ترجمہ: اور اگر عورت نے نصف مہر سے کم ہبہ کر دیا اور باقی پر قبضہ کر لیا تو حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نصف کو پورا کرنے تک رجوع کرے۔ اور صاحبین کے نزدیک جتنے پر قبضہ کیا وہ واپس لے۔

توضیح: اس مسئلے میں اختلاف کی وہی گزشتہ صورت ہے۔ مسئلہ یوں ہے کہ مثلاً ایک ہزار روپیہ مہر مقرر ہوا عورت نے اس میں سے کچھ مثلاً تین سو روپے مرد کو ہبہ کر کے باقی سات سو وصول کر لیے۔

پھر جماع سے پہلے طلاق دے دی۔ تو چونکہ عورت کا حق صرف پانچ سو کا ہے اور اس نے سات سو لیے تو حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مرد عورت سے دو سو روپے لے کر اپنے پانچ سو پورے کر لے۔

جبکہ صاحبین کے نزدیک ہبہ کی گئی رقم اصل عقد کے ساتھ ملائیں گے اور یوں کہیں گے کہ کل مہر سات سو روپے ہے۔

جو عورت نے وصول کر لیا اس کا نصف یعنی ساڑھے تین سو روپے خاوند کو واپس کرنا ہوگا۔

مہر میں سامان مقرر ہوا پھر ہبہ کر دیا

(۱۰۳) [وَلَوْ كَانَ تَزَوَّجَهَا عَلٰى عَرَضٍ فَقَبَضَتْهُ اَوْ لَمْ تَقْبِضْ فَوَهَبَتْ لَهٗ ثُمَّ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُوْلِ بِهَا لَمْ يَرْجِعْ عَلَيْهَا بِشَيْءٍ] وَفِي الْقِيَاسِ وَهُوَ قَوْلُ زُفَرَ يَرْجِعُ عَلَيْهَا بِنِصْفِ قِيْمَتِهٖ؛ لِاَنَّ الْوَاجِبَ فِيْهِ رَدُّ نِصْفِ عَيْنِ الْمَهْرِ عَلٰى مَامَرَّ تَقْرِيْرُهٗ۔ وَجْهُ الْاِسْتِحْسَانِ اَنَّ حَقَّهٗ عِنْدَ الطَّلَاقِ سَلَامَةُ نِصْفِ الْمَقْبُوْضِ مِنْ جِهَتِهَا وَقَدْ وَصَلَ اِلَيْهِ وَلِهٰذَا لَمْ يَكُنْ لَّهَا دَفْعُ شَيْءٍ اٰخَرَ مَكَانَهٗ. بِخِلَافِ مَا اِذَا كَانَ الْمَهْرُ دَيْنًا.

وَبِخِلَافِ مَا اِذَا بَاعَتْ مِنْ زَوْجِهَا؛ لِاَنَّهٗ وَصَلَ اِلَيْهِ بِبَدَلٍ۔

ترجمہ: [اور اگر عورت سے نکاح سامان پر کیا پھر اس پر قبضہ کیا یا قبضہ نہ کیا اور مرد کو ہبہ کر دیا پھر جماع سے پہلے اسے طلاق دے دی تو اس کی طرف کسی چیز کے لیے رجوع نہ کرے]

اور قیاس کا تقاضا یہ ہے اور یہی امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ عورت سے اس سامان کی نصف قیمت وصول کرے

کیونکہ اس صورت میں عین مہر کا نصف واپس کرنا واجب ہے جس طرح اس کا بیان گزر چکا ہے۔

استحسان کی وجہ یہ ہے کہ طلاق کے وقت مرد کا حق عورت کی جانب سے قبضہ کیے گئے مال کا نصف صحیح سلامت مرد کو مل چکا ہے اسی لیے عورت پر اس کی جگہ کوئی چیز دینا لازم نہیں۔ بخلاف اس کے جب مہر قرض ہو۔

اور بخلاف اس کے جب وہ اس سامان کو خاوند پر فروخت کر دے کیونکہ اس تک اس مہر کا بدل پہنچا (بعینہ نہیں پہنچا)۔

توضیح: اگر مہر میں رقم کی بجائے کوئی سامان دیا تو اس کی مختلف صورتیں ہیں:

پہلی صورت یہ ہے کہ مرد نے وہ سامان عورت کو دے دیا اور اس نے قبضہ کر لیا یا قبضہ نہیں کیا اور عورت نے اسے ہبہ کر دیا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ وہ مال پہلے سے مرد کے ذمہ دین یعنی قرض تھا اور اس نے اسے ہبہ کر دیا۔

تیسری صورت یہ کہ وہی مال عورت نے مرد پر فروخت کر دیا۔

پہلی صورت میں جب عورت نے قبضہ کے بعد یا قبضہ کے بغیر مرد کو ہبہ کیا اور پھر جماع سے پہلے مرد نے طلاق دے دی تو وہ عورت سے کچھ بھی نہیں لے سکتا کیونکہ اسے جب تمام مال مل گیا تو اس کے ضمن میں نصف مال بھی وصول ہو گیا۔

یہ استحسان ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جماع سے پہلے طلاق کی صورت میں مرد کا حق یہ تھا جس مال پر عورت نے قبضہ کیا اس کا نصف صحیح سلامت خاوند کو واپس ملے اور وہ مل گیا اسی لیے اب عورت پر اس کی جگہ کچھ اور دینا لازم نہیں۔

حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا قول جو قیاس کے مطابق ہے یہ ہے کہ یہ مرد عورت سے اس سامان کی نصف قیمت وصول کرے کیونکہ عین مہر کا نصف واپس کرنا ضروری ہے یہ بات پہلے بیان ہو چکی ہے۔

دوسری صورت میں جب وہ سامان مرد کے ذمے قرض ہو تو چونکہ وہ متعین نہیں لہٰذا خاوند کو عین مہر واپس نہیں ملا اس لیے وہ اس سامان کی نصف قیمت کے لیے عورت کی طرف رجوع کر سکتا ہے۔

اسی طرح اگر عورت نے یہ سامان مرد پر فروخت کیا تو مرد کو یہ قیمت کے ساتھ حاصل ہوا لہٰذا یہ ہبہ نہیں اس لیے مرد عورت سے نصف مہر وصول کرنے کا حق رکھتا ہے۔

گویا پہلی صورت میں اور ان دوسری دو صورتوں میں فرق کی وجہ سے دونوں کے احکام مختلف ہیں۔

وہ جانور یا سامان مہر مقرر کرنا جو خاوند کے ذمہ ثابت ہے

(۱۰۴) وَلَوْ تَزَوَّجَهَا عَلٰى حَيَوَانٍ اَوْ عُرُوْضٍ فِي الذِّمَّةِ فَكَذٰلِكَ الْجَوَابُ؛ لِاَنَّ الْمَقْبُوْضَ مُتَعَيَّنٌ فِي الرَّدِّ وَهٰذَا؛ لِاَنَّ الْجَهَالَةَ تَحَمَّلَتْ فِي النِّكَاحِ فَاِذَا عَيَّنَ فِيْهِ يَصِيْرُ كَاَنَّ التَّسْمِيَةَ

وَقَعَتْ عَلَيْهِ

ترجمہ: اگر کسی شخص نے ایسے حیوان یا سامان کے بدلے میں نکاح کیا جو عورت کے ذمے ہے تو یہی حکم ہوگا کیونکہ جس چیز پر قبضہ کیا واپس کرنے کے لیے وہ متعین ہے کیونکہ نکاح میں جہالت برداشت کی جاتی ہے پس جب نکاح میں اسے متعین کر دیا تو یوں ہو گیا کہ گویا اسی کو مقرر کیا گیا۔

توضیح: اس کا مطلب یہ ہے کہ مرد کا عورت کے ذمے کوئی جانور یا سامان تھا مرد نے اسی پر نکاح کیا یعنی وہی تمہارا مہر ہے اور عورت نے وہ اسے ہبہ کر دیا اب جماع سے پہلے طلاق دی تو وہ اس سے کچھ بھی وصول نہیں کرے گا۔

کیونکہ جو چیز عورت کے قبضہ میں ہے وہی لوٹائی جائے گی گویا مرد کو اسکا نصف واپس مل گیا۔

رہا یہ سوال کہ یہاں مہر مجہول ہے نہ معلوم وہ کیا چیز ہے تو فرماتے ہیں نکاح میں اس قدر جہالت برداشت ہوتی ہے اب جب خاوند نے اسے متعین کر دیا تو گویا عقد کے وقت اس کا نام لیا گیا۔

مہر کی رقم کو کسی شرط کے ساتھ مشروط کرنا

(۱۰۵) [وَإِذَا تَزَوَّجَهَا عَلَى أَلْفٍ عَلَى أَنْ لَّا يُخْرِجَهَا مِنَ الْبَلْدَةِ أَوْ عَلَى أَنْ لَّا يَتَزَوَّجَ عَلَيْهَا أُخْرَى، فَإِنْ وَفَّى بِالشَّرْطِ فَلَهَا الْمُسَمّٰى]؛ لِأَنَّهُ صَلَحَ مَهْرًا وَّقَدْ تَمَّ رِضَاهَا بِهِ [وَإِنْ تَزَوَّجَ عَلَيْهَا أُخْرَى أَوْ أَخْرَجَهَا فَلَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا]؛ لِأَنَّهُ سَمّٰى مَالَهَا فِيهِ نَفْعٌ فَعِنْدَ فَوَاتِهِ يَنْعَدِمُ رِضَاهَا بِالْأَلْفِ فَيُكْمِلُ مَهْرَ مِثْلِهَا كَمَا فِي تَسْمِيَةِ الْكَرَامَةِ وَالْهِدَايَةِ مَعَ الْأَلْفِ

ترجمہ: [اور جب کوئی شخص ایک ہزار مہر کے بدلے میں اس شرط پر نکاح کرے کہ وہ اسے شہر سے باہر نہیں لے جائے گا یا اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہیں کرے گا تو اگر اس نے شرط پوری کر دی تو عورت کے لیے مقررہ مہر ہوگا] کیونکہ وہ مہر کی صلاحیت رکھتا ہے اور عورت اس پر راضی ہوئی ہے۔ [اور اگر وہ اس کی موجودگی میں دوسری عورت سے شادی کرے یا اسے شہر سے باہر لے جائے تو اس کے لیے مہر مثل ہوگا] کیونکہ اس نے وہ مہر مقرر کیا جس میں عورت کا نفع ہے جب وہ نفع فوت ہو گیا تو ایک ہزار کے بارے میں عورت کی رضامندی ختم ہو گی پس مہر مکمل کیا جائے گا جس طرح ہزار کے ساتھ اس کی عزت اور تحفہ دینے کا ذکر کیا گیا۔

توضیح: مرد نے عورت کے لیے ایک ہزار درہم مقرر کیا اور عورت نے ایک ہزار پر اس شرط کے ساتھ رضامندی ظاہر کی کہ خاوند اسے شہر سے باہر نہ لے جائے یا یہ کہ خاوند اس کی موجودگی میں دوسری شادی نہیں کرے گا۔ تو چونکہ ایک ہزار درہم مہر شرط کے ساتھ مشروط ہے لہٰذا اگر خاوند شرط پوری کرے تو عورت کو وہی ایک ہزار ملے گا کیونکہ یہ رقم مہر بننے کی صلاحیت رکھتی ہے اور عورت اس پر راضی بھی ہے لیکن جب خاوند شرط پوری نہ کرے اور دوسری شادی کر لے یا اسے شہر سے باہر لے

جائے تو اب مہر مثل دینا ہوگا۔ کیونکہ اب خاتون ایک ہزار پر راضی نہیں اس لیے پہلی صورت میں اس کے لیے فائدہ تھا جو حاصل نہ ہوا۔

یہ اسی طرح ہے کہ وہ ایک ہزار کی رقم اس شرط کے ساتھ قبول کرے کہ خاوند اس کی عزت کرے گا یا یہ کہ تحائف دے گا۔ اب اگر خاوند شرط پوری نہیں کرتا تو ایک ہزار پر رضامندی نہ رہی لہٰذا مہر مثل دینا ہوگا۔

اگر دو مختلف شرطوں کے ساتھ مختلف رقم کا ذکر ہو

(۱۰۶) [وَلَوْ تَزَوَّجَهَا عَلَى اَلْفٍ اِنْ اَقَامَ بِهَا وَعَلَى اَلْفَيْنِ اِنْ اَخْرَجَهَا. فَاِنْ اَقَامَ بِهَا فَلَهَا الْاَلْفُ، وَاِنْ اَخْرَجَهَا فَلَهَا مَهْرُ الْمِثْلِ لَا يُزَادُ عَلَى الْاَلْفَيْنِ وَلَا يُنْقَصُ عَنِ الْاَلْفِ، وَهٰذَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ. وَقَالَا: الشَّرْطَانِ جَمِيْعًا جَائِزَانِ]

حَتّٰى كَانَ لَهَا الْاَلْفُ اِنْ اَقَامَ بِهَا وَالْاَلْفَانِ اِنْ اَخْرَجَهَا۔

وَقَالَ زُفَرُ: الشَّرْطَانِ جَمِيْعًا فَاسِدَانِ، وَيَكُوْنُ لَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا لَا يُنْقَصُ مِنْ اَلْفٍ وَّلَا يُزَادُ عَلَى اَلْفَيْنِ

وَاَصْلُ الْمَسْاَلَةِ فِي الْاِجَارَاتِ فِيْ قَوْلِهٖ: اِنْ خِطْتَهُ الْيَوْمَ فَلَكَ دِرْهَمٌ، وَاِنْ خِطْتَهُ غَدًا فَلَكَ نِصْفُ دِرْهَمٍ. وَسَنُبَيِّنُهَا فِيْهِ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ

ترجمہ: [اور اگر کسی شخص نے (اس طرح) نکاح کیا کہ اگر وہ اسے مقیم رکھے گا تو ایک ہزار اور اگر شہر سے باہر لے جائے گا تو دو ہزار مہر ہوگا پس اگر وہ اسے (اپنے شہر میں) مقیم رکھے تو عورت کے لیے ایک ہزار ہوگا اور اگر باہر لے جائے تو مہر مثل ہوگا جو دو ہزار سے زیادہ نہ ہو اور نہ ہی ایک ہزار سے کم ہو یہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں دونوں شرطیں جائز ہیں]

حتیٰ کہ اس کے لیے ایک ہزار ہوں گے اگر اسے مقیم رکھے اور دو ہزار ہوں گے اگر باہر لے جائے۔

حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: دونوں شرطیں فاسد ہیں اور اس کے لیے مہر مثل ہوگا جو ایک ہزار سے کم اور دو ہزار سے زیادہ نہ ہو۔

اور اصل مسئلہ اجارہ کے باب میں اس طرح بیان کیا گیا کہ کسی شخص نے درزی سے کہا اگر تم نے کپڑا آج ہی سلائی کر کے دیا تو تیرے لیے ایک درہم ہے اور اگر کل سلائی کی تو نصف درہم ہوگا اور ہم عنقریب اس مسئلہ کو بیان کریں گے۔ ان شاء اللہ۔

توضیح: اس مسئلہ میں دو شرطیں بیان کی گئیں اور ان کا حکم بیان کیا گیا جس میں ائمہ احناف کا اختلاف ہے۔

مسئلہ یہ ہے کہ نکاح کرتے وقت مرد نے کہا اگر میں تجھے اپنے شہر میں ہی رکھوں گا تو ایک ہزار درہم مہر ہوگا اور اگر شہر سے باہر لے جاؤں گا تو دو ہزار درہم ہوں گے تو اس کا حکم تین طرح بیان کیا گیا:

- حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگر مقیم رکھے تو ایک ہزار اور اگر باہر لے جائے تو مہر مثل ہوگا۔ لیکن مہر مثل ایک ہزار سے کم اور دو ہزار سے زیادہ نہ ہو۔
- صاحبین رحمہما اللہ کا قول ظاہر کے مطابق ہے وہ فرماتے ہیں اگر اپنے شہر میں رکھے تو ایک ہزار اور باہر لے جائے تو دو ہزار درہم دینا ہوں گے۔
- امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دونوں شرطیں فاسد ہیں دونوں صورتوں میں مہر مثل دینا ہوگا پہلی صورت میں ایک ہزار سے کم نہ ہو اور دوسری صورت میں دو ہزار سے زیادہ نہ ہو۔

گویا امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دونوں شرطیں فاسد ہیں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دوسری شرط فاسد ہے اور صاحبین کے نزدیک دونوں شرطیں صحیح ہیں۔

اور جہاں شرط فاسد ہوگی وہاں اصل کی طرف رجوع ہوگا اور وہ مہر مثل ہے۔ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ دونوں شرطوں کے فاسد ہونے کی وجہ یوں بیان کرتے ہیں کہ ایک چیز یعنی شرمگاہ کے مقابلے میں دو مختلف چیزیں بیان کی گئیں یعنی ایک ہزار اور دو ہزار تو جہالت کی وجہ سے مقررہ کردہ مقدار فاسد ہوگی اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ پہلی شرط صحیح ہے کیونکہ وہ مجہول نہیں لہٰذا اس کے ساتھ عقد متعلق ہو جائے گا پھر دوسری شرط صحیح نہیں کیونکہ جہالت کی وجہ سے پیدا ہوئی۔ ◆

مہر میں غیر معین غلام مقرر کرنا

(۱۰۷) وَلَوْ تَزَوَّجَهَا عَلٰى هٰذَا الْعَبْدِ اَوْ عَلٰى هٰذَا الْعَبْدِ فَاِذَا اَحَدُهُمَا اَوْكَسُ وَالْاٰخَرُ اَرْفَعُ، فَاِنْ كَانَ مَهْرُ مِثْلِهَا اَقَلَّ مِنْ اَوْكَسِهِمَا فَلَهَا الْاَوْكَسُ، وَاِنْ كَانَ اَكْثَرَ مِنْ اَرْفَعِهِمَا فَلَهَا الْاَرْفَعُ، وَاِنْ كَانَ بَيْنَهُمَا فَلَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا، وَهٰذَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ، وَقَالَا: لَهَا الْاَوْكَسُ فِيْ ذٰلِكَ كُلِّهٖ [فَاِنْ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُوْلِ بِهَا فَلَهَا نِصْفُ الْاَوْكَسِ فِيْ ذٰلِكَ كُلِّهٖ بِالْاِجْمَاعِ]

لَهُمَا اَنَّ الْمَصِيْرَ اِلٰى مَهْرِ الْمِثْلِ لِتَعَذُّرِ اِيْجَابِ الْمُسَمّٰى، وَقَدْ اَمْكَنَ اِيْجَابُ الْاَوْكَسِ اِذْ اَلْاَقَلُّ مُتَيَقَّنٌ فَصَارَ كَالْخُلْعِ وَالْاِعْتَاقِ عَلٰى مَالٍ۔

وَلِاَبِيْ حَنِيْفَةَ اَنَّ الْمُوْجِبَ الْاَصْلِيَّ مَهْرُ الْمِثْلِ اِذْ هُوَ الْاَعْدَلُ. وَالْعُدُوْلُ عَنْهُ عِنْدَ صِحَّةِ التَّسْمِيَةِ وَقَدْ فَسَدَتْ لِمَكَانِ الْجَهَالَةِ

◆ عینی، جلد: ۲، صفحہ: ۱۴۲

بِخِلَافِ الْخُلْعِ وَالْإِعْتَاقِ عَلَى مَالٍ، لِأَنَّهُ لَا مُوْجِبَ لَهُ فِي الْبَدَلِ. إِلَّا أَنَّ مَهْرَ الْمِثْلِ إِذَا كَانَ أَكْثَرَ مِنَ الْأَرْفَعِ فَالْمَرْأَةُ رَضِيَتْ بِالْحَطِّ، وَإِنْ كَانَ أَنْقَصَ مِنَ الْأَوْكَسِ فَالزَّوْجُ رَضِيَ بِالزِّيَادَةِ.

وَالْوَاجِبُ بِالطَّلَاقِ قَبْلَ الدُّخُولِ فِي مِثْلِهِ الْمُتْعَةُ وَنِصْفُ الْأَوْكَسِ يَزِيْدُ عَلَيْهَا فِي الْعَادَةِ فَوَجَبَ لِاعْتِرَافِهِ بِالزِّيَادَةِ.

ترجمہ: اور اگر عورت سے اس طرح نکاح کیا کہ یہ غلام یا یہ غلام مہر ہوگا۔
دیکھا تو ان میں سے ایک کم قیمت تھا اور دوسرا زیادہ قیمتی تھا اور اگر اس عورت کا مہر مثل ان میں سے کم قیمت والے غلام (کی قیمت) سے کم ہے تو اس کے لیے کم قیمت والا غلام ہوگا اور اگر زیادہ قیمتی غلام کی قیمت سے زیادہ ہے تو زیادہ قیمت والا ہوگا۔ اور اگر مہر مثل دونوں کے درمیان ہو تو مہر مثل ہوگا۔

یہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے اور صاحبین فرماتے ہیں ہر صورت میں کم قیمت والا غلام ہوگا
[پس اگر جماع سے پہلے طلاق دے تو عورت کے لیے اب تمام صورتوں میں کم قیمت والے کا نصف ہوگا اس پر اجماع ہے]۔

(اختلافی مسئلہ میں) صاحبین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ مہر مثل کی طرف رجوع اس لیے ہے کہ مقرر کیا گیا مہر واجب کرنا مشکل ہے (کیونکہ غیر متعین ہے) اور کم قیمت والا غلام مقرر کرنا ممکن ہے کیونکہ کم درجہ والا یقینی ہے لہٰذا یہ خلع اور مال کے بدلے میں آزادی کی طرح ہو جائے گا۔

اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ موجب اصلی مہر مثل ہے کیونکہ اسی میں عدل (اور اعتدال) ہے اور اس سے عدول (پھرنا) اس وقت ہوتا ہے جب مقرر کرنا صحیح ہو اور وہ جہالت کی وجہ سے فاسد ہو گیا۔

بخلاف خلع اور مال کے بدلے میں آزادی کے، کیونکہ بدل میں کوئی چیز واجب کرنے والی نہیں مگر جب مہر مثل زیادہ قیمت والے سے زیادہ ہو تو عورت کمی پر راضی ہوگی اور اگر کم قیمت والے سے کم ہو تو مرد زیادہ پر راضی ہوگا اور جماع سے پہلے طلاق میں مہر مثل کی صورت میں متعہ ہوتا ہے اور کم قیمت والے غلام کا نصف عام طور پر اس (متعہ) سے زیادہ ہوتا ہے پس مرد کے زائد کے اعتراف کی وجہ سے وہ واجب ہو جائے گا۔

توضیح: اگر مہر میں غلام دینا قرار پایا لیکن اسے متعین نہ کیا بلکہ دو غلاموں کی طرف اشارہ کر کے کہا یہ غلام یا یہ غلام جبکہ ان میں سے ایک کی قیمت زیادہ کم اور دوسرے کی بہت زیادہ ہے تو اس مسئلہ میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبین رحمہما اللہ کے درمیان اختلاف ہے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس عورت کا مہر مثل یعنی اس کے آبائی خاندان کی عورتوں کا مہر دیکھا جائے اگر مہر مثل

کم قیمت والے غلام کی قیمت سے کم ہے تو اسے وہ غلام دیا جائے جس کی قیمت کم ہے اور اگر زیادہ قیمت والے غلام کی قیمت سے زیادہ ہو تو زیادہ قیمت والا غلام دیا جائے اور اگر مہر مثل دونوں کی قیمت کے درمیان ہو تو مہر مثل دیا جائے۔

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ بنیادی طور پر مہر مثل واجب ہوگا کیونکہ یہی زیادہ عدل کے موافق ہے کیونکہ یہ بُضع کے مساوی ہے اور خاندان کی تمام عورتوں کے مہر کے موافق ہے اور مہر مثل کو اسی وقت چھوڑا جاتا ہے جب مہر مقرر کیا جائے اور اس صورت میں مقرر کیا گیا مہر مجہول ہونے کی وجہ سے فاسد ہو گیا۔

صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں (مذکورہ بالا) تمام صورتوں میں کم قیمت والا غلام مہر دیا جائے گا۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ مہر مثل کی طرف رجوع اس وقت ہوتا ہے جب مسمّٰی (مقرر کردہ) مہر نہ دیا جاسکے اور یہاں کم قیمت والے غلام کو واجب کرنا ممکن ہے کیونکہ کم قیمت والا متعین ہے لہٰذا یہ اسی طرح ہے جس طرح خلع اور مال کے بدلے غلام آزاد کرنے کی صورت میں ہوتا ہے یعنی کم قیمت والا غلام متعین ہو جائے گا۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں اس مسئلہ کو خلع وغیرہ پر قیاس نہیں کیا جاسکتا کیونکہ خلع وغیرہ میں کوئی متبادل نہیں جب کہ یہاں اس غلام کی متبادل مہر مثل ہے۔

آپ فرماتے ہیں اگر مہر مثل زیادہ قیمت والے غلام (کی قیمت) سے زیادہ ہو تو عورت کمی پر راضی ہو چکی ہے اور اگر مہر مثل کم قیمت والے غلام (کی قیمت) سے کم ہو تو خاوند زیادہ دینے پر راضی ہو چکا ہے۔

اس سلسلے میں دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر جماع سے پہلے عورت کو طلاق دی تو سب کے نزدیک کم قیمت والے غلام (کی قیمت) کا نصف واجب ہوگا کیونکہ اس صورت جب طلاق دی تو متعہ واجب ہوتا ہے (یعنی تین کپڑے) اور عام طور پر کم قیمت والے غلام کا نصف متعہ سے زائد ہوتا ہے اور مرد چونکہ زیادہ کا اعتراض کر چکا ہے لہٰذا یہی واجب ہوگا۔

نوٹ: مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں غلام کی مثال دی ہے۔ چونکہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کو آزادی کی نعمت سے مالا مال کیا لہٰذا غلامی کا دور ختم ہو گیا اس لیے اس مثال کو دو جانوروں کی صورت میں لیا جاسکتا ہے اور وہی تفصیل ہوگی جو اُوپر بیان کی گئی ہے۔

مہر میں جانور مقرر کیا لیکن اس کا وصف بیان نہیں کیا

(۱۰۸) [وَاِذَا تَزَوَّجَهَا عَلٰی حَيَوَانٍ غَيْرِ مَوْصُوْفٍ صَحَّتِ التَّسْمِيَةُ وَلَهَا الْوَسَطُ مِنْهُ. وَالزَّوْجُ مُخَيَّرٌ اِنْ شَاءَ اَعْطَاهَا ذٰلِكَ وَاِنْ شَاءَ اَعْطَاهَا قِيْمَتَهُ] قَالَ رَحِمَهُ اللّٰهُ: مَعْنَى هٰذِهِ الْمَسْاَلَةِ اَنْ يُسَمِّيَ جِنْسَ الْحَيَوَانِ دُوْنَ الْوَصْفِ. بِاَنْ يَّتَزَوَّجَهَا عَلٰی فَرَسٍ اَوْ حِمَارٍ۔

اَمَّا اِذَا لَمْ يُسَمِّ الْجِنْسَ بِاَنْ يَّتَزَوَّجَهَا عَلٰی دَابَّةٍ لَا تَجُوْزُ التَّسْمِيَةُ وَيَجِبُ مَهْرُ الْمِثْلِ۔

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: يَجِبُ مَهْرُ الْمِثْلِ فِي الْوَجْهَيْنِ جَمِيْعًا؛ لِاَنَّ عِنْدَهُ مَالَا يَصْلُحُ ثَمَنًا فِي الْبَيْعِ لَا يَصْلُحُ مُسَمًّى فِي النِّكَاحِ اِذْ كُلٌّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مُعَاوَضَةٌ۔

وَلَنَا اَنَّهُ مُعَاوَضَةُ مَالٍ بِغَيْرِ مَالٍ فَجَعَلْنَاهُ اِلْتِزَامَ الْمَالِ اِبْتِدَاءً حَتّٰى لَا يَفْسُدُ بِاَصْلِ الْجِهَالَةِ كَالدِّيَةِ وَالْاَقَارِيْرِ. وَشَرَطْنَا اَنْ يَّكُوْنَ الْمُسَمّٰى مَالًا وَسَطُهُ مَعْلُوْمٌ رِعَايَةً لِلْجَانِبَيْنِ، وَذٰلِكَ عِنْدَ اِعْلَامِ الْجِنْسِ؛ لِاَنَّهُ يَشْتَمِلُ عَلَى الْجَيِّدِ وَالرَّدِيِّ وَالْوَسَطُ ذُوْ حَظٍّ مِّنْهُمَا. بِخِلَافِ جِهَالَةِ الْجِنْسِ، لِاَنَّهُ لَا وَسَطَ لَهُ لِاِخْتِلَافِ مَعَانِي الْاَجْنَاسِ. وَبِخِلَافِ الْبَيْعِ؛ لِاَنَّ مَبْنَاهُ عَلَى الْمُضَايَقَةِ وَالْمُمَاكَسَةِ. اَمَّا النِّكَاحُ فَمَبْنَاهُ عَلَى الْمُسَامَحَةِ. وَاِنَّمَا يَتَخَيَّرُ؛ لِاَنَّ الْوَسَطَ لَا يُعْرَفُ اِلَّا بِالْقِيْمَةِ فَصَارَتْ اَصْلًا فِي حَقِّ الْاِيْفَاءِ وَالْعَبْدُ اَصْلُ تَسْمِيَةٍ فَيَتَخَيَّرُ بَيْنَهُمَا۔

ترجمہ: [اور جب کسی شخص نے ایسا جانور مہر میں مقرر کر کے شادی کی جس کا وصف بیان نہیں کیا تو یہ مقرر کرنا صحیح ہے اور عورت کے لیے درمیانے قسم کا جانور ہوگا اور خاوند کو اختیار ہے اگر چاہے تو وہ جانور اسے دے اور اگر چاہے تو اس کی قیمت]

مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس مسئلہ کا مطلب یہ ہے کہ حیوان کی جنس بیان کی وصف بیان نہیں کیا مثلاً یہ کہ اس سے گھوڑا دینے یا گدھا دینے پر نکاح کیا۔

اور اگر جنس بیان نہ کرے اس طرح کہ محض جانور کے بدلے میں نکاح کیا تو مقرر کرنے کی یہ صورت جائز نہیں اور مہر مثل واجب ہو جائے گا۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: دونوں صورتوں میں مہر مثل واجب ہوگا کیونکہ ان کے نزدیک جو چیز بیع میں ثمن (قیمت) نہیں بن سکتی وہ نکاح میں مہر بننے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتی کیونکہ یہ دونوں معاوضہ ہیں۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ غیر مال کا معاوضہ مال کے ساتھ ہے پس ہم نے اسے ابتداء میں مال کو لازم کرنا قرار دیا۔

حتیٰ کہ اصل جہالت کے ساتھ بھی نکاح فاسد نہیں ہوتا جس طرح دیت اور اقرار (کا حکم ہے)

اور ہم نے یہ شرط رکھی کہ جو مقرر کیا جائے وہ مال ہو اور اس کا درمیانہ درجہ معلوم ہو اس سے دونوں طرف کی رعایت ہے اور یہ اس وقت ہے جب جنس کا ذکر کرے کیونکہ وہ عمدہ، ردی اور درمیانی قسم پر مشتمل ہوتا ہے جس کا دونوں طرف (جید اور ردی) سے تعلق ہوتا ہے۔

بخلاف جنس کے مجہول ہونے کے کیونکہ جنس کے مقاصد مختلف ہوتے ہیں لہٰذا اس کا درمیانہ درجہ معلوم نہیں ہو سکتا۔

اور بخلاف بیع کے، کیونکہ اس کی بنیاد تنگی اور جھگڑے پر ہوتی ہے لیکن نکاح چشم پوشی پر مبنی ہوتا ہے اور مرد کو اختیار اس لیے دیا گیا کہ درمیانے درجہ کی معرفت قیمت کے ساتھ ہوتی ہے لہٰذا ادائیگی میں یہی اصل ہو گیا اور مقرر کرنے کے

اعتبار سے جانور اصل ہے لہٰذا اسے ان دونوں (جانور یا قیمت) میں اختیار ہوگا۔

توضیح: کسی شخص نے نکاح کے وقت کوئی جانور بطور مہر دینا مقرر کیا اور اس کا وصف نہیں بتایا تو کیا حکم ہوگا۔

نوٹ: جانور کی جنس اور وصف میں فرق ہے۔ جنس جیسے گھوڑا، گدھا، بھینس وغیرہ اور وصف ایک ہی جنس میں ہوتا ہے مثلاً بھینس یا کسی بھی جانور کے تین وصف ہوتے ہیں اعلیٰ، ادنیٰ اور درمیانے قسم کا جانور۔

اگر یہ کہا کہ جانوروں کا نام نہیں بتایا تو اس صورت میں بالاتفاق مہر مثل واجب ہوگا کیونکہ جانوروں کے مقاصد مختلف ہوتے ہیں گھوڑا کسی اور مقصد کے لیے اور بھینس کسی دوسرے مقصد کے لیے ہوتی ہے اس لیے یہاں اعلیٰ، ادنیٰ اور درمیانے قسم کا تعین نہیں ہوسکتا۔

اختلاف اس مسئلہ میں ہے کہ جانور کی جنس بتادی مثلاً یہ کہ بھینس دے گا لیکن یہ نہیں بتایا کہ وہ کس قسم کی ہوگی تو ہمارے (احناف) کے نزدیک درمیانے درجہ کی بھینس دینا ہوگی پھر مرد کو اختیار ہے کہ وہ درمیانے انداز کی بھینس دے یا اس کی قیمت دے۔

لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دونوں صورتوں میں مہر مثل واجب ہوگا۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ جو چیز بیع میں ثمن نہیں بن سکتی وہ نکاح میں بطور مہر مقرر نہیں کی جاسکتی کیونکہ ان کے نزدیک مبیع کی قیمت بھی معاوضہ ہے اور مہر بھی معاوضہ ہے لہٰذا جب جانور کی صفت بیان نہ کی گئی ہو تو وہ کسی سودے میں قیمت بھی نہیں بن سکتا اور مہر بھی نہیں ہوسکتا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ بیع کی طرح نہیں بیع میں دونوں طرف مال ہوتا ہے جبکہ نکاح میں ایک طرف مال ہوتا ہے اور دوسری طرف مال نہیں بلکہ انسانی عضو (شرمگاہ) سے نفع اٹھانا ہوتا ہے۔

لہٰذا ہم نے ابتداء میں مال ادا کرنا لازم قرار دیا حتیٰ کہ وہ مال مجہول بھی ہو تو نکاح ہوجاتا ہے لیکن بیع میں ایک دوسرے سے جھگڑا کیا جاتا ہے یعنی بائع کم قیمت پر دینا نہیں چاہتا اور مشتری زیادہ قیمت پر لینا نہیں چاہتا۔ جس طرح دیت (خون بہا) کا وجوب ہے یا کوئی شخص کسی کے لیے کسی چیز کا اقرار کرتا ہے تو وہ اس کی وضاحت نہ بھی کرے تو وہ چیز لازم ہو جائے گی۔

رہی یہ بات کہ جو مال یعنی حیوان مقرر کیا گیا ہے وہ درمیانے قسم کا ہو تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں مرد اور عورت کی رعایت اور خیال کیا گیا ہے۔

کیونکہ کسی چیز کی تین صورتیں ہوتی ہیں:

① اعلیٰ ② متوسط ③ ادنیٰ

اور درمیانہ درجہ کا دونوں طرف تعلق ہوتا ہے۔

جنس مجہول ہو تو ایسا نہیں ہوسکتا ہے اسی طرح بیع میں جب صفت مجہول ہو تو جائز نہیں ہوتا کیونکہ بیع میں رعایت اور

آسانی نہیں بلکہ بائع اور مشتری کے درمیان جھگڑا ہوتا ہے بائع زیادہ لینا چاہتا ہے اور مشتری کم دینا چاہتا ہے جبکہ نکاح میں چشم پوشی سے کام لیا جاتا ہے کمی زیادتی کو برداشت کیا جاتا ہے اس لیے بیع اور نکاح میں فرق ہے۔

جہاں تک مرد کو اختیار دینے کا تعلق ہے کہ وہ درمیانے قسم کا جانور دے یا اس کی قیمت دے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ جانور کے ادنیٰ اور اعلیٰ یا درمیانے انداز کا ہونا قیمت سے بھی معلوم ہوتا ہے اور اصل مقرر شدہ مہر تو جانور ہی ہے لہٰذا دونوں میں سے جو بھی دے درست ہوگا۔

غیر موصوف کپڑا مہر میں مقرر کرنے کا حکم

(۱۰۹) [وَاِنْ تَزَوَّجَهَا عَلٰى ثَوْبٍ غَيْرِ مَوْصُوْفٍ فَلَهَا مَهْرُ الْمِثْلِ وَمَعْنَاهُ: ذَكَرَ الثَّوْبَ وَلَمْ يَزِدْ عَلَيْهِ] وَوَجْهُهُ اَنَّ هٰذِهٖ جَهَالَةُ الْجِنْسِ اِذِ الثِّيَابُ اَجْنَاسٌ،

وَلَوْ سَمّٰى جِنْسًا بِاَنْ قَالَ هَرَوِيٌّ يَصِحُّ التَّسْمِيَةُ وَيُخَيَّرُ الزَّوْجُ لِمَا بَيَّنَّا. وَكَذَا اِذَا بَالَغَ فِيْ وَصْفِ الثَّوْبِ فِيْ ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ؛ لِاَنَّهَا لَيْسَتْ مِنْ ذَوَاتِ الْاَمْثَالِ،

وَكَذَا اِذَا سَمّٰى مَكِيْلًا اَوْ مَوْزُوْنًا وَ سَمّٰى جِنْسَهٗ دُوْنَ صِفَتِهٖ. وَاِنْ سَمّٰى جِنْسَهٗ وَصِفَتَهٗ يُخَيَّرُ؛ لِاَنَّ الْمَوْصُوْفَ مِنْهُمَا يَثْبُتُ فِي الذِّمَّةِ ثُبُوْتًا صَحِيْحًا

ترجمہ: [اور اگر ایسے کپڑے پر نکاح کیا جس کا وصف بیان نہیں کیا تو عورت کے لیے مہر مثل ہوگا اس کا مطلب یہ ہے کہ صرف کپڑے کا ذکر کیا مزید کچھ نہ کہا]۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ جنس کی جہالت ہے کیونکہ کپڑے کئی جنسوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔

اور اگر جنس کا ذکر کیا کہ (مثلاً) ہرات کے علاقہ کا کپڑا تو مقرر کرنا صحیح ہوگا اور خاوند کو اختیار ہوگا جس طرح ہم نے بیان کیا ہے۔ اسی طرح جب کپڑے کا وصف بیان کرنے میں مبالغہ کرے یہ ظاہر الروایت کے مطابق ہے۔

کیونکہ کپڑا ذوات لامثال میں سے نہیں (یعنی ایک کپڑا دوسرے کی مثل نہیں)۔

اسی طرح جب کیلی یا وزنی چیز کا ذکر کیا اور جنس کا بتایا لیکن وصف بیان نہ کیا (تو اس میں سے درمیانے قسم کی جنس دے گا) اور اگر جنس اور وصف دونوں کا ذکر کیا تو مرد کو اختیار نہیں ہوگا کیونکہ ان میں سے جس کا وصف بیان کیا گیا وہ اس کے ذمہ میں صحیح طور پر ثابت ہو جائے گا۔

توضیح: یہ مسئلہ بھی گذشتہ مسئلہ کی طرح ہے کہ اگر جنس بیان نہ ہو تو یہ اس کا مقرر کرنا صحیح ہوگا اور مرد کو اختیار ہوگا کہ متوسط قسم کا کپڑا دے یا اس کی قیمت دے لیکن کپڑے کی جنس بیان نہ کرے محض یہ کہے کہ میں مہر میں کپڑا دوں گا تو مہر کا ذکر صحیح نہ ہوگا۔

کپڑے میں جنس سے مراد یہ ہے کہ فلاں کپڑا دوں گا لیکن چونکہ صفت کا ذکر نہیں کیا اور ایک قسم کا کپڑا ادنیٰ، اعلیٰ اور درمیانے درجہ کا ہوتا ہے۔ مثلاً لٹھا یا کاٹن وغیرہ۔ آج کے دور میں محض جاپانی پاکستانی کہنے سے وضاحت نہیں ہوگی بلکہ کپڑے کا نام لینا ضروری ہے اور اگر اس کے ساتھ وصف بھی بیان کرے تو خاوند کو اختیار نہیں ہوگا بلکہ وہی کپڑا دینا ہوگا۔

اور اگر کہا کہ فلاں کپڑا مثلاً لٹھا دوں گا تو اس طرح یہ بیان صحیح ہوگا لیکن درمیانے قسم کا لٹھا دینا ہوگا۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کپڑا ذوات الامثال میں سے نہیں اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر کسی کا کپڑا ہلاک کیا تو اس کی قیمت دینا ہوگی۔

نوٹ: ذوات الامثال وہ چیز جو ایک جیسی ہوں جیسے گندم وغیرہ اور جو ایک جیسی نہ ہوں جیسے جانور تو ان کو ذوات القیم کہا جاتا ہے یعنی قیمت والی چیز۔

اگر کسی نے کسی کی گندم ضائع کی تو بدلے میں اتنی گندم دے سکتا ہے اور اگر جانور ضائع کیا تو اس کی قیمت دینا ہوگی کیونکہ ایک جانور دوسرے جانور جیسا نہیں ہوتا۔ (۱۲ ہزاروی)

اگر یہ کہا کہ مہر میں غلہ دوں گا تو بتانا ہوگا کہ اس سے مراد گندم ہے یا جَو وغیرہ تو مہر کا مقرر کرنا صحیح ہوگا پھر درمیانے درجہ کی گندم دینا ہوگی کیونکہ ان میں سے جس کی صفت بیان نہ کی ہو تو درمیانے قسم کی دینا ہوتی ہے اور جب جنس اور صفت دونوں بیان کر دیں تو اب خاوند کو اختیار نہیں بلکہ وہی دے گا جس کا ذکر کیا۔

کسی مسلمان کا شراب یا خنزیر پر نکاح کرنا

(۱۱۰) [وَاِنْ تَزَوَّجَ مُسْلِمٌ عَلٰی خَمْرٍ اَوْ خِنْزِیْرٍ فَالنِّکَاحُ جَائِزٌ وَّلَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا]؛ لِاَنَّ شَرْطَ قَبُوْلِ الْخَمْرِ شَرْطٌ فَاسِدٌ فَیَصِحُّ النِّکَاحُ وَیَلْغُو الشَّرْطُ. بِخِلَافِ الْبَیْعِ؛ لِاَنَّهٗ یَبْطُلُ بِالشُّرُوْطِ الْفَاسِدَةِ لٰکِنْ لَّمْ تَصِحَّ التَّسْمِیَةُ لِمَا اَنَّ الْمُسَمّٰی لَیْسَ بِمَالٍ فِیْ حَقِّ الْمُسْلِمِ فَوَجَبَ مَهْرُ الْمِثْلِ۔

ترجمہ: [اور اگر کسی مسلمان نے شراب یا خنزیر کے بدلے میں نکاح کیا تو نکاح جائز ہے اور اس (عورت) کے لیے اس کا مہر مثل ہوگا]۔

کیونکہ شراب کو قبول کرنے کی شرط، فاسد شرط ہے پس نکاح صحیح ہو جائے گا اور شرط لغو ہوگی۔

بخلاف بیع کے کیونکہ بیع فاسد شرائط کے ساتھ فاسد ہو جاتی ہے لیکن وہ مہر جو مقرر کیا صحیح نہیں کیونکہ وہ مسلمان کے حق میں مال نہیں تو مہر مثل واجب ہوگا۔

توضیح: مذکورہ بالا مسئلہ کو سمجھنے سے پہلے یہ بات سمجھنا ضروری ہے کہ

① نکاح میں اگر کوئی فاسد شرط ذکر کی جائے تو نکاح صحیح ہو جاتا ہے اور شرط لغو ہو جاتی ہے۔
② شراب اور خنزیر بنیادی طور پر مال ہیں لیکن مسلمان کے حق میں مال نہیں کیونکہ مسلمان کے لیے ان کا لین دین جائز نہیں۔
لہٰذا اگر بطور مہر شراب یا خنزیر دینا طے ہوا تو نکاح ہو جائے گا اور یہ شرط لغو ہو کر اصل کی طرف رجوع ہوگا اور وہ مہر مثل ہے اس لیے اس صورت میں مہر مثل واجب ہو جائے گا۔
بیع اور نکاح کا فرق واضح کرنے کے لیے فرمایا کہ بیع چونکہ شرائط فاسدہ سے فاسد ہو جاتی ہے لہٰذا اگر ثمن کے طور پر شراب یا خنزیر دینا طے ہو تو بیع فاسد ہو جائے گی۔
لیکن نکاح چونکہ شرائط فاسد سے فاسد نہیں ہوتا لہٰذا نکاح صحیح ہوگا اور مہر مثل واجب ہوگا۔

مہر میں کسی چیز کی طرف اشارہ کرنا

(۱۱۱) [فَإِنْ تَزَوَّجَ اِمْرَأَةً عَلٰى هٰذَا الدَّنِّ مِنَ الْخَلِّ فَإِذَا هُوَ خَمْرٌ فَلَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ۔

وَقَالَا: لَهَا مِثْلُ وَزْنِهِ خَلًّا، وَإِنْ تَزَوَّجَهَا عَلٰى هٰذَا الْعَبْدِ فَإِذَا هُوَ حُرٌّ يَجِبُ مَهْرُ الْمِثْلِ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ۔ وَقَالَ أَبُوْ يُوْسُفَ: تَجِبُ الْقِيْمَةُ]

لِأَبِيْ يُوْسُفَ أَنَّهُ أَطْمَعَهَا مَالًا وَعَجَزَ عَنْ تَسْلِيْمِهِ فَتَجِبُ قِيْمَتُهُ أَوْ مِثْلُهُ إِنْ كَانَ مِنْ ذَوَاتِ الْأَمْثَالِ كَمَا إِذَا هَلَكَ الْعَبْدُ الْمُسَمّٰى قَبْلَ التَّسْلِيْمِ۔

وَأَبُوْ حَنِيْفَةَ يَقُوْلُ: اجْتَمَعَتِ الْإِشَارَةُ وَالتَّسْمِيَةُ فَتُعْتَبَرُ الْإِشَارَةُ لِكَوْنِهَا أَبْلَغَ فِي الْمَقْصُوْدِ وَهُوَ التَّعْرِيْفُ فَكَأَنَّهُ تَزَوَّجَ عَلٰى خَمْرٍ أَوْ حُرٍّ۔

وَمُحَمَّدٌ يَقُوْلُ: اَلْأَصْلُ أَنَّ الْمُسَمّٰى إِذَا كَانَ مِنْ جِنْسِ الْمُشَارِ إِلَيْهِ يَتَعَلَّقُ الْعَقْدُ بِالْمُشَارِ إِلَيْهِ؛ لِأَنَّ الْمُسَمّٰى مَوْجُوْدٌ فِي الْمُشَارِ إِلَيْهِ ذَاتًا، وَالْوَصْفُ يَتْبَعُهُ وَإِنْ كَانَ مِنْ خِلَافِ جِنْسِهِ يَتَعَلَّقُ بِالْمُسَمّٰى؛ لِأَنَّ الْمُسَمّٰى مِثْلٌ لِلْمُشَارِ إِلَيْهِ وَلَيْسَ بِتَابِعٍ لَهُ، وَالتَّسْمِيَةُ أَبْلَغُ فِي التَّعْرِيْفِ مِنْ حَيْثُ إِنَّهَا تُعَرِّفُ الْمَاهِيَّةَ، وَالْإِشَارَةُ تُعَرِّفُ الذَّاتَ، أَلَا تَرٰى أَنَّ مَنِ اشْتَرٰى فَصًّا عَلٰى أَنَّهُ يَاقُوْتٌ فَإِذَا هُوَ زُجَاجٌ لَا يَنْعَقِدُ الْعَقْدُ لِاخْتِلَافِ الْجِنْسِ، وَلَوِ اشْتَرٰى عَلٰى أَنَّهُ يَاقُوْتٌ أَحْمَرُ فَإِذَا هُوَ أَخْضَرُ يَنْعَقِدُ الْعَقْدُ لِاتِّحَادِ الْجِنْسِ۔

وَفِيْ مَسَائِلِنَا الْعَبْدُ مَعَ الْحُرِّ جِنْسٌ وَاحِدٌ لِقِلَّةِ التَّفَاوُتِ فِي الْمَنَافِعِ، وَالْخَمْرُ مَعَ الْخَلِّ

جِنْسَانِ لِفُحْشِ التَّفَاوُتِ فِي الْمَقَاصِدِ۔

ترجمہ: [پس اگر کسی عورت سے اس طرح نکاح کیا کہ سرکے کا یہ مٹکا مہر میں دوں گا جب دیکھا تو شراب تھی تو عورت کے لیے مہر مثل ہوگا۔ یہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ اور صاحبین فرماتے ہیں اس کے وزن کے برابر سرکہ دے اور اگر (اشارہ کرتے ہوئے) کہا اس غلام پر نکاح کرتا ہوں پھر معلوم ہوا کہ وہ آزاد شخص ہے غلام نہیں) تو حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مہر مثل واجب ہوگا۔ اور حضرت ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے قیمت واجب ہوگی]۔

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ اس نے اسے مال کی لالچ دی ہے اور اسے سپرد کرنے سے عاجز ہے پس اس کی قیمت یا اس کی مثل واجب ہوگی اگر وہ مثلی چیزوں میں سے ہوتا جس طرح مقرر کردہ غلام سپرد کرنے سے پہلے ہلاک ہو جائے تو یہی حکم ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: نام اور اشارہ دونوں جمع ہوں تو اشارہ معتبر ہوتا ہے کیونکہ مقصود میں وہ زیادہ بلیغ ہے اور وہ (یعنی مقصود) پہچان کرانا ہے تو گویا اس نے شراب اور آزاد شخص کو مہر مقرر کر کے نکاح کیا۔

اور حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ضابطہ یہ ہے کہ جب مسمیٰ مشار الیہ کی جنس سے ہو تو عقد مشار الیہ سے متعلق ہو جائے گا کیونکہ مسمیٰ، ذاتی طور پر مشار الیہ میں موجود ہوتا ہے اور وصف اس کے تابع ہوتا ہے۔ اور اگر اس کی جنس کے خلاف ہو تو عقد کا تعلق مسمیٰ کے ساتھ ہوگا کیونکہ مسمیٰ مشار الیہ کی مثل ہے اس کے تابع نہیں اور تعریف (پہچان کرانے) میں مسمیٰ زیادہ بلیغ ہوتا ہے کیونکہ وہ ماہیت (کہ وہ کیا چیز ہے) کی پہچان کراتا ہے جبکہ اشارہ ذات کی پہچان کراتا ہے۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب کوئی شخص (انگوٹھی کا) نگینہ خریدے کہ وہ یاقوت ہے پھر پتہ چلے کہ وہ شیشہ ہے تو عقد منعقد نہیں ہوگا کیونکہ جنس مختلف ہے۔

اور اس بنیاد پر خریدا کہ سرخ یاقوت ہے دیکھا تو وہ سبز یاقوت تھا تو جنس کے متحد ہونے کی وجہ سے عقد منعقد ہو جائے گا۔

اور ہمارے زیر بحث مسئلہ میں غلام آزاد کے ساتھ ایک ہی جنس ہے کیونکہ منافع میں فرق بہت تھوڑا ہے۔
اور شراب، سرکے کے ساتھ دو الگ جنس ہیں کیونکہ مقاصد میں بہت زیادہ فرق ہے۔

توضیح: جب نکاح کرتے وقت اس چیز کی طرف اشارہ کیا جائے جو مہر میں مقرر کی گئی ہے اور اس کا نام بھی لیا جائے پھر معلوم ہو کہ یہ چیز وہ نہیں جس کا نام لیا ہے تو اب کیا صورت ہوگی تو اس سلسلے میں دو مثالیں دی گئی ہیں۔

پہلی مثال:

ایک مٹکے کی طرف اشارہ کیا اور کہا یہ سرکہ مہر میں دوں گا، جب اسے دیکھا تو وہ شراب تھی۔ اس میں حضرت امام

ابو حنیفہ اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے درمیان اختلاف ہے حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس صورت میں مہر مثل واجب ہوگا اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں: اس مٹکے میں جتنی مقدار میں شراب ہے اتنی مقدار میں سرکہ دینا ہوگا۔

دوسری مثال:

ایک شخص کی طرف اشارہ کر کے کہا یہ غلام نکاح میں دوں گا بعد میں معلوم ہوا کہ یہ آزاد ہے غلام نہیں اس میں طرفین اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہم کے درمیان اختلاف ہے طرفین کے نزدیک مہر مثل واجب ہوگا اور حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک غلام کی قیمت واجب ہوگی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دونوں صورتوں میں مہر مثل واجب ہوگا۔

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک شراب والی صورت میں سرکہ اور غلام والی صورت میں مہر مثل واجب ہوگا۔

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شراب والی صورت میں اس کا ہم وزن سرکہ اور غلام والی صورت میں غلام کی قیمت واجب ہوگی۔

دلائل

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب مرد نے عورت کو مال کا لالچ دیا (کیونکہ سرکہ اور غلام مال ہیں) اور پھر اس کو سونپنے سے عاجز ہو گیا (کیونکہ شراب اور آزاد مرد مال نہیں) تو دو صورتیں ہیں:

وہ مال مثلی ہے یا غیر مثلی ہے۔ اگر مثلی ہے یعنی اس کی مثل ہے تو وہ دے جس طرح سرکہ ہے لہٰذا پہلی صورت میں سرکہ دے اور اگر مثالی نہیں جیسے ایک انسان دوسرے کی مثل نہیں تو قیمت دے لہٰذا غلام کی صورت میں جب وہ آزاد شخص نکلا تو غلام کی قیمت دے گا۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ایک ضابطہ بیان فرماتے ہیں: وہ اس طرح ہے کہ جب نام بھی لیا جائے اور اس کی طرف اشارہ بھی کیا جائے تو اشارہ معتبر ہوتا ہے کیونکہ مقصود اس کی پہچان کرانا ہے اور اس میں اشارہ زیادہ بلیغ ہوتا ہے تو اس اعتبار سے جس کی طرف اشارہ کیا وہ شراب تھی اور دوسری صورت میں آزاد شخص تھا اور جب شراب یا آزاد شخص کو بطور مہر مقرر کیا جائے تو یہ شرط فاسد ہو جائے گی اور نکاح برقرار رہے گا لہٰذا مہر مثل کی طرف رجوع ہوگا کیونکہ اصل وہی ہے اس بنیاد پر آپ کے نزدیک دونوں صورتوں میں مہر مثل ہوگا۔

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے موقف کے سلسلے میں ایک ضابطہ بیان فرمایا۔ آپ فرماتے ہیں: ضابطہ یہ ہے کہ جب مسمیٰ، مشار الیہ (جس کی طرف اشارہ کیا گیا) کی جنس سے ہو تو عقد مشار الیہ سے متعلق ہوگا کیونکہ مشار الیہ میں مسمیٰ ذاتی طور پر موجود ہوتا ہے اور وصف اس کے تابع ہوتا ہے اور اگر وہ اس کی جنس کے خلاف ہو جس کی طرف اشارہ کیا گیا تو اس کا تعلق مسمیٰ کے ساتھ ہو جائے گا کیونکہ مسمیٰ مشار الیہ کی مثل ہوتا ہے اس کے تابع نہیں ہوتا اور تعریف کرنے یعنی پہچان

کرانے میں نام لینا زیادہ بلیغ ہوتا ہے کیونکہ اس سے ماہیت کی تعریف ہوتی ہے کہ وہ کیا چیز ہے جب کہ اشارہ ذات کی پہچان کراتا ہے۔ اس سلسلے میں حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے انگوٹھی کے نگینے کی مثال دی ہے وہ فرماتے ہیں:

اگر کسی شخص نے اس شرط پر انگوٹھی کا نگینہ خریدا کہ وہ یاقوت ہے جب دیکھا تو وہ شیشے کا تھا تو چونکہ جنس مختلف ہے کیونکہ یاقوت الگ جنس ہے اور شیشہ الگ جنس ہے لہٰذا عقد منعقد نہیں ہوگا اور اگر اس نے اس طرح کہا کہ سرخ یاقوت ہو تو نگینہ یاقوت کا ہی ہو لیکن دوسرے رنگ کا ہو تو جنس متحد ہے لہٰذا عقد منعقد ہو جائے گا۔

اب اس بنیاد پر جب زیر بحث مسئلہ کا جائزہ لیا جائے تو غلام والی صورت میں جنس ایک ہے کیونکہ آزاد مرد بھی انسان ہے اور غلام بھی انسان ہے ان کے منافع میں معمولی فرق ہے اور پہلی صورت یعنی سرکے والے مسئلہ میں جنس مختلف ہے کیونکہ شراب اور جنس ہے اور سرکہ الگ جنس ہے کیونکہ دونوں کے مقاصد میں فرق ہے۔

تو حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے ضابطہ کے مطابق مسمی یعنی غلام مشار الیہ (یعنی آزاد مرد) کی جنس سے ہے تو عقد کا تعلق مشار الیہ کے ساتھ ہوگا اور وہ آزاد مرد ہے پس جب آزاد مرد کی بیع نہیں ہوتی تو مہر مثل واجب ہوگا۔

اور پہلے مسئلہ میں جنس مختلف ہے تو ضابطہ کے مطابق عقد کا تعلق مسمی کے ساتھ ہوگا اور مسمی سرکہ ہے لہٰذا اسے اتنی مقدار میں سرکہ دینا ہوگا۔

اگر مشار الیہ کا ایک جزء مہر نہ بن سکے

(۱۱۲) [فَإِنْ تَزَوَّجَهَا عَلَى هٰذَيْنِ الْعَبْدَيْنِ فَإِذَا أَحَدُهُمَا حُرٌّ فَلَيْسَ لَهَا إِلَّا الْبَاقِي إِذَا سَاوَى عَشَرَةَ دَرَاهِمَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ]

لِأَنَّهُ مُسَمًّى، وَوُجُوبُ الْمُسَمّٰى وَإِنْ قَلَّ يَمْنَعُ وُجُوبَ مَهْرِ الْمِثْلِ

[وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ: لَهَا الْعَبْدُ وَقِيمَةُ الْحُرِّ عَبْدًا]؛ لِأَنَّهُ أَطْمَعَهَا سَلَامَةَ الْعَبْدَيْنِ وَعَجَزَ عَنْ تَسْلِيمِ أَحَدِهِمَا فَتَجِبُ قِيمَتُهُ [وَقَالَ مُحَمَّدٌ] وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ [لَهَا الْعَبْدُ الْبَاقِي وَتَمَامُ مَهْرِ مِثْلِهَا إِنْ كَانَ مَهْرُ مِثْلِهَا أَكْثَرَ مِنْ قِيمَةِ الْعَبْدِ]؛ لِأَنَّهُمَا لَوْ كَانَا حُرَّيْنِ يَجِبُ تَمَامُ مَهْرِ الْمِثْلِ عِنْدَهُ فَإِذَا كَانَ أَحَدُهُمَا عَبْدًا يَجِبُ الْعَبْدُ وَتَمَامُ مَهْرِ الْمِثْلِ۔

[اور اگر اس نے ان دو غلاموں پر نکاح کیا جب دیکھا تو ان میں سے ایک آزاد تھا تو اس کے لیے صرف باقی ہوگا جب دس درہم کے برابر ہو، یہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے]

کیونکہ اسی کا نام لیا گیا اور جب مسمی واجب ہوا اگرچہ کم ہو تو مہر مثل کے وجوب کو منع کرتا ہے۔

[اور حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کے لیے غلام بھی ہوگا اور آزاد کی وہ قیمت بھی ہوگی]

اگر وہ غلام ہوتا (تو جو قیمت ہوتی) کیونکہ اس نے دونوں غلاموں کی سلامتی کا لالچ دیا اور ان میں سے ایک کو سپرد کرنے سے عاجز ہو گیا لہٰذا اس کی قیمت دینا ہوگی

[اور حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں]: اور یہ ایک امام اعظم سے روایت ہے [اس کے لیے باقی غلام ہوگا اور مہر مثل تک پورا کرنا ہوگا اگر مہر مثل غلام کی قیمت سے زیادہ ہو] کیونکہ اگر وہ دونوں آزاد ہوتے تو آپ کے نزدیک پورا مہر مثل واجب ہوتا تو جب ان میں سے ایک آزاد ہے تو غلام اور پورا مثل واجب ہوگا حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک روایت اسی طرح ہے۔

توضیح: کسی شخص نے نکاح کرتے وقت دو آدمیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ وہ مہر میں یہ دو غلام دے گا بعد میں معلوم ہوا کہ ان میں سے ایک آزاد ہے اور آزاد شخص مال نہیں ہوتا لہٰذا صرف ایک غلام باقی رہ گیا جو مہر بن سکتا ہے تو کیا ہونا چاہیے۔

تو اس سلسلے میں تینوں ائمہ احناف کے درمیان اختلاف ہے

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: صرف وہ غلام مہر ہوگا اگر اس کی قیمت دس درہم کے برابر ہو۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اسی کا ذکر کیا گیا اور مقرر کیا گیا اور جب مہر مقرر ہو تو مہر مثل واجب نہیں ہوتا۔

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وہ غلام بھی دینا ہوگا اور آزاد شخص کی جگہ اس کی قیمت بھی دینا ہوگی یعنی اگر یہ غلام ہوتا تو اس کی جو قیمت ہوتی وہ دینا ہوگی۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ اس نے دو غلاموں کا لالچ دیا تھا اور اب ایک کو سونپنے سے عاجز ہے کیونکہ وہ آزاد ہے لہٰذا اس کی قیمت دے گا۔

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں غلام دینا ہوگا اور اگر مہر مثل غلام کی قیمت سے زیادہ ہو تو مہر مثل تک پورا کرنا ہوگا فرماتے ہیں اگر وہ دونوں آزاد ہوتے تو مہر مثل دینا ہوتا۔ تو جب ایک آزاد ہے تو دوسرا یعنی غلام اور پورا مہر مثل بھی دینا پڑے گا۔

نکاح فاسد میں قاضی کا تفریق کرنا

(۱۱۳) [وَاِذَا فَرَّقَ الْقَاضِیْ بَیْنَ الزَّوْجَیْنِ فِی النِّکَاحِ الْفَاسِدِ قَبْلَ الدُّخُوْلِ فَلَا مَهْرَ لَهَا]؛ لِاَنَّ الْمَهْرَ فِیْهِ لَا یَجِبُ بِمُجَرَّدِ الْعَقْدِ لِفَسَادِهٖ، وَاِنَّمَا یَجِبُ بِاسْتِیْفَاءِ مَنَافِعِ الْبُضْعِ [وَکَذَا بَعْدَ الْخَلْوَةِ]؛ لِاَنَّ الْخَلْوَةَ فِیْهِ لَا یَثْبُتُ بِهَا التَّمَکُّنُ فَلَا تُقَامُ مَقَامَ الْوَطْیِ [فَاِنْ دَخَلَ بِهَا فَلَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا لَا یُزَادُ عَلَی الْمُسَمّٰی] عِنْدَنَا خِلَافًا لِزُفَرَ هُوَ یَعْتَبِرُهٗ بِالْبَیْعِ الْفَاسِدِ۔

وَلَنَا اَنَّ الْمُسْتَوْفٰی لَیْسَ بِمَالٍ وَاِنَّمَا یَتَقَوَّمُ بِالتَّسْمِیَۃِ فَاِذَا زَادَتْ عَلٰی مَھْرِ الْمِثْلِ لَمْ تَجِبِ الزِّیَادَۃُ لِعَدَمِ صِحَّۃِ التَّسْمِیَۃِ وَاِنْ نَقَصَتْ لَمْ تَجِبِ الزِّیَادَۃُ عَلَی الْمُسَمّٰی لِاِنْعِدَامِ التَّسْمِیَۃِ بِخِلَافِ الْبَیْعِ، لِاَنَّہٗ مَالٌ مُتَقَوِّمٌ فِیْ نَفْسِہٖ فَیَتَقَدَّرُ بَدَلُہٗ بِقِیْمَتِہٖ۔

[اور جب قاضی نکاح فاسد کی صورت میں جماع سے پہلے میاں بیوی کے درمیان تفریق کردے تو عورت کے لیے مہر نہیں ہوگا]

کیونکہ اس صورت میں محض نکاح سے مہر واجب نہیں ہوتا کیونکہ نکاح فاسد ہوا ہے اور جب شرمگاہ سے نفع اُٹھائے تو مہر واجب ہوتا ہے] اور اسی طرح خلوت صحیحہ سے بھی واجب نہیں ہوتا]

کیونکہ اس صورت میں خلوت سے جماع پر قدرت ثابت نہیں ہوتی اس لیے وہ [جماع کے قائم مقام نہیں ہوگی اور اگر وہ جماع کرے تو اس کے لیے مہر مثل ہوگا جو مقرر مہر سے زیادہ نہ ہو] یہ ہمارے نزدیک ہے اس میں امام زفر علیہ کا اختلاف ہے وہ اسے بیع فاسد پر قیاس کرتے ہیں۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ جس چیز سے فائدہ حاصل کیا گیا وہ مال نہیں اور اس کی قیمت مہر مقرر کرنے سے ہوتی ہے پس جب وہ مہر مثل سے زیادہ ہوگا تو وہ واجب نہیں ہوگا کیونکہ یہاں مہر مقرر کرنا صحیح نہیں اور جب کم ہو تو مقررہ مہر سے زیادہ نہیں ہوگا کیونکہ مقرر کرنا معدوم ہوگیا۔

بخلاف بیع کے کیونکہ وہ ذاتی طور پر مال متقوم ہے لہٰذا اس کے بدل کا اندازہ اس کے مطابق لگایا جائے گا۔

توضیح: اگر نکاح فاسد ہو تو قاضی میاں بیوی کے درمیان تفریق کردیتا ہے تو اس صورت میں عورت کو مہر ملے گا یا نہیں تو اس کی دو صورتیں ہیں:

تفریق جماع سے پہلے ہوئی یا بعد میں؟

اگر جماع سے پہلے تفریق ہوئی تو عورت کو مہر نہیں ملے گا کیونکہ نکاح صحیح میں تو محض نکاح سے مہر واجب ہوجاتا ہے لیکن نکاح فاسد کی صورت میں محض نکاح سے مہر واجب نہیں ہوتا جب تک وطی نہ ہو۔

نوٹ: یہاں فاسد سے مراد باطل ہے یعنی نکاح سرے سے منعقد نہیں ہوتا مثلاً نکاح میں گواہ شرط ہیں اور جس نکاح میں گواہ نہ ہوں وہ باطل ہے اسی کو فاسد کہا گیا۔

خلوت صحیحہ جس کا پہلے ذکر ہوچکا ہے وطی کے قائم مقام ہوتی اگر نکاح فاسد کی صورت میں خلوت صحیحہ ہو تو وہ وطی کے قائم نہیں ہوتی کیونکہ اس صورت میں خلوت ہو تو بھی وہ وطی پر قادر نہیں ہوگا (کیونکہ نکاح فاسد ہے)۔

دوسری صورت یہ ہے کہ جماع کے بعد تفریق ہوئی تو اس صورت میں عورت کے لیے مہر مثل ہوگا لیکن وہ مقررہ مہر سے زیادہ نہیں ہونا چاہیے۔

یہ حکم ائمہ ثلاثہ حضرت امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کے نزدیک ہیں۔
حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ نکاح فاسد کو بیع فاسد پر قیاس کرتے ہیں یعنی جو رقم طے ہوئی وہی دینا ہوگی جس طرح بیع فاسد میں ہوتا ہے۔
ہماری دلیل یہ ہے کہ نکاح فاسد میں جس چیز سے فائدہ حاصل ہوتا ہے وہ مال نہیں وہ قیمت والی اس وقت بنتی ہے جب مہر مقرر ہوا گر وہ مہر مثل سے زیادہ ہوتو زائد رقم واجب نہیں ہوگی کیونکہ مقرر کرنا درست نہیں اور اگر وہ مہر مثل سے کم ہوتو مقرر کردہ سے زائد واجب نہیں ہوگا کیونکہ مقرر کردہ معدوم ہوگیا جب کہ بیع کا مسئلہ اس کے خلاف ہے مطلب یہ ہے کہ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا نکاح فاسد کو بیع فاسد پر قیاس کرنا درست نہیں کیونکہ جس چیز کا سودا ہوا وہ مال متقوم ہے (یعنی شریعت نے اسے مال قرار دیا ہے) اس لیے اس کے بدل کا اندازہ اس کی قیمت کے مطابق ہوگا۔
خلاصہ یہ کہ نکاح میں مہر مال کا معاوضہ یا بدل نہیں جب کہ بیع میں مال کا معاوضہ اور بدل ہے لہٰذا دونوں میں فرق ہے۔

نکاح فاسد میں تفریق کے بعد عدت کا لازم ہونا

(۱۱۴) [وَعَلَيْهَا الْعِدَّةُ] اِلْحَاقًا لِلشُّبْهَةِ بِالْحَقِيْقَةِ فِي مَوْضِعِ الْاِحْتِيَاطِ وَتَحَرُّزًا عَنِ اشْتِبَاهِ النَّسَبِ۔ وَيُعْتَبَرُ ابْتِدَاؤُهَا مِنْ وَقْتِ التَّفْرِيْقِ لَا مِنْ اٰخِرِ الْوَطِيَاتِ. هُوَ الصَّحِيْحُ، لِاَنَّهَا تَجِبُ بِاِعْتِبَارِ شُبْهَةِ النِّكَاحِ وَرَفْعِهَا بِالتَّفْرِيْقِ [وَيَثْبُتُ نَسَبُ وَلَدِهَا]؛ لِاَنَّ النَّسَبَ يُحْتَاطُ فِيْ اِثْبَاتِهِ اِحْيَاءً لِلْوَلَدِ فَيَتَرَتَّبُ عَلَى الثَّابِتِ مِنْ وَجْهٍ۔
وَتُعْتَبَرُ مُدَّةُ النَّسَبِ مِنْ وَقْتِ الدُّخُوْلِ عِنْدَ مُحَمَّدٍ وَعَلَيْهِ الْفَتْوٰى؛ لِاَنَّ النِّكَاحَ الْفَاسِدَ لَيْسَ بِدَاعٍ اِلَيْهِ. وَالْاِقَامَةُ بِاِعْتِبَارِهٖ۔

[اور اس عورت پر عدت بھی لازم ہے] احتیاط کے طور پر شبہ کو حقیقت کے ساتھ ملایا جائے گا نیز اس میں نسب کے مشتبہ ہونے سے بچنا ہے۔
اور اس عدت کی ابتداء کا اعتبار تفریق کے وقت سے ہوگا آخری وطی سے نہیں یہی صحیح قول ہے کیونکہ یہ عدت نکاح کے شبہ کے اعتبار سے واجب ہوئی ہے اور اس کو تفریق کے ساتھ ختم کیا گیا۔
[اور اس کے بچے کا نسب بھی ثابت ہوگا] کیونکہ بچے کو زندہ رکھنے کے لیے نسب کو ثابت کرنے میں احتیاط سے کام لیا جاتا ہے لہٰذا یہ اس حکم پر مرتب ہوگا جو کسی نہ کسی وجہ سے ثابت ہے۔
اور نسب کی مدت کا اعتبار حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جماع کے وقت سے ہوگا اور اسی پر فتویٰ ہے۔ کیونکہ نکاح فاسد وطی کی دعوت نہیں دیتا اور عقد کو وطی کے قائم مقام قرار دینا اس دعوت کے اعتبار سے ہوتا ہے۔

توضیح: نکاح کے سلسلے میں اس سے پہلے مہر کا حکم بیان ہوا اب یہ بتایا جا رہا ہے کہ قاضی کے تفریق کرنے کے بعد عدت اور نسب کا کیا حکم ہوگا؟

تو فرماتے ہیں اس پر عدت لازم ہوگی اس کی وجہ یوں بیان کی گئی کہ وطی کی دو صورتیں ہیں:

ایک وطی جو صحیح نکاح کے بعد ہو اس کے بعد طلاق یا تفریق کی صورت ہو تو عدت واجب ہوتی ہے۔

تو احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ وطی بالشبہ (جو نکاح فاسد کی صورت میں ہوتی) اسے کسی شبہ کے بغیر وطی کے ساتھ ملایا جائے اس کا فائدہ یہ بھی ہوگا کہ بچے کا نسب بھی مشتبہ نہیں ہوگا۔

عدت کا وقت کب شروع ہوگا

بعض حضرات کا موقف یہ ہے کہ جب آخری وطی کی تو اس وقت سے عدت کا وقت شروع ہوگا۔ لیکن صاحب ہدایہ نے فرمایا صحیح قول یہ ہے کہ تفریق کے وقت سے شروع کیا جائے (جس طرح طلاق کی صورت میں طلاق کے وقت سے عدت شروع ہوتی ہے)۔

صاحبِ ہدایہ اس کی یہ وجہ بیان کرتے ہیں کہ چونکہ یہ عدت نکاح کے شبہ کی وجہ سے واجب ہوتی ہے اور تفریق کے ذریعے اس شبہ کا ازالہ ہوتا ہے لہٰذا تفریق کے وقت سے شروع ہوگی۔

نسب کا ثبوت

نکاح فاسد کی صورت میں اگر عورت کو حمل ٹھہرتا ہے تو اس بچے کا نسب اس شخص سے ثابت ہوگا کیونکہ بچے کی زندگی کے لیے احتیاط اسی میں ہے مطلب یہ ہے کہ اگر اس شخص سے بچے کا نسب ثابت نہ ہو تو بچے کی پرورش اور تعلیم و تربیت کا ذمہ دار کون ہوگا لہٰذا وہ نکاح جو کسی وجہ سے ثابت ہے یعنی عدت وغیرہ کے حوالے سے ثابت ہے تو اس پر نسب بھی مرتب ہوگا مدت نسب کے حوالے سے یعنی کس وقت کے بعد چھ مہینے گزرنے پر اگر بچہ پیدا ہو جائے یا چھ ماہ کے بعد ہو تو اس سے نسب ہوگا تو حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ جب اس نے اس سے وطی کی تو اس وقت سے کم از کم مدت کا پورا ہونا ضروری ہے اسی پر فتویٰ ہے کیونکہ نکاح فاسد مزید وطی کی طرف رغبت پیدا نہیں کرتا اور عقد وطی کے قائم مقام نہیں ہوتا۔

مہر مثل کا اعتبار کن خواتین سے ہوگا

(۱۱۵) قَالَ: [وَمَهْرُ مِثْلِهَا يُعْتَبَرُ بِأَخَوَاتِهَا وَعَمَّاتِهَا وَبَنَاتِ أَعْمَامِهَا] لِقَوْلِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ: لَهَا مَهْرُ مِثْلِ نِسَائِهَا لَا وَكْسَ فِيْهِ وَلَا شَطَطَ وَهُنَّ أَقَارِبُ الْأَبِ. وَلِأَنَّ الْإِنْسَانَ مِنْ جِنْسِ قَوْمِ أَبِيْهِ. وَقِيْمَةُ الشَّيْءِ إِنَّمَا تُعْرَفُ بِالنَّظَرِ فِيْ قِيْمَةِ جِنْسِهِ

ترجمہ: فرماتے ہیں: [اور اس کے مہر مثل کا اعتبار اس کی بہنوں، پھوپھیوں اور چچازاد بہنوں کے ساتھ کیا جائے]

کیونکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے: آپ نے فرمایا:

لَهَا مَهْرُ مِثْلِ نِسَائِهَا لَا وَكْسَ فِيْهِ وَلَا شَطَطَ وَهُنَّ اَقَارِبُ الْاَبِ۔ ◆

ترجمہ: اس کے لیے اس کی مثل عورتوں کے مہر کی طرح مہر ہے نہ اس میں کمی ہوگی اور نہ اضافہ اور وہ اس کے باپ کی قریبی عورتیں ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ آدمی اپنے باپ کی قوم کی جنس سے ہوتا ہے، اور کسی چیز کی قیمت کی پہچان اس کی جنس کی قیمت سے ہوتی ہے۔

توضیح: گذشتہ صفحات میں مہر مثل کا ذکر ہوا کہ جب مہر مقرر نہ ہو یا کوئی ایسی چیز بطور مہر مقرر کی جائے جس کی ادائیگی از روئے شریعت نہ ہوسکتی ہو تو مہر مثل دینا پڑتا ہے اب مہر مثل کی وضاحت کی جارہی ہے یعنی وہ مہر جو اس لڑکی کے باپ کے خاندان کی عورتوں کا مقرر ہوتا ہے مثلاً اس کی بہن یا پھوپھیاں اور چچاؤں کی بیٹیاں ان کا جس مقدار میں مہر ہو اوہ مہر مثل کہلائے گا۔

اس کی ایک نقلی دلیل یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے جو مع ترجمہ گزر چکا ہے اور دوسری دلیل یہ ہے کہ آدمی کی قومیت باپ کی جہت سے ہوتی ہے یعنی ددھیال کی طرف سے ہوتی ہے، ننھیال کی طرف سے نہیں ہوتی لہٰذا وہ اپنے باپ کی قوم کی جنس سے ہوتی ہے اور کسی چیز کی قیمت معلوم کرنا ہو تو اس کی جنس کی قیمت کو دیکھا جاتا ہے مثلاً کپڑے کی قیمت کا اندازہ دوسرے کپڑے کی قیمت سے لگایا جاتا ہے کتاب کی قیمت سے نہیں لگایا جاتا۔

لہٰذا جس لڑکی کا نکاح ہو رہا ہے اس کی ہم جنس اس کی بہنیں، پھوپھیاں اور چچاؤں کی بیٹیاں ہیں ان کا مہر، مہر مثل ہوگا۔

مہر مثل میں ماں اور خالہ کا اعتبار نہیں ہوگا

(۱۱۶) [وَلَا يُعْتَبَرُ بِاُمِّهَا وَخَالَتِهَا اِذَا لَمْ تَكُوْنَا مِنْ قَبِيْلَتِهَا] لِمَا بَيَّنَّا. فَاِنْ كَانَتِ الْاُمُّ مِنْ قَوْمِ اَبِيْهَا بِاَنْ كَانَتْ بِنْتَ عَمِّهٖ فَحِيْنَئِذٍ يُعْتَبَرُ بِمَهْرِهَا لِمَا اَنَّهَا مِنْ قَوْمِ اَبِيْهَا

[اور اس کے مہر مثل کا اعتبار اس کی ماں اور خالہ (کے مہر) سے نہیں لگایا جائے گا کیونکہ وہ اس کے قبیلے سے نہیں] جس طرح ہم نے بیان کیا اور اگر اس کی ماں اس کے باپ کے قبیلے سے ہو مثلاً اس کے چچا کی بیٹی ہو تو اس کے مہر کا اعتبار کیا جائے گا کیونکہ وہ اس کے باپ کی قوم سے ہے۔

◆ ترمذی، کتاب النکاح، باب ما جاء فی الرجل ینزوج المراۃ فیموت عنھا المراۃ، حدیث: ۱۱۴۵۔ ابوداؤد کتاب النکاح، حدیث: ۲۱۱۴

توضیح: جس طرح پہلے گزر گیا کہ قومیت کا اعتبار باپ کی جہت سے ہوتا ہے لہٰذا کسی لڑکی کے مہر مثل کے لیے اس کی ماں یا خالہ کا مہر نہیں دیکھا جائے کیونکہ ان کی قوم دوسری ہوتی ہے لیکن بعض اوقات میاں بیوی ایک ہی دادا کی اولاد ہوتے ہیں تو اس صورت میں ماں بھی اسی قومیت سے تعلق رکھتی ہے جس سے باپ کا تعلق ہوتا ہے مثلاً وہ آپس میں چچا زاد ہیں تو اس میں ماں یا خالہ کا مہر بھی مہر مثل کی بنیاد بنے گا۔

مہر مثل میں کن اُمور کا خیال رکھا جائے

(۱۱۷) [وَيُعْتَبَرُ فِي مَهْرِ الْمِثْلِ اَنْ تَتَسَاوَى الْمَرْاَتَانِ فِي السِّنِّ وَالْجَمَالِ وَالْمَالِ وَالْعَقْلِ وَالدِّيْنِ وَالْبَلَدِ وَالْعَصْرِ]؛

لِاَنَّ مَهْرَ الْمِثْلِ يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ هٰذِهِ الْاَوْصَافِ. وَكَذَا يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الدَّارِ وَالْعَصْرِ قَالُوْا: وَيُعْتَبَرُ التَّسَاوِي اَيْضًا فِي الْبَكَارَةِ؛ لِاَنَّهٗ يَخْتَلِفُ بِالْبَكَارَةِ وَالثُّيُوْبَةِ

ترجمہ: [اور مہر مثل میں اس بات کا اعتبار ہوگا کہ وہ دونوں عورتیں عمر، حسن و جمال، مال، عقل، دین، شہر اور زمانے میں مساوی ہوں]۔

کیونکہ مہر مثلان اوصاف کی وجہ سے مختلف ہوتا ہے اسی طرح ملک اور زمانے کے اختلاف سے بھی مختلف ہوتا ہے۔
فقہاء کرام فرماتے ہیں کنوارے پن اور ثیبہ ہونے میں بھی مساوات ضروری ہے کیونکہ بکارت اور ثُیُوبَتْ کی وجہ سے مہر مختلف ہوتا ہے۔

توضیح: یہ بات واضح ہے کہ اگر کسی عورت کا نکاح آج سے کافی سال پہلے ہوا تو اس وقت مہر اتنا زیادہ نہیں ہوگا جتنا آج کے زمانے میں ہے یا خوبصورت عورت کا مہر اس عورت کے مہر سے زیادہ ہے جو اس کے مقابلے میں خوبصورت نہ ہو اسی طرح دیگر جو باتیں ذکر کی گئی ہیں ان میں سے بھی فرق نہیں ہونا چاہیے بلکہ مساوات ہونا ضروری ہے۔
یہ بھی فرمایا کہ اگر لڑکی کنواری ہے تو اس کا مہر زیادہ ہوتا ہے اور اگر بیوہ یا مطلقہ (یعنی ثیبہ) ہو تو اس کا مہر کم ہوتا ہے اس لیے مہر مثل کا اندازہ لگانے کے لیے ان باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

اگر ولی مہر کا ضامن بن جائے

(۱۱۸) [وَاِذَا ضَمِنَ الْوَلِيُّ الْمَهْرَ صَحَّ ضَمَانُهٗ]؛ لِاَنَّهٗ مِنْ اَهْلِ الْاِلْتِزَامِ وَقَدْ اَضَافَهٗ اِلٰى مَا يَقْبَلُهٗ فَيَصِحُّ [ثُمَّ الْمَرْاَةُ بِالْخِيَارِ فِي مُطَالَبَتِهَا زَوْجَهَا اَوْ وَلِيَّهَا] اِعْتِبَارًا بِسَائِرِ الْكَفَالَاتِ. وَيَرْجِعُ الْوَلِيُّ اِذَا اَدّٰى عَلَى الزَّوْجِ اِنْ كَانَ بِاَمْرِهٖ كَمَا هُوَ الرَّسْمُ فِي الْكَفَالَةِ. وَكَذٰلِكَ يَصِحُّ

11 هٰذَا الضَّمَانُ وَاِنْ كَانَتِ الْمَزَوَّجَةُ صَغِيْرَةً.

بِخِلَافِ مَا اِذَا بَاعَ الْاَبُ مَالَ الصَّغِيْرَةِ وَضَمِنَ الثَّمَنَ؛ لِاَنَّ الْوَلِيَّ سَفِيْرٌ وَمُعَبِّرٌ فِي النِّكَاحِ، وَفِي الْبَيْعِ عَاقِدٌ وَّمُبَاشِرٌ حَتّٰى تَرْجِعَ الْعُهْدَةُ عَلَيْهِ وَالْحُقُوْقُ اِلَيْهِ.

وَيَصِحُّ اِبْرَاؤُهُ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَ مُحَمَّدٍ. وَيَمْلِكُ قَبْضَهُ بَعْدَ بُلُوْغِهِ. فَلَوْ صَحَّ الضَّمَانُ يَصِيْرُ ضَامِنًا لِنَفْسِهِ وَوِلَايَةُ قَبْضِ الْمَهْرِ لِلْاَبِ بِحُكْمِ الْاُبُوَّةِ لَا بِاعْتِبَارِ اَنَّهُ عَاقِدٌ اَلَا تَرٰى اَنَّهُ لَا يَمْلِكُ الْقَبْضَ بَعْدَ بُلُوْغِهَا فَلَا يَصِيْرُ ضَامِنًا لِنَفْسِهِ

[اور جب (عورت کا) ولی مہر کا ضامن ہے تو اس کی ضمان صحیح ہوگی] کیونکہ وہ ان لوگوں میں سے ہے جو کوئی چیز اپنے ذمے لے سکتے ہیں اور اس نے اس التزام کی اضافت اس چیز کی طرف کی ہے جس کو وہ قبول کرسکتا ہے (اور وہ مہر ہے) لہٰذا یہ صحیح ہے۔

[پھر عورت کو اختیار ہے کہ وہ اپنے خاوند سے مطالبہ کرے یا اپنی ولی سے]۔ اس کو تمام کفالات پر قیاس کیا جاتا ہے۔

اور جب ولی ادا کردے تو وہ خاوند کی طرف رجوع کرے اگر اس کی اجازت سے ادا کیا ہو جس طرح کفالہ (کفیل بننے) میں رواج ہے۔ اسی طرح اگر وہ لڑکی جس کا نکاح کیا جارہا ہے نابالغہ ہو تو بھی یہ ضمان صحیح ہے۔

بخلاف اس کے جب باپ نابالغہ بچی کا مال فروخت کرے اور قیمت کا ضامن بنے (یہ صحیح نہیں) کیونکہ نکاح میں وہ سفیر اور تعبیر کرنے والا ہے۔ اور بیع میں وہ عقد کرنے والا اور مباشر ہے حتیٰ کہ تمام ذمہ داری اور حقوق اسی کی طرف لوٹتے ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک وہ (باپ) دوسرے فریق کو بری الذمہ بھی قرار دے سکتا ہے اور بچے کے بالغ ہونے کے بعد بھی وہی (ولی ہی) قبضہ کرے گا تو اگر ضمان صحیح قرار دی جائے تو وہ اپنی ذات کے لیے ضامن ہوگا۔

اور مہر پر قبضہ کی ولایت باپ کو باپ ہونے کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے عقد کرنے والا ہونے کی وجہ سے نہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ لڑکی کے بالغ ہونے کے بعد اسے قبضہ کا اختیار نہیں ہوتا لہٰذا وہ نفس کے لیے ضامن نہیں ہوگا۔

توضیح: نکاح کی صورت میں مرد پر عورت کا مہر لازم ہوتا ہے تو جس طرح کسی قرض دار کے لیے کوئی کفیل اور ضامن بن سکتا ہے تو اسی طرح عورت کا ولی بھی شوہر کی طرف سے کفیل بن سکتا ہے کیونکہ وہ خود مختار ہونے کی وجہ سے کوئی چیز اپنے اُوپر لازم کرسکتا ہے اور اس نے ایسی چیز کی کفالت کی ہے جو کفالت کو قبول کرتی ہے اور وہ مہر ہے لہٰذا یہ ضمانت صحیح ہے۔

اب اس صورت میں عورت کس سے مطالبہ کرے گی؟ تو اسے اختیار ہے چاہے خاوند سے مطالبہ کرے چاہے ولی سے، جس طرح کسی بھی معاملے میں کوئی کفیل بنے تو کفیل اور مکفول عنہ دونوں سے مطالبہ ہوسکتا ہے۔

مثلاً زید نے عمرو کا قرض دینا ہے اور بکر اس کا کفیل بنا تو عمرو کو حق حاصل ہے کہ وہ زید سے مطالبہ کرے یا بکر

سے طلب کرے اور جب ولی نے مہر ادا کر دیا تو وہ لڑکی کے خاوند کی طرف رجوع کرے گا لیکن یہ اس وقت ہوگا جب خاوند نے اسے کہا کہ تم ادا کر دو میں دے دوں گا جس طرح کفالت کے سلسلے میں ہوتا ہے کہ تم میرا قرض ادا کر دو میں تمہیں دے دوں گا۔ لہٰذا یہ ضمان صحیح ہے اگر چہ وہ لڑکی نابالغہ ہو جس کا نکاح ہو رہا ہے۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر باپ اپنی نابالغہ لڑکی کا مال فروخت کرے اور اس کی قیمت کا ضامن بھی بنے تو یہ جائز نہیں تو مہر کی صورت میں کیسے جائز ہوگا؟ تو اس کا جواب **بخلاف ما اذ باع** سے دیا گیا اس کی وضاحت اس طرح ہے کہ نکاح اور بیع میں فرق ہے نکاح میں حقوق شوہر اور بیوی کی طرف لوٹتے ہیں اور ولی محض سفیر ہوتا لہٰذا وہ خود عاقد نہ ہونے کی وجہ سے ضامن بن سکتا ہے۔

لیکن بیع میں حقوق عاقدین (بائع اور مشتری) کی طرف لوٹتے ہیں اور جب ولی خود عقد کرنے والا اور بالغ ہے تو وہ مشتری کی طرف سے ضامن کیسے بن سکتا ہے کیونکہ اس طرح خود اپنا ضامن بنتا ہے۔

بیع میں حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک ولی، دوسرے فریق یعنی خریدار کو بری الذمہ بھی قرار دے سکتا کہ اس سے قیمت نہ لے اسی طرح اگر وہ لڑکا یا لڑکی جو اس کی ولایت میں ہے بالغ بھی ہوں تو قبضہ کا اختیار ولی کو ہی ہوگا اس لیے یہ ضمان درست نہیں کیونکہ وہ اپنی ذات کے لیے ضمان ہے۔

جب کہ مہر کی صورت میں باپ کو قبضہ کا اختیار اس لیے حاصل نہیں ہوتا کہ وہ عقد کرنے والا ہے بلکہ باپ ہونے کی وجہ سے یہ اختیار حاصل ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ جب لڑکی بالغ ہو جائے تو ولی (باپ) کو مہر پر قبضہ کا اختیار باقی نہیں رہتا لہٰذا مہر کے سلسلے میں ضامن بننے کی صورت میں اپنی ذات کے لیے ضامن بننا نہیں اس طرح بیع اور نکاح میں فرق ہو گیا۔

عورت کا مہر کی وصولی سے پہلے اپنے آپ کو مرد کے سپرد کرنے سے روکنا

(۱۱۹) قَالَ: [وَلِلْمَرْاَةِ اَنْ تَمْنَعَ نَفْسَهَا حَتّٰى تَأْخُذَ الْمَهْرَ وَتَمْنَعَهٗ اَنْ يُّخْرِجَهَا] اَیْ يُسَافِرَ بِهَا لِيَتَعَيَّنَ حَقُّهَا فِی الْبَدَلِ كَمَا تَعَيَّنَ حَقُّ الزَّوْجِ فِی الْمُبْدَلِ فَصَارَ كَالْبَيْعِ. وَلَيْسَ لِلزَّوْجِ اَنْ يَّمْنَعَهَا مِنَ السَّفَرِ وَالْخُرُوْجِ مِنْ مَنْزِلِهٖ وَزِيَارَةِ اَهْلِهَا حَتّٰى يُوَفِّيَهَا الْمَهْرَ كُلَّهٗ: اَیِ الْمُعَجَّلُ مِنْهُ لِاَنَّ حَقَّ الْحَبْسِ لِاسْتِيْفَاءِ الْمُسْتَحَقِّ، وَلَيْسَ لَهٗ حَقُّ الْاِسْتِيْفَاءِ قَبْلَ الْاِيْفَاءِ. وَلَوْ كَانَ الْمَهْرُ كُلُّهٗ مُؤَجَّلًا لَيْسَ لَهَا اَنْ تَمْنَعَ نَفْسَهَا لِاِسْقَاطِهَا حَقَّهَا بِالتَّاجِيْلِ كَمَا فِی الْبَيْعِ۔

فِيْهِ خِلَافُ اَبِیْ يُوْسُفَ. وَاِنْ دَخَلَ بِهَا فَكَذٰلِكَ الْجَوَابُ عِنْدَ اَبِیْ حَنِيْفَةَ وَقَالَا: لَيْسَ لَهَا اَنْ تَمْنَعَ نَفْسَهَا۔

وَالْخِلَافُ فِيْمَا اِذَا كَانَ الدُّخُوْلُ بِرِضَاهَا حَتّٰى لَوْ كَانَتْ مُكْرَهَةً اَوْ كَانَتْ صَبِيَّةً اَوْ مَجْنُوْنَةً

لَا یَسْقُطُ حَقُّهَا فِي الْحَبْسِ بِالْاِتِّفَاقِ، وَعَلٰى هٰذَا الْخِلَافِ الْخَلْوَةُ بِهَا بِرِضَاهَا۔

وَيَبْتَنِيْ عَلٰى هٰذَا اِسْتِحْقَاقُ النَّفَقَةِ۔

لَهُمَا اَنَّ الْمَعْقُوْدَ عَلَيْهِ كُلَّهُ قَدْ صَارَ مُسَلَّمًا اِلَيْهِ بِالْوَطْأَةِ الْوَاحِدَةِ وَبِالْخَلْوَةِ، وَلِهٰذَا يَتَأَكَّدُ بِهَا جَمِيْعُ الْمَهْرِ فَلَمْ يَبْقَ لَهَا حَقُّ الْحَبْسِ، كَالْبَائِعِ اِذَا سَلَّمَ الْمَبِيْعَ وَلَهُ اَنَّهَا مَنَعَتْ مِنْهُ مَا قَابَلَ الْبَدَلَ؛ لِاَنَّ كُلَّ وَطْأَةٍ تُصَرَفُ فِي الْبُضْعِ الْمُحْتَرَمِ فَلَا يُخْلٰى عَنِ الْعِوَضِ اِبَانَةً لِخَطَرِهٖ، وَالتَّأْكِيْدُ بِالْوَاحِدَةِ لِجَهَالَةِ مَا وَرَاءَهَا فَلَا يَصْلُحُ مُزَاحِمًا لِلْمَعْلُوْمِ۔

ثُمَّ اِذَا وُجِدَا اٰخَرُ وَصَارَ مَعْلُوْمًا تَحَقَّقَتِ الْمُزَاحَمَةُ وَصَارَ الْمَهْرُ مُقَابِلًا بِالْكُلِّ كَالْعَبْدِ اِذَا جَنٰى جِنَايَةً يَدْفَعُ كُلَّهُ بِهَا. ثُمَّ اِذَا جَنٰى جِنَايَةً اُخْرٰى وَاُخْرٰى يُدْفَعُ بِجَمِيْعِهَا. وَاِذَا اَوْفَاهَا مَهْرَهَا نَقَلَهَا اِلٰى حَيْثُ شَاءَ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى: ﴿اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ﴾ وَقِيْلَ لَا يُخْرِجُهَا اِلٰى بَلَدٍ غَيْرِ بَلَدِهَا؛ لِاَنَّ الْغَرِيْبَ يُؤْذِيْ وَفِيْ قُرَى الْمِصْرِ الْقَرِيْبَةِ لَا تَتَحَقَّقُ الْغُرْبَةُ۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ جامع الصغیر میں فرماتے ہیں: [اور عورت کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنے آپ کو (مرد سے) روکے حتیٰ کہ مہر وصول کرے اور اسے اس بات سے بھی روکے کہ وہ اسے (شہر سے) باہر لے جائے] یعنی اسے سفر پر لے جائے گا تاکہ عورت کا بدل میں حق متعین ہو جائے جس طرح مبدل (جس کا مہر بدل ہے) میں مرد کا حق متعین ہو چکا ہے پس یہ بیع کی طرح ہوگا اور خاوند کو اسے سفر کرنے اور گھر سے باہر نکلنے اور اپنے گھر والوں (ماں باپ وغیرہ) کی ملاقات سے روکنے کا حق نہیں جب تک تمام مہر ادا نہ کر دے یعنی جو مہر معجّل ہے کیونکہ روکنے کا حق، مستحق (جس چیز کا حق ہے) کو وصول کرنے کے لیے ہوتا ہے اور جب تک وہ ادائیگی نہیں کرتا اپنا حق وصول کرنے کا حق نہیں رکھتا اور اگر تمام مہر مؤجل ہو (بعد کی کوئی تاریخ مقرر ہو) تو عورت اپنے آپ کو خاوند سے روکنے کا حق نہیں رکھتی کیونکہ اس نے (مہر کی وصولی کے لیے) مدت مقرر کر کے اپنا حق ساقط کر دیا جس طرح بیع کا حکم ہے۔

اس میں حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے اور اگر اس نے جماع کر لیا ہو تو بھی حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا جواب یہی ہے اور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ وہ اپنے نفس کو روک نہیں سکتی۔

اور یہ اختلاف اس صورت میں ہے جب عورت کی مرضی سے جماع کیا ہو حتیٰ کہ اگر اسے مجبور کیا گیا یا وہ بچی تھی یا مجنونہ تھی تو اپنے آپ کو خاوند سے روکنے کے سلسلے میں اس کا حق بالاتفاق ساقط نہیں ہوگا۔

اگر اس کی مرضی سے خلوت (صحیحہ) ہوئی تو اس میں بھی یہی اختلاف ہے اور نفقہ کا استحقاق بھی اسی پر مبنی ہے۔

صاحبین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ جس چیز پر عقد ہوا ہے وہ ایک وطی یا خلوت صحیحہ کے ساتھ مرد کے سپرد کر دیا گیا اسی

لیے اس میں تمام مہر پکا ہو جاتا ہے لہٰذا اسے روکنے کا حق نہیں جس طرح بائع مبیع (مشتری کے) حوالے کر دے (تو مشتری ثمن نہیں روک سکتا)۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ عورت نے اس سے وہ چیز روکی ہے جس کے مقابلے میں بدل ہے کیونکہ وطی جس کا قابل احترام بُضع میں عمل کیا جائے وہ اس کے احترام کے پیش نظر عوض سے خالی نہیں اور ایک وطی کے ساتھ پورے مہر کا پکا ہونا اس لیے ہے کہ اس کے بعد کی وطی مجہول ہے لہٰذا معلوم کے ساتھ اس کا ٹکراؤ نہیں ہو سکتا۔

پھر جب آخری وطی پائی گئی اور وہ معلوم ہو گئی تو اب مزاحمت (ٹکراؤ) ثابت ہو جائے گا اور مہر تمام کے مقابل ہو جائے گا۔

جس طرح غلام جب کوئی جرم کرے تو وہ پورا غلام اس کی پاداش میں حوالے کیا جاتا ہے پھر جب وہ دوسرا جرم کرے پھر جرم کرے تو ان سب جرائم کے بدلے میں وہ ایک ہی غلام دیا جائے گا۔

اور جب مرد، عورت کا مہر ادا کر دے تو جہاں چاہے لے جا سکتا ہے۔ کیونکہ ارشادِ خداوندی ہے:

أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم مِّن وُجْدِكُمْ ◆

ترجمہ: ان کو وہاں ٹھہراؤ جہاں تم خود ٹھہرتے ہو جو رہائش تمہیں حاصل ہو۔

اور کہا گیا کہ بیوی کو اس کے شہر کے علاوہ کہیں اور نہ لے جائے کیونکہ پردیس میں اسے اذیت ہوتی ہے اور شہر کے قریب کی بستیوں میں اجنبیت متحقق نہیں ہوتی۔

توضیح: مہر کی ادائیگی اور عدم ادائیگی پر کچھ مسائل کا انحصار ہے ان مسائل کے ذکر سے پہلے یہ بات جاننا ضروری ہے کہ مہر کی ادائیگی کے اعتبار سے تین قسمیں ہیں:

۱۔ مہر معجّل (جو فوراً دیا جائے)۔

۲۔ مہر غیر معجّل اس کو مؤجل بھی کہتے ہیں اس مہر کی ادائیگی کے لیے ایک وقت مقرر ہوتا ہے۔

۳۔ مہر عند الطلب (جس مہر کے بارے میں یہ حکم ہے کہ عورت جب چاہے مطالبہ کرے)۔

جب مہر معجّل ہو تو جب تک خاوند ادا نہ کرے عورت کو حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ مرد سے اپنے آپ کو روکے یعنی اسے جماع کی اجازت نہ دے اور اسی طرح اگر وہ اسے سفر پر لے جانا چاہے تو عورت انکار کر سکتی ہے۔

کیونکہ مرد کا حق ثابت ہے تو اس کے بدل میں عورت کا حق بھی متعین ہونا ضروری ہے جس طرح اگر خریدار خریدی گئی چیز کی قیمت نہ دے تو بائع اس سے مبیع کو روک سکتا ہے کیونکہ مبیع متعین ہو چکا ہے اور چونکہ روپیہ پیسہ قبضہ سے متعین ہوتا ہے اس لیے وہ ابھی متعین نہیں ہوا اسی طرح عورت کا مہر بھی قبضہ سے ہی متعین ہوتا ہے جب کہ بُضع میں خاوند کا حق پہلے ہی نکاح کے ذریعے متعین ہو چکا ہے۔

◆ سورۃ الطلاق، آیت: ٦

اسی طرح جب تک مہر معجّل کی ادائیگی نہ ہو تو خاوند اپنی بیوی کو سفر کرنے یا گھر سے باہر جانے سے روک نہیں سکتا اسی طرح اسے اپنے ماں باپ اور بہن بھائیوں سے ملاقات کرنے سے بھی نہیں روک سکتا۔

کیونکہ مرد کے لیے عورت کو روکنے کا حق اس لیے ہے کہ وہ اپنا حق حاصل کرے لیکن جب تک مہر نہیں دیتا اس کے لیے اپنا حق وصول کرنے کا اختیار نہیں ہے۔

اور اگر پورا مہر مؤجل (فوری ادائیگی لازمی نہ ہو) تو اب عورت مرد سے اپنے آپ کو روک نہیں سکتی کیونکہ اس نے اپنا حق ساقط کر دیا جس طرح اگر بیع میں قیمت نقد نہ ہو ادھار ہو تو اب بائع کو مبیع کے روکنے کا حق نہیں کیونکہ اس نے ثمن کے لیے وقت مقرر کر کے اپنا حق خود ساقط کیا ہے۔

اس مسئلہ میں حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں: مہر موجل بھی ہو تو عورت کو روکنے کا حق ہے مدت کم ہو یا زیادہ کیونکہ مِلکِ بُضع بدل سے خالی نہیں ہوتی۔

نوٹ: اگر عورت کی مرضی سے مرد نے مہر معجّل ادا کرنے سے پہلے جماع کر لیا تو بھی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اب وہ اسے روک سکتی ہے۔

جب کہ صاحبین رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں: اس صورت میں بھی اسے روکنے کا حق نہیں ہے۔

دلائل

صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کی دلیل یہ ہے کہ ایک وطی اور خلوت صحیحہ کے ذریعے معقود علیہ مرد کے سپرد ہو گیا اور اسی لیے اس کے ذریعے پورا مہر پکا ہو جاتا ہے لہٰذا عورت کو روکنے کا حق نہیں رہا جس طرح بائع جب مبیع (مشتری کے) سپرد کر دے اور اپنی مرضی سے ایسا کرے تو اب ثمن کے لیے روک نہیں سکتا۔ یعنی جب ثمن وصول کیے بغیر اپنی مرضی سے مبیع خریدار کے سپرد کر دے تو اب اس سے واپس نہیں لے سکتا۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ عورت نے اس سے وہ چیز روکی ہے جو بدل (مہر) کے مقابل ہے کیونکہ ہر وطی قابل احترام بُضع میں واقع ہوتی ہے پس اس کے احترام و مقام کی وجہ سے وہ عوض سے خالی نہیں ہوگی۔ جہاں تک پورے مہر کے پکا ہونے کا تعلق ہے تو وہ صرف ایک وطی سے پکا ہو جاتا ہے کیونکہ اس کے بعد وطی کی تعداد مجہول ہے اس لیے مجہول کا معلوم کے ساتھ ٹکراؤ نہیں ہوتا ہے۔ پھر جب آخری وطی پائی گئی تو مزاحمت ثابت ہوگی اور مہر تمام کے مقابلے میں ہو گیا جیسے کوئی غلام جرم کرے تو اس ایک جرم میں وہ پورا غلام حوالے کیا جائے گا پھر جب دوسری، پھر تیسری بار جرم کرے تو ان سب کے بدلے میں وہ ایک غلام ہی دیا جائے گا۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ مرد جب بھی وطی کرے تو وہ بدل کے بغیر نہیں ہو سکتی لہٰذا اگر ایک مرتبہ وطی ہو گئی تو اس کے بعد بھی عورت کا حق باقی ہے کیونکہ بعد میں کتنی تعداد میں وطی ہوتی وہ مجہول ہے لہٰذا وہ اب بھی

مہر کی وصولی تک خاوند کو اپنے قرب سے روک سکتی ہے۔

مندرجہ بالا اختلاف اس صورت میں ہے جب عورت کی رضامندی سے جماع ہوا اگر اسے مجبور کیا گیا یا وہ نابالغ بچی تھی یا مجنونہ تھی تو اس پر سب کا اتفاق ہے کہ روکنے کے سلسلے میں اس کا حق باقی ہے۔

اور جب مرد اپنی بیوی کا مہر ادا کر دے تو جہاں چاہے لے جا سکتا ہے۔ کیونکہ ارشادِ خداوندی ہے:

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ [1]

ترجمہ: "ان کو وہاں ٹھہراؤ جہاں تم خود ٹھہرتے ہو جو تمہیں حاصل ہو"۔

ایک کمزور قول یہ ہے کہ مرد اسے اپنے شہر سے باہر نہیں لے جا سکتا کیونکہ جب آدمی پردیس میں جاتا ہے تو پریشان ہو جاتا ہے خاص طور پر عورتوں کے لیے چونکہ کوئی اپنا عزیز ملنے جلنے والا نہیں ہوتا تو اس کے لیے پریشانی زیادہ ہوتی ہے۔ البتہ شہر کے قریب بستیوں میں اجنبیت نہیں ہوتی لہٰذا وہاں لے جا کر رہائش پذیر ہونے میں کوئی حرج نہیں۔

مہر کے بارے میں میاں بیوی کے درمیان اختلاف ہونا

(۱۲۰) قَالَ: [وَمَنْ تَزَوَّجَ امْرَاَةً ثُمَّ اخْتَلَفَا فِي الْمَهْرِ فَالْقَوْلُ قَوْلُ الْمَرْاَةِ اِلٰى مَهْرِ مِثْلِهَا]، وَالْقَوْلُ قَوْلُ الزَّوْجِ فِيْمَا زَادَ عَلٰى مَهْرِ الْمِثْلِ، وَاِنْ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُوْلِ بِهَا فَالْقَوْلُ قَوْلُهُ فِيْ نِصْفِ الْمَهْرِ. وَهٰذَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَ مُحَمَّدٍ، وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ: اَلْقَوْلُ قَوْلُهُ قَبْلَ الطَّلَاقِ وَ بَعْدَهُ اِلَّا اَنْ يَّاْتِيَ بِشَيْءٍ قَلِيْلٍ، وَمَعْنَاهُ مَا لَا يُتَعَارَفُ مَهْرًا لَهَا هُوَ الصَّحِيْحُ۔

لِاَبِيْ يُوْسُفَ اَنَّ الْمَرْاَةَ تَدَّعِي الزِّيَادَةَ وَالزَّوْجُ يُنْكِرُ وَالْقَوْلُ قَوْلُ الْمُنْكِرِ مَعَ يَمِيْنِهِ اِلَّا اَنْ يَّاْتِيَ بِشَيْءٍ يُكَذِّبُهُ الظَّاهِرُ فِيْهِ. وَهٰذَا؛ لِاَنَّ تَقَوُّمَ مَنَافِعِ الْبُضْعِ ضَرُوْرِيٌّ. فَمَتٰى اَمْكَنَ اِيْجَابُ شَيْءٍ مِنَ الْمُسَمّٰى لَا يُصَارُ اِلَيْهِ۔

وَلَهُمَا اَنَّ الْقَوْلَ فِي الدَّعَاوِيْ قَوْلُ مَنْ يَّشْهَدُ لَهُ الظَّاهِرُ. وَالظَّاهِرُ شَاهِدٌ لِمَنْ يَّشْهَدُ لَهُ مَهْرُ الْمِثْلِ؛ لِاَنَّهُ هُوَ الْمُوْجَبُ الْاَصْلِيُّ فِيْ بَابِ النِّكَاحِ. وَصَارَ كَالصَّبَّاغِ مَعَ رَبِّ الثَّوْبِ اِذَا اخْتَلَفَا فِيْ مِقْدَارِ الْاَجْرِ يُحْكَمُ فِيْهِ قِيْمَةُ الصَّبْغِ۔

ثُمَّ ذَكَرَ هَاهُنَا اَنَّ بَعْدَ الطَّلَاقِ قَبْلَ الدُّخُوْلِ الْقَوْلُ قَوْلُهُ فِيْ نِصْفِ الْمَهْرِ. وَهٰذَا رِوَايَةُ الْجَامِعِ الصَّغِيْرِ وَالْاَصْلِ. وَذَكَرَ فِي الْجَامِعِ الْكَبِيْرِ اَنَّهُ يُحْكَمُ مُتْعَةُ مِثْلِهَا وَهُوَ قِيَاسُ قَوْلِهِمَا؛ لِاَنَّ الْمُتْعَةَ مُوْجَبَةٌ بَعْدَ الطَّلَاقِ كَمَهْرِ الْمِثْلِ قَبْلَهُ فَتُحْكَمُ كَهُوَ۔

[1] سورۃ الطلاق، آیت: ٦

وَوَجْهُ التَّوْفِيْقِ اَنَّهٗ وَضَعَ الْمَسْاَلَةَ فِي الْاَصْلِ فِي الْاَلْفِ وَالْاَلْفَيْنِ، وَالْمُتْعَةُ لَا تَبْلُغُ هٰذَا الْمَبْلَغَ فِي الْعَادَةِ فَلَا يُفِيْدُ تَحْكِيْمُهَا. وَوَضْعُهَا فِي الْجَامِعِ الْكَبِيْرِ فِي الْعَشَرَةِ وَالْمِائَةِ وَمُتْعَةُ مِثْلِهَا عِشْرُوْنَ فَيُفِيْدُ تَحْكِيْمُهَا. وَالْمَذْكُوْرُ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيْرِ سَاكِتٌ عَنْ ذِكْرِ الْمِقْدَارِ فَيُحْمَلُ عَلٰى مَا هُوَ الْمَذْكُوْرُ فِي الْاَصْلِ.

وَشَرْحُ قَوْلِهِمَا فِيْمَا اِذَا اخْتَلَفَا فِي حَالِ قِيَامِ النِّكَاحِ اَنَّ الزَّوْجَ اِذَا ادَّعَى الْاَلْفَ وَالْمَرْاَةَ الْاَلْفَيْنِ. فَاِنْ كَانَ مِنْ مَهْرِ مِثْلِهَا اَلْفًا اَوْ اَقَلَّ فَالْقَوْلُ قَوْلُهٗ. وَاِنْ كَانَ الْفَيْنِ اَوْ اَكْثَرَ فَالْقَوْلُ قَوْلُهَا وَاَيُّهُمَا اَقَامَ الْبَيِّنَةَ فِي الْوَجْهَيْنِ تُقْبَلُ وَاِنْ اَقَامَا الْبَيِّنَةَ فِي الْوَجْهِ الْاَوَّلِ تُقْبَلُ بَيِّنَتُهَا؛ لِاَنَّهَا تُثْبِتُ الزِّيَادَةَ.

وَفِي الْوَجْهِ الثَّانِيْ بَيِّنَتُهٗ؛ لِاَنَّهَا تُثْبِتُ الْحَطَّ. وَاِنْ كَانَ مَهْرُ مِثْلِهَا اَلْفًا وَخَمْسَمِائَةٍ تَحَالَفَا. وَاِذَا حَلَفَا يَجِبُ اَلْفٌ وَخَمْسَمِائَةٍ.

هٰذَا تَخْرِيْجُ الرَّازِيِّ. وَقَالَ الْكَرْخِيُّ: يَتَحَالَفَانِ فِي الْفُصُوْلِ الثَّلَاثَةِ ثُمَّ يُحَكَّمُ مَهْرُ الْمِثْلِ بَعْدَ ذٰلِكَ.

ترجمہ: امام محمد رحمۃ اللہ علیہ جامع الصغیر میں فرماتے ہیں: [اور جس شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا پھر مہر کے بارے میں ان کے درمیان اختلاف ہو تو مہر مثل تک عورت کا قول معتبر ہوگا]

اور اگر مہر مثل سے زیادہ کا دعویٰ ہو تو خاوند کا قول معتبر ہوگا۔

اور اگر اس نے جماع سے پہلے طلاق دے دی تو نصف مہر کے سلسلے میں خاوند کا قول معتبر ہوگا۔

یہ حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک ہے اور حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں طلاق سے پہلے اور اس کے بعد (دونوں صورتوں میں) مرد کا قول معتبر ہوگا مگر جب وہ معمولی چیز کا دعویٰ کرے یعنی ایسی چیز جو مہر کے طور پر متعارف نہیں (تو اس کا قول نہیں مانا جائے گا) یہی صحیح ہے۔

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ عورت زیادہ کا دعویٰ کرتی ہے اور خاوند اس کا انکار کرتا ہے اور منکر کی بات قسم کے ساتھ قبول کی جاتی ہے لیکن جب وہ تھوڑی چیز کا دعویٰ کرے تو اس صورت میں ظاہر اس کو جھٹلاتا ہے۔

اور یہ اس وجہ سے کہ بُضع (شرمگاہ) کے منافع ضرورت کے تحت متقوم ہوتے ہیں تو جب مقررہ مہر میں سے کچھ نہ کچھ ممکن ہو تو مہر مثل کی طرف رجوع نہیں کیا جائے گا۔

اور طرفین کی دلیل یہ ہے کہ دعووں کی صورت میں اس شخص کی بات معتبر ہوتی ہے جس کے لیے ظاہر گواہی دے اور ظاہر اس کے لیے گواہی دیتا ہے جس کے لیے مہر مثل گواہی دے کیونکہ نکاح کے باب میں اصل واجب وہی ہے۔

یہ اسی طرح ہے کہ جب کپڑا رنگنے والے کا کپڑے کے مالک کے ساتھ اجرت کی مقدار میں اختلاف ہو تو اس میں رنگت کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا۔

پھر یہاں یہ بات ذکر کی کہ اگر جماع سے پہلے طلاق ہو تو نصف مہر کے بارے میں خاوند کا قول معتبر ہوگا۔

یہ جامع صغیر اور مبسوط کی روایت ہے اور جامع کبیر میں ذکر کیا کہ اس کے لیے متعہ مثل کا فیصلہ کیا جائے گا ان دونوں (طرفین) کے قول کا قیاس بھی یہی ہے کیونکہ جماع سے پہلے طلاق کی صورت میں متعہ دیا جاتا ہے جس طرح طلاق سے پہلے مہر مثل دیا جاتا ہے لہٰذا اس کا یہی حکم ہوگا جس طرح طلاق سے پہلے (مہر مثل کا) حکم ہوتا ہے۔

(ان دو صورتوں میں) موافقت کی صورت یہ ہے کہ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے مبسوط میں مسئلہ کی صورت یہ بیان کی کہ ایک ہزار اور دوسرے کے درمیان اختلاف ہوا۔

اور عام طور پر متعہ کی قیمت اس مقدار کو نہیں پہنچتی لہٰذا اس کے ساتھ فیصلے کا کوئی فائدہ نہیں اور جامع کبیر میں دس اور ایک سو کے درمیان اختلاف ذکر کیا اور متعہ بیس درہم ہے تو اب متعہ کے ساتھ فیصلہ کرنا مفید ہے۔

اور جامع صغیر میں اس مقدار کا ذکر نہیں تو اسے اس پر محمول کیا جائے گا جو مبسوط میں ہے اور جب نکاح کے قیام کی حالت میں اختلاف ہو تو اس صورت میں طرفین کے قول کی تشریح اس طرح ہوگی کہ خاوند جب ایک ہزار کا دعویٰ کرے اور عورت دو ہزار کا دعویٰ کرے۔

پس اگر مہر مثل ایک ہزار یا اس سے کم ہو تو خاوند کا قول معتبر ہوگا اور اگر (مہر مثل) دو ہزار یا اس سے زائد ہو تو عورت کا قول معتبر ہوگا۔ اور ان دونوں صورتوں میں جو بھی (اپنے دعویٰ پر) گواہ قائم کر دے اس کو قبول کیا جائے۔

اور اگر پہلی صورت میں دونوں نے گواہ قائم کر دیے تو عورت کے گواہوں (کی گواہی) کو قبول کیا جائے کیونکہ وہ زیادہ (مقدار) کو ثابت کر رہی ہے۔

اور دوسری صورت میں مرد کے گواہوں کو قبول کیا جائے کیونکہ وہ کمی کرنے کو ثابت کر رہا ہے۔

اور اگر مہر مثل ایک ہزار پانچ سو ہو تو دونوں قسم اُٹھائیں اور جب وہ قسم اُٹھالیں تو پندرہ سو واجب ہو جائیں گے بخلاف ابوبکر جصاص رازی رحمۃ اللہ علیہ کی تخریج کے۔ اور امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں تینوں صورتوں میں دونوں قسم اُٹھائیں پھر اس کے بعد مہر مثل کا فیصلہ کیا جائے۔

توضیح: انسانی فطری طور پر لالچی واقع ہوا ہے لہٰذا کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مہر کی رقم میں میاں بیوی کے درمیان اختلاف ہو جاتا ہے اگرچہ دونوں کو سوچنا چاہیے کہ زندگی اچھی طرح گزارنے کے لیے اس قسم کے اختلاف کو نظر انداز کرنا چاہیے۔

بہر حال اگر اختلاف ہو جائے تو ظاہر بات ہے کہ عورت زیادہ رقم کا دعویٰ کرے گی اور مرد اس کا انکار کرے گا تو اس موقعہ پر شرعی حکم کیا ہے۔

تو اس سلسلے میں طرفین اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان اختلاف ہے۔

طرفین فرماتے ہیں: اس کے مہر مثل کو دیکھا جائے اگر عورت نے مہر مثل کا دعویٰ کیا مثلاً مہر مثل دس ہزار ہے اور عورت گیارہ ہزار کا دعویٰ کرتی ہے تو خاوند کی بات مانی جائے۔

اور اگر عورت نے مہر مثل تک رقم کا دعویٰ کیا تو عورت کی بات معتبر ہوگی مثلاً مہر مثل دس ہزار تھا اور عورت نے نو ہزار کا دعویٰ کیا یا دس کا بھی دعویٰ کیا تو عورت کی بات معتبر ہوگی۔

یہ وہ صورت ہے جب جماع سے پہلے طلاق نہ دی ہو اگر جماع سے پہلے طلاق دی تو نصف مہر کے سلسلے میں مرد کی بات کا اعتبار ہوگا۔

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں طلاق سے پہلے ہو یا بعد دونوں صورتوں میں مرد کا قول معتبر ہوتا ہے۔ البتہ اگر خاوند ایسی قلیل چیز کا دعویٰ کرے جو عام طور پر مہر میں نہیں دی جاتی یعنی اتنی معمولی رقم کا دعویٰ کرے جو عرف میں مہر شمار نہیں کی جاتی تو اس کی بات معتبر نہیں ہوگی۔

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ عورت زیادہ کا دعویٰ کرتی ہے اور مرد اس کا انکار کرتا ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ جب مدعی کے پاس گواہ نہ ہوں تو منکر کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوتا ہے۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِيْ وَالْيَمِيْنُ عَلٰى مَنْ اَنْكَرَ۔

ترجمہ: گواہ مدعی کے ذمے ہیں اور منکر کے ذمہ قسم ہے۔

لہٰذا مرد کا قول ہی معتبر ہوگا۔

سوال: جب مرد کا قول ہی معتبر ہے تو پھر مرد جو کچھ کہے اسے تسلیم کرنا چاہیے معمولی رقم کے بارے میں اس کا قول کیوں معتبر نہیں ہوتا۔

جواب: حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماے ہیں: عرف میں مہر جسے کہا جاتا ہے اگر اس سے کم رقم ہو تو چونکہ یہ عرف کے بھی خلاف ہے تو اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔

آپ نے طرفین کے موقف کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ عورت کی بُضع سے نفع حاصل کرنا یہ ضرورت کے تحت ہے تاکہ نسل انسانی بڑھے اور اولاد کی نعمت حاصل ہو نیز خواہشات نفسانیہ کی تکمیل ہے۔ لہٰذا جب تک مقررہ مہر پر عمل ہو سکتا ہے مہر مثل کی طرف رجوع نہیں کیا جائے گا۔

طرفین کی دلیل

طرفین رحمہما اللہ فرماتے ہیں جب کوئی دعویٰ کرے تو ظاہر کو دیکھا جاتا ہے ظاہر جس کی تائید کرے اس کا قول معتبر ہوتا

ہے اور ظاہر اسی کے حق میں شہادت دے گا جس کے حق میں مہر مثل کی شہادت اور تائید ہو کیونکہ نکاح کے باب میں اصل مہر مثل ہی ہے اس کی مثال کے طور پر وہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے کپڑا رنگنے والے کو کپڑا رنگنے کے لیے دیا پھر دونوں میں اجرت کے بارے میں اختلاف ہو گیا تو رنگ کی قیمت کو دیکھا جائے اور اس کے حساب سے فیصلہ کیا جائے۔

نوٹ: ہمارے ہاں صورتِ حال مختلف ہے رنگ اور عمل دونوں رنگنے والے کے ہوتے ہیں یہاں عرف عام کو دیکھا جائے اور اس کے مطابق فیصلہ کیا جائے۔ (۱۲ ہزاروی)

پھر یہ بات کہ اگر جماع سے پہلے طلاق دیں اور مہر میں اختلاف ہو تو اس مسئلہ میں حضرت امام محمد علیہ الرحمہ کی کتاب جامع الصغیر اور مبسوط میں وہی بات لکھی ہے کہ نصف مہر دیا جائے گا اور مرد کی بات معتبر ہو گی اور جامع کبیر میں ہے کہ متعہ مثل دیا جائے (یعنی نصف مہر نہ دیا جائے) اور طرفین کے قول یعنی مہر مثل کی صورت میں قیاس یہی ہے کیونکہ جب مہر مثل واجب ہو تو جماع سے پہلے طلاق کی صورت میں متعہ ہی دینا ہوتا ہے۔

اختلاف کی وجہ اور موافقت

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے دو جگہ مختلف حکم ذکر کیے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ جہاں متعہ کی مالیت نصف مہر کو نہ پہنچتی ہو وہاں نصف مہر بتایا اور جہاں متعہ کی قیمت نصف مہر سے زیادہ ہو وہاں متعہ کا حکم دیا۔

مثلاً انہوں نے مبسوط میں ایک ہزار اور دو ہزار کا اختلاف ذکر کیا اور عام طور پر متعہ ایک ہزار کے نصف کو نہیں پہنچتا بلکہ اس کی مالیت کم ہوتی ہے تو اس صورت میں نصف مہر فائدہ مند ہے اور جامع کبیر میں اختلاف دس اور ایک سو کے درمیان بیان کیا تو یہاں دس کا نصف متعہ کی قیمت سے کم ہو گا لہٰذا متعہ دیا جائے گا۔

نوٹ: جامع صغیر میں مقدار کے ذکر سے خاموشی ہے تو اسے اس پر محمول کیا جائے گا جو مبسوط میں مذکور ہے۔

قیام نکاح کی صورت میں اختلاف مہر کی تشریح

اگر جماع سے پہلے طلاق دی اور مہر کی مقدار میں اختلاف ہو تو اس کی تفصیل بیان ہو چکی ہے لیکن اگر نکاح قائم ہو طلاق نہ ہو تو اس صورت میں طرفین کے قول کی تشریح اس طرح ہے کہ مثلاً مرد نے ایک ہزار کا اور عورت نے دو ہزار کا دعویٰ کیا تو اگر مہر مثل دو ہزار یا اس سے زیادہ ہے تو عورت کا قول معتبر ہو گا۔

گواہ پیش کرنا

چونکہ فیصلے کی بنیاد گواہی پر ہوتی ہے گواہ نہ ہوں تو مدعیٰ علیہ قَسم اُٹھاتا ہے لہٰذا دونوں صورتوں میں جو بھی گواہ پیش کرے اس کے گواہوں کے مطابق فیصلہ کیا جائے یعنی مہر ایک ہزار ہو یا دو ہزار۔

اور اگر پہلی صورت میں یعنی جب مہر مثل ایک ہزار ہو دونوں گواہ پیش کر دیں تو عورت کی گواہی قبول کی جائے کیونکہ وہ زیادہ مقدار ثابت کر رہی ہے۔

اور دوسری صورت میں جب مہر مثل دو ہزار یا زیادہ ہو مرد کے گواہ قبول کیے جائیں کیونکہ مہر میں سے کچھ کم کرنے کو ثابت کر رہا ہے اور اگر مہر مثل پندرہ سو ہو تو دونوں کو قسم دی جائے اور جب وہ قسم اُٹھالیں تو پندرہ سو واجب ہو جائے گا۔

یہ بات امام ابو بکر جصاص رازی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔

امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں تینوں صورتوں میں (یعنی جب مہر مثل ایک ہزار کم ہو یا دو ہزار یا زیادہ ہو یا پندرہ سو ہو) دونوں قسم اُٹھائیں پھر مہر مثل کے ساتھ فیصلہ کیا جائے۔

اگر اختلاف مہر مقرر کرنے میں ہو

(۱۲۱) وَلَوْ كَانَ الْاِخْتِلَافُ فِيْ اَصْلِ الْمُسَمّٰى يَجِبُ مَهْرُ الْمِثْلِ بِالْاِجْمَاعِ؛ لِاَنَّهٗ هُوَ الْاَصْلُ عِنْدَهُمَا. وَعِنْدَ تَعَذُّرِ الْقَضَاءِ بِالْمُسَمّٰى فَيُصَارُ اِلَيْهِ.

ترجمہ: اور اگر اختلاف مہر مقرر کرنے کے بارے میں ہو تو مہر مثل واجب ہوگا اس پر اتفاق ہے کیونکہ طرفین کے نزدیک یہی اصل ہے اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مقرر مہر کے ساتھ فیصلہ مشکل ہے لہٰذا مہر مثل کی طرف رجوع ہوگا۔

توضیح: گذشتہ مسئلہ میں مہر کی مقدار میں اختلاف ذکر ہوا اب یہ بتایا جا رہا ہے کہ اختلاف اس بارے میں ہو کہ مہر مقرر ہوا یا نہیں؟

تو اس صورت میں مہر مثل کی ادائیگی پر اتفاق ہے البتہ دلائل الگ الگ ہیں۔

طرفین کی دلیل یہ ہے کہ اصل مہر مثل ہے لہٰذا دینا پڑے گا حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ مقرر مہر کو ترجیح دیتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ چونکہ یہاں اس کے ساتھ فیصلہ نہیں ہو سکتا لہٰذا مہر مثل واجب ہوگا۔

اگر اختلاف دونوں میں سے کسی ایک کی موت کے بعد ہو

(۱۲۲) وَلَوْ كَانَ الْاِخْتِلَافُ بَعْدَ مَوْتِ اِحْدِهِمَا فَالْجَوَابُ فِيْهِ كَالْجَوَابِ فِيْ حَيَاتِهِمَا؛ لِاَنَّ اعْتِبَارَ مَهْرِ الْمِثْلِ لَا يَسْقُطُ بِمَوْتِ اَحَدِهِمَا.

ترجمہ: اور اگر اختلاف ان دونوں میں سے کسی ایک کے فوت ہونے کے بعد ہو تو اس میں وہی حکم ہوگا جو ان کی زندگی میں ہوتا ہے کیونکہ مہر مثل کا اعتبار ان میں سے کسی ایک کی موت سے ساقط نہیں ہوتا۔

توضیح: اگر مرد یا عورت فوت ہو جائیں پھر فریق ثانی اور فوت شدہ کے ورثاء کے درمیان مہر کے بارے میں اختلاف ہو جائے تو وہ بھی تفصیل ہے جو گذشتہ مسئلہ میں بیان ہو چکی ہے اُسی کے مطابق فیصلہ ہوگا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح مہر مثل کے ساتھ فیصلہ ان کی زندگی میں ہوتا ہے بعد میں بھی اسی کے ساتھ فیصلہ ہوگا موت کی وجہ سے مہر مثل ساقط نہیں ہوگا۔

اگر دونوں کے انتقال کے بعد اختلاف ہو

(۱۲۳) وَلَوْ كَانَ الْاِخْتِلَافُ بَعْدَ مَوْتِهِمَا فِي الْمِقْدَارِ فَالْقَوْلُ قَوْلُ وَرَثَةِ الزَّوْجِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ، وَلَا يُسْتَثْنَى الْقَلِيْلُ. وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ الْجَوَابُ فِيْهِ كَالْجَوَابِ فِيْهِ حَالَةَ الْحَيَاةِ. وَاِنْ كَانَ فِي اَصْلِ الْمُسَمَّى فَعِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ الْقَوْلُ قَوْلُ مَنْ اَنْكَرَهُ فَالْحَاصِلُ اَنَّهُ لَا يُحْكَمُ لِمَهْرِ الْمِثْلِ عِنْدَ بَعْدَ مَوْتِهِمَا عَلٰى مَا نُبَيِّنُهُ مِنْ بَعْدُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ۔

اور اگر اختلاف ان دونوں کی موت کے بعد مقدار میں ہو تو وہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مرد کے وارثوں کا قول معتبر ہوگا۔

اور حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہی فیصلہ ہوگا جو ان کی زندگی میں ہوتا۔

اور اگر مہر مقرر کرنے میں اختلاف ہو تو حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک انکار کرنے والے کا قول معتبر ہوگا۔

تو نتیجہ یہ ہوا کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان دونوں کی موت کے بعد مہر مثل کے ساتھ فیصلہ نہیں ہوگا جیسا کہ ہم بیان کریں گے۔ ان شاء اللہ

توضیح: اگر میاں بیوی دونوں فوت ہو جائیں اور اب ان کے ورثاء کے درمیان اختلاف ہو جائے تو یہ اختلاف دو قسم کا ہوگا۔

۱۔ مہر کی مقدار میں اختلاف　۲۔ مہر مقرر ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف

اگر مقدار میں اختلاف ہو تو حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک خاوند کے وارثوں کا قول معتبر ہوگا اور اگر وہ اتنی مقدار ذکر کریں جو عام طور پر مہر نہیں ہوتا تو وہ بھی اسی حکم میں آئے گا مستثنیٰ نہیں ہوگا اور حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جس طرح میاں بیوی کی زندگی میں اختلاف ہوتا تو جو حکم ہوتا (جیسے گزر گیا) تو اب بھی وہی حکم ہوگا اور اگر مہر مقرر کرنے یا نہ کرنے کا اختلاف ہو تو حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جو منکر ہے یعنی جو کہتا ہے کہ مقرر نہیں ہوا تو اس کا قول معتبر ہوگا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دونوں کی موت کے بعد مہر مثل واجب ہوگا اس کی وجہ آئندہ مسئلہ میں مذکور ہے۔

میاں بیوی کے انتقال کے بعد مہر کون وصول کرے؟

(۱۲۴) [وَاِذَا مَاتَ الزَّوْجَانِ وَقَدْ سَمّٰى لَهَا مَهْرًا فَلِوَرَثَتِهَا اَنْ يَّاْخُذُوْا ذٰلِكَ مِنْ مِيْرَاثِ

الزَّوْجِ. وَإِنْ لَمْ يَكُنْ سَمّٰى لَهٗ مَهْرًا فَلَا شَيْءَ لِوَرَثَتِهَا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَقَالَا: لِوَرَثَتِهَا الْمَهْرُ فِي الْوَجْهَيْنِ]

مَعْنَاهُ الْمُسَمّٰى فِي الْوَجْهِ الْأَوَّلِ وَمَهْرُ الْمِثْلِ فِي الْوَجْهِ الثَّانِيْ. أَمَّا الْأَوَّلُ؛ فَلِأَنَّ الْمُسَمّٰى دَيْنٌ فِيْ ذِمَّتِهٖ وَقَدْ تَأَكَّدَ بِالْمَوْتِ فَيُقْضٰى مِنْ تَرِكَتِهٖ. إِلَّا إِذَا عُلِمَ أَنَّهَا مَاتَتْ أَوَّلًا فَيَسْقُطُ نَصِيْبُهٗ مِنْ ذٰلِكَ وَأَمَّا الثَّانِيْ فَوَجْهُ قَوْلِهِمَا أَنَّ مَهْرَ الْمِثْلِ صَارَ دَيْنًا فِيْ ذِمَّتِهٖ كَالْمُسَمّٰى فَلَا يَسْقُطُ بِالْمَوْتِ كَمَا إِذَا مَاتَ أَحَدُهُمَا۔

وَلِأَبِيْ حَنِيْفَةَ أَنَّ مَوْتَهُمَا يَدُلُّ عَلٰى اِنْقِرَاضِ أَقْرَانِهِمَا فَبِمَهْرِ مَنْ يُقَدِّرُ الْقَاضِيْ مَهْرَ الْمِثْلِ

ترجمہ: [اور جب میاں بیوی دونوں فوت ہو جائیں اور مرد نے اس (عورت) کے لیے مہر مقرر کیا ہو تو عورت کے ورثا کو چاہیے کہ وہ مرد کی میراث وصول کریں، اور اگر اس نے اس کے لیے مہر مقرر نہیں کیا تو حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کے وارثوں کے لیے کوئی چیز نہیں ہوگی۔ اور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں: دونوں صورتوں میں اس کے وارثوں کے لیے مہر ہوگا]۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلی صورت میں مقررہ مہر اور دوسری صورت میں مہر مثل ہوگا۔

پہلی صورت کی وجہ یہ ہے کہ مقررہ مہر مرد کے ذمہ قرض ہے اور وہ موت کی وجہ سے پکا ہو چکا ہے پس وہ اس (مرد) کے ترکہ سے ادا کیا جائے گا۔

البتہ جب یہ بات معلوم ہو کہ عورت پہلے فوت ہوئی ہے تو اس سے اس مرد کا حق ساقط ہو جائے گا۔

اور صاحبین کے نزدیک دوسری صورت کی وجہ یہ ہے کہ مہر مثل مرد کے ذمہ قرض ہو گیا جس طرح مقررہ مہر کا حکم ہے تو وہ موت کی وجہ سے ساقط نہیں ہوگا جس طرح اگر ان میں سے کوئی ایک فوت ہو جائے (تو ساقط نہیں ہوتا) حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان دونوں کی موت ان کے زمانے کے لوگوں کے ختم ہونے پر دلالت کرتی ہے تو قاضی کس کے مہر کے ساتھ مہر مثل کا اندازہ لگائے گا۔

توضیح: یہ بات مسلمہ ہے کہ جب خاوند فوت ہو جائے تو عورت کا مہر پکا اور تاکیدی ہو جاتا ہے اور یہ مہر خاوند کے ذمہ دین (قرض) ہوتا ہے تو میت کے ترکہ سے تجہیز و تکفین کے بعد قرض کی ادائیگی کی جاتی ہے اور چونکہ اس کی بیوی بھی اس کی قرض خواہ ہے اور چونکہ وہ بھی فوت ہو چکی ہے لہٰذا اب اس کے ورثاء کا حق ہے کہ وہ مرد کی میراث سے اس فوت شدہ عورت کا مہر وصول کریں۔

اب مہر کی دو صورتیں ہیں:

۱۔ مہر مقرر کیا گیا تھا تو اس میں کوئی اختلاف نہیں تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ وہ رقم وصول کی جائے۔

۲۔ اگر مہر مقرر نہیں ہوا تھا اور اس کی جگہ مہر مثل لازم ہوا تو صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک عورت کے ورثا مرد کے ترکہ میں مہر مثل کی مقدار وصول کریں گے لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس صورت میں عورت کے وارثوں کے لیے کچھ نہیں ہوگا۔

صاحبین فرماتے ہیں: مقرر شدہ مہر ہو یا مہر مثلاً دونوں صورتوں میں وہ مرد کے ذمہ قرض ہے۔

استثنائی صورت

صاحبین فرماتے ہیں اگر یہ بات معلوم ہو کہ عورت پہلے فوت ہوئی اور مرد بعد میں فوت ہوا تو اب مرد کا عورت کی وراثت سے حصہ ساقط ہو جائے گا یعنی وہ مہر میں چلا جائے گا یعنی وراثت میں اس کا جتنا حصہ ہے وہ مہر میں سے ساقط ہو جائے گا۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مہر مقرر ہو تو عورت کے ورثاء کو مرد کی وراثت سے وصول کرنے کا حق ہے لیکن مہر مثل کی صورت میں ان کے لیے کچھ نہیں ہوگا آپ کی دلیل یہ ہے کہ چونکہ فوت ہونے کی وجہ سے ان کا زمانہ ختم ہو گیا تو قاضی کس کے مہر کے ساتھ مہر مثل مقرر کرے گا۔ جب یہ نہیں ہو سکتا تو عورت کے ورثا کو کچھ نہیں ملے گا کیونکہ مہر مثل کے لیے ضروری ہے کہ جن خواتین کے مہر کی مثل کا تعین کیا جاتا ہے ان کا اور اس عورت کا زمانہ ایک ہو۔

کسی چیز کے مہر یا تحفہ ہونے میں اختلاف

(۱۲۵) [وَمَنْ بَعَثَ اِلٰى اِمْرَاَتِهٖ شَيْئًا فَقَالَتْ هُوَ هَدِيَّةٌ وَقَالَ الزَّوْجُ هُوَ مِنَ الْمَهْرِ فَالْقَوْلُ قَوْلُهٗ]؛ لِاَنَّهٗ هُوَ الْمُمَلِّكُ فَكَانَ اَعْرَفَ بِجِهَةِ التَّمْلِيْكِ. كَيْفَ وَاَنَّ الظَّاهِرَ اَنَّهٗ يَسْعٰى فِيْ اِسْقَاطِ الْوَاجِبِ۔

ترجمہ: [کسی شخص نے اپنی بیوی کی طرف کوئی چیز بھیجی تو عورت نے کہا یہ تحفہ ہے اور خاوند نے کہا یہ مہر میں سے ہے تو خاوند کا قول معتبر ہوگا]

کیونکہ مالک بنانے والا وہی ہے لہٰذا وہ تملیک کی جہت کو زیادہ جانتا ہے اور کیسے وہ مہر نہیں ہوگا جب کہ ظاہر میں وہ واجب کو ساقط کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

توضیح: مہر کے حوالے سے میاں بیوی کے درمیان اختلاف کی ایک اور صورت بیان کی جا رہی ہے۔

وہ اس طرح کہ مرد نے عورت کی طرف کوئی چیز بھیجی تو عورت نے کہا یہ چیز تم نے بطور تحفہ بھیجی ہے مرد کہتا ہے یہ مہر میں سے ہے۔

تو اس صورت میں مرد کی بات قبول کی جائے گی اس کی دلیل یہ ہے کہ مرد نے عورت کو اس کا مالک بنایا اور مملک (مالک بنانے والا) اس بات کو زیادہ جانتا ہے کہ اس کی جہت کیا ہے یعنی تحفہ کی جہت سے مالک بنایا یا مہر کی جہت سے تو یہاں خاوند مالک بنانے والا ہے۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ انسان اس چیز کے لیے پہلے کوشش کرتا ہے جو اس کے ذمے ہوتی ہے اس سے فراغت ہو تو تحائف کی طرف جاتا ہے جیسے زکوٰۃ کی ادائیگی پہلے ہوتی ہے اور نفلی صدقات کی طرف بعد میں توجہ کی جاتی ہے اس لیے خاوند مہر کی ادائیگی پہلے کرتا ہے کیونکہ وہ واجب ہے اور وہ خود اس کا دعویٰ بھی کر رہا ہے لہٰذا اس صورت میں مرد کی بات قابل قبول ہوگی۔

غلے کے بارے میں اختلاف

(۱۲۶) قَالَ: [اِلَّا فِي الطَّعَامِ الَّذِيْ يُؤْكَلُ فَاِنَّ الْقَوْلَ قَوْلُهَا] وَالْمُرَادُ مِنْهُ مَا يَكُوْنُ مُهَيَّاً لِلْاَكْلِ؛ لِاَنَّهٗ يَتَعَارَفُ هَدِيَّةً. فَاَمَّا فِي الْحِنْطَةِ وَالشَّعِيْرِ فَالْقَوْلُ قَوْلُهٗ لِمَا بَيَّنَّا. وَقِيْلَ مَا يَجِبُ عَلَيْهِ مِنَ الْخِمَارِ وَالدِّرْعِ وَغَيْرِهِمَا لَيْسَ لَهٗ اَنْ يَحْتَسِبَهٗ مِنَ الْمَهْرِ؛ لِاَنَّ الظَّاهِرَ يُكَذِّبُهٗ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

ترجمہ: حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ جامع صغیر میں فرماتے ہیں: [مگر وہ کھانا جسے کھایا جاتا ہے تو اس میں عورت کا قول معتبر ہوگا] اس سے مراد وہ ہے جو کھانے کے لیے تیار کیا گیا کیونکہ عرف میں وہ تحفہ شمار ہوتا ہے لیکن گندم اور جو میں خاوند کا قول معتبر ہوگا جس طرح ہم نے بیان کیا ہے۔

کہا گیا کہ جو کچھ دوپٹے اور قمیص وغیرہ سے مرد پر واجب ہے اسے مرد مہر میں شمار نہیں کر سکتا کیونکہ ظاہر اس کو جھٹلاتا ہے۔

توضیح: مرد کی طرف سے اگر کھانا دیا جائے یعنی آٹا پکا کر روٹی کی شکل میں دیا جائے اور اس میں اختلاف ہو کہ یہ مہر میں سے ہے یا تحفہ ہے؟

تو عرف کے مطابق یہ مہر نہیں ہو سکتا لہٰذا اس میں عورت کی بات کا اعتبار ہوگا کہ یہ تحفہ ہے کیونکہ اس کی بات عرف کے مطابق ہے۔

البتہ جب غلہ ہو جیسے گندم یا جَو وغیرہ تو وہ مہر میں شمار ہوتا ہے اور جیسا کہ پہلے یہ بات گزر چکی کہ مرد مملک ہے یعنی وہی عورت کی ملکیت میں دینے والا ہے اور مملک کی بات معتبر ہوتی ہے لہٰذا اگر وہ کہے کہ یہ مہر میں سے ہے تو اس کی بات معتبر ہوگی عورت کی بات کو تسلیم نہیں کیا جائے گا۔

یہاں صاحب ہدایہ نے ایک اور بات بیان فرمائی کہ عورت کے لیے مرد پر جو چیز واجب ہے یعنی مہر کے علاوہ جو کچھ

واجب ہے جیسے عورت کا لباس ہے تو وہ مہر میں شمار نہیں ہوسکتا کیونکہ ظاہر کے مطابق وہ مہر نہیں ہے۔

کفار کے درمیان نکاح اور ان کے مہر کا حکم

(۱۲۷) [وَاِذَا تَزَوَّجَ النَّصْرَانِيُّ نَصْرَانِيَّةً عَلٰى مَيْتَةٍ اَوْ عَلٰى غَيْرِ مَهْرٍ وَ ذٰلِكَ فِيْ دِيْنِهِمْ جَائِزٌ فَدَخَلَ بِهَا اَوْ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُوْلِ بِهَا اَوْ مَاتَ عَنْهَا فَلَيْسَ لَهَا مَهْرٌ. وَكَذٰلِكَ الْحَرْبِيَّانِ فِيْ دَارِ الْحَرْبِ] وَهٰذَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَهُوَ قَوْلُهُمَا فِي الْحَرْبِيَّيْنِ۔

ترجمہ: [اور جب کسی عیسائی مرد نے کسی عیسائی عورت سے مہر میں مردار دینے یا مہر کے بغیر نکاح کیا اور ان کے دین میں یہ جائز ہے، پھر اس سے جماع کیا یا جماع سے پہلے طلاق دے دی یا وہ مر گیا تو عورت کے لیے مہر نہیں ہوگا اسی طرح اگر دو حربی، دار الحرب میں آپس میں نکاح کریں تو یہی حکم ہے]

اور یہ حکم حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے اور صاحبین رحمہما اللہ کا دو حربیوں کے بارے میں یہی حکم ہے۔

توضیح: اسلام میں مہر ایسا مال ہونا ضروری ہے جو مال متقوم ہو یعنی شریعت اس کے لین دین کی اجازت دیتی ہو لہٰذا شراب اور خنزیر مہر میں نہیں دیے جاسکتے اسی طرح مردار کا بھی یہی حکم ہے۔ (تفصیل گزر چکی ہے)

لیکن کفار کے ہاں یہ جائز ہے لہٰذا اگر دو عیسائی مرد اور عورت یا کوئی بھی ذمی کافر نکاح کرتے ہوئے مہر میں مردار جانور مقرر کریں یا یہ کہیں کہ مہر نہیں دیا جائے گا۔ پھر کوئی بھی صورت ہو یعنی جماع کرلیا یا جماع سے پہلے طلاق دے دی یا مرد عورت کو چھوڑ کر مر گیا تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عورت کے لیے مہر نہیں ہوگا۔

اسی طرح اگر دو حربی ہوں تو یہی حکم ہوگا۔

حربیوں کے بارے میں تو اتفاق ہے لیکن عیسائی ذمی ہوں تو ان کے حکم میں صاحبین کا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے اختلاف ہے یعنی صاحبین کے نزدیک ذمی کافر کا حکم یہ ہے کہ مہر مثل دینا ہوگا اور اگر جماع سے پہلے طلاق ہوئی تو متعہ دینا ہوگا۔

نوٹ: حربیوں کے لیے اس وقت ہے جب وہ دار الحرب میں نکاح کریں۔

حضرت امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کی حربیوں کے بارے میں دلیل یہ ہے کہ انہوں نے اسلامی احکام کا التزام نہیں کیا جب کہ ذمیوں نے التزام کیا ہے (تفصیل آئندہ مسئلہ میں ہوگی)۔

ذمیہ عورت کا حکم

(۱۲۸) وَاَمَّا فِي الذِّمِّيَّةِ فَلَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا اِنْ مَاتَ عَنْهَا اَوْ دَخَلَ بِهَا وَالْمُتْعَةُ اِنْ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُوْلِ بِهَا۔

وَقَالَ زُفَرُ: لَهَا مَهْرُ الْمِثْلِ فِي الْحَرْبِيَّيْنِ اَيْضًا۔

لَهُ اَنَّ الشَّرْعَ مَا شَرَعَ ابْتِغَاءَ النِّكَاحِ اِلَّا بِالْمَالِ، وَهٰذَا الشَّرْعُ وَقَعَ عَامًّا فَيَثْبُتُ الْحُكْمُ عَلَى الْعُمُوْمِ۔

وَلَهُمَا اَنَّ اَهْلَ الْحَرْبِ غَيْرُ مُلْتَزِمِيْنَ اَحْكَامَ الْاِسْلَامِ، وَوِلَايَةُ الْاِلْزَامِ مُنْقَطِعَةٌ لِتَبَايُنِ الدَّارِ، بِخِلَافِ اَهْلِ الذِّمَّةِ لِاَنَّهُمْ اِلْتَزَمُوْا اَحْكَامَنَا فِيْمَا يَرْجِعُ اِلَى الْمُعَامَلَاتِ كَالرِّبَا وَالزِّنَا، وَوِلَايَةُ الْاِلْزَامِ مُتَحَقِّقَةٌ لِاتِّحَادِ الدَّارِ۔

وَلِاَبِيْ حَنِيْفَةَ اَنَّ اَهْلَ الذِّمَّةِ لَا يَلْتَزِمُوْنَ اَحْكَامَنَا فِي الدِّيَانَاتِ وَفِيْمَا يَعْتَقِدُوْنَ خِلَافَهُ فِي الْمُعَامَلَاتِ، وَوِلَايَةُ الْاِلْزَامِ بِالسَّيْفِ وَبِالْمُحَاجَّةِ وَكُلُّ ذٰلِكَ مُنْقَطِعٌ عَنْهُمْ بِاِعْتِبَارِ عَقْدِ الذِّمَّةِ، فَاِنَّا اُمِرْنَا بِاَنْ نَتْرُكَهُمْ وَمَا يَدِيْنُوْنَ فَصَارُوْا كَاَهْلِ الْحَرْبِ، بِخِلَافِ الزِّنَا لِاَنَّهُ حَرَامٌ فِي الْاَدْيَانِ كُلِّهَا، وَالرِّبَا مُسْتَثْنًى عَنْ عُقُوْدِهِمْ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ: «اَلَا مَنْ اَرْبٰى فَلَيْسَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُ عَهْدٌ» [1] وَقَوْلُهُ فِي الْكِتَابِ اَوْ عَلٰى غَيْرِ مَهْرٍ يَحْتَمِلُ نَفْيَ الْمَهْرِ وَيَحْتَمِلُ السُّكُوْتَ۔

وَقَدْ قِيْلَ: فِي الْمَيْتَةِ وَالسُّكُوْتِ رِوَايَتَانِ، وَالْاَصَحُّ اَنَّ الْكُلَّ عَلَى الْخِلَافِ۔

ترجمہ: جہاں تک ذمیہ عورت کا تعلق ہے تو اس کے لیے مہر مثل ہوگا اگر اس کا خاوند اسے چھوڑ کر مر جائے یا اس سے جماع کرے اور متعہ ہوگا اگر وہ اس کے ساتھ جماع کرنے سے پہلے اسے طلاق دے۔

حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگر مرد و عورت حربی ہوں تو بھی عورت کے لیے مہر مثل ہوگا۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ شریعت نے نکاح کی تلاش کو مال کے ساتھ متعلق کیا ہے اور یہ شرعی حکم عام ہے لہٰذا یہ عموم کے ساتھ ثابت ہوگا۔

صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کی دلیل یہ ہے کہ اہل حرب نے اسلامی احکام کو اپنے اوپر لازم نہیں کیا اور لازم کرنے کے اختیارات منقطع ہیں کیونکہ دار (ملک) مختلف ہے۔

توضیح: (غیر مسلم) ذمی عورت سے نکاح کے وقت مردار جانور بطور مہر مقرر کیا گیا تو اس سلسلے میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس عورت کو مہر نہیں ملے گا چاہے اس سے جماع کیا یا خاوند مر گیا۔ یا جماع

[1] مصنف ابن شیبہ، باب فی ذکر اہل نجران، حدیث: ۳۵۰۱۵

سے پہلے طلاق دے دی۔

صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک ذمیہ عورت کو اس صورت میں مہر مثل ملے گا۔

حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگر شوہر فوت ہو جائے یا اس نے جماع کر لیا تو عورت (ذمیہ) کو مہر مثل ملے گا اور اگر جماع سے پہلے طلاق دے دی تو اس کے لیے متعہ (تین کپڑے) ہوں گے۔

حربیوں کے بارے میں حکم

حضرت امام ابوحنیفہ اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک جب حربی مرد اور عورت اپنے ملک میں نکاح کریں اور مہر میں مردار مقرر کریں تو اس عورت کے لیے کچھ نہیں ہوگا اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کے لیے مہر مثل ہوگا۔

دلائل

حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ نے نکاح کا بدل مال کو قرار دیا۔

ارشادِ خداوندی ہے:

اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ [1]

ترجمہ: اپنے مالوں کے ذریعے طلب کرو۔

اور یہ شرعی حکم عام ہے لہٰذا اس کا ثبوت بھی عمومی طور پر ہوگا (لہٰذا ذمی ہو یا حربی مہر مثل دینا ہوگا)

حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہما کی دلیل یہ ہے کہ اہل حرب اور ذمی لوگوں میں فرق ہے حربی کافر نہ تو خود اسلامی احکام کو اپنے اُوپر لازم کر سکتا ہے اور نہ ہی ان پر ان کو احکام کو لازم کیا جا سکتا ہے کیونکہ ان کا ملک (دارالحرب) الگ ہے اور مسلمان اپنی شریعت ان پر نافذ نہیں کر سکتے۔

اور ذمی لوگوں نے ہماری شریعت کے احکام کو جن کا تعلق معاملات کے ساتھ ہے جیسے زنا اور سود، تو ان کی پابندی کو اپنے اُوپر لازم قرار دیا ہے اور چونکہ ملک ایک ہے یعنی وہ اسلامی ملک کے بطور اقلیت باشندے ہیں لہٰذا ان پر ان احکام کو نافذ بھی کیا جا سکتا ہے۔

گویا صاحبین اہل حرب کے معاملے میں حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہیں اور ذمی لوگوں کے سلسلے میں حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہیں۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ ذمی لوگ اپنے معاملات میں اور اسی طرح وہ معاملات جن میں وہ ہمارے خلاف عقیدہ رکھتے ہیں ان کو وہ اپنے اُوپر لازم قرار نہیں دیتے مثلاً ہمارے نزدیک گواہوں کے بغیر نکاح نہیں ہوتا ہے لیکن وہ اس کی خلاف اعتقاد رکھتے ہیں اور ان کے نزدیک گواہوں کے بغیر نکاح ہو جاتا ہے۔

[1] سورۃ النساء، آیت: ۲۴

اور ان پر ان احکام کو لازم کرنے کے لیے تلوار کا استعمال کرنا یا مناظرہ بازی کے ذریعے ان کے خلاف حجت قائم کرنا درست نہیں کیونکہ ان کے ساتھ معاہدہ ہے اور ہمیں ان کی دینی معاملات میں مداخلت نہ کرنے کا حکم ہے جس طرح حربی لوگوں کا حکم ہے الہذا یہ اہل حرب کی طرح ہو گئے۔

صاحبین نے زنا اور سود کی مثال دی کہ ذمی لوگ ان سے متعلق احکام کو اپنے اُوپر لازم قرار دیتے ہیں تو حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جواب دیتے ہوئے بتایا کہ ان کا معاملہ مختلف ہے۔

کیونکہ زنا تمام ادیان میں حرام ہے اس لیے وہ اسے چھوڑتے ہیں اس کا عقد ذمہ کے ساتھ تعلق نہیں اور جہاں تک سود کا تعلق ہے تو وہ معاہدے سے مستثنیٰ ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص سودی لین دین کرے اس کے ساتھ ہمارا معاہدہ نہیں۔

جامع صغیر میں حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فرمانا کہ اگر وہ مہر کے بغیر نکاح کریں تو اس میں دو احتمال ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس سے مہر کی نفی مراد ہو یعنی مراد یوں ہے کہ وہ مہر نہیں دے گا اور یہ بھی کہ وہ کچھ نہ کہے بلکہ خاموش رہے ایک ضعیف قول یہ ہے کہ مراد مقرر کرنے اور خاموش رہنے کے سلسلے میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ کچھ بھی واجب نہیں ہوگا اور دوسری یہ کہ مہر مثل واجب ہوگا تو صاحب ہدایہ فرماتے ہیں: زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ ان دونوں میں اختلاف ہے یعنی کچھ بھی واجب نہیں ہوگا (جس طرح متن میں گزر گیا ہے)۔

ذمی کا شراب اور خنزیر پر نکاح کے بعد اسلام قبول کرنا

(۱۲۹) [فَإِنْ تَزَوَّجَ الذِّمِّيُّ ذِمِّيَّةً عَلٰى خَمْرٍ اَوْ خِنْزِيْرٍ ثُمَّ اَسْلَمَا اَوْ اَسْلَمَ اَحَدُهُمَا فَلَهَا الْخَمْرُ وَالْخِنْزِيْرُ] وَمَعْنَاهُ إِذَا كَانَ بِأَعْيَانِهِمَا وَالْإِسْلَامُ قَبْلَ الْقَبْضِ. وَإِنْ كَانَا بِغَيْرِ اَعْيَانِهِمَا فَلَهَا فِي الْخَمْرِ الْقِيمَةُ وَفِي الْخِنْزِيْرِ مَهْرُ الْمِثْلِ. وَهٰذَا عِنْدَ اَبِي حَنِيْفَةَ۔

وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ: لَهَا مَهْرُ الْمِثْلِ فِي الْوَجْهَيْنِ۔

وَقَالَ مُحَمَّدٌ: لَهَا الْقِيمَةُ فِي الْوَجْهَيْنِ۔

وَجْهُ قَوْلِهِمَا اَنَّ الْقَبْضَ مُؤَكِّدٌ لِلْمِلْكِ فِي الْمَقْبُوْضِ لَهُ فَيَكُوْنُ لَهُ شِبْهٌ بِالْعَقْدِ فَيَمْتَنِعُ بِسَبَبِ الْإِسْلَامِ كَالْعَقْدِ وَصَارَ كَمَا إِذَا كَانَ بِغَيْرِ اَعْيَانِهِمَا۔

وَإِذَا الْتَحَقَتْ حَالَةُ الْقَبْضِ بِحَالَةِ الْعَقْدِ. فَاَبُوْ يُوْسُفَ يَقُوْلُ: لَوْ كَانَا مُسْلِمِيْنَ وَقْتَ الْعَقْدِ يَجِبُ مَهْرُ الْمِثْلِ فَكَذَا هَاهُنَا. وَمُحَمَّدٌ يَقُوْلُ صَحَّتِ التَّسْمِيَةُ لِكَوْنِ الْمُسَمّٰى مَالًا عِنْدَهُمْ. إِلَّا اَنَّهُ امْتَنَعَ التَّسْلِيْمُ لِلْإِسْلَامِ فَتَجِبُ الْقِيمَةُ. كَمَا إِذَا هَلَكَ الْعَبْدُ الْمُسَمّٰى قَبْلَ الْقَبْضِ۔

وَلِاَبِیْ حَنِیْفَةَ اَنَّ الْمِلْكَ فِی الصَّدَاقِ الْمُعَیَّنِ یَتِمُّ بِنَفْسِ الْعَقْدِ وَلِهٰذَا تَمْلِكُ التَّصَرُّفَ فِیْهِ، وَبِالْقَبْضِ یَنْتَقِلُ مِنْ ضَمَانِ الزَّوْجِ اِلٰی ضَمَانِهَا وَ ذٰلِكَ لَا یَمْتَنِعُ بِالْاِسْلَامِ كَاسْتِرْدَادِ الْخَمْرِ الْمَغْصُوْبَةِ، وَفِیْ غَیْرِ الْمُعَیَّنِ الْقَبْضُ یُوْجِبُ مِلْكَ الْعَیْنِ فَیَمْتَنِعُ بِالْاِسْلَامِ، بِخِلَافِ الْمُشْتَرِیْ لِاَنَّ مِلْكَ التَّصَرُّفِ فِیْهِ اِنَّمَا یُسْتَفَادُ بِالْقَبْضِ، وَاِذَا تَعَذَّرَ الْقَبْضُ فِیْ غَیْرِ الْمُعَیَّنِ لَا تَجِبُ الْقِیْمَةُ فِی الْخِنْزِیْرِ لِاَنَّهٗ مِنْ ذَوَاتِ الْقِیَمِ فَیَكُوْنُ اَخْذُ قِیْمَتِهٖ كَاَخْذِ عَیْنِهٖ، وَلَا كَذٰلِكَ الْخَمْرُ لِاَنَّهٗ مِنْ ذَوَاتِ الْاَمْثَالِ؛ اَلَا تَرٰی اَنَّهٗ لَوْ جَاءَ بِالْقِیْمَةِ قَبْلَ الْاِسْلَامِ تُجْبَرُ عَلَی الْقَبُوْلِ فِی الْخِنْزِیْرِ دُوْنَ الْخَمْرِ، وَلَوْ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُوْلِ بِهَا، فَمَنْ اَوْجَبَ مَهْرَ الْمِثْلِ اَوْجَبَ الْمُتْعَةَ، وَمَنْ اَوْجَبَ الْقِیْمَةَ اَوْجَبَ نِصْفَهَا، وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

ترجمہ: [پس اگر ذمی کسی ذمیہ عورت سے شراب یا خنزیر (مہر میں دینے) پر نکاح کرے پھر وہ دونوں اسلام قبول کرلیں یا ان میں سے ایک اسلام قبول کرے تو عورت کے لیے شراب اور خنزیر ہوگا (جو بھی مقرر رہوا)]

اس کا مطلب یہ ہے کہ جب معین شراب وغیرہ مقرر رہوا اور قبضہ سے پہلے اسلام قبول کیا ہو۔

اور اگر وہ معین نہ ہوں تو عورت کے لیے شراب کی صورت میں (اس کی) قیمت اور خنزیر کی صورت میں مہر مثل ہوگا۔

یہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں دونوں صورتوں میں مہر مثل واجب ہوگا اور حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں دونوں صورتوں میں اس عورت کے لیے ان کی قیمت ہوگی صاحبین کے قول کی وجہ یہ ہے کہ قبضہ کی وجہ سے مقبوض چیز میں ملک موکد ہوجاتی ہے پس اس کے لیے عقد کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے لہٰذا اسلام کی وجہ سے یہ ممنوع ہوگا۔ جس طرح (شراب وغیرہ پر) عقد ممنوع ہے اور یہ اس طرح ہوگا جیسے معین شراب یا خنزیر پر عقد ہوا۔ اور جب قبضہ کی حالت، عقد کی حالت سے مل جائے تو حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگر وہ عقد کے وقت مسلمان ہوتے تو مہر مثل واجب ہوتا تو یہاں بھی یہی حکم ہوگا۔

اور حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں (مہر میں ان چیزوں کا) مقرر کرنا صحیح ہے کیونکہ مسمی ان کے نزدیک مال ہے لیکن اسلام کی وجہ سے سپرد کرنا ممنوع ہے لہٰذا قیمت واجب ہوگی جس طرح قبضہ سے پہلے غلام ہلاک ہوجائے (تو قیمت واجب ہوتی ہے)

اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک معین مہر میں صرف عقد سے ہی ملک مکمل ہوجاتی ہے اسی لیے وہ اس میں تصرف کرسکتا ہے اور قبضہ کی وجہ سے وہ خاوند کی ضمان سے عورت کی ضمان میں چلی جاتی ہے اور یہ بات اسلام میں منع نہیں جس طرح غصب کی گئی شراب واپس لینا (ممنوع نہیں)۔

اور غیر معین میں قبضہ معین کی ملک واجب کرتا ہے پس وہ اسلام کی وجہ سے ممنوع ہوگی۔

بخلاف خریدار کے، کیونکہ اس میں تصرف کا فائدہ قبضہ کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے۔

اور جب غیر معین میں قبضہ مشکل ہوگیا تو خنزیر میں قیمت واجب نہیں ہوگی کیونکہ یہ قیمت والی چیزوں میں سے ہے (مثلی نہیں) تو قیمت کا لینا بعینہ خنزیر کا لینا ہے اور شراب میں اس طرح نہیں کیونکہ وہ مثلی چیزوں میں سے ہے۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر وہ اسلام قبول کرنے سے پہلے اس کی قیمت دیتا تو خنزیر کے سلسلے میں عورت کو قبول کرنے پر مجبور کیا جاتا، لیکن شراب کے بارے میں مجبور نہ کیا جاتا۔

اور اگر وہ اسے جماع سے پہلے طلاق دے تو جس نے مہر مثل واجب کیا وہ (اس صورت میں) متعہ واجب کرتے ہیں اور جس نے قیمت واجب کی وہ اس کا نصف واجب کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔

توضیح: اگر مرد اور عورت غیر مسلم ذمی ہوں اور وہ شراب یا خنزیر مہر میں مقرر کریں اور یہ شراب یا خنزیر معین ہوں اور قبضہ کرنے سے پہلے دونوں یا ان میں سے ایک مسلمان ہوجائے تو کیا حکم ہوگا۔ تو اس سلسلے میں تینوں ائمہ احناف کے درمیان اختلاف ہے۔

اسی طرح اگر وہ غیر معین ہوں تو کیا حکم ہوگا۔ تو حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر معین ہوں تو وہ ہی دینا ہوگا جو مقرر ہوا شراب ہو یا خنزیر اور اگر غیر معین ہوں تو شراب کی صورت میں قیمت اور خنزیر کی صورت میں مہر مثل دینا ہوگا۔

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ دونوں صورتوں میں مہر مثل واجب کرتے ہیں۔

جبکہ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دونوں صورتوں میں قیمت دینا ہوگا۔

توجیہات

صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں جب کسی چیز پر قبضہ کیا جائے تو اس کی ملک پکی اور موکد ہوجاتی ہے لہٰذا وہ عقد کے مشابہ ہوتی ہے اور جب یہ دونوں مسلمان ہوگئے تو گویا ان کا عقد شراب اور خنزیر پر ہوا جو اسلام کی وجہ سے منع ہے تو جس طرح ان دو چیزوں کو عقد کے وقت مہر مقرر کرنا درست نہیں اب بھی یہ درست نہیں لہٰذا یہ غیر معین شراب اور خنزیر کی طرح ہوگیا اور غیر معین کی صورت میں شراب اور خنزیر نہیں دے سکتے تو اس صورت میں بھی منع ہے لہٰذا مہر مثل یا قیمت ادا کرنا ہوگی۔

تو اب جب قبضہ کی حالت کو حالت عقد کے ساتھ ملایا گیا یعنی دونوں کا ایک ہی حکم ہوگیا تو حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگر وہ دونوں عقد کے وقت مسلمان ہوتے تو مہر مثل واجب ہوتا تو یہاں بھی مہر مثل واجب ہوگا۔

اور حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب وہ عقد کے وقت غیر مسلم تھے اور شراب اور خنزیر ان کے ہاں مال شمار ہوتے ہیں تو ان کا مقرر کرنا درست ہوا۔

لیکن چونکہ اب وہ مسلمان ہو چکے ہیں اور اسلام کی وجہ سے ان چیزوں کا دینا ممنوع ہے لہٰذا ان کی قیمت واجب

ہوگی وہ اس کی مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں یہ اسی طرح ہے جیسے مہر میں غلام مقرر کیا جائے اور وہ قبضہ سے پہلے ہلاک ہو جائے تو اس کی قیمت دینا پڑتی ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا موقف یہ ہے کہ اگر شراب اور خنزیر معین ہوں تو وہی دینا ہوں گے اور اگر غیر معین ہوں تو شراب کی صورت میں قیمت اور خنزیر کی صورت میں مہر مثل دینا ہوگا۔

اس کی توجیہ میں آپ فرماتے ہیں: جب مہر کوئی معین چیز ہو تو محض عقد سے (عورت کی) ملکیت ہو جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ وہ اس میں تصرف کر سکتی ہے۔

اور قبضہ کے ذریعے وہ خاوند کی ضمان سے عورت کی ضمان میں چلی جاتی ہے یعنی جب تک وہ خاوند کے پاس تھی ہلاک ہونے کی صورت میں خاوند پر چٹی آتی اور اب عورت کے پاس چلی گئی تو وہی اس کی حفاظت کی ذمہ دار ہے۔

اور یہ بات یعنی عورت کی طرف منتقل ہونا اسلام کی وجہ سے ممنوع نہیں جس طرح اگر کسی شخص نے مسلمان کی شراب غصب کی ہو اور وہ اس سے واپس لے تو اس کا مسلمان ہونا اس میں رکاوٹ نہیں ہوگا۔

لیکن جب غیر معین ہو تو معین پر قبضہ سے ملک واجب ہوگی (عقد سے نہیں) اور اس صورت میں اسلام کی وجہ سے اس پر قبضہ کرنا ممنوع ہے اور جب غیر معین پر قبضہ کرنا ممنوع ہے تو خنزیر کی صورت میں قیمت واجب نہیں ہوگی۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اشیاء دو قسم کی ہوتی ہیں:

ا۔ ذوات الامثال:

جیسے گندم وغیرہ کیونکہ گندم کی طرح گندم ہوتی ہے۔

۲۔ ذوات القیم:

یعنی ایک چیز دوسری کی مثل نہیں ہوتی قیمت کے ذریعے اس کی مثل قرار پاتی ہے جیسے ایک جانور دوسرے جانور کی مثل نہیں ہوتا چونکہ خنزیر ذوات الامثال میں سے نہیں بلکہ ذوات القیم میں سے اور اگر اس کی قیمت دی تو وہ خود خنزیر کا دینا ہوگا جو ممنوع ہے۔

اور شراب ذوات الامثال (مثلی چیزوں) میں سے ہے لہٰذا اس کی جگہ قیمت دینا بعینہ شراب دینا نہیں لہٰذا شراب کی صورت میں قیمت دی جائے گی۔

اس پر بطور دلیل آپ فرماتے ہیں کہ اگر مرد اسلام قبول کرنے سے پہلے قیمت دے تو خنزیر کی صورت میں عورت کو قبول کرنے پر مجبور کیا جائے گا کیونکہ قیمت کا دینا خنزیر کا دینا ہی ہے۔ لیکن اگر شراب کی جگہ قیمت دے تو عورت پر زبردستی نہیں کی جائے گی کیونکہ قیمت شراب کی مثل نہیں ہے۔

جہاں تک جماع سے پہلے طلاق دینے کا تعلق ہے تو جن حضرات کے نزدیک مہر مثل واجب ہوتا ہے ان کے نزدیک متعہ دیا جائے گا اور جن کے نزدیک قیمت واجب ہوتی ہے تو اس صورت میں قیمت کا نصف دینا ہوگا۔

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ عورت کے مہر اور خریدار سے بیع میں فرق بتاتے ہیں کہ عورت عقد کے ساتھ ہی مالک بن جاتی ہے اور تصرف کر سکتی ہے لیکن خریدار قبضہ کے بعد تصرف کا مالک ہوتا ہے پہلے نہیں۔

غلام کا نکاح

(۱۳۰) [لَا يَجُوزُ نِكَاحُ الْعَبْدِ وَالْأَمَةِ إِلَّا بِإِذْنِ مَوْلَاهُمَا] وَقَالَ مَالِكٌ: يَجُوزُ لِلْعَبْدِ لِأَنَّهُ يَمْلِكُ الطَّلَاقَ فَيَمْلِكُ النِّكَاحَ۔

وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ «أَيُّمَا عَبْدٍ تَزَوَّجَ بِغَيْرِ إِذْنِ مَوْلَاهُ فَهُوَ عَاهِرٌ»

وَلِأَنَّ فِي تَنْفِيذِ نِكَاحِهِمَا تَعْيِيبَهُمَا إِذِ النِّكَاحُ عَيْبٌ فِيهِمَا فَلَا يَمْلِكَانِهِ بِدُونِ إِذْنِ مَوْلَاهُمَا

ترجمہ: [غلام اور لونڈی کا نکاح ان کے آقا کی اجازت کے بغیر نہیں ہوتا]

اور حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ غلام کا نکاح جائز ہے کیونکہ وہ طلاق کا مالک ہے پس نکاح کا بھی مالک و مختار ہوگا۔

اور ہماری دلیل رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے آپ نے فرمایا:

أَيُّمَا عَبْدٍ تَزَوَّجَ بِغَيْرِ إِذْنِ مَوْلَاهُ فَهُوَ عَاهِرٌ[1]

ترجمہ: جو غلام اپنے آقا کی اجازت کے بغیر نکاح کرے تو وہ زانی ہے۔

اور اس لیے بھی کہ ان (غلام اور لونڈی) کے نکاح کو نافذ کرنے میں ان پر عیب لگانا ہے کیونکہ ان کے حق میں نکاح عیب ہے پس وہ اپنے آقا کی اجازت کے بغیر اس کا اختیار نہیں رکھتے۔

توضیح: چونکہ غلام اور لونڈی کو اپنے اُوپر ولایت تصرف حاصل نہیں ہوتی بلکہ ان کی باگ ڈور ان کے آقا کے پاس ہوتی ہے اس لیے اگر وہ اپنے آقا کی اجازت کے بغیر اپنا نکاح کریں تو جائز اور نافذ نہیں ہوگا۔

اس سلسلے میں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے جزوی اختلاف کیا یعنی ان کے نزدیک غلام کو یہ اختیار حاصل ہے وہ بطور دلیل فرماتے ہیں کہ جب غلام طلاق دینے میں اپنے آقا کی اجازت کا محتاج نہیں بلکہ خود مختار ہے تو نکاح کے سلسلے میں بھی وہ خود مختار ہوگا۔

ہماری دلیل رسول اکرم ﷺ کی حدیث مبارک ہے کہ آپ نے آقا کی اجازت کے بغیر نکاح کرنے والے غلام کو زانی قرار دیا۔

---

[1] ترمذی کتاب النکاح، حدیث: ۱۱۱۲، ۱۱۱۱۔ ابوداؤد، کتاب النکاح، حدیث: ۲۰۷۸

دوسری دلیل عقلی ہے وہ اس طرح کہ غلام اور لونڈی کے حق میں نکاح عیب ہوتا ہے اس لیے ان کے اپنے آپ کیے گئے نکاح کو نافذ کرنے میں ان پر عیب لگانا ہے لہٰذا ان کے آقا کی اجازت ضروری ہے۔

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں چونکہ ان کا نکاح کرنا عیب ہے اسی لیے اگر کوئی شخص لونڈی یا غلام خریدے اور وہ شادی شدہ ہوں تو اسے لوٹانے کا حق ہے (شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ شادی شدہ غلام یا لونڈی سے وہ مقاصد حاصل نہیں ہوتے جو آقا کو مطلوب ہوتے ہیں۔

مکاتب غلام کے نکاح کا حکم

(۱۳۱) [وَكَذَا الْمُكَاتَبُ] لِاَنَّ الْكِتَابَةَ اَوْجَبَتْ فَكَّ الْحَجْرِ فِيْ حَقِّ الْكَسْبِ فَبَقِيَ فِيْ حَقِّ النِّكَاحِ عَلٰى حُكْمِ الرِّقِّ۔

وَلِهٰذَا لَا يَمْلِكُ الْمُكَاتَبُ تَزْوِيْجَ عَبْدِهٖ وَيَمْلِكُ تَزْوِيْجَ اَمَتِهٖ لِاَنَّهٗ مِنْ بَابِ الْاِكْتِسَابِ، وَكَذَا الْمُكَاتَبَةُ لَا تَمْلِكُ تَزْوِيْجَ نَفْسِهَا بِدُوْنِ اِذْنِ الْمَوْلٰى وَتَمْلِكُ تَزْوِيْجَ اَمَتِهَا لِمَا بَيَّنَّا [وَكَذَا [الْمُدَبَّرُ وَاُمُّ الْوَلَدِ] لِاَنَّ الْمِلْكَ فِيْهِمَا قَائِمٌ۔

ترجمہ: [اور مکاتب کا بھی یہی حکم ہے] کیونکہ کتابت کی وجہ سے کسب کے حق میں پابندی اُٹھانا واجب ہے پس نکاح کے حکم میں غلامی باقی رہے گی۔

اسی وجہ سے مکاتب اپنے غلام کا نکاح کرنے کا اختیار نہیں رکھتا اور اپنی لونڈی کا نکاح کرسکتا ہے کیونکہ کمائی کے باب سے ہے۔

اسی طرح مکاتبہ (لونڈی) مولیٰ کی اجازت کے بغیر اپنے نکاح کا اختیار نہیں رکھتی لیکن اپنی لونڈی کا نکاح کرسکتی ہے جس طرح ہم نے بیان کیا۔

[اور اسی طرح مدبر اور ام ولد کا حکم ہے] کیونکہ ان دونوں میں ملک قائم ہوتی ہے۔

توضیح: وہ غلام جسے اس کے آقا نے کہا کہ اتنی رقم ادا کردو تو تم آزاد ہو جاؤ گے اسے مکاتب کہتے ہیں چونکہ اسے مال کمانے کی اجازت ہوتی ہے اس لیے وہ ایک اعتبار سے آزاد ہوتا ہے لیکن جب تک مکمل رقم ادا نہ کرے وہ غلام ہی ہوتا ہے۔

اس لیے اس کے نکاح کا حکم بھی یہی ہے کہ وہ اپنے آقا کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں کرسکتا کیونکہ محض مال کمانے کے حوالے سے اس سے پابندی اُٹھائی گئی نکاح کے معاملے میں وہ غلام ہی ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اگر اس کا اپنا غلام ہو تو وہ اس کا نکاح کرنے کا اختیار نہیں رکھتا البتہ اگر وہ اپنی لونڈی کا نکاح کر کے دے تو اس کی اجازت ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ لونڈی کے نکاح سے اس کا مہر وصول ہوگا اور اس کا تعلق مال کمانے سے ہے اور مال کمانے کی اسے اجازت ہے۔

مکاتبہ لونڈی کا بھی یہی حکم ہے کہ وہ اپنے آقا کی اجازت کے بغیر اپنا نکاح نہیں کرسکتی نہ ہی اپنے غلام کا نکاح کرسکتی ہے البتہ اپنی لونڈی کا نکاح کرسکتی ہے جس کی وجہ بیان ہوچکی ہے۔ مدبر غلام جسے مالک نے کہا تو میرے مرنے کے بعد آزاد ہے اور اُم ولد لونڈی جس کے ہاں اس کے مالک کا بچہ پیدا ہوا اور وہ مالک کے مرنے کے بعد آزاد ہو جاتی ہے۔

یہ دونوں بھی چونکہ ابھی غلامی میں ہیں لہٰذا یہ بھی اپنے آقا کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں کر سکتے۔

غلام کی طرف سے مہر کی ادائیگی کا حکم

[وَاِذَا تَزَوَّجَ الْعَبْدُ بِاِذْنِ مَوْلَاهُ فَالْمَهْرُ دَيْنٌ فِيْ رَقَبَتِهٖ يُبَاعُ فِيْهِ] لِاَنَّ هٰذَا دَيْنٌ وَّجَبَ فِيْ رَقَبَةِ الْعَبْدِ لِوُجُوْدِ سَبَبِهٖ مِنْ اَهْلِهٖ وَقَدْ ظَهَرَ فِيْ حَقِّ الْمَوْلٰى لِصُدُوْرِ الْاِذْنِ مِنْ جِهَتِهٖ فَيَتَعَلَّقُ بِرَقَبَتِهٖ دَفْعًا لِّلْمَضَرَّةِ عَنْ اَصْحَابِ الدُّيُوْنِ كَمَا فِيْ دَيْنِ التِّجَارَةِ۔

ترجمہ: [اور جب غلام اپنے آقا کی اجازت سے نکاح کرے تو مہر اس کے ذمے قرض ہوگا جس کے لیے اسے فروخت کیا جاسکتا ہے]

یہ دین (قرض) غلام کی ذات پر واجب ہوا کیونکہ اس کا سبب اس کے اہل کی طرف سے پایا گیا۔

اور آقا کے حق میں اس لیے ظاہر ہوا کہ اجازت اس کی طرف سے حاصل ہوئی لہٰذا یہ غلام کی ذات سے متعلق ہوگا تاکہ قرض خواہوں سے نقصان کا ازالہ کیا جائے جس طرح تجارت کے قرضوں کا حکم ہے۔

توضیح: جب غلام کے آقا نے اسے نکاح کی اجازت دے دی تو مہر آقا کے ذمے نہیں بلکہ خود اس کے ذمے ہوگا کیونکہ مہر کا سبب نکاح ہے جو نکاح کے اہل شخص نے کیا یعنی یہ شخص عاقل بالغ ہے اور نکاح کی صلاحیت رکھتا ہے لہٰذا جب یہ مہر اس کے ذمے ہوا تو اسے فروخت کر کے ادا کیا جاسکتا ہے۔

رہا یہ سوال کہ اس طرح آقا کا نقصان ہوتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ آقا نے اسے نکاح کی اجازت دی ہے لہٰذا اسے فروخت کرنے میں آقا کی طرف سے کوئی رکاوٹ نہیں لیکن اگر اسے فروخت نہ کیا جائے تو عورت کا نقصان ہوتا ہے اور یہ اسی طرح ہے کہ اگر غلام کو تجارت کی اجازت دے اور وہ مقروض ہو جائے تو قرض خواہوں کو نقصان سے بچانے کے لیے اسے فروخت کیا جاسکتا ہے۔

مدبر اور مکاتب غلام کو مہر کے لیے فروخت نہیں کیا جاسکتا

(۱۳۳) [وَالْمُدَبَّرُ وَالْمُكَاتَبُ يَسْعَيَانِ فِي الْمَهْرِ وَلَا يُبَاعَانِ فِيْهِ لِاَنَّهُمَا لَا يَحْتَمِلَانِ النَّقْلَ

مِنْ مِلْكٍ اِلٰى مِلْكٍ مَعَ بَقَاءِ الْكِتَابَةِ وَالتَّدْبِيْرِ فَيُؤَدّٰى مِنْ كَسْبِهِمَا لَا مِنْ نَفْسِهِمَا]

ترجمہ: [اور مدبر اور مکاتب مہر کی ادائیگی کے لیے محنت مزدوری کریں اور اس سلسلے میں ان کو فروخت نہ کیا جائے کیونکہ وہ ایک مِلک سے دوسری مِلک کی طرف منتقل نہیں ہو سکتے اس لیے کہ وہ مکاتب اور مدبر ہیں لہٰذا ان کی طرف سے ادائیگی ان کی کمائی سے ہوگی ان کے نفسوں کو مہر قرار نہیں دیا جائے گا]

توضیح: مطلق غلام کو فروخت کیا جا سکتا ہے لیکن جب غلام کسی اعتبار سے آزاد ہو تو وہ فروخت نہیں ہو سکتا لہٰذا جب مدبر یا مکاتب نے اپنے آقا کی اجازت سے نکاح کیا تو وہ محنت مزدوری کے مہر ادا کریں خود ان کو مہر میں فروخت نہیں کیا جائے گا۔

نکاح کی اجازت کے لیے آقا کے الفاظ

(۱۳۴) [وَاِذَا تَزَوَّجَ الْعَبْدُ بِغَيْرِ اِذْنِ مَوْلَاهُ فَقَالَ الْمَوْلٰى طَلِّقْهَا اَوْ فَارِقْهَا فَلَيْسَ هٰذَا بِاِجَازَةٍ] لِاَنَّهُ يَحْتَمِلُ الرَّدَّ لِاَنَّ رَدَّ هٰذَا الْعَقْدِ وَمُتَارَكَتَهُ يُسَمّٰى طَلَاقًا وَّ مُفَارَقَةً وَّهُوَ اَلْيَقُ بِحَالِ الْعَبْدِ الْمُتَمَرِّدِ اَوْ هُوَ اَدْنٰى فَكَانَ الْحَمْلُ عَلَيْهِ اَوْلٰى

ترجمہ: [اور جب غلام اپنے آقا کی اجازت کے بغیر نکاح کرے اور آقا اسے کہے اسے طلاق دو یا (کہے) اسے فارغ کرو تو یہ اجازت نہیں]

کیونکہ اس میں رد کا احتمال ہے کیونکہ اس عقد نکاح کو رد کرنے اور عورت کو چھوڑ دینے کو طلاق اور مفارقت کہا گیا اور یہ مفہوم نافرمان غلام کے حال کے زیادہ لائق ہے یا کم از کم یہ احتمال ہے لہٰذا اس پر محمول کرنا زیادہ بہتر ہے۔

توضیح: اگر آقا سے اجازت لیے بغیر غلام اپنا نکاح کر لیتا ہے تو یہ نکاح فضولی کی طرح ہوگا اور آقا کی اجازت پر موقوف ہوگا۔

لہٰذا دیکھنا یہ ہے کہ کون کون سے الفاظ آقا کی طرف سے اجازت شمار ہو سکتے ہیں تو یہاں ایسے دو لفظ ذکر کیے جن میں اگرچہ اجازت کا احتمال ہے لیکن غلام کے فعل کو رد کرنے کا بھی احتمال ہے۔

یعنی مولیٰ نے کہا اسے طلاق دو تو طلاق نکاح کے بعد ہوتی ہے تو ہو سکتا ہے اس نے نکاح کو جائز قرار دیا ہو اسی طرح یہ کہنا کہ اسے جدا کر دو اس میں بھی اجازت کا احتمال ہے لیکن یہ بھی احتمال ہے کہ لفظ طلاق یا جدا کرنے سے اس کی مراد یہ بھی ہو کہ میں اس کی اجازت نہیں دیتا اور یہ احتمال زیادہ مناسب ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ غلام نے اسے آقا سے سرکشی کی اور خود بخود نکاح کیا جسے اس کا آقا رد کر رہا ہے یا کم از کم یہ احتمال موجود ہے لہٰذا اس معنی پر یعنی رد کرنے پر محمول کرنا زیادہ مناسب ہے۔

اجازت کے لیے تطلیقہ کا لفظ

(۱۳۵) [وَاِنْ قَالَ: طَلِّقْهَا تَطْلِيْقَةً تَمْلِكُ الرَّجْعَةَ فَهُوَ اِجَازَةٌ لِاَنَّ الطَّلَاقَ الرَّجْعِيَّ لَا يَكُوْنُ اِلَّا فِيْ نِكَاحٍ صَحِيْحٍ فَتَتَعَيَّنُ الْاِجَازَةُ]

ترجمہ: [اور اگر آقا نے کہا اسے ایک طلاق دو جس کے بعد رجوع کے مالک ہو تو یہ اجازت ہوگی] کیونکہ طلاق رجعی نکاح صحیح میں ہی ہوتی ہے پس اجازت متعین ہوگئی۔

توضیح: اگر آقا اسے یوں کہے کہ اسے طلاق رجعی دو یعنی ایسی طلاق جس کے بعد تم رجوع کرو تو یہ نکاح کی اجازت ہے کیونکہ جب نکاح صحیح ہو اور طلاق رجعی دی ہو تو رجوع کا حق ہوتا ہے اور پہلا نکاح برقرار ہوتا ہے تو طلاق رجعی کی اجازت اس بات کی دلیل ہے کہ آقا نے اس کے نکاح کو برقرار رکھا اور اس کی اجازت دے دی ہے۔

آقا کی طرف سے نکاح کی اجازت اور نکاح فاسد

(۱۳۶) [وَمَنْ قَالَ لِعَبْدِهٖ تَزَوَّجْ هٰذِهِ الْاَمَةَ فَتَزَوَّجَهَا نِكَاحًا فَاسِدًا وَّدَخَلَ بِهَا فَاِنَّهٗ يُبَاعُ فِي الْمَهْرِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ، وَقَالَا: يُؤْخَذُ مِنْهُ اِذَا عُتِقَ]

وَاَصْلُهٗ اَنَّ الْاِذْنَ بِالنِّكَاحِ يَنْتَظِمُ الْفَاسِدَ وَالْجَائِزَ عِنْدَهٗ، فَيَكُوْنُ هٰذَا الْمَهْرُ ظَاهِرًا فِيْ حَقِّ الْمَوْلٰى وَعِنْدَهُمَا يَنْصَرِفُ اِلَى الْجَائِزِ لَا غَيْرَ فَلَا يَكُوْنُ ظَاهِرًا فِيْ حَقِّ الْمَوْلٰى فَيُؤَاخَذُ بِهٖ بَعْدَ الْعِتَاقِ،

لَهُمَا اَنَّ الْمَقْصُوْدَ مِنَ النِّكَاحِ فِي الْمُسْتَقْبَلِ الْاِعْفَافُ وَالتَّحْصِيْنُ وَذٰلِكَ بِالْجَائِزِ. وَلِهٰذَا لَوْ حَلَفَ لَا يَتَزَوَّجُ يَنْصَرِفُ اِلَى الْجَائِزِ. بِخِلَافِ الْبَيْعِ لِاَنَّ بَعْضَ الْمَقَاصِدِ حَاصِلٌ وَّهُوَ مِلْكُ التَّصَرُّفَاتِ

وَلَهٗ اَنَّ اللَّفْظَ مُطْلَقٌ فَيَجْرِيْ عَلٰى اِطْلَاقِهٖ كَمَا فِي الْبَيْعِ

وَبَعْضُ الْمَقَاصِدِ فِي النِّكَاحِ الْفَاسِدِ حَاصِلٌ كَالنَّسَبِ وَوُجُوْبِ الْمَهْرِ وَالْعِدَّةِ عَلٰى اِعْتِبَارِ وُجُوْدِ الْوَطْئِ، وَمَسْاَلَةُ الْيَمِيْنِ مَمْنُوْعَةٌ عَلٰى هٰذِهِ الطَّرِيْقَةِ

ترجمہ: [اور جس شخص نے اپنے غلام سے کہا کہ اس لونڈی سے نکاح کرو پس اس نے اس سے نکاح فاسد کیا اور جماع بھی کیا تو حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس غلام کو مہر کے لیے فروخت کیا جائے اور صاحبین رحمہما اللہ

فرماتے ہیں جب وہ آزاد ہو جائے تو اس سے مہر وصول کیا جائے]

اور اس مسئلہ کی اصل یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نکاح کی اجازت فاسد اور جائز (دونوں قسم کے نکاح) کو شامل ہے پس یہ مہر آقا کے حق میں ظاہر ہوگا۔

اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک (یہ اجازت) جائز نکاح کی طرف پھرے گی اس کے علاوہ کی طرف نہیں لہٰذا مولیٰ کے حق میں مہر ظاہر نہیں ہوگا اور آزادی کے بعد وصول کیا جائے گا۔

صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ نکاح کا مقصود یہ ہے کہ مستقبل میں پاکدامنی اور حفاظت حاصل ہو اور وہ جائز نکاح کے ذریعے ہوتی ہے اسی لیے اگر کوئی شخص قسم اُٹھائے کہ وہ نکاح نہیں کرے گا تو یہ قسم جائز نکاح کی طرف پھرے گی۔

بخلاف بیع کے کہ (بیع فاسد سے) بعض مقاصد حاصل ہوتے ہیں اور وہ تصرفات کا مالک ہونا ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ لفظ (اجازت) مطلق ہے لہٰذا وہ اپنے اطلاق پر جاری ہوگا جس طرح بیع میں ہوتا ہے۔

اور نکاح فاسد میں بھی بعض مقاصد حاصل ہوتے ہیں جس طرح نسب کا ثابت ہونا مہر کا واجب ہونا اور عدت کا واجب ہونا جب جماع کیا ہو۔

اور قسم والا مسئلہ ہمارے ہاں تسلیم نہیں کیا جاتا۔

توضیح: اس سے پہلے یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ جب غلام اپنے آقا کی اجازت سے نکاح کرے تو بنیادی طور پر مہر آقا کے ذمے ہوتا ہے اور چونکہ غلام اس کی ملکیت میں ہے لہٰذا مہر کی ادائیگی کے لیے غلام کو فروخت کیا جا سکتا ہے۔

یہ تو صحیح نکاح کے حوالے سے حکم ہے اب یہ بات بتائی جا رہی ہے کہ اگر غلام نے آقا کی اجازت سے نکاح کیا لیکن نکاح فاسد کیا مثلاً نکاح میں گواہ نہیں تھے جب کہ گواہوں کا ہونا شرط ہے تو یہ نکاح فاسد ہوا اور اس نے جماع بھی کر لیا تو کیا اس صورت میں بھی مہر کی ادائیگی کے لیے غلام کو فروخت کیا جا سکتا ہے تو اس مسئلہ میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبین رحمہما اللہ کے درمیان اختلاف ہے۔

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس غلام کو مہر کے لیے فروخت کیا جا سکتا ہے۔

آپ فرماتے ہیں: اجازت کا لفظ مطلق ہے اور ضابطہ یہ ہے کہ مطلق اپنے اطلاق پر جاری ہوتا ہے لہٰذا وہ صحیح اور فاسد نکاح دونوں کو شامل ہے اسے نکاح صحیح کے ساتھ مقید نہیں کر سکتے اور یہ مہر آقا کے حق میں ظاہر ہوگا اس لیے غلام کو فروخت کر کے ادا کیا جائے گا۔

صاحبین رحمہما اللہ کا موقف یہ ہے کہ آقا کی اجازت صرف جائز نکاح کے لیے ہے لہٰذا مہر کی ادائیگی آقا کے ذمے نہیں ہوگی کیونکہ نکاح فاسد کے ذریعے اس اجازت کا غلط استعمال کیا گیا اس لیے جب وہ غلام آزاد ہوگا تو اس سے مہر وصول کیا جائے گا۔

صاحبین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ مقصد مستقبل میں پاکدامنی اور حفاظت کا حاصل ہونا ہے اور وہ جائز نکاح کے ذریعے ہی ہوسکتا ہے۔

وہ فرماتے ہیں اسی لیے جب کوئی شخص قسم اُٹھائے کہ وہ نکاح نہیں کرے گا تو اس قسم کا تعلق جائز نکاح کے ساتھ ہوتا ہے صاحبین اس بات کا جواب دیتے ہیں کہ نکاح کو بیع پر قیاس کیا جائے تو وہ فرماتے ہیں: بیع کا معاملہ مختلف ہے بیع فاسد کی صورت میں بعض مقاصد حاصل ہوتے ہیں یعنی مشتری کو تصرفات کی ملک اور اختیار ہوتا ہے حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل بیان ہو چکی ہے کہ اجازت مطلق ہے لہٰذا وہ جائز اور فاسد دونوں قسم کے نکاح کو شامل ہے۔

جہاں تک مقاصد کا تعلق ہے تو آپ فرماتے ہیں: نکاح فاسد سے بھی بعض مقاصد حاصل ہوجاتے ہیں مثلاً جب وہ وطی کرتا ہے تو بچے کا نسب بھی اس سے ثابت ہوتا ہے، عورت مہر کی مستحق ہوجاتی ہے اور اس پر عدت واجب ہوتی ہے۔

اور صاحبین نے جو قسم کی مثال دی ہے تو آپ فرماتے ہیں یہ مسئلہ اس مطلق والے قاعدہ پر تسلیم نہیں بلکہ اس کا تعلق عرف کے ساتھ ہے لہٰذا اس مثال کو بطور استشہاد پیش نہیں کیا جاسکتا یعنی قسم والا مسئلہ اتفاقی نہیں اور اگر اتفاقی بھی ہو تو اس کی بنیاد عرف ہے اور عرف کے مطابق ایسی صورت میں صحیح نکاح مراد ہوتا ہے۔

عَبْدِ مَاذُوْن کے نکاح کا حکم

(۱۳۷) [وَمَنْ زَوَّجَ عَبْدًا مَأْذُوْنًا لَهُ مَدْيُوْنًا لَهُ امْرَأَةً جَازَ. وَالْمَرْأَةُ أُسْوَةٌ لِلْغُرَمَاءِ فِيْ مَهْرِهَا] وَمَعْنَاهُ إِذَا كَانَ النِّكَاحُ بِمَهْرِ الْمِثْلِ۔

وَوَجْهُهُ أَنَّ سَبَبَ وِلَايَةِ الْمَوْلٰى مِلْكُهُ الرَّقَبَةَ عَلٰى مَا نَذْكُرُهُ، وَالنِّكَاحُ لَا يُلَاقِيْ حَقَّ الْغُرَمَاءِ بِالْإِبْطَالِ مَقْصُوْدًا. إِلَّا أَنَّهُ إِذَا صَحَّ النِّكَاحُ وَجَبَ الدَّيْنُ بِسَبَبٍ لَّا مَرَدَّ لَه فَشَابَهَ دَيْنَ الْاِسْتِهْلَاكِ وَصَارَ كَالْمَرِيْضِ الْمَدْيُوْنِ إِذَا تَزَوَّجَ اِمْرَأَةً فَبِمَهْرِ مِثْلِهَا أُسْوَةً لِلْغُرَمَاءِ۔

ترجمہ: [اور جس شخص نے اپنے عبد ماذون کا جو مقروض تھا کسی عورت سے نکاح کیا تو یہ جائز ہے اور عورت اپنے مہر کے لیے دوسرے قرض خواہوں کے ساتھ برابر کی شریک ہوگی]

اس کا مطلب یہ ہے کہ جب نکاح مہر مثل کے ساتھ ہو اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مولیٰ کی ولایت کا سبب اس کا غلام کی ذات کا مالک ہونا ہے جس طرح ہم ذکر کریں گے اور نکاح بطور مقصود قرض خواہوں کے حق کو باطل نہیں کرتا۔

مگر جب نکاح صحیح ہوگیا تو قرض ایسے سبب کی بنیاد پر واجب ہوگا جس سے چھٹکارا نہیں پس وہ کسی چیز کو ہلاک کرنے سے لازم آنے والے دَین (قرض) کے مشابہ ہوگیا اور وہ اس بیمار کی طرح ہوا جو مقروض ہو جب وہ کسی عورت سے نکاح کرے تو خاتون اپنے مہر مثل کے لیے دوسرے قرض خواہوں کے ساتھ برابر کی شریک ہوگی۔

توضیح: عبد ماذون اس غلام کو کہتے ہیں جسے مالک نے تجارت کی اجازت دی ہو۔

اب جب اس کا مالک اس غلام یعنی عبد ماذون کا کسی عورت سے نکاح کرے اور اس غلام کے ذمے لوگوں کا قرض ہو تو چونکہ عورت کا مہر بھی مرد کے ذمہ قرض ہوگا (ایسے قرض کو دَین کہتے ہیں جو کسی چیز کا بدل ہو لہٰذا قرض سے مراد دَین ہے) تو اب اس کے قرض خواہوں میں اضافہ ہوگیا اور عورت اپنے مہر کے لیے دیگر قرض خواہوں کے ساتھ شریک ہوگئی یعنی اپنا حق طلب کرنے میں برابر ہوگی جس طرح وہ اپنا قرض وصول کرنے کا حق رکھتے ہیں اسے بھی حق حاصل ہوگا اور یہ اس صورت میں ہوگا جب نکاح مہر مثل کے ساتھ ہوا ہو (یعنی مہر مثل سے زیادہ رقم مقرر نہ کی جائے)۔

اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ مولیٰ کو غلام پر ولایت حاصل ہے لہٰذا وہ اس کا نکاح کرسکتا ہے کیونکہ ولایت کا سبب یہ ہے کہ وہ اس کی گردن کا (یعنی جسم کا) مالک ہے۔

اور نکاح کا مقصود یہ نہیں کہ اس کی وجہ سے دیگر قرض خواہوں کا حق باطل کردیا جائے البتہ جب نکاح صحیح ہوا تو قرض ایک ایسے سبب سے بھی واجب ہوا جس سے راہِ فرار اختیار نہیں کی جاسکتی کیونکہ نکاح مال سے جدا نہیں ہوسکتا۔

اور یہ اسی طرح ہے جس طرح عبد ماذون کسی شخص کی کوئی چیز ہلاک کردے تو وہ شخص دوسرے قرض خواہوں کی طرح اس کا قرض خواہ ہوگا تو مہر بھی اس کے مشابہ ہے کہ جس طرح مقروض غلام دوسروں کا مقروض ہے اسی طرح بیوی کا بھی مقروض ہے۔

جس طرح کوئی شخص مرض الموت میں ہو اور مقروض بھی ہو اور کسی عورت سے نکاح کرے تو اس کی بیوی دوسرے قرض خواہوں کی طرح اپنے مہر مثل کا مطالبہ کرسکتی ہے۔

لونڈی کی شادی کرنے سے اس کے لیے الگ گھر لازم نہیں

(۱۳۸) [وَمَنْ زَوَّجَ اَمَتَهٗ فَلَيْسَ عَلَيْهِ اَنْ يُبَوِّئَهَا بَيْتَ الزَّوْجِ لٰكِنَّهَا تَخْدِمُ الْمَوْلٰى، وَيُقَالُ لِلزَّوْجِ مَتٰى ظَفِرْتَ بِهَا وَطِئْتَهَا] لِاَنَّ حَقَّ الْمَوْلٰى فِي الْاِسْتِخْدَامِ بَاقٍ وَالتَّبْوِئَةُ اِبْطَالٌ لَّهٗ [فَاِنْ بَوَّاهَا مَعَهٗ بَيْتًا فَلَهَا النَّفَقَةُ وَالسُّكْنٰى وَاِلَّا فَلَا]

لِاَنَّ النَّفَقَةَ تُقَابِلُ الْاِحْتِبَاسَ، وَلَوْ بَوَّاهَا بَيْتًا ثُمَّ بَدَا لَهٗ اَنْ يَّسْتَخْدِمَهَا لَهٗ ذٰلِكَ لِاَنَّ الْحَقَّ بَاقٍ لِبَقَاءِ الْمِلْكِ فَلَا يَسْقُطُ بِالتَّبْوِئَةِ كَمَا لَا يَسْقُطُ بِالنِّكَاحِ۔

ترجمہ: [اور جس شخص نے اپنی لونڈی کا نکاح کرکے دیا تو اس پر لازم نہیں کہ وہ اس کو خاوند کے گھر رہنے کی اجازت دے بلکہ وہ اپنے آقا کی خدمت کرتی رہے اور خاوند سے کہا جائے کہ جب تمہیں موقع ملے وطی کرلو]

کیونکہ اس لونڈی سے خدمت لینے کا حق مولیٰ کے لیے باقی ہے اور اسے خاوند کے گھر میں ٹھکانہ دینے سے یہ حق

باطل ہو جائے گا

[اور اگر وہ اسے اس کے خاوند کے گھر رہنے کی اجازت دے تو اس کا نفقہ اور رہائش خاوند کے ذمے ہوگی ورنہ نہیں]

کیونکہ نفقہ عورت کو گھر میں رہنے کی پابندی کے عوض ہوتا ہے اور اگر مولیٰ نے اسے خاوند کے گھر رہنے کی اجازت دی پھر اسے خیال آیا کہ وہ اس سے خدمت لے تو اسے اس بات کا حق ہے کیونکہ ملک کے باقی رہنے کی وجہ سے اس کا حق باقی ہے لہٰذا اسے خاوند کے گھر میں رہنے کی اجازت دینے سے یہ حق ساقط نہیں ہوگا جس طرح نکاح کر کے دینے سے ساقط نہیں ہوتا۔

توضیح: جب کوئی شخص اپنی لونڈی کا کسی شخص سے نکاح کرے تو اس سے اس کی ملکیت ختم نہیں ہوتی بلکہ وہ اس کی لونڈی ہی رہتی ہے اور اسی بنیاد پر وہ اس سے خدمت لینے کا حق رکھتا ہے۔

اس لیے اس پر لازم نہیں کہ وہ اس لونڈی کو اس کے خاوند کے گھر رہنے کی اجازت دے کیونکہ اس طرح اس (مولیٰ) کا حق خدمت باطل ہوتا ہے۔

البتہ خاوند کو اس بات کی اجازت ہوگی کہ اسے جب بھی موقع ملے وہ جماع کرے۔

چونکہ یہ مولیٰ کے اختیار کا مسئلہ ہے لہٰذا اگر وہ چاہے تو اسے خاوند کے ساتھ رہائش پذیر ہونے کی اجازت بھی دے سکتا ہے لیکن اس صورت میں اس کا نفقہ اور رہائش خاوند کے ذمے ہوگی مولیٰ کے ذمے نہیں کیونکہ نفقہ حقِ احتباس ہوتا ہے یعنی وہ جس کے حق میں پابند ہے اس سے وہ حق وصول کرے گی۔

لیکن یہ بات بھی یاد رہے کہ اگر مولیٰ نے اسے خاوند کے ساتھ رہنے کی اجازت دی پھر اسے اپنی خدمت کے لیے واپس بلالیا تو اسے اس بات کا حق ہے کیونکہ وہ ابھی بھی ان کی مِلک میں ہے اور جس طرح اس کا نکاح کر کے دینے سے مولیٰ کا حق مِلک باطل نہیں ہوتا اسی طرح اس وجہ سے بھی یہ حق باطل نہیں ہوگا۔

نوٹ: آج کے زمانے میں غلامی کا سلسلہ باقی نہیں رہا اور محسن انسانیت ﷺ کی تشریف آوری سے انسان کی خرید و فروخت ختم ہو گئی۔

لیکن کئی خواتین، بعض گھروں میں ملازمہ کے طور پر کام کرتی ہیں تو ایسی صورتوں میں ان لوگوں کا اخلاقی فرض ہے جن کے ہاں وہ ملازمت کرتی ہیں کہ وہ رات کو ان کے گھر جانے کی اجازت دیں یا کم از کم ان میاں بیوی کو اپنے ہاں رہائش مہیا کریں تا کہ کسی کا حق مجروح نہ ہو۔ (۱۲ ہزاروی)

نکاح کے لیے غلام اور لونڈی کی رضامندی کا حکم

(۱۳۹) قَالَ [ذَكَرَ تَزْوِيجَ الْمَوْلٰى عَبْدَهٗ وَاَمَتَهٗ وَلَمْ يَذْكُرْ رِضَاهُمَا] وَهٰذَا يَرْجِعُ اِلٰى مَذْهَبِنَا اَنَّ لِلْمَوْلٰى اِجْبَارُهُمَا عَلَى النِّكَاحِ۔

وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ لَا اِجْبَارَ فِي الْعَبْدِ وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ اَبِي حَنِيْفَةَ لِاَنَّ النِّكَاحَ مِنْ خَصَائِصِ الْاٰدَمِيَّةِ وَالْعَبْدُ دَاخِلٌ تَحْتَ مِلْكِ الْمَوْلٰى مِنْ حَيْثُ اَنَّهُ مَالٌ فَلَا يَمْلِكُ اِنْكَاحَهُ.

بِخِلَافِ الْاَمَةِ لِاَنَّهُ مَالِكٌ مَنَافِعَ بُضْعِهَا فَيَمْلِكُ تَمْلِيْكَهَا۔

وَلَنَا لِاَنَّ الْاِنْكَاحَ اِصْلَاحُ مِلْكِهِ لِاَنَّ فِيْهِ تَحْصِيْنَهُ عَنِ الزِّنَا الَّذِيْ هُوَ سَبَبُ الْهِلَاكِ وَ النُّقْصَانِ فَيَمْلِكُهُ اِعْتِبَارًا بِالْاَمَةِ. بِخِلَافِ الْمُكَاتَبِ وَالْمُكَاتَبَةِ لِاَنَّهُمَا الْتَحَقَا بِالْاَحْرَارِ تَصَرُّفًا فَيُشْتَرَطُ رِضَاهُمَا۔

ترجمہ: مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: [امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے جامع صغیر میں مولیٰ کا اپنے غلام اور لونڈی کے نکاح کرنے کا ذکر کیا لیکن ان کی رضامندی کا نہیں کیا]

اور یہ بات ہمارے مذہب کی طرف لوٹتی ہے کہ مولیٰ کو حق حاصل ہے کہ وہ نکاح کے بارے میں ان پر زبردستی کرے لیکن حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک غلام کو مجبور نہیں کیا جا سکتا اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک روایت اسی طرح ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ نکاح انسانیت کی خصوصیات میں سے ہے اور غلام مولیٰ کی مِلک میں مال کی حیثیت سے ہے پس وہ اس کے نکاح کرنے کا مالک نہیں۔

بخلاف لونڈی کے کیونکہ وہ اس کی بُضع کے منافع کا مالک ہے تو اُس کا مالک بنانے کا بھی مالک ومختار ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ نکاح اس کی مِلک کی اصلاح ہے کیونکہ اس میں اسے زنا سے بچانا ہے جو ہلاکت یا نقصان کا باعث ہے لہٰذا لونڈی پر قیاس کرتے ہوئے وہ غلام کی شادی کا بھی مالک ہوگا۔

بخلاف مکاتب اور مکاتبہ کے، کیونکہ یہ دونوں تصرف کی وجہ سے آزاد لوگوں سے مل گئے لہٰذا ان کی رضامندی شرط ہے۔

توضیح: کیا مولیٰ اپنے غلام یا لونڈی کا نکاح ان کی مرضی کے بغیر کرا سکتا ہے اور اس پر مجبور کر سکتا ہے۔ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے جامع صغیر میں اس بات کا ذکر نہیں کیا تو اس سلسلے میں احناف کا موقف یہ ہے کہ اِسے اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ زبردستی ان کا نکاح کر دے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ غلام کو نکاح پر مجبور نہیں کر سکتا البتہ لونڈی کا نکاح کر سکتا ہے اگرچہ اس کی رضامندی نہ ہو۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ نکاح کا تعلق انسان کے ساتھ ہے اور یہ انسانوں کی خصوصیت ہے اور غلام جب مالک کی مِلک میں داخل ہے تو وہ مال کی طرح ہے لہٰذا اس کے مالک کو اس کے نکاح کا اختیار نہیں۔

البتہ آپ کے نزدیک مالک کو لونڈی کا نکاح کرنے کا اختیار ہے اس کی وجہ وہ یوں بیان کرتے ہیں کہ مولیٰ لونڈی کی بُضع سے نفع اُٹھا سکتا ہے یعنی اس سے جماع کر سکتا ہے اس سے اس کی اولاد پیدا ہو سکتی ہے لہٰذا اس کا نکاح کر کے دینے کا

اختیار بھی رکھتا ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ نکاح کی وجہ سے انسان زنا سے بچ سکتا ہے اور یوں وہ ہلاک یا نقصان سے محفوظ رہتا ہے لہٰذا لونڈی پر قیاس کرتے ہوئے غلام کے لیے بھی یہی حکم ہے ہلاکت کی وضاحت یوں ہے کہ اگر غلام زنا کا مرتکب ہوگا اور اسے کوڑے لگائے جائیں گے تو بعض اوقات وہ مرجاتا ہے یا زخمی ہوگا تو اس سے نقصان ہوگا۔

سوال: کیا مکاتب غلام اور مکاتبہ لونڈی کا نکاح ان کی مرضی کے بغیر کیا جاسکتا ہے۔

جواب: ان کا نکاح زبردستی نہیں کیا جاسکتا بلکہ ان کی رضامندی ضروری ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو کسب وغیرہ تصرف کا اختیار ہے لہٰذا ان کا حکم آزاد لوگوں کی طرح ہے اس لیے ان کی رضامندی معلوم کرنا ضروری ہے۔

آقا اپنی لونڈی کی شادی کرنے کے بعد اسے قتل کرے تو کیا حکم ہے؟

(۱۴۰) قَالَ [وَمَنْ تَزَوَّجَ اَمَتَهٗ ثُمَّ قَتَلَهَا قَبْلَ اَنْ يَّدْخُلَ بِهَا زَوْجُهَا فَلَا مَهْرَ لَهَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ. وَقَالَا: عَلَيْهِ الْمَهْرُ لِمَوْلَاهَا] اِعْتِبَارًا بِمَوْتِهَا حَتْفَ اَنْفِهَا.

وَهٰذَا لِاَنَّ الْمَقْتُوْلَ مَيِّتٌ بِاَجَلِهٖ فَصَارَ كَمَا اِذَا قَتَلَهَا اَجْنَبِيٌّ: وَلَهٗ اَنَّهٗ مَنَعَ الْمُبْدَلَ قَبْلَ التَّسْلِيْمِ فَيُجَازٰى بِمَنْعِ الْبَدَلِ كَمَا اِذَا ارْتَدَّتِ الْحُرَّةُ. وَالْقَتْلُ فِيْ اَحْكَامِ الدُّنْيَا جُعِلَ اِتْلَافًا حَتّٰى وَجَبَ الْقِصَاصُ وَالدِّيَةُ فَكَذَا فِيْ حَقِّ الْمَهْرِ۔

[وَاِنْ قَتَلَتْ حُرَّةٌ نَفْسَهَا قَبْلَ اَنْ يَّدْخُلَ بِهَا زَوْجُهَا فَلَهَا الْمَهْرُ] خِلَافًا لِزُفَرَ. هُوَ يَعْتَبِرُهٗ بِالرِّدَّةِ وَبِقَتْلِ الْمَوْلٰى اَمَتَهٗ وَالْجَامِعُ مَا بَيَّنَّاهُ۔

وَلَنَا اَنَّ جِنَايَةَ الْمَرْءِ عَلٰى نَفْسِهٖ غَيْرُ مُعْتَبَرَةٍ فِيْ حَقِّ اَحْكَامِ الدُّنْيَا فَشَابَهَ مَوْتُهَا حَتْفَ اَنْفِهَا. بِخِلَافِ قَتْلِ الْمَوْلٰى اَمَتَهٗ لِاَنَّهٗ يُعْتَبَرُ فِيْ حَقِّ اَحْكَامِ الدُّنْيَا حَتّٰى تَجِبَ الْكَفَّارَةُ عَلَيْهِ۔

ترجمہ: فرماتے ہیں: [اور جس نے اپنی لونڈی کا نکاح کر کے دیا پھر اُس کے خاوند کے اس سے جماع کرنے سے پہلے اسے قتل کر دیا تو حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کے لیے مہر نہیں اور صاحبین فرماتے ہیں اس کے خاوند پر لونڈی کے مولیٰ کے لیے مہر ہوگا]

وہ اسے اس پر قیاس کرتے ہیں جب وہ اپنی موت مرجائے اور یہ اس لیے کہ مقتول کی موت اپنے مقررہ وقت پر ہوتی ہے پس یہ اس طرح ہو گیا جیسے کسی اجنبی نے اسے قتل کیا۔ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ مولیٰ نے مبدل (عورت کی بُضع) کو سپرد کرنے سے پہلے روک دیا پس اس کا بدلہ، بدل (مہر) کے منع کرنے کے اٹھا دیا جائے گا۔

جس طرح اگر آزاد عورت مرتد ہو جائے (تو یہی حکم ہے)

اور دنیوی احکام میں قتل ضائع کرنے کا نام ہے حتیٰ کہ قصاص اور دیت واجب ہوتی ہے تو مہر کے حق میں بھی اسی طرح ہوگا

[اور اگر آزاد عورت اپنے آپ کو قتل کرے (خودکشی کرے) اس سے پہلے کہ خاوند اس سے جماع کرے تو اس کے لیے مہر ہوگا]

اس میں حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے وہ اسے مرتد اور مولیٰ کے اپنی لونڈی کو قتل پر قیاس کرتے ہیں۔

اور ان دونوں کے درمیان جامع بات ہم نے بیان کر دی ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ عورت کا اپنے نفس کے خلاف جرم دنیوی احکام میں معتبر نہیں لہٰذا اس کی خودکشی طبعی موت کے مشابہ ہوگئی بخلاف مولیٰ کے اپنی لونڈی کو قتل کرنے کے، کیونکہ وہ دنیوی احکام میں معتبر ہے حتیٰ کہ اس پر کفارہ واجب ہوتا ہے۔

توضیح: لونڈی کے مہر سے متعلق ایک مسئلہ بیان کیا جا رہا ہے اور وہ اس طرح ہے کہ مولیٰ نے اپنی لونڈی کا نکاح کسی شخص سے کیا پھر خاوند کے اس سے جماع کرنے سے پہلے مولیٰ نے اس لونڈی کو قتل کر دیا تو مرد کے ذمہ مہر نہیں ہوگا۔

یہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے جب کہ صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں: اس کے خاوند پر مہر لازم ہے جو لونڈی کے مولیٰ کو دیا جائے۔

وہ اسے طبعی موت پر قیاس کرتے ہیں یعنی اگر وہ طبعی موت مرتی ہے تو خاوند پر مہر لازم ہوتا تو مقتولہ کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ جسے قتل کیا جائے اس کی موت کا یہی وقت ہوتا ہے تو اسی طرح ہوگا جیسے کسی اجنبی نے قتل کیا اور اس صورت میں بھی مہر لازم ہوتا ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ مہر، منافع بُضع کا بدل ہے اور مولیٰ نے لونڈے کو جماع سے پہلے قتل کر کے اس کے خاوند کو منافع بُضع سے محروم کیا تو جب تک منافع بُضع کی سپردگی نہ ہو اس کے بدل یعنی مہر کی ادائیگی کیسے ہوگی اور چونکہ لونڈی کے مرنے کی وجہ سے مہر مولیٰ کو ملنا تھا اور اس نے خود اپنا حق ضائع کر دیا۔

اس کی مثل آزاد عورت کا مرتد ہونا ہے کیونکہ اس قبیح فعل کی وجہ سے وہ مہر سے محروم ہو جاتی ہے۔

صاحبین کو جواب

صاحبین نے اپنی دلیل میں فرمایا کہ مقتول اپنے مقررہ وقت پر مرتا ہے تو اس کا جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں یقیناً اس کی موت کا یہی وقت لکھا ہے لیکن دنیوی احکام میں کسی کو قتل کرنا اسے ضائع کرنا ہے۔ اس لیے قاتل کو قصاص میں قتل کیا جاتا ہے یا دیت وصول کی جاتی ہے۔

اور چونکہ مولیٰ سے قصاص اور دیت وصول نہیں کی جاتی ہے لیکن وہ گناہ گار ہوتا ہے اسی طرح مہر کے حق میں بھی یہی

حکم ہوگا کہ اس نے اسے ضائع کر دیا۔

دوسرا مسئلہ کہ اگر کوئی آزاد عورت جماع سے پہلے خودکشی کر لے تو اسے مہر ملے گا۔ اس مسئلہ میں حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے۔

حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ اسے مرتدہ پر قیاس کرتے ہیں کہ جس طرح مرتدہ کو مہر نہیں دیا جاتا یہ بھی محروم رہے گی اسی طرح وہ مولیٰ کے اپنی لونڈی کو قتل کرنے کو بھی بنیاد بناتے ہیں۔

اور ان دو مسئلوں میں جامع بات یہ کہ جب مبدل کو روکا تو بدل بھی روکا جائے گا اور وہ مہر ہے۔

حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف ہماری دلیل یہ ہے کہ جب کوئی عورت اپنے آپ کو قتل کرتی ہے تو دنیوی احکام کے حق میں اس کا اعتبار نہیں ہوتا لہٰذا یہ طبعی موت کی طرح ہوگا اور طبعی موت کی صورت میں وہ مہر کی مستحق ہوتی ہے۔

لیکن جب مولیٰ اپنی لونڈی کو قتل کرے تو وہ دنیوی احکام میں معتبر ہے اور اس پر کفارہ لازم ہوتا ہے۔

لہٰذا دونوں مسئلوں میں فرق ہے۔

لونڈی کے ساتھ عزل کی اجازت کا مسئلہ

(۱۳۱) قال: [وَاِذَا تَزَوَّجَ اَمَةً فَالْاِذْنُ فِي الْعَزْلِ اِلَى الْمَوْلٰى] عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَعَنْ اَبِيْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٍ اَنَّ الْاِذْنَ فِي الْعَزْلِ اِلَيْهَا لِاَنَّ الْوَطْءَ حَقُّهَا حَتّٰى تَثْبُتَ لَهَا وِلَايَةُ الْمُطَالَبَةِ. وَفِي الْعَزْلِ يَنْقُصُ حَقُّهَا فَيُشْتَرَطُ رِضَاهَا كَمَا فِي الْحُرَّةِ. بِخِلَافِ الْاَمَةِ الْمَمْلُوْكَةِ لِاَنَّهٗ لَا مُطَالَبَةَ لَهَا فَلَا يُعْتَبَرُ رِضَاهَا۔

وَجْهُ ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ اَنَّ الْعَزْلَ يُخِلُّ بِمَقْصُوْدِ الْوَلَدِ وَهُوَ حَقُّ الْمَوْلٰى فَيُعْتَبَرُ رِضَاهُ وَبِهٰذَا فَارَقَتِ الْحُرَّةَ۔

ترجمہ: فرماتے ہیں [اور جب کوئی شخص کسی کی لونڈی سے نکاح کرے تو عزل کی اجازت اس کے مولیٰ سے لی جائے گی]

یہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے اور حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک عزل کی اجازت دینا لونڈی کا اختیار ہے کیونکہ وطی اس کا حق ہے حتیٰ کہ اس کے لیے مطالبہ کی ولایت ثابت ہے۔

اور عزل میں اس کے حق کو ناقص کرنا ہے تو آزاد عورت کی طرح اس کی رضامندی شرط ہے۔ بخلاف مملوکہ لونڈی کے کیونکہ اسے وطی کے مطالبہ کا حق نہیں لہٰذا اس کی رضا کا اعتبار نہیں ہوگا ظاہر الروایت کی وجہ یہ ہے کہ عزل بچے کی ولادت جو مقصود ہے اس میں رکاوٹ بنتا ہے اور وہ مولیٰ کا حق ہے لہٰذا اس کی رضامندی معتبر ہوگی اس اعتبار سے آزاد عورت کا حکم جدا ہوگیا۔

توضیح: عزل کا معنی الگ ہونا ہے اور اصطلاحی طور پر عزل کا مطلب یہ ہے کہ مرد جماع کرتے ہوئے انزال کے وقت اپنی بیوی سے الگ ہو جائے تا کہ اس کا مادہ منویہ عورت کے رحم میں نہ جائے۔

تو اگر مرد ایسا کرنا چاہتا ہے تو کیا لونڈی اس کی اجازت دے سکتی ہے یا اس کے مولیٰ کی اجازت سے ایسا ہو سکتا ہے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مولیٰ کی اجازت ضروری ہے لونڈی کی اجازت معتبر نہیں۔

یہ ظاہر الروایت ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مولیٰ اس لونڈی سے اولاد چاہتا ہے اور یہ اس کا مقصود ہے اور عزل کی صورت میں اس کے مقصود میں خلل آتا ہے۔

صاحبین رحمہما اللہ سے منقول ہے کہ عزل کا اختیار لونڈی کو ہے کیونکہ وطی اس کا حق ہے یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے شوہر سے وطی کا مطالبہ کر سکتی ہے۔

اور عزل کی صورت میں اس کے حق میں کمی آتی ہے لہٰذا اس کی رضامندی شرط ہے جس طرح آزاد عورت کا خاوند عزل کرنا چاہے تو بیوی کی رضامندی ضروری ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں لونڈی کو آزاد عورت پر قیاس نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وہ کسی کی مِلک میں نہیں ہوتی۔

صاحبین پر اعتراض ہوا کہ اگر مولیٰ اپنی مملوکہ لونڈی سے عزل کرنا چاہے تو اس کی رضامندی ضروری نہیں تو یہاں کیوں ضروری ہے؟

اس کا جواب انہوں نے یوں دیا کہ مولیٰ اس کا مالک ہے اور جس طرح وہ اس سے وطی کا مطالبہ نہیں کر سکتی اسی طرح عزل کے بارے میں بھی اس کی رضامندی ضروری نہیں۔

لونڈی کا خیارِ عتق

(۱۴۲) [وَاِنْ تَزَوَّجَتْ اَمَةٌ بِاِذْنِ مَوْلَاهَا ثُمَّ اُعْتِقَتْ فَلَهَا الْخِيَارُ حُرًّا كَانَ زَوْجُهَا اَوْ عَبْدًا] لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لِبَرِيْرَةَ حِيْنَ اُعْتِقَتْ «مَلَكْتِ بُضْعَكِ فَاخْتَارِيْ» فَالتَّعْلِيْلُ بِمِلْكِ الْبُضْعِ صَدَرَ مُطْلَقًا فَيَنْتَظِمُ الْفَصْلَيْنِ.

وَالشَّافِعِيُّ يُخَالِفُنَا فِيْمَا اِذَا كَانَ زَوْجُهَا حُرًّا وَّهُوَ مَحْجُوْجٌ بِهٖ.

وَلِاَنَّهٗ يَزْدَادُ الْمِلْكُ عَلَيْهَا عِنْدَ الْعِتْقِ فَيَمْلِكُ الزَّوْجُ بَعْدَهٗ ثَلَاثَ تَطْلِيْقَاتٍ فَتَمْلِكُ رَفْعَ اَصْلِ الْعَقْدِ دَفْعًا لِّلزِّيَادَةِ

ترجمہ: [اور اگر کوئی لونڈی اپنے مولیٰ کی اجازت سے نکاح کرے پھر اسے آزاد کیا جائے تو اسے اختیار ہوگا اس کا

خاوند آزاد ہو یا غلام] کیونکہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کی آزادی کے وقت ان سے فرمایا:

مَلَكْتِ بُضْعَكِ فَاخْتَارِيْ ◆

ترجمہ: تو اپنی بُضع کی مالک ہے پس تجھے اختیار ہے۔

تو ان کے لیے بُضع کی ملکیت کا حکم مطلق فرمایا لہٰذا وہ دونوں صورتوں (خاوند آزاد ہو یا غلام) کو شامل ہوگا۔

اس مسئلہ میں حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا حکم سے اختلاف ہے اس کا خاوند آزاد ہو اور یہ حدیث ان کے خلاف حجت ہے۔

نیز اس کی وجہ یہ ہے کہ آزادی کے وقت اس کی ملک میں اضافہ ہو جاتا ہے کہ اس کے بعد اس کا خاوند تین طلاقوں کا مالک ہو جاتا ہے تو اس زیادتی کو دور کرنے کے لیے وہ عورت اصل عقد کو ختم کرنے کا اختیار رکھتی ہے۔

توضیح: جب لونڈی کسی کے نکاح میں ہو اور اسے آزاد کر دیا جائے تو اسے اس بات کا اختیار حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ اس شخص کے نکاح میں رہے یا علیحدگی اختیار کرے اسے خیار عتق کہتے ہیں۔

اس مسئلہ میں ظاہر الروایت کے مطابق اس بات میں فرق نہیں کہ اس کا خاوند آزاد ہے یا غلام، لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر اس کا خاوند آزاد ہے تو اسے خیار عتق حاصل نہیں ہوگا اور اگر شوہر غلام ہے تو اسے یہ اختیار حاصل ہوگا۔

ہماری دلیل رسول اکرم ﷺ کا حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا سے یہ فرمانا ہے کہ اب تو اپنی بُضع (شرمگاہ) کی مالک ہو چکی لہٰذا تجھے اختیار ہے۔

تو اس حدیث میں شوہر کے بارے میں تفصیل نہیں بلکہ مطلق حکم ہے شوہر آزاد ہو یا غلام، لہٰذا یہ حدیث حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف ہماری دلیل ہے۔

دوسری دلیل عقلی ہے وہ اس طرح کہ اگر عورت آزاد ہو تو خاوند تین طلاقوں کا مالک ہوگا اور لونڈی ہو تو دو طلاقوں کا مالک ہوتا ہے۔

تو جب لونڈی کو آزاد کیا گیا تو اس کا خاوند تین طلاقوں کا مالک ہو گیا گویا اس کی قید میں اضافہ ہو گیا جس کا ازالہ اس طرح ہو سکتا ہے اسے اصل نکاح ختم کرنے کا اختیار دیا جائے۔

اور اس سلسلے میں خاوند آزاد ہو یا غلام دونوں صورتیں برابر ہیں۔

مکاتبہ لونڈی کا حکم

(۱۴۲) [وَكَذٰلِكَ الْمُكَاتَبَةُ] يَعْنِي إِذَا تَزَوَّجَتْ بِإِذْنِ مَوْلَاهَا ثُمَّ عُتِقَتْ. وَقَالَ زُفَرُ: لَا خِيَارَ لَهَا لِأَنَّ الْعَقْدَ نَفَذَ عَلَيْهَا بِرِضَاهَا وَكَانَ الْمَهْرُ لَهَا فَلَا مَعْنٰى لِإِثْبَاتِ الْخِيَارِ. بِخِلَافِ الْأَمَةِ

◆ دار قطنی کتاب النکاح، باب المہر، حدیث: ۳۷۱۸

لِاَنَّهٗ لَا يُعْتَبَرُ رِضَاهَا۔

وَلَنَا اَنَّ الْعِلَّةَ اِزْدِيَادُ الْمِلْكِ وَقَدْ وَجَدْنَاهَا فِي الْمُكَاتَبَةِ لِاَنَّ عِدَّتَهَا قُرْءَانِ وَطَلَاقَهَا ثِنْتَانِ۔

ترجمہ: [اور مکاتبہ بھی اسی طرح ہے] یعنی جب اس نے اپنے مولیٰ کی اجازت سے نکاح کیا پھر اسے آزاد کر دیا گیا۔

حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اسے اختیار نہیں ہے کیونکہ اس پر عقد کا نفاذ اس کی مرضی سے ہوا ہے اور اس کے لیے مہر ہے لہٰذا اختیار ثابت کرنے کا کوئی مطلب نہیں۔

بخلاف (مطلق) لونڈی کے کیونکہ اس کی رضامندی معتبر نہیں اور ہماری دلیل یہ ہے کہ علت، ملک کا زیادہ ہونا ہے اور ہم نے اسے مکاتبہ میں بھی پایا کیونکہ اس کی عدت بھی دو حیض اور طلاقیں دو ہیں۔

توضیح: مکاتبہ وہ لونڈی ہوتی ہے جسے اس کے مالک نے اختیار دیا کہ وہ کچھ رقم دے کر آزاد ہو سکتی ہے۔

تو اگر اسے عوض کے بغیر آزاد کر دیا گیا تو کیا اسے بھی خیار عتق حاصل ہوگا؟ تو ہمارے نزدیک اسے بھی اختیار ہوگا۔

حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اسے یہ اختیار حاصل نہیں ہوگا ان کی دلیل یہ ہے کہ اس کا نکاح اس کی رضامندی سے ہوا اور مہر بھی اس کے مولیٰ کی بجائے اسے ملا لہٰذا اب اسے اختیار نہیں ہے۔

لیکن عام لونڈی (غیر مکاتبہ) کا معاملہ الگ ہے کیونکہ اس کی رضامندی کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ دونوں میں علت مشترک یعنی آزادی کے بعد خاوند کو تین طلاقوں کا حق حاصل ہو جاتا ہے وہ مکاتبہ ہو یا غیر مکاتبہ، لہٰذا دونوں کا حکم ایک ہوگا یہی وجہ ہے کہ مکاتبہ لونڈی کی عدت دوسری لونڈی کی طرح دو حیض ہوتی ہے اور اس کی طلاقیں بھی دو ہی ہوتی ہیں۔

لونڈی کا آقا کی اجازت کے بغیر نکاح کرنا پھر آزاد ہو جانا

(۱۴۴) [وَاِنْ تَزَوَّجَتْ اَمَةٌ بِغَيْرِ اِذْنِ مَوْلَاهَا ثُمَّ اُعْتِقَتْ صَحَّ النِّكَاحُ] لِاَنَّهَا مِنْ اَهْلِ الْعِبَارَةِ وَامْتِنَاعُ النُّفُوْذِ لِحَقِّ الْمَوْلٰى وَقَدْ زَالَ [وَلَا خِيَارَ لَهَا] لِاَنَّ النُّفُوْذَ بَعْدَ الْعِتْقِ فَلَا تَتَحَقَّقُ زِيَادَةُ الْمِلْكِ، كَمَا اِذَا زَوَّجَتْ نَفْسَهَا بَعْدَ الْعِتْقِ۔

ترجمہ: [اور اگر کوئی لونڈی اپنے آقا کی اجازت کے بغیر نکاح کرے پھر اسے آزاد کیا جائے تو نکاح صحیح ہوگا] کیونکہ وہ عبارت (ایجاب قبول) کی اہل ہے اور (نکاح کا) نافذ نہ ہونا مولیٰ کے حق کی وجہ سے تھا اور وہ زائل ہو گیا۔

اور عورت کو خیار (خیار عتق) نہیں ہوگا کیونکہ نکاح کا نفاذ، آزادی کے بعد ہوا ہے لہٰذا ملک میں زیادتی متحقق نہیں

ہوگی، جس طرح وہ آزادی کے بعد خود اپنا نکاح کرے۔

توضیح: چونکہ لونڈی یا غلام کو نکاح کے لیے اپنے مولیٰ سے اجازت لینا ضروری ہوتا ہے لہٰذا اگر وہ اجازت کے بغیر نکاح کریں تو اس نکاح کا نفاذ مولیٰ کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے لیکن جب لونڈی نے مولیٰ کی اجازت کے بغیر نکاح کیا اور پھر اسے آزاد کر دیا گیا تو یہ نکاح صحیح ہو جائے گا اور مولیٰ کی اجازت کی ضرورت نہیں ہوگی۔

اس نکاح کی درستگی کی وجہ یہ ہے کہ عورت ایجاب یا قبول کی اہل ہے فرق صرف یہ ہے کہ اس کا نفاذ مولیٰ کے حق کی وجہ سے نہیں ہوتا لیکن جب اس نے آزاد کر دیا تو نفاذ کی راہ میں پائی جانے والی رکاوٹ ختم ہوگئی۔

یہاں دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ کیا اسے خیارِ عتق حاصل ہوگا یعنی کیا وہ اس نکاح کو ختم کرنے کا اختیار رکھتی ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسے یہ اختیار حاصل نہیں ہے کیونکہ خیارِ عتق کی علت مِلک کا بڑھنا یعنی خاوند کا بجائے دو طلاقوں کے تین طلاقوں کا مالک ہونا ہے اور یہاں نفاذ آزادی کے بعد ہوا لہٰذا اس وجہ سے مِلک میں اضافہ نہیں ہوا اور اس کی حالت اس لونڈی جیسی ہے جو آزاد ہونے کے بعد کسی سے نکاح کرے تو اس صورت میں اسے خیارِ عتق حاصل نہیں ہوتا۔

آزاد کی جانے والی لونڈی کا مہر کس کے لیے ہوگا

(۱۴۵) [فَإِنْ كَانَتْ تَزَوَّجَتْ بِغَيْرِ إِذْنِهِ عَلَى أَلْفٍ وَّمَهْرُ مِثْلِهَا مِائَةٌ فَدَخَلَ بِهَا زَوْجُهَا ثُمَّ أَعْتَقَهَا مَوْلَاهَا فَالْمَهْرُ لِلْمَوْلٰى] لِأَنَّهٗ اِسْتَوْفٰى مَنَافِعَ مَمْلُوْكَةً لِلْمَوْلٰى [وَإِنْ لَّمْ يَدْخُلْ بِهَا حَتّٰى أَعْتَقَهَا فَالْمَهْرُ لَهَا] لِأَنَّهٗ اِسْتَوْفٰى مَنَافِعَ مَمْلُوْكَةً لَّهَا۔

وَالْمُرَادُ بِالْمَهْرِ الْأَلْفُ الْمُسَمّٰى لِأَنَّ نَفَاذَ الْعَقْدِ بِالْعِتْقِ اسْتَنَدَ إِلٰى وَقْتِ وُجُوْدِ الْعَقْدِ فَصَحَّتِ التَّسْمِيَةُ وَوَجَبَ الْمُسَمّٰى. وَلِهٰذَا لَمْ يَجِبْ مَهْرٌ اٰخَرُ بِالْوَطْئِ فِيْ نِكَاحٍ مَوْقُوْفٍ لِأَنَّ الْعَقْدَ قَدِ اتَّحَدَ بِاسْتِنَادِ النِّفَاذِ فَلَا يُوْجِبُ إِلَّا مَهْرًا وَّاحِدًا۔

ترجمہ: [پس اگر لونڈی اپنے مولیٰ کی اجازت کے بغیر ایک ہزار درہم کے بدلے میں نکاح کرے اور اس کا مہر مثل ایک سو ہو پھر خاوند اس سے جماع کرے اس کے بعد مولیٰ اسے آزاد کرے تو مہر مولیٰ کے لیے ہوگا]

لہٰذا خاوند نے اس سے اس حالت میں نفع حاصل کیا کہ وہ منافع اس کے مولیٰ کی مِلک تھے۔

[اور اگر اس سے جماع نہیں کیا حتیٰ کہ اسے آزاد کر دیا تو مہر عورت کے لیے ہوگا] کیونکہ اس نے جو نفع حاصل کیا وہ اس لونڈی کی مِلک تھا۔

اور مہر سے مراد ایک ہزار ہے جو مقرر کیا گیا کیونکہ آزاد ہونے کے ساتھ عقد کا نفاذ اس وقت کی طرف منسوب ہوگا جب عقد پایا گیا۔ لہٰذا مقرر کرنا صحیح ہوا اور وہی مقرر کردہ واجب ہوگیا۔

یہی وجہ ہے کہ نکاح موقوف میں وطی کی وجہ سے دوسرا مہر واجب نہیں ہوتا کیونکہ نفاذ کی نسبت کی وجہ سے عقد متحد ہے لہٰذا ایک ہی مہر واجب ہوگا۔

توضیح: اگر لونڈی اپنے مولیٰ کی اجازت کے بغیر اپنا نکاح مہر مثل سے زیادہ رقم کے بدلے میں کرے جیسے مہر مثل ایک سو روپیہ تھا اور اس نے ایک ہزار مقرر کیا پھر اس کے خاوند نے صحبت بھی کی پھر اس کے مولیٰ نے اسے آزاد کر دیا۔

تو اب مہر کا مالک کون ہوگا لونڈی یا اس کا مولیٰ؟

تو فرماتے ہیں: مہر کا مالک مولیٰ ہوگا اس کی وجہ یہ ہے کہ جب خاوند نے اس سے فائدہ اُٹھایا اور نفع حاصل کیا تو وہ آزاد نہ تھی لہٰذا اس کے منافع بُضع کا مالک اس کا مولیٰ تھا اس لیے مہر جو اُن منافع کا بدل ہے مولیٰ کو ملے گا۔

لیکن اگر جماع سے پہلے اُسے آزاد کر دیا تو اب خاوند کا جماع کرنا اس وقت پایا جائے گا جب وہ آزاد ہے اور اس صورت میں وہ خود منافع بُضع کی مالک ہے لہٰذا اس کا بدل یعنی مہر خود وہ عورت وصول کرے گی۔

یہاں دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ مہر سے کون سا مہر مراد ہوگا؟ مہر مثل یا مہر مسمیٰ؟

تو فرماتے ہیں: مسمیٰ مراد ہوگا کیونکہ مولیٰ نے اسے آزاد کر دیا تو نکاح نافذ ہو گیا اور اس نفاذ کی نسبت اس وقت کی طرف ہوگی جب عقد پایا گیا اور عقد کے وقت مہر مقرر ہوا تھا لہٰذا اس کا مقرر کردہ درست ہوا اور وہی واجب ہوگا۔ اس بات پر کہ عقد کے وقت مہر کا مقرر کرنا صحیح ہے اگرچہ نکاح موقوف تھا، بطور دلیل فرماتے ہیں کہ جب نکاح موقوف ہوا وہ مہر مقرر کیا گیا ہو تو وطی کے وقت دوسرا مہر واجب نہیں ہوتا ہے بلکہ وہی پہلے سے مقرر کردہ مہر واجب ہوتا ہے۔

کیونکہ جب نفاذ کی نسبت عقد کے وقت کی طرف کر دی تو دونوں وقت متحد ہو گئے لہٰذا ایک ہی مہر لازم ہوگا۔

باپ کا بیٹے کی لونڈی سے محبت کرنا

(۱۴۶) [وَمَنْ وَطِئَ اَمَةَ ابْنِهٖ فَوَلَدَتْ مِنْهُ فَهِيَ اُمُّ وَلَدٍ لَّهٗ وَعَلَيْهِ قِيْمَتُهَا وَلَا مَهْرَ عَلَيْهِ] وَمَعْنَى الْمَسْاَلَةِ اَنْ يَّدَّعِيَهُ الْاَبُ۔

وَوَجْهُهٗ اَنَّ لَهٗ وِلَايَةَ تَمَلُّكِ مَالِ ابْنِهٖ لِلْحَاجَةِ اِلَى الْبَقَاءِ فَلَهٗ تَمَلُّكُ جَارِيَتِهٖ لِلْحَاجَةِ اِلٰى صِيَانَةِ الْمَاءِ. غَيْرَ اَنَّ الْحَاجَةَ اِلٰى اِبْقَاءِ نَسْلِهٖ دُوْنَهَا اِلٰى اِبْقَاءِ نَفْسِهٖ. فَلِهٰذَا يَتَمَلَّكُ الْجَارِيَةَ بِالْقِيْمَةِ وَالطَّعَامَ بِغَيْرِ قِيْمَةٍ. ثُمَّ هٰذَا الْمِلْكُ يَثْبُتُ قُبَيْلًا لِاسْتِيْلَاءِ شَرْطًا لَهٗ اِذَا الْمُصَحِّحُ حَقِيْقَةُ الْمِلْكِ اَوْ حَقُّهٗ. وَكُلُّ ذٰلِكَ غَيْرُ ثَابِتٍ لِلْاَبِ فِيْهَا حَتّٰى يَجُوْزَ لَهُ التَّزَوُّجُ بِهَا فَلَا بُدَّ مِنْ تَقْدِيْمِهٖ فَتَبَيَّنَ اَنَّ الْوَطْءَ يُلَاقِيْ مِلْكَهٗ فَلَا يَلْزَمُهُ الْعُقْرُ۔

وَقَالَ زُفَرُ وَالشَّافِعِيُّ: يَجِبُ الْمَهْرُ لِاَنَّهُمَا يُثْبِتَانِ الْمِلْكَ حُكْمًا لِلْاِسْتِيْلَادِ كَمَا فِي الْجَارِيَةِ

الْمُشْتَرَكَةِ وَحُكْمُ الشَّيْءِ يَعْقِبُهُ وَالْمَسْأَلَةُ مَعْرُوفَةٌ۔

ترجمہ: [اگر کسی شخص نے اپنے بیٹے کی لونڈی سے جماع کیا اور اس سے اس کا بچہ پیدا ہوا تو وہ اس کی اُم ولد ہے اور اس پر اس لونڈی کی قیمت ہوگی اور اس کے ذمے مہر نہیں ہوگا]

اور اس مسئلہ سے مراد یہ ہے کہ جب باپ اس کا دعویٰ کرے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اسے باقی رہنے کی حاجت کی وجہ سے بیٹے کے مال کا مالک بننے کی ولایت حاصل ہے تو اپنے مادۂ منویہ کو بچانے کے لیے اس کی لونڈی کا مالک بننے کا اختیار بھی ہے۔

لیکن اپنی نسل کو باقی رکھنے کی حاجت نفس کو باقی رکھنے کی حاجت سے کم ہے اسی لیے وہ لونڈی کا مالک قیمت کے ساتھ ہوگا اور طعام کا مالک قیمت کے بغیر ہوتا ہے۔

پھر یہ مِلک بچے کی ولادت سے پہلے بطور شرط ثابت ہوگی کیونکہ یہ اس وقت صحیح ہوگا جب حقیقی مِلک حاصل یا اس مِلک کا حق ہوگا اور یہ دونوں باتیں باپ کے لیے ثابت نہیں حتیٰ کہ اس کے لیے اس لونڈی سے نکاح کرنا جائز ہے لہٰذا اس (مِلک) کا وطی پر مقدم ہونا ضروری ہے۔

پس واضح ہوگیا کہ وطی اس کی اپنی مِلک میں ہوئی ہے اس لیے اس پر مہر لازم نہیں ہوگا۔

حضرت امام زفر اور حضرت امام شافعی رحمہما اللہ فرماتے ہیں مہر واجب ہوگا کیونکہ یہ دونوں بچے کی ولادت کے لیے مِلک کو حکمی طور پر ثابت کرتے ہیں جس طرح مشترکہ لونڈی میں ہوتا ہے اور کسی چیز کا حکم اس چیز کے بعد ہوتا ہے اور مسئلہ معروف ہے۔

توضیح: اگر کوئی شخص اپنے بیٹے کی لونڈی سے جماع کرے اور اس کے ہاں بچہ بھی پیدا ہو جائے اور باپ اس بچے کا دعویٰ بھی کرے تو کیا حکم ہوگا؟ تو اس کا حکم یوں بیان کیا گیا کہ وہ لونڈی اس (باپ کی ام ولد ہو جائے گی (اور اس کے مرنے کے بعد آزادی ہوگی) اسے اس کی قیمت ادا کرنا ہوگی اور اس کے ذمے مہر نہیں ہوگا۔

اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ جس طرح باپ ضرورت کے تحت اپنے بیٹے کے مال اور کھانے پینے کی اشیاء کا مالک بن سکتا ہے اسی طرح حاجت کے تحت وہ اس لونڈی کا مالک بھی بن سکتا ہے۔

اور یہاں مادہ منویہ کی حفاظت کے لیے اسے حاجت تھی کہ وہ بیٹے کی لونڈی کا مالک بن جائے (کیونکہ لونڈی بھی مال شمار ہوتی ہے)

البتہ اپنی ذات کو باقی رکھنے اور نسل کو باقی رکھنے میں یہ فرق ہے کہ ذات کو باقی رکھنے کی زیادہ حاجت ہوتی ہے اس لیے کھانے پینے کی اشیاء کی قیمت نہیں دے گا۔

جب کہ نسل کو باقی رکھنے کی حاجت اس سے کم درجہ میں ہوتی ہے لہٰذا وہ اس کی قیمت ادا کرے گا۔

لیکن اس پر مہر لازم نہیں ہوگا اس مسئلہ میں حضرت امام شافعی اور حضرت امام زفر رحمہما اللہ کا اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں

مہر واجب ہوگا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ کسی کے ہاں بچے کی پیدائش کو صحیح قرار دینے کے لیے ضروری ہے کہ وہ خاتون جس سے بچہ پیدا ہوا اس کے مِلک میں ہو (یعنی بیوی ہو یا لونڈی ہو)۔

یہ حقیقی مِلک ہے یا اس کا حق ہو جس طرح مکاتبہ لونڈی میں اس کا حق مِلک ہوتا ہے (جب تک مکمل طور پر مال مکاتبت ادا نہ ہو جائے)۔

اور یہاں دونوں باتیں نہیں یہی وجہ ہے کہ اگر باپ اپنے بیٹے کی لونڈی سے نکاح کرنا چاہے تو کر سکتا ہے کیونکہ مالک اپنی مملوکہ سے نکاح نہیں کر سکتا اور اسے مِلک حاصل نہیں۔

لہٰذا اس کے لیے وطی کے جواز کی خاطر ضروری ہے کہ مِلک کو مقدم کیا جائے یعنی وہ اس کی مِلک میں ہو تب وطی جائز ہوگی۔

تو جب اسے اس کی مِلک قرار دیا گیا تو مالک کے ذمے مملوکہ کا مہر نہیں ہوتا۔ حضرت امام شافعی اور حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ اس کے لیے حکمی طور پر مِلک ثابت ہوتی ہے تاکہ بچے کا نسب صحیح ہو جس طرح مشترکہ لونڈی کا حکم ہے اور کسی چیز کا حکم اس چیز کے بعد ہوتا ہے لہٰذا جب مِلک بعد میں ثابت ہوگی تو مہر واجب ہوگا کیونکہ وطی کے وقت وہ اس کی مِلک میں نہیں تھی۔

مشترکہ لونڈی کے حوالے سے وضاحت اس طرح ہے کہ اگر کوئی لونڈی دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہو اور ان میں سے کوئی ایک اس کو ام ولد بنائے تو اس پر نصف مہر لازم ہوتا ہے اور یہ مسئلہ جامع صغیرہ وغیرہ کتب میں معروف ہے۔

بیٹا اپنی لونڈی کی شادی اپنے باپ سے کرے تو کیا حکم ہوگا

(۱۴۷) قَالَ: [وَلَوْ كَانَ الْاِبْنُ زَوَّجَهَا اِيَّاهُ فَوَلَدَتْ مِنْهُ لَمْ تَصِرْ اُمَّ وَلَدٍ لَّهُ وَلَا قِيْمَةَ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِ الْمَهْرُ وَوَلَدُهَا حُرٌّ] لِاَنَّهُ صَحَّ التَّزَوُّجُ عِنْدَنَا خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ لِخُلُوِّهَا عَنْ مِلْكِ الْاَبِ. اَلَا تَرٰى اَنَّ الْاِبْنَ مَلَكَهَا مِنْ كُلِّ وَجْهٍ فَمِنَ الْمُحَالِ اَنْ يَّمْلِكَهَا الْاَبُ مِنْ وَجْهٍ.

وَكَذَا يَمْلِكُ مِنَ التَّصَرُّفَاتِ مَالَا يَبْقٰى مَعَهُ مِلْكُ الْاَبِ لَوْ كَانَ. فَدَلَّ ذٰلِكَ عَلٰى انْتِفَاءِ مِلْكِهِ اِلَّا اَنَّهُ يَسْقُطُ الْحَدُّ لِلشُّبْهَةِ.

فَاِذَا جَازَ النِّكَاحُ صَارَ مَاؤُهُ مَصُوْنًا بِهِ فَلَمْ يَثْبُتْ مِلْكُ الْيَمِيْنِ فَلَا تَصِيْرُ اُمَّ وَلَدٍ لَّهُ. وَلَا قِيْمَةَ عَلَيْهِ فِيْهَا وَلَا فِيْ وَلَدِهَا لِاَنَّهُ لَمْ يَمْلِكْهُمَا. وَعَلَيْهِ الْمَهْرُ لِالْتِزَامِهِ بِالنِّكَاحِ وَوَلَدُهَا حُرٌّ لِاَنَّهُ مَلَكَهُ اَخُوْهُ فَيُعْتَقُ عَلَيْهِ بِالْقَرَابَةِ۔

ترجمہ: فرماتے ہیں: [اور اگر بیٹا اپنی لونڈی کا نکاح اپنے باپ سے کردے اور اس سے بچہ پیدا ہوجائے تو وہ اس کی (یعنی باپ کی) ام ولد نہیں ہوگی اور اس کے ذمے اس کی قیمت نہیں ہوگی اور مہر ہوگا اور اس کا بچہ آزاد ہوگا]

کیونکہ ہمارے نزدیک یہ نکاح صحیح ہے کیونکہ وہ باپ کی ملک سے خالی ہے، اس میں حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ بیٹا اس لونڈی کا ہر اعتبار سے مالک ہے تو یہ بات محال ہے کہ باپ اس کا کسی ایک وجہ سے مالک ہو۔ اسی طرح بیٹا تمام تصرفات کا مالک ہے تو اگر باپ کی ملکیت ہوتی بھی تو باقی نہ رہتی۔

تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ باپ کی ملکیت کی نفی ہوگئی اور شبہ کی وجہ سے حد ساقط ہوجائے گی۔

پس جب نکاح جائز ہوا تو اس کا مادۂ منویہ اس نکاح کی وجہ سے محفوظ ہوگیا لہٰذا ملک یمین ثابت نہیں ہوگی اس لیے وہ اس کی ام ولد نہیں بنے گی اور اس پر اس لونڈی اور اس کے بچے کی قیمت بھی لازم نہیں ہوگی کیونکہ وہ ان دونوں کا مالک نہیں۔

اور اس پر مہر لازم ہوگا کیونکہ وہ نکاح کی وجہ سے لازم ہوتا ہے اور اس کا بچہ آزاد ہوگا کیونکہ اس کا بھائی اس کا مالک ہوگیا اور اس وجہ سے وہ آزاد ہوگیا۔

توضیح: کسی شخص کی لونڈی تھی اس نے اس کا نکاح اپنے باپ سے کردیا اور اس کے ہاں بچہ بھی پیدا ہوگیا تو وہ لونڈی اس کی ام ولد نہیں بنے گی۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی مالک کی اولاد اس کی لونڈی سے ہو تو وہ عورت اس مالک کی ام ولد ہوتی ہے اور اس شخص کا بچہ نکاح کی وجہ سے پیدا ہوا لہٰذا وہ اس کی ام ولد نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس باپ پر لونڈی کی قیمت بھی لازم نہیں ہوگی کیونکہ وہ اس کا خاوند ہے خریدار اور مالک نہیں ہے۔

تیسری بات یہ کہ اس کے ذمے مہر ہوگا کیونکہ نکاح کی صورت میں مہر لازم ہوتا ہے۔

چوتھی بات یہ کہ پیدا ہونے والا لڑکا یا لڑکی آزاد ہوں گے کیونکہ بنیادی طور پر وہ اس کی غلامی میں ہیں جو اس لونڈی کا مالک ہے اور وہ پیدا ہونے والے کا بھائی ہے۔

اور حضور علیہ السلام نے فرمایا جو شخص کسی ذی رحم کا مالک ہوجاتا ہے تو وہ اس کی طرف سے آزاد ہوجاتا ہے۔

لہٰذا پیدا ہونے والا بچہ اپنے بھائی یعنی لونڈی کے مالک کی طرف سے آزاد ہوگیا۔

گزشتہ مسائل کی دلیل دیتے ہوئے صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ باپ اس لونڈی کا مالک نہیں تھا بلکہ بیٹا ہر اعتبار سے اس کا مالک ہے اور بیٹا اس میں تصرف کرسکتا ہے اگر باپ کی ملکیت ہوتی تو بیٹا کیسے تصرف کرسکتا۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر باپ اس کا مالک نہیں تو جماع کی صورت میں اس پر حد نافذ ہونی چاہیے کیونکہ یہ زنا ہے تو اس

کا جواب یوں دیا کہ چونکہ اس میں ملکیت کا شبہ ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

ترجمہ: تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے"۔

اور حدود شبہ سے ساقط ہو جاتی ہیں۔

اور جب یہ نکاح جائز ہوا تو مرد کا مادہ منویہ محفوظ ہو گیا اور وہ اس کی لونڈی قرار پائی لہٰذا اس پر قیمت بھی واجب نہ ہوئی اور وہ اس کی ام ولد بھی نہ بنی۔ اسی طرح بچے کی قیمت بھی واجب نہ ہوئی کونکہ وہ دونوں کا مالک نہیں بلکہ بیوی کا خاوند اور بچے کا باپ ہے۔ اور نکاح کی وجہ سے مہر لازم ہوگا اور بچے کی آزادی کی وجہ بھی بیان کر دی کہ وہ اپنے بھائی یعنی لونڈی کے مالک کی طرف سے آزاد ہو گیا۔ حضرت امام شافعی عِشلیہ کے نزدیک باپ کا نکاح بیٹے کی لونڈی سے جائز نہیں۔

جب آزاد عورت اپنے خاوند کی مالک بن جائے

(۱۴۸) قَالَ: [وَاِذَا كَانَتِ الْحُرَّةُ تَحْتَ عَبْدٍ فَقَالَتْ لِمَوْلَاهُ اَعْتِقْهُ عَنِّيْ بِاَلْفٍ فَفَعَلَ فَسَدَ النِّكَاحُ] وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللّٰهُ: لَا يَفْسُدُ.

وَاَصْلُهُ اَنْ يَّقَعَ الْعِتْقُ عَنِ الْاٰمِرِ عِنْدَنَا حَتّٰى يَكُوْنَ الْوَلَاءُ لَهٗ، وَلَوْ نَوٰى بِهِ الْكَفَّارَةَ يَخْرُجُ عَنْ عُهْدَتِهَا، وَعِنْدَهٗ يَقَعُ عَنِ الْمَامُوْرِ لِاَنَّهٗ طَلَبَ اَنْ يُعْتِقَ الْمَاْمُوْرُ عَبْدَهٗ عَنْهُ.

وَهٰذَا مُحَالٌ لِاَنَّهٗ لَا عِتْقَ فِيْمَا لَا يَمْلِكُ ابْنُ اٰدَمَ فَلَمْ يَصِحَّ الطَّلَبُ فَيَقَعُ الْعِتْقُ عَنِ الْمَامُوْرِ۔

وَلَنَا اَنَّهٗ اَمْكَنَ تَصْحِيْحُهُ بِتَقْدِيْمِ الْمِلْكِ بِطَرِيْقِ الْاِقْتِضَاءِ اِذِ الْمِلْكُ شَرْطٌ لِّصِحَّةِ الْعِتْقِ عَنْهُ فَيَصِيْرُ قَوْلُهٗ اَعْتِقْ طَلَبَ التَّمْلِيْكِ مِنْهُ بِالْاَلْفِ ثُمَّ اَمْرَهٗ بِاِعْتَاقِ عَبْدِ الْاٰمِرِ عَنْهُ.

وَقَوْلُهٗ اَعْتَقْتُ تَمْلِيْكٌ مِّنْهُ ثُمَّ الْاِعْتَاقُ عَنْهُ، وَاِذَا ثَبَتَ الْمِلْكُ لِلْاٰمِرِ فَسَدَ النِّكَاحُ لِلتَّنَافِيْ بَيْنَ الْمِلْكَيْنِ۔

ترجمہ: امام محمد عِشلیہ فرماتے ہیں: [اور جب آزاد عورت کسی غلام کی بیوی ہو اور وہ اس کے مالک سے کہے کہ اسے میری طرف سے ایک ہزار کے بدلے میں آزاد کر دو]

اور وہ ایسا کر دے تو نکاح فاسد ہو جائے گا۔ حضرت امام زفر عِشلیہ فرماتے ہیں فاسد نہیں ہوگا۔

اس کی اصل یہ ہے کہ آزادی حکم دینے والے کی طرف سے واقع ہوتی ہے حتیٰ کہ ولاء اسی کے لیے ہوتی ہے اور اگر اس کے ساتھ کفارہ کی نیت کرے تو کفارہ کی ذمہ داری سے نکل جائے گا جب کہ حضرت امام زفر عِشلیہ کے نزدیک یہ آزادی مامور

(جس کو حکم دیا گیا) کی طرف سے واقع ہوگی کیونکہ اس نے مطالبہ کیا کہ ماموراپنے غلام کو اس کی طرف سے آزاد کرے اور یہ محال ہے کیونکہ آدمی اس چیز کا مالک نہ ہو اس کو آزاد نہیں کرسکتا پس مطالبہ صحیح نہیں ہوگا لہٰذا آزادی مامور کی طرف سے ہوگی۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ اس کو صحیح کرنا ممکن ہے یعنی اقتضاء کے طریقے پر پہلے ملک ثابت کی جائے کیونکہ اس کی طرف سے آزادی کے ملک شرط ہے تو اس کا یہ قول کہ اسے آزاد کرو، اس سے ایک ہزار کے بدلے میں مالک بنانے کا مطالبہ ہوا پھر اس نے حکم دیا کہ وہ اس کی طرف سے آزاد کرے۔

اور اس کا قول کہ میں نے آزاد کیا اس کی طرف سے مالک بنانا پھر اس کی طرف سے آزاد کرنا ہے۔

تو جب حکم دینے والے کے لیے ملک ثابت ہوگئی تو نکاح فاسد ہوگیا کیونکہ دونوں قسم کی ملک میں ایک دوسرے کی نفی ہے۔

توضیح: اگر آزاد عورت غلام کی بیوی ہو اور وہ اس غلام کے مولیٰ سے کہے کہ اسے میری طرف سے ایک ہزار کے بدلے میں آزاد کرو اس نے آزاد کردیا تو نکاح فاسد ہوجائے گا۔

جب کہ حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نکاح فاسد نہیں ہوتا، اس مسئلہ کو سمجھنے سے پہلے ایک بنیادی بات جاننا ضروری ہے اور وہ اقتضاء النص ہے یعنی کوئی بات واضح عبارت سے ثابت نہ ہو بلکہ اس عبارت کا تقاضا ہو۔

مثلاً کوئی شخص کہے کہ اپنے غلام کو میری طرف سے ایک ہزار کے بدلے میں آزاد کرو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اسے مجھ پر ایک ہزار کے بدلے میں فروخت کرو اب یہ میری ملکیت ہوجائے گا پھر تم میرے وکیل بن کر اسے آزاد کرو تو یہ اقتضاء النص ہے۔

اس ضابطے کے مطابق ہمارے نزدیک وہ غلام حکم دینے والے یعنی اس غلام کی بیوی کی طرف سے آزاد ہوگا کیونکہ اس نے اسے خرید لیا۔

اور اسی خاتون کے لیے ولاء بھی ہوگی ولاء کا معنیٰ یہ ہے کہ اگر وہ آزاد کردہ غلام فوت ہوجائے اور اس کا کوئی وارث نہ ہو تو یہ آزاد کرنے والی خاتون اس کی وارث ہوجائے گی۔

اور اس کے مالک ہونے کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ اگر کسی کفارہ میں غلام آزاد کرنا ہو اور اس کی آزادی میں کفارے کی نیت کرے تو وہ ادا ہوجائے گا اور جب عورت نے کہا کہ اسے آزاد کرو تو گویا اس مالک نے اس خاتون کو اس کا مالک بنا دیا پھر آزاد کیا اور جب یہ ملک حکم دینے والی خاتون کی ہوگئی تو اب نکاح ٹوٹ جائے گا کیونکہ غلام کا نکاح اپنی آقا کے ساتھ نہیں ہوسکتا کیونکہ اس طرح وہ شخص نکاح کی وجہ سے اس عورت کا مالک ہوگا اور عورت اس کی مالک ہوگی کیونکہ اس نے اسے خرید لیا اور یہ دونوں قسم کی ملک جمع نہیں ہوگی۔

حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وہ مامور کی طرف سے آزاد ہوگا یعنی جو اس غلام کا آقا ہے اس کی طرف سے آزاد ہوگا کیونکہ عورت نے صرف اس کو آزاد کرنے کا مطالبہ کیا اور وہ اس کی ملک میں نہیں اور آدمی جس کا مالک نہ ہو

اسے آزاد نہیں کرسکتا لہٰذا جب وہ اپنے آقا کی طرف سے آزاد ہوا تو خاتون کو اس کی ملک حاصل نہ ہوئی اس لیے نکاح فاسد نہ ہوا۔

نوٹ: حضرت امام ابوحنیفہ اور صاحبین رحمہم اللہ کا قول اولیٰ ہے کیونکہ اقتضاء النص کے تحت وہ اس خاتون ملک میں آ گیا۔ (۱۲ ہزاروی)

اگر وہ یہ الفاظ کہے کہ میری طرف سے آزاد کرو

(۱۴۹) [وَلَوْ قَالَتْ اَعْتِقْهُ عَنِّيْ وَلَمْ تُسَمِّ مَالًا لَمْ يَفْسُدِ النِّكَاحُ وَالْوَلَاءُ لِلْمُعْتِقِ] وَهٰذَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ۔

وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ: هٰذَا وَالْاَوَّلُ سَوَاءٌ لِاَنَّهٗ يُقَدِّمُ التَّمْلِيْكَ بِغَيْرِ عِوَضٍ تَصْحِيْحًا لِتَصَرُّفِهٖ، وَيَسْقُطُ اِعْتِبَارُ الْقَبْضِ كَمَا اِذَا كَانَ عَلَيْهِ كَفَّارَةُ ظِهَارٍ فَاَمَرَ غَيْرَهٗ اَنْ يُطْعِمَ عَنْهُ۔

وَلَهُمَا اَنَّ الْهِبَةَ مِنْ شَرْطِهَا الْقَبْضُ بِالنَّصِّ فَلَا يُمْكِنُ اِسْقَاطُهٗ وَلَا اِثْبَاتُهٗ اِقْتِضَاءً لِاَنَّهٗ فِعْلٌ حِسِّيٌّ، بِخِلَافِ الْبَيْعِ لِاَنَّهٗ تَصَرُّفٌ شَرْعِيٌّ۔

وَفِيْ تِلْكَ الْمَسْاَلَةِ الْفَقِيْرُ يَنُوْبُ عَنِ الْاٰمِرِ فِي الْقَبْضِ، اَمَّا الْعَبْدُ فَلَا يَقَعُ فِيْ يَدِهٖ شَيْءٌ لِيَنُوْبَ عَنْهُ۔

ترجمہ: [اور اگر اس عورت نے کہا کہ میری طرف سے آزاد کرو اور مال کا ذکر نہ کیا تو نکاح فاسد نہیں ہوگا اور ولاء آزاد کرنے والے کے لیے ہے یہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک ہے]

اور حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ اور پہلا مسئلہ برابر ہیں کیونکہ اس نے کسی عوض کے بغیر تملیک کو مقدم کیا تاکہ اس کا تصرف صحیح ہو سکے اور قبضہ کا اعتبار ساقط ہو جائے گا جس طرح اگر اس کے ذمے ظہار کا کفارہ ہو اور وہ کسی دوسرے شخص کو حکم دے کہ وہ اس کی طرف سے کھانا کھلائے۔

طرفین کی دلیل یہ ہے کہ ھبہ کے لیے قبضہ شرط ہے اور وہ نص سے ثابت ہے لہٰذا اس کو ساقط کرنا ممکن نہیں اور اسے بطور اقتضاء بھی ثابت نہیں کرسکتا کیونکہ یہ حسی فعل ہے، بخلاف بیع کے، کیونکہ وہ شرعی تصرف ہے۔

اور اس مسئلہ میں قبضہ کے لیے فقیر، حکم دینے والے کا قائم مقام ہوسکتا ہے اور غلام کے قبضہ میں کوئی چیز نہیں ہوتی کہ وہ حکم دینے والے کی طرف سے نائب بن سکے۔

توضیح: گزشتہ اور یہ مسئلہ دونوں ایک طرح کے ہیں فرق صرف یہ ہے کہ اس میں مال کا ذکر نہیں لہٰذا یہ بیع نہیں ہوسکتی بلکہ ہبہ ہوگا یعنی عورت نے اپنے غلام خاوند کے مالک سے کہا کہ اسے مجھے ہبہ کرو پھر میرے وکیل بن کر اسے آزاد کرو۔

تو اس صورت میں طرفین اور امام ابو یوسف ﷫ کے درمیان نکاح فاسد ہونے کے سلسلے میں اختلاف ہے۔ حضرت امام ابو یوسف ﷫ کے نزدیک اس حکم دینے والی خاتون کے تصرف (یعنی آزاد کرنے) کو صحیح قرار دینے کے لیے پہلے ملک ثابت ہو گی۔

ان سے سوال ہوا کہ ہبہ میں قبضہ شرط ہے اور یہاں قبضہ نہیں ہوا تو اس کا جواب انہوں نے یوں دیا کہ یہاں قبضہ ساقط ہو جائے گا جس طرح کوئی شخص ظہار کے کفارہ میں دوسرے آدمی سے کہے کہ وہ اس کی طرف سے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے اور وہ کھلا دے تو کفارہ ادا ہو جائے گا۔ حالانکہ یہاں بھی قبضہ نہیں ہوا۔

طرفین فرماتے ہیں ہبہ میں قبضہ کا شرط ہونا نص سے ثابت ہے اور وہ نص رسول اکرم ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی ہے کہ لَا تَصِحُّ الْهِبَةُ اِلَّا مَقْبُوْضَةً ایسی چیز کا ہبہ صحیح نہیں جس پر قبضہ نہ کیا گیا ہو"۔ لہٰذا قبضہ کی شرط کو ساقط کرنا ممکن نہیں۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ اقتضاء النص کے طور پر اسے ثابت کیا جائے تا کہ اس کی آزادی درست ہو سکے تو اس کا جواب یوں دیا کہ قبضہ محض قولی چیز نہیں بلکہ محسوس ہونے والی چیز ہے لہٰذا وہ بالتبع ثابت نہیں ہوتی جب کہ اقتضاء کے طور پر ثابت ہونے والا حکم بالتبع ثابت ہوتا ہے۔

سوال: جب بیع اقتضاء کے طور پر ثابت ہوتی ہے تو ہبہ بھی ثابت ہونا چاہیے۔

جواب: بیع کا حکم مختلف ہے وہ شرعی حکم ہے اور حسی نہیں بلکہ قولی ہے یعنی ایجاب وقبول پر مبنی ہوتا ہے اور بعض اوقات بیع کا رکن ایجاب وقبول ساقط بھی ہو جاتا ہے جیسے بیع تعاطی میں ہوتا ہے یعنی جب بائع مبیع اور مشتری ثمن حوالے کر دے اور خریدنے بیچنے کے الفاظ نہ کہیں۔

حضرت امام ابو یوسف ﷫ نے کفارہ کا ذکر فرمایا کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے آدمی سے کہے کہ میری طرف سے ظہار کا کفارہ ادا کرو اور فقراء کو کھانا کھلاؤ تو یہاں قبضہ کے بغیر کفارہ ادا ہو جاتا ہے۔

تو اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ کفارے کے سلسلے میں فقیر، حکم دینے والے کا نائب بن کر وصول کرتا ہے پھر اسے کھاتا ہے لیکن غلام کے مسئلہ میں ایسا نہیں ہو سکتا کیونکہ جب اسے آزاد کیا جاتا ہے تو اس کو کچھ دیا نہیں جاتا کہ وہ آزادی میں حکم دینے والے کا نائب بنے۔

مشرکین کا باہم نکاح

(۱۵۰) [وَاِذَا تَزَوَّجَ الْكَافِرُ بِلَا شُهُوْدٍ اَوْ فِيْ عِدَّةِ كَافِرٍ وَ ذٰلِكَ فِيْ دِيْنِهِمْ جَائِزٌ ثُمَّ اَسْلَمَا اُقِرَّا عَلَيْهِ] وَهٰذَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَقَالَ زُفَرُ: النِّكَاحُ فَاسِدٌ فِي الْوَجْهَيْنِ اِلَّا اَنَّهٗ لَا يُتَعَرَّضُ لَهُمْ قَبْلَ الْاِسْلَامِ وَالْمُرَافَعَةِ اِلَى الْحُكَّامِ۔

وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ وَ مُحَمَّدٌ فِي الْوَجْهِ الْاَوَّلِ كَمَا قَالَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ. وَفِي الْوَجْهِ الثَّانِيْ كَمَا قَالَ زُفَرُ۔

لَهٗ اَنَّ الْخِطَابَاتِ عَامَّةٌ كَمَا مَرَّ مِنْ قَبْلُ فَتَلْزَمُهُمْ. وَاِنَّمَا لَا يُتَعَرَّضُ لَهُمْ لِذِمَّتِهِمْ اِعْرَاضًا لَا تَقْرِيْرًا. فَاِذَا تَرَافَعُوْا اَوْ اَسْلَمُوْا وَالْحُرْمَةُ قَائِمَةٌ وَجَبَ التَّفْرِيْقُ۔

وَلَهُمَا اَنَّ حُرْمَةَ نِكَاحِ الْمُعْتَدَّةِ مُجْمَعٌ عَلَيْهَا فَكَانُوْا مُلْتَزِمِيْنَ لَهَا. وَحُرْمَةُ النِّكَاحِ بِغَيْرِ شُهُوْدٍ مُخْتَلَفٌ فِيْهِ وَلَمْ يَلْتَزِمُوْا اَحْكَامَنَا بِجَمِيْعِ الْاِخْتِلَافَاتِ۔

وَلِاَبِيْ حَنِيْفَةَ اَنَّ الْحُرْمَةَ لَا يُمْكِنُ اِثْبَاتُهَا حَقًّا لِلشَّرْعِ؛ لِاَنَّهُمْ لَا يُخَاطَبُوْنَ بِحُقُوْقِهٖ. وَلَا وَجْهَ اِلٰى اِيْجَابِ الْعِدَّةِ حَقًّا لِلزَّوْجِ؛ لِاَنَّهٗ لَا يَعْتَقِدُهٗ. بِخِلَافِ مَا اِذَا كَانَتْ تَحْتَ مُسْلِمٍ؛ لِاَنَّهٗ يَعْتَقِدُهٗ. وَاِذَا صَحَّ النِّكَاحُ فَحَالَةُ الْمُرَافَعَةِ وَالْاِسْلَامِ حَالَةُ الْبَقَاءِ وَالشَّهَادَةُ لَيْسَتْ شَرْطًا فِيْهَا وَكَذَا الْعِدَّةُ لَا تُنَافِيْهَا كَالْمَنْكُوْحَةِ اِذَا وُطِئَتْ بِشُبْهَةٍ

ترجمہ: [اور جب کافر گواہوں کے بغیر یا کسی کافر کی عدت میں نکاح کرے اور ان کے دین میں یہ جائز ہے پھر وہ اسلام قبول کریں تو ان کو اسی نکاح پر برقرار رکھا جائے]

یہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے اور حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں دونوں صورتوں میں نکاح ٹوٹ جائے گا لیکن اسلام لانے سے پہلے اور حاکموں تک اپنا معاملہ لے جانے سے پہلے ان کو نہ چھیڑا جائے۔

حضرت امام ابویوسف اور حضرت امام محمد رحمہما اللہ پہلی صورت کے بارے میں وہی فرماتے ہیں جو حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اور دوسری صورت کے بارے میں حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ والا قول کرتے ہیں۔

امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ خطاب (شرعی خطاب) عام ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے لہٰذا یہ ان کو بھی لازم ہوگا اور ان کو اس لیے چھیڑا نہیں جائے گا کہ وہ ذمی ہیں اس لیے نہیں کہ ان کے معاملے کی تائید کی جائے گی۔

اور جب وہ لوگ اپنا معاملہ حکام کے پاس لے جائیں یا اسلام قبول کریں اس حال میں کہ حرمت ثابت ہو تو تفریق واجب ہوگی۔

صاحبین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ عدت والی عورت سے نکاح حرام ہونے پر سب کا اتفاق ہے پس وہ اس کا التزام کرنے والے ہوئے اور گواہوں کے بغیر نکاح کرنے میں اختلاف ہے اور انہوں نے ہمارے احکام کا تمام اختلافات کے ساتھ التزام نہیں کیا۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ اس حرمت کو شرعی حق کے طور پر ثابت نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وہ لوگ حقوق شریعت کے ساتھ مخاطب نہیں ہیں اور خاوند کے حق میں عدت کو واجب کرنے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ وہ اس کا اعتقاد نہیں رکھتا۔

بخلاف اس کے جب وہ (ذمیہ عورت) مسلمان کے نکاح میں ہو کیونکہ وہ اس کا اعتقاد رکھتا ہے۔

14

اور جب نکاح صحیح ہوا تو ان کے اسلام لانے یا حاکموں تک مقدمہ لے جانے کی حالت بقا کی حالت ہے اور اس حالت میں گواہی شرط نہیں اور نہ ہی عدت اس کے خلاف ہے جس طرح منکوحہ عورت سے شبہ کے ساتھ وطی کی جائے۔

توضیح: جب کوئی کافر اپنے طریقے پر نکاح کرے جو طریقہ، اسلامی طریقے کے خلاف ہو پھر وہ مسلمان ہو جائیں تو کیا وہ پہلا نکاح برقرار رہے گا یا ختم ہو جائے گا اور نئے سرے سے نکاح کرنا پڑے گا؟

مثلاً اسلام میں نکاح کے لیے گواہوں کی موجودگی شرط ہے اگر گواہ نہ ہوں تو نکاح نہیں ہوتا، اسی طرح اگر کوئی عورت پہلے خاوند کی عدت گزار رہی ہو تو اس دوران نکاح جائز نہیں۔

جب کہ کفار کے ہاں یہ دونوں صورتیں جائز ہیں لہٰذا اس طریقے پر نکاح کیا گیا پھر دونوں مسلمان ہو گئے۔

تو حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پہلا نکاح برقرار رہے گا چاہے گواہوں کے بغیر نکاح ہوا یا عدت کے دوران ہوا۔

حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دونوں صورتوں میں پہلا نکاح فاسد ہو جائے گا۔

صاحبین رحمہما اللہ پہلی صورت میں یعنی جب گواہوں کے بغیر نکاح ہوا حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہیں یعنی پہلا نکاح برقرار رہے گا۔

اور دوسری صورت میں یعنی جب عدت میں نکاح ہوا، امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہیں یعنی وہ نکاح ٹوٹ جائے گا۔

امام زفر کی دلیل

حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شریعت کا خطاب عام ہے جو ان (ذمی) کفار کو بھی شامل ہے لہٰذا ان پر بھی گواہوں کی پابندی اور عدت کے دوران نکاح نہ کرنے کا حکم لازم ہے۔

سوال: آپ سے سوال ہوا کہ جب یہ صورتِ حال ہے تو ان کو نکاح ختم کرنے کا کہنا چاہیے۔

جواب: وہ فرماتے ہیں چونکہ وہ ذمی ہیں اور ان کے ساتھ معاہدہ ہے کہ ہم ان کو کچھ نہیں کہیں گے اس لیے جب تک وہ اسلام نہیں لاتے یا اپنا مقدمہ قاضی کے پاس نہیں لے جاتے ان کو کچھ نہ کہا جائے گا اور چونکہ نکاح کی حرمت (حرام ہونا) باقی ہے لہٰذا جب اسلام قبول کریں یا اپنا مقدمہ کسی عدالت میں لے جائیں تو ان کے درمیان تفریق کرنا واجب ہوگی۔

صاحبین کی دلیل

وہ فرماتے ہیں کہ عدت کے دوران نکاح کے حرام ہونے پر سب کا اتفاق ہے لہٰذا وہ اس کو اپنے اُوپر لازم کرنے والے ہیں اس لیے وہ نکاح ٹوٹ جائے گا اور گواہوں کے بغیر نکاح کا حرام ہونا اختلافی مسئلہ ہے اور انہوں نے ہماری شریعت کو تمام اختلافات کے ساتھ قبول نہیں کیا لہٰذا ان کے اسلام لانے کے بعد یہ نکاح برقرار رہے گا۔

4/4

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ چونکہ ان لوگوں (ذمی کفار) کو حقوقِ شریعت کے ساتھ خطاب نہیں کیا گیا لہٰذا شریعت کے حق کے طور پر اس نکاح کے حرام ہونے کو ثابت کرنا ممکن نہیں اور خاوند کے حق کے طور پر عدت کو واجب کرنے کی بھی کوئی وجہ نہیں کیونکہ وہ اس کا اعتقاد ہی نہیں رکھتا۔

البتہ اگر ذمی عورت کسی مسلمان کے نکاح میں ہو تو عدت کو واجب کیا جائے گا کیونکہ مسلمان اس کا اعتقاد رکھتا ہے۔

اب جب ان کا نکاح صحیح قرار پایا تو جب وہ اسلام قبول کریں یا اپنا مقدمہ عدالت میں لے جائیں تو یہ نکاح کی ابتدائی حالت نہیں بلکہ انعقاد نکاح کے بعد اس کے باقی رہنے کی حالت ہے اور گواہی اس حالت میں شرط نہیں بلکہ انعقادِ نکاح کے وقت شرط ہے۔ اسی طرح عدت بھی اس حالت میں نکاح کے منافی نہیں۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس کی مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جس طرح کوئی عورت کسی کے نکاح میں ہو اور اس کے ساتھ شبہ کی صورت میں وطی ہو جائے تو اس پر عدت لازم ہوگی لیکن نکاح نہیں ٹوٹے گا۔

مجوسی اپنی ماں یا بیٹی سے نکاح کرنے کے بعد اسلام قبول کرنا

(۱۵۱) [فَاِذَا تَزَوَّجَ الْمَجُوْسِيُّ اُمَّهٗ اَوْ بِنْتَهٗ ثُمَّ اَسْلَمَا فُرِّقَ بَيْنَهُمَا]؛ لِاَنَّ نِكَاحَ الْمَحَارِمِ لَهٗ حُكْمُ الْبُطْلَانِ فِيْمَا بَيْنَهُمْ عِنْدَهُمَا كَمَا ذَكَرْنَا فِي الْعِدَّةِ وَوَجَبَ التَّعَرُّضُ بِالْاِسْلَامِ فَيُفَرَّقُ۔ وَعِنْدَهٗ لَهٗ حُكْمُ الصِّحَّةِ فِي الصَّحِيْحِ اِلَّا اَنَّ الْمَحْرَمِيَّةَ تُنَافِي بَقَاءَ النِّكَاحِ فَيُفَرَّقُ، بِخِلَافِ الْعِدَّةِ؛ لِاَنَّهَا لَا تُنَافِيْهِ، ثُمَّ بِاِسْلَامِ اَحَدِهِمَا يُفَرَّقُ بَيْنَهُمَا وَبِمُرَافَعَةِ اَحَدِهِمَا لَا يُفَرَّقُ عِنْدَهٗ خِلَافًا لَهُمَا، وَالْفَرْقُ اَنَّ اسْتِحْقَاقَ اَحَدِهِمَا لَا يَبْطُلُ بِمُرَافَعَةِ صَاحِبِهٖ اِذْ لَا يَتَغَيَّرُ بِهٖ اِعْتِقَادُهٗ، اَمَّا اعْتِقَادُ الْمُصِرِّ لَا يُعَارِضُ اِسْلَامَ الْمُسْلِمِ؛ لِاَنَّ الْاِسْلَامَ يَعْلُوْ وَلَا يُعْلٰى، وَلَوْ تَرَافَعَا يُفَرَّقُ بِالْاِجْمَاعِ، لِاَنَّ مُرَافَعَتَهُمَا كَتَحْكِيْمِهِمَا۔

ترجمہ: [پس جب مجوسی شخص اپنی ماں یا اپنی بیٹی سے نکاح کرے پھر وہ مسلمان ہو جائیں تو ان کے درمیان تفریق کردی جائے]

کیونکہ صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک ان (مجوسیوں) کا اپنی محارم سے نکاح کرنا باطل ہے جس طرح ہم نے (گذشتہ مسئلہ میں) عدت کے بارے میں ذکر کیا اور اسلام کی وجہ سے ان کو متوجہ کرنا واجب ہے پس تفریق کردی جائے۔

اور حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صحیح قول کے مطابق یہ نکاح صحیح ہوگا لیکن چونکہ محرمیت نکاح باقی رہنے کے منافی ہے اس لیے تفریق کی جائے گی۔

بخلاف عدت کے، کیونکہ وہ نکاح کے منافی نہیں۔

پھر ان میں سے ایک کے اسلام قبول کرنے کی وجہ سے ان میں تفریق کی جائے اور اگر ان میں سے ایک حاکم کے پاس جائے تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تفریق نہ کی جائے اور صاحبین کے نزدیک تفریق کر دی جائے۔

فرق یہ ہے کہ ایک کے عدالت میں جانے سے دوسرے کا استحقاق باطل نہیں ہوتا کیونکہ اس سے اس کا عقیدہ بدلتا نہیں اور جو اپنے عقیدے پر ڈٹ گیا اس کا عقیدہ مسلمان کے اسلام سے نہیں ٹکراتا کیونکہ اسلام بلند ہے اور اس پر کوئی دوسرا دین بلند نہیں ہے۔

اور اگر دونوں عدالت میں جائیں تو بالاتفاق ان میں تفریق کر دی جائے کیونکہ حاکم کے پاس مقدمہ لے جانا اس طرح ہے جیسے ان دونوں نے کسی تیسرے شخص کو حاکم تسلیم کر لیا۔

توضیح: اس سے پہلے ذمی کافروں کے بارے میں حکم بیان ہوا کہ گواہوں کے بغیر یا عدت کے دوران نکاح کیا۔

اب مجوسی مرد و عورت کے حوالے سے مسئلہ بیان ہو رہا ہے کہ اگر کوئی مجوسی ایسی عورت سے نکاح کرتا ہے جس سے نکاح اس پر حرام ہے جیسے اس کی ماں یا بیٹی پھر وہ اسلام قبول کرتے ہیں تو اب حکم یہ ہے کہ ان کے درمیان تفریق کی جائے۔

تفریق کے بارے میں تینوں ائمہ احناف متفق ہیں لیکن اس کی وجہ میں اختلاف ہے۔

صاحبین فرماتے ہیں کہ ان کے درمیان یہ نکاح باطل ہے جس طرح گذشتہ مسئلہ میں بتایا گیا کہ عدت کے دوران نکاح کی حرمت پر سب کا اتفاق ہے اسی طرح یہ مسئلہ بھی ہے اور اب چونکہ وہ مسلمان ہو چکے ہیں لہٰذا ان کو اس عمل کے بطلان سے آگاہ کر کے تفریق کرنا ضروری ہے۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صحیح قول کے مطابق یہ نکاح صحیح ہوا لیکن چونکہ عورت مرد کا ایک دوسرے کے لیے محرم ہونا نکاح کو باقی رکھنے کے خلاف ہے لہٰذا تفریق کی جائے گی لیکن عدت کا معاملہ الگ ہے وہ نکاح کے باقی رہنے کے منافی نہیں، اس لیے اس مسئلہ کو اس پر قیاس نہیں کیا جا سکتا جس طرح صاحبین قیاس کرتے ہیں۔

اسلام لانے اور عدالت میں مقدمہ اُٹھانے میں فرق بیان کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں کہ اگر ان میں سے ایک بھی مسلمان ہو جائے تو تفریق ضروری ہے۔

لیکن اگر ان میں سے ایک عدالت کا رُخ کرے تو تفریق نہیں ہوگی اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک کا عدالت میں جانا دوسرے کے استحقاق کو ختم نہیں کرتا کیونکہ اس عمل کی وجہ سے اس کا عقیدہ نہیں بدلا یعنی اگر ان میں سے ایک اسلام قبول کرے تو اس نے اپنا عقیدہ بدل دیا اور اسلام کی وجہ سے محرم کے ساتھ اس کا نکاح باقی نہیں رہ سکتا لیکن عدالت میں مقدمہ لے جانے سے وہ مجوسی ہی رہتا ہے اور دونوں ایک ہی عقیدے پر ہیں لہٰذا تفریق نہیں کی جائے گی۔

لیکن جب ان میں سے ایک اپنے عقیدے پر اصرار کرے تو وہ مسلمان کے اسلام سے نہیں ٹکرائے گا اور اس کے عقیدے کی پرواہ نہیں کی جائے گی کیونکہ اسلام کو سربلندی حاصل ہے اور کوئی دوسرا دین اسلام سے بلند نہیں۔

اور اگر وہ دونوں اپنا مقدمہ عدالت میں لے جائیں تو سب ائمہ کا اتفاق ہے کہ تفریق کی جائے کیونکہ یہ اُسی طرح ہے جیسے ان دونوں نے کسی مسلمان کو ثالث مقرر کیا۔

مرتد کا نکاح کسی کے ساتھ نہیں ہوسکتا

(۱۵۲) [وَلَا يَجُوْزُ اَنْ يَّتَزَوَّجَ الْمُرْتَدُّ مُسْلِمَةً وَّلَا كَافِرَةً وَّلَا مُرْتَدَّةً]؛ لِاَنَّهٗ مُسْتَحِقٌّ لِّلْقَتْلِ، وَالْاِمْهَالُ ضَرُوْرَةَ التَّاَمُّلِ، وَالنِّكَاحُ يَشْغَلُهٗ عَنْهُ فَلَا يُشْرَعُ فِيْ حَقِّهٖ

[وَكَذَا الْمُرْتَدَّةُ لَا يَتَزَوَّجُهَا مُسْلِمٌ وَّلَا كَافِرٌ]؛ لِاَنَّهَا مَحْبُوْسَةٌ لِّلتَّاَمُّلِ وَخِدْمَةُ الزَّوْجِ تَشْغَلُهَا عَنْهُ، وَلِاَنَّهٗ لَا يَنْتَظِمُ بَيْنَهُمَا الْمَصَالِحُ، وَالنِّكَاحُ مَا شُرِعَ لِعَيْنِهٖ بَلْ لِمَصَالِحِهٖ

[اور مرتد کا کسی مسلمان یا کافر یا مرتد عورت سے نکاح کرنا جائز نہیں]

کیونکہ وہ قتل کا مستحق ہے اور اسے جو مہلت دی جاتی وہ اس کے غور فکر کے لیے ہوتی ہے اور نکاح اسے اس (غور و فکر) سے غافل کر دے گا لہٰذا اس کے حق میں نکاح جائز نہیں۔

[اور اسی طرح مرتد عورت سے کوئی مسلمان یا کافر نکاح نہیں کرسکتا] کیونکہ اسے سوچ و بچار کے لیے قید کیا گیا اور خاوند کی خدمت اسے اس سے غفلت کا شکار کر دے گی۔

اور اس لیے بھی کہ اس کے درمیان نکاح کے مقاصد قائم نہیں ہوسکتے اور نکاح ذاتی طور پر مشروع نہیں بلکہ ان مقاصد کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔

توضیح: جو شخص دین اسلام سے پھر جائے (معاذ اللہ) اُسے مرتد کہا جاتا ہے وہ مرد ہو یا عورت اس کا نکاح جائز نہیں یعنی وہ مسلمان، کافر اور مرتد کسی عورت سے نکاح نہیں کرسکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مرتد ہونے کی وجہ سے اسے قتل کرنے کا حکم ہے البتہ اسے تین دن کی مہلت دی جاتی ہے کہ وہ سوچ و بچار کرے اور اسلام کی طرف لوٹ آئے۔

البتہ اگر اسے نکاح کی اجازت دی جائے تو اس کی توجہ سوچ و بچار اور غور و فکر سے پھر جائے گی۔

اسی طرح اگر مرتد عورت ہے تو وہ نکاح کی صورت میں خاوند کی خدمت کرے گی تو غور و فکر سے غافل ہو جائے گی۔

دوسری بات یہ ہے کہ نکاح کے کچھ مقاصد ہوتے ہیں یعنی خاوند (اپنی بیوی کو نفقہ اور رہائش دیتا ہے اور نسل انسانی کا ذریعہ ہوتا ہے اور مرتد کے لیے یہ ممکن نہیں۔

اولاد دین میں مسلمان کے تابع ہوگی

(۱۵۳) [فَاِنْ كَانَ اَحَدُ الزَّوْجَيْنِ مُسْلِمًا فَالْوَلَدُ عَلٰى دِيْنِهٖ،

وَكَذٰلِكَ اِنْ اَسْلَمَ اَحَدُهُمَا وَلَهٗ وَلَدٌ صَغِيْرٌ صَارَ وَلَدُهٗ مُسْلِمًا بِاِسْلَامِهٖ] لِاَنَّ فِي جَعْلِهٖ تَبْعًا لَهٗ نَظْرًا لَهٗ

[وَلَوْ كَانَ اَحَدُهُمَا كِتَابِيًّا وَالْاٰخَرُ مَجُوْسِيًّا فَالْوَلَدُ كِتَابِيٌّ]؛ لِاَنَّ فِيْهِ نَوْعَ نَظْرٍ لَهٗ اِذَا الْمَجُوْسِيَّةُ شَرٌّ. وَالشَّافِعِيُّ يُخَالِفُنَا فِيْهِ لِلتَّعَارُضِ وَنَحْنُ بَيَّنَّا التَّرْجِيْحَ۔

ترجمہ:[اور اگر میاں بیوی میں سے ایک مسلمان ہوتو اولاد اس کے دِین پر ہوگی اور اسی طرح اگر ان میں سے ایک اسلام قبول کرے اور اس کی نابالغ اولاد ہوتو اس کے اسلام کی وجہ سے اس کی اولاد بھی مسلمان ہوگی]

کیونکہ اس کی اولاد کو اس کے تابع کرنے میں اولاد پر شفقت ہے۔

[اور اگر ان میں سے ایک کتابی ہو اور دوسرا مجوسی ہوتو اولاد کتابی ہوگی]

کیونکہ اس میں بھی اس کے لیے ایک قسم کی شفقت ہے کیونکہ مجوسیت (آتش پرستی) شر ہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس میں ہمارے خلاف ہیں کیونکہ اس میں تعارض ہے اور ہم نے ترجیح کی وجہ بیان کردی ہے۔

توضیح: اگر مرد اور عورت میں سے ایک مسلمان ہوتو اولاد اس کے تابع ہوگی اسی طرح اگر دونوں کافر تھے پھر ان میں سے ایک نے اسلام قبول کرلیا تو نابالغ اولاد اس کے تابع ہوگی۔

اس کی وجہ یہ بیان کی گئی کہ بچے پر شفقت کا تقاضا یہی ہے کیونکہ اس طرح اس کی اسلامی طریقے پر تربیت ہوگی اگر میاں بیوی میں سے کوئی ایک بھی مسلمان نہ ہو بلکہ ایک کتابی اور دوسرا مجوسی ہوتو بچے پر شفقت کا تقاضا یہ ہے کہ اسے کتابی کے تابع قرار دیا جائے کیونکہ اگرچہ تمام کفار ایک ہی ملت ہیں لیکن مجوسی زیادہ برے ہیں۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اولاد کو کتابی کے تابع قرار دینے میں ہم سے اختلاف کرتے ہیں۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ دونوں میں ٹکراؤ ہے اگر کتابی کے تابع کریں تو اس کا ذبیحہ حلال ہوگا اور کتابی سے نکاح بھی جائز ہوگا اور اگر مجوسی کے تابع کریں تو جائز نہ ہوگا اور چونکہ کفر ایک ہی ملت ہے لہٰذا ٹکراؤ ہوا اور حرام کرنے والی دلیل کو ترجیح ہوتی ہے۔ [1]

ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ کتابی سے نکاح کو ترجیح حاصل ہے وہ اس طرح کہ اس میں بچے پر مجوسی کے مقابلے میں شفقت ہے (کیونکہ کتابی آسمانی کتاب کو مانتا ہے اور مجوسی آگ کی پوجا کرتا ہے)۔

اگر عورت مسلمان ہوجائے اور خاوند غیر مسلم ہو؟

(۱۵۴) [وَاِذَا اَسْلَمَتِ الْمَرْاَةُ وَزَوْجُهَا كَافِرٌ عُرِضَ عَلَيْهِ الْاِسْلَامُ فَاِنْ اَسْلَمَ فَهِيَ اِمْرَاَتُهٗ.

[1] عینی، شرح ہدایہ، جلد: ۲، صفحہ: ۱۸۸

وَاِنْ اَبٰى فَرَّقَ الْقَاضِيْ بَيْنَهُمَا. وَكَانَ ذٰلِكَ طَلَاقًا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ. وَاِنْ اَسْلَمَ الزَّوْجُ وَتَحْتَهُ مَجُوْسِيَّةٌ عَرَضَ عَلَيْهَا الْاِسْلَامَ. فَاِنْ اَسْلَمَتْ فَهِيَ اِمْرَاَتُهٗ. وَاِنْ اَبَتْ فَرَّقَ الْقَاضِيْ بَيْنَهُمَا وَلَمْ تَكُنِ الْفُرْقَةُ طَلَاقًا]

وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ: لَا تَكُوْنُ الْفُرْقَةُ طَلَاقًا فِي الْوَجْهَيْنِ. اَمَّا الْعَرْضُ فَمَذْهَبُنَا. وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: لَا يُعْرَضُ الْاِسْلَامُ؛ لِاَنَّ فِيْهِ تَعَرُّضًا لَهُمْ وَقَدْ ضَمِنَّا بِعَقْدِ الذِّمَّةِ اَنْ لَا نَتَعَرَّضَ لَهُمْ. اِلَّا اَنَّ مِلْكَ النِّكَاحِ قَبْلَ الدُّخُوْلِ غَيْرُ مُتَاَكِّدٍ فَيَنْقَطِعُ بِنَفْسِ الْاِسْلَامِ. وَبَعْدَهُ مُتَاَكِّدٌ فَيَتَاَجَّلُ اِلَى انْقِضَاءِ ثَلَاثِ حِيَضٍ كَمَا فِي الطَّلَاقِ۔

وَلَنَا اَنَّ الْمَقَاصِدَ قَدْ فَاتَتْ فَلَا بُدَّ مِنْ سَبَبٍ يَبْتَنِيْ عَلَيْهِ الْفُرْقَةُ. وَالْاِسْلَامُ طَاعَةٌ لَا يَصْلُحُ سَبَبًا فَيُعْرَضُ الْاِسْلَامُ لِتَحْصُلَ الْمَقَاصِدُ بِالْاِسْلَامِ اَوْ تَثْبُتُ الْفُرْقَةُ بِالْاِبَاءِ۔

وَجْهُ قَوْلِ اَبِيْ يُوْسُفَ اَنَّ الْفُرْقَةَ بِسَبَبٍ يَشْتَرِكُ فِيْهِ الزَّوْجَانِ فَلَا يَكُوْنُ طَلَاقًا كَالْفُرْقَةِ بِسَبَبِ الْمِلْكِ۔

وَلَهُمَا اَنَّ بِالْاِبَاءِ امْتَنَعَ الزَّوْجُ عَنِ الْاِمْسَاكِ بِالْمَعْرُوْفِ مَعَ قُدْرَتِهٖ عَلَيْهِ بِالْاِسْلَامِ فَيَنُوْبُ الْقَاضِيْ مَنَابَهٗ فِي التَّسْرِيْحِ كَمَا فِي الْجُبِّ وَالْعُنَّةِ. اَمَّا الْمَرْاَةُ فَلَيْسَتْ بِاَهْلٍ لِلطَّلَاقِ فَلَا يَنُوْبُ الْقَاضِيْ مَنَابَهَا عِنْدَ اِبَائِهَا [ثُمَّ اِذَا فَرَّقَ بَيْنَهُمَا بِاِبَائِهَا فَلَهَا الْمَهْرُ اِنْ كَانَ دَخَلَ بِهَا] لِتَاَكُّدِهٖ بِالدُّخُوْلِ [وَاِنْ لَمْ يَكُنْ دَخَلَ بِهَا فَلَا مَهْرَ لَهَا]؛ لِاَنَّ الْفُرْقَةَ مِنْ قِبَلِهَا وَالْمَهْرُ لَمْ يَتَاَكَّدْ فَاَشْبَهَ الرِّدَّةَ وَالْمُطَاوَعَةَ۔

ترجمہ: [اور جب عورت مسلمان ہو جائے اور خاوند کافر ہو تو اس پر اسلام پیش کیا جائے پس اگر وہ اسلام قبول کرے تو وہ اس کی بیوی ہوگی اور اگر وہ انکار کرے تو قاضی ان کے درمیان تفریق کر دے اور یہ تفریق امام ابوحنیفہ اور حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک طلاق ہوگی اور اگر خاوند اسلام قبول کرے اور اس کی بیوی مجوسیہ ہو تو اس پر اسلام پیش کیا جائے پس اگر وہ اسلام قبول کرے تو وہ اس کی بیوی ہوگی اور اگر انکار کرے تو قاضی ان کے درمیان تفریق کر دے اور یہ تفریق طلاق نہیں ہوگی]

اور جب کہ حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: دونوں صورتوں میں تفریق طلاق نہیں ہوگی۔

اور (کافر پر اسلام) پیش کرنا ہمارا مذہب ہے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس پر اسلام پیش نہ کیا جائے کیونکہ اس طرح ان کو مجبور کرنا ہے حالانکہ ہم نے عقد ذمہ کے ساتھ ان کو ضمانت دی ہے کہ ان کے معاملات کو نہیں چھیڑیں گے۔

مگر جماع سے پہلے نکاح کی ملک تاکیدی نہیں ہوتی لہٰذا اسلام کی وجہ سے وہ ختم ہو جائے گی اور جماع کے بعد وہ تاکیدی ہوتی ہے تو تین حیض ختم ہونے تک تفریق کا وقت دیا جائے گا جس طرح طلاق میں ہوتا ہے۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ مقاصد فوت ہو چکے ہیں لہٰذا ایسا سبب ضروری ہے جو تفریق کی بنیاد ہے اور اسلام فرمانبرداری کا نام ہے وہ (تفریق کا) سبب بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا لہٰذا (اس کافر پر) اسلام پیش کیا جائے تاکہ اسلام کے ذریعے مقاصد حاصل ہوں یا انکار کی وجہ سے جدائی ثابت ہو جائے۔

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ جدائی ایسے سبب کی بنیاد پر ہے جس میں دونوں میاں بیوی شریک ہیں لہٰذا یہ طلاق نہیں ہوگی جس طرح ملک کے سبب سے فرقت کا حکم ہے۔

طرفین رحمۃ اللہ علیہما کی دلیل یہ ہے کہ (اسلام سے) انکار کی وجہ سے خاوند (اپنی بیوی کو) اچھے طریقے پر روکنے سے رُک گیا حالانکہ وہ اسلام قبول کر کے اس عمل پر قادر ہو سکتا تھا لہٰذا عورت کو چھوڑنے کے سلسلے میں قاضی اس کے قائم مقام ہوگا جس طرح مجبوب اور عنین میں ہوتا ہے۔ اور عورت چونکہ طلاق دینے کی اہل نہیں تو اس کے انکار کی صورت میں قاضی اس کے قائم مقام نہیں ہوگا۔

[پھر جب عورت کے انکار کی وجہ سے ان کے درمیان تفریق ہوگئی تو اس کے لیے مہر ہوگا اور مرد نے جماع کیا ہو]

کیونکہ جماع کی وجہ سے نکاح پکا ہو گیا۔

[اور اگر اس نے جماع نہیں کیا تو اس کے لیے مہر نہیں ہوگا]

کیونکہ تفریق عورت کی جانب سے ہے اور مہر پکا اور موکد نہیں ہوا تو یہ مرتد ہونے اور (خاوند کے بیٹے کی) اطاعت کے مشابہ ہو گیا۔

توضیح: اگر کافر میاں بیوی میں سے کوئی ایک اسلام قبول کرے تو کیا حکم ہوگا؟

تو اس سلسلے میں دو صورتیں ہیں مرد اسلام قبول کرے گا یا عورت، اگر عورت اسلام قبول کرے تو تفریق سے پہلے مرد کو اسلام کی دعوت دی جائے اگر وہ اسلام قبول کر لے تو ان کا نکاح برقرار ہوگا اور وہ بدستور میاں بیوی رہیں گے اور اگر وہ انکار کرے تو قاضی ان کے درمیان تفریق کر دے۔

اسلام پیش کرنے کی وجہ یہ ہے کہ دین اسلام ملانے کے لیے آیا ہے جدا کرنے کے لیے نہیں آیا اس لیے اگر عورت کے اسلام قبول کرنے سے تفریق ہو تو گویا اسلام تفریق کا سبب بنا جو درست نہیں۔

اور جب خاوند اسلام قبول کرنے سے انکار کرے گا تو یہ انکار تفریق کا سبب بنے گا۔

حضرت امام ابو حنیفہ اور حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک یہ تفریق طلاق ہوگی فسخ نکاح نہیں ہوگا اس کی وجہ یہ ہے کہ خاوند کی طرف سے اس کو اچھے طریقے سے رکھنا باقی نہ رہا تو اسے چھوڑنا لازم ہوا لہٰذا یہ طلاق ہوگئی۔

اور اگر خاوند اسلام قبول کرے اور عورت مجوسیہ ہو تو عورت کو اسلام کی دعوت دی جائے اگر وہ اسلام قبول کرے تو ان کا

نکاح برقرار رہے گا اور اگر وہ انکار کرے تو قاضی ان کے درمیان تفریق کر دے اور یہ تفریق طلاق نہیں ہوگی بلکہ فسخ نکاح ہوگا۔

مجوسیہ کی قید اس لیے کہ کتابیہ عورت سے مسلمان مرد کا نکاح ہو سکتا ہے لہٰذا یہ نکاح برقرار رہے گا۔

دوسری بات یہ کہ یہ تفریق (مجوسیہ کی صورت میں) فسخ نکاح ہوگا طلاق نہیں ہوگی اس کی وجہ یہ ہے کہ اب تفریق عورت کی جانب سے ہو رہی ہے اور طلاق دینا مرد کا کام ہے عورت کا نہیں۔

اس مسئلہ میں حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں دونوں صورتوں میں تفریق طلاق نہیں ہوگی ان کی دلیل یہ ہے کہ فرقت ایسے سبب سے ہے جس میں دونوں میاں بیوی شریک ہیں یعنی جب میاں بیوی میں سے ایک غلام ہو اور دوسرا اسے خرید لے تو مالک و مملوک ہونے کی وجہ سے تفریق ہو جائے گی اور یہ سبب دونوں میں مشترک ہے۔

نوٹ: فسخ نکاح کا فائدہ یہ ہوگا کہ طلاق کی تعداد کم نہیں ہوگی۔

طرفین رحمہما اللہ کی دلیل گزر چکی ہے یعنی ان کے نزدیک جب خاوند اسلام قبول کر کے بیوی کو اپنے ہاں اچھے طریقے سے رکھنے پر قادر ہو سکتا ہے لیکن وہ ایسا نہیں کرتا تو قاضی اس کے قائم مقام ہو کر دونوں میں تفریق کر دے گا۔

جس طرح نامرد (عنین) اور جس کے اعضائے مخصوصہ کٹے ہوئے ہوں (مجبوب) کا یہی حکم ہے۔

لیکن چونکہ عورت طلاق دینے کی اہل نہیں لہٰذا قاضی اس کے قائم مقام نہیں ہو سکتا اس لیے اس صورت میں طلاق نہیں بلکہ فسخ نکاح ہوگا۔

اسلام پیش کرنے کے بارے میں ہمارا موقف یہ ہے کہ جب میاں بیوی میں سے ایک اسلام قبول کرے تو دوسرے کو اسلام کی دعوت دی جائے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اس میں اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں جب ہم نے ان سے عہد کیا تو ہم نے ان کو ضمانت دی کہ ہم ان کے دین کو نہیں چھیڑیں گے۔

البتہ ان کے نزدیک تفریق کی صورت یہ ہے کہ اگر جماع نہیں ہوا تو ملک غیر موکد ہے اور وہ ایک فریق کے اسلام قبول کرنے سے ہی ختم ہو جائے گی۔

اور اگر جماع ہو چکا ہے تو جب تک تین حیض مکمل نہیں ہو جاتے ملک نکاح باقی رہے گی جس طرح طلاق کی صورت میں ہوتا ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ نکاح کے مقاصد فوت ہو گئے یعنی اب ان کے درمیان میاں بیوی کا رشتہ قائم نہیں رہ سکتا لہٰذا تفریق کے لیے کوئی سبب پایا جانا ضروری ہے۔ اور اسلام فرمانبرداری کا نام ہے وہ جدائی کا سبب نہیں ہو سکتا اس لیے دوسرے فریق پر اسلام پیش کیا جائے تاکہ اس کے اسلام لانے سے رشتہ ازدواج برقرار رہے اور نکاح کے مقاصد حاصل ہوں اور اگر وہ اقرار کرے تو تفریق کی بنیاد اسلام سے انکار کو قرار دیا جائے۔

تفریق کی صورت میں مہر کا حکم کیا ہوگا؟

اگر اسلام سے انکار کی وجہ سے تفریق کی جائے تو دیکھا جائے اگر جماع ہو چکا ہے تو ملک نکاح کے موکد ہونے کی وجہ سے پورا مہر دیا جائے اور اگر جماع نہیں ہوا تو عورت کو مہر نہیں ملے گا کیونکہ تفریق کا سبب وہی ہے اور عدم جماع کی وجہ سے مہر موکد نہیں ہوا اور یہ اسی طرح ہے جیسے کوئی عورت مرتد ہو جائے اور جماع نہ ہوا تو اسے مہر نہیں ملے گا کیونکہ قصور اسی کا ہے۔

اسی طرح اگر عورت اپنے خاوند کے پہلی بیوی سے جوان بیٹے کی بات مان کر اسے وطی کی اجازت دے اور اس خاوند نے اس سے جماع نہ کیا تو وہ بھی مہر سے محروم ہوگی کیونکہ اس کے جرم کی سزا ہے۔

اگر کوئی عورت دار الحرب میں مسلمان ہو جائے

(۱۵۵) [وَإِذَا أَسْلَمَتِ الْمَرْأَةُ فِيْ دَارِ الْحَرْبِ وَزَوْجُهَا كَافِرٌ أَوْ أَسْلَمَ الْحَرْبِيُّ وَتَحْتَهُ مَجُوْسِيَّةٌ لَمْ يَقَعِ الْفُرْقَةُ عَلَيْهَا حَتّٰى تَحِيْضَ ثَلَاثَ حِيَضٍ ثُمَّ تَبِيْنَ مِنْ زَوْجِهَا]

وَهٰذَا لِأَنَّ الْإِسْلَامَ لَيْسَ سَبَبًا لِّلْفُرْقَةِ. وَالْعَرْضُ عَلَى الْإِسْلَامِ مُتَعَذِّرٌ لِقُصُوْرِ الْوَلَايَةِ. وَلَا بُدَّ مِنَ الْفُرْقَةِ دَفْعًا لِّلْفَسَادِ فَأَقَمْنَا شَرْطَهَا وَهُوَ مُضِيُّ الْحَيْضِ مَقَامَ السَّبَبِ كَمَا فِيْ حَفْرِ الْبِئْرِ.

وَلَا فَرْقَ بَيْنَ الْمَدْخُوْلِ بِهَا وَغَيْرِ الْمَدْخُوْلِ بِهَا. وَالشَّافِعِيُّ يَفْصِلُ كَمَا مَرَّ لَهٗ فِيْ دَارِ الْإِسْلَامِ

وَإِذَا وَقَعَتِ الْفُرْقَةُ وَالْمَرْأَةُ حَرْبِيَّةٌ فَلَا عِدَّةَ عَلَيْهَا وَإِنْ كَانَتْ هِيَ الْمُسْلِمَةُ فَكَذٰلِكَ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ خِلَافًا لَهُمَا. وَسَيَأْتِيْكَ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى

ترجمہ: [اور جب کوئی عورت دار الحرب میں مسلمان ہو جائے اور اس کا خاوند کافر ہو یا کوئی حربی کافر مسلمان ہو جائے اور اس کے نکاح میں مجوسی عورت ہو تو جب تک تین حیض نہ گزریں ان کے درمیان تفریق نہیں ہوگی پھر وہ اپنے خاوند سے جدا ہو جائے گی]

اور یہ اس لیے کہ اسلام جدائی کا سبب نہیں اور ان پر اسلام پیش کرنا مشکل ہے کیونکہ (ان پر) ولایت میں نقص ہے اور فساد کو ختم کرنے کے لیے تفریق ضروری ہے پس ہم نے اس کی شرط یعنی تین حیض گزرنے کو سبب کے قائم مقام کیا جس طرح کنویں کا مسئلہ ہے اور وہ عورت مدخول بھا ہو یا نہ ہو، دونوں صورتوں میں فرق نہیں (ایک ہی حکم ہے) اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ دونوں میں فرق کرتے ہیں جس طرح اس سے پہلے دار الاسلام میں پائی جانے والی اس صورت کا حکم گزر چکا ہے۔

اور جب ان کے درمیان تفریق کی جائے اور عورت حربی ہو تو اس پر عدت نہیں ہوگی اور اگر وہ مسلمان ہو تو حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا بھی یہی حکم ہے اور اس میں صاحبین رحمہما اللہ کا اختلاف ہے۔

توضیح: دارالحرب میں کوئی خاتون اسلام قبول کرے اور اس کا خاوند کافر ہی رہے یا حربی کافر مسلمان ہو جائے اور اس کی بیوی مجوسیہ ہو تو ان کے درمیان اس وقت تک تفریق نہیں ہوگی جب تک تین حیض گزر نہ جائیں جب تین حیض گزر جائیں تو وہ اپنے خاوند سے جدا ہو جائے گی۔

مرد کے ساتھ مجوسی کی قید نہیں اس کی وجہ یہ ہی کہ مرد مجوسی ہو یا کتابی مسلمان عورت اس کی بیوی نہیں ہو سکتی۔

اور عورت کے ساتھ مجوسی ہونے کی قید اس لیے ہے کہ اگر وہ کتابی عورت ہے تو اس کے ساتھ مسلمان مرد کا نکاح جائز ہے لہٰذا اس کا خاوند مسلمان ہو جائے تو نکاح برقرار رہے گا۔

گذشتہ مسئلہ میں بیان ہوا کہ میاں بیوی میں سے اگر کوئی مسلمان ہو جائے تو دوسرے پر اسلام پیش کیا جائے اگر وہ انکار کرے تو تفریق کر دی جائے یہاں یہ صورت نہیں ہو سکتی کیونکہ دارالحرب کے لوگوں پر مسلمان حکومت کو ولایت حاصل نہیں کہ اسے اسلام کی دعوت دی جائے اور اسلام تفریق کا سبب بھی نہیں اور دونوں کے درمیان تفریق ضروری ہے تاکہ فساد کو دور کیا جائے یعنی مسلمان عورت کا کافر کے نکاح میں ہونا فساد ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ حکم کی اضافت جب علت اور سبب کی طرف نہ ہو سکے تو شرط کی طرف ہوتی ہے اور یہاں تین حیض گزرنا شرط ہے جسے سبب یعنی اس شخص کے اسلام لانے سے انکار کے قائم مقام قرار دیا گیا۔

اس کی مثال یہ ہے کہ کسی شخص نے راستے میں کنواں کھودا اور کوئی شخص اس میں گر کر مر گیا تو گرنے کی علت اس بندہ کا ثقل یعنی جسمانی وزن ہے لیکن ضمان اس پر نہیں آ سکتی لہٰذا کنواں کھودنے پر ضمان ہوگی اور وہ شرط ہے کیونکہ زمین گرنے سے روکتی ہے اور کنواں کھودنا گرنے کا ذریعہ بنا۔

تین حیض کے بعد فرقت کے سلسلے میں مدخول بہا (جس سے جماع کیا گیا) اور غیر مدخول بہا (جس سے جماع نہیں ہوا) دونوں کا حکم ایک ہے۔

اس سلسلے میں امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کا اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں اگر جماع سے پہلے اسلام قبول کرے تو اُسی وقت تفریق ہو جائے گی اور جب ان میں ایک اسلام قبول کرے اور اگر جماع کے بعد قبول کرے تو تین حیض گزرنے پر فرقت ہوگی۔

وہ فرماتے ہیں: دارالاسلام میں بھی یہی تفصیل ہے۔

تفریق کے بعد عورت کے بارے میں ائمہ احناف فرماتے ہیں اگر وہ حربی عورت ہے تو اس پر عدت لازم نہیں ہوگی اس پر اتفاق ہے کیونکہ حربیہ ہونے کی وجہ سے اس پر اسلام کے احکام نافذ نہیں ہوتے اور اگر وہ مسلمان ہے تو حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا بھی یہی حکم ہے اگر جماع کے بعد تفریق ہو تو صاحبین کے نزدیک اس پر عدت واجب ہے (یہ مسئلہ بعد میں بیان ہوگا)۔

جب کتابی عورت کا خاوند مسلمان ہو جائے

(۱۵۶) [وَاِذَا اَسْلَمَ زَوْجُ الْكِتَابِيَّةِ فَهُمَا عَلٰى نِكَاحِهِمَا]؛ لِاَنَّهُ يَصِحُّ النِّكَاحُ بَيْنَهُمَا اِبْتِدَاءً فَلِاَنْ يَبْقٰى اَوْلٰى۔

ترجمہ: [اور جب کتابیہ عورت کا خاوند مسلمان ہو جائے تو ان دونوں کا نکاح برقرار رہے گا] کیونکہ ابتدائی طور پر ان کے درمیان نکاح صحیح ہے تو باقی رہنا بدرجۂ اولیٰ صحیح ہوگا

توضیح: اہل کتاب عورت کا مسلمان مرد کے ساتھ نکاح صحیح ہوتا ہے اب اگر وہ دونوں اہل کتاب ہوں اور بعد میں خاوند مسلمان ہو جائے تو ان کا نکاح برقرار رہے گا۔

ان کے درمیان تفریق نہیں ہوگی کیونکہ جب وہ شروع میں اس سے نکاح کر سکتا ہے تو اس نکاح کا باقی رہنا بدرجہ اولیٰ صحیح ہوگا کیونکہ ابتداء کے مقابلے میں بقاء اصل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کئی باتیں نکاح کے شروع میں برداشت نہیں ہوتیں لیکن حالت بقا میں برداشت ہوتی ہیں۔ جیسے کسی کی منکوحہ عورت سے شبہ کے ساتھ وطی ہو جائے تو وہ عدت گزارے گی لیکن نکاح برقرار رہے گا لیکن جس عورت سے شبہ میں وطی ہوئی اور وہ عدت گزار رہی ہو تو اس سے نکاح کرنا جائز نہیں۔ ◆

میاں بیوی میں سے ایک مسلمان ہو کر دار الاسلام میں آ جائے تو حکم کیا ہوگا

(۱۵۷) قَالَ: [وَاِذَا خَرَجَ اَحَدُ الزَّوْجَيْنِ اِلَيْنَا مِنْ دَارِ الْحَرْبِ مُسْلِمًا وَّقَعَتِ الْبَيْنُوْنَةُ بَيْنَهُمَا] وَقَالَ الشَّافِعِيُّ لَا تَقَعُ

[وَلَوْ سُبِيَ اَحَدُ الزَّوْجَيْنِ وَقَعَتِ الْبَيْنُوْنَةُ بَيْنَهُمَا. وَاِنْ سُبِيَا مَعًا لَمْ تَقَعَ الْبَيْنُوْنَةُ] وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: وَقَعَتْ. فَالْحَاصِلُ اَنَّ السَّبَبَ هُوَ التَّبَايُنُ دُوْنَ السَّبْيِ عِنْدَنَا وَهُوَ يَقُوْلُ بِعَكْسِهٖ۔

لَهُ اَنَّ لِلتَّبَايُنِ اَثَرُهُ فِي انْقِطَاعِ الْوَلَايَةِ. وَذٰلِكَ لَا يُؤَثِّرُ فِي الْفُرْقَةِ كَالْحَرْبِيِّ الْمُسْتَأْمَنِ وَالْمُسْلِمِ الْمُسْتَأْمَنِ. اَمَّا السَّبْيُ فَيَقْتَضِي الصَّفَاءَ لِلسَّابِيْ وَلَا يَتَحَقَّقُ اِلَّا بِانْقِطَاعِ النِّكَاحِ. وَلِهٰذَا يَسْقُطُ الدَّيْنُ عَنْ ذِمَّةِ الْمَسْبِيِّ۔

وَلَنَا اَنَّ مَعَ التَّبَايُنِ حَقِيْقَةً وَّ حُكْمًا لَا تَنْتَظِمُ الْمَصَالِحُ فَشَابَهَ الْمَحْرَمِيَّةَ وَالسَّبْيُ

◆ عینی، جلد: ۲، صفحہ: ۱۹۱

يُوْجِبُ مِلْكَ الرَّقَبَةِ وَهُوَ لَا يُنَافِي النِّكَاحَ ابْتِدَاءً فَكَذٰلِكَ بَقَاءً وَّصَارَ كَالشِّرَاءِ ثُمَّ هُوَ يَقْتَضِي الصَّفَاءَ فِي مَحَلِّ عَمَلِهِ وَهُوَ الْمَالُ لَا فِي مَحَلِّ النِّكَاحِ۔

وَفِي الْمُسْتَأْمِنِ لَمْ تَتَبَايَنِ الدَّارُ حُكْمًا لِقَصْدِهِ الرُّجُوْعَ۔

ترجمہ: حضرت امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: [اگر میاں بیوی میں سے کوئی مسلمان ہو کر دارالحرب سے ہمارے ملک میں آ جائے تو ان کے درمیان جدائی ہو جائے گی]

اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جدائی نہیں ہوگی۔

[اور اگر میاں بیوی میں سے ایک کو قیدی بنایا گیا تو ان کے درمیان جدائی ہو جائے گی اور اگر دونوں کو اکٹھے قیدی بنایا گیا تو جدائی واقع نہیں ہوگی]

اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جدائی ہو جائے گی۔

پس خلاصہ یہ ہوا کہ ہمارے نزدیک جدائی کا سبب دونوں ملکوں کا مختلف ہونا ہے قید ہونا نہیں جب کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس کے برعکس فرماتے ہیں۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ ملک کا اختلاف ولایت کے منقطع ہونے پر اثر انداز ہوتا ہے لیکن علیحدگی پر اس کا اثر نہیں ہوتا جس طرح حربی مستامن اور مسلمان مستامن کا حکم ہے (کسی ملک میں امن حاصل کرنے والا مستامن ہوتا ہے) جہاں تک قید کا تعلق ہے تو وہ قیدی کے قید کرنے والے کے لیے خاص ہونے کا تقاضا کرتا ہے اور یہ بات نکاح کے انقطاع کے بغیر متحقق نہیں ہو سکتی۔

اسی لیے قیدی سے قرض ساقط ہو جاتا ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ جب ملک الگ الگ ہوں چاہے حقیقتاً الگ الگ ہوں یا حکمی طور پر ہوں تو مصالح (نکاح کے مقاصد) پورے نہیں ہو سکتے تو یہ محرم ہونے کے مشابہ ہے۔

اور قید ملک رقبہ (غلامی) کو واجب کرتی ہے اور یہ ابتدائی طور پر نکاح کے منافی نہیں ہے نکاح کے باقی رہنے کی حالت میں بھی منافی نہیں اور یہ خریدنے کی طرح ہے پھر اس (قیدی) کا قید کرنے والے کے لیے خالص ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اپنے عمل کے مقام پر خالص ہو اور وہ مال ہے محل نکاح میں نہیں۔

اور مستامن کے معاملے میں حکمی طور پر ملک کا اختلاف نہیں کیونکہ وہ واپس کا ارادہ رکھتا ہے۔

توضیح: یہاں دو مسئلوں کے حوالے سے بیان ہے ایک یہ کہ جب میاں بیوی میں سے ایک مسلمان ہو کہ دارالحرب سے دارالاسلام میں آ جائے۔

اور دوسرا جب دونوں میں سے کسی ایک کو قید کر کے لایا جائے دونوں مسائل میں احناف اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے

درمیان اختلاف ہے۔

اگر ان میں سے ایک مسلمان ہو کر دارالاسلام میں آ جائے تو ہمارے نزدیک ان کے درمیان جدائی ہو جائے گی۔

اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جدائی نہیں ہوگی اور اگر ان میں سے کسی ایک کو گرفتار کر لیا جائے تو ان کے درمیان جدائی ہو جائے گی لیکن جب دونوں کو اکٹھے گرفتار کیا جائے تو جدائی نہیں ہوگی۔

لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جدائی ہو جائے گی۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ جب ملک کا اختلاف ہو تو ولایت کے انقطاع پر اس کا اثر ہوتا ہے یعنی ایک ملک دوسرے ملک پر کوئی اختیار نہیں رکھتا لیکن اس کا میاں بیوی کے درمیان جدائی پر کوئی اثر نہیں ہوتا جس طرح کوئی حربی شخص امن لے کر (ویزا لے کر) مسلمان ملک میں جاتا ہے تو اس دوران دارالحرب کی ولایت اس پر نہیں رہتی لیکن ان میاں بیوی نکاح باقی رہتا ہے۔

اسی طرح اگر کوئی مسلمان (ویزے کے ساتھ یعنی) امن لے کر دارالحرب میں جائے تو اس کی حکومت کی ولایت اس پر نہ ہونے کے باوجود نکاح باقی رہتا ہے۔

قیدی والے مسئلہ میں وہ فرماتے ہیں کہ قیدی، خاص قید کرنے والے کے لیے ہوتا ہے اور اس کے لیے نکاح کا ختم ہونا ضروری ہے۔ وہ فرماتے ہیں اسی لیے قید کیے گئے شخص سے قرض ساقط ہو جاتا ہے یعنی اس کے ذمہ کفار کا جو قرض ہے وہ ساقط ہو جاتا ہے ہماری دلیل یہ ہے کہ ملک الگ الگ ہوں چاہے حقیقتاً ہوں یا حکماً اس صورت میں نکاح کے مقصد پورے نہیں ہو سکتے یعنی جب مرد ایک ملک میں اور بیوی دوسرے ملک میں ہو تو نکاح کے مقاصد پورے نہیں ہو سکتے لہٰذا اسی طرح ہے جیسے وہ ایک دوسرے کے لیے محرم ہوں اس لیے ان کے درمیان جدائی ہو جائے گی۔ جہاں تک قیدی کا تعلق ہے تو اس سے صرف یہ بات لازم آتی ہے کہ قید کرنے والا اس کا مالک ہو گیا اور اس صورت میں نکاح کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں یعنی غلام کا نکاح ہو سکتا ہے تو اس کے باقی رہنے میں بھی کوئی رکاوٹ نہیں۔

اور یہ اسی طرح ہے جیسے کوئی شخص کسی دوسرے آدمی کی منکوحہ لونڈی کو خریدے تو اس سے نکاح میں فرق نہیں آتا۔

اور جہاں تک قیدی کے قید کرنے والے کے لیے خالص ہونے کا تعلق ہے تو اس کا تعلق عمل کے ساتھ یعنی مال کے ساتھ ہے نکاح سے تعلق نہیں کیونکہ نکاح کے ذریعے منافع بُضع حاصل ہوتے ہیں اور یہ نفع بحیثیت آدمی حاصل کیا جاتا ہے مال کے طور پر نہیں اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے جو مستامن کی مثال دی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ مستامن جب کسی ملک میں جاتا ہے تو اس کا واپسی کا ارادہ ہوتا ہے لہٰذا حکمی طور پر دو مختلف ملک نہ ہوئے۔

اگر عورت ہجرت کر کے اسلامی ملک میں آ جائے

(۱۵۸) [وَاِذَا خَرَجَتِ الْمَرْاَۃُ اِلَیْنَا مُھَاجِرَۃً جَازَ لَھَا اَنْ تَزَوَّجَ وَلَا عِدَّۃَ عَلَیْھَا] عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ۔ وَقَالَ: عَلَیْھَا الْعِدَّۃُ؛ لِاَنَّ الْفُرْقَۃَ وَقَعَتْ بَعْدَ الدُّخُوْلِ فِیْ دَارِ الْاِسْلَامِ فَیَلْزَمُھَا حُکْمُ الْاِسْلَامِ۔

وَلِأَبِيْ حَنِيْفَةَ أَنَّهَا أَثَرُ النِّكَاحِ الْمُتَقَدِّمِ وَجَبَتْ إِظْهَارًا لِخَطَرِهٖ، وَلَا خَطَرَ لِمِلْكِ الْحَرْبِيِّ، وَلِهٰذَا لَا تَجِبُ عَلَى الْمَسْبِيَّةِ وَإِنْ كَانَتْ حَامِلًا لَمْ تَزَوَّجْ حَتّٰى تَضَعَ حَمْلَهَا] وَعَنْ أَبِيْ حَنِيْفَةَ أَنَّهٗ يَصِحُّ النِّكَاحُ وَلَا يَقْرَبُهَا زَوْجُهَا حَتّٰى تَضَعَ حَمْلَهَا كَمَا فِي الْحُبْلٰى مِنَ الزِّنَا۔

وَجْهُ الْأَوَّلِ أَنَّهٗ ثَابِتُ النَّسَبِ فَإِذَا ظَهَرَ الْفِرَاشُ فِيْ حَقِّ النَّسَبِ يَظْهَرُ فِيْ حَقِّ الْمَنْعِ مِنَ النِّكَاحِ احْتِيَاطًا۔

ترجمہ: [اور جب کوئی عورت (دارالحرب سے) ہجرت کر کے ہماری طرف (اسلامی حکومت میں) آ جائے تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ نکاح کرے اور اس پر کوئی عدت نہیں ہوگی]

یہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔

اور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں اس پر عدت لازم ہے کیونکہ اسلامی ملک میں داخل ہونے کے بعد (ان میاں بیوی کے درمیان) علیحدگی ہوگئی ہے پس اس پر اسلامی حکم لازم ہے۔

اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ عدت گذشتہ نکاح کا اثر ہے تا کہ اس کی اہمیت کو ظاہر کیا جائے اور حربی کی ملک کا کوئی احترام اور اہمیت نہیں۔

اسی لیے گرفتار کی گئی عورت پر عدت واجب نہیں اور اگر وہ حاملہ ہو تو جب تک بچہ پیدا نہ ہو جائے وہ نکاح نہ کرے]

اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک قول منقول ہے کہ اس کا نکاح صحیح ہے لیکن اس کا خاوند اس کے قریب نہ جائے تو جب تک بچہ پیدا نہ ہو جائے جس طرح زنا سے حاملہ ہونے والی عورت کا حکم ہے۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ اس حمل کا نسب ثابت ہے اور جب نسب ثابت ہے اور نسب کے حق میں فراش (اس کا منکوحہ ہونا) ظاہر ہے تو احتیاط کے طور پر نکاح سے منع کرنے کے حق میں بھی وہ ظاہر ہوگا۔

توضیح: دارالحرب سے ہجرت کر کے اسلامی ملک میں آنے والی خاتون کے بارے میں دو باتوں کا ذکر کیا گیا دوسری بات یہ کہ اگر وہ حاملہ ہو تو کیا وہ بچے کی پیدائش سے پہلے نکاح کر سکتی ہے؟

پہلے مسئلہ میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا موقف یہ ہے کہ اُسے عدت گزارنے کی ضرورت نہیں اور وہ بغیر عدت گزارے نکاح کر سکتی ہے جب کہ صاحبین کے نزدیک اس پر عدت لازم ہے۔ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ اس عورت اور اس کے خاوند کے درمیان علیحدگی اس کے دارالاسلام میں آنے کے بعد ہوئی ہے لہٰذا وہ اسلامی احکام کی پابند ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ عدت گذشتہ نکاح کا اثر ہوتا ہے تا کہ اس نکاح کے احترام کو باقی رکھا جائے اور حربی کی ملک کا کوئی احترام نہیں ہوتا لہٰذا عدت نہیں ہوگی وہ فرماتے ہیں اس کا وہی حکم ہے جو گرفتار کر کے دارالاسلام میں لائی گئی عورت کا ہے اس پر بھی عدت نہیں۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر وہ خاتون حاملہ ہو تو کیا وہ بچہ پیدا ہونے سے پہلے آگے نکاح کر سکتی ہے تو اس کا حکم یہ ہے کہ وہ نکاح نہیں کر سکتی کیونکہ اس کے بچے کا نسب ثابت ہے تو جب نسب کے سلسلے میں اس کا فراش (یعنی کسی کی منکوحہ ہونا) ثابت ہے تو نکاح سے منع کرنے میں بھی ثابت ہوگا اور احتیاط کا تقاضا یہی ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک قول اس طرح منقول ہے کہ وہ نکاح کر سکتی ہے لیکن مرد اس کے قریب نہ جائے جس طرح کوئی عورت زنا سے حاملہ ہو جائے تو اس سے بھی نکاح ہو سکتا ہے لیکن خاوند اس سے صحبت نہیں کر سکتا۔

اگر میاں بیوی میں سے کوئی ایک مرتد ہو جائے؟

(۱۵۹) قَالَ: [وَاِذَا ارْتَدَّ اَحَدُ الزَّوْجَيْنِ عَنِ الْاِسْلَامِ وَقَعَتِ الْفُرْقَةُ بِغَيْرِ طَلَاقٍ] وَهٰذَا عِنْدَ اَبِیْ حَنِيْفَةَ وَاَبِیْ يُوْسُفَ۔

وَقَالَ مُحَمَّدٌ: اِنْ كَانَتِ الرِّدَّةُ مِنَ الزَّوْجِ فَهِیَ فُرْقَةٌ بِطَلَاقٍ، هُوَ يَعْتَبِرُهٗ بِالْاِبَاءِ وَالْجَامِعُ مَا بَيَّنَّاهُ، وَاَبُوْ يُوْسُفَ مَرَّ عَلٰى مَا اَصَّلْنَا لَهٗ فِی الْاِبَاءِ، وَاَبُوْ حَنِيْفَةَ فَرَّقَ بَيْنَهُمَا۔

وَوَجْهُ الْفَرْقِ اَنَّ الرِّدَّةَ مُنَافِيَةٌ لِلنِّكَاحِ لِكَوْنِهَا مُنَافِيَةً لِلْعِصْمَةِ وَالطَّلَاقُ رَافِعٌ فَتَعَذَّرَ اَنْ تُجْعَلَ طَلَاقًا،

بِخِلَافِ الْاِبَاءِ؛ لِاَنَّهٗ يَفُوْتُ الْاِمْسَاكُ بِالْمَعْرُوْفِ فَيَجِبُ التَّسْرِيْحُ بِالْاِحْسَانِ عَلٰى مَا مَرَّ. وَلِهٰذَا تَتَوَقَّفُ الْفُرْقَةُ بِالْاِبَاءِ عَلَى الْقَضَاءِ وَلَا تَتَوَقَّفُ بِالرِّدَّةِ

[ثُمَّ اِنْ كَانَ الزَّوْجُ هُوَ الْمُرْتَدُّ فَلَهَا كُلُّ الْمَهْرِ اِنْ دَخَلَ بِهَا وَنِصْفُ الْمَهْرِ اِنْ لَّمْ يَدْخُلْ بِهَا. وَاِنْ كَانَتْ هِیَ الْمُرْتَدَّةُ فَلَهَا كُلُّ الْمَهْرِ اِنْ دَخَلَ بِهَا. وَاِنْ لَّمْ يَدْخُلْ بِهَا فَلَا مَهْرَ لَهَا وَلَا نَفَقَةَ]؛ لِاَنَّ الْفُرْقَةَ مِنْ قِبَلِهَا۔

ترجمہ: فرماتے ہیں: [اور جب میاں بیوی میں سے کوئی ایک اسلام سے پھر جائے (معاذ اللہ) تو طلاق کے بغیر ان میں جدائی ہو جائے گی] یہ حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک ہے۔

اور حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر دین سے پھرنا عورت کی جانب سے ہے تو یہ جدائی طلاق ہے وہ اسے (اسلام سے) انکار پر قیاس کرتے ہیں اور دونوں کے درمیان مشترکہ علت ہم بیان کر چکے ہیں

اور حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ انکار کی صورت میں ہمارے قاعدے پر عمل کرتے ہیں، اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ان دونوں میں فرق کرتے ہیں۔

فرقہ کی وجہ یہ ہے کہ مرتد ہونا نکاح کے منافی ہے کیونکہ وہ عصمت کے خلاف ہے اور طلاق (نکاح کو) ختم کرنے والی

ہے۔ پس اسے طلاق قرار دینا متعذر رہے۔

بخلاف انکار کے کیونکہ اس سے عورت کو اچھی طرح روک لینے کا عمل فوت ہو جاتا ہے لہٰذا اچھے طریقے سے اسے چھوڑنا واجب ہوتا ہے جیسا کہ پہلے گزر گیا۔ اسی لیے انکار کی صورت میں علیحدگی، قاضی کے فیصلے پر موقوف ہوتی ہے اور مرتد ہونے کی صورت میں اس پر موقوف نہیں ہوتی۔

[پھر اگر خاوند مرتد ہوا ہو تو عورت کے لیے پورا مہر ہوگا اگر اس نے جماع کیا اور نصف مہر ہوگا اگر جماع نہیں کیا اور اگر عورت مرتد ہوئی تو جماع کی صورت میں پورا مہر ہوگا اور اگر جماع نہیں ہوا تو نہ مہر ہوگا نہ نفقہ کیونکہ علیحدگی عورت کی وجہ سے ہوئی ہے]۔

توضیح: اگر مسلمان مرد و عورت میں سے کوئی ایک (معاذ اللہ) مرتد ہو جائے تو اس اعتبار سے دو باتیں ذکر کی گئی ہیں۔

پہلی بات یہ کہ ان کے درمیان جو جدائی ہوگی وہ طلاق قرار پائے گی یا فسخ نکاح ہوگا؟

دوسری بات یہ کہ عورت کے مہر کا کیا حکم ہوگا؟

حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام ابویوسف رحمہما اللہ کے نزدیک جب میاں بیوی میں سے کوئی ایک اسلام سے پھر جائے تو ان کے درمیان علیحدگی ہو جاتی ہے اور یہ علیحدگی طلاق نہیں ہوگی جماع ہو یا نہ۔

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اس میں فرق کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں اگر خاوند مرتد ہوا ہو تو یہ علیحدگی طلاق ہوگی اور اگر عورت مرتد ہوئی تو ان کا موقف شیخین کے موقف کی طرح ہے کہ طلاق نہیں ہوگی بلکہ فسخ نکاح ہوگا۔

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اسے دوسرے فریق کے انکار پر قیاس کرتے ہیں یعنی جب کافر میاں بیوی میں سے کوئی ایک مسلمان ہو جائے اور دوسرے پر اسلام پیش کیا جائے اور وہ انکار کرے تو قاضی ان کے درمیان تفریق کر دے۔

اسلام سے انکار اور ارتداد دونوں میں ایک بات جامع ہے وہ یہ کہ خاوند اسے اچھے طریقے سے رکھ نہیں سکتا تو مناسب طریقے پر چھوڑنا ہوگا اور قاضی اس کی طرف سے قائم مقام ہو کر تفریق کرے گا اور یہ طلاق ہوگی۔

اور چونکہ عورت طلاق دینے کی مجاز نہیں لہٰذا اس کی طرف سے انکار یا ارتداد کی صورت میں طلاق نہیں بلکہ فسخ نکاح ہوگا۔

حضرت امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ انکار کرنے کے سلسلے میں اس ضابطے پر عمل کرتے ہیں کہ علیحدگی مشترک سبب ہے لہٰذا طلاق نہیں ہوگی (پہلے گزر چکا ہے)

اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ انکار اور ارتداد میں فرق کرتے ہیں اور اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی مرتد ہو جاتا ہے تو اس کی جان و مال محفوظ و معصوم نہیں رہتیں اور اس وجہ سے ارتداد نکاح کے منافی ہے اور حکمی طور پر موت کی طرح ہے۔

اور طلاق نکاح کے منافی نہیں بلکہ نکاح کو ختم کرنے کا ذریعہ ہے لہٰذا دونوں میں فرق ہے اسی لیے اگر وہ اسلام لانے سے انکار کرے تو خود بخود نکاح ختم نہیں ہوگا بلکہ قاضی کے فیصلے پر موقوف ہوگا اور مرتد ہونے کی صورت میں قاضی کے

15

فیصلے پر موقوف نہیں ہوتا۔

دوسرا مسئلہ مہر سے متعلق ہے اگر مرد مرتد ہوا تو دیکھا جائے جماع ہوا تھا یا نہیں اگر ہوا تو پورا مہر اور اگر نہیں ہوا تو نصف مہر لازم ہوگا۔

اور اگر عورت مرتد ہوئی ہے تو جماع کی صورت میں پورا مہر دینا ہوگا اور اگر جماع نہیں ہوا تو عورت کے لیے کچھ بھی نہیں ہوگا اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت کے مرتد ہونے کی وجہ علیحدگی ہوئی یعنی قصوروار عورت ہے۔

البتہ جماع کی صورت میں جماع کی وجہ سے مہر دینا ہوتا ہے اگر چہ قصور یہاں بھی اسی کا ہے جب وہ مرتد ہو مرد مرتد نہ ہو۔

اگر میاں بیوی دونوں اکٹھے مرتد ہو کر پھر اکٹھے اسلام قبول کریں

(۱۶۰) قَالَ: [وَاِذَا ارْتَدَّا مَعًا ثُمَّ اَسْلَمَا مَعًا فَهُمَا عَلٰى نِكَاحِهِمَا] اِسْتِحْسَانًا. وَقَالَ زُفَرُ: يَبْطُلُ؛ لِاَنَّ رِدَّةَ اَحَدِهِمَا مُنَافِيَةٌ. وَفِيْ رِدَّتِهِمَا رِدَّةُ اَحَدِهِمَا۔

وَلَنَا مَا رُوِيَ اَنَّ بَنِيْ حَنِيْفَةَ ارْتَدُّوْا ثُمَّ اَسْلَمُوْا. وَلَمْ يَاْمُرْهُمُ الصَّحَابَةُ رِضْوَانُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ اَجْمَعِيْنَ بِتَجْدِيْدِ الْاَنْكِحَةِ. وَالْاِرْتِدَادُ مِنْهُمْ وَاقِعٌ مَعًا لِجَهَالَةِ التَّارِيْخِ۔

وَلَوْ اَسْلَمَ اَحَدُهُمَا بَعْدَ الْاِرْتِدَادِ مَعًا فَسَدَ النِّكَاحُ بَيْنَهُمَا لِاِصْرَارِ الْاٰخَرِ عَلَى الرِّدَّةِ؛ لِاَنَّهٗ مُنَافٍ كَابْتِدَائِهَا۔

ترجمہ: [اور جب (میاں بیوی) دونوں اکٹھے مرتد ہو جائیں پھر اکٹھے اسلام قبول کریں تو وہ اپنے نکاح پر قائم رہیں گے] یہ حکم استحسان کے طور پر ہے۔

حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ان کا نکاح باطل ہو جائے گا کیونکہ ان میں سے کسی کا ارتداد نکاح کے منافی ہے اور جب دونوں مرتد ہوئے تو ان کے مرتد ہونے میں ایک کا ارتداد ہے اور ہماری دلیل وہ روایت ہے کہ بنو حنیفہ قبیلہ والے مرتد ہو گئے پھر وہ سب مسلمان ہوئے تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ان کو نئے سرے سے نکاح کرنے کا حکم نہیں دیا۔ اور ان سب کا ارتداد بیک وقت ہوا کیونکہ تاریخ کا علم نہیں۔

اور اگر ان دونوں کے اکٹھے مرتد ہونے کے بعد ان میں سے ایک اسلام قبول کرے تو ان کے درمیان نکاح فاسد ہو جائے گا کیونکہ دوسرا اپنے ارتداد پر مصر ہے کیونکہ (یہ اصرار) ابتداء کی طرح نکاح کے منافی ہے۔

توضیح: اگر میری بیوی اکٹھے مرتد ہو جائیں (معاذ اللہ) تو قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ ان کا نکاح ختم ہو جائے لیکن خلاف قیاس بطور استحسان اسے برقرار رکھا گیا اور استحسان کی وجہ وہ روایت ہے جو ترجمہ میں گزر گئی ہے کہ پورا قبیلہ بنو حنیفہ اکٹھے مرتد ہوئے پھر اکٹھے اسلام لائے تو صحابہ کرام نے ان کو نئے سرے سے نکاح کا حکم نہیں دیا اس روایت کی وجہ سے قیاس کو

ترک کیا گیا۔

حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب دونوں مرتد ہو گئے تو ان کا نکاح ختم ہو گیا کیونکہ جب ان میں سے ایک بھی مرتد ہو جائے تو نکاح باطل ہو جاتا ہے تو جب دونوں مرتد ہوئے تو ان میں ایک کا مرتد ہونا پایا گیا۔

دیگر ائمہ کی طرف سے جواب وہی مذکورہ بالا روایت ہے۔

اور اگر ان دونوں کے اکٹھے مرتد ہونے کے بعد ان میں سے ایک نے اسلام قبول کیا تو نکاح فاسد ہو جائے گا کیونکہ دوسرا ارتداد پر ڈٹا ہوا ہے اور یہ نکاح کے خلاف ہے جس طرح ابتداء میں مرتد کے ساتھ نکاح نہیں ہو سکتا یہاں بھی یہی حکم ہوگا کہ نکاح فاسد ہو جائے گا۔

دو (یا زیادہ) بیویوں کے درمیان دن مقرر کرنے میں انصاف قائم کرنا

(۱۶۱) [وَاِذَا كَانَ لِلرَّجُلِ اِمْرَاَتَانِ حُرَّتَانِ فَعَلَيْهِ اَنْ يَّعْدِلَ بَيْنَهُمَا فِي الْقَسْمِ بِكْرَيْنِ كَانَتَا اَوْ ثَيِّبَيْنِ اَوْ اِحْدَاهُمَا بِكْرًا وَّالْاُخْرٰى ثَيِّبًا] لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ:

«مَنْ كَانَتْ لَهٗ اِمْرَاَتَانِ وَمَالَ اِلٰى اِحْدَاهُمَا فِي الْقَسْمِ جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَشِقُّهٗ مَائِلٌ»۔

وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا: «اَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كَانَ يَعْدِلُ فِي الْقِسْمِ بَيْنَ نِسَائِهٖ»۔

وَكَانَ يَقُوْلُ: [اَللّٰهُمَّ هٰذَا قَسْمِيْ فِيْمَا اَمْلِكُ فَلَا تُؤَاخِذْنِيْ فِيْمَا لَا اَمْلِكُ]: يَعْنِي زِيَادَةَ الْمَحَبَّةِ وَلَا فَصْلَ فِيْمَا رَوَيْنَا۔

ترجمہ: [اور جب کسی شخص کی دو آزاد بیویاں ہوں تو اس پر لازم ہے کہ ان کے درمیان (دونوں کی) تقسیم میں انصاف کرے وہ دونوں کنواریاں ہوں یا ثیبہ یا ان میں سے ایک کنواری اور دوسری ثیبہ ہو]

کیونکہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا:

مَنْ كَانَتْ لَهٗ امْرَاَتَانِ وَمَالَ اِلٰى اِحْدَاهُمَا فِي الْقَسْمِ جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَشِقُّهٗ مَائِلٌ۔ ◆

ترجمہ: جس شخص کی دو بیویاں ہوں اور تقسیم میں وہ ایک کی طرف میلان رکھتا ہو تو وہ قیامت کے دن اس طرح ہوگا کہ اس کا ایک پہلو جھکا ہوا ہوگا۔

◆ ابن ماجہ کتاب النکاح، باب القسمة بين النساء، حدیث: ۱۹۷۰۔ سنن ابوداؤد، کتاب النکاح، باب فی القسم بین النساء، حدیث: ۲۱۳۳

اور حضرت ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں:

اَنَّ النَّبِیَّ عَلَیْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ کَانَ یَعْدِلُ فِی الْقِسْمِ بَیْنَ نِسَائِهٖ۔ ◆

ترجمہ: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازوج مطہرات کے درمیان عدل فرماتے تھے۔

اور آپ ارشاد فرماتے: "یا اللہ! یہ میری طرف سے تقسیم ہے جو میرے اختیار میں ہے پس جو میرے بس میں نہیں اس پر میرا مواخذہ نہ کرنا۔

یعنی محبت کا زائد ہونا اور اس روایت میں (کنواری اور غیر کنواری کے درمیان) کوئی امتیاز نہیں۔

توضیح: چونکہ اسلام میں آزاد مرد کے لیے بیک وقت چار بیویاں رکھنا جائز ہے اس لیے جب ایک سے زائد بیویاں ہوں تو ان کے درمیان عدل وانصاف کرنا ضروری ہے۔

یعنی ان کے پاس جانے اور ان کے ہاں رات گزرنے کے لیے باری مقرر کرے تو عدل سے کام لے۔

جہاں تک قلبی تعلق اور محبت کا تعلق ہے تو وہ انسان کے اختیار میں نہیں ہوتا اس میں فرق ہوسکتا ہے۔

یہی بات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مندرجہ بالا ارشادِ گرامی میں فرمائی ہے۔

ایک سے زیادہ بیویوں کے ہاں رات گزارنے کے لیے جب دن مقرر کیے جائیں تو یہ نہ دیکھا جائے کہ یہ کنواری تھی اور یہ مطلقہ یا بیوہ تھی کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس قسم کی تفصیل اور امتیاز بیان نہیں ہوا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو تنبیہ فرمائی جو اپنی بیویوں میں عدل قائم کرنے کی بجائے کسی ایک کی طرف جھک جاتے ہیں آپ نے فرمایا کہ ایسے لوگ قیامت کے دن اس طرح آئیں گے کہ ان کا ایک پہلو جھکا ہوا ہوگا۔

نئی اور پرانی بیوی کے حقوق میں یکسانیت

(۱۶۲) وَالْقَدِیْمَةُ وَالْجَدِیْدَةُ سَوَاءٌ لِاِطْلَاقِ مَا رَوَیْنَا. وَلِاَنَّ الْقَسْمَ مِنْ حُقُوْقِ النِّکَاحِ وَلَا تَفَاوُتَ بَیْنَهُنَّ فِیْ ذٰلِكَ. وَالْاِخْتِیَارُ فِیْ مِقْدَارِ الدَّوْرِ اِلَی الزَّوْجِ؛ لِاَنَّ الْمُسْتَحَقَّ هُوَ التَّسْوِیَةُ دُوْنَ طَرِیْقِهٖ وَالتَّسْوِیَةُ الْمُسْتَحِقَّةُ فِی الْبَیْتُوْتَةِ فِی الْمُجَامَعَةِ لِاَنَّهَا تَبْتَنِیْ عَلَی النِّشَاطِ۔

ترجمہ: اور پرانی اور نئی بیوی کے حقوق برابر ہیں کیونکہ جو حدیث ہم نے نقل کی ہے وہ مطلق ہے۔

نیز باری کی تقسیم نکاح کے حقوق سے ہے اور اس سلسلے میں ان کے درمیان کوئی فرق نہیں۔

اور ان کے پاس چکر لگانے کا دورانیہ مرد کے اختیار میں ہے کیونکہ ان کا حق برابری میں ہے طریق کار میں نہیں اور جس برابری کا حق ہے وہ رات گزارنے میں ہے، جماع میں نہیں، کیونکہ جماع کی بنیاد طبیعت کا میلان ہے۔

◆ سنن ابوداؤد، کتاب النکاح، باب فی القسم بین النساء، حدیث: ۲۱۳۳

توضیح: اگر کسی شخص کی ایک بیوی پہلے سے موجود ہو اور پھر وہ دوسری عورت سے شادی کرے تو حقوق کی ادائیگی میں نئی اور پرانی کا فرق نہ کرے بلکہ برابری رکھے۔

مثلاً اگر نئی کے پاس پانچ راتیں گزارتا ہے تو پرانی کے پاس بھی اتنی ہی راتیں گزارنا ہے۔

اس کی ایک وجہ حدیث شریف جو پہلے گزر گئی ہے، اس کا مطلق ہونا ہے۔ اس میں فرق مذکور نہیں دوسری وجہ یہ ہے ان کے درمیان اوقات کی تقسیم نکاح کے حقوق سے ہے اور نکاح میں دونوں برابر ہیں۔

جہاں تک وقت مقرر کرنے کا تعلق ہے کہ کتنے دن ایک کے پاس گزارے تو وہ خاوند کی صوابدید پر ہے۔

اس کی وجہ یہ بیان کی گئی کہ ان خواتین کا استحقاق مساوات ہے اس کا طریقہ نہیں۔

علاوہ ازیں یہ بات بھی پیش نظر ہے کہ ان کے درمیان مساوات رات گزارنے میں ہے جماع کا تعلق انسانی طبیعت سے ہے کبھی مائل ہوتی ہے کبھی نہیں لہٰذا اس میں مساوات ضروری نہیں۔

نوٹ: بعض اوقات انسان نئی بیوی کے پاس زیادہ دن گزارنا چاہتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن اسے پہلی بیوی کو بھی اتنے ہی دن دینا ہوں گے یا پرانی بیوی اپنی مرضی سے نئی بیوی کے پاس ٹھہرنے کی اجازت دے دے تو وہ زیادہ دن ٹھہر سکتا ہے (۱۲ ہزاروی)۔

آزاد عورت اور لونڈی کے حقوق میں فرق

(۱۶۳) [وَاِنْ كَانَتْ اِحْدَاهُمَا حُرَّةً وَّالْاُخْرٰى اَمَةً فَلِلْحُرَّةِ الثُّلُثَانِ مِنَ الْقَسْمِ وَلِلْاَمَةِ الثُّلُثُ] بِذٰلِكَ وَرَدَ الْاَثَرُ، وَلِاَنَّ حِلَّ الْاَمَةِ اَنْقَصُ مِنْ حِلِّ الْحُرَّةِ فَلَا بُدَّ مِنْ اِظْهَارِ النُّقْصَانِ فِي الْحُقُوْقِ۔

وَالْمُكَاتَبَةُ وَالْمُدَبَّرَةُ وَاُمُّ الْوَلَدِ بِمَنْزِلَةِ الْاَمَةِ؛ لِاَنَّ الرِّقَّ فِيْهِنَّ قَائِمٌ۔

ترجمہ: [اور اگر ان میں سے ایک آزاد اور دوسری لونڈی ہو تو آزاد کے لیے تقسیم میں دو تہائی اور لونڈی کے لیے ایک تہائی ہوگا] حدیث شریف میں اسی طرح آیا ہے اور اس لیے بھی کہ لونڈی کا حلال ہونا آزاد عورت کی حلت سے کم ہے پس حقوق میں اس نقصان کا ظاہر ہونا ضروری ہے۔

اور مکاتبہ، مدبرہ اور ام ولد، عام لونڈی کی طرح ہیں کیونکہ ان میں بھی غلامی قائم ہے۔

توضیح: آزاد انسان کے مقابلے میں غلام اور لونڈی کے حقوق اور اسی طرح سزائیں نصف ہوتی ہیں۔ لہٰذا اگر کسی شخص کی ایک بیوی آزاد اور دوسری لونڈی ہو تو رات گزارنے میں آزاد کا حق دوگنا ہوگا یعنی تین دنوں میں دو دن اس کے پاس گزارے اور ایک دن لونڈی کے پاس حدیث شریف میں اسی طرح ہے۔

حضرت عباد بن عبداللہ الاسدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں جب لونڈی کے بعد آزاد عورت سے نکاح کیا جائے تو اس کے لیے دو تہائی اور لونڈی کے لیے ایک تہائی ہے۔ ◆ اور غلامی کی وجہ سے حقوق نصف ہو جاتے ہیں تو اس نقصان کا اظہار اسی طرح ہو گیا۔

نیز لونڈی مکاتبہ ہو یا مدبرہ یا ام ولد سب کا حکم ایک جیسا ہے کیونکہ ان میں غلامی باقی ہے۔

نوٹ: جب لونڈی کو آقا نے کہا تو میرے مرنے کے بعد آزاد ہے وہ مدبرہ ہے، جس سے کہا اتنی رقم ادا کر کے آزاد ہو جاؤ وہ مکاتبہ ہے اور جس لونڈی سے اس کے آقا کی اولاد ہو وہ ام ولد ہے وہ اپنے آقا کے مرنے کے بعد آزاد ہو جاتی ہے تو ان میں غلامی باقی ہوتی ہے (۱۲ ہزاروی)۔

سفر کے دوران تقسیم کا بیان

(۱۶۴) قَالَ: [وَلَا حَقَّ لَهُنَّ فِي الْقَسْمِ حَالَةَ السَّفَرِ فَيُسَافِرُ الزَّوْجُ بِمَنْ شَاءَ مِنْهُنَّ، وَالْأَوْلَى أَنْ يُقْرِعَ بَيْنَهُنَّ فَيُسَافِرُ بِمَنْ خَرَجَتْ قُرْعَتُهَا] وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: اَلْقُرْعَةُ مُسْتَحَقَّةٌ، لِمَا رُوِيَ [أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كَانَ إِذَا أَرَادَ سَفَرًا أَقْرَعَ بَيْنَ نِسَائِهِ] إِلَّا أَنَّا نَقُولُ: إِنَّ الْقُرْعَةَ لِتَطْيِيبِ قُلُوبِهِنَّ فَيَكُونُ مِنْ بَابِ الْاِسْتِحْبَابِ، وَهٰذَا؛ لِأَنَّهُ لَا حَقَّ لِلْمَرْأَةِ عِنْدَ مُسَافَرَةِ الزَّوْجِ؛

أَلَا تَرَى أَنَّ لَهُ أَنْ لَّا يَسْتَصْحِبَ وَاحِدَةً مِّنْهُنَّ فَكَذَا لَهُ أَنْ يُّسَافِرَ بِوَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ وَلَا يُحْتَسَبُ عَلَيْهِ بِتِلْكَ الْمُدَّةِ۔

ترجمہ: حضرت امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں [حالت سفر میں ان (بیویوں) کے لیے تقسیم میں کوئی حق نہیں پس خاوند ان میں سے جسے چاہے سفر پر لے جائے اور زیادہ بہتر یہ ہے کہ ان کے درمیان قرعہ اندازی کرے پس جس کے نام قرعہ نکلے اسے ساتھ لے جائے] اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں قرعہ ضروری ہے کیونکہ ایک روایت میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر کا ارادہ فرماتے تو اپنی ازواج مطہرات کے درمیان قرعہ اندازی فرماتے۔

مگر ہم یہ کہتے ہیں کہ قرعہ اندازی ان کے دلوں کو مطمئن اور خوش کرنے کے لیے ہوتی ہے پس یہ مستحب ہو گی۔

اور یہ اس لیے کہ خاوند کے سفر کے وقت عورت کا (ساتھ جانے کا) کوئی حق نہیں ہوتا۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ وہ اس بات کا حق رکھتا ہے وہ ان میں سے کسی کو ساتھ نہ لے جائے اسی طرح اسے یہ بھی حق ہے کہ وہ ان میں سے کسی ایک کو لے جائے۔

◆ عینی، جلد: ۲، صفحہ: ۱۹۷

اور یہ مدت اس کی باری کی تقسیم میں شمار نہیں ہوگی۔

توضیح: جب کوئی شخص سفر پر جائے اور اس کی ایک سے زائد بیویاں ہوں تو اسے اختیار ہے کہ وہ ان میں سے جس کو چاہے ساتھ لے جائے لیکن مناسب یہ ہے کہ ان کے اطمینان کی خاطر قرعہ اندازی کرے اور جس کا نام نکلے اسے ساتھ لے جائے۔

چونکہ مرد پر لازم نہیں کہ وہ سفر پر کسی بھی بیوی کو ساتھ لے جائے لہٰذا یہ ان بیویوں کا حق نہیں لیکن اگر وہ کسی ایک کو لے جانا چاہے تو قرعہ اندازی کرے خود سرکارِ دوعالم ﷺ سفر پر جانے کا ارادہ کرتے تو ازواج مطہرات کے درمیان قرعہ اندازی کرتے تھے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں قرعہ اندازی لازم اور ضروری ہے۔

ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ جب خاوند پر کسی ایک کو ساتھ لے جانا بھی لازم نہیں اور نہ ہی یہ ان خواتین کا حق ہے تو قرعہ اندازی محض مستحب ہوگی۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر خاوند ان میں سے کسی ایک کو سفر پر لے جائے تو اس کی باری کے دن باقی رہیں گے سفر والے ایام اس میں شمار نہیں ہوں گے۔

مثلاً ایک بیوی کی باری آئی اور خاوند نے اس کے پاس تین دن ٹھہرنا تھا اب وہ اسے سفر پر لے گیا اور تین دن سفر میں گزر رے تو واپسی پر اس کو تین دن دینا ہوں گے جو اس کی باری ہے سفر والے ایام اس میں شمار نہیں کیے جائیں گے۔

کوئی خاتون اپنی باری اپنی سوکن کو ہبہ کر دے

(۱۶۵) [وَاِنْ رَضِيَتْ اِحْدَى الزَّوْجَاتِ بِتَرْكِ قَسْمِهَا لِصَاحِبَتِهَا جَازَ]؛

[لِاَنَّ سَوْدَةَ بِنْتَ زَمْعَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا سَاَلَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ اَنْ يُّرَاجِعَهَا وَتَجْعَلَ يَوْمَ نَوْبَتِهَا لِعَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا]

[وَلَهَا اَنْ تَرْجِعَ فِيْ ذٰلِكَ]؛ لِاَنَّهَا اَسْقَطَتْ حَقًّا لَّمْ يَجِبْ بَعْدُ فَلَا يَسْقُطُ. وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

ترجمہ: [اور اگر بیویوں میں سے کوئی ایک اپنی باری اپنی سوکن کے لیے چھوڑنے پر راضی ہو جائے تو یہ جائز ہے] کیونکہ ام المؤمنین حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا نے رسول اکرم ﷺ سے رجوع کا سوال کیا اور اپنی باری کا دن ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے کر دیا [اور وہ اس سے رجوع بھی کر سکتی ہے] کیونکہ اس نے اپنا ایسا حق ساقط کیا جو ابھی تک واجب نہیں ہوا تھا لہٰذا وہ ساقط نہیں ہوگا اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔

توضیح: خاوند نے اپنی بیوی کے لیے جو شب باشی کا وقت مقرر کیا وہ کسی دوسری خاتون یعنی اپنی سوکن کو دے سکتی ہے۔

کیونکہ وہ اس کا اپنا حق ہے اور حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا نے بھی اسی طرح کیا تھا۔

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے سنن بیہقی کے حوالے سے نقل کیا کہ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دی جب آپ نماز کے لیے تشریف لے جانے لگے تو انہوں نے آپ کا کپڑا پکڑ لیا اور عرض کیا اللہ کی قسم مجھے مردوں کی حاجت نہیں رہی لیکن میں چاہتی ہوں کہ میرا حشر آپ کی ازدواج مطہرات کے ساتھ ہو تو آپ نے رجوع فرمالیا تو آپ نے اپنی باری کے ایام حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دیے۔ [1]

لیکن چونکہ ابھی وہ دن آئے نہیں اور اس کا حق واجب نہیں ہوا لہٰذا وہ حق باقی رہے گا اس لیے اگر خاتون اپنی باری کے دن واپس لینا چاہے تو لے سکتی ہے۔

---

[1] عینی، شرح ہدایہ، جلد: ۲، صفحہ: ۱۹۸

رضاعت کا بیان

رضاعت کم مقدار میں یا زیادہ دونوں کا حکم ایک جیسا ہے

(۱۶۶) قَالَ: [قَلِيْلُ الرَّضَاعِ وَكَثِيْرُهُ سَوَاءٌ إِذَا حَصَلَ فِي مُدَّةِ الرَّضَاعِ تَعَلَّقَ بِهِ التَّحْرِيْمُ] وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ: لَا يَثْبُتُ التَّحْرِيْمُ إِلَّا بِخَمْسِ رَضَعَاتٍ. لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ: «لَا تُحَرِّمُ الْمَصَّةُ وَلَا الْمَصَّتَانِ وَلَا الْإِمْلَاجَةُ وَلَا الْإِمْلَاجَتَانِ»۔

وَلَنَا قَوْلُهُ تَعَالٰى: ﴿وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ﴾ الْآيَةَ

وَقَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ: «يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ مِنْ غَيْرِ فَصْلٍ».

وَلِأَنَّ الْحُرْمَةَ وَإِنْ كَانَتْ لِشُبْهَةِ الْبَعْضِيَّةِ الثَّابِتَةِ بِنُشُوْءِ الْعَظْمِ وَإِنْبَاتِ اللَّحْمِ لٰكِنَّهُ أَمْرٌ مُبْطَنٌ فَتَعَلَّقَ الْحُكْمُ بِفِعْلِ الْإِرْضَاعِ. وَمَا رَوَاهُ مَرْدُوْدٌ بِالْكِتَابِ أَوْ مَنْسُوْخٌ بِهِ

ترجمہ: فرماتے ہیں: [رضاعت کم ہو یا زیادہ برابر ہے جب مدت رضاعت میں حاصل ہو اس کے ساتھ حرمت متعلق ہو جائے گی]

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حرمت اس وقت تک ثابت نہیں ہوگی جب تک پانچ گھونٹ نہ پیے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

لَا تُحَرِّمُ الْمَصَّةُ وَلَا الْمَصَّتَانِ وَلَا الْإِمْلَاجَةُ وَلَا الْإِمْلَاجَتَانِ [1]

ترجمہ: ایک مرتبہ چوسنا اور دو مرتبہ چوسنا اور ایک مرتبہ (بچے کے) منہ میں پستان دینا اور دو مرتبہ دینا حرام نہیں کرتا۔

اور ہماری دلیل قرآن مجید کی یہ آیت کریمہ ہے:

وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ [2]

ترجمہ: اور تمہاری وہ مائیں جو تمہیں دودھ پلائیں۔

---

[1] صحیح مسلم کتاب الرضاع، باب فی المصۃ والمصتان، حدیث: ۱۸،۱۷

[2] سورۃ النساء، آیت: ۲۳

اور نبی اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ۔ ◆

ترجمہ: جو رشتے نسب سے حرام ہوتے ہیں وہ رضاعت سے بھی حرام ہوتے ہیں۔

(آیت کریمہ اور حدیث میں) تفصیل کے بغیر (مطلق) بیان ہوا اور اس لیے کہ حرمت اگرچہ اس اجزاء ہونے کے شبہ کی وجہ سے جو ہڈیوں کی نشو و نما اور گوشت کے پیدا ہونے سے ہوتی ہے لیکن یہ امر پوشیدہ ہے پس حکم دودھ پلانے سے متعلق ہوگا۔

اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے جو روایت پیش کی ہے وہ قرآنِ پاک سے رد ہو جاتی ہے یا قرآن پاک کے ذریعے منسوخ ہے۔

توضیح: کسی عورت کا مرد کے لیے محرم ہو کر ان کے درمیان نکاح کا ناجائز ہونا تین طرح سے ہوتا ہے نسبی رشتے کی وجہ، سسرالی رشتے کی وجہ سے (جیسے خوشدامن) اور دودھ کے اعتبار سے جسے رضاعت کیا جاتا ہے۔

جب کوئی بچہ یا بچی کسی خاتون کا خاص مدت میں دودھ پی لے تو اس عورت کی تمام اولاد اس کے بہن بھائی بن جاتے ہیں اسی طرح دیگر نسبی رشتوں کا حکم بھی یہی ہے۔

اس سلسلے میں پہلا مسئلہ یہ بیان فرمایا کہ بچہ کتنا دودھ پیے تو حرمت ثابت ہوتی ہے۔

احناف کا موقف یہ ہے کہ تھوڑا دودھ پیے یا زیادہ دونوں صورتوں میں حرمت ثابت ہو جاتی ہے۔

یعنی جب مدت رضاعت میں دودھ پیے، مدت کا بیان آگے آ رہا ہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کم از کم پانچ مرتبہ دودھ پینا حرمت کے لیے ضروری ہے۔

انہوں نے اپنے موقف پر حدیث شریف پیش کی جو ترجمہ اور متن میں گزر چکی ہے۔

احناف کی دلیل یہ ہے کہ قرآن پاک کی آیت جس میں فرمایا کہ تمہاری وہ مائیں تم پر حرام ہیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا تو اس میں مطلق دودھ پلانے کا ذکر ہے مقدار کا بیان نہیں۔ اسی طرح حدیث شریف میں فرمایا کہ جو رشتے نسب سے حرام ہوتے ہیں وہ رضاعت سے بھی حرام ہوتے ہیں، اس میں بھی مقدار کا ذکر نہیں۔

اور عقلی دلیل یہ ہے کہ حرمت کی وجہ یہ ہے کہ ایک خاص مدت میں دودھ سے بچے کی ہڈیوں کی نشو و نما ہوتی ہے اور گوشت چڑھتا ہے اور چونکہ یہ پوشیدہ معاملہ ہے کہ کتنی مقدار سے ایسا ہوتا ہے لہٰذا حرمت کا حکم محض دودھ پلانے سے متعلق ہوگا چاہے تھوڑا پیا ہو یا زیادہ۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے جو حدیث پیش کی اس کے دو جواب ہیں پہلا جواب یہ ہے کہ وہ آیت قرآنی کے خلاف ہے لہٰذا اسے رد کیا جائے گا یا قرآنی آیت اس کے لیے ناسخ ہے اور وہ حکم منسوخ ہے۔

◆ صحیح بخاری، کتاب الشھادات باب الشھادۃ علی الانساب والرضاع، حدیث: ۲۶۴۵

مدت رضاعت

(۱۶۷) وَيَنْبَغِيْ اَنْ يَّكُوْنَ فِيْ مُدَّةِ الرَّضَاعِ لِمَا نُبَيِّنُ۔

[ثُمَّ مُدَّةُ الرَّضَاعِ ثَلَاثُوْنَ شَهْرًا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ. وَقَالَا سَنَتَانِ] وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ۔

وَقَالَ زُفَرُ: ثَلَاثَةُ اَحْوَالٍ؛ لِاَنَّ الْحَوْلَ حَسَنٌ لِلتَّحَوُّلِ مِنْ حَالٍ اِلٰى حَالٍ. وَلَا بُدَّ مِنَ الزِّيَادَةِ عَلَى الْحَوْلَيْنِ لِمَا نُبَيِّنُ فَيُقَدَّرُ بِهٖ۔

وَلَهُمَا قَوْلُه تَعَالٰى: ﴿وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا﴾ وَمُدَّةُ الْحَمْلِ اَدْنَاهَا سِتَّةُ اَشْهُرٍ فَبَقِيَ لِلْفِصَالِ حَوْلَانِ۔

وَقَالَ النَّبِيُّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ: «لَا رَضَاعَ بَعْدَ حَوْلَيْنِ» وَلَهٗ هٰذِهِ الْاٰيَةُ۔ وَوَجْهُهٗ اَنَّهٗ تَعَالٰى ذَكَرَ شَيْئَيْنِ وَضَرَبَ لَهُمَا مُدَّةً فَكَانَتْ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِكَمَالِهَا كَالْاَجَلِ الْمَضْرُوْبِ لِلدَّيْنَيْنِ. اِلَّا اَنَّهٗ قَامَ الْمُنْقِصُ فِيْ اِحْدِهِمَا فَبَقِيَ فِي الثَّانِيْ عَلٰى ظَاهِرِهٖ. وَلِاَنَّهٗ لَا بُدَّ مِنْ تَغَيُّرِ الْغِذَاءِ لِيَنْقَطِعَ الْاِنْبَاتُ بِاللَّبَنِ وَ ذٰلِكَ بِزِيَادَةِ مُدَّةٍ يَتَعَوَّدُ الصَّبِيُّ فِيْهَا غَيْرَهٗ فَقُدِّرَتْ بِاَدْنٰى مُدَّةِ الْحَمْلِ؛ لِاَنَّهَا مُغَيِّرَةٌ. فَاِنَّ غِذَاءَ الْجَنِيْنِ يُغَايِرُ غِذَاءَ الرَّضِيْعِ كَمَا يُغَايِرُ غِذَاءَ الْفَطِيْمِ. وَالْحَدِيْثُ مَحْمُوْلٌ عَلٰى مُدَّةِ الْاِسْتِحْقَاقِ. وَعَلَيْهِ يُحْمَلُ النَّصُّ الْمُقَيَّدُ بِحَوْلَيْنِ فِي الْكِتَابِ۔

ترجمہ: اور مناسب ہے کہ دودھ پلانا رضاعت کی مدت میں ہو جس کی وجہ ہم بیان کریں گے۔

[پھر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دودھ پلانے کی مدت تیس مہینے (اڑھائی سال) ہے اور صاحبین رحمہما اللہ دو سال کا فرماتے ہیں] حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے اور حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں تین سال ہیں کیونکہ ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف پھرنے کے لیے ایک سال مناسب وقت ہے اور ضروری ہے کہ وہ دو سال سے زائد ہو جس کی وجہ ہم بیان کریں گے پس تین سال مقرر کیے جائیں۔

صاحبین رحمہما اللہ کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشادِ گرامی ہے:

وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ◆

ترجمہ: اور اس کا حمل اور دودھ چھڑانا تیس ماہ ہے۔

اور حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہیں پس دودھ چھڑانے کے لیے دو سال بچ گئے۔

◆ سورۃ الاحقاف، آیت: ۱۵

اور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَا رَضَاعَ بَعْدَ الْحَوْلَيْنِ۔ ◆

ترجمہ: دو سال کے بعد رضاعت نہیں۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہی آیت ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو باتوں کا ذکر فرمایا اور انکے لیے ایک مدت مقرر فرمائی پس دونوں کے لیے کامل مدت ہوگی جس طرح دو قرضوں کے لیے مدت مقرر کی جائے۔

مگر ان میں سے ایک میں کمی کی دلیل موجود ہے تو دوسرے میں ظاہر پر حکم باقی رہے گا۔

دوسری بات یہ ہے کہ غذا کی تبدیلی ضروری ہے تا کہ دودھ کے ساتھ پروان چڑھنا ختم ہوجائے اور یہ اتنی زائد مدت کے ساتھ ہوگا کہ اس میں بچے کو دوسری غذا کی عادت ہوجائے پس کم از کم مدت حمل کے ساتھ اس کا اندازہ لگایا گیا کیونکہ پیٹ کے بچے کی غذا دودھ پیتے بچے کی غذا سے مختلف ہے جس طرح وہ دودھ چھوڑنے والے بچے کی غذا سے مختلف ہے۔ اور حدیث شریف استحقاق کی مدت پر محمول ہے اور قرآن پاک میں جو نص دو سالوں کے ساتھ مقید ہے وہ بھی اسی پر محمول ہے۔

توضیح: دودھ پینے کی وجہ سے نکاح کا حرام ہونا اس صورت میں ہے جب بچے نے مدت رضاعت میں دودھ پیا ہو اور اس مدت کے بارے میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے اور یہ تین قول ہیں:

① پہلا قول حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے آپ کے نزدیک تیس ماہ (اڑھائی سال) مدت رضاعت ہے۔

② دوسرا قول صاحبین اور امام شافعی رحمہم اللہ کا ہے اور وہ دو سال ہیں۔

③ تیسرا قول حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور وہ فرماتے ہیں مدتِ رضاعت تین سال ہے۔

دلائل

حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ قرآن پاک میں بچے کے لیے دودھ پینے کی مدت دو سال بیان کی گئی ہے۔ اب اس حالت سے دوسری حالت کی طرف پھرنا یعنی دودھ چھوڑ کر کھانا کھانے کی طرف آنے کے لیے ایک سال مناسب وقت ہے لہٰذا دو سال پر ایک سال کا اضافہ کیا جائے گا۔

صاحبین رحمہما اللہ کی دلیل قرآن پاک کی یہ آیت ہے کہ حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت اڑھائی سال ہیں۔

اور چونکہ حمل کی کم از کم مدت چھ مہینے ہے تو باقی دو ماہ دودھ پینے (رضاعت) کے ہیں۔

علاوہ ازیں رسول اکرم ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی کہ "دو سال کے بعد رضاعت نہیں" سے بھی صاحبین نے استدلال فرمایا ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال بھی اسی آیت کریمہ سے ہے لیکن آپ اس کی توجیہ کرتے ہیں۔ آپ

◆ دار قطنی، کتاب الرضاع، حدیث: ۴۳۱۸

فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے دو چیزوں کا ذکر کیا (یعنی حمل اور دودھ چھڑانا) اور ان کے لیے ایک مدت بیان کی تو دونوں کے لیے کامل مدت ہوگی۔

یعنی حمل کی مدت بھی اڑھائی سال اور دودھ کی مدت بھی اڑھائی سال، وہ اس کی مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی شخص نے دو قرض دینے ہوں اور ان کے لیے وہ ایک مدت بیان کرے مثلاً ایک سال بعد ادا کرے گا۔

تو دونوں کے لیے پوری مدت ہوگی یعنی ایک کے لیے بھی ایک مدت اور دوسرے کے لیے بھی ایک سال، ایسا نہیں کہ ایک سال دونوں پر تقسیم ہو۔

اس بنیاد پر حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ سوال ہوتا ہے کہ اس طرح حمل بھی اڑہائی سال اور مدت رضاعت بھی اڑھائی سال ہونی چاہیے؟

اس کا جواب دیتے ہوئے آپ ارشاد فرماتے ہیں: لیکن ان میں سے ایک یعنی حمل کی مدت کم کرنے کی دلیل ہے اور وہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث ہے: آپ نے فرمایا: ''بچہ اپنی ماں کے پیٹ میں دو سال سے زیادہ نہیں رہتا اگر چہ چرخے کے تکلے کے برابر ہو یعنی چرخے پر جو دھاگہ کاتا جاتا ہے اور جس قدر اس تار پر لپیٹا جاتا ہے تو اس طرح حمل کی مدت چھ ماہ کم ہوگئی اور دودھ چھڑانے کی مدت اپنے ظاہر پر رہی۔

عقلی دلیل دیتے ہوئے آپ فرماتے ہیں: یہ بات ضروری ہے کہ بچے کی غذا تبدیل ہو اور دودھ کے ساتھ اس کی نشوونما ختم ہو جائے اور اس کے لیے اتنی مدت درکار ہے جس میں اُسے کھانا کھانے کی عادت ہو جائے اور اس کا اندازہ حمل کی کم از کم مدت یعنی چھ ماہ لگایا گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ پیدا ہونے سے پہلے بچے (یعنی جنین) کی خوراک مختلف ہوتی پھر پیدا ہونے کے بعد خوراک دودھ میں بدل جاتی ہے اس کے بعد وہ روٹی کھانے لگتا ہے تو پہلی غذا کو بدلنے کے لیے چھ ماہ درکار ہوں گے (یہی احتیاط کا تقاضا ہے)

صاحبین رحمہما اللہ نے جو حدیث بیان کی اور اسی طرح آیت کریمہ میں جو دو سال کا ذکر ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ دو سال بچے کا حق ہے یعنی بلا ضرورت اس سے کم نہ ہو۔

مدت رضاعت کے بعد حرمت ثابت نہیں ہوتی

(۱۶۸) قَالَ: [وَاِذَا مَضَتْ مُدَّةُ الرَّضَاعِ لَمْ يَتَعَلَّقْ بِالرَّضَاعِ تَحْرِيْمٌ] لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ: «لَا رَضَاعَ بَعْدَ الْفِصَالِ» وَلِاَنَّ الْحُرْمَةَ بِاِعْتِبَارِ النُّشُوْءِ وَذٰلِكَ فِي الْمُدَّةِ اِذِ الْكَبِيْرُ لَا يَتَرَبّٰى بِهٖ،

وَلَا يُعْتَبَرُ الْفِطَامُ قَبْلَ الْمُدَّةِ اِلَّا فِي رِوَايَةٍ عَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ اِذَا اسْتَغْنٰى عَنْهُ

وَوَجْهُهٗ انْقِطَاعُ النُّشُوْءِ بِتَغَيُّرِ الْغِذَاءِ

وَهَلْ يُبَاحُ الْاِرْضَاعُ بَعْدَ الْمُدَّةِ؟ فَقِيْلَ لَا يُبَاحُ، لِاَنَّ اِبَاحَتَهٗ ضَرُوْرِيَّةٌ لِكَوْنِهٖ جُزْءَ الْاٰدَمِيِّ۔

ترجمہ: فرماتے ہیں: [اور جب مدت رضاعت گزر جائے تو رضاعت کے ساتھ حرمت متعلق نہیں ہوگی]

کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

لَا رَضَاعَ بَعْدَ الْفِصَالِ[1]

ترجمہ: دودھ چھڑانے کے بعد رضاعت نہیں۔

اور اس لیے بھی کہ حرمت نشوونما کی وجہ سے ہوتی ہے اور وہ اسی مدت میں ہوتی ہے کیونکہ بڑی عمر والے کی نشوونما دودھ کے ساتھ نہیں ہوتی۔

مخصوص مدت سے پہلے دودھ چھڑانے کا اعتبار نہیں البتہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت منقول ہے کہ جب بچہ دودھ سے بے نیاز ہو جائے (تو معتبر ہوگا) اس کی وجہ یہ ہے کہ غذا کے بدلنے سے (دودھ سے) نشوونما منقطع ہو چکی ہے۔

اور کیا مدت رضاعت کے بعد دودھ پلانا جائز ہے؟

تو کہا گیا کہ جائز نہیں کیونکہ اس کی اباحت ضرورت کے تحت ہے کیونکہ وہ آدمی کی جزء ہے۔

توضیح: چونکہ رضاعت کی مدت متعین ہے اور اسی مدت میں بچہ دودھ کے ذریعے نشوونما پاتا ہے اس لیے جب وہ مدت گزر جائے تو اگرچہ دودھ جسمانی طاقت کا فائدہ دیتا ہے لیکن اس کے ذریعے نشوونما نہیں ہوتی۔

اس بنیاد پر مدت رضاعت میں دودھ پینے سے نکاح کی حرمت آئے گی اگر کوئی شخص اس مدت کے بعد دودھ پیے تو اس سے حرمت نہیں آئے گی۔

اور اس سلسلے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہماری راہ نمائی کرتا ہے کہ آپ نے فرمایا: ''دودھ چھڑانے کے بعد رضاعت (معتبر) نہیں''۔

چونکہ بعض اوقات اس مدت کے گزرنے سے پہلے دودھ چھڑا دیا جاتا ہے تو کیا اس کا اعتبار کیا جائے کہ اگر دودھ وقت سے پہلے چھڑا دیں اور وہ کھانا کھانے لگا ہو اور پھر اسی مدت کے اندر کوئی عورت دودھ پلا دے تو حرمت ثابت ہوگی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حرمت پھر بھی ثابت ہو جائے گی البتہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت میں ہے کہ

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ، باب من قال لا یحرم من الرضاع، حدیث: ۱۷۰۵۴۔ مصنف عبدالرزاق، باب الطلاق قبل النکاح، حدیث: ۱۱۴۵۵

چونکہ بچہ اب دودھ سے بے نیاز ہو چکا ہے اور اس کی نشوونما دوسری غذا سے ہو رہی ہے لہٰذا اب حرمت نہیں ہوگی (لیکن ظاہر الروایت میں ہی احتیاط ہے)۔

یہاں ایک اور بات بیان کی گئی کہ اگر چہ مدت رضاعت کے بعد دودھ پینے سے حرمت نہیں آتی لیکن کیا اس مدت کے بعد دودھ پینا جائز ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ جائز نہیں کیونکہ بچے کو دودھ پلانا ضرورت کے تحت ہے ورنہ ایک انسان کا جزء یعنی دوسرے کو دینا کیسے جائز ہوگا لہٰذا ضرورت کی حد تک عمل ہوگا اور بعد میں جائز نہیں ہوگا (دودھ جسم کا حصہ اور جزء ہے)۔

نسب کے ذریعے ہونے والے رشتے رضاعت کی وجہ سے حرام ہوتے ہیں

(۱۶۹) قَالَ: [وَيَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ] لِلْحَدِيْثِ الَّذِيْ رَوَيْنَا [اِلَّا أُمَّ أُخْتِهِ مِنَ الرَّضَاعِ فَإِنَّهُ يَجُوْزُ اَنْ يَتَزَوَّجَهَا وَلَا يَجُوْزُ] اَنْ يَتَزَوَّجَ أُمَّ أُخْتِهِ مِنَ النَّسَبِ]؛ لِاَنَّهَا تَكُوْنُ اُمَّهُ اَوْ مَوْطُوْءَةَ اَبِيْهِ، بِخِلَافِ الرَّضَاعِ. وَيَجُوْزُ اَنْ يَتَزَوَّجَ اُخْتَ ابْنِهِ مِنَ الرَّضَاعِ، وَلَا يَجُوْزُ ذٰلِكَ مِنَ النَّسَبِ؛ لِاَنَّهُ لَمَّا وَطِئَ اُمَّهَا حُرِّمَتْ عَلَيْهِ، وَلَمْ يُوْجَدْ هٰذَا الْمَعْنٰى فِي الرَّضَاعِ۔

[وَامْرَاَةُ اَبِيْهِ اَوْ اِمْرَاَةُ اِبْنِهِ مِنَ الرَّضَاعِ لَا يَجُوْزُ اَنْ يَتَزَوَّجَهَا كَمَا لَا يَجُوْزُ ذٰلِكَ مِنَ النَّسَبِ] لِمَا رَوَيْنَا.

وَذَكَرَ الْاَصْلَابَ فِي النَّصِّ لِاِسْقَاطِ اعْتِبَارِ التَّبَنِّيْ عَلٰى مَا بَيَّنَّاهُ۔

ترجمہ: امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: [اور رضاعت سے وہ رشتے حرام ہوجاتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں]

اس کی وجہ وہ حدیث ہے جو ہم نے نقل کی ہے [مگر رضاعی بہن کی ماں، اس سے نکاح جائز ہے جبکہ اپنی نسبی بہن کی ماں سے نکاح جائز نہیں] کیونکہ وہ اس کی ماں یا باپ کی موطوءہ ہے جس سے باپ نے وطی کی]

بخلاف رضاعی بہن کی ماں کے۔

اور جائز ہے کہ اپنے رضاعی بیٹے کی بہن سے نکاح کرے اور نسبی بیٹے کی بہن سے نکاح نہیں کرسکتا کیونکہ جب اس کی ماں سے وطی کر لی تو وہ اس پر حرام ہوگئی اور رضاعت میں یہ صورت نہیں ہوتی۔

[اپنے رضاعی باپ کی بیوی یا رضاعی بیٹے کی بیوی سے نکاح کرنا جائز نہیں جس طرح نسبی اعتبار سے جائز نہیں جس طرح ہم نے روایت نقل کی ہے]

اور قرآنی نص میں جو اصلاب کا ذکر کیا تو وہ لے پالک (متبنیٰ) کو ساقط کرنے کے لیے ہے جس طرح ہم بیان کرچکے ہیں۔

توضیح: اس سے پہلے حدیث شریف گزر چکی ہے جس میں حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ رشتے رضاعت سے بھی حرام ہوتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔

یہ حدیث عام مخصوص البعض ہے یعنی عام حکم یہی ہے لیکن کچھ ایسے رشتے ہیں جو نسبی اعتبار سے حرام ہوتے ہیں لیکن رضاعت کے اعتبار سے حرام نہیں ہوتے مثلاً:

ا۔ رضاعی بہن کی ماں:

اس کی تفصیل یہ ہے کہ بندہ نے زید کی ماں کا دودھ پیا اور وہ زید کی رضاعی بہن ہوگئی اور اس بندہ کی ماں کے ساتھ زید کا کوئی رشتہ نہیں لہٰذا وہ اس سے نکاح کرسکتا ہے لیکن زید اپنی نسبی بہن کی ماں سے نکاح نہیں کرسکتا کیونکہ وہ یا تو اس کی اپنی سگی ماں ہوگی یا سوتیلی ماں ہوگی۔ جبکہ رضاعی بہن کی ماں اس کے لیے غیر محرم ہے ہاں اگر اس نے رضاعی بہن کی ماں کا دودھ پیا ہو تو وہ زید کی رضاعی ماں ہو کر حرام ہو جائے گی۔

۲۔ رضاعی بیٹے کی بہن:

رضاعی بیٹے کی بہن سے بھی نکاح کرسکتا ہے کیونکہ یہ لڑکا رضاعت کی وجہ سے اس کا بیٹا قرار پایا لیکن اس کی بہن کے ساتھ اس کا کوئی رشتہ نہیں۔

لیکن نسبی بیٹے کی بہن کے ساتھ نکاح نہیں کرسکتا کیونکہ جب اس لڑکی (سوتیلی بیٹی) کی ماں سے وطی کرلی تو اب اس سے وطی نہیں کرسکتا۔

لیکن رضاعی باپ کی بیوی یا رضاعی بیٹے کی بیوی سے نکاح نہیں کرسکتا جس طرح باپ کی بیوی (سگی ماں یا سوتیلی ماں) یا بیٹے کی بیوی (بہو) سے نکاح نہیں کرسکتا۔

اس کی دلیل مذکورہ بالا حدیث ہے۔

سوال: قرآن پاک میں اصلاب کی قید ہے وَحَلَائِلُ اَبْنَاءِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ''تمہارے سگے بیٹوں کی بیویاں تم پر حرام ہیں'' تو اس سے واضح ہوا کہ رضاعی بیٹے کی بیوی سے نکاح جائز ہے؟

جواب: قرآنِ پاک میں اصلاب کا ذکر متبنی (لے پالک بیٹے) کی بیوی کو نکالنے کے لیے ہے کہ اس کے ساتھ نکاح جائز ہے جس طرح حضرت زید رضی اللہ عنہ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دی تو حضرت علیہ السلام نے ان سے نکاح کرلیا حالانکہ حضرت زید رضی اللہ عنہ آپ کے منہ بولے بیٹے تھے۔

لہٰذا اس سے رضاعی بیٹے کی بیوی سے نکاح کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔

لَبَنُ الْفَحْلِ سے حرمت کا تعلق

(۱۷۰) [وَلَبَنُ الْفَحْلِ يَتَعَلَّقُ بِهِ التَّحْرِيْمُ. وَهُوَ اَنْ تُرْضِعَ الْمَرْاَةُ صَبِيَّةً فَتَحْرُمُ هٰذِهِ

الصَّبِيَّةُ عَلٰى زَوْجِهَا وَعَلٰى اٰبَائِهٖ وَاَبْنَائِهٖ وَيَصِيْرُ الزَّوْجُ الَّذِىْ نَزَلَ لَهَا مِنْهُ اللَّبَنُ اَبًا لِّلْمُرْضَعَةِ] وَفِىْ اَحَدِ قَوْلَىِ الشَّافِعِىِّ: لَبَنُ الْفَحْلِ لَا يُحَرِّمُ لِاَنَّ الْحُرْمَةَ لِشُبْهَةِ الْبَعْضِيَّةِ وَاللَّبَنُ بَعْضُهَا لَا بَعْضُهٗ۔

وَلَنَا مَارَوَيْنَا، وَالْحُرْمَةُ بِالنَّسَبِ مِنَ الْجَانِبَيْنِ فَكَذَا بِالرَّضَاعِ۔

وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لِعَائِشَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهَا: «لِيَلِجْ عَلَيْكِ اَفْلَحُ فَاِنَّهٗ عَمُّكِ مِنَ الرَّضَاعَةِ»۔

وَلِاَنَّهٗ سَبَبٌ لِّنُزُوْلِ اللَّبَنِ مِنْهَا فَيُضَافُ اِلَيْهِ فِىْ مَوْضِعِ الْحُرْمَةِ اِحْتِيَاطًا

ترجمہ: [اور لبن الفحل سے حرمت متعلق ہوتی ہے اور وہ اس طرح کہ کوئی خاتون کسی بچی کو دودھ پلائے تو یہ بچی اس کے خاوند اور اس (خاوند) کے آباؤ اجداد اور بیٹوں (پوتوں وغیرہ) پر حرام ہو جائے گی اور وہ خاوند جس کی وجہ سے اس عورت کا دودھ اُترا دودھ پینے والی بچی کا (رضاعی) باپ ہو جائے گا]

اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے دو قول میں سے ایک قول یہ ہے کہ "لبن الفحل" سے حرمت نہیں آتی کیونکہ حرمت جزء ہونے کے شبہ کی وجہ سے ہوتی ہے اور دودھ عورت کی جزء ہے مرد کی نہیں۔

اور ہماری دلیل وہ حدیث ہے جو پہلے گزر چکی ہے اور نسب کی وجہ سے حرمت دونوں طرف سے ہوتی ہے لہٰذا رضاعت میں بھی اسی طرح ہوگا۔

اور حضور علیہ السلام نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

لِيَلِجْ عَلَيْكِ اَفْلَحُ فَاِنَّهٗ عَمُّكِ مِنَ الرَّضَاعَةِ۔ [1]

ترجمہ: افلح تمہارے پاس آسکتے ہیں کیونکہ وہ تمہارے رضاعی چچا ہیں۔

نیز وہ مرد، دودھ اُترنے کا سبب ہے لہٰذا حرمت کے مقام پر احتیاط کا تقاضا ہے کہ اس (دودھ) کی رضاعت اس کی طرف کی جائے۔

توضیح: چونکہ دودھ پلانے کا عمل عورت کی طرف سے ہوتا ہے لہٰذا بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حرمت رضاعت کا تعلق اسی سے ہے اس کے خاوند سے اس کی کوئی تعلق نہیں اس لیے یہاں یہ مسئلہ بیان کیا کہ حرمت کا تعلق لبن الفحل کے ساتھ بھی ہوتا ہے۔

لبن دودھ کو کہا جاتا ہے اور فحل نر کو کہتے ہیں یعنی جس عورت نے دودھ پلایا اس کا خاوند مراد ہے تو مسئلہ یہ ہے کہ کسی

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب تحریم الرضاع من ماء الفحل، حدیث: ۷۔ ابوداؤد کتاب النکاح، باب فی لبن الفحل، حدیث: ۲۰۵۷

بچی نے کسی خاتون کا دودھ پیا تو اس کے خاوند اور خاوند کے باپ دادا اور اس کی مرد اولاد پوتے نواسے سب پر وہ لڑکی حرام ہوجائے گی کیونکہ وہ ان کی رضاعی طور پر محرم ہوجائے گی۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول یہ ہے کہ وہ بچی اس مرد پر حرام نہیں ہوتی کیونکہ حرام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ اس بچی میں دودھ پلانے والی عورت کی جزء ہونے کا شبہ پایا جاتا ہے اور اس کا مرد سے کوئی تعلق نہیں۔

ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ عورت کے ہاں دودھ مرد کی طرف سے ہی آتا ہے کیونکہ جب وہ وطی کرتا ہے تو وہ دودھ اُترنے کا سبب بنتا ہے۔

لہٰذا احتیاط کا تقاضا بھی یہی ہے کہ وہ بچی اس مرد کے لیے حرام ہوجائے کیونکہ وہ اس کا رضاعی باپ بن چکا ہے۔

اور اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت افلح رحمۃ اللہ علیہ کے بھائی کی بیوی نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو دودھ پلایا تھا ایک دفعہ حضرت افلح رحمۃ اللہ علیہ آئے تو ام المومنین نے اسی بنیاد پر کہ دودھ تو عورت نے پلایا ہے انہیں اندر آنے کی اجازت نہ دی۔

جب حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے سامنے ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ''وہ تمہارے پاس آسکتے ہیں کیونکہ وہ تمہارے رضاعی چچا ہیں''۔

لہٰذا جب رضاعت کے اعتبار سے چچا کا رشتہ قائم ہوتا ہے تو باپ کا بدرجہ اولیٰ قائم ہوگا۔

رضاعی بھائی کی بہن سے نکاح جائز ہے

(۱۷۱) [وَيَجُوْزُ اَنْ يَّتَزَوَّجَ الرَّجُلُ بِاُخْتِ اَخِيْهِ مِنَ الرِّضَاعِ]؛ لِاَنَّهٗ يَجُوْزُ اَنْ يَتَزَوَّجَ بِاُخْتِ اَخِيْهِ مِنَ النَّسَبِ وَذٰلِكَ مِثْلُ الْاَخِ مِنَ الْاَبِ اِذَا كَانَتْ لَهٗ اُخْتٌ مِّنْ اُمِّهٖ جَازَ لِاَخِيْهِ مِنْ اَبِيْهِ اَنْ يَّتَزَوَّجَهَا۔

[وَكُلُّ صَبِيَّيْنِ اجْتَمَعَا عَلٰى ثَدْيٍ وَّاحِدَةٍ لَّمْ يَجُزْ لِاَحَدِهِمَا اَنْ يَتَزَوَّجَ بِالْاُخْرٰى] هٰذَا هُوَ الْاَصْلُ؛ لِاَنَّ اُمَّهُمَا وَاحِدَةٌ فَهُمَا اَخٌ وَّاُخْتٌ

[وَلَا يَتَزَوَّجُ الْمُرْضَعَةَ اَحَدٌ مِّنْ وَلَدِ الَّتِيْ اَرْضَعَتْ]؛ لِاَنَّهٗ اَخُوْهَا وَلَا وَلَدُ وَلَدِهَا]؛ لِاَنَّهٗ وَلَدُ اَخِيْهَا۔

[وَلَا يَتَزَوَّجُ الصَّبِيُّ الْمُرْضَعُ اُخْتَ زَوْجِ الْمُرْضِعَةِ؛ لِاَنَّهَا عَمَّتُهٗ مِنَ الرَّضَاعَةِ]۔

ترجمہ: [اور جائز ہے کہ کوئی شخص اپنے رضاعی بھائی کی بہن سے نکاح کرے] کیونکہ یہ بھی جائز ہے کہ اپنے نسبی بھائی کی بہن سے نکاح کرے اور اس کی مثال اس طرح ہے کہ وہ اس کا باپ کی طرف سے بھائی ہو جب اس کی بہن ماں کی

طرف سے ہو تو باپ کی طرف سے بھائی کے لیے اس سے نکاح کرنا جائز ہے۔

[اور ہر دو بچے جو ایک پستان پر اکٹھے ہوں ان کے لیے جائز نہیں کہ وہ ایک دوسرے سے نکاح کریں] یہ ضابطہ ہے کیونکہ ان دونوں کی ماں ایک ہے پس وہ بہن بھائی ہیں]

[اور جس بچی کو دودھ پلایا گیا اس کے لیے دودھ پلانے والی خاتون کی اولاد میں سے کسی سے نکاح کرنا جائز نہیں] کیونکہ وہ اس کے بھائی ہیں اور اس لڑکی کی اولاد سے بھی جائز نہیں کیونکہ وہ اس کے بھتیجے ہیں۔

[اور جس لڑکے کو دودھ پلایا گیا وہ دودھ پلانے والی کے خاوند کی بہن سے بھی نکاح نہیں کرسکتا کیونکہ وہ اس کی رضاعی پھوپھی ہے]۔

توضیح: رضاعت کے حوالے سے چند رشتوں کا ذکر کیا گیا جن میں سے بعض سے نکاح جائز ہے اور بعض سے جائز نہیں۔

پہلا مسئلہ:

کسی شخص کا رضاعی بھائی ہو تو وہ اس کی بہن سے نکاح کرسکتا ہے مثلاً زید اور عمرو نے عمرو کی ماں کا دودھ پیا اب زید اور عمرو رضاعی بھائی ہو گئے تو عمرو زید کی بہن سے نکاح کرسکتا ہے کیونکہ اس کا اس لڑکی سے کوئی رشتہ نہیں ہاں اگر اس لڑکی کی ماں کا دودھ پیا ہوتا تو عمرو اس سے نکاح نہیں کرسکتا تھا کیونکہ اب زید اور اس کی بہن دونوں عمرو کی بہن بھائی بن گئے۔

اب اس حوالے سے فرماتے ہیں کہ اگر یہ صورت نسبی ہوتی تو بھی یہ نکاح جائز تھا جیسے مثلاً ایک خاتون کسی کے نکاح میں تھی اور ان کے ہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی اب اس کا خاوند فوت ہو گیا اور اس نے دوسرے شوہر سے شادی کرلی جس کا پہلی بیوی سے ایک بیٹا ہے اور ایک بیٹا اس خاتون سے پیدا ہوا۔

اب یہ دونوں لڑکے باپ کی طرف سے بھائی ہو گئے لیکن اس خاوند کا پہلی بیوی سے لڑکا اس خاتون کی پہلے خاوند سے لڑکی سے نکاح کرسکتا ہے کیونکہ ان دونوں کے ماں باپ الگ الگ ہیں۔

ضابطہ

جب دو بچے (لڑکا اور لڑکی) ایک خاتون کا دودھ پئیں تو وہ ایک دوسرے سے نکاح نہیں کرسکتے کیونکہ ان کی رضاعی ماں ایک ہے اس لیے وہ آپس میں بہن بھائی ہیں۔

دوسرا مسئلہ:

جس بچی نے کسی عورت کا دودھ پیا وہ دودھ پلانے والی خاتون کی اولاد میں سے کسی سے نکاح نہیں کرسکتی کیونکہ وہ اس کا بھائی ہے اور اس کے بیٹے سے بھی نہیں کرسکتی کیونکہ وہ اس کا بھتیجا بن گیا۔

تیسرا مسئلہ:

دودھ پینے والا بچہ دودھ پلانے والی عورت کے خاوند کی بہن سے بھی نکاح نہیں کرسکتا کیونکہ وہ اس کی رضاعی پھوپھی ہوگئی۔

عورت کے دودھ میں پانی مل جائے تو کیا حکم ہوگا

(۱۷۲) [وَإِذَا اخْتَلَطَ اللَّبَنُ بِالْمَاءِ وَاللَّبَنُ هُوَ الْغَالِبُ تَعَلَّقَ بِهِ التَّحْرِيْمُ] وَإِنْ غَلَبَ الْمَاءُ لَمْ يَتَعَلَّقْ بِهِ التَّحْرِيْمُ. خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى هُوَ يَقُوْلُ: إِنَّهُ مَوْجُوْدٌ فِيْهِ حَقِيْقَةً. وَنَحْنُ نَقُوْلُ الْمَغْلُوْبُ غَيْرُ مَوْجُوْدٍ حُكْمًا حَتّٰى لَا يَظْهَرَ فِيْ مُقَابَلَةِ الْغَالِبِ كَمَا فِي الْيَمِيْنِ۔

ترجمہ: [اور جب (عورت کا) دودھ پانی میں مل جائے اور دودھ غالب ہو تو اس کے ساتھ حرمت ثابت ہو جائے گی] اور اگر پانی غالب تو حرمت ثابت نہیں ہوگی۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے آپ فرماتے ہیں کہ دودھ اس میں حقیقتاً موجود ہے۔

اور ہم کہتے ہیں کہ مغلوب حکمی طور پر موجود نہیں ہوتا حتیٰ کہ غالب کے مقابلے میں اس کا حکم ظاہر نہیں ہوتا جیسے قسم میں ہوتا ہے۔

توضیح: اگر عورت کا دودھ پانی میں مل جائے اور کوئی بچہ یا بچی اسے پی لے اور وہ مدت رضاعت ہو تو کیا اس سے حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی۔

تو اس کی دو صورتیں ہیں:

۱۔ دودھ زیادہ اور پانی کم ہو تو غالب کا اعتبار کرتے ہوئے حرمت ثابت ہو جائے گی۔

۲۔ دودھ کم اور پانی زیادہ ہو تو پانی کے غلبہ کی وجہ سے حرمت ثابت نہیں ہوگی۔

لیکن حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حرمت ثابت ہو جائے گی وہ فرماتے ہیں اگرچہ دودھ کم ہے لیکن واقعتاً وہ موجود تو ہے ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ قلیل معدوم کی طرح ہوتا ہے لہٰذا حکمی طور پر مغلوب موجود نہیں ہوتا وہ پانی ہے دودھ نہیں۔

جیسے کوئی شخص قسم اٹھاتا ہے کہ وہ دودھ نہیں پیے گا پھر اس نے پانی والا دودھ پیا جس میں پانی زیادہ تھا تو حانث نہیں ہوگا اور قسم نہیں ٹوٹے گی۔

دودھ میں کھانا مل جائے تو کیا حکم ہوگا؟

(۱۷۳) [وَإِنِ اخْتَلَطَ بِالطَّعَامِ لَمْ يَتَعَلَّقْ بِهِ التَّحْرِيْمُ] وَإِنْ كَانَ اللَّبَنُ غَالِبًا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى۔

وَقَالَا: إِذَا كَانَ اللَّبَنُ غَالِبًا يَتَعَلَّقُ بِهِ التَّحْرِيْمُ قَالَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: قَوْلُهُمَا فِيْمَا إِذَا لَمْ

تَمَسَّهُ النَّارُ، حَتّٰى لَوْ طُبِخَ لَا يَتَعَلَّقُ بِهِ التَّحْرِيْمُ فِيْ قَوْلِهِمْ جَمِيْعًا۔

لَهُمَا اَنَّ الْعِبْرَةَ لِلْغَالِبِ كَمَا فِي الْمَاءِ اِذَا لَمْ يُغَيِّرْهُ شَيْءٌ عَنْ حَالِهِ۔

وَلِاَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ اَنَّ الطَّعَامَ اَصْلٌ وَاللَّبَنُ تَابِعٌ لَّهُ فِيْ حَقِّ الْمَقْصُوْدِ فَصَارَ كَالْمَغْلُوْبِ، وَلَا مُعْتَبَرَ بِتَقَاطُرِ اللَّبَنِ مِنَ الطَّعَامِ عِنْدَهُ هُوَ الصَّحِيْحُ؛ لِاَنَّ التَّغَذِّيْ بِالطَّعَامِ اِذْ هُوَ الْاَصْلُ۔

ترجمہ: [اور اگر (عورت کا) دودھ کھانے میں مل جائے تو اس کے ساتھ حرمت ثابت نہیں ہوگی] اگر چہ دودھ غالب ہو یہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔

اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں اگر دودھ غالب ہو تو حرمت ثابت ہو جائے گی۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: صاحبین کا قول اس صورت سے متعلق ہے جب اسے آگ نہ پہنچے حتیٰ کہ اگر اسے اس کے ساتھ پکایا جائے تو اس سے حرمت ثابت نہیں ہوگی۔

(اختلافی صورت میں) صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ غالب کا اعتبار ہوتا ہے جیسے پانی والے مسئلہ میں ہے جب کہ کوئی چیز اسے اپنی حالت سے نہ بدلے۔

اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ مقصور کے حق میں کھانا اصل ہے اور دودھ اس کے تابع ہے تو یہ مغلوب کی طرح ہو گیا اور آپ کے نزدیک دودھ کے قطروں کے گرنے کا اعتبار نہیں ہوگا یہی صحیح ہے کیونکہ اصل یہی ہے کہ غذا کھانے سے حاصل کی جاتی ہے۔

توضیح: اگر عورت کا دودھ کھانے سے مل جائے تو کیا حرمت ثابت ہوگی؟ تو اس سلسلے میں دو صورتیں ہیں:

۱۔ کھانے کو دودھ کے ساتھ پکایا گیا تو چاہے دودھ غالب ہو حرمت ثابت نہیں ہوگی اس پر اتفاق ہے۔

۲۔ کھانے اور دودھ کو ملا کر پکایا نہیں گیا تو حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حرمت ثابت نہیں ہوگی۔ اگر چہ دودھ غالب ہو اور اگر چہ کھاتے وقت دودھ کے قطرے گریں آپ کی دلیل یہ ہے کہ اصل غذا حاصل کرنا مقصود ہے اور اس میں کھانا اصل اور دودھ تابع ہے تو یہ مغلوب کی طرح ہو گیا۔

صاحبین فرماتے ہیں جب پکایا گیا تو دودھ کی حالت تبدیل ہو گئی لہٰذا دودھ کا اعتبار نہیں ہوگا لیکن جب پکایا نہ گیا اور دودھ غالب تھا تو غالب کا اعتبار کرتے ہوئے حرمت ثابت ہوگی اور اس کا وہی حکم ہوگا جو دودھ کے پانی میں ملنے کی صورت میں ہوتا ہے۔

عورت کا دودھ دوائی میں مل جائے

(۱۷۴) [وَاِنِ اخْتَلَطَ بِالدَّوَاءِ وَاللَّبَنُ غَالِبٌ تَعَلَّقَ بِهِ التَّحْرِيْمُ]؛ لِاَنَّ اللَّبَنَ يَبْقٰى مَقْصُوْدًا فِيْهِ، اِذِ الدَّوَاءُ لِتَقْوِيَتِهٖ عَلَى الْوُصُوْلِ. وَاِذَا اخْتَلَطَ اللَّبَنُ بِلَبَنِ الشَّاةِ وَهُوَ الْغَالِبُ تَعَلَّقَ بِهِ التَّحْرِيْمُ

[وَاِنْ غَلَبَ لَبَنُ الشَّاةِ لَمْ يَتَعَلَّقْ بِهِ التَّحْرِيْمُ] اِعْتِبَارًا لِلْغَالِبِ كَمَا فِى الْمَاءِ۔

ترجمہ: [اور اگر (عورت کا) دودھ دوائی میں مل جائے اور دودھ غالب ہو تو اس کے ساتھ حرمت متعلق ہو جائے گی] کیونکہ اس میں دودھ بطور مقصود باقی ہے اس لیے کہ دوائی اس کو صرف تقویت پہنچانے کے لیے ہے اور جب (عورت کا) دودھ بکری کے دودھ کے ساتھ مل جائے اور وہ غالب ہو اس سے حرمت متعلق ہوگی۔

[اور اگر بکری کا دودھ غالب ہو تو اس سے حرمت متعلق نہیں ہوگی] اس سے غالب کا اعتبار ہوگا جس طرح پانی (سے ملنے) والی صورت میں ہے۔

توضیح: یہاں عورت کے دودھ کے دوسری چیز میں ملنے سے متعلق دو مسائل کا ذکر ہے۔

۱۔ دودھ، دوائی میں مل گیا اور دودھ زیادہ تھا تو اس کے پینے سے حرمت ثابت ہوگی کیونکہ دودھ مقصود ہے اور دوائی اس کو قوت دینے کے لیے ہے اور اگر عورت کا دودھ، بکری کے دودھ میں مل جائے تو اس کا وہی حکم ہے جو پانی میں ملنے کی صورت میں ہے۔

یعنی اگر عورت کا دودھ غالب اور بکری کا دودھ مغلوب ہو تو حرمت ثابت ہوگی اور اگر بکری کا دودھ غالب ہو تو حرمت ثابت نہیں ہوگی کیونکہ غالب کا اعتبار کیا جائے گا۔

دو عورتوں کا دودھ مل جائے تو کیا حکم ہوگا؟

(۱۷۵) [وَاِذَا اخْتَلَطَ لَبَنُ امْرَاَتَيْنِ تَعَلَّقَ التَّحْرِيْمُ بِاَغْلَبِهِمَا عِنْدَ اَبِىْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ]؛ لِاَنَّ الْكُلَّ صَارَ شَيْئًا وَاحِدًا فَيُجْعَلُ الْاَقَلُّ تَابِعًا لِلْاَكْثَرِ فِىْ بِنَاءِ الْحُكْمِ عَلَيْهِ [وَقَالَ مُحَمَّدٌ وَزُفَرُ] [يَتَعَلَّقُ التَّحْرِيْمُ بِهِمَا]؛ لِاَنَّ الْجِنْسَ لَا يَغْلِبُ الْجِنْسَ فَاِنَّ الشَّىْءَ لَا يَصِيْرُ مُسْتَهْلَكًا فِىْ جِنْسِهٖ لِاِتِّحَادِ الْمَقْصُوْدِ۔

وَعَنْ اَبِىْ حَنِيْفَةَ فِىْ هٰذَا رِوَايَتَانِ، وَاَصْلُ الْمَسْاَلَةِ فِى الْاَيْمَانِ۔

ترجمہ: [اور جب دو عورتوں کا دودھ مل جائے تو ان میں سے جو غالب ہے اس کے ساتھ حرمت متعلق ہوگی اور یہ

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے]

کیونکہ یہ تمام دودھ ایک چیز بن گیا لہٰذا اس پر حکم لگانے کے لیے کم دودھ کو زیادہ دودھ کے تابع کیا جائے گا۔

[اور حضرت امام محمد اور امام زفر رحمہما اللہ فرماتے ہیں دونوں کے ساتھ حرمت متعلق ہو جائے گی] کیونکہ جنس اپنی ہم جنس پر غالب نہیں آتی کوئی چیز اپنی جنس میں ہلاک (ختم) نہیں ہوتی کیونکہ مقصود ایک ہی ہوتا ہے۔

اور حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس مسئلہ میں دو روایتیں اور اصل مسئلہ قسموں سے متعلق ہے۔

توضیح: اگر دو عورتوں کا دودھ آپس میں مل جائے تو اس کے ساتھ حرمت کے تعلق کے بارے میں ائمہ احناف کے تین قول ہیں۔

پہلا قول:

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جس عورت کا دودھ زیادہ ہوگا اس کے ساتھ حرمت متعلق ہو جائے کیونکہ کم دودھ، زیادہ کے تابع ہوگا۔

دوسرا قول:

حضرت امام محمد اور حضرت امام زفر رحمہما اللہ فرماتے ہیں دونوں عورتوں کے ساتھ حرمت متعلق ہوگی کیونکہ ایک عورت کا دودھ دوسری عورت کے دودھ کا ہم جنس ہے اور ایک جنس اپنی جنس پر غالب نہیں آتی اور نہ ہی اس میں ہلاک اور تابع ہوتی ہے کیونکہ دونوں کا مقصود متحد ہے۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس سلسلے میں دو روایتیں ہیں۔

اصل مسئلہ قسموں سے متعلق ہے یعنی اگر کسی شخص نے قسم کھائی کہ وہ فلاں بکری یا بھینس کا دودھ نہیں پیے گا پھر اس میں دوسری بکری یا بھینس کا دودھ مل گیا اور اس نے پی لیا تو حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حانث ہو جائے گا کیونکہ جنس اپنے غیر پر غالب نہیں آتی اور شیخین کے نزدیک حانث نہیں ہوگا۔

کنواری لڑکی کے دودھ کا حکم

(۱۷۶) [وَاِذَا نَزَلَ لِلْبِكْرِ لَبَنٌ فَاَرْضَعَتْ صَبِيًّا تَعَلَّقَ بِهِ التَّحْرِيْمُ] لِاِطْلَاقِ النَّصِّ وَلِاَنَّهٗ سَبَبُ النُّشُوْءِ فَتَثْبُتُ بِهٖ شُبْهَةُ الْبَعْضِيَّةِ۔

ترجمہ: [اور جب کنواری لڑکی کا دودھ اُتر آئے، اور وہ کسی بچے کو دودھ پلائے تو اس کے ساتھ حرمت متعلق ہو جائے گی] کیونکہ نص مطلق ہے۔

اور اس لیے بھی ہے کہ یہ دودھ نشوونما کا سبب ہے لہٰذا اس سے اس کی جزء ہونے کا شبہ پیدا ہو گیا۔

توضیح: عام حالات میں دودھ اسی عورت کے ہاں اُترتا ہے جس کے ہاں بچہ پیدا ہو لیکن حکمت خداوندی کے تحت اگر کنواری لڑکی کے ہاں دودھ اُتر آئے اور کوئی بچہ اس کا دودھ پیے تو اس سے بھی حرمت ثابت ہوگی کیونکہ آیت کریمہ میں مطلق حکم ہے۔

اس سے مراد یہ آیت:

وَ اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ ◆

ترجمہ: اور تمہاری وہ مائیں جو تمہیں دودھ پلائیں۔

اس میں کوئی قید نہیں کہ وہ شادی شدہ ہو یا کنواری۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ جب بچہ مدت رضاعت میں کسی خاتون کا دودھ پیتا ہے تو وہ دودھ اس بچے کی نشوونما کا سبب ہوتا ہے جس سے اس بچے کا اس خاتون کا بعض یعنی جزء ہونے کا شبہ ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ اس پر حرام ہوگی۔

عورت کی وفات کے بعد اس کا دودھ کسی بچے کے منہ میں ڈالنا

(۱۷۷) [وَاِذَا حَلَبَ لَبَنَ الْمَرْاَةِ بَعْدَ مَوْتِهَا فَاَوْجَرَ الصَّبِيَّ تَعَلَّقَ بِهِ التَّحْرِيْمُ] خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ. هُوَ يَقُوْلُ: اَلْاَصْلُ فِيْ ثُبُوْتِ الْحُرْمَةِ اِنَّمَا هُوَ الْمَرْاَةُ ثُمَّ تَتَعَدّٰى اِلٰى غَيْرِهَا بِوَاسِطَتِهَا. وَبِالْمَوْتِ لَمْ تَبْقَ مَحَلًّا لَّهَا. وَلِهٰذَا لَا يُوْجِبُ وَطْؤُهَا حُرْمَةَ الْمُصَاهِرَةِ.

وَلَنَا اَنَّ السَّبَبَ هُوَ شُبْهَةُ الْجُزْئِيَّةِ وَذٰلِكَ فِي اللَّبَنِ لِمَعْنَى الْاِنْشَازِ وَالْاِنْبَاتِ وَهُوَ قَائِمٌ بِاللَّبَنِ. وَهٰذِهِ الْحُرْمَةُ تَظْهَرُ فِيْ حَقِّ الْمَيِّتَةِ دَفْنًا وَتَيَمُّمًا.

اَمَّا الْحُرْمَةُ فِي الْوَطْيِ لِكَوْنِهٖ مُلَاقِيًا لِمَحَلِّ الْحَرْثِ وَقَدْ زَالَ بِالْمَوْتِ فَافْتَرَقَا۔

ترجمہ: [اور جب کسی عورت کے فوت ہونے کے بعد اس کا دودھ نکال کر کسی بچے کے منہ میں ڈالا جائے تو اس سے حرمت متعلق ہو جائے گی]

اس میں حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کا اختلاف ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

حرمت کے ثبوت میں اصل وہ عورت ہے پھر اس کے واسطے سے یہ حکم دوسروں کی طرف متعدی ہوتا ہے اور موت کی وجہ سے وہ (حرمت کا) محل نہیں رہی اسی وجہ سے اس سے وطی کرنے سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی اور ہماری دلیل یہ ہے کہ (حرمت کا) سبب بعضیت (جزء ہونے) کا شبہ ہے اور یہ دودھ میں پایا جاتا ہے کیونکہ نشوونما اور بڑھنا اس کی وجہ سے ہوتا ہے اور وہ دودھ کی وجہ سے قائم ہے اور یہ حرمت مردہ میں دفن کرنے اور تیمم کے حق میں ظاہر ہوتی ہے۔

◆ سورۃ النساء، آیت: ۲۳

جہاں تک وطی میں حرمت کا تعلق ہے تو اس کا تعلق کھیتی کے محل سے ہوتا ہے اور وہ موت کی وجہ سے زائل ہو گئی لہٰذا دونوں مسئلوں میں فرق ہے۔

توضیح: اپنی زندگی میں جب کوئی عورت کسی بچے یا بچی کو دودھ پلائے تو اس سے متعلق مسائل کا ذکر اس سے پہلے ہو چکا ہے۔ اب یہ بتایا جا رہا ہے کہ اگر کوئی عورت فوت ہو جائے اور اس کا دودھ نکال کر کسی بچے کو پلایا جائے تو کیا حکم ہوگا۔

احناف کے نزدیک اس صورت میں بھی حرمت ثابت ہو جائے گی کیونکہ اس دودھ میں بچے کی نشوونما اور بڑھوتی کی صلاحیت موجود ہے لہٰذا اس بچے کا عورت کی جزء ہونے کا شبہ پیدا ہو گیا۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں دودھ کی وجہ سے حرمت کا تعلق سب سے پہلے اس دودھ پلانے والی عورت کے ساتھ ہوتا ہے پھر دوسروں کی طرف متعدی ہوتا ہے اور وہ عورت فوت ہونے کی وجہ سے اس (حلت و حرمت) کا محل ہی نہیں رہی۔ وہ فرماتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اگر اس مردہ عورت سے کوئی وطی کرے تو حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی مثلاً اس کی بیٹی اس شخص پر حرام نہیں ہوتی۔

احناف کی طرف سے اس کا جواب یوں دیا گیا کہ مردہ عورت سے وطی کرنا نسل انسانی کے لیے مفید نہیں کیونکہ اس کے حالت کھیتی والی نہیں رہی۔ لہٰذا دونوں باتیں الگ الگ ہیں۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ مردہ عورت کے دودھ سے حرمت ظاہر نہیں ہوتی تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس عورت کے تدفین اور تیمم کرانے میں یہ حرمت ظاہر ہوتی ہے مثلاً مردہ عورت کا دودھ ایک چھوٹی بچی کو پلایا گیا اور اس کا نکاح کسی شخص سے ہو چکا تھا تو وہ اس خاتون کا محرم ہو جائے گا تو وہ اس کی بیوی ہو جائے گی لہٰذا اگر کوئی غسل دینے والی خاتون نہ ہو تو وہ اسے تیمم کرا سکتا ہے اس طرح اسے دفن بھی کر سکتا ہے۔

حقنہ کی حکم

(۱۷۸) [وَاِذَا احْتُقِنَ الصَّبِيُّ بِاللَّبَنِ لَمْ يَتَعَلَّقْ بِهِ التَّحْرِيْمُ] وَعَنْ مُحَمَّدٍ اَنَّهُ ثَبَتَ بِهِ الْحُرْمَةُ كَمَا يَفْسُدُ بِهِ الصَّوْمُ۔

وَوَجْهُ الْفَرْقِ عَلَى الظَّاهِرِ اَنَّ الْمُفْسِدَ فِي الصَّوْمِ اِصْلَاحُ الْبَدَنِ وَيُوْجَدُ ذٰلِكَ فِي الدَّوَاءِ۔

فَاَمَّا الْمُحَرِّمُ فِي الرَّضَاعِ فَمَعْنَى النُّشُوْءِ وَلَا يُوْجَدُ ذٰلِكَ فِي الْاِحْتِقَانِ؛ لِاَنَّ الْمُغَذِّي وُصُوْلُهُ مِنَ الْاَعْلٰى۔

[اگر بچے کو (کسی عورت کا) دودھ بطور حقنہ (یعنی پیشاب کے راستے سے نالی) کے ذریعے دیا جائے تو اس سے حرمت متعلق نہیں ہوگی]

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ حرمت ثابت ہو جائے گی جیسے اس (حقنہ) سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔

(حرمت رضاعت اور روزے کے فاسد ہونے میں) فرق یہ ہے کہ روزے کو توڑنے والی چیز بدن کی اصلاح ہے اور یہ بات دوائی میں پائی جاتی ہے۔
اور رضاعت میں حرام کرنے والی چیز بچے کی نشوونما ہے اور حقنہ میں یہ نہیں پائی جاتی کیونکہ غذا اُوپر سے نیچے کی طرف جاتی ہے۔

توضیح: حقنہ یعنی نالی کے ذریعے پیشاب گاہ کی طرف دودھ پہنچایا جائے تو اس سے حرمت ثابت نہیں ہوگی۔ حضرت امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک حرمت ثابت ہو جائے گی وہ فرماتے ہیں یہ اسی طرح ہے جیسے نالی کے ذریعے خوراک پہنچائی جائے تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔
ظاہر الروایت کے مطابق دونوں مسئلوں میں فرق ہے وہ اس طرح کہ روزے کی صورت میں بھی جب حقنہ ہو تو وہ دوائی جوف معدہ تک پہنچائی جاتی ہے جو بدن کی اصلاح کے لیے ہے اور وہ بدن کو فائدہ پہنچاتا ہے جب کہ عورت کا دودھ بچے کی نشوونما کے لیے ہوتا اور اس کا فائدہ صرف منہ کے ذریعے دودھ پہنچانے سے ہوتا ہے۔

مرد کا دودھ اُتر آئے تو کیا حکم ہوگا

(۱۷۹) [وَإِذَا نَزَلَ لِلرَّجُلِ لَبَنٌ فَأَرْضَعَ بِهِ صَبِيًّا لَمْ يَتَعَلَّقْ بِهِ التَّحْرِيمُ]؛ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِلَبَنٍ عَلَى التَّحْقِيقِ فَلَا يَتَعَلَّقُ بِهِ النُّشُوءُ وَالنُّمُوُّ. وَهٰذَا؛ لِأَنَّ اللَّبَنَ إِنَّمَا يُتَصَوَّرُ مِمَّنْ يُتَصَوَّرُ مِنْهُ الْوِلَادَةُ۔

ترجمہ: [اور جب کسی مرد کا دودھ اُتر آئے اور کسی بچے کو پلا دے تو اس کے ساتھ حرمت متعلق نہیں ہوگی] کیونکہ حقیقت میں وہ دودھ نہیں ہے لہٰذا اس کے ساتھ نشوونما کا تعلق نہیں ہوتا۔
اور یہ اس لیے کہ روزہ کا تصور اسی سے ہو سکتا ہے جس سے بچے کی پیدائش متصور ہو۔

توضیح: بعض اوقات اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کو ظاہر کرنے کے لیے عام عادت کے خلاف کوئی چیز سامنے لاتا ہے جیسے دودھ عورت یا کسی بھی مادہ کا ہوتا ہے لیکن اگر کبھی حکمت خداوندی کے تحت کسی مرد کا دودھ نکل آئے اور وہ کسی بچے کو پلائے تو اس سے حرمت ثابت نہیں ہوگی کیونکہ حقیقت میں یہ دودھ نہیں۔
اس کی وجہ یہ ہے کہ دودھ کا تصور وہاں ہوتا ہے جہاں ولادت کا تصور ہو اور ولادت خواتین کے ساتھ خاص ہے۔

بکری کے دودھ کا حکم

(۱۸۰) [وَإِذَا شَرِبَ صَبِيَّانِ مِنْ لَبَنِ شَاةٍ لَمْ يَتَعَلَّقْ بِهِ التَّحْرِيمُ]؛ لِأَنَّهُ لَا جُزْئِيَّةَ بَيْنَ

الْاٰدَمِیِّ وَالْبَهَائِمِ وَالْحُرْمَةُ بِاعْتِبَارِهَا۔

ترجمہ: [اور جب دو بچے کسی بکری کا دودھ پئیں تو اس کے ساتھ حرمت متعلق نہیں ہوگی] کیونکہ آدمی اور جانوروں میں جزئیت نہیں ہوتی اور حرمت جزئیت کے اعتبار سے ہوتی ہے۔

توضیح: اگر بکری کا دودھ دو بچوں کو پلایا گیا تو وہ ایک دوسرے پر حرام نہیں ہوں گے کیونکہ دودھ کی وجہ سے حرمت اس لیے آتی ہے کہ دودھ پینے والے کا دودھ پلانے والی کا جزء ہونے کا شبہ ہوتا ہے اور یہاں دودھ جانور کا ہے اور دودھ پینے والے انسان ہیں جبکہ آدمی اور جانور ایک دوسرے کا جزء نہیں ہوتے۔

نوٹ: دو دو بچوں کا ذکر کیا ایک کا نہیں کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ صورت دودھ پلانے والی اور پینے والے کے درمیان حرمت کی نہیں کیونکہ بکری جانور ہے لہٰذا مقصود یہ ہے کہ وہ دونوں بچے (ایک لڑکا اور دوسری لڑکی) ایک دوسرے کے لیے حرام نہیں ہوں گے ایک کے ذکر کا فائدہ نہیں تھا اس لیے دو کا ذکر کیا (۱۲ ہزاروی)۔

بڑی بیوی چھوٹی بیوی کو دودھ پلا دے تو کیا حکم ہوگا

(۱۸۱) [وَاِذَا تَزَوَّجَ الرَّجُلُ صَغِيْرَةً وَكَبِيْرَةً فَاَرْضَعَتِ الْكَبِيْرَةُ الصَّغِيْرَةَ حُرِّمَتَا عَلَى الزَّوْجِ]؛ لِاَنَّهٗ يَصِيْرُ جَامِعًا بَيْنَ الْاُمِّ وَالْبِنْتِ رَضَاعًا وَ ذٰلِكَ حَرَامٌ كَالْجَمْعِ بَيْنَهُمَا نَسَبًا [ثُمَّ اِنْ لَمْ يَدْخُلْ بِالْكَبِيْرَةِ فَلَا مَهْرَ لَهَا]؛ لِاَنَّ الْفُرْقَةَ جَاءَتْ مِنْ قِبَلِهَا قَبْلَ الدُّخُوْلِ بِهَا [وَلِلصَّغِيْرَةِ نِصْفُ الْمَهْرِ]؛ لِاَنَّ الْفُرْقَةَ وَقَعَتْ لَامِنْ جِهَتِهَا. وَالْاِرْتِضَاعُ وَاِنْ كَانَ فِعْلًا مِنْهَا لٰكِنَّ فِعْلَهَا غَيْرُ مُعْتَبَرٍ فِيْ اِسْقَاطِ حَقِّهَا كَمَا اِذَا قَتَلَتْ مُوَرِّثَهَا [وَيَرْجِعُ بِهِ الزَّوْجُ عَلَى الْكَبِيْرَةِ اِنْ كَانَتْ تَعَمَّدَتْ بِهِ الْفَسَادَ. وَاِنْ لَمْ تَتَعَمَّدْ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهَا وَاِنْ عَلِمَتْ بِاَنَّ الصَّغِيْرَةَ امْرَاَتُهٗ] وَعَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ اَنَّهٗ يَرْجِعُ فِي الْوَجْهَيْنِ۔

وَالصَّحِيْحُ ظَاهِرُ الرِّوَايَةِ؛ لِاَنَّهَا وَاِنْ اَكَّدَتْ مَا كَانَ عَلٰى شَرَفِ السُّقُوْطِ وَهُوَ نِصْفُ الْمَهْرِ وَ ذٰلِكَ يَجْرِيْ مَجْرَى الْاِتْلَافِ لٰكِنَّهَا مُسَبِّبَةٌ فِيْهِ اِمَّا لِاَنَّ الْاِرْضَاعَ لَيْسَ بِاِفْسَادٍ لِلنِّكَاحِ وَضْعًا وَاِنَّمَا ثَبَتَ ذٰلِكَ بِاتِّفَاقِ الْحَالِ. اَوْلِاَنَّ اِفْسَادَ النِّكَاحِ لَيْسَ بِسَبَبٍ لِاِلْزَامِ الْمَهْرِ بَلْ هُوَ سَبَبٌ لِسُقُوْطِهٖ. اِلَّا اَنَّ نِصْفَ الْمَهْرِ يَجِبُ بِطَرِيْقِ الْمُتْعَةِ عَلٰى مَا عُرِفَ. لٰكِنَّ مِنْ شَرْطِهٖ اِبْطَالَ النِّكَاحِ. وَاِذَا كَانَتْ مُسَبِّبَةً يُشْتَرَطُ فِيْهِ التَّعَدِّيْ كَحَفْرِ الْبِئْرِ ثُمَّ اِنَّمَا تَكُوْنُ مُتَعَدِّيَةً اِذَا عَلِمَتْ بِالنِّكَاحِ وَقَصَدَتْ بِالْاِرْضَاعِ الْفَسَادَ. اَمَّا اِذَا لَمْ تَعْلَمْ بِالنِّكَاحِ اَوْ عَلِمَتْ بِالنِّكَاحِ

وَلٰكِنَّهَا قَصَدَتْ دَفْعَ الْجُوْعِ وَالْهَلَاكِ عَنِ الصَّغِيْرَةِ دُوْنَ الْفَسَادِ لَا تَكُوْنُ مُتَعَدِّيَةً؛ لِاَنَّهَا مَأْمُوْرَةٌ بِذٰلِكَ وَلَوْ عَلِمَتْ بِالنِّكَاحِ وَلَمْ تَعْلَمْ بِالْفَسَادِ لَا تَكُوْنُ مُتَعَدِّيَةً اَيْضًا. وَهٰذَا مِنَّا اعْتِبَارُ الْجَهْلِ لِدَفْعِ قَصْدِ الْفَسَادِ لَا لِدَفْعِ الْحُكْمِ۔

ترجمہ: [اور جب کوئی شخص ایک نابالغہ لڑکی اور دوسری بالغہ عورت سے نکاح کرے اور بڑی عورت، چھوٹی کو دودھ پلادے تو وہ دونوں خاوند پر حرام ہو جائیں گی] کیونکہ اس کے ہاں رضاعی ماں اور بیٹی جمع ہو گئیں۔

اور یہ حرام ہے جس طرح نسبی ماں اور بیٹی کا جمع ہونا حرام ہے۔

[پھر اگر بڑی بیوی سے جماع نہیں کیا تو اس کے لیے مہر نہیں ہوگا]

کیونکہ تفریق اس کی طرف سے جماع سے پہلے آئی ہے۔

[اور چھوٹی کے لیے نصف مہر ہوگا] کیونکہ جدائی اس کی وجہ سے نہیں ہوئی۔

اور دودھ پینا اگرچہ اس کا فعل ہے لیکن اس کا فعل اس کے حق کو ساقط کرنے سے غیر معتبر ہے جس طرح وہ اپنے مورث کو قتل کر دے

[اور خاوند اس (ادا کردہ مہر) کے لیے بڑی بیوی کی طرف رجوع کرے اگر اس نے نکاح کو فاسد کرنے کا ارادہ کیا اور اگر اس نے یہ ارادہ نہیں کیا تو اس کے ذمے کچھ نہیں ہوگا اگرچہ وہ جانتی ہو کہ یہ چھوٹی بچی اس شخص کی بیوی ہے]

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ وہ دونوں صورتوں میں اس کی طرف رجوع کرے اور صحیح ظاہر الروایت ہے کیونکہ اگرچہ اس نے اس چیز کو جو ساقط ہو سکتی تھی پکا کیا اور وہ نصف مہر ہے، اور وہ ضائع کرنے کے قائم مقام ہے لیکن وہ اس سلسلے میں سبب بنی ہے۔ اس لیے کہ اصل وضع کے اعتبار سے دودھ پلانا نکاح کو فاسد کرنے والا نہیں اتفاقی طور پر ایسا ہو گیا اس لیے کہ نکاح کو فاسد کرنا مہر لازم کرنے کا سبب نہیں بلکہ وہ اس کو ساقط کرنے کا سبب ہے مگر نصف مہر عرف کے مطابق متعہ کی صورت میں واجب ہوتا ہے لیکن اس کی شرط میں نکاح کو باطل کرنا شامل ہے۔ اور جب وہ سبب ہے تو اس میں تعدی (حد سے تجاوز کرنا) شرط ہے جس طرح کنواں کھودنا۔

پھر یہ حکم اس وقت متعدی ہوگا جب اس کو نکاح کا علم ہو اور دودھ پلانے سے فسادِ نکاح کا قصد کرے مگر جب اسے نکاح کا علم نہ ہو یا نکاح کا علم ہو لیکن اس نے اس بچی سے بھوک اور ہلاکت کو دُور کرنے کا قصد کیا ہو نکاح کو فاسد کرنے کا ارادہ نہ کیا ہو تو وہ تجاوز کرنے والی نہیں ہوگی کیونکہ اس بات کا اسے (شرعا) حکم دیا گیا ہے۔

اور اگر اسے نکاح کا علم ہو لیکن نکاح کے فاسد ہونے کا علم نہ ہو تو بھی تجاوز کرنے والی نہیں ہوگی اور ہماری طرف سے جہالت کا اعتبار فساد کے قصد کو دور کرنے کے لیے ہے حکم کو دور کرنے کے لیے نہیں۔

توضیح: رضاعت سے متعلق ایک اہم اور کم وبیش آنے والا مسئلہ بیان کیا جا رہا ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر کسی شخص کی ایک بالغ بیوی ہو اور اس نے ایک چھوٹی بچی سے بھی نکاح کیا ہوا ہو اور اس کی بڑی بیوی، اس چھوٹی بیوی کو دودھ پلا دے تو اس سے متعلق دو مسائل ہیں۔

پہلا مسئلہ:

نکاح ٹوٹ جائے گا یا نہیں؟

دوسرا مسئلہ:

مہر سے متعلق ہے کہ ان میں سے کون سی عورت مہر کی مستحق ہوگی۔

پہلے مسئلہ کا حکم یہ ہے کہ وہ دونوں اس شخص پر حرام ہو جائیں گی کیونکہ اب کے درمیان رضاعت کے اعتبار سے ماں بیٹی کا رشتہ قائم ہو گیا اور ماں بیٹی کا اس طرح ایک نکاح میں جمع ہونا حرام ہے جس طرح نسبی اعتبار سے ماں اور بیٹی کے ساتھ نکاح نہیں ہو سکتا۔

دوسرا مسئلہ مہر سے متعلق ہے تو اس سلسلے میں

اگر اس نے بڑی بیوی سے جماع کیا ہوا تھا تو وہ مہر کی مستحق ہوگی۔

اگر جماع نہیں کیا تھا تو اس کے لیے مہر نہیں ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس تفریق کا باعث وہی بنی ہے لہٰذا وہ مہر سے محروم ہو جائے گی۔

چھوٹی لڑکی نصف مہر کی مستحق ہوگی کیونکہ جماع نہیں ہوا اور نہ ہو سکتا تھا اور تفریق میں اس لڑکی کا کوئی عمل دخل نہیں۔

سوال: اس بچی نے دودھ پیا ہے اور یہ اس کا عمل ہے جو تفریق کا باعث بنا ہے؟

جواب: اگرچہ اس نے دودھ پیا لیکن اس کا حق ساقط کرنے میں اس کا اعتبار نہیں (کیونکہ وہ مکلف نہیں اور نہ ہی اسے شعور ہے)۔

اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے وہ اپنے مورث کو قتل کر دے تو اس کی وراثت سے محروم نہیں ہوگی کیونکہ اس کا فعل غیر معتبر ہوتا ہے۔

مسئلہ: اور خاوند نے جو نصف مہر چھوٹی بیوی کو دیا کیا وہ اس بڑی بیوی سے وصول کرے گا تو اس میں تفصیل ہے۔

﴿1﴾ اگر اس نے خاوند سے جان چھڑانے کے لیے جان بوجھ کر نکاح کو فاسد کیا تو خاوند نے وہ رقم جو چھوٹی کو دی اس بڑی بیوی سے وصول کرے گا۔

﴿2﴾ اگر اس نے نکاح کو توڑنے کا ارادہ نہیں کیا بلکہ اس بچی کو بھوک اور ہلاکت سے بچانے کے لیے دودھ پلایا تو اس صورت میں وہ رقم اس سے وصول نہیں کرے گا۔

اس مسئلہ میں حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں دونوں صورتوں میں خاوند وہ رقم اس سے وصول کرے گا۔

لیکن ظاہر الروایت میں جو تفصیل بیان کی گئی ہے وہی صحیح ہے۔

ظاہر الروایت کی وجہ

نصف مہر جو مرد نے چھوٹی بیوی کو دیا اس کی بڑی بیوی سے وصولی کی وجہ بیان کرتے ہوئے صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہ مہر ساقط بھی ہو سکتا تھا وہ اس طرح کہ اگر بڑی عمر کو پہنچنے کے بعد چھوٹی بیوی اپنے خاوند کی دوسری بیوی کے بیٹے کا شہوت کے ساتھ بوسہ لیتی اور خاوند پر حرام ہو جاتی اور اسے مہر بھی نہ ملتا۔

لیکن بڑی بیوی نے اُسے دودھ پلا کر اس مہر کو پکا کر دیا اور یہ اس کے مال کو ضائع کرنے کی طرح ہے جس کی وجہ سے اس پر ضمان آتی ہے۔

لیکن یہ اس میں سبب بنی ہے کیونکہ دودھ پلانا وضع کے اعتبار سے نکاح کو فاسد کرنے کے لیے نہیں ہے یہ تو اتفاقاً ایسا ہو گیا۔

یا یہ کہ نکاح کو توڑنا لزوم مہر کا سبب نہیں بلکہ وہ تو مہر کو ساقط کرنے کا سبب ہے۔

سوال: آپ کہتے ہیں کہ نکاح کا فاسد ہونا مہر کا سبب نہیں حالانکہ اسی فسادِ نکاح کی وجہ سے خاوند پر چھوٹی بیوی کا نصف مہر واجب ہوا تو آپ کی بات کیسے درست ہوگی؟

جواب: نصف مہر ابتدائی طور پر بطور متعہ واجب ہوا کیونکہ ارشادِ خداوندی ہے: وَمَتِّعُوْهُنَّ "اُن کو سامان دو" کیونکہ جس پر عقد ہوا یعنی عورت کی بُضع وہ صحیح سالم لوٹ گئی لیکن اس کے وجوب کی شرط نکاح کا باطل ہونا ہے لہٰذا یہ مباح ہے شرط نہیں۔

بڑی بیوی پر ضمان کی صورتیں

خاوند نے جو نصف مہر چھوٹی کو دیا اس کی ضمان بڑی بیوی پر مطلقاً نہیں، بلکہ اس میں تعدی (زیادتی اور حد سے تجاوز) شرط ہے۔

جس طرح کوئی شخص اگر اپنی مملوکہ زمین میں کنواں کھودے اور کوئی شخص اس میں گر کر مر جائے تو وہ ضامن نہیں ہوگا لیکن جب راستے میں کھودے تو کسی کے گرنے کی وجہ سے اس پر چٹی آئے گی۔ لہٰذا:

- اگر تعدی پائی جائے یعنی اسے چھوٹی سے لڑکی نکاح کا علم تھا اور اس نے نکاح توڑنے کا ارادہ کیا تو اسے وہ رقم خاوند کو دینا ہوگی۔
- لیکن اگر اسے اس بچی کے ساتھ اپنے خاوند کے نکاح کا علم نہ تھا۔
- یا نکاح کا علم تھا لیکن اس نے اس کی بھوک کو دور کرنے اور اسے ہلاکت سے بچانے کا ارادہ کیا تو تعدی نہیں ہوگی اور اس پر ضمان نہیں ہوگی۔

کیونکہ شرعی طور پر اسے اس بات کا حکم ہے اور اسے ثواب ملے گا (یعنی بھوکی بچی کو دودھ پلانا)

☆ یا اسے نکاح کا علم تھا لیکن اس کے فاسد ہونے کا علم نہ تھا تو بھی زیادتی کرنے والی (یعنی متعدی) نہیں ہوگی۔

مصنف کا یہ قول کہ ہماری طرف اس کا اعتبار جہالت کی وجہ سے ہے یہ ایک سوال کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ بڑی بیوی کا اس مسئلہ سے لاعلم ہونا کیسے معتبر ہوگا جب کہ دارالاسلام میں جہالت معتبر نہیں؟

اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ عورت کی طرف سے فساد نکاح کے قصد کو دور کرنے کے لیے اس جہالت کا اعتبار کیا گیا ضمان کے حکم کو دور کرنے کے لیے نہیں کیونکہ شرعی حکم یعنی ضمان کا دارومدار تعدی پر ہے اور تعدی اس وقت ہوگی جب اس کا ارادہ فسادِ نکاح کا ہو اور ارادہ اس وقت متحقق ہوگا جب اس کے فساد کا علم ہو تو جب فساد کے علم کی نفی ہوگئی تو فساد کی بھی نفی ہوگی لہٰذا جہالت کا اعتبار فساد کے ارادے کو دور کرنے کے لیے ہوا۔

رضاعت کے بارے میں عورتوں کی گواہی

(۱۸۲) [وَلَا تُقْبَلُ فِي الرَّضَاعِ شَهَادَةُ النِّسَاءِ مُنْفَرِدَاتٍ وَإِنَّمَا تَثْبُتُ بِشَهَادَةِ رَجُلَيْنِ أَوْ رَجُلٍ وَّامْرَأَتَيْنِ] وَقَالَ مَالِكٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ: تَثْبُتُ بِشَهَادَةِ امْرَأَةٍ وَّاحِدَةٍ إِذَا كَانَتْ مَوْصُوْفَةً بِالْعَدَالَةِ؛ لِأَنَّ الْحُرْمَةَ حَقٌّ مِّنْ حُقُوْقِ الشَّرْعِ فَتَثْبُتُ بِخَبَرِ الْوَاحِدِ كَمَنِ اشْتَرٰى لَحْمًا فَأَخْبَرَهٗ وَاحِدٌ أَنَّهٗ ذَبِيْحَةُ الْمَجُوْسِيِّ۔

وَلَنَا أَنَّ ثُبُوْتَ الْحُرْمَةِ لَا يَقْبَلُ الْفَصْلَ عَنْ زَوَالِ الْمِلْكِ فِيْ بَابِ النِّكَاحِ وَإِبْطَالُ الْمِلْكِ لَا يَثْبُتُ إِلَّا بِشَهَادَةِ رَجُلَيْنِ أَوْ رَجُلٍ وَّامْرَأَتَيْنِ،

بِخِلَافِ اللَّحْمِ؛ لِأَنَّ حُرْمَةَ التَّنَاوُلِ تَنْفَكُّ عَنْ زَوَالِ الْمِلْكِ فَاعْتُبِرَ أَمْرًا دِيْنِيًّا. وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

ترجمہ: [اور رضاعت کے بارے میں صرف دو عورتوں کی گواہی قبول نہ کی جائے اس کا ثبوت دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے ہوتا ہے]

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایک عورت کی گواہی سے بھی رضاعت ثابت ہو جاتی ہے جب کہ عورت عادل ہونے کی صفت سے موصوف ہو کیونکہ حرمت شرعی حقوق میں سے ایک حق ہے پس خبر واحد سے ثابت ہو جاتی ہے۔

جس طرح کسی شخص نے گوشت خریدا اور ایک شخص نے خبر دی کہ یہ مجوسی (آتش پرست) کا ذبیحہ ہے۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ حرمت کا ثبوت نکاح کے باب میں زوال مِلک سے جدائی کو قبول نہیں کرتا اور ملک کا باطل ہونا دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کے بغیر ثابت نہیں ہوتا۔

بخلاف گوشت کے کیونکہ کھانے کا حرام ہونا زوال ملک سے جدا ہوجاتا ہے پس دینی امر کے طور پر اس کا اعتبار ہوتا ہے۔اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔

توضیح: اگر کسی عورت نے دودھ پلانے کا دعویٰ کیا تو اس کے ثبوت کے لیے گواہوں کی ضرورت ہوتی ہے تو اس سلسلے میں کتنے گواہ ضروری ہیں اور کیا تنہا ایک یا دو عورتیں گواہی دے سکتی ہیں؟

تو احناف کے نزدیک رضاعت کے ثبوت کے لیے کہ فلاں بچے کو فلاں عورت نے دودھ پلایا دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں گواہی دیں تو قبول ہوگا۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایک عورت جو عادلہ ہو فاسقہ نہ ہو، اس کی گواہی بھی کافی ہے۔

وہ فرماتے ہیں چونکہ رضاعت سے حرمت ثابت ہوتی ہے اور یہ شرعی اُمور میں سے ہے یعنی اُمور دینیہ میں سے ہے جس کے لیے ایک آدمی کی خبر کافی ہے جیسے کسی شخص نے گوشت خریدا اور ایک شخص نے بتایا کہ اس جانور کو مجوسی نے ذبح کیا تھا تو اسے اس پر یقین کرنا ہوتا ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ رضاعت ثابت ہونے سے ملک نکاح بھی زائل ہوتی ہے یعنی ایک عورت کسی کے نکاح میں تھی اور گواہوں نے بتایا کہ اس عورت نے اسے دودھ پلایا تھا تو ملک نکاح زائل ہوگئی اور ملک کے زوال کے لیے دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی شرط ہے۔

گوشت والے مسئلہ کا جواب یوں دیا کہ گوشت کی حرمت کے ساتھ زوال ملک نہیں ہوتا یعنی گوشت حرام بھی ہو تو وہ اس کی ملک میں رہتا ہے لہٰذا یہ امر دینی ہے اور یہاں ایک شخص کی خبر معتبر ہے اس لیے دونوں باتوں میں فرق ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الحمدللہ! آج مورخہ ۱۰ مارچ ۲۰۱۸ء بروز ہفتہ بوقت سہ پہر ۱:۵۰ منٹ پر پورے دو ماہ پر محیط ہدایہ کتاب النکاح کا ترجمہ اور توضیح کی تکمیل ہوئی۔

نوٹ: کتاب الطلاق کا ترجمہ اور توضیح اس سے پہلے عمل میں لائی گئی تھی۔

محمد صدیق ہزاروی سعیدی ازہری

مرکز معارف اولیاء دربار عالیہ

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ

لاہور

امتحان کی تیاری کے لیے سوالات

۱۔ نکاح کا لغوی اور اصطلاحی معنی بیان کریں؟

۲۔ نکاح کی شرعی حیثیت بتائیں فرض ہے واجب ہے یا سنت؟

۳۔ نکاح کے فوائد پر روشنی ڈالیں۔

۴۔ نکاح کے دو رکن ایجاب وقبول ہیں ان کی وضاحت کریں اور بتائیں کہ ان کے لیے ماضی کا صیغہ کیوں لازم ہے؟

۵۔ نکاح کا انعقاد کن کن الفاظ سے ہوسکتا ہے اور اس سلسلے میں حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا کیا اختلاف ہے ان کی دلیل اور احناف کی دلیل ذکر کریں؟

۶۔ لفظ بیع کے ساتھ نکاح صحیح ہوتا ہے جب کہ اجارہ اباحت، اعارہ اور لفظ وصیت کے ساتھ نکاح نہیں منعقد ہوتا وجہ بیان کریں؟

۷۔ نکاح میں گواہوں کی حیثیت کیا ہے اور گواہوں کے لیے کیا شرائط ہیں؟

۸۔ نکاح میں گواہوں کے بارے میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب کیا ہے اور ان کے خلاف احناف کی دلیل بھی ذکر کریں؟

۹۔ وہ کون کون لوگ ہیں جو نکاح میں گواہ نہیں ہوسکتے اور کیوں؟

۱۰۔ اگر مسلمان مرد، ذمیہ عورت سے نکاح کرے اور دو ذمی مرد گواہ ہوں تو جائز ہے یا ناجائز، اس میں کن کن ائمہ کے درمیان اختلاف ہے، اختلاف کی نوعیت اور دلائل ذکر کریں۔

۱۱۔ چھوٹی بچی کا نکاح اس کا وکیل کرے اور باپ بھی موجود ہو اور ایک گواہ ہو تو یہ نکاح کیوں جائز ہے؟ اور اگر باپ موجود نہ ہو تو جائز نہیں فرق کی وجہ بتائیں؟

۱۲۔ محرمات عورتوں سے کیا مراد ہے یہ کون کون سی عورتیں ہیں اس سلسلے میں قرآن مجید کی ایک آیت مع ترجمہ نقل کریں؟

۱۳۔ نانی اور دادی کا آیت کریمہ میں ذکر نہیں لیکن ان سے نکاح جائز نہیں اور وہ محرمات میں سے ہیں ان کی حرمتِ نکاح کیسے ثابت ہوگی؟

۱۴۔ متفرق پھوپھیوں اور متفرق خالاؤں کی وضاحت کریں؟

۱۵۔ سگے بیٹے کی بیوی سے نکاح حرام قرار دیا گیا اور من اصلابکم فرمایا تو کیا اس سے یہ بات ثابت ہوگی کہ رضائی بیٹے کی بیوی سے نکاح جائز ہے یا کوئی اور مطلب ہے؟

۱۶۔ دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا حرام ہے ایسی اور کون کون سی عورتیں ہیں جو بیک وقت ایک آدمی کے نکاح میں نہیں آ سکتیں اس سلسلے میں ایک ضابطہ بیان کیا گیا ہے اس کی وضاحت کریں۔

۱۷۔ اگر کسی شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا اور اس عورت کے پہلے خاوند سے ایک بیٹی ہے تو کیا ان دونوں کو ایک شخص نکاح میں جمع کر سکتا ہے مسئلہ واضح کریں اور شرعی حکم بتائیں؟

۱۸۔ زنا کے ذریعے حرمت مصاہرت ثابت ہوتی ہے اس کا کیا مطلب ہے اور اس سلسلے میں حنفی شافعی اختلاف مع دلائل ذکر کریں؟

۱۹۔ شہوت کے ساتھ کسی عورت کو چھونا یا اس کی شرمگاہ کو دیکھنے سے اس شخص پر اس عورت کی ماں اور بیٹی حرام ہو جاتی ہیں اس کی وضاحت کریں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف اور دلیل نیز احناف کی دلیل بھی ذکر کریں؟

۲۰۔ کسی شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی تو کیا اس کی عدت کے دوران اس کی بہن سے نکاح کر سکتا ہے؟ اس مسئلہ میں حنفی شافعی اختلاف اور دلائل ذکر کریں اسی طرح چوتھی بیوی کو طلاق دے تو اس کی عدت کے دوران نکاح کا حکم بتائیں؟

۲۱۔ اہل کتاب عورت، مجوسی عورت (آتش پرست) بت پرست اور صابی عورت، ان تمام عورتوں سے مسلمان کے نکاح کے بارے میں الگ الگ حکم واضح کریں اور جواز و عدم جواز کی وجہ بھی ذکر کریں؟ اگر قرآن و سنت سے دلیل پائی جاتی ہے تو اس کا حوالہ دیں؟

۲۲۔ حالت احرام میں شادی کرنے کے بارے میں حکم بتائیں ایک حدیث میں حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے منع فرمایا اور خود آپ نے حالتِ احرام میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا دونوں حدیثوں میں تطبیق دیں اور احناف کا موقف بیان کریں اور امام شافعی کی دلیل کا جواب ذکر کریں؟

۲۳۔ لونڈی سے نکاح کے بارے میں حنفی شافعی اختلاف ہے دلائل ذکر کریں؟

۲۵۔ آزاد آدمی بیک وقت چار شادیاں کر سکتا ہے۔ قرآنِ پاک سے ثابت کریں اور کیا ان میں کوئی لونڈی بھی ہو سکتی ہے اور اگر چار لونڈیوں سے نکاح ہو تو اس کا کیا حکم ہے اس مسئلہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف اور دلیل اور احناف کی طرف سے جواب ذکر کریں؟

۲۶۔ غلام بیک وقت کتنی شادیاں کر سکتا ہے آزاد اور غلام کے حکم میں فرق ہے تو اس کی وجہ بیان کریں؟

۲۷۔ زنا سے حاملہ ہونے والی عورت سے نکاح کا کیا حکم ہے حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا موقف کیا ہے۔ نیز ان کی دلیل اور طرفین کا موقف و دلیل بیان کریں اور اگر وہ حمل ثابت النسب ہو یعنی وہ کسی کی بیوی ہو تو نکاح کا کیا حکم ہوگا؟

۲۸۔ کسی شخص نے اپنی لونڈی سے وطی کی پھر کسی اور سے اس کا نکاح کر دیا تو کیا یہ نکاح جائز ہوگا اور اس کے استبراء سے پہلے اس کا خاوند وطی کر سکتا ہے۔ ائمہ احناف کے درمیان اختلاف اور دلیل ذکر کریں؟

۲۹۔ نکاح متعہ کسے کہتے ہیں اور اس کا حکم کیا ہے اس مسئلہ میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف اور دونوں طرف کے دلائل ذکر کریں؟

۳۰۔ نکاح موقت سے کیا مراد ہے اس کا حکم کیا اور اس میں اور نکاح متعہ میں فرق کیا ہے اس مسئلہ میں کس امام کا کیا اختلاف ہے؟

۳۱۔ ایسی دو عورتیں جن میں سے ایک کے ساتھ نکاح جائز نہ ہو جب دونوں سے ایک ہی عقد میں نکاح کرے تو اس نکاح کا کیا حکم ہوگا تفصیل سے ذکر کریں؟

۳۲۔ اگر کسی عورت نے دعویٰ کیا وہ فلاں شخص کی بیوی ہے اور اس نے اس سے نکاح کیا ہے تو قاضی فیصلہ کیا کرے اور کیوں؟

۳۳۔ ولی کسے کہتے ہیں کیا بالغہ عاقلہ لڑکی ولی کی اجازت کے بغیر اپنا نکاح کرسکتی ہے اس مسئلہ میں ائمہ احناف امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کا موقف مع اختلاف و دلائل ذکر کریں؟

۳۴۔ کیا بالغہ کنواری لڑکی کا نکاح اس کا ولی زبردستی کے ساتھ کرسکتا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف اور حنفی شافعی دلائل واضح کریں؟

۳۵۔ کنواری لڑکی سے اجازت لی جائے تو اس کی اجازت کا کیسے علم ہوگا نیز ثیبہ (بیوہ یا مطلقہ) کی اجازت کس طرح معتبر ہوگی۔

۳۶۔ اگر ولی کا غیر یا دور کا ولی اجازت طلب کرے تو کس صورت میں اسے اجازت قرار دیا جائے گا۔

۳۷۔ اگر نکاح کرتے وقت مہر مقرر نہ کیا جائے، تو کیا نکاح ہو جائے گا اور کیوں؟

۳۸۔ باکرہ (کنواری) لڑکی وہ ہوتی ہے جس کا پردہ بکارت زائل نہ ہو، اگر اچھلنے کودنے یا کسی اور وجہ سے پردہ بکارت زائل ہو جائے تو کیا پھر وہ بھی کنواری شمار ہوگی اس مسئلہ میں ائمہ کے درمیان اختلاف مع دلائل ذکر کریں اور شبہ کے ساتھ باکرہ سے وطی ہوئی تو کیا حکم ہوگا وہ کنواری شمار ہوگی؟

۳۹۔ اگر نکاح کے بارے میں مرد اور عورت کے درمیان اختلاف ہو جائے اور عورت کہے میں نے خبر ملنے پر انکار کیا مرد کہے تو نے قبول کیا تھا تو کیا حکم ہوگا؟

اس مسئلہ میں امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف کیا ہے دونوں طرف کے دلائل بھی ذکر کریں۔

۴۰۔ اگر نابالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح کیا جائے تو اس کا کیا حکم ہوگا امام مالک اور شافعی رحمہما اللہ کا کیا موقف ہے ان کے دلائل اور احناف کا جواب بھی ذکر کریں؟

۴۱۔ نابالغ لڑکے اور لڑکی کا نکاح کردیا گیا بالغ ہونے کے بعد ان کو ایک اختیار ملتا ہے اس اختیار کو کیا کہتے ہیں کون نکاح کرے تو اختیار نہیں ہوگا اور کس کے نکاح کرنے سے اختیار ہوگا وہ بھی بتائیں اور تینوں بزرگ ائمہ احناف

کا اختلاف بھی ذکر کریں۔

۴۲۔ خیار بلوغ میں قاضی کا فیصلہ شرط ہے جب کہ خیار عتق میں شرط نہیں فرق کی وجہ بتائیں۔

۴۳۔ بالغ ہونے کے بعد لڑکی کا خیار بلوغ کب تک باقی رہتا ہے اور لڑکے کا خیار بلوغ کب تک ہوتا ہے تفصیل سے بتائیں؟

۴۴۔ خیار بلوغ کے نتیجے میں علیحدگی طلاق کیوں نہیں ہوتی وجہ ذکر کریں؟

۴۵۔ نابالغ میاں بیوی میں سے کوئی ایک فوت ہو جائے تو وراثت کا کیا حکم ہوگا؟

۴۶۔ وہ کون کون لوگ ہیں جن کو ولایت یعنی تصرف کا حق نہیں ہوگا اور کیوں؟ کافر کی ولایت کے بارے میں قرآنی آیات سے دلیل پیش کریں؟

۴۷۔ عصبات میں کن کن لوگوں کو ولایت حاصل ہے ترتیب بھی ذکر کریں نیز عصبات کے علاوہ کن کن رشتہ داروں کو نکاح کر کے دینے کی ولایت حاصل ہوتی ہے؟

تین بزرگ ائمہ احناف کا موقف دلائل ذکر کریں۔

۴۸۔ جب قریبی ولی نہ ہو تو دور کا ولی نکاح کر سکتا ہے اس مسئلہ میں امام زفر علیہ الرحمہ کا اختلاف بھی مع دلیل نقل کریں؟

۴۹۔ غیبت منقطعہ کسے کہتے ہیں اور اس کی تفصیل کیا ہے؟

۵۰۔ عورت کا باپ اور بیٹا موجود ہو تو نکاح کا حق کیسے اور کیوں ہوگا؟

۵۱۔ کفو کسے کہتے ہیں اور نکاح میں کفو کے معتبر ہونے پر حدیث شریف اور عقلی دلیل پیش کریں؟

۵۲۔ کفو میں کن اُمور کا اعتبار ہوگا، قریش اور دیگر اہل عرب کے حوالے سے بتائیں؟

۵۳۔ عجمیوں میں کفو کے حوالے سے کن کن اُمور کا لحاظ رکھا جاتا ہے؟

۵۴۔ عجمیوں میں اسلام اور آزادی کے اعتبار سے کفو کی تفصیل اور ائمہ احناف کے درمیان اختلاف ذکر کریں؟

۵۵۔ دین داری سے کیا مراد ہے اور کفو میں دین داری کے حوالے سے شیخین اور امام محمد علیہ الرحمہ کا اختلاف مع دلائل بیان کریں؟

۵۶۔ کفو میں مال اور خوشحالی دونوں کا اعتبار ہوتا ہے دونوں کے درمیان فرق اور ائمہ کا موقف واضح کریں؟

۵۷۔ کفو میں پیشے کا اعتبار کیوں کیا جاتا ہے اس میں اختلاف کیا ہے؟

۵۸۔ اگر لڑکی خود اپنا نکاح کرے اور مہر مثل سے کم رکھے تو اس کے اولیاء اعتراض کر سکتے ہیں اور کس صورت میں ان کو اعتراض کا حق ہے؟

۵۹۔ جو شخص لڑکی کا ولی ہو (مثلاً چچا زاد) وہ خود اس سے نکاح کرنا چاہتا ہے اور لڑکی اسے وکیل بناتی ہے تو کیا یہ جائز ہے؟ جب کہ بیع میں ایک ہی شخص دونوں طرف کے معاملات طے نہیں کر سکتا فرق کی وجہ کیا ہے؟

۶۰۔ اگر ایجاب وقبول کی محفل مختلف ہوتو نکاح ہو جائے گا یا نہیں اگر لڑکا انگلینڈ میں ہو اور ٹیلی فون کے ذریعے قبول کرے تو کیا حکم ہے؟

۶۱۔ فضولی کسے کہتے ہیں اور اگر ایک شخص دونوں طرف سے فضولی ہوسکتا ہے یا نہیں اسی طرح اگر ایک طرف سے فضولی اور دوسری طرف سے اصیل ہو تو کیا حکم ہوگا؟

۶۲۔ دونوں طرف سے الگ الگ فضولی یا ایک طرف سے فضولی اور دوسری طرف سے اصیل ہو تو یہ نکاح جائز ہے؟ ائمہ کے دلائل ذکر کریں؟

۶۳۔ اگر وکیل موکل کی ہدایت کے خلاف نکاح کر دے تو اس کی صورت کیا ہوگی اور حکم کیا ہوگا؟

۶۴۔ اگر حاکم نے نکاح کا وکیل بنایا اور کہا کسی عورت سے میرا نکاح کرادو، اس نے لونڈی سے نکاح کرادیا تو اس میں حضرت امام ابوحنیفہ اور صاحبین کا باہم اختلافی موقف دلائل سے بیان کریں؟

۶۵۔ مہر نکاح میں شرط ہے یا محض لازم ہے اور کیا مہر کے ذکر کے بغیر نکاح ہو جاتا ہے یا نہیں اور مہر شریعت کا حق ہے یا عورت کا، تفصیل سے بتائیں؟

۶۶۔ مہر کی کم از کم مقدار کتنی ہے احناف اور شوافع کا اختلاف مع دلائل ذکر کریں؟

۶۷۔ اگر دس درہم سے کم مہر مقرر ہوا تو کیا حکم ہوگا اور اگر دس درہم مہر مقرر ہوا اور جماع سے پہلے طلاق دی تو کیا دینا ہوگا۔ پانچ درہم یا متعہ، امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا موقف اور دیگر تین ائمہ کا موقف مع دلائل ذکر کریں۔

۶۸۔ کن صورتوں میں مقررہ مہر پکا ہو جاتا ہے اور ادا کرنا پڑتا ہے اور کس صورت میں آدھا مہر دینا ہوتا ہے آیات قرآنیہ ذکر کریں؟

۶۹۔ مہر مثل کسے کہتے ہیں اور یہ کب دینا ہوتا ہے اور اگر جماع سے پہلے طلاق دے اور مہر مقرر نہ ہو تو متعہ دینا ہوگا متعہ کی تفصیل بتائیں؟

۷۰۔ اگر نکاح کے وقت مہر مقرر نہ کیا بعد میں میاں بیوی ایک مقدار پر راضی ہو گئے۔ تو جماع یا موت کی صورت میں کیا حکم ہوگا اور جماع سے پہلے طلاق کی صورت میں کیا دینا ہوگا امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا پہلا قول اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک کیا ہے؟

۷۱۔ خلوت صحیحہ کسے کہتے ہیں اور خلوت صحیحہ کے بعد طلاق دی تو کتنا مہر دینا ہوگا اور عدت کا کیا حکم ہوگا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا کیا موقف ہے اس کی وجہ بھی بیان کریں؟

۷۲۔ خلوت صحیحہ میں کیا کیا باتیں رکاوٹ بنتی ہیں؟

۷۳۔ مجبوب اور عنین کسے کہتے ہیں ان کی خلوت صحیحہ کا کیا حکم ہے؟

۷۴۔ مطلقہ عورت کو متعہ (تین کپڑے دینا) کب مستحب ہے اور کس صورت میں واجب ہے؟

۷۵۔ نکاح شغار کی تعریف کریں اور اس کا حکم بتائیں؟ اس سلسلے میں حنفی شافعی اختلاف مع دلائل ذکر کریں؟

۷۶۔ کیا مال کے علاوہ کوئی چیز مہر بن سکتی ہے اگر تعلیم قرآن یا شوہر کا خدمت کرنا جو مقرر کیا تو کیا حکم ہوگا؟ اس سلسلے میں حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا کیا اختلاف ہے؟

۷۷۔ کیا عورت اپنا مہر وصول کر کے شوہر کو ہبہ کر سکتی ہے اگر اس صورت میں جماع سے پہلے طلاق دی تو کیا کرنا ہوگا؟

۷۸۔ اگر مہر کی رقم کسی چیز کے ساتھ مشروط ہو تو کیا حکم ہوگا جیسے ایک ہزار مہر مقرر ہوا کہ وہ اسے گھر سے باہر نہیں لے جائے گا اور اگر کہا کہ اگر باہر نہ لے جائے تو ایک ہزار اور لے جائے تو دو ہزار ہوگا ان صورتوں میں کیا حکم ہوگا؟

۷۹۔ مہر میں غیر معین جانور مقرر کیا یا کپڑا دینا مقرر ہوا لیکن اس کا وصف بیان نہ کیا تو کیا حکم ہوگا؟

۸۰۔ اگر مسلمان نے مہر میں شراب یا خنزیر مقرر کیا تو کیا حکم ہوگا؟

۸۱۔ اگر مٹکے کی طرف اشارہ کیا اور کہا یہ سرکہ دوں گا اور دیکھنے پر پتہ چلا کہ یہ شراب ہے تو کیا حکم ہوگا اس مسئلہ میں ائمہ احناف کے درمیان اختلاف مع دلائل ذکر کریں؟

۸۲۔ اگر نکاح فاسد میں قاضی علیحدگی کرادے تو مہر کا کیا حکم ہوگا حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا موقف بھی ذکر کریں؟

۸۳۔ نکاح فاسد میں تفریق کے بعد عدت کا کیا حکم ہوگا اور بچے کے نسب کے بارے میں بھی وضاحت کیجیے؟

۸۴۔ مہر مثل کسے کہتے ہیں اور اس کا تعلق عورت کی کن رشتہ دار خواتین کے مہر سے ہوگا؟

۸۵۔ کیا مہر مثل میں ماں اور خالہ کا اعتبار ہو سکتا ہے تفصیل سے لکھیں؟

۸۶۔ مہر میں کن کن باتوں کا خیال رکھا جاتا ہے؟

۸۷۔ اگر لڑکی کا باپ یا کوئی دوسرا ولی مہر کا ضامن ہے تو کیا یہ درست ہے اگر یہ درست ہے تو کیا خاوند بری الذمہ ہو جائے گا وضاحت کریں؟

۸۸۔ کیا عورت مہر کی وصولی سے پہلے خاوند کو اپنے سے روک سکتی ہے اور اس مہر سے کون سا مہر مراد ہوگا، اس مسئلہ میں طرفین اور امام ابو یوسف (رحمہم اللہ) کا اختلاف مع دلائل ذکر کریں؟

۸۹۔ اگر مہر کی وصولی سے پہلے عورت نے اپنے آپ کو مرد کے قریب کر دیا تو کیا اس کے بعد وہ اسے روک سکتی ہے اس میں ائمہ کے درمیان اختلاف کیا ہے؟

۹۰۔ اگر میاں بیوی کے درمیان مہر کی مقدار میں اختلاف ہو جائے تو عورت کا قول کس صورت میں قبول ہوگا اور مرد کا کس صورت میں؟

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف مع دلیل ذکر کریں اور طرفین کی دلیل بھی ذکر کریں؟

۹۱۔ اختلاف کی وہ کون سی صورت ہے جس میں بالاتفاق مہر مثل واجب ہوگا؟

۹۲۔ اگر میاں بیوی میں سے کوئی ایک یا دونوں فوت ہو جائیں اور ان کے ورثاء میں مہر کے بارے میں اختلاف ہو تو کیا

طریقہ اختیار کیا جائے؟

۹۳۔ میاں بیوی کے فوت کے بعد عورت کے ورثاء مہر کی وصولی کر سکتے ہیں لیکن اس سلسلے میں حضرت امام ابوحنیفہ اور صاحبین رحمہما اللہ کے درمیان کچھ اختلاف ہے وضاحت کریں؟

۹۴۔ کوئی چیز تحفے میں بھیجی اور مرد نے کہا یہ مہر ہے اور عورت نے کہا تحفہ ہے تو کس کی بات مانی جائے گی اور کیوں مانی جائے گی؟ اور اگر کھانے کا سامان ہو تو اس کا حکم کیا ہوگا تفصیل مطلوب ہے؟

۹۵۔ اگر دو عیسائی مرد و عورت یا دو حربی باہم نکاح کریں اور مہر میں مردار مقرر کریں اور جماع سے پہلے طلاق ہو جائے یا مر جائے تو مہر کا کیا حکم ہوگا اس سلسلے میں ائمہ کا اتفاق ہے یا جزوی اختلاف؟ واضح کریں اور دلائل بھی نقل کریں۔

۹۶۔ ذمیہ عورت کو مہر مثل کب دیا جائے اور متعہ کب؟ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ذکر کریں۔

۹۷۔ ذمی مرد اور عورت نے مہر میں شراب یا خنزیر پر مقرر کیا پھر وہ دونوں مسلمان ہو گئے تو کیا حکم ہوگا؟
امام اعظم اور صاحبین کے درمیان اختلاف کی نوعیت مع دلائل ذکر کریں۔

۹۸۔ کیا غلام یا لونڈی اپنے آقا کی اجازت کے بغیر نکاح کر سکتے ہیں اور کیا مکاتب غلام کے لیے وہی حکم ہوگا جو عام غلام کا ہے اس سلسلے میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف مع دلیل ذکر کریں؟

۹۹۔ اگر غلام نے آقا کی اجازت کے بغیر نکاح کیا تو مہر کون ادا کرے اور اس سلسلے میں مدبر اور مکاتب کے مہر کا حکم بھی واضح کریں؟

۱۰۰۔ آقا کی طرف نکاح کی اجازت کن الفاظ کے ساتھ ہوگی جب غلام پہلے بغیر اجازت نکاح کر چکا ہو؟

۱۰۲۔ آقا کی اجازت کے بغیر غلام نکاحِ فاسد کرے تو کیا حکم ہوگا؟

۱۰۳۔ عبد ماذون کسے کہتے ہیں اور اس کے نکاح کا حکم کیا ہے؟

۱۰۴۔ اگر آقا نے لونڈی کی شادی کرا دی تو کیا اس پر لازم ہے کہ اسے رہائش بھی دے یا خاوند کے ساتھ رہنے کی اجازت دے اس سلسلے میں تفصیلی احکام نقل کریں؟
جب آقا غلام یا لونڈی کا نکاح کرے تو ان کی رضا مندی ضروری ہے احناف اور شوافع کا اختلاف مع دلیل ذکر کریں۔

۱۰۵۔ آقا نے لونڈی کی شادی کے بعد اسے قتل کر دیا تو مہر کا کیا حکم ہوگا؟
اس مسئلہ میں حضرت امام ابوحنیفہ اور صاحبین رحمہما اللہ کے درمیان اختلاف اور دلائل ذکر کریں۔

۱۰۶۔ عزل کسے کہتے ہیں اور لونڈی کا خاوند عزل کرنا چاہے تو اجازت کس سے لے گا آقا سے یا لونڈی سے؟ اختلاف ائمہ ذکر کریں۔

۱۰۷۔ خیارِ عتق کسے کہتے ہیں، کیا یہ اختیار لونڈی کو اس صورت میں ملے گا جب خاوند غلام ہو یا غلام اور آزاد کا فرق نہیں؟

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا کیا اختلاف ہے نیز اس خیار کی وجہ کیا ہے؟

۱۰۸۔ اگر لونڈی نے آقا کی اجازت کے بغیر نکاح کیا پھر اسے آزاد کیا گیا تو کیا اسے بھی خیار عتق حاصل ہوگا اگر نہیں تو اس کی کیا وجہ ہے؟

۱۰۹۔ کوئی شخص بیٹے کی لونڈی سے صحبت کرے تو اس کے احکام کیا ہوں گے اور اگر بیٹے کی لونڈی سے نکاح کرے تو کیا حکم ہوگا؟

۱۱۰۔ اگر غلام کی بیوی غلام کے آقا سے کہے کہ اسے میری طرف سے آزاد کرو تو کیا نکاح فاسد ہو جائے گا رقم کا ذکر کرے تو کیا حکم ہے اور نہ کرے تو کیا حکم ہے؟ طرفین اور امام ابو یوسف رحمہم اللہ کے درمیان اختلاف مع دلائل ذکر کریں۔

۱۱۱۔ کافر مرد نے گواہوں کے بغیر یا عورت کی عدت کے دوران نکاح کیا جو ان کے دین میں جائز ہے پھر دونوں نے اسلام قبول کیا تو کیا وہ نکاح برقرار رہے گا؟

اس سلسلے میں ائمہ احناف کے درمیان اختلاف تفصیلاً ذکر کریں۔

۱۱۲۔ مجوسی (آگ کی پوجا کرنے والا) اپنی ماں یا بیٹی سے نکاح کرے پھر اسلام قبول کرے تو اس نکاح کا کیا حکم ہوگا؟

۱۱۳۔ مرتد کسی کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتا اس کی وجہ بتائیں؟ اسی طرح مرتدہ کا حکم بھی ذکر کریں۔

۱۱۴۔ اگر مسلمان، ذمیہ عورت سے نکاح کرے تو اولاد کس کے تابع ہوگی اور اگر مرد اور عورت میں سے ایک کتابی اور دوسرا مجوسی ہو تو اولاد کا کیا حکم ہوگا؟ دونوں صورتوں میں وجہ بھی ذکر کریں۔

۱۱۵۔ کافر مرد کی کافرہ عورت مسلمان ہو جائے تو نکاح کا کیا حکم ہوگا؟ اس سلسلے میں ائمہ احناف کیا فرماتے ہیں اور امام شافعی کا کیا موقف ہے مع دلائل ضرور نقل کریں۔

۱۱۶۔ اگر کوئی عورت دار الحرب میں مسلمان ہو جائے اور اس کا خاوند کافر ہو یا مجوسیہ عورت کا حربی خاوند مسلمان ہو جائے تو ان کے درمیان تفریق کی کیا صورت ہوگی؟

اس سلسلے میں احناف اور شوافع کا اختلاف ہے دلائل ذکر کریں۔

۱۱۷۔ کتابیہ عورت کا خاوند مسلمان ہو جائے تو نکاح برقرار رہے گا وجہ کیا ہے؟

۱۱۸۔ اگر میاں بیوی میں سے کوئی ایک مسلمان ہو کر دار الاسلام میں جائے تو ان کے درمیان تفریق ہو جائے گی یا نہیں؟ اسی طرح اگر کسی کو قید کر کے لایا جائے تو کیا حکم ہوگا؟ احناف اور شوافع کا اختلاف مع دلائل ذکر کریں۔

۱۱۹۔ اگر کوئی عورت دار الحرب سے ہجرت کر کے دار الاسلام میں آجائے تو اس سے نکاح کرنے اور عدت کے حوالے سے کیا حکم ہوگا؟ امام ابو حنیفہ اور صاحبین کا موقف دلائل کے ساتھ ذکر کریں۔

۱۲۰۔ میاں بیوی میں کسی ایک کے مرتد ہو جانے سے جو تفریق ہوگی وہ طلاق ہوگی یا نہیں اور مہر کا کیا حکم ہوگا؟ شیخین اور امام محمد رحمہم اللہ کے درمیان اختلاف مع دلائل ذکر کریں۔

۱۲۱۔ میاں بیوی اکٹھے مرتد ہوں پھر اکٹھے مسلمان ہوجائیں تو ان کے پہلے نکاح کا کیا حکم ہوگا؟

۱۲۲۔ اگر کسی شخص کی ایک سے زیادہ بیویاں ہوں تو ان کے پاس ٹھہرنے کے سلسلے میں باری مقرر کرنے میں کیا طریقہ اختیار کیا جائے کنواری اور ثیبہ میں فرق ہوگا یا مساوات؟ احادیث مبارکہ سے دلائل ذکر کریں۔

۱۲۴۔ محبت میں مساوات، جماع میں برابری اور سفر میں ساتھ لے جانے سے متعلق شرعی احکام کیا ہیں؟

۱۲۵۔ اگر کوئی خاتون اپنی باری اپنی سوکن کو ہبہ کرے تو ایسا ہو سکتا ہے اور کیا یہ لازم ہو جائے گا اور وہ اپنا حق واپس لے سکتی ہے یا نہیں؟ وضاحت کریں۔

۱۲۶۔ رضاعت کا کیا مطلب ہے اور بچہ کتنا دودھ پیے تو رضاعت ثابت ہوگی؟

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف اور دونوں طرف کے دلائل ذکر کریں۔

۱۲۷۔ رضاعت کتنی عمر تک دودھ پینے سے ثابت ہوتی ہے؟ اس سلسلے میں ائمہ کے اقوال مع دلائل ذکر کریں۔

۱۲۸۔ اگر مدت رضاعت کے بعد کوئی بچہ کسی عورت کا دودھ پیے تو حرمت ثابت ہوگی یا نہ؟ حدیث شریف اور عقلی دلیل ذکر کریں۔

۱۲۹۔ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا جو رشتے نسب سے حرام ہوتے ہیں وہ رضاعت سے بھی حرام ہوتے ہیں ان میں سے بعض ایسے رشتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں رضاعت سے نہیں؟ ہدایہ کی روشنی میں ان کی وضاحت کریں۔

۱۳۰۔ لبن الفحل سے کیا مراد ہے اور اس کے ساتھ حرمت کا تعلق کیوں ہوتا ہے جب کہ دودھ عورت پلاتی ہے؟ دلائل کے ساتھ ذکر کریں۔

۱۳۱۔ اگر عورت کے دودھ میں پانی مل جائے تو کیا حکم ہوگا یا عورت کا دودھ کھانے یا دوائی میں مل جائے تو کیا حکم ہوگا؟ تفصیلی جواب مطلوب ہے۔

۱۳۲۔ اگر دو عورتوں کا دودھ مل جائے تو حرمت کا کیا حکم ہوگا؟

۱۳۳۔ اگر کنواری لڑکی کا دودھ نکل آئے اور کوئی بچہ پی لے تو حرمت کا کیا حکم ہوگا؟

۱۳۴۔ عورت فوت ہوگئی اور اس کا دودھ نکال کر کسی بچے کو پلا دیا تو کیا حکم ہوگا؟ اس مسئلہ کا اختلاف اور دلائل ذکر کریں۔

۱۳۵۔ اگر پیشاب کے راستے سے نالی کے ذریعے بچے کو کسی عورت کا دودھ پہنچایا گیا تو کیا حرمت رضاعت ثابت ہوگی؟ اس مسئلہ میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قیاس اور اس کا جواب نقل کریں۔

۱۳۶۔ اگر مرد کا دودھ نکل آئے اور کوئی بچہ پی لے اسی طرح دو بچے ایک بکری کا دودھ پی لیں کیا تو کیا حکم ہوگا؟

۱۳۷۔ اگر کسی شخص کی دو بیویاں ہوں ایک بڑی اور دوسری چھوٹی اور بڑی بیوی چھوٹی کو دودھ پلا دے تو اس کا حکم تفصیلاً ذکر کریں۔

۱۳۸۔ رضاعت کے بارے میں گواہی کا حکم بیان کریں اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف نقل کریں۔

جلد دوم

تنظیم المدارس اہل سنّت پاکستان درجہ عالمیہ سال اول
برائے طالبات کے نصاب کے عین مطابق

کتاب الطلاق

تصنیف

امام برہان الدین ابوالحسن علی بن ابوبکر الفرغانی رحمۃ اللہ علیہ

متوفی ۵۱۱-۵۹۳

ترجمہ وتوضیح

شیخ الحدیث مفتی محمد صدیق ہزاروی مدظلہ العالی

سابق رکن اسلامی نظریاتی کونسل

نام کتاب	:	الہدایہ، کتاب الطلاق
موضوع	:	فقہ
زبان	:	عربی، اُردو
مصنف	:	امام ابوالحسن برہان الدین علی بن ابوبکر بن عبدالجلیل فرغانی مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ
مترجم وشارح	:	شیخ الحدیث مفتی محمد صدیق ہزاروی سعیدی مدظلہ العالی (سابق رکن اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان)
صفحات	:	440
سن اشاعت	:	مئی 2018ء بمطابق رمضان المبارک 1439ھ
ہدیہ لیمینیشن جلد	:	=/500 روپے
ناشر	:	مکتبہ اعلیٰ حضرت (دربار مارکیٹ لاہور)
رابطہ	:	042-37247301
		0300-8842540 - 0315-8842540

نوٹ: اس کتاب کی پروف ریڈنگ مصنف نے انتہائی احتیاط کے ساتھ کی ہے۔
تاہم بشری تقاضے کے مطابق اگر کوئی غلطی رہ گئی ہو تو قارئین سے گزارش ہے کہ ادارہ کو لازماً مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اُس لفظی غلطی کو درست کیا جا سکے۔ ادارہ آپ کا شکر گزار ہو گا۔

حسن ترتیب

کِتَابُ الطَّلَاقِ (طلاق کا بیان)

لغوی معنیٰ:

طلاق کا لغوی معنیٰ رَفْعُ الْقَیْدِ قید یعنی بندش کو ختم کرنا ہے البتہ عورت کے سلسلے میں لفظ ''طلاق'' استعمال ہوتا ہے اور اس کے علاوہ (یعنی ہتھکڑی اور بیڑیاں وغیرہ کھولنے) کے لئے لفظ ''اطلاق'' استعمال ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اگر عورت کو اَنْتِ مُطَلَّقَةٌ (شد کے ساتھ) کہے تو یہ تصریح ہے نیت کے بغیر طلاق ہوجاتی ہے اور اگر اَنْتِ مُطْلَقَةٌ (شد کے بغیر) کہے تو یہ کنایہ ہے اور اس میں نیت کی حاجت ہوتی ہے۔

شرعی معنیٰ:

طلاق کا شرعی معنیٰ رفُعُ قَیْدِ النِّکَاحِ فِی الْحَالِ اَوِ الْمَاٰلِ بِلَفْظٍ مَخْصُوْصٍ نکاح کی قید کو فوری طور پر یا مستقبل میں مخصوص الفاظ کے ساتھ ختم کرنا طلاق ہے۔

نوٹ: طلاق بائن میں یہ قید فوراً ختم ہوجاتی ہے اور طلاق رجعی میں عدت کے ختم ہونے تک رجوع کا حق حاصل ہوتا ہے اور مخصوص الفاظ جیسے اَنْتِ طَالِقٌ (تو طلاق والی ہے) طَلَّقْتُكِ (میں نے تجھے طلاق دی) وغیرہ۔

شرعی حیثیت: عام فقہاء کے نزدیک طلاق مباح ہے ارشاد خداوندی ہے:

فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ [1]

ترجمہ: پس ان کو ان کی عدت کے وقت کے مطابق طلاق دو۔

نیز ارشاد فرمایا:

لَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ [2]

ترجمہ: اور تم پر کوئی حرج نہیں اگر تم عورتوں کو طلاق دو۔

ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ طلاق دینا مباح (جائز) ہے البتہ مباح ہونے کے باوجود طلاق کا عمل ناپسندیدہ ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَا اَحَلَّ اللّٰهُ شَیْئًا اَبْغَضَ اِلَیْهِ مِنَ الطَّلَاقِ۔ [3]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے کسی ایسے کام کو حلال نہیں کیا جو طلاق سے بڑھ کر ناپسندہ ہو۔

یہی وجہ ہے کہ بعض فقہاء کرام نے کسی حاجت کے بغیر طلاق دینے کو ممنوع قرار دیا ہے۔ [4]

---

[1] سورۃ طلاق: ۶۵، آیت: ۱ [2] سورہ بقرہ: ۲، آیت: ۲۳۶

[3] سنن ابی داؤد باب فی کراۃ الطلاق، رقم الحدیث: ۲۱۷۷، ۲۱۷۸، جامع الاصول: ۷/ ۶۲۳

[4] تفصیل کے لئے دیکھئے حاشیہ ابن عابدین، فتاویٰ شامی، جلد: ۴، کتاب الطلاق

بَابُ طَلَاقِ السُّنَّةِ

باب طلاق السنۃ

سنت طریقہ کے مطابق طلاق

(۱): قَالَ: [اَلطَّلَاقُ عَلٰی ثَلَاثَةِ اَوْجُهٍ: حَسَنٌ، وَاَحْسَنُ، وَبِدْعِيٌّ. فَالْاَحْسَنُ اَنْ يُطَلِّقَ الرَّجُلُ امْرَاَتَهُ تَطْلِيْقَةً وَاحِدَةً فِيْ طُهْرٍ لَمْ يُجَامِعْهَا فِيْهِ وَيَتْرُكَهَا حَتّٰی تَنْقَضِيَ عِدَّتُهَا]

لِاَنَّ الصَّحَابَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمْ كَانُوْا يَسْتَحِبُّوْنَ اَنْ لَا يَزِيْدُوْا فِي الطَّلَاقِ عَلٰی وَاحِدَةٍ حَتّٰی تَنْقَضِيَ الْعِدَّةُ فَاِنَّ هٰذَا اَفْضَلُ عِنْدَهُمْ مِنْ اَنْ يُطَلِّقَهَا الرَّجُلُ ثَلَاثًا عِنْدَ كُلِّ طُهْرٍ وَاحِدَةً؛ وَلِاَنَّهُ اَبْعَدُ مِنَ النَّدَامَةِ وَاَقَلُّ ضَرَرًا بِالْمَرْاَةِ وَلَا خِلَافَ لِاَحَدٍ فِي الْكَرَاهَةِ۔

ترجمہ: فرماتے ہیں: [طلاق کی تین قسمیں ہیں: ① حسن، ② احسن، ③ بدعی۔ طلاق احسن یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو ایسے طہر میں جس میں اس سے جماع نہیں کیا، ایک طلاق دے کر چھوڑ دے حتیٰ کہ اس کی عدت ختم ہو جائے]۔

(صاحب ہدایہ فرماتے ہیں): "اس کی دلیل یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس بات کو پسند کرتے تھے کہ وہ ایک طلاق پر اضافہ نہ کریں حتیٰ کہ اس کی عدت گزر جائے کیونکہ ان حضرات کے نزدیک یہ طریقہ اس (طریقہ) سے افضل تھا کہ کوئی شخص ہر طہر میں ایک طلاق دے۔"

نیز یہ طریقہ ندامت سے زیادہ دور (رکھنے والا) ہے علاوہ ازیں اس سے عورت کو ضرر کم پہنچتا ہے البتہ اس کے مکروہ نہ ہونے میں کوئی اختلاف نہیں (یعنی یہ بالاتفاق مکروہ نہیں)۔

توضیح: مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس عبارت میں طلاق دینے کے تین طریقے بیان فرمائے جن میں سے دو (احسن اور حسن) سنت اور تیسرا طریقہ بدعت ہے۔

سنت طلاق کی پہلی صورت جو احسن اور افضل ہے اس کی تفصیل بھی ذکر کی کہ ایسا طہر جس میں عورت کا قرب حاصل نہ کیا ہو اس میں ایک طلاق دے کر خاموش ہو جائے حتیٰ کہ اس کی عدت گزر جائے۔

صاحب ہدایہ نے اس کے "احسن" ہونے کے تین دلائل ذکر کئے ہیں جن میں سے ایک نقلی اور دو عقلی دلیلیں ہیں۔

① نقلی دلیل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل ہے کہ وہ صرف ایک طلاق دے کر چھوڑ دیتے یہاں تک کہ عورت کی عدت گزر جاتی۔

[۲] عقلی دلائل میں سے پہلی دلیل یہ ہے کہ اس صورت میں طلاق دینے والا شرمندگی سے بچ جاتا ہے کیونکہ جب تین طلاقیں دی جائیں چاہے متفرق ہی ہوں تو اب حلالہ کے بغیر واپسی نہیں ہوسکتی اور اس وجہ سے شرمندگی ہوتی ہے۔

[۳] تیسری دلیل یہ بھی عقلی دلیل ہے، یہ کہ اس سے عورت کو نقصان کم ہوتا ہے کیونکہ جب تین طہروں میں تین طلاقیں دی جائیں تو بعض اوقات اس کی عدت طویل ہوجاتی ہے وہ اس طرح کہ طلاق دے کر رجوع کرے پھر طلاق دے دے۔

یہ بھی کہا گیا کہ ''احسن طریقہ'' پر طلاق دینے میں عورت سے عدت میں رجوع ہوسکتا ہے اور عدت کے بعد حلالہ کے بغیر نکاح ہوسکتا ہے لہٰذا اسے طلاق کی وجہ سے جو وحشت ہوئی وہ کم ہوتی ہے۔

نوٹ: احسن طلاق کے مکروہ نہ ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں جبکہ حسن طلاق کو بعض نے مکروہ قرار دیا۔

طلاق حسن

(۲): [وَالْحَسَنُ هُوَ طَلَاقُ السُّنَّةِ. وَهُوَ اَنْ يُطَلِّقَ الْمَدْخُوْلَ بِهَا ثَلَاثًا فِيْ ثَلَاثَةِ اَطْهَارٍ] وَقَالَ مَالِكٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ: اِنَّهُ بِدْعَةٌ وَّلَا يُبَاحُ اِلَّا وَاحِدَةٌ؛ لِاَنَّ الْاَصْلَ فِي الطَّلَاقِ هُوَ الْحَظْرُ وَالْاِبَاحَةُ لِحَاجَةِ الْخَلَاصِ وَقَدْ انْدَفَعَتْ بِالْوَاحِدَةِ.

وَلَنَا قَوْلُهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَدِيْثِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا «اِنَّ مِنَ السُّنَّةِ اَنْ تَسْتَقْبِلَ الطُّهْرَ اسْتِقْبَالًا فَتُطَلِّقَهَا لِكُلِّ قُرْءٍ تَطْلِيْقَةً» [1] وَلِاَنَّ الْحُكْمَ يُدَارُ عَلٰى دَلِيْلِ الْحَاجَةِ وَهُوَ الْاِقْدَامُ عَلَى الطَّلَاقِ فِيْ زَمَانِ تَجَدُّدِ الرَّغْبَةِ وَهُوَ الطُّهْرُ الْخَالِيْ عَنِ الْجِمَاعِ. فَالْحَاجَةُ كَالْمُتَكَرِّرَةِ نَظَرًا اِلٰى دَلِيْلِهَا. ثُمَّ قِيْلَ: الْاَوْلٰى اَنْ يُؤَخِّرَ الْاِيْقَاعَ اِلٰى آخِرِ الطُّهْرِ اِحْتِرَازًا عَنْ تَطْوِيْلِ الْعِدَّةِ. وَالْاَظْهَرُ اَنْ يُطَلِّقَهَا كَمَا طَهُرَتْ؛ لِاَنَّهُ لَوْ اَخَّرَ رُبَّمَا يُجَامِعُهَا. وَمِنْ قَصْدِهِ التَّطْلِيْقُ فَيُبْتَلٰى بِالْاِيْقَاعِ عَقِيْبَ الْوِقَاعِ.

طلاق دینے کا حسن طریقہ

ترجمہ: [اور (طلاق) حسن اور یہ سنت (طریقہ پر) طلاق ہے، وہ یہ کہ جس عورت سے جماع ہو چکا ہو اسے تین طہروں میں تین طلاقیں دے]۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ طریقہ بدعت ہے اور صرف ایک طلاق مباح ہے کیونکہ طلاق میں اصل ممانعت ہے اور چھٹکارا حاصل کرنے کی حاجت کی وجہ سے اسے مباح قرار دیا گیا اور یہ ضرورت ایک طلاق سے پوری ہو

[1]: دارقطنی، کتاب الطلاق، حدیث: ۳۹۲۹

جاتی ہے۔

اور ہماری دلیل رسول اکرم ﷺ کا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما والی حدیث میں ارشاد گرامی ہے (آپ نے فرمایا:) "یہ طریقہ سنت ہے کہ آنے والے طہر کا انتظار کرو پھر ہر طہر میں ایک طلاق دو۔"

اور اس لئے بھی کہ حکم کا دارومدار دلیل حاجت پر ہے اور وہ ایسے وقت میں طلاق دینا ہے جب نئے سرے سے رغبت پیدا ہوتی ہے اور یہ (زمانہ) وہ طہر ہے جو جماع سے خالی ہے پس دلیل کو دیکھتے ہوئے گویا حاجت کا تکرار ہوتا ہے پھر یہ بھی کہا گیا کہ طہر کے آخر تک طلاق دینے میں تاخیر کرے تاکہ عدت کی طوالت سے بچے اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ جوں ہی وہ عورت (حیض سے) پاک ہو، طلاق دے کیونکہ اگر وہ تاخیر کرے گا تو ہوسکتا ہے وہ اس سے جماع کرے حالانکہ اس کا ارادہ طلاق دینے کا ہے تو اس طرح جماع کے بعد طلاق دینے میں مبتلا ہوگا (اور یہ طریقہ سنت کے خلاف ہے)

توضیح: اس عبارت میں چند امور بیان کئے گئے ہیں:

1. طلاق حسن کا طریقہ بتایا گیا اور یہ کہ یہ طریقہ سنت طریقہ ہے اور وہ طریقہ یہ ہے کہ جب خاتون حیض سے فارغ ہو کر پاک ہو جائے تو اگر طلاق دینا چاہے تو ایک طلاق دے پھر حیض آئے اور اس سے پاک ہو جائے تو دوسری طلاق دے اس کے بعد جب حیض آئے اور وہ اس سے پاک ہو جائے تو تیسری طلاق دے۔

اس طرح تین طہروں میں تین طلاقیں ہو جائیں گی۔

سوال: کیا عورت کے پاک ہوتے ہی طلاق دی جائے یا اس میں تاخیر کی جائے۔

جواب: ایک ضعیف قول یہ ہے کہ فوراً طلاق نہ دی جائے بلکہ طہر کے آخر میں دی جائے ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ اس طرح عدت طویل نہیں ہوگی۔

لیکن زیادہ ظاہر روایت کے مطابق عورت کے پاک ہوتے ہی طلاق دی جائے کیونکہ ہوسکتا ہے خاوند اس طہر میں جماع کرے اور اس کے بعد طلاق دے تو یہ خلاف سنت ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صرف ایک طلاق مباح ہے تین طلاقیں چاہے حسن طریقے پر ہوں بدعت ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ طلاق اصلاً ممنوع ہے اور اسے صرف حاجت کے تحت مباح قرار دیا گیا ہے اور ایک طلاق سے حاجت پوری ہو جاتی ہے۔

ہمارے نزدیک تین طلاقیں تین طہروں میں دینا بدعت نہیں بلکہ مباح ہے اس کی ایک دلیل تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ والا واقعہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ان سے کہو کہ وہ رجوع کریں حتیٰ کہ دوسرا حیض آئے پس جب وہ پاک ہو جائے تو اگر چاہیں تو طلاق دیں اور اگر چاہیں تو روک لیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہمارے نزدیک طلاق میں اصل اباحت ہے جس طرح ابتدائیہ میں بیان کیا گیا ہے۔

ایک اور دلیل جو صاحب ہدایہ نے ذکر فرمائی وہ یہ ہے کہ جب ایک طہر میں طلاق دی تو اس کے بعد عدت کے اندر رجوع کیا جا سکتا تھا خاوند کو غور وفکر کا موقعہ مل گیا تھا لیکن جب وہ رجوع کی بجائے دوسرے طہر میں دوسری طلاق دیتا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ابھی بھی اسے طلاق کی حاجت ہے اسی طرح جب دوسری طلاق کے بعد رجوع نہیں کرتا اور تیسرے طہر میں تیسری طلاق دیتا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ابھی بھی اسے طلاق دینے کی حاجت ہے اور حکم کا دارومدار دلیل پر ہوتا ہے لہٰذا بار بار طلاق دینا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اس عورت سے مکمل طور پر جان چھڑانا چاہتا ہے حتیٰ کہ تجدید نکاح کا راستہ بھی بند کر دیتا ہے کیونکہ اگر وہ دوسری اور تیسری طلاق نہ دے اور عدت ختم ہو جائے تو وہ حلالہ کے بغیر محض نکاح سے اسے اپنی زوجیت میں لا سکتا تھا۔

انسان فطرتاً عورت سے زیادہ جدائی برداشت نہیں کرتا لیکن اس صورت میں وہ حیض کے ایام میں صبر کرتا ہے پھر طہر میں ہمبستری کی بجائے طلاق دیتا ہے اور بار بار ایسا کرتا ہے تو معلوم ہوا کہ وہ اس عورت کو مکمل طور پر جدا کرنا چاہتا ہے۔

نوٹ: حاجت سے مراد طلاق کی حاجت ہے۔

طَلَاقُ الْبِدْعَةِ

طلاق بدعت

(۳): [وَطَلَاقُ الْبِدْعَةِ اَنْ يُطَلِّقَهَا ثَلَاثًا بِكَلِمَةٍ وَاحِدَةٍ اَوْ ثَلَاثًا فِيْ طُهْرٍ وَاحِدٍ. فَاِذَا فَعَلَ ذٰلِكَ وَقَعَ الطَّلَاقُ وَكَانَ عَاصِيًا] وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللهُ: كُلُّ الطَّلَاقِ مُبَاحٌ لِاَنَّهٗ تَصَرُّفٌ مَشْرُوْعٌ حَتّٰى يُسْتَفَادَ بِهِ الْحُكْمُ وَالْمَشْرُوْعِيَّةُ لَا تُجَامِعُ الْحَظْرَ. بِخِلَافِ الطَّلَاقِ فِيْ حَالَةِ الْحَيْضِ؛ لِاَنَّ الْمُحَرَّمَ تَطْوِيْلُ الْعِدَّةِ عَلَيْهَا لَا الطَّلَاقُ.

وَلَنَا اَنَّ الْاَصْلَ فِي الطَّلَاقِ هُوَ الْحَظْرُ لِمَا فِيْهِ مِنْ قَطْعِ النِّكَاحِ الَّذِيْ تَعَلَّقَتْ بِهِ الْمَصَالِحُ الدِّيْنِيَّةُ وَالدُّنْيَوِيَّةُ وَالْاِبَاحَةُ لِلْحَاجَةِ اِلَى الْخَلَاصِ. وَلَا حَاجَةَ اِلَى الْجَمْعِ بَيْنَ الثَّلَاثِ وَهِيَ فِي الْمُفَرَّقِ عَلَى الْاَطْهَارِ ثَابِتَةٌ نَظَرًا اِلٰى دَلِيْلِهَا. وَالْحَاجَةُ فِيْ نَفْسِهَا بَاقِيَةٌ فَاَمْكَنَ تَصْوِيْرُ الدَّلِيْلِ عَلَيْهَا. وَالْمَشْرُوْعِيَّةُ فِيْ ذَاتِهٖ مِنْ حَيْثُ اِنَّهٗ اِزَالَةُ الرِّقِّ لَا تُنَافِي الْحَظْرَ لِمَعْنًى فِيْ غَيْرِهٖ وَهُوَ مَا ذَكَرْنَاهُ. وَكَذَا اِيْقَاعُ الثِّنْتَيْنِ فِيْ طُهْرٍ وَاحِدٍ بِدْعَةٌ؛ لِمَا قُلْنَا.

وَاخْتَلَفَتِ الرِّوَايَةُ فِي الْوَاحِدَةِ الْبَائِنَةِ.

قَالَ فِي الْاَصْلِ: اِنَّهٗ اَخْطَاَ السُّنَّةَ؛ لِاَنَّهٗ لَا حَاجَةَ اِلٰى اِثْبَاتِ صِفَةٍ زَائِدَةٍ فِي الْخَلَاصِ وَهِيَ الْبَيْنُوْنَةُ. وَفِي الزِّيَادَاتِ اَنَّهٗ لَا يُكْرَهُ لِلْحَاجَةِ اِلَى الْخَلَاصِ نَاجِزًا.

بدعت طریقے پر طلاق دینا

ترجمہ: [طلاق بدعت یہ ہے کہ خاوند ایک ہی کلمہ کے ساتھ تین طلاقیں دے (جیسے کہا میں نے تجھے تین طلاقیں دیں) یا ایک طہر میں (ایک ایک کر کے) تین طلاقیں دے جب وہ ایسا کرے تو طلاق واقع ہو جائے گی اور وہ گناہ گار ہو گا] (یعنی تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی)۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ہر قسم کی طلاق مباح (جائز) ہے کیونکہ یہ ایسا تصرف ہے جو شریعت میں جائز ہے حتیٰ کہ اس سے حکم کا فائدہ حاصل ہوتا ہے اور شرعاً جائز ہونا، ممانعت کے ساتھ جمع نہیں ہوتا جبکہ حیض کی حالت میں دینے کا حکم اس کے خلاف ہے (یعنی حرام ہے) کیونکہ حرام کا سبب اس کی عدت کا طویل ہونا ہے، طلاق سبب نہیں ہے۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ اصل میں طلاق ممنوع ہے کیونکہ اس سے نکاح ختم ہو جاتا ہے جس کے ساتھ دینی اور دنیوی مصالح (معاملات) متعلق ہوتے ہیں۔

اور اس کی اباحت جان چھڑانے کی حاجت کی وجہ سے ہے اور تین طلاقوں کو جمع کرنے کی کوئی حاجت نہیں لیکن تین طہروں میں متفرق طور پر تین طلاقیں اس (حاجت) کی دلیل کے پیش نظر ثابت ہیں۔

اور ذاتی طور پر حاجت باقی ہے لہٰذا دلیل کو حاجت کے ساتھ تصور کیا جاتا ہے۔

اور ذاتی طور پر طلاق کا مشروع ہونا (جائز ہونا) اس وجہ سے ہے کہ اس کے ذریعے غلامی کو زائل کیا جاتا ہے، ممانعت کے منافی نہیں کیونکہ ممانعت غیر کی وجہ سے ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا (کہ اس سے نکاح ختم ہوتا ہے)

اسی طرح ایک طہر میں دو طلاقیں دینا بھی بدعت ہے جیسا کہ ہم نے کہا (کہ اس کی حاجت نہیں)

ایک بائنہ طلاق کے بارے میں روایات مختلف ہیں۔

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اصل (مبسوط) میں فرمایا کہ ایسا کرنے والا سنت کے خلاف کرتا ہے کیونکہ (عورت سے) چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے زائد صفت یعنی بینونت کی حاجت نہیں اور ''زیادات'' میں ہے کہ یہ مکروہ نہیں کیونکہ (خاوند کو) فوری چھٹکارے کی حاجت ہوتی ہے۔

توضیح: مندرجہ بالا عبارت میں طلاق کی تیسری قسم طلاق بدعت کی صورتیں بیان کی گئیں۔ طلاق بدعت کے بارے میں حنفی شافعی اختلاف اور دلائل ذکر کئے گئے۔

بیک وقت تین طلاقوں کے حرام ہونے اور تین طہروں میں متفرق طور پر تین طلاقوں کے حرام نہ ہونے کے بارے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی وضاحتی دلیل ذکر کی گئی۔ نیز حالت حیض میں طلاق کی حرمت کے حوالے سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا موقف بیان کیا گیا۔ ایک طہر میں دو طلاقوں اور ایک طلاق بائن کا حکم بیان کیا گیا۔

تفصیل:

احناف کے نزدیک طلاق بدعت کی درج ذیل صورتیں ہیں:

طلاق بدعت کی بنیادی طور پر دو صورتیں ہیں:

1. وقت کے اعتبار سے بدعت اور وہ حالت حیض میں طلاق دینا ہے۔

دلیل:

یہ اس لئے بدعت ہے کہ اس صورت میں عدت طویل ہو جاتی ہے۔

احناف کے نزدیک اس طرح کہ جس حیض میں طلاق دی گئی وہ حیض عدت میں شمار نہیں ہوتا اس کے بعد طہر ہو گا پھر تین حیض عدت کے ہوں گے تو اس طرح عدت طویل ہو جائے گی کیونکہ احناف کے نزدیک عدت تین حیض ہیں۔

اور شوافع کے نزدیک تین طہر عدت ہوتی ہے اور اب اس حیض کی وجہ سے عدت تین طہروں سے بڑھ جائے گی۔

2. تعداد کے اعتبار سے طلاق بدعت کی تین صورتیں ہیں:

(الف) بیک وقت تین طلاقیں دینا۔

(ب) ایک طہر میں تین طلاقیں دینا۔

(ج) ایک طہر میں دو طلاقیں دینا۔

ان صورتوں میں طلاق کے بدعت ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حاجت ایک طلاق سے پوری ہو جاتی ہے اور طلاق دلیل حاجت ہے (جیسے پہلے گزر گیا) لہٰذا یہ بلا حاجت ہونے کی وجہ سے بدعت ہے۔

طلاق بدعت کا حکم

طلاق بدعت نافذ ہو جاتی ہے اگر چہ طلاق دینے والا گناہ گار ہوتا ہے کیونکہ کئی ایسے کام ہیں جو ممنوع ہونے کے باوجود معتبر قرار پاتے ہیں مثلاً کسی نے چھری غصب کی اور اس کے ساتھ مرغی ذبح کی تو اگر چہ وہ غصب کی وجہ سے گناہ گار ہو گا لیکن مرغی حلال ہو جائے گی۔

اسی طرح غصب شدہ زمین میں نماز پڑھی جائے تو نماز ادا ہو جاتی ہے لہٰذا طلاق بدعت ممنوع ہونے کے باوجود نافذ ہو جاتی ہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کوئی طلاق بدعت نہیں ہوتی بلکہ تمام قسم کی طلاقیں مباح ہیں۔

دلیل: ان کی دلیل یہ ہے کہ طلاق ایسا تصرف ہے جو شرعی طور پر جائز ہے یہی وجہ ہے کہ اس پر حکم کا نفاذ ہوتا ہے اور مشروعیت، ممانعت کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔

سوال: حیض کی حالت میں طلاق آپ کے نزدیک بھی بدعت ہے حالانکہ وہ بھی ہو جاتی ہے۔

جواب: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس کا جواب یوں دیتے ہیں کہ حالت حیض میں طلاق حرام نہیں بلکہ عدت کا طویل ہونا حرام ہے (گویا یہاں طلاق کی حرمت ذاتی نہیں بلکہ غیر کی وجہ سے ہے)

احناف کی دلیل

طلاق اپنی اصل کے اعتبار سے ممنوع ہے کیونکہ اس کی وجہ سے نکاح ختم ہو جاتا ہے جبکہ نکاح کے ساتھ کئی دینی امور اور دنیوی مصالح متعلق ہوتے ہیں۔ [1]

لیکن اسے اس لئے مباح قرار دیا گیا کہ بعض حالات میں عورت سے چھٹکارا حاصل کرنا ضروری ہو جاتا ہے (یا مرد سے چھٹکارا حاصل کرنا ضروری ہوتا ہے تو عورت خلع کے ذریعے خاوند سے طلاق بائن حاصل کرتی ہے۔ [2] (ہزاروی)) اور اس حاجت کو پورا کرنے کے لئے تین اکٹھی طلاقوں کی ضرورت نہیں۔

سوال: تین طہروں میں تین طلاقیں دینے سے بھی تین طلاقیں ہو جاتی ہیں حالانکہ ان کی حاجت نہیں۔

جواب: متفرق طہروں میں متفرق طلاقیں دلیل کے تحت ثابت ہوتی ہیں کیونکہ جب ایک طہر میں طلاق دینے کے بعد شوہر رجوع بھی نہیں کرتا اور اس پر اکتفاء بھی نہیں کرتا بلکہ دوسرے طہر میں دوسری طلاق دیتا ہے تو اس کا یہ عمل اس بات کی دلیل ہے کہ ابھی بھی اسے حاجت طلاق ہے اسی طرح تیسرے طہر میں بھی یہی صورت ہے۔

جہاں تک طلاق کی مشروعیت اور ممانعت کے جمع ہونے کا تعلق ہے تو دونوں کی جہات مختلف ہیں مشروعیت ذاتی ہے کیونکہ اس سے عورت کی غلامی زائل ہوتی ہے اور ممانعت غیر کی وجہ سے یعنی اس کے بغیر بھی حاجت پوری ہو جاتی ہے۔

کیا ایک طلاق بائن بھی بدعت ہے؟

اس سلسلے میں اختلاف ہے حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''مبسوط'' میں فرماتے ہیں کہ طلاق بائن سنت سے خطاء ہے (یعنی سنت کے خلاف ہے کیونکہ بینونت (فوری علیحدگی) چھٹکارا حاصل کرنے میں زائد صفت ہے اور آپ کی کتاب ''الزیادات'' [3] میں ہے کہ یہ مکروہ نہیں کیونکہ بعض اوقات فوری طور پر چھٹکارا حاصل کرنا ہوتا ہے (جبکہ رجعی طلاق میں فوری جدائی نہیں ہوتی بلکہ رجوع کا حق ہوتا ہے جدائی عدت کے اختتام پر ہوتی ہے)

---

[1] نکاح کا اخروی فائدہ یہ ہے کہ آدمی گناہ سے بچ جاتا ہے دنیوی اعتبار سے عورت کو سہارا مل جاتا ہے اور مرد گھریلو ذمہ داریوں سے فارغ ہو کر معاشی امور اور دیگر ضروری کام دلجمعی سے انجام دے سکتا ہے (تفصیل احیاء العلوم)

[2] تصنیف امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اردو ترجمہ راقم محمد صدیق ہزاروی مطبوعہ پروگریسو بکس لاہور میں ملاحظہ کیجئے۔ (۱۲ ہزاروی)

[3] حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی چھ کتب جن کو ظاہر الروایۃ اور روایت الاصول بھی کہا جاتا ہے ان میں ''الزادیات'' بھی ہے ان چھ کتب کے اسماء یہ ہیں (۱) مبسوط، (۲) جامع صغیر، (۳) جامع کبیر، (۴) سیر صغیر، (۵) سیر کبیر، (۶) الزیادات (ہزاروی)

اَلسُّنَّةُ فِي الطَّلَاقِ مِنْ وَّجْهَيْنِ

طلاق سنت کی دو صورتیں

(۴): [وَالسُّنَّةُ فِي الطَّلَاقِ مِنْ وَجْهَيْنِ: سُنَّةٌ فِي الْوَقْتِ، وَسُنَّةٌ فِي الْعَدَدِ فَالسُّنَّةُ فِي الْعَدَدِ يَسْتَوِي فِيهَا الْمَدْخُولُ بِهَا وَغَيْرُ الْمَدْخُولِ بِهَا] وَقَدْ ذَكَرْنَاهَا [وَالسُّنَّةُ فِي الْوَقْتِ تَثْبُتُ فِي الْمَدْخُولِ بِهَا خَاصَّةً. وَهُوَ أَنْ يُطَلِّقَهَا فِي طُهْرٍ لَمْ يُجَامِعْهَا فِيهِ] لِأَنَّ الْمُرَاعَى دَلِيلُ الْحَاجَةِ وَهُوَ الْإِقْدَامُ عَلَى الطَّلَاقِ فِي زَمَانِ تَجَدُّدِ الرَّغْبَةِ وَهُوَ الطُّهْرُ الْخَالِي عَنِ الْجِمَاعِ. أَمَّا زَمَانُ الْحَيْضِ فَزَمَانُ النَّفْرَةِ، وَبِالْجِمَاعِ مَرَّةً فِي الطُّهْرِ تَفْتُرُ الرَّغْبَةُ [وَغَيْرُ الْمَدْخُولِ بِهَا يُطَلِّقُهَا فِي حَالَةِ الطُّهْرِ وَالْحَيْضِ] خِلَافًا لِزُفَرَ رَحِمَهُ اللّٰهُ هُوَ يَقِيسُهَا عَلَى الْمَدْخُولِ بِهَا.

وَلَنَا أَنَّ الرَّغْبَةَ فِي غَيْرِ الْمَدْخُولِ بِهَا صَادِقَةٌ لَّا تَقِلُّ بِالْحَيْضِ مَا لَمْ يَحْصُلْ مَقْصُودُهُ مِنْهَا، وَفِي الْمَدْخُولِ بِهَا تَتَجَدَّدُ بِالطُّهْرِ.

ترجمہ: [طلاق دو اعتبار سے سنت قرار پاتی ہے: (۱) وقت کے اعتبار سے سنت (۲) تعداد کے اعتبار سے سنت — تعداد کے اعتبار سے سنت طلاق میں مدخول بہا (جس سے جماع ہو چکا) اور غیر مدخول بہا (جس سے جماع نہیں ہوا) دونوں برابر ہیں] اور ہم یہ بات ذکر کر چکے ہیں۔

[اور وقت کے اعتبار سے سنت طلاق مدخول بہا کے ساتھ خاص ہے وہ یہ کہ اسے ایسے طہر میں طلاق دے جس میں اس سے جماع نہ کیا ہو]

کیونکہ دلیل حاجت کی رعایت کی جاتی ہے اور وہ (دلیل حاجت) ایسے زمانے میں طلاق دینا ہے جب نئی رغبت پیدا ہوتی ہے اور وہ جماع سے خالی طہر ہے کیونکہ حیض کا وقت (جماع سے) نفرت کا ہوتا ہے اور حالت طہر میں ایک مرتبہ جماع کرنے سے رغبت کم ہو جاتی ہے۔

[اور غیر مدخول بہا کو طہر اور حیض دونوں حالتوں میں طلاق دی جا سکتی ہے]

اس مسئلہ میں حضرت امام زفر علیہ الرحمہ کا اختلاف ہے وہ اسے مدخول بہا پر قیاس کرتے ہیں اور ہماری دلیل یہ ہے کہ غیر مدخول بہا میں رغبت سچی ہوتی ہے وہ حیض کی وجہ سے کم نہیں ہوتی جب تک عورت سے مقصود حاصل نہ ہو اور مدخول بہا میں طہر کی حالت میں رغبت نئے سرے سے پیدا ہوتی ہے۔

توضیح: طلاق سنت کی دو صورتیں بیان کی گئی ہیں:

① تعداد کے اعتبار سے سنت۔ ② وقت کے اعتبار سے سنت۔

تعداد کے اعتبار سے سنت طریقہ یہ ہے کہ ایک طہر میں ایک ہی طلاق دی جائے نہ تو بیک وقت تین طلاقیں دی جائیں اور نہ ہی ایک طہر میں ایک سے زیادہ طلاقیں دی جائیں اگرچہ متفرق ہی کیوں نہ ہوں (کیونکہ یہ دونوں صورتیں بدعت ہیں) تعداد کے اعتبار سے سنت طلاق میں مدخول بہا اور غیر مدخول بہا دونوں برابر ہیں۔

وقت کے اعتبار سے سنت طلاق کا طریقہ یہ ہے کہ ایسے طہر میں طلاق دی جائے جس میں جماع نہ کیا ہو اور یہ طریقہ مدخول بہا کے ساتھ خاص ہے غیر مدخول بہا کو حالت حیض میں بھی طلاق دینا خلاف سنت نہیں۔

اس کی وجہ

جب کوئی شخص اپنی بیوی کو ایسے طہر میں طلاق دے جس میں اس سے جماع نہ کیا ہو تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ طلاق دینے کی حاجت رکھتا ہے کیونکہ حیض کی حالت میں وہ جماع نہیں کر سکتا اس لئے کہ یہ شرعاً بھی ممنوع ہے اور عقلی طور پر بھی جماع سے نفرت ہوتی ہے اور جب عورت حیض سے پاک ہو گئی تو اب جماع کی رغبت لوٹ آئی لہٰذا جب اس نے جماع کی بجائے طلاق دی تو معلوم ہوا کہ اسے طلاق دینے کی حاجت ہے۔

دوسری بات یہ کہ اگر وہ اس طہر میں جماع کر لیتا ہے تو اب جماع کی رغبت کم ہو جائے گی اور اس صورت میں طلاق دینا اگرچہ دلیل حاجت قرار دی جا سکتی ہے لیکن یہ ناقص ہو گئی کیونکہ جماع کی رغبت کم ہو گئی۔

اور یہ بات مدخول بہا کے ساتھ خاص ہے جہاں تک غیر مدخول بہا کا تعلق ہے تو چونکہ اس سے ابھی تک جماع نہیں کیا اور جماع کا مقصود (شہوت کو پورا کرنا) حاصل نہیں ہوا لہٰذا دونوں صورتوں میں چاہے حالت طہر ہو یا حالت حیض غیر مدخول بہا سے جماع کی رغبت ہوتی ہے، اب جب وہ طلاق دیتا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اسے اس عمل طلاق کی حاجت ہے۔

حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف اور دلیل

حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک غیر مدخول بہا کو بھی حالت حیض میں طلاق دینا خلاف سنت اور بدعت ہے وہ اسے مدخول بہا پر قیاس کرتے ہیں۔

ہماری دلیل

ہماری دلیل یہ ہے کہ غیر مدخول بہا میں رغبت سچی ہوتی ہے کیونکہ ابھی تک اس سے جماع نہیں کیا جبکہ مدخول بہا میں رغبت نئے سرے سے آتی ہے لہٰذا یہ قیاس درست نہیں اور دونوں کا حکم مختلف ہے۔

جس عورت کو حیض نہ آتا ہو اسے سنت طلاق دینا

(۵): قَالَ [وَاِذَا كَانَتِ الْمَرْاَةُ لَا تَحِيضُ مِنْ صِغَرٍ اَوْ كِبَرٍ فَاَرَادَ اَنْ يُطَلِّقَهَا ثَلَاثًا لِلسُّنَّةِ

طَلَّقَهَا وَاحِدَةً. فَإِذَا مَضٰى شَهْرٌ طَلَّقَهَا أُخْرٰى. فَإِذَا مَضٰى شَهْرٌ طَلَّقَهَا أُخْرٰى] ؛ لِأَنَّ الشَّهْرَ فِيْ حَقِّهَا قَائِمٌ مَقَامَ الْحَيْضِ. قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى (وَاللَّائِيْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ) إِلٰى أَنْ قَالَ (وَاللَّائِيْ لَمْ يَحِضْنَ) وَالْإِقَامَةُ فِيْ حَقِّ الْحَيْضِ خَاصَّةً حَتّٰى يُقَدَّرَ الْإِسْتِبْرَاءُ فِيْ حَقِّهَا بِالشَّهْرِ وَهُوَ بِالْحَيْضِ لَا بِالطُّهْرِ. ثُمَّ إِنْ كَانَ الطَّلَاقُ فِيْ أَوَّلِ الشَّهْرِ تُعْتَبَرُ الشُّهُوْرُ بِالْأَهِلَّةِ. وَإِنْ كَانَ فِيْ وَسَطِهِ فَبِالْأَيَّامِ فِيْ حَقِّ التَّفْرِيْقِ. وَفِيْ حَقِّ الْعِدَّةِ كَذٰلِكَ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَعِنْدَهُمَا يُكْمَلُ الْأَوَّلُ بِالْأَخِيْرِ وَالْمُتَوَسِّطَانِ بِالْأَهِلَّةِ وَهِيَ مَسْأَلَةُ الْإِجَارَاتِ.

قَالَ [وَيَجُوْزُ أَنْ يُطَلِّقَهَا وَلَا يَفْصِلُ بَيْنَ وَطْيِهَا وَطَلَاقِهَا بِزَمَانٍ] وَقَالَ زُفَرُ: يَفْصِلُ بَيْنَهُمَا بِشَهْرٍ لِقِيَامِهِ مَقَامَ الْحَيْضِ؛ وَلِأَنَّ بِالْجِمَاعِ تَفْتُرُ الرَّغْبَةُ. وَإِنَّمَا تَتَجَدَّدُ بِزَمَانٍ وَهُوَ الشَّهْرُ: وَلَنَا أَنَّهُ لَا يُتَوَهَّمُ الْحَبَلُ فِيْهَا. وَالْكَرَاهِيَةُ فِيْ ذَوَاتِ الْحَيْضِ بِاعْتِبَارِهِ ؛ لِأَنَّ عِنْدَ ذٰلِكَ يُشْتَبَهُ وَجْهُ الْعِدَّةِ. وَالرَّغْبَةُ وَإِنْ كَانَتْ تَفْتُرُ مِنَ الْوَجْهِ الَّذِيْ ذَكَرَ لٰكِنْ تَكْثُرُ مِنْ وَجْهٍ اٰخَرَ ؛ لِأَنَّهُ يَرْغَبُ فِيْ وَطْيٍ غَيْرِ مُعْلَقٍ فِرَارًا عَنْ مُؤَنِ الْوَلَدِ فَكَانَ الزَّمَانُ زَمَانَ رَغْبَةٍ وَصَارَ كَزَمَانِ الْحَبَلِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں: [اور جب عورت کو کم عمری یا بڑھاپے کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو اور مرد اسے سنت طریقے پر تین طلاقیں دینے کا ارادہ کرے تو اسے ایک طلاق دے دے پس جب ایک مہینہ گزر جائے تو اسے دوسری طلاق دے دے پھر جب ایک مہینہ گزر جائے تو ایک اور طلاق دے دے]

کیونکہ مہینہ اس (عورت) کے حق میں حیض کے قائم مقام ہے ارشاد خداوندی ہے:

اور وہ عورتیں جو حیض سے مایوس ہو جائیں ـــــ یہاں تک کہ فرمایا ـــــ اور وہ عورتیں جن کو حیض نہیں آتا۔

اور یہ مہینے کا قائم مقام ہونا حیض کے ساتھ خاص ہے حتیٰ کہ عورت کے حق میں استبراء کا اندازہ مہینے کے ساتھ لگایا جاتا ہے اور وہ حیض کے ساتھ ہے طہر کے ساتھ نہیں۔ [1]

پھر اگر طلاق مہینے کے شروع میں ہو تو مہینوں کا اعتبار چاند کے حساب سے ہوگا اور اگر مہینے کے درمیان میں طلاق دی تو حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک متفرق طلاقوں کے حق میں دنوں کے ساتھ حساب لگایا جائے گا اور عدت کے حق میں بھی اسی طرح ہوگا جبکہ صاحبین کے نزدیک پہلے مہینے کو آخری (چوتھے) مہینے (کے دنوں) کے ساتھ مکمل کیا جائے گا اور درمیان والے دونوں مہینوں کا اندازہ چاند کے ساتھ ہوگا اجاروں کا مسئلہ بھی اسی طرح ہے۔

[1] یہ معلوم کرنا کہ عورت کے پیٹ میں بچہ ہے یا نہیں استبراء کہلاتا ہے

فرماتے ہیں [اور یہ بھی جائز ہے کہ عورت کو اس طرح طلاق دے کہ وطی اور طلاق کے درمیان وقت کے ذریعے فرق نہ کرے]

حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ان دونوں (وطی اور طلاق) کے درمیان ایک مہینے کا وقفہ رکھے کیونکہ یہ (مہینہ) حیض کے قائم مقام ہے۔

نیز جماع کی وجہ سے رغبت کم ہو جاتی ہے اور کچھ وقت گزرنے کے بعد نئی رغبت پیدا ہوتی ہے اور وہ وقت ایک مہینہ ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ اس صورت میں (جب حیض نہ آتا ہو) حمل کا احتمال نہیں ہوتا اور حیض والی عورتوں میں کراہیت حیض کی وجہ سے ہوتی ہے کیونکہ اس صورت میں عدت کی وجہ مشتبہ ہو جاتی ہے۔

اور اس وجہ سے جو انہوں نے (امام زفر رحمۃ اللہ علیہ نے) ذکر کی ہے، اگرچہ رغبت کم ہو جاتی ہے لیکن دوسری وجہ سے زیادہ ہو جاتی ہے کیونکہ اسے ایسی وطی کی رغبت ہوتی ہے جس کے بعد حمل نہ ٹھہرے کیونکہ وہ بچے (کی ذمہ داری) کے بوجھ سے بھاگتا ہے لہٰذا یہ رغبت کا زمانہ ہے اور (یوں) وہ حمل کے زمانے کی طرح ہو گیا۔

توضیح: اب تک ان عورتوں کی طلاق سنت کا طریقہ بیان ہوا جن کو حیض آتا ہے ان کی عدت تین حیض ہیں اور طلاق کے لئے تین طہر پائے جاتے ہیں۔

اب ان عورتوں کی طلاق سنت کا طریقہ بیان ہو رہا ہے جن کو حیض نہیں آتا کہ ان کے لئے حالت طہر میں طلاق سنت کی صورت کیا ہوگی۔ جب عورت چھوٹی عمر کی ہو حیض کی عمر کو نہ پہنچی ہو یا وہ عمر رسیدہ ہو جسے آئسہ کہا جاتا ہے اور اس وجہ سے ان کو حیض نہ آتا ہو تو ان کو طلاق سنت دینے کا ارادہ ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک مہینے میں ایک طلاق دی جائے جب دوسرا مہینہ آئے تو دوسری طلاق دی جائے پھر جب یہ مہینہ گزر جائے تو تیسری طلاق دی جائے کیونکہ ایسی عورتوں کے حق میں مہینہ حیض کے قائم مقام ہوتا ہے اور جس طرح حیض ختم ہونے کے بعد حالت طہر میں طلاق دی جاتی ہے اسی طرح مہینہ گزرنے کے بعد طلاق دے جائے۔

اس سلسلے میں قرآن مجید کی وہ آیت کریمہ جس کا متن اور ترجمہ گزر چکا ہے ہماری راہ نمائی کرتی ہے۔

مہینوں کا اعتبار کیسے ہوگا؟

اس کی دو صورتیں ہیں: (۱) طلاق مہینے کے آغاز مثلاً چاند کی پہلی تاریخ کو دی۔ (۲) طلاق مہینے کے درمیان مثلاً چاند کی پندرہ تاریخ کو دی۔

پہلی صورت میں چاند کے اعتبار سے تین مہینے مکمل ہوں گے وہ انتیس دن کے ہوں یا تیس کے یا بعض انتیس اور بعض تیس کے۔ دوسری صورت میں مہینے کے درمیان میں طلاق دی تو اب درمیان والے دو مہینے چاند کے حساب سے ہوں گے اور پہلے اور چوتھے مہینے کے دن جمع کئے جائیں گے مثلاً ربیع الاول کی پندرہ تاریخ کو طلاق دی تو ربیع الثانی اور جمادی

الاولیٰ پورے پورے ہوں گے اور ربیع الاول کے باقی پندرہ دن اور جمادی الاخریٰ کے پہلے پندرہ دن ملا کر ایک مہینہ مکمل کیا جائے گا اور اگر ربیع الاول انتیس دن کا ہو تو جمادی الاخریٰ سے سولہ دن لئے جائیں گے تاکہ تیس دن پورے ہو جائیں۔

امام ابوحنیفہ اور صاحبین رحمہم اللہ کے درمیان اختلاف

یہاں دوصورتیں ہیں: (۱) تین طلاقوں میں تفریق، (۲) عورت کا عدت گزارنا۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تین مہینوں کے دنوں کو پورا کرنا ہے یعنی جس دن طلاق دی ہے اس کے بعد نوے دن پورے کئے جائیں اس طرح تین متفرق طلاقیں ہوں گی اور نوے دن عدت گزارنا ہوگی یعنی عدت کے لئے بھی دنوں کا حساب ہوگا گویا حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ تفریق اور عدت دونوں کے لئے دنوں کا اعتبار کرتے ہیں۔

جبکہ صاحبین کے نزدیک درمیان والے دو مہینے چاند کے حساب سے ہوں گے انتیس دن کا مہینہ ہو یا تیس دن کا اور تیسرا مہینہ دنوں کے حساب سے ہوگا یعنی پہلے مہینے اور چوتھے مہینے کے دنوں کو جمع کر کے تیس دن پورے کرنا ہوں گے (جیسے پہلے بیان کیا گیا)

مہینہ، حیض کے قائم مقام کیوں؟

مہینہ حیض کے قائم مقام قرار دیا گیا اس کی وجہ یہ بیان کی گئی کہ جب کوئی شخص لونڈی خریدے اور اسے حیض نہ آتا ہو تو اس کا استبراء مہینوں کے ساتھ ہوتا ہے اور استبراء چونکہ حیض کے اعتبار سے ہوتا ہے لہٰذا مہینہ حیض کے قائم مقام ہو گیا۔

نوٹ: استبراء کا معنی طلب برأت ہے یعنی اس لونڈی کے پیٹ کی حالت معلوم کی جائے کہ وہ حاملہ تو نہیں اگر حاملہ ہو تو خریدار اس سے جماع نہیں کر سکتا اور اس بات کا علم حیض سے ہوتا ہے کہ اگر حیض آتا ہے تو وہ حاملہ نہیں ورنہ حاملہ ہے اور اگر لونڈی کو حیض نہ آتا ہو تو اس کا استبراء مہینوں کے ساتھ ہوتا ہے۔

اجارات کا مسئلہ

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں: اجارہ کا مسئلہ بھی اسی طرح ہے یعنی اگر کسی نے (مثلاً) مکان تین مہینے کے لئے کرایہ پر لیا تو مہینے کے آغاز میں لیا تو تین مہینے چاند کے اعتبار سے (یا انگریزی مہینے کے اعتبار سے جیسے عرف ہو) پورے کریں گے اور اگر مہینے کے درمیان میں لیا تو وہی طریقہ ہو جو ابھی طلاق کے حوالے سے بیان ہوا۔

کیا جماع اور طلاق کے درمیان وقفہ ہونا چاہئے؟

کیا جماع کے بعد فوراً طلاق دی جا سکتی ہے یا درمیان میں وقفہ ہونا چاہئے تو اس سلسلے میں صاحب ہدایہ حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر ائمہ احناف کے درمیان اختلاف ذکر کرتے ہیں۔ ائمہ ثلاثہ (حضرت امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ) کے نزدیک جماع کے بعد فوراً طلاق دی جا سکتی ہے جبکہ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: دونوں کے درمیان ایک ماہ کا وقفہ ہونا چاہئے۔

دلیل: وہ فرماتے ہیں چونکہ دو طلاقوں کے درمیان ایک حیض کا وقفہ ہوتا ہے اور یہاں مہینہ، حیض کے قائم مقام ہے لہٰذا یہاں بھی ایک مہینہ کا وقفہ ہونا چاہئے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ جماع سے رغبت کم ہو جاتی ہے جبکہ ایک مہینہ گزرنے کے بعد نئے سرے سے رغبت پیدا ہوگی (اور اس حالت رغبت جماع میں، طلاق دینا دلیل حاجت ہوگی)

ائمہ ثلاثہ احناف کی دلیل

ہماری دلیل یہ ہے کہ ایسی عورت میں (جسے حیض نہیں آتا) حمل کا وہم نہیں ہوتا اور حیض والی عورتوں میں حمل کے اعتبار سے کراہیت ہوتی ہے کیونکہ اس میں عدت کی وجہ مشتبہ ہو جاتی ہے (کہ وہ مہینوں کے حساب سے ہے یا حمل کی وجہ سے)
جہاں تک رغبت کا تعلق ہے تو وہ ایک وجہ سے کم ہو جاتی ہے جو حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کی لیکن ایک اور وجہ سے جماع کی رغبت پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ خاوند ایسی وطی کی رغبت رکھتا ہے جس کے نتیجے میں حمل نہ ٹھہرے تاکہ وہ بچے کی مشقت سے بچ جائے لہٰذا ایسی عورت جسے حیض نہیں آتا اس کے لئے یہ زمانہ رغبت ہی ہوتا ہے جس طرح حمل کا زمانہ، زمانہ رغبت ہوتا ہے (کیونکہ حمل پہلے سے موجود ہونے کی وجہ سے کوئی خطرہ نہیں ہوتا)

حاملہ عورت کو طلاق دینا

(۶): [وَطَلَاقُ الْحَامِلِ يَجُوزُ عَقِيبَ الْجِمَاعِ] لِاَنَّهٗ لَا يُؤَدِّي اِلٰى اشْتِبَاهِ وَجْهِ الْعِدَّةِ. وَزَمَانُ الْحَبَلِ زَمَانُ الرَّغْبَةِ فِي الْوَطْئِ لِكَوْنِهٖ غَيْرَ مُعَلِّقٍ اَوْ يَرْغَبُ فِيهَا لِمَكَانِ وَلَدِهٖ مِنْهَا فَلَا تَقِلُّ الرَّغْبَةُ بِالْجِمَاعِ

[وَيُطَلِّقُهَا لِلسُّنَّةِ ثَلَاثًا يَفْصِلُ بَيْنَ كُلِّ تَطْلِيقَتَيْنِ بِشَهْرٍ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيفَةَ وَاَبِيْ يُوسُفَ].
[وَقَالَ مُحَمَّدٌ] وَزُفَرُ [لَا يُطَلِّقُهَا لِلسُّنَّةِ اِلَّا وَاحِدَةً] لِاَنَّ الْاَصْلَ فِي الطَّلَاقِ الْحَظْرُ. وَقَدْ وَرَدَ الشَّرْعُ بِالتَّفْرِيقِ عَلٰى فُصُولِ الْعِدَّةِ. وَالشَّهْرُ فِي حَقِّ الْحَامِلِ لَيْسَ مِنْ فُصُولِهَا فَصَارَ كَالْمُمْتَدِّ طُهْرُهَا.

وَلَهُمَا اَنَّ الْاِبَاحَةَ بِعِلَّةِ الْحَاجَةِ وَالشَّهْرُ دَلِيلُهَا كَمَا فِي حَقِّ الْاٰيِسَةِ وَالصَّغِيرَةِ. وَهٰذَا؛ لِاَنَّهٗ زَمَانُ تَجَدُّدِ الرَّغْبَةِ عَلٰى مَا عَلَيْهِ الْجِبِلَّةُ السَّلِيمَةُ فَصَلَحَ عِلْمًا وَّدَلِيلًا. بِخِلَافِ الْمُمْتَدِّ طُهْرُهَا؛ لِاَنَّ الْعِلْمَ فِي حَقِّهَا اِنَّمَا هُوَ الطُّهْرُ وَهُوَ مَرْجُوٌّ فِيهَا فِي كُلِّ زَمَانٍ وَلَا يُرْجٰى مَعَ الْحَبَلِ

ترجمہ: [حاملہ عورت کو جماع کے بعد طلاق دینا جائز ہے] کیونکہ اس سے عدت کی وجہ مشتبہ نہیں ہوتی اور حمل کا زمانہ وطی میں رغبت کا زمانہ ہوتا ہے کیونکہ اس وطی کے نتیجے میں بچے کی پیدائش کا امکان نہیں ہوتا یا اس میں رغبت اس لئے ہوتی ہے کہ یہ عورت بچے کو جنم دیتی ہے لہٰذا جماع سے رغبت کم نہیں ہوتی۔

[اور اسے سنت طریقے کے مطابق تین طلاقیں اس طرح دے کہ ہر دو طلاقوں کے درمیان ایک مہینے کا وقفہ کرے یہ حضرت امام ابوحنیفہ اور امام یوسف کے نزدیک ہے اور امام محمد] اور امام زفر فرماتے ہیں [کہ سنت طریقے کے مطابق صرف ایک طلاق دے]

کیونکہ اصل میں طلاق ممنوع ہے اور شریعت نے تفریق کو عدت کے اوقات پر مقرر کیا ہے اور حاملہ کے حق میں مہینے عدت کے اوقات سے نہیں (بلکہ عدت وضع حمل تک ہوتی ہے) پس یہ اس عورت کی طرح ہے جس کا طہر طویل ہو جائے۔ شیخین کی دلیل کہ (طلاق کی) اباحت علت حاجت کی وجہ سے ہے اور مہینہ اس (حاجت) کی دلیل ہے جس طرح آئسہ (حیض سے مایوس) اور کم عمر کے حق میں (مہینہ دلیل حاجت) ہے۔

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ فطرت سلیمہ کے مطابق یہ نئی رغبت کا زمانہ ہے لہٰذا یہ (حاجت کی) علامت اور دلیل بننے کی صلاحیت رکھتا ہے بخلاف اس کے جس کا طہر طویل ہو جائے کیونکہ اس کے حق میں علامت طہر ہے اور ہر وقت اس کے پائے جانے کی امید کی جاسکتی ہے لیکن حمل کی صورت میں اس کی امید نہیں ہو سکتی۔

توضیح: حائضہ عورت ہو یا ایسی عورت جسے حیض نہیں آتا لیکن وہ حاملہ نہیں اس کو جب تین طلاقیں سنت طریقے پر دی جائیں تو جماع کے فوراً بعد طلاق نہیں دی جاتی بلکہ ایک حیض یا ایک مہینہ (اگر حائضہ نہ ہو) گزرنے کے بعد طلاق دی جاتی تاکہ اس وقت طلاق دی جائے جب جماع کی رغبت ہو اور ایسی حالت میں جب رغبت ہو طلاق دینا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ شخص طلاق دینے کی حاجت رکھتا ہے۔

لیکن اگر عورت حاملہ ہو تو اسے جماع کے فوراً بعد بھی طلاق دی جاسکتی ہے۔

صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی دو وجہ بتائی ہیں:

1. اس صورت میں عدت کی وجہ مشتبہ نہیں ہوتی کیونکہ یہ بات واضح ہے کہ اس عورت کی عدت مدت حمل ہے وہ جتنی بھی ہو۔
2. حمل کا زمانہ وطی کی رغبت کا زمانہ ہے اس کی دو وجہ بیان کی گئی ہیں پہلی وجہ یہ ہے کہ اس جماع سے حمل نہیں ٹھہرتا کیونکہ حمل پہلے سے موجود ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ایسی عورت جس سے مرد کی اولاد پیدا ہو اس میں رغبت ہوتی ہے۔ لہٰذا اس جماع سے رغبت کم نہیں ہوتی اور اس رغبت کی حالت میں طلاق دینا (طلاق کی) حاجت کی دلیل ہے۔

اختلاف ائمہ

حاملہ عورت کو سنت طریقہ پر تین طلاقیں اس طرح دی جائیں کہ ہر دو طلاقوں کے درمیان ایک مہینے کا وقفہ ہو یہ قول شیخین (حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام ابو یوسف رحمہما اللہ) کا ہے۔

جبکہ حضرت امام محمد اور حضرت امام زفر رحمہما اللہ کے نزدیک حاملہ عورت کی سنت طلاق صرف ایک ہے۔

دلیل: ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ طلاق اپنی اصل کے اعتبار سے ممنوع ہے لیکن شریعت نے اس کا طریقہ یہ بتایا کہ عدت کی مدت (تین حیض یا تین ماہ) کے حساب سے طلاق دی جائے اور حاملہ عورت کے حق میں عدت مہینوں کے اعتبار سے نہیں ہوتی لہٰذا یہ اسی طرح ہے جیسے کسی عورت کا طہر طویل ہو جائے۔

شیخین کی دلیل

طلاق کی اباحت (جواز) کی علت حاجت ہے اور مہینے کا گزرنا اس حاجت کی دلیل ہے کیونکہ ایک مہینہ گزرنے کے بعد جماع کی رغبت ہوتی ہے لیکن وہ جماع کی بجائے طلاق دیتا ہے تو دلیل حاجت ہے جس طرح آئسہ (جس کو حیض کی امید نہ رہی) اور کم عمر لڑکی کے حق میں مہینے کا گزرنا دلیل حاجت ہے۔

اس کی وجہ

اس کی وجہ یہ ہے کہ جو لوگ سلیم الفطرت ہوتے ہیں وہ ایک مہینے کے بعد جماع کی رغبت رکھتے ہیں لہٰذا ایک مہینہ حاجت کی علامت اور دلیل ہوگا۔

طویل طہر کے بارے میں جواب

حضرت امام محمد اور حضرت امام زفر رحمہما اللہ نے حاملہ عورت کو اس عورت کی طرح قرار دیا جس کا طہر طویل ہو جائے اور (وہاں تین طہروں پر تقسیم مشکل ہوتی ہے) تو شیخین کی طرف سے اس کا جواب یوں دیا گیا کہ یہ قیاس درست نہیں کیونکہ ایسی عورت کے حق میں طہر دلیل حاجت ہے اور وہ جتنا بھی طویل ہو اس کی امید بھی کی جا سکتی ہے لیکن حاملہ عورت میں اس کی امید نہیں ہوتی (کیونکہ طہر حیض کے بعد ہوتا ہے اور حالت حمل میں حیض نہیں آتا)

حالت حیض میں طلاق دینے کا حکم

(۷): [وَإِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ فِيْ حَالَةِ الْحَيْضِ وَقَعَ الطَّلَاقُ] لِأَنَّ النَّهْيَ عَنْهُ لِمَعْنًى فِيْ غَيْرِهِ وَهُوَ مَا ذَكَرْنَاهُ فَلَا يَنْعَدِمُ مَشْرُوعِيَّتُهُ [وَيُسْتَحَبُّ لَهُ أَنْ يُرَاجِعَهَا] لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ «لِعُمَرَ مُرْ ابْنَكَ فَلْيُرَاجِعْهَا» [1] وَقَدْ طَلَّقَهَا فِيْ حَالَةِ الْحَيْضِ.

وَهٰذَا يُفِيدُ الْوُقُوْعَ وَالْحَثَّ عَلَى الرَّجْعَةِ ثُمَّ الِاسْتِحْبَابُ قَوْلُ بَعْضِ الْمَشَايِخِ.

وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ وَاجِبٌ عَمَلًا بِحَقِيقَةِ الْأَمْرِ وَرَفْعًا لِلْمَعْصِيَةِ بِالْقَدْرِ الْمُمْكِنِ بِرَفْعِ أَثَرِهِ وَهُوَ الْعِدَّةُ وَدَفْعًا لِلضَّرَرِ تَطْوِيلِ الْعِدَّةِ.

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الطلاق، حدیث: ۵۲۵۱۔ ابوداؤد کتاب الطلاق، باب فی طلاق السنہ، حدیث: ۲۱۷۹

قَالَ [فَإِذَا طَهُرَتْ وَحَاضَتْ ثُمَّ طَهُرَتْ، فَإِنْ شَاءَ طَلَّقَهَا وَإِنْ شَاءَ أَمْسَكَهَا].

قَالَ: وَهٰكَذَا ذُكِرَ فِي الْأَصْلِ.

وَذَكَرَ الطَّحَاوِيُّ أَنَّهُ طَلَّقَهَا فِي الطُّهْرِ الَّذِي يَلِي الْحَيْضَةَ الْأُولٰى.

قَالَ أَبُو الْحَسَنِ الْكَرْخِيُّ [مَا ذَكَرَهُ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ. وَمَا ذُكِرَ فِي الْأَصْلِ قَوْلُهُمَا] وَوَجْهُ الْمَذْكُورِ فِي الْأَصْلِ أَنَّ السُّنَّةَ أَنْ يَفْصِلَ بَيْنَ كُلِّ طَلَاقَيْنِ بِحَيْضَةٍ وَالْفَاصِلُ هٰهُنَا بَعْضُ الْحَيْضَةِ فَتَكْمُلُ بِالثَّانِيَةِ وَلَا تَتَجَزَّأُ فَتَتَكَامَلُ.

وَجْهُ الْقَوْلِ الْآخَرِ أَنَّ أَثَرَ الطَّلَاقِ قَدِ انْعَدَمَ بِالْمُرَاجَعَةِ فَصَارَ كَأَنَّهُ لَمْ يُطَلِّقْهَا فِي الْحَيْضِ فَيُسَنُّ تَطْلِيقُهَا فِي الطُّهْرِ الَّذِي يَلِيهِ.

ترجمہ: [اور جب کوئی شخص اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دے تو یہ طلاق واقع ہو جاتی ہے]

کیونکہ اس کی ممانعت کسی اور وجہ سے ہے اور وہ وجہ ہم نے ذکر کی ہے لہٰذا اس کی مشروعیت ختم نہیں ہوگی

[اور اس شخص کے لئے مستحب یہ ہے کہ وہ رجوع کرے] کیونکہ حضور ﷺ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اپنے بیٹے کو رجوع کرنے کا حکم دیں اور انہوں نے (حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے) حالت حیض میں طلاق دی تھی۔

اس (حدیث) سے اس طلاق کے وقوع اور اس سے رجوع کی ترغیب کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ پھر استحباب، بعض مشائخ کا قول ہے

اور زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ (رجوع) واجب ہے کیونکہ حقیقت امر پر عمل یہی (وجوب) ہے۔ علاوہ ازیں جس قدر ممکن ہو گناہ کو اس کے اثر کے ختم کرنے کے ساتھ ختم کیا جائے اور اس کا اثر عدت ہے اور طوالت عدت کے ضرر کو ختم کیا جائے۔

فرماتے ہیں [پس جب وہ پاک ہو جائے پھر اسے حیض آئے پھر پاک ہو] تو اگر چاہے تو اسے طلاق دے اور اگر چاہے تو روک لے۔ فرماتے ہیں: مبسوط میں اسی طرح مذکور ہے۔

حضرت امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پہلے حیض سے متصل طہر میں طلاق دے سکتا ہے۔

حضرت امام ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: [حضرت امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کا جو قول ذکر کیا ہے یہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور جو کچھ مبسوط میں ذکر کیا گیا وہ صاحبین کا قول ہے]۔

مبسوط میں جو کچھ ذکر کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر دو طلاقوں کے درمیان ایک حیض کے ساتھ جدائی سنت ہے اور یہاں یہ جدائی ایک حیض کے بعض حصے کے ساتھ ہے پس اس کی تکمیل دوسرے حیض کے ساتھ ہوگی اور حیض، اجزاء میں تقسیم نہیں ہوتا لہٰذا پورا حیض گزرنا ضروری ہے۔

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ رجوع کے ساتھ طلاق کا اثر ختم ہو گیا پس یہ اس طرح ہو گیا گویا اس نے حیض کی حالت میں طلاق دی ہی نہیں۔ لہٰذا اسے اس طہر میں طلاق دینا سنت ہے جو اس (پہلے) حیض سے ملا ہوا ہے۔

توضیح: اس (مندرجہ بالا) عبارت میں حالت حیض میں دی گئی طلاق کے احکام بیان کئے گئے ہیں:

پہلا حکم:

حیض کی حالت میں دی گئی طلاق واقع ہو جاتی ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ اس حالت میں طلاق کی ممانعت ذاتی طور پر نہیں بلکہ دوسری وجہ سے خرابی ہے اور وہ عدت کا طویل ہو جانا ہے (جس طرح پہلے گزر چکا ہے) لہٰذا ذاتی طور پر اس کی مشروعیت باقی ہے۔

دوسرا حکم:

اگر حالت حیض میں طلاق دی گئی تو اس سے رجوع کرنا چاہئے اس کی نقلی دلیل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی زوجہ کو حالت حیض میں طلاق دی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اپنے صاحبزادے کو حکم دیں کہ وہ رجوع کر لیں۔

اس حدیث سے دو فائدے حاصل ہوئے:

① حالت حیض میں دی گئی طلاق واقع ہو جاتی ہے (ورنہ رجوع کا کوئی مقصد نہیں)

② حالت حیض میں دی گئی طلاق سے رجوع کی رغبت دی گئی۔

رجوع کی حیثیت میں اختلاف

اس بات میں اختلاف ہے کہ یہ رجوع مستحب ہے یا واجب؟

بعض مشائخ کے نزدیک مستحب ہے لیکن زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ واجب ہے کیونکہ "مرابنت" میں امر کا صیغہ (مرد) ہے اور مطلق امر وجوب کو چاہتا ہے دوسری بات یہ ہے کہ اس طلاق کی وجہ سے شوہر گناہ گار ہوا (کیونکہ یہ طلاق بدعت ہے) اور اس گناہ کو جس حد تک ممکن ہو ختم کرنا چاہئے اور یہ اس طرح ختم ہو گا کہ اس طلاق کا اثر ختم کر دیا جائے اور اس کا اثر عدت ہے اور عدت اس طرح ختم ہو گی کہ رجوع کر لیا جائے اب عدت لازم نہیں ہو گی تیسری بات یہ ہے کہ چونکہ حالت حیض میں طلاق دینے سے عدت لمبی ہو جاتی ہے (اور اسی وجہ سے یہ طریقہ بدعت ہے) اور اس سے عورت کو ضرر ہوتا ہے اور رجوع کی صورت میں یہ ضرر دور ہو جائے گا۔

اگر دوبارہ طلاق دینا چاہے تو کیا کرے؟

رجوع کے بعد دو صورتیں ہیں:

⌘ اگر چاہے تو اسے بطور بیوی رکھ لے اور اب طلاق نہ دے۔

☒ اور اگر طلاق دینا چاہے تو جب وہ پاک ہو جائے تو اسے طلاق دے اب اس میں اختلاف ہے کہ اس پہلے طہر میں طلاق دے یا اس طہر کے بعد حیض آئے پھر جب وہ پاک ہو تو اسے طلاق دے۔
مبسوط میں ہے کہ پاک ہونے کے بعد حیض آئے اس کے بعد جب دوسرا طہر ہو تو اس میں طلاق دے۔ صاحبین کا یہی قول ہے۔ حضرت امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس پہلے حیض سے ملے طہر میں طلاق دے۔
حضرت امام ابوالحسن کرخی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہی قول ہے۔

اس بارے دو قولوں کی وجہ

جو کچھ مبسوط میں مذکور ہے یعنی صاحبین کا قول، اس کی وجہ یہ ہے کہ سنت یہ ہے کہ دو طلاقوں کے درمیان ایک حیض کا وقفہ ہو اور یہاں حیض مکمل نہیں بلکہ بعض ہے اور اس کو مکمل کرنے کے لئے دوسرے حیض کا انتظار کرنا پڑے گا اور چونکہ حیض کو اجزاء میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا اس لئے دوسرا حیض مکمل گزرنے کے بعد حالت طہر میں طلاق دی جائے۔
حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام طحاوی رحمہما اللہ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ رجوع کی وجہ سے پہلی طلاق کا اثر ختم ہو گیا اور صورت حال یہ ہوگئی کہ گویا اس نے حیض کی حالت میں طلاق دی ہی نہیں اس لئے اس کے ساتھ ملے ہوئے طہر میں طلاق سنت کے طریقے پر ہوگی۔

''تجھے سنت کے مطابق تین طلاقیں'' کہنے کا حکم

(۸): [وَمَنْ قَالَ لِامْرَاَتِهٖ وَهِيَ مِنْ ذَوَاتِ الْحَيْضِ وَقَدْ دَخَلَ بِهَا: اَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا لِلسُّنَّةِ وَلَا نِيَّةَ لَهٗ فَهِيَ طَالِقٌ عِنْدَ كُلِّ طُهْرٍ تَطْلِيْقَةً]؛ لِاَنَّ اللَّامَ فِيْهِ لِلْوَقْتِ وَوَقْتُ السُّنَّةِ طُهْرٌ لَا جِمَاعَ فِيْهِ [وَاِنْ نَوٰى اَنْ تَقَعَ الثَّلَاثُ السَّاعَةَ اَوْ عِنْدَ رَاْسِ كُلِّ شَهْرٍ وَاحِدَةٌ فَهُوَ عَلٰى مَا نَوٰى] سَوَاءٌ كَانَتْ فِيْ حَالَةِ الْحَيْضِ اَوْ فِيْ حَالَةِ الطُّهْرِ

وَقَالَ زُفَرُ: لَا تَصِحُّ نِيَّةُ الْجَمْعِ لِاَنَّهٗ بِدْعَةٌ وَهِيَ ضِدُّ السُّنَّةِ.

وَلَنَا اَنَّهٗ مُحْتَمَلُ لَفْظِهٖ ؛ لِاَنَّهٗ سُنِّيٌّ وُقُوْعًا مِنْ حَيْثُ اِنَّ وُقُوْعَهٗ بِالسُّنَّةِ لَا اِيْقَاعًا فَلَمْ يَتَنَاوَلْهُ مُطْلَقُ كَلَامِهٖ وَيَنْتَظِمُهٗ عِنْدَ نِيَّتِهٖ

ترجمہ: [اور جو شخص اپنی عورت سے کہے جبکہ وہ حیض والی ہو اور اس سے جماع بھی ہو چکا ہو اَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا لِلسُّنَّةِ (تجھے سنت طریقے پر تین طلاقیں) اور اس کی کوئی نیت نہ ہو تو اسے ہر طہر میں ایک طلاق ہو جائے گی کیونکہ اس (لِلسُّنَّةِ) میں لام وقت کے لئے ہے اور سنت (طلاق) کا وقت وہ طہر ہیں جس میں جماع نہ کیا ہو۔
[اور اگر اس نے یہ نیت کی کہ اسی وقت تین طلاقیں واقع ہو جائیں یا (یہ نیت کی کہ) ہر مہینے کے شروع میں ایک طلاق

واقع ہو تو اسی طرح ہوگا جس طرح اس نے نیت کی] چاہے وہ حالت حیض میں ہو یا حالت طہر میں۔

حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اکٹھی (تین) طلاقوں کی نیت صحیح نہیں کیونکہ یہ بدعت ہے اور سنت کے خلاف ہے۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ لفظ میں اس کا احتمال ہے کیونکہ واقع ہونے کے اعتبار سے یہ سنت ہے اس طرح کہ اس کا وقوع سنت کے مطابق ہوا البتہ اس طرح طلاق دینا سنت نہیں۔ لہٰذا آدمی کا مطلق کلام اسے شامل نہیں ہوگا لیکن نیت کے وقت شامل ہوگا۔

توضیح: اگر کوئی شخص ایک ہی وقت میں تین طلاقیں اس طرح دے کہ اس کے ساتھ سنت کا لفظ شامل کرے تو چونکہ سنت طریقے پر تین طلاقیں اس طرح واقع ہوتی ہیں کہ ہر طہر میں ایک طلاق واقع ہوتی ہے لہٰذا جب یہ الفاظ استعمال کرے اَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا لِلسُّنَّةِ (تجھے سنت طریقے پر تین طلاقیں) تو ہر طہر میں ایک طلاق واقع ہوگی کیونکہ لام وقت کے لئے ہے گویا اس نے کہا: ''وَقْتَ السُّنَّةِ'' (سنت وقت) اور وہ طہر ہے۔

لیکن اس میں تین باتوں کی قید ہے:

(الف) عورت حیض والی ہو یعنی اسے حیض آتا ہو یہ مطلب نہیں کہ وہ حالت حیض میں ہو کیونکہ جسے حیض نہیں آتا اس کا حکم آگے آرہا ہے۔

(ب) عورت مَدْخُوْل بِهَا ہو (اس سے جماع ہو چکا ہو)

(ج) اور ایک یا زیادہ طلاقوں کی نیت نہ ہو۔

مدخول بہا کی قید اس لئے ہے کہ غیر مدخول کو جب تین متفرق طلاقیں دی جائیں تو وہ پہلی طلاق کے ساتھ ہی بائن ہو جاتی ہے دوسری دو طلاقوں کا محل نہیں رہتی۔

علاوہ ازیں یہ وہ صورت ہے جس میں کوئی نیت نہ ہو۔

اور اگر وہ اکٹھی تین طلاقوں کی نیت کرے یا یہ نیت کرے کہ ہر مہینے کے شروع میں ایک طلاق واقع ہو تو اس کی نیت کے مطابق عمل ہوگا، عورت حالت طہر میں ہو یا حالت حیض میں اس کی نیت کے مطابق تین یا ایک طلاق اسی وقت واقع ہو جائے گی۔

اکٹھی تین طلاقوں پر امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کی رائے

اس سلسلے میں حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کی رائے مختلف ہے وہ فرماتے ہیں: اکٹھی تین طلاقوں کی نیت درست نہیں کیونکہ یہ بدعت طریقہ ہونے کی وجہ سے سنت کے خلاف ہے (جبکہ شوہر نے طلاق کے ساتھ سنت کا لفظ بھی استعمال کیا ہے) ہماری دلیل یہ ہے کہ شوہر کے استعمال کردہ لفظ میں اکٹھی تین طلاقوں کا احتمال ہے کیونکہ یہ وقوع کے اعتبار سے سنت ہے طلاق دینے کے اعتبار سے نہیں یہی وجہ ہے کہ جب اس کا کلام مطلق ہو یعنی کوئی نیت نہ ہو تو کلام اکٹھی تین طلاقوں کو

شامل نہیں ہوگا لیکن جب نیت ہوتو لفظ طلاقوں کو جمع کرنے کو شامل ہوگا اس کی وضاحت اس طرح ہے کہ طلاق کی دو حالتیں ہیں: ① ایقاع۔ ② وقوع۔

ایقاع یعنی طلاق دینا اور وقوع یعنی طلاق کا واقع ہونا چونکہ بیک وقت تین طلاقیں دینا بدعت ہے لہٰذا یہ لفظ اس کو شامل نہیں ہوگا لیکن تین طلاقوں کا واقع ہونا سنت سے ثابت ہے اس لئے اس لفظ میں اس کا احتمال ہے بنا بریں اگر اَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا لِلسُّنَّةِ نیت سے خالی ہوتو اکٹھی تین طلاقوں کو شامل نہیں ہوگا لیکن نیت کی صورت میں شامل ہوگا۔

جس عورت کو حیض نہ آتا ہو اسے اَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا لِلسُّنَّةِ کہنا

(۹): [وَاِنْ كَانَتْ اٰيِسَةً اَوْ مِنْ ذَوَاتِ الْاَشْهُرِ وَقَعَتْ السَّاعَةَ وَاحِدَةٌ وَّبَعْدَ شَهْرٍ اُخْرٰى وَبَعْدَ شَهْرٍ اُخْرٰى]؛ لِاَنَّ الشَّهْرَ فِيْ حَقِّهَا دَلِيْلُ الْحَاجَةِ كَالطُّهْرِ فِيْ حَقِّ ذَوَاتِ الْاَقْرَاءِ عَلٰى مَا بَيَّنَّا

[وَاِنْ نَوٰى اَنْ يَّقَعَ الثَّلَاثُ السَّاعَةَ وَقَعْنَ عِنْدَنَا خِلَافًا لِزُفَرَ لَمَا قُلْنَا] بِخِلَافِ مَا اِذَا قَالَ اَنْتِ طَالِقٌ لِلسُّنَّةِ وَلَمْ يَنُصَّ عَلَى الثَّلَاثِ حَيْثُ لَا تَصِحُّ نِيَّةُ الْجَمْعِ فِيْهِ ؛ لِاَنَّ نِيَّةَ الثَّلَاثِ اِنَّمَا صَحَّتْ فِيْهِ مِنْ حَيْثُ اِنَّ اللَّامَ فِيْهِ لِلْوَقْتِ فَيُفِيْدُ تَعْمِيْمَ الْوَقْتِ وَمِنْ ضَرُوْرَتِهٖ تَعْمِيْمُ الْوَاقِعِ فِيْهِ. فَاِذَا نَوَى الْجَمْعَ بَطَلَ تَعْمِيْمُ الْوَقْتِ فَلَا تَصِحُّ نِيَّةُ الثَّلَاثِ.

ترجمہ: [اگر عورت حیض سے مایوس ہو چکی ہے یا مہینوں کے اعتبار سے عدت گزارنے والی ہوتو اسی وقت ایک طلاق واقع ہو جائے گی اور ایک مہینہ گزرنے کے بعد دوسری طلاق واقع ہوگی۔ پھر ایک مہینہ گزرنے کے بعد ایک اور (یعنی تیسری) طلاق واقع ہوگی]

کیونکہ ایسی عورت کے حق میں مہینہ دلیل حاجت ہے جس طرح حیض والی عورتوں کے لئے طہر دلیل حاجت ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

[اور اگر تین کی نیت کرے تو ہمارے نزدیک اسی وقت تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی اس میں حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے جیسا کہ ہم نے (چند سطور پہلے) کہا ہے]

بخلاف اس کے جب وہ کہے: اَنْتِ طَالِقٌ لِلسُّنَّةِ (تجھے سنت کے مطابق طلاق ہے) اور تین کا ذکر نہ کرے تو اس صورت میں اکٹھی تین طلاقوں کی نیت صحیح نہیں ہوگی کیونکہ اس صورت میں تین کی نیت اس لئے صحیح ہوتی ہے کہ "لام" وقت کے لئے ہے لہٰذا وقت میں عموم ہوگا اور وقت کے عموم سے لازم آتا ہے کہ اس میں جو عمل واقع ہو اس میں بھی عموم ہو۔

پس جب اس نے اکٹھی تین طلاقوں کی نیت کی تو وقت میں عموم باطل ہوگا لہٰذا تین کی نیت صحیح نہیں ہوگی۔

توضیح: جب خاوند اپنی بیوی سے کہے:

اَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا لِلسُّنَّةِ۔

ترجمہ: تجھے سنت کے مطابق تین طلاقیں ہیں۔

تو اس کی دو صورتیں ہیں: (۱) عورت کو حیض آتا ہو۔ (۲) اسے حیض نہ آتا ہو۔

حیض آنے کی صورت میں کیا حکم ہے یہ (چند سطور) پہلے بیان ہو چکا ہے۔

اب اس عورت کا حکم بیان ہو رہا ہے جسے حیض نہیں آتا۔ اس کے لئے سنت کے مطابق تین طلاقوں کا حکم یہ ہے کہ یہ الفاظ کہنے کے ساتھ ہی ایک طلاق واقع ہو جائے پھر ہر مہینے ایک ایک طلاق واقع ہوگی (کیونکہ یہاں طہر کا انتظار نہیں ہو سکتا) لہٰذا عورت کے حق میں طہر کی بجائے مہینہ دلیل حاجت ہے جس طرح حیض والی عورت کے حق میں طہر دلیل حاجت ہے۔

اور اگر وہ اکٹھی تین طلاقوں کی نیت کرے تو فوراً تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی اس سلسلے میں امام زفر علیہ الرحمہ کا اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں: اکٹھی تین طلاقیں واقع نہیں ہوں گی۔

نوٹ: ائمہ ثلاثہ احناف رحمہم اللہ اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان اختلاف کی وجہ اور دلائل کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

اور اگر شوہر ثلاثہ کا لفظ استعمال نہ کرے بلکہ صرف اَنْتِ طَالِقٌ لِلسُّنَّةِ کہے تو اس صورت میں تین کی نیت درست نہیں ہوگی۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ لِلسُّنَّةِ میں لام وقت کے لئے ہے اور اسی کی وجہ سے تین کی نیت صحیح ہوتی ہے اور یہ بات ضروری ہے کہ جب وقت میں تعمیم (عموم) ہوگا تو اس میں پائی جانے والی طلاقوں میں بھی عموم ہوگا اور جب وہ جمع کی نیت کرے تو تعمیم وقت باطل ہو جائے گا (کیونکہ اس نے ثلاثہ کا لفظ استعمال نہیں کیا) اس لئے تین کی نیت کرنا بھی صحیح نہیں۔

فَصْلٌ: کس کی طلاق واقع ہوتی ہے اور کس کی نہیں؟

(۱۰): [وَيَقَعُ طَلَاقُ كُلِّ زَوْجٍ إِذَا كَانَ عَاقِلًا بَالِغًا. وَلَا يَقَعُ طَلَاقُ الصَّبِيِّ وَالْمَجْنُوْنِ وَالنَّائِمِ] لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ [كُلُّ طَلَاقٍ جَائِزٌ إِلَّا طَلَاقَ الصَّبِيِّ وَالْمَجْنُوْنِ] وَلِأَنَّ الْأَهْلِيَّةَ بِالْعَقْلِ الْمُمَيِّزِ وَهُمَا عَدِيمَا الْعَقْلِ وَالنَّائِمُ عَدِيمُ الْاِخْتِيَارِ

ترجمہ: [اور ہر خاوند کی طلاق واقع ہوتی ہے جب وہ عاقل بالغ ہو اور بچے، پاگل اور سوئے ہوئے کی طلاق واقع نہیں ہوتی]۔

کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

كُلُّ طَلَاقٍ جَائِزٌ إِلَّا طَلَاقَ الصَّبِيِّ وَالْمَجْنُوْنِ۔

ترجمہ: ''ہر طلاق جائز ہے سوائے بچے اور مجنون کی طلاق کے۔''[1]

اور اس لئے بھی کہ (طلاق دینے کی) اہلیت ایسی عقل کے ساتھ ہوتی ہے جس کے ذریعے (اچھے برے کی) تمیز ہو سکے اور یہ دونوں (بچہ اور پاگل) ایسی عقل سے محروم ہیں اور سوئے ہوئے شخص کو اختیار نہیں ہوتا۔

توضیح: اگرچہ قرآن پاک کی اس آیت کریمہ ﴿بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ﴾[2] ''(اس (خاوند) کے پاس نکاح کی گرہ کا اختیار ہے) کے تحت خاوند کو طلاق دینے کا حق حاصل ہوتا ہے لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ عقل و شعور کی دولت کا مالک ہو اور اچھے برے کی پہچان رکھتا ہو اور یہ صفات عاقل بالغ شخص کو حاصل ہوتی ہیں اس لئے اس کی طلاق جائز ہوگی لیکن بچے، پاگل اور سوئے ہوئے شخص کی طلاق جائز نہیں۔

صاحب ہدایہ نے اس پر عقلی اور نقلی دلیل ذکر کی ہے۔ نقلی دلیل رسول اکرم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی:

كُلُّ طَلَاقٍ جَائِزٌ إِلَّا طَلَاقَ الصَّبِيِّ وَالْمَجْنُوْنِ۔

ترجمہ: ہر (شوہر کی) طلاق جائز ہے سوائے بچے اور مجنون کی طلاق کے (وہ جائز نہیں)۔

دوسری دلیل عقلی ہے وہ اس طرح کہ طلاق دینے کے لئے اہلیت ضروری ہے اور اہلیت کے لئے عقل اور (اچھے برے کے درمیان) امتیاز ضروری ہے۔ مجنون کی عقل کام نہیں کرتی اور بچے میں نفع نقصان اور اچھے برے کے درمیان امتیاز کی اہلیت نہیں ہوتی اور سوئے ہوئے کی طلاق اس لئے جائز نہیں کہ اسے اختیار نہیں اور طلاق دینے کے لئے اختیار چاہئے۔

[1] سنن کبریٰ، باب لا یجوز الطلاق الصبی، حدیث ۱۵۵۵ معنیً۔ علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث غریب ہے۔ جامع ترمذی میں ہے کل طلاق جائز الا طلاق المعتوہ المغلوب (عینی شرح ہدایہ، جلد: ۲، ص: ۲۲۴، ۱۲ ہزاروی)

[2] سورۃ البقرہ: 237

(۱۱): [وَطَلَاقُ الْمُكْرَهِ وَاقِعٌ] خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ. هُوَ يَقُوْلُ اِنَّ الْاِكْرَاهَ لَا يُجَامِعُ الْاِخْتِيَارَ وَبِهِ يُعْتَبَرُ التَّصَرُّفُ الشَّرْعِيُّ. بِخِلَافِ الْهَازِلِ، لِاَنَّهُ مُخْتَارٌ فِي التَّكَلُّمِ بِالطَّلَاقِ.

وَلَنَا اَنَّهُ قَصَدَ اِيْقَاعَ الطَّلَاقِ فِيْ مَنْكُوْحَتِهِ فِيْ حَالِ اَهْلِيَّتِهِ فَلَا يَعْرٰى عَنْ قَضِيَّتِهِ دَفْعًا لِحَاجَتِهِ اعْتِبَارًا بِالطَّائِعِ. وَهٰذَا، لِاَنَّهُ عَرَفَ الشَّرَّيْنِ وَاخْتَارَ اَهْوَنَهُمَا. وَهٰذَا اٰيَةُ الْقَصْدِ وَالْاِخْتِيَارِ. اِلَّا اَنَّهُ غَيْرُ رَاضٍ بِحُكْمِهِ وَذٰلِكَ غَيْرُ مُخِلٍّ بِهِ كَالْهَازِلِ.

مُكْرَهْ (مجبور کئے گئے شخص) کی طلاق

ترجمہ: [اور جس شخص کو طلاق دینے پر مجبور کیا گیا اس کی طلاق واقع ہوجاتی ہے]

اس میں حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کا اختلاف ہے آپ فرماتے ہیں: اکراہ اور اختیار جمع نہیں ہو سکتے اور اختیار کے ساتھ ہی شرعی تصرف معتبر ہوتا ہے بخلاف مذاق کرنے والے کے، کیونکہ وہ طلاق کے ساتھ کلام کرنے میں مختار ہوتا ہے۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ اس (مُكْرَهْ) نے اہلیت کی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دینے کا ارادہ کیا لہٰذا وہ اپنے حکم سے خالی نہیں ہوسکتا کیونکہ اس سے حاجت کو دور کیا جاتا ہے اور اسے اس پر قیاس کیا جائے جو اپنی مرضی سے طلاق دیتا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے دو برائیوں کو دیکھا اور ان میں آسان ترین کو اختیار کیا اور یہ اس کے ارادے اور اختیار کی علامت ہے۔

مگر یہ کہ وہ اس پر راضی نہیں اور یہ (عدم رضا) اس (طلاق) کے راستے میں رکاوٹ نہیں پس وہ مذاق میں طلاق دینے والے کی طرح ہے۔

توضیح: جس شخص سے زبردستی طلاق لی جائے تو کیا اس کی دی ہوئی طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

تو اس میں احناف اور شوافع کے درمیان اختلاف ہے۔ احناف کے نزدیک یہ طلاق واقع ہو جاتی ہے اور امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک واقع نہیں ہوتی۔ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ اکراہ اور اختیار جمع نہیں ہوتے جبکہ طلاق کے لئے ضروری ہے کہ شوہر کو اس میں اختیار حاصل ہو اور تمام شرعی تصرفات میں اختیار معتبر ہوتا ہے جبکہ اکراہ یعنی طلاق پر مجبور کرنا اور زبردستی طلاق لینے میں شوہر مختار نہیں ہوتا۔

اعتراض: ھازل (مذاق میں طلاق دینے والے) کی طلاق بھی واقع ہو جاتی ہے حالانکہ اس کا قصد اور ارادہ نہیں ہوتا تو مُكْرَهْ کی طلاق بھی واقع ہونی چاہئے۔

جواب: حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مُكْرَهْ اور ھازل میں فرق ہے، ہازل کا قصد نہیں ہوتا اختیار ہوتا ہے جبکہ مُكْرَهْ کا اختیار نہیں ہوتا۔

احناف کی دلیل یہ ہے کہ
جس شخص کو طلاق دینے پر مجبور کیا جاتا ہے وہ طلاق دینے کا اہل بھی ہے اور جسے وہ طلاق دے رہا ہے وہ اس کی بیوی بھی ہے جو محل طلاق ہے لہٰذا اس کو اس پر قیاس کریں گے جو اپنی مرضی سے طلاق دے رہا ہے اور حاجت طلاق کو پورا کرنے کے لئے اس پر حکم نافذ کیا جائے گا۔

سوال: جب اس سے زبردستی طلاق لی جارہی ہے تو حاجت طلاق نہ ہوئی لہٰذا حاجت طلاق کو پورا کرنا کس طرح ہوا؟

جواب: ایسے شخص کے سامنے دو برائیاں ہیں ایک اپنی جان کا خطرہ کہ اگر طلاق نہیں دے گا تو مجبور کرنے والے لوگ اسے نقصان پہنچائیں گے اور دوسری خرابی طلاق دینا ہے تو وہ دو برائیوں میں سے آسان برائی کو اختیار کرتا ہے اور وہ طلاق دینا ہے اس طرح اپنی جان بچانے کے لئے اسے طلاق دینے کی حاجت ہوتی ہے اور وہ ہازل کی طرح اپنے اختیار سے طلاق دیتا ہے البتہ وہ طلاق کے حکم یعنی اس کے نفاذ پر راضی نہیں ہوتا اور راضی نہ ہونے سے طلاق کے وقوع میں خلل واقع نہیں ہوتا جس طرح مذاق میں طلاق دینے والا (یعنی ہازل) طلاق پر راضی نہیں ہوتا اس کے باوجود اس کی طلاق واقع ہوجاتی ہے۔

نشے کی حالت میں طلاق دینا

(۱۲): [وَطلَاقُ السَّكْرَانِ وَاقِعٌ] وَاخْتِيَارُ الْكَرْخِيِّ وَالطَّحَاوِيِّ اَنَّهُ لَا يَقَعُ، وَهُوَ اَحَدُ قَوْلَيِ الشَّافِعِيِّ؛ لِاَنَّ صِحَّةَ الْقَصْدِ بِالْعَقْلِ وَهُوَ زَائِلُ الْعَقْلِ فَصَارَ كَزَوَالِهِ بِالْبَنْجِ وَالدَّوَاءِ. وَلَنَا اَنَّهُ زَالَ (بِسَبَبٍ هُوَ مَعْصِيَةٌ فَجُعِلَ بَاقِيًا حُكْمًا زَجْرًا لَهُ. حَتّٰى لَوْ شَرِبَ فَصُدِعَ وَزَالَ عَقْلُهُ بِالصُّدَاعِ نَقُوْلُ اِنَّهُ لَا يَقَعُ طَلَاقُهُ).

ترجمہ: [اور نشہ والے کی طلاق واقع ہوجاتی ہے]

حضرت امام کرخی اور حضرت امام طحاوی رحمہما اللہ کا مختار قول یہ ہے کہ یہ طلاق واقع نہیں ہوتی۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کے دو قولوں میں سے ایک قول یہی ہے۔

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ ارادے کی صحت عقل کے ساتھ ہوتی ہے اور اس شخص (نشے والے) کی عقل زائل ہوگئی تو یہ اسی طرح ہے جیسے بھنگ یا دوائی کے ذریعے زائل ہوجائے

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ وہ (عقل) ایسے سبب سے زائل ہوئی ہے جو گناہ ہے لہٰذا اس کو حکمی طور پر باقی رکھا جائے گا تاکہ اسے تنبیہ ہوجائے (اور وہ سبق حاصل کرے)

حتیٰ کہ اگر کوئی شخص (شراب) پئے اور اس کی وجہ سے اس کے سر میں درد ہوجائے اور سر درد کی وجہ سے اس کی عقل زائل ہوجائے تو ہم کہتے ہیں اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

توضیح: طلاق دینے والے کے لئے یہ شرط بھی ہے کہ وہ مجنون نہ ہو یعنی اس کی عقل کام کرتی ہو لیکن اس حکم سے ایک صورت مستثنیٰ ہے وہ یہ کہ اگر کسی نشہ مثلاً شراب وغیرہ کی وجہ سے اس کی عقل زائل ہو جائے تو اس کی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

نشہ والے کی طلاق کے بارے اختلاف ائمہ

امام کرخی اور امام طحاوی رحمہما اللہ کا مختار مذہب یہ ہے کہ ایسے شخص کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے دو قول ہیں ان میں سے ایک قول یہی ہے جبکہ دیگر ائمہ کے نزدیک نشے والے کی طلاق ہو جاتی ہے۔

اختلاف ائمہ کے دلائل

حضرت امام کرخی اور امام طحاوی رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ نشے والے کی عقل زائل ہو جاتی ہے اور جس کی عقل زائل ہو جائے اس کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ جس طرح بھنگ اور دوائی کی وجہ سے عقل زائل ہو جائے تو طلاق نہیں ہوتی۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ اس شخص کی عقل گناہ کی وجہ سے زائل ہوئی (یعنی نشہ کی وجہ سے) تو اسے جھڑکتے ہوئے اس کی عقل کو حکمی طور پر باقی قرار دیا جائے گا تاکہ اسے نصیحت حاصل ہو۔

یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص شراب پئے حتیٰ کہ اس کے سر میں درد ہو جائے اور سر درد کی وجہ سے عقل زائل ہو جائے تو اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی (کیونکہ اس کا حکم بے ہوشی والا حکم ہے)

نوٹ: بھنگ اور دوائی کی وجہ سے نشہ آئے اور طلاق دے تو بالاتفاق اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی۔ [1]

گونگے کی اشارے سے دی گئی طلاق کا حکم

(۱۳): [وَطَلَاقُ الْاَخْرَسِ وَاقِعٌ بِالْاِشَارَةِ]؛ لِاَنَّهَا صَارَتْ مَعْهُودَةً فَاُقِيمَتْ مَقَامَ الْعِبَارَةِ دَفْعًا لِلْحَاجَةِ. وَسَتَاْتِيكَ وُجُوهُهُ فِيْ اٰخِرِ الْكِتَابِ اِنْ شَاءَاللّٰهُ تَعَالٰى.

ترجمہ: [اور گونگے کی اشارے کے ساتھ دی گئی طلاق واقع ہو جاتی ہے]

کیونکہ وہ معروف ہے لہٰذا اس کا اشارہ عبارت کے قائم مقام ہوتا ہے تاکہ (طلاق کی) حاجت کو پورا کیا جا سکے۔ کتاب کے آخر میں اس کی کچھ دیگر وجوہ بھی ذکر کی جائیں گی۔

توضیح: چونکہ گونگا بول نہیں سکتا اور وہ طلاق دینے کی ضرورت محسوس کرتا ہے تو اگر اس کے اشارے کو اس کے کلام کی طرح قرار نہ دیا جائے تو حرج واقع ہوگا لیکن شرط یہ ہے کہ اس کے اشارے سے سمجھ آتی ہو کہ وہ کیا بتا رہا ہے اگر وہ لکھنے پر قادر بھی ہو تب بھی بطور استحسان اس کا اشارہ معتبر ہوگا۔ [2]

---

[1] البنایہ، جلد:۲، ص:۲۲۶ [2] البنایہ

لونڈی کی طلاقیں دو ہیں

(۱۴): [طَلَاقُ الْاَمَةِ ثِنْتَانِ حُرًّا كَانَ زَوْجُهَا اَوْ عَبْدًا. وَطَلَاقُ الْحُرَّةِ ثَلَاثٌ حُرًّا كَانَ زَوْجُهَا اَوْ عَبْدًا] وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: عَدَدُ الطَّلَاقِ مُعْتَبَرٌ بِحَالِ الرِّجَالِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (اَلطَّلَاقُ بِالرِّجَالِ وَالْعِدَّةُ بِالنِّسَاءِ) وَلِاَنَّ صِفَةَ الْمَالِكِيَّةِ كَرَامَةٌ وَالْاٰدَمِيَّةُ مُسْتَدْعِيَةٌ لَهَا. وَمَعْنَى الْاٰدَمِيَّةِ فِي الْحُرِّ اَكْمَلُ فَكَانَتْ مَالِكِيَّتُهُ اَبْلَغَ وَاَكْثَرَ.

وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ [طَلَاقُ الْاَمَةِ ثِنْتَانِ وَعِدَّتُهَا حَيْضَتَانِ] وَلِاَنَّ حِلَّ الْمَحَلِّيَّةِ نِعْمَةٌ فِي حَقِّهَا. وَلِلرِّقِّ اَثَرٌ فِي تَنْصِيفِ النِّعَمِ اِلَّا اَنَّ الْعُقْدَةَ لَا تَتَجَزَّاُ فَتَكَامَلَتْ عُقْدَتَانِ. وَتَاْوِيْلُ مَا رُوِيَ اَنَّ الْاِيْقَاعَ بِالرِّجَالِ.

ترجمہ: [لونڈی کی (کل) طلاقیں دو ہیں اس کا خاوند آزاد ہو یا غلام، اور آزاد عورت کی طلاقیں تین ہیں اس کا خاوند آزاد ہو یا غلام]

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: طلاقوں کی تعداد کا اعتبار مردوں کی حالت سے معتبر ہوتا ہے۔

کیونکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلطَّلَاقُ بِالرِّجَالِ وَالْعِدَّةُ بِالنِّسَاءِ۔ [1]

ترجمہ: طلاق کا تعلق مرد کے ساتھ اور عدت کا تعلق عورت کے ساتھ ہوتا ہے۔

دوسری بات یہ کہ مالکیت (مالک ہونا) اعزاز ہے اور آدمیت اس (اعزاز) کا تقاضا کرتی ہے اور آدمیت والا معنی آزاد شخص میں زیادہ کامل ہوتا ہے لہٰذا آزاد میں مالکیت کا معنیٰ زیادہ بلیغ اور اکثر ہوگا۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

طَلَاقُ الْاَمَةِ ثِنْتَانِ وَعِدَّتُهَا حَيْضَتَانِ [2]

ترجمہ: لونڈی کی طلاقیں دو اور اس کی عدت دو حیض ہیں۔

اور دوسری دلیل یہ ہے کہ محلیت کا حلال ہونا عورت کے حق میں نعمت ہے اور غلامی نعمت کو نصف کرنے میں اثر رکھتی ہے، مگر طلاق کے اجزاء نہیں ہوتے لہٰذا دو کامل طلاقیں ہوں گی (ڈیڑھ نہیں ہوگی)

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے جو روایت نقل کی ہے اس کی تاویل یہ ہے کہ طلاق دینے کا تعلق مردوں کے ساتھ ہے۔

توضیح: طلاقوں کی کل تعداد تین ہے یہی وجہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دے، اکٹھی دے

---

[1] سنن کبریٰ، باب: ماجاء فی عدد طلاق العبد، حدیث: ۱۴۹۴، مؤطا امام مالک، ص: ۲۶۹

[2] سنن ابوداؤد، کتاب الطلاق، باب فی سنۃ طلاق العبد، حدیث: ۲۱۸۹، مؤطا امام مالک، ص: ۲۶۹

یا متفرق، وہ اس سے بالکل جدا ہو جاتی ہے اور حلالہ کے بغیر اس کے عقد میں نہیں آسکتی۔

لیکن لونڈی کسی کے نکاح میں ہو تو وہ دو طلاقوں کے ساتھ ہی اس سے مکمل طور پر جدا ہو جائے گی اس لئے ہمارے نزدیک اگر اس کا خاوند آزاد ہو یا غلام دونوں صورتوں میں اس کی کل طلاقیں دو ہیں۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس سے اختلاف کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اس کے خاوند کا اعتبار ہوگا اگر وہ آزاد ہے تو تین طلاقیں ہوں گی اور اگر غلام ہے تو دو طلاقیں ہوں گی۔

امام شافعی کی دلیل

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مؤقف پر دو دلیلیں دی ہیں: (۱) نقلی دلیل وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث شریف ہے آپ نے فرمایا: طلاق کا تعلق مردوں کے ساتھ اور عدت کا تعلق عورتوں کے ساتھ ہے (یعنی مرد آزاد ہو تو تین طلاقیں اور عورت لونڈی ہو تو عدت دو حیض ہوں گے اسی طرح مرد غلام اور عورت آزاد ہو تو طلاق دو اور عدت تین حیض ہوں گے)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری دلیل عقلی ہے وہ فرماتے ہیں:

مالک ہونا ایک اعزاز ہے (کیونکہ مملوک کو مال قرار دیا جاتا ہے) اور آدمیت (انسان ہونا) اس اعزاز کا تقاضا کرتی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے: وَ لَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْۤ اٰدَمَ [1] ہم نے انسان (آدمی) کو عزت بخشی۔ اور آزاد آدمی میں آدمیت کا معنیٰ زیادہ کامل ہوتا (کیونکہ اس کا سودا نہیں ہوتا جبکہ غلام ایک اعتبار سے مال کے قائم مقام ہوتا ہے)

احناف کی دلیل

احناف نے بھی اپنے مؤقف پر ایک حدیث اور ایک عقلی دلیل پیش کی ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

طَلَاقُ الْاَمَۃِ ثِنْتَانِ وَعِدَّتُھَا حَیْضَتَانِ۔ [2]

ترجمہ: لونڈی کی طلاق، دو طلاقیں ہیں اور اس کی عدت دو حیض ہیں۔

اس حدیث میں شوہر کے آزاد یا غلام ہونے کا ذکر نہیں بلکہ لونڈی کی طلاقوں کا مطلق ذکر ہے شوہر آزاد ہو یا غلام، اس کی کل طلاقیں دو ہی ہیں۔

نقلی دلیل اس طرح ہے کہ عورت کے حق میں اس کے نکاح کا حلال ہونا نعمت ہے (کیونکہ اس کے ذریعے اس کو رہائش، نفقہ اور حفاظت حاصل ہوتی ہے اور اس کی شرمگاہ کی حفاظت حاصل ہوتی ہے)۔ [3]

اور غلامی کی وجہ سے نعمت نصف ہو جاتی ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ لونڈی کی ڈیڑھ طلاق ہو لیکن چونکہ طلاق کے اجزاء نہیں ہوتے لہٰذا دو طلاقیں مکمل ہوں گی۔ (لفظ عقدہ سے طلاق مراد ہے)

---

[1] سورۂ اسراء، آیت: ۷۰ [2] سنن ابی داؤد، کتاب الطلاق باب فی سنۃ الطلاق، حدیث: ۲۱۸۹

[3] البنایہ المعروف عینی شرح ہدایہ: ۲/۲۲۸

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی پیش کردہ حدیث کا جواب

آپ نے اپنے مؤقف پر جو حدیث پیش کی کہ طلاق کا تعلق مرد سے اور عدت کا تعلق عورت سے ہے تو احناف کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں طلاق دینا مراد ہے یعنی طلاق دینا مرد کا کام ہے ارشاد خداوندی ہے:

بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ [1]

نکاح کی گرہ مرد کے ہاتھ میں ہے اور عدت گزارنا عورت کا کام ہے۔

سوال: جب یہ بات معلوم ہے کہ طلاق دینا مرد ہی کا کام ہے تو اسے بیان کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

جواب: اس کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ دور جاہلیت میں عورت جب خاوند کو ناپسند کرتی تو گھر بدل لیتی اور یہ اس کی طرف سے طلاق ہوتی تو حضور علیہ السلام نے اس بری رسم کو ختم کرنے کے لئے فرمایا: ''اَلطَّلَاقُ بِالرِّجَالِ'' طلاق دینا مرد کا کام ہے۔ [2]

غلام شوہر کو طلاق دینے کا حق

(۱۵): [وَاِذَا تَزَوَّجَ الْعَبْدُ امْرَاَةً بِاِذْنِ مَوْلَاهُ وَطَلَّقَهَا وَقَعَ طَلَاقُهُ وَلَا يَقَعُ طَلَاقُ مَوْلَاهُ عَلٰى امْرَاَتِهٖ] لِاَنَّ مِلْكَ النِّكَاحِ حَقُّ الْعَبْدِ فَيَكُوْنُ الْاِسْقَاطُ اِلَيْهِ دُوْنَ الْمَوْلٰى.

ترجمہ: [اور جب غلام اپنے مولیٰ کی اجازت سے نکاح کرے اور طلاق دے تو اس کی طلاق واقع ہو جائے گی] کیونکہ نکاح کی ملک غلام کا حق ہے پس اس کو ساقط کرنا بھی اسی کے اختیار میں ہے مولیٰ کے اختیار میں نہیں۔

توضیح: چونکہ غلام اپنے آقا کی ملک میں ہوتا ہے اور اس کی خدمت گزاری میں مصروف ہوتا ہے اور جب نکاح کرتا ہے تو آقا کی خدمت میں خلل واقع ہوتا اس لئے اگر وہ نکاح کرنا چاہے تو آقا کی اجازت ضروری ہے۔

لیکن آقا کی اجازت کا یہ مطلب نہیں کہ غلام نے جس عورت سے نکاح کیا آقا اس کی شرمگاہ کا مالک ہو جائے گا بلکہ ملک بضع (شرمگاہ کی ملک یا ملک نکاح) اسی کے لئے ہوتی ہے جس کا نکاح ہوا اور نکاح غلام کا ہوا لہٰذا نکاح کی ملکیت بھی اسی کو حاصل ہوتی ہے اور طلاق اس ملک کو زائل کرنے کا نام ہے لہٰذا اسے زائل کرنے (یعنی طلاق دینے) کا اختیار بھی غلام کو ہوگا۔

---

[1] سورۂ بقرہ، آیت: ۲۳۷ [2] البنایہ، جلد: ۲، ص: ۲۲۸

بَابُ اِيْقَاعِ الطَّلَاقِ

باب: طلاق دینا

الفاظ طلاق کے اعتبار سے طلاق کی اقسام

(۱۶): [اَلطَّلَاقُ عَلٰى ضَرْبَيْنِ: صَرِيْحٌ، وَكِنَايَةٌ. فَالصَّرِيْحُ قَوْلُهُ: اَنْتِ طَالِقٌ وَمُطَلَّقَةٌ وَطَلَّقْتُكِ فَهٰذَا يَقَعُ بِهِ الطَّلَاقُ الرَّجْعِيُّ] لِاَنَّ هٰذِهِ الْاَلْفَاظَ تُسْتَعْمَلُ فِي الطَّلَاقِ وَلَا تُسْتَعْمَلُ فِيْ غَيْرِهٖ فَكَانَ صَرِيْحًا وَاَنَّهٗ يَعْقُبُ الرَّجْعَةَ بِالنَّصِّ [وَلَا يَفْتَقِرُ اِلَى النِّيَّةِ] لِاَنَّهٗ صَرِيْحٌ فِيْهِ لِغَلَبَةِ الِاسْتِعْمَالِ، وَكَذَا اِذَا نَوَى الْاِبَانَةَ لِاَنَّهٗ قَصَدَ تَنْجِيْزَ مَا عَلَّقَهُ الشَّرْعُ بِانْقِضَاءِ الْعِدَّةِ فَيُرَدُّ عَلَيْهِ.

وَلَوْ نَوَى الطَّلَاقَ عَنْ وِثَاقٍ لَمْ يُدَيَّنْ فِي الْقَضَاءِ لِاَنَّهٗ خِلَافُ الظَّاهِرِ وَيُدَيَّنُ فِيْمَا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ اللّٰهِ تَعَالٰى لِاَنَّهٗ نَوٰى مَا يَحْتَمِلُهٗ.

وَلَوْ نَوٰى بِهِ الطَّلَاقَ عَنِ الْعَمَلِ لَمْ يُدَيَّنْ فِي الْقَضَاءِ وَلَا فِيْمَا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ اللّٰهِ تَعَالٰى لِاَنَّ الطَّلَاقَ لِرَفْعِ الْقَيْدِ وَهِيَ غَيْرُ مُقَيَّدَةٍ بِالْعَمَلِ.

وَعَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ اَنَّهٗ يُدَيَّنُ فِيْمَا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ اللّٰهِ تَعَالٰى لِاَنَّهٗ يَسْتَعْمِلُ لِلتَّخْلِيْصِ.

ترجمہ: [طلاق کی دو قسمیں ہیں: ① صریح، ② کنایہ۔ صریح جیسے اس کا قول اَنْتِ طَالِقٌ، وَمُطَلَّقَةٌ، وَ طَلَّقْتُكِ (تو طلاق والی ہے، تجھے طلاق دی گئی اور میں نے تجھے طلاق دی) ان الفاظ کے ساتھ طلاق رجعی واقع ہوگی]۔

کیونکہ یہ الفاظ طلاق کے لئے استعمال ہوتے ہیں اس کے علاوہ کے لئے استعمال نہیں ہوتے پس یہ صریح (طلاق ہو گی) اور نص سے ثابت ہے کہ اس کے بعد رجوع ہو سکتا ہے۔

[اور (اس میں) نیت کی حاجت نہیں ہوتی] کیونکہ غلبۂ استعمال کی وجہ سے یہ طلاق کے لئے صریح ہے۔

اسی طرح اگر وہ (ان الفاظ سے) بائن طلاق کی نیت کرے تو بھی یہی حکم ہے (رجعی طلاق ہوگی) کیونکہ اس نے اس

چیز کو فوراً حاصل کرنے کی نیت کی جسے شریعت نے عدت کے پورا ہونے سے معلق کیا ہے لہٰذا اس (کی نیت) کو اس پر لوٹا دیا جائے گا اور اگر وہ (ان الفاظ سے) گرہ کھولنے کا ارادہ کرے تو قضاء کی صورت میں اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی کیونکہ یہ ظاہر کے خلاف ہے البتہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان (یعنی دیانتاً) اس کی تصدیق کی جائے گی کیونکہ اس نے اس چیز کی نیت کی جس کا (لفظ میں) احتمال ہے۔

اور اگر وہ (ان الفاظ سے) عمل کو چھوڑنے کا ارادہ کرے تو قضا کے اعتبار سے بھی اور اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان بھی اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی کیونکہ طلاق قید کو ختم کرنے کا نام ہے اور وہ عمل کے ساتھ مقید نہیں ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے ہاں (دیانتاً) اس کی تصدیق کی جائے گی کیونکہ یہ لفظ چھٹکارے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

توضیح: اس سے پہلے طلاق دینے کے طریقے اور کن لوگوں کی طلاق واقع ہوتی ہے اور کن کی نہیں وغیرہ مسائل بیان کئے گئے۔

الفاظ کی اقسام اور حکم

اب طلاق کے الفاظ کے اعتبار سے طلاق کی اقسام بیان کی جارہی ہیں ـــــ الفاظ دو قسم کے ہوتے ہیں:

① صریح:

وہ لفظ جو واضح ہو اور اس میں ایک سے زائد معانی مراد نہ ہوتے ہوں اور نہ ہی اس میں نیت شرط ہو۔

② کنایہ:

وہ لفظ ہے جس میں ایک سے زائد معانی کا احتمال ہو۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں صریح لفظ کا ذکر کر کے بتایا کہ اس کے استعمال سے کون سی طلاق مراد ہوتی ہے۔

صریح الفاظ میں تین قسم کے الفاظ ذکر فرمائے:

اَنْتِ طَالِقٌ ـــــ تو طلاق والی ہے کیونکہ یہ اسم فاعل کا صیغہ ہے جس میں مصدر (طلاق) موجود ہے۔

اَنْتِ مُطَلَّقَةٌ ـــــ تو طلاق والی ہے یہ باب تفعیل سے اسم مفعول کا صیغہ ہے یعنی تجھے طلاق دی گئی اور جسے طلاق دی جائے وہ طلاق والی ہی ہوتی۔

طَلَّقْتُكِ ـــــ میں نے تجھے طلاق دی، ماضی کا صیغہ استعمال کیا۔ ان الفاظ سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے اور نیت کی حاجت نہیں ہوتی ـــــ کیونکہ یہ صریح لفظ ہے اور اس کا غالب استعمال ہوتا ہے طلاق کے معنیٰ میں اور رجعی اس اعتبار سے کہ اس میں عدت کے اندر اندر رجوع ہوسکتا اور یہ نص سے ثابت ہے۔ ◆[1]

◆[1] یہ نص قرآن پاک کی یہ آیت کریمہ ہے: وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ [سورۂ بقرہ، آیت: ۲۲۸] اور ان کے خاوند کی واپسی کا زیادہ حق رکھتے ہیں۔

مسئلہ: اگر وہ صریح لفظ سے طلاق بائن کا ارادہ بھی کرے تو بھی طلاق بائن نہ ہوگی کیونکہ اس نے فوری علیحدگی کا ارادہ کیا جبکہ شریعت نے اسے عدت کے اختتام سے معلق کیا ہے اس لئے اس کے ارادے پر عمل نہیں ہوگا بلکہ اسے رد کیا جائے گا۔

مسئلہ: اگر وہ اس سے (ہتھکڑی وغیرہ یا رسی کی گرہ) کھولنے کا ارادہ کرے تو بطور قضا طلاق نہیں ہوگی کیونکہ یہ ظاہر کے خلاف ہے اس لئے کہ اس سے بظاہر طلاق ہی مراد ہوتی ہے اور لفظ طلاق کا غالب استعمال طلاق کے لئے ہی ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس بندے کے درمیان (یعنی دیانتاً) طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ اس میں کھولنے والے معنیٰ کا بھی احتمال ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی نیت پر مطلع ہے۔

مسئلہ: اور اگر اس کی نیت عمل سے آزاد کرنے کی ہو کہ میں نے تجھے کام سے آزاد کیا تو طلاق واقع نہیں ہوگی نہ تو قاضی کے ہاں اس کی تصدیق کی جائے گی اور نہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی تصدیق ہوگی یعنی قضاءً اور دیانتاً دونوں طرح طلاق نہیں ہوگی کیونکہ طلاق قید کو ختم کرنا ہے اور اس کا عمل سے کوئی تعلق نہیں۔

نوٹ: حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت میں منقول ہے کہ اس صورت میں بھی دیانتاً طلاق ہو جائے گی کیونکہ یہ لفظ چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے گویا اس نے کہا: اَنْتِ خَلِصْتَ عَنِ الْعَمَلِ کام سے تیری جان چھوٹ گئی۔

اور اگر وہ کہے تو فلاں کام سے فارغ ہوگئی تو قضائً اور دیانتاً دونوں طرح طلاق نہیں ہوگی۔

لفظ مُطْلَقَةٌ میں طاء کو ساکن پڑھنا

(۱۷): [وَلَوْ قَالَ اَنْتِ مُطْلَقَةٌ بِتَسْكِيْنِ الطَّاءِ لَا يَكُوْنُ طَلَاقًا اِلَّا بِالنِّيَّةِ لِاَنَّهَا غَيْرُ مُسْتَعْمَلَةٍ فِيْهِ عُرْفًا فَلَا يَكُوْنُ صَرِيْحًا]

قَالَ [وَلَا يَقَعُ بِهٖ اِلَّا وَاحِدَةٌ وَّاِنْ نَوٰى اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ] وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: يَقَعُ مَا نَوٰى لِاَنَّهٗ مُحْتَمَلُ لَفْظِهٖ. فَاِنَّ ذِكْرَ الطَّالِقِ ذِكْرٌ لِلطَّلَاقِ لُغَةً كَذِكْرِ الْعَالِمِ ذِكْرٌ لِلْعِلْمِ وَلِهٰذَا يَصِحُّ قِرَانُ الْعَدَدِ بِهٖ فَيَكُوْنَ نَصْبًا عَلَى التَّمْيِيْزِ.

وَلَنَا اَنَّهٗ نَعْتٌ فَرْدٌ حَتّٰى قِيْلَ لِلْمُثَنّٰى طَالِقَانِ وَلِلثَّلَاثِ طَوَالِقُ فَلَا يَحْتَمِلُ الْعَدَدَ لِاَنَّهٗ ضِدُّهٗ. وَذِكْرُ الطَّالِقِ ذِكْرٌ لِطَلَاقٍ هُوَ صِفَةٌ لِلْمَرْاَةِ لَا لِطَلَاقٍ هُوَ تَطْلِيْقٌ. وَالْعَدَدُ الَّذِيْ يُقْرَنُ بِهٖ نَعْتٌ لِمَصْدَرٍ مَحْذُوْفٍ مَعْنَاهُ طَلَاقًا ثَلَاثًا كَقَوْلِكَ اَعْطَيْتُهٗ جَزِيْلًا

ترجمہ: [اور اگر کہا: اَنْتِ مُطْلَقَةٌ (طاء ساکن کے ساتھ) تو نیت کے بغیر طلاق نہیں ہوگی کیونکہ عرف میں یہ لفظ (طلاق کے لئے) مستعمل نہیں پس یہ صریح نہیں ہوگا]

امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: [اور اس سے ایک ہی طلاق ہوگی (جب نیت کرے) اگرچہ زیادہ کی نیت کرے]

اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جو نیت کرے گا اس کے مطابق ہوگا کیونکہ لفظ میں اس کا احتمال ہے کیونکہ طالق کا ذکر طلاق کا ذکر ہے جس طرح عالم کا ذکر علم کا ذکر ہے اسی لئے اس کے ساتھ عدد ملانا صحیح ہے لہٰذا یہ امتیاز کرنے پر نص ہوگی۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ ایک فرد کی صفت ہے حتیٰ کہ دو کے لئے طالقان اور تین کے لئے طوالق کا لفظ استعمال ہوتا ہے لہٰذا اس میں عدد کا احتمال نہیں کیونکہ یہ اس (عدد) کی ضد ہے۔

اور طالق کا ذکر طلاق کا ذکر ہے اور وہ عورت کی صفت ہے طلاق کی صفت نہیں اس کی صفت تطلیق (طلاق دینا) ہے اور وہ عدد جو اس کے ساتھ ملا ہوتا ہے وہ مصدر محذوف کی صفت ہے اس کا معنیٰ ''تین طلاقیں'' ہے جیسے کوئی شخص کہے: اَعْطَيْتُهٗ جَزِيْلًا میں نے اسے بہت زیادہ عطیہ دیا۔

توضیح: چونکہ شریعت میں عرف کا اعتبار کیا گیا ہے اور عرف میں لفظ مُطْلَقَةٌ (طاء ساکن کے ساتھ) طلاق کے لئے صریح نہیں جب یہ صریح نہیں تو کنایہ ہوگا کیونکہ صریح اور کنایہ کے درمیان کوئی واسطہ نہیں اور جب یہ کنایہ ہے تو نیت کے بغیر طلاق نہیں ہوگی اگر نیت کرے تو طلاق ہو جائے گی جس طرح کنایہ الفاظ کا حکم ہے۔

اس لفظ سے عدد طلاق پر اختلاف

اگر وہ لفظ مُطْلَقَةٌ سے طلاق کی نیت کرے تو طلاق واقع ہو جائے گی لیکن کتنی طلاقیں واقع ہوں گی؟ اس میں احناف اور شوافع کے درمیان اختلاف ہے۔

احناف کے نزدیک ایک ہی طلاق ہوگی اگرچہ وہ زیادہ کی نیت کرے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جتنی طلاقوں کی نیت کرے گا اتنی ہی واقع ہوں گی۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل

آپ فرماتے ہیں: لفظ طَالِقٌ میں اس بات کا احتمال ہے کہ ایک سے زیادہ بھی ہو سکتی ہیں۔

وہ فرماتے ہیں: لفظ طَالِقٌ میں لفظ ''طلاق'' پایا جاتا ہے کیونکہ طالق صفت ہے اور صفت کے لئے لغوی اعتبار سے مشتق منہ یعنی مصدر کا ہونا ضروری ہے جس طرح لفظ عالم بولا جائے تو اس میں علم کا ذکر ہوتا ہے کیونکہ وہ علم (مصدر) سے مشتق ہے۔ اور چونکہ لفظ میں عدد کا احتمال ہے اسی لئے اس کے ساتھ عدد کا ذکر درست ہے مثلاً اَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا اور یہ تمیز ہونے کی وجہ سے منصوب پڑھا جاتا ہے جیسے ثلاثًا منصوب ہے۔

احناف کی دلیل

لفظ "طالق" ایک کی صفت ہے اسی لئے دو (عورتوں) کے لئے طالقان اور جمع کے لئے طوالق کا لفظ استعمال ہوتا ہے لہٰذا فرد (ایک) کی صفت (طالق) میں عدد کا احتمال نہیں ہے کیونکہ ایک، عدد کی ضد ہے (یعنی دو یا تین، ایک کے مقابل ہیں) اور جب طالق کا ذکر کیا جائے تو اس میں طلاق بھی ذکر ہوتا ہے یہ ٹھیک ہے لیکن یہ عورت کی صفت ہے کیونکہ طالق صفت ہے اور وہ طلاق پر دلالت کرتا ہے جو عورت کی صفت ہے اس طلاق کی صفت نہیں جو تطلیق (طلاق دینے) کے معنیٰ میں ہے۔

اور اس کے ساتھ جو عدد ملا ہوتا ہے وہ مصدر محذوف کی صفت ہے یعنی طَلاَقًا ثَلاَثًا (تین طلاقیں) لہٰذا تین طلاقوں کے وقوع پر مصدر محذوف کی وجہ سے دلالت ہوتی ہے جو لفظ ثلاثہ کے ساتھ موصوف ہے محض اس کا قول اَنْتِ طَالِقٌ دلالت نہیں کرتا۔

لہٰذا یہ اس قول کی طرح ہے اَعْطَيْتُهٗ جَزِيْلًا یعنی عَطَاءِ جَزِيْلًا تو کثرت یعنی جَزِيْلًا پر مصدر محذوف عطا کی دلالت جو جَزِيْلًا کے ساتھ موصوف ہے اعطیتہ کی دلالت نہیں کیونکہ اس کی دلالت محض عطاء پر ہے جَزِيْلًا پر نہیں۔

عربی زبان کے مختلف الفاظ میں طلاق کا حکم

(۱۸): [وَاِذَا قَالَ: اَنْتِ الطَّلاَقُ اَوْ اَنْتِ طَالِقٌ الطَّلاَقَ اَوْ اَنْتِ طَالِقٌ طَلاَقًا. فَاِنْ لَمْ تَكُنْ لَهٗ نِيَّةٌ اَوْ نَوٰى وَاحِدَةً اَوْ ثِنْتَيْنِ فَهِيَ وَاحِدَةٌ رَجْعِيَّةٌ. وَاِنْ نَوٰى ثَلاَثًا فَثَلاَثٌ] وَوُقُوْعُ الطَّلاَقِ بِاللَّفْظَةِ الثَّانِيَةِ وَالثَّالِثَةِ ظَاهِرٌ. لِاَنَّهٗ لَوْ ذَكَرَ النَّعْتَ وَحْدَهٗ يَقَعُ بِهِ الطَّلاَقُ. فَاِذَا ذَكَرَهٗ وَذَكَرَ الْمَصْدَرَ مَعَهٗ وَاَنَّهٗ يَزِيْدُهٗ وَكَادَةً اَوْلٰى.

وَاَمَّا وُقُوْعُهٗ بِاللَّفْظَةِ الْاُوْلٰى فَلِاَنَّ الْمَصْدَرَ قَدْ يُذْكَرُ وَيُرَادُ بِهِ الْاِسْمُ. يُقَالُ: رَجُلٌ عَدْلٌ: اَىْ عَادِلٌ فَصَارَ بِمَنْزِلَةِ قَوْلِهٖ اَنْتِ طَالِقٌ. وَعَلٰى هٰذَا لَوْ قَالَ: اَنْتِ طَلاَقٌ يَقَعُ بِهِ الطَّلاَقُ اَيْضًا وَلَا يَحْتَاجُ فِيْهِ اِلَى النِّيَّةِ وَيَكُوْنُ رَجْعِيًّا لِمَا بَيَّنَّا اَنَّهٗ صَرِيْحُ الطَّلاَقِ لِغَلَبَةِ الْاِسْتِعْمَالِ فِيْهِ. وَتَصِحُّ نِيَّةُ الثَّلاَثِ لِاَنَّ الْمَصْدَرَ يَحْتَمِلُ الْعُمُوْمَ وَالْكَثْرَةَ لِاَنَّهٗ اسْمُ جِنْسٍ فَيُعْتَبَرُ بِسَائِرِ اَسْمَاءِ الْاَجْنَاسِ فَيَتَنَاوَلُ الْاَدْنٰى مَعَ احْتِمَالِ الْكُلِّ. وَلَا تَصِحُّ نِيَّةُ الثِّنْتَيْنِ فِيْهَا خِلاَفًا لِزُفَرَ.

هُوَ يَقُوْلُ: اِنَّ الثِّنْتَيْنِ بَعْضُ الثَّلاَثِ فَلَمَّا صَحَّتْ نِيَّةُ الثَّلاَثِ صَحَّتْ نِيَّةُ بَعْضِهَا ضَرُوْرَةً.

وَنَحْنُ نَقُوْلُ: نِيَّةُ الثَّلَاثِ

اِنَّمَا صَحَّتْ لِكَوْنِهَا جِنْسًا. حَتّٰى لَوْ كَانَتِ الْمَرْاَةُ اَمَةً تَصِحُّ نِيَّةُ الثِّنْتَيْنِ بِاعْتِبَارِ مَعْنَى الْجِنْسِيَّةِ. اَمَّا الثِّنْتَانِ فِيْ حَقِّ الْحُرَّةِ فَعَدَدٌ. وَاللَّفْظُ لَا يَحْتَمِلُ الْعَدَدَ وَهٰذَا لِاَنَّ مَعْنَى التَّوَحُّدِ يُرَاعٰى فِيْ اَلْفَاظِ الْوُحْدَانِ وَذٰلِكَ بِالْفَرْدِيَّةِ اَوِ الْجِنْسِيَّةِ وَالْمُثَنّٰى بِمَعْزِلٍ مِنْهُمَا.

ترجمہ: [اور جب مرد کہے اَنْتِ الطَّلَاقُ یا اَنْتِ طَالِقُ الطَّلَاقَ یا اَنْتِ طَالِقٌ طَلَاقًا تو اگر اس کی کوئی نیت نہ ہو یا ایک یا دو کی نیت کرے تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگی اور اگر تین کی نیت کرے تو تین واقع ہوں گی)

اور دوسرے اور تیسرے لفظ (اَنْتِ طَالِقُ الطَّلَاقَ اور اَنْتِ طَالِقٌ طَلَاقًا) کے ساتھ طلاق کا واقع ہونا ظاہر ہے اگر صرف صفت (طالق) ذکر کرے تو طلاق واقع ہوجاتی ہے تو جب اس کے ساتھ مصدر ذکر کیا اور وہ اس میں تاکید کا اضافہ کرتا ہے تو اس سے بدرجہ اولیٰ طلاق واقع ہوگی۔

اور پہلے لفظ (انت الطلاق) سے طلاق اس لئے واقع ہوتی ہے کہ بعض اوقات مصدر بول کر اس سے اسم (ذات) مراد لی جاتی ہے جیسے کہا جاتا ہے '' رجل عدل '' یعنی رجل، عادل۔ لہٰذا یہ اس طرح ہوگیا گویا اس نے کہا: اَنْتِ طَالِقٌ۔

اسی وجہ سے اگر وہ (الف لام کے بغیر) انت طلاق کہتا تو اس سے بھی طلاق واقع ہوجاتی۔

اور اس میں نیت کی حاجت نہیں ہوتی اور اس سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا کہ صریح طلاق ہے کیونکہ لفظ طلاق کا غالب استعمال طلاق کے لئے ہوتا ہے اور تین طلاقوں کی نیت صحیح ہے کیونکہ مصدر میں عموم اور کثرت کا احتمال ہوتا ہے اس لئے کہ یہ جنس ہے پس اس کو تمام اسمائے جنس پر قیاس کیا جائے گا۔

اس لئے کہ یہ ادنیٰ کو شامل ہوتا ہے اور کل کا احتمال ہوتا ہے اور اس میں دو کی نیت صحیح نہیں۔

(اس مسئلہ میں) امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے۔ وہ فرماتے ہیں: دو، تین کا بعض ہیں تو جب تین کی نیت صحیح ہے تو ضرورت کے تحت اس کے بعض کی نیت بھی صحیح ہوگی۔

اور ہم کہتے ہیں کہ تین کی نیت اس لئے صحیح ہے کہ وہ جنس ہے حتیٰ کہ اگر عورت لونڈی ہو تو جنس کا اعتبار کرتے ہوئے دو کی نیت صحیح ہوتی (کیونکہ اس کے حق میں کل طلاقیں دو ہیں) اور آزاد عورت کے حق میں دو، عدد ہے (جنس نہیں) اور لفظ میں عدد کا احتمال نہیں۔

اور یہ اس لئے کہ وحدت کے معنیٰ کی رعایت لفظ واحد میں کی جاتی ہے اور یہ یا تو فردیت کے ساتھ ہوتی ہے یا جنسیت کے ساتھ اور دو کا عدد ان دونوں (فردیت اور جنسیت) سے الگ تھلگ ہے۔

توضیح: مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے طلاق کے سلسلے میں استعمال ہونے والے تین قسم کے الفاظ کا ذکر کر کے بتایا کہ ان الفاظ

سے طلاق واقع ہو جاتی ہے —— اور یہ بھی بتایا کہ ان سے ایک طلاق رجعی واقع ہوتی ہے اگر اس کی (کسی عدد کی) نیت نہ ہو یا دو کی نیت ہو اور اگر تین کی نیت ہو تو تین واقع ہوں گی۔

صاحب ہدایہ نے ان الفاظ سے طلاق کی وجوہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ

(۱) پہلے لفظ اَنْتِ الطَّلَاقَ سے طلاق اس لئے واقع ہوتی ہے کہ اس میں لفظ طلاق مصدر ہے اور بعض اوقات مصدر بول کر اس سے اسم مراد لیا جاتا ہے جیسے کہا جاتا ہے'' رجل عدل ''تو اس سے مراد رجل عادل ہوتا ہے یعنی عدل (مصدر) اسم فاعل عادل کے معنیٰ میں ہے اسی طرح انت الطلاق سے مراد اَنْتِ طَالِقٌ ہے۔

(۲) دوسری اور تیسری قسم کے الفاظ میں لفظ طالق واضح لفظوں میں موجود ہے اور اس کے ساتھ لفظ طلاق تاکید کے لئے ہے اگر صرف طالق (صفت) بولا جائے تو طلاق ہو جاتی ہے یہاں تو تاکید کے لئے مصدر کا بھی ذکر ہے لہٰذا اس سے بدرجۂ اولیٰ طلاق واقع ہوگی۔

دوسرا مسئلہ: یہ ہے کہ چونکہ لفظ طلاق مصدر اسم جنس ہے اس لئے اس میں فرد حقیقی (ایک) اور فرد حکمی (تین) طلاقوں کا احتمال ہے اگر کسی عدد کی نیت نہ ہو تو فرد حقیقی ایک طلاق مراد ہوگی اور اگر فرد حکمی (تین طلاقوں) کی نیت ہو تو تین واقع ہوں گی کیونکہ اسم جنس میں عموم اور کثرت کا احتمال ہوتا ہے۔

نوٹ: اگر دو کی نیت کرے تو ایک واقع ہوگی دو نہیں ہوں گی کیونکہ اسم جنس میں عدد کا احتمال نہیں ہوتا اور دو عدد ہے تین بھی عدد ہے لیکن چونکہ کل طلاقیں تین ہوتی ہیں لہٰذا وہ ایک جماعت کے حکم میں ہو کر فرد حکمی بن جاتی ہیں۔

امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف

حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگر دو کی نیت کرے تو دو واقع ہو جائیں گی ——

ان کی دلیل یہ ہے کہ چونکہ دو، تین کا بعض ہے تو جب تین کی نیت صحیح ہوتی ہے تو لازماً اس کے بعض کی نیت بھی صحیح ہوگی۔

ہماری دلیل —— یہ ہے کہ تین کی نیت اس لئے صحیح ہوتی ہے کہ وہ جنس ہے یہی وجہ ہے کہ لونڈی کے حق میں دو طلاقوں کی نیت صحیح ہوتی ہے کیونکہ اس کے حق میں دو طلاقیں جنس قرار پاتی ہیں لیکن آزاد عورت کے حق میں دو طلاقیں محض عدد ہیں تو جب تک عدد کا لفظوں میں ذکر نہ کیا جائے مصدر کے استعمال سے وہ مراد نہیں ہوں گی کیونکہ لفظ (یعنی مصدر) میں اس کا احتمال نہیں ہوتا اس میں فردیت مراد ہوتی ہے اور وہ حقیقی فرد یعنی ایک ہوگی یا جنسیت کا اعتبار ہوگا تو تین طلاقیں فرد حکمی ہوں گی اور دو کے عدد کا ان دونوں سے تعلق نہیں ہے۔

نوٹ: ان الفاظ سے طلاق رجعی واقع ہوگی کیونکہ یہ صریح لفظ ہے البتہ تین کی نیت ہو تو رجوع نہیں ہو سکتا۔

اَنْتِ طَالِقٌ الطَّلَاقَ کہنے کا ایک اور حکم

(۱۹): [وَلَوْ قَالَ: اَنْتِ طَالِقٌ الطَّلَاقَ فَقَالَ: اَرَدْتُ بِقَوْلِیْ طَالِقٌ وَّاحِدَةً وَبِقَوْلِی الطَّلَاقَ

أُخْرٰی یُصَدَّقُ] لِاَنَّ کُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا صَالِحٌ لِلْاِیْقَاعِ فَکَاَنَّهٗ قَالَ: اَنْتِ طَالِقٌ وَّطَالِقٌ فَتَقَعُ رَجْعِیَّتَانِ اِذَا کَانَتْ مَدْخُوْلًا بِهَا.

ترجمہ: اور اگر مرد نے کہا: اَنْتِ طَالِقٌ الطَّلَاقَ اور کہا کہ میں نے لفظ طالق سے ایک اور الطلاق سے دوسری طلاق مراد لی ہے تو اس کی تصدیق کی جائے گی]

کیونکہ ان میں سے ہر ایک (لفظ) طلاق دینے کی صلاحیت رکھتا ہے گویا اس نے کہا: اَنْتِ طَالِقٌ وَّطَالِقٌ تو اس سے دو رجعی طلاقیں واقع ہوں گی جب عورت مدخول بہا ہو (یعنی اس سے جماع ہو چکا ہو)

توضیح: اَنْتِ طَالِقٌ الطَّلَاقَ کا ایک حکم پہلے گزرا کہ اس سے ایک طلاق رجعی ہوگی اگر تین کی نیت نہ کرے۔
اب دوسرا حکم بیان کیا جا رہا ہے جس کا تعلق نیت کے ساتھ ہے کہ اگر وہ دونوں لفظوں طالق اور طلاق سے الگ الگ طلاق مراد لیتا ہے تو دو طلاقیں واقع ہو جائیں گی کیونکہ دونوں میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ ان سے طلاق واقع ہو جاتی ہے اس لئے لفظ طلاق، طالق کے معنی میں ہو کر یوں ہو جائے گا اَنْتِ طَالِقٌ، طَالِقٌ —— لہٰذا دو رجعی طلاقیں ہوں گی۔
لیکن شرط یہ ہے کہ اس عورت سے جماع ہو چکا ہے اگر وہ غیر مدخول بہا ہو یعنی اس سے جماع نہیں ہوا (جسے آج کل کہا جاتا ہے رخصتی نہیں ہوئی) تو دو طلاقیں نہیں ہوں گی کیونکہ وہ ایک ہی طلاق سے بائن (جدا) ہو جاتی ہے اور دوسری طلاق کا محل نہیں رہتی۔

عورت کے وجود یا کسی عضو کی طرف طلاق کی نسبت کرنا

(۲۰): [وَاِذَا اَضَافَ الطَّلَاقَ اِلٰی جُمْلَتِهَا اَوْ اِلٰی مَا یُعَبَّرُ بِهٖ عَنِ الْجُمْلَةِ وَقَعَ الطَّلَاقُ] لِاَنَّهٗ اُضِیْفَ اِلٰی مَحَلِّهٖ. وَذٰلِكَ [مِثْلُ اَنْ یَّقُوْلَ اَنْتِ طَالِقٌ] لِاَنَّ التَّاءَ ضَمِیْرُ الْمَرْاَةِ [اَوْ] یَقُوْلَ [رَقَبَتُكِ طَالِقٌ اَوْ عُنُقُكِ] طَالِقٌ اَوْ رَاْسُكِ طَالِقٌ [اَوْ رُوْحُكِ اَوْ بَدَنُكِ اَوْ جَسَدُكِ اَوْ فَرْجُكِ اَوْ وَجْهُكِ] لِاَنَّهٗ یُعَبَّرُ بِهَا عَنْ جَمِیْعِ الْبَدَنِ.
اَمَّا الْجَسَدُ وَالْبَدَنُ فَظَاهِرٌ وَّکَذَا غَیْرُهُمَا. قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ﴾ وَقَالَ: ﴿فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِیْنَ۝﴾ وَقَالَ عَلَیْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ «لَعَنَ اللّٰهُ الْفُرُوْجَ عَلَی السُّرُوْجِ» وَیُقَالُ فُلَانٌ رَاْسُ الْقَوْمِ وَیَا وَجْهَ الْعَرَبِ وَهَلَكَ رُوْحُهٗ بِمَعْنٰی نَفْسُهٗ وَمِنْ هٰذَا الْقَبِیْلِ الدَّمُ فِیْ رِوَایَةٍ یُقَالُ دَمُهٗ هَدَرٌ وَّمِنْهُ النَّفْسُ وَهُوَ ظَاهِرٌ (وَکَذٰلِكَ اِنْ طَلَّقَ جُزْءًا شَائِعًا مِنْهَا مِثْلُ اَنْ یَّقُوْلَ نِصْفُكِ اَوْ ثُلُثُكِ) طَالِقٌ لِاَنَّ الشَّائِعَ مَحَلٌّ لِسَائِرِ التَّصَرُّفَاتِ کَالْبَیْعِ وَغَیْرِهٖ فَکَذَا

يَكُوْنُ مَحَلًّا لِلطَّلَاقِ، إِلَّا
أَنَّهُ لَا يَتَجَزَّأُ فِيْ حَقِّ الطَّلَاقِ فَيَثْبُتَ فِي الْكُلِّ ضَرُوْرَةً

ترجمہ: [اور جب مرد طلاق کی اضافت عورت کے پورے جسم یا ایسے عضو کی طرف کرے جس سے پورا وجود مراد لیا جاسکتا ہے تو طلاق واقع ہوجائے گی] کیونکہ طلاق کی اضافت اس کے محل کی طرف کی گئی اور اس کی صورت یہ ہے کہ [مثلاً کہے: اَنْتِ طَالِقٌ] کیونکہ تاء مونث کی ضمیر ہے [یا] کہے [تمہاری گردن کو طلاق یا تیری گدی] کو طلاق یا کہے تیرے سر کو طلاق (یا تیری روح یا تیرے بدن یا تیرے جسم یا تیری شرمگاہ یا تیرے چہرے کو طلاق ہے] کیونکہ ان اعضاء سے پورا بدن مراد لیا جاتا ہے جہاں تک لفظ جسم اور بدن کا تعلق ہے تو یہ ظاہر ہے اور اسی طرح ان کے علاوہ الفاظ بھی ——

ارشاد خداوندی ہے:

فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ

ترجمہ: ''پس گردن کو آزاد کرنا ہے''۔ ◆

اور یہ بھی ارشاد فرمایا:

فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ۝

ترجمہ: ''پس اس کے لئے ان کی گردنیں جھک گئیں'' ◆

اور حضور علیہ السلام نے فرمایا:

لَعَنَ اللّٰهُ الْفُرُوْجَ عَلَى السُّرُوْجِ۔

ترجمہ: (گھوڑوں کی) زین پر بیٹھنے والی شرمگاہوں پر اللہ کی لعنت ہے۔ ◆

اور کہا جاتا ہے: فلاں شخص قوم کا سر (سردار) ہے۔

[کہا جاتا ہے] عربوں کا چہرہ، اس کی روح ہلاک ہوگئی اس سے ذات مراد ہے۔

اسی سلسلے میں لفظ دم (خون) ہے ایک روایت میں ہے دَمُهُ هَدَرٌ اس کا خون معاف ہے اسی سلسلے میں لفظ نفس بھی ہے اور وہ ظاہر ہے (کہ ذات مراد ہے)

[اور اسی طرح اگر وہ اس کی کسی ایسی جزء کو طلاق دے جو (تمام جسم میں) پھیلی ہوتی ہے جیسے وہ کہے تیرے نصف کو طلاق یا تیری تہائی کو طلاق

[تو طلاق واقع ہوجائے گی] کیونکہ جزء شائع تمام تصرفات کا محل ہے جس طرح بیع وغیرہ تو اسی طرح وہ طلاق کا بھی محل ہوگی لیکن چونکہ طلاق اجزاء پر تقسیم نہیں ہوتی پس لازمی طور پر پورے وجود کے لئے طلاق ثابت ہوگی۔

◆ سورۃ النساء، آیت: ۹۲ ◆ سورۃ الشعراء، آیت: ۱۰۴

◆ عن ابن عباس ان النبی نھی ذوات الفرج ان یرکبس السروج

توضیح: بعض اوقات طلاق دینے والا شوہر طلاق کی اضافت عورت کی طرف کرتا ہے تو اس کی تین صورتیں ہیں:

(الف) اس کے تمام وجود کی طرف اضافت کرتا ہے، جیسے: "تو طلاق والی ہے، تیرے جسم کو طلاق ہے، تیرے بدن کو طلاق ہے — 'تیرے نفس کو طلاق ہے۔'"

ان تمام صورتوں میں عورت کے پورے وجود کی طرف طلاق کی اضافت کی گئی اور چونکہ وہ اس کی بیوی ہونے کی وجہ سے محل طلاق ہے لہٰذا ان تمام صورتوں میں طلاق ہو جائے گی۔

(ب) جسم کے کسی ایسے حصے کی طرف اضافت کی جائے، جس سے پورا جسم مراد لیا جاتا ہے مثلاً تیری گردن طلاق والی ہے، تیری گدی (گردن کا پچھلا حصہ) طلاق والی ہے، تیرا سر طلاق والا ہے، تیری روح طلاق والی ہے، تیری شرمگاہ کو طلاق، تیرے چہرے کو طلاق، تیرے خون کو طلاق---- ان تمام صورتوں میں طلاق ہو جائے گی کیونکہ اس سے پوری عورت مراد ہوتی ہے۔

دلائل

① اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ (گردن آزاد کرنا) گردن بول کر پورا انسان مراد لیا۔

② فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خَاضِعِيْنَ — پس اس لئے ان کی گردنیں جھک گئیں — اعناق (عنق کی جمع) گردن، اس سے بھی پورا وجود مراد ہے۔

③ حضور علیہ السلام نے فرمایا: لَعَنَ اللّٰهُ الْفُرُوْجَ عَلَى السُّرُوْجِ (گھوڑوں کی زینوں پر سوار شرمگاہوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت) یہاں شرمگاہ سے مراد عورتیں ہیں۔

④ کہا جاتا ہے: فُلَانٌ رَاْسُ الْقَوْمِ (فلاں قوم کا سر ہے) اس سے سردار مراد ہے اور وہ پورا انسانی جسم ہے۔

⑤ کہا جاتا ہے "وَجْهُ الْعَرَبِ" "عربوں کا چہرہ تو چہرے سے پورا انسان مراد ہے۔ ارشاد خداوندی ہے: كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ (ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے سوائے اس کی ذات کے) تو وجہ سے ذات مراد ہے۔

⑥ هَلَكَ رُوْحُهٗ (اس کی روح ہلاک ہو گئی) یعنی وہ شخص ہلاک ہو گیا۔

⑦ دَمُهٗ هَدَرٌ (اس کا خون معاف ہے) پورا جسم مراد ہے۔

(ج) جزء شائع کی طرف طلاق کی نسبت کرنا جیسے عورت سے کہے تیرے نصف یا تیری تہائی کو طلاق ہے۔

نوٹ: جزء شائع سے مراد ایسی جزء جو الگ متعین یا منقسم نہ ہو بلکہ پورے وجود میں پھیلی ہوئی ہے اور جزء شائع تصرفات کا محل ہوتی ہے مثلاً زمین کا نصف فروخت کرنا یہ جائز ہے البتہ خرید و فروخت میں کسی جزء کا سودا ہو سکتا ہے لیکن چونکہ طلاق کسی جزء کو نہیں ہوتی بلکہ پورے جسم کو ہوتی لہٰذا جب جزء شائع کی طرف نسبت ہو گی تو لازمی طور پر پوری عورت مراد ہو گی۔

ہاتھ اور پاؤں کی طرف طلاق کی اضافت

(۲۱): [وَلَوْ قَالَ: يَدُكِ طَالِقٌ أَوْ رِجْلُكِ طَالِقٌ لَمْ يَقَعِ الطَّلَاقُ] وَقَالَ زُفَرُ وَالشَّافِعِيُّ: يَقَعُ. وَكَذَا الْخِلَافُ فِي كُلِّ جُزْءٍ مُعَيَّنٍ لَا يُعَبَّرُ بِهِ عَنْ جَمِيعِ الْبَدَنِ لَهُمَا أَنَّهُ جُزْءٌ مُتَمَتَّعٌ بِعَقْدِ النِّكَاحِ وَمَا هٰذَا حَالُهُ يَكُونُ مَحَلًّا لِحُكْمِ النِّكَاحِ فَيَكُونُ مَحَلًّا لِلطَّلَاقِ فَيَثْبُتَ الْحُكْمُ فِيهِ قَضِيَّةً لِلْإِضَافَةِ ثُمَّ يَسْرِي إِلَى الْكُلِّ كَمَا فِي الْجُزْءِ الشَّائِعِ. بِخِلَافِ مَا إِذَا أُضِيفَ إِلَيْهِ النِّكَاحُ لِأَنَّ التَّعَدِّيَ مُمْتَنِعٌ إِذِ الْحُرْمَةُ فِي سَائِرِ الْأَجْزَاءِ تُغَلِّبُ الْحِلَّ فِي هٰذَا الْجُزْءِ وَفِي الطَّلَاقِ الْأَمْرُ عَلَى الْقَلْبِ.

وَلَنَا أَنَّهُ أَضَافَ الطَّلَاقَ إِلَى غَيْرِ مَحِلِّهِ فَيَلْغُو كَمَا إِذَا أَضَافَهُ إِلَى رِيقِهَا أَوْ ظُفُرِهَا. وَهٰذَا لِأَنَّ مَحَلَّ الطَّلَاقِ مَا يَكُونُ فِيهِ الْقَيْدُ لِأَنَّهُ يُنْبِئُ عَنْ رَفْعِ الْقَيْدِ وَلَا قَيْدَ فِي الْيَدِ وَلِهٰذَا لَا تَصِحُّ إِضَافَةُ النِّكَاحِ إِلَيْهِ. بِخِلَافِ الْجُزْءِ الشَّائِعِ لِأَنَّهُ مَحَلٌّ لِلنِّكَاحِ عِنْدَنَا حَتّٰى تَصِحَّ إِضَافَتُهُ إِلَيْهِ فَكَذَا يَكُونُ مَحَلًّا لِلطَّلَاقِ.

وَاخْتَلَفُوا فِي الظَّهْرِ وَالْبَطْنِ، وَالْأَظْهَرُ أَنَّهُ لَا يَصِحُّ لِأَنَّهُ لَا يُعَبَّرُ بِهِمَا عَنْ جَمِيعِ الْبَدَنِ

ترجمہ: (اور اگر کہا کہ تیرے ہاتھ کو طلاق ہے یا (کہا) تیرے پاؤں کو طلاق ہے تو طلاق واقع نہیں ہوگی)

حضرت امام زفر اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: طلاق واقع ہو جائے گی۔

اسی طرح ہر اس معین جزء کا حکم ہے جسے پورے بدن سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔

حضرت امام زفر اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ ایسی جزء ہے کہ عقد نکاح کی وجہ سے اس سے نفع حاصل کیا جا سکتا ہے اور جس کی یہ حالت ہو وہ محل نکاح ہوتا ہے لہٰذا یہ طلاق کا محل ہوگا پس اضافت کی وجہ سے اس میں حکم ثابت ہو جائے گا پھر یہ حکم تمام بدن میں سرایت کرے گا جس طرح جزء شائع میں ہوتا ہے۔

بخلاف اس کے جب اس (جز) کی طرف نکاح کی اضافت کی جائے (تو جائز نہیں) کیونکہ اس حکم کا متعدی ہونا ممنوع ہے۔

کیونکہ تمام اعضاء میں حرمت، اس ایک جزء کی حلت (حلال ہونے) پر غالب ہے اور طلاق میں معاملہ اس کے خلاف ہے (یعنی ایک جزء کا حرام ہونا تمام جسم کا حرام ہونا ہے)

ہماری دلیل یہ ہے کہ اس نے غیر محل کی طرف اضافت کی پس وہ کلام لغو ہو جائے گا جس طرح وہ اس کے تھوک یا ناخن کی طرف اضافت کرے تو یہ لغو ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ طلاق کی اضافت اس کی طرف ہوگی جس میں قید ہے کیونکہ یہ قید اٹھنے کی خبر دیتی ہے اور ہاتھ میں قید نہیں ہوتی اسی لئے اس کی طرف نکاح کی اضافت صحیح نہیں جبکہ جزء شائع کا معاملہ اس کے خلاف ہے کیونکہ ہمارے نزدیک وہ محل نکاح ہے یہاں تک کہ اس کی طرف اضافت صحیح ہوتی ہے پس وہ محل طلاق ہوگی۔

پیٹھ اور پیٹ (کی طرف طلاق کی اضافت) میں اختلاف ہے زیادہ ظاہر یہ ہے کہ یہ (اضافت) صحیح نہیں کیونکہ ان دونوں سے پورا بدن مراد نہیں لیا جاتا۔

توضیح: یہاں جسم کے کچھ دیگر اعضاء کا ذکر کیا گیا کہ اگر ان کی طرف طلاق کی اضافت کی جائے تو یہ اضافت لغو ہو جائے گی اور طلاق نہیں ہوگی۔ ان میں ہاتھ اور پاؤں کا ذکر کیا گیا کہ اگر خاوند کہے تیرے ہاتھ کو طلاق یا کہے: "تیرے پاؤں کو طلاق" تو طلاق نہیں ہوگی۔

شافعی اختلاف اور دلیل پر اعتراض

اس مسئلہ میں حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے ان دونوں ائمہ کے نزدیک اس صورت میں بھی طلاق ہو جاتی ہے۔

ان دونوں حضرات کی دلیل یہ ہے کہ ہاتھ اور پاؤں انسانی جسم کے ایسے اجزاء ہیں کہ جس عورت سے نکاح کیا جائے، اس کے ہاتھ اور پاؤں سے نفع لیا جا سکتا ہے معلوم ہوا کہ یہ دونوں اعضاء محل نکاح ہیں اور جو محل نکاح ہو وہ محل طلاق بھی ہوتا ہے لہٰذا نکاح کا حکم پہلے ان اعضاء میں ثابت ہوگا پھر تمام جسم میں سرایت کرے گا۔

وہ فرماتے ہیں: جزء شائع میں بھی اسی طرح ہے۔

اعتراض:

ان دونوں پر یہ اعتراض ہوا کہ اس طرح یہ بات ثابت ہوگئی کہ اگر ان اعضاء (ہاتھ اور پاؤں) کی طرف نکاح کی اضافت کی جائے مثلاً وہ کہے: "میں نے تیرے ہاتھ سے نکاح کیا" تو نکاح ہو جانا چاہئے حالانکہ آپ کے نزدیک بھی یہ نکاح نہیں ہوتا۔

جواب: انہوں نے اس اعتراض کا جواب یوں دیا کہ اگر ہاتھ سے نکاح ثابت ہو جائے تو یہ ایک جزء کا حلال ہونا ہے جبکہ باقی تمام اعضاء میں حرمت ہوگی اور وہ حرمت اس حلت پر غالب ہوگی لہٰذا نکاح نہیں ہوگا۔

سوال: اس طرح طلاق میں بھی ہونا چاہئے کہ ایک جزء کے حکم پر باقی تمام اعضاء کا حکم غالب ہو اور طلاق نہ ہو۔

جواب: اس کا جواب انہوں نے یوں دیا کہ طلاق کا معاملہ اس کے برخلاف ہے (کیونکہ ایک جزء کی حرمت تمام اجزاء کی حلت پر غالب آتی ہے یعنی جب ایک جزء حرام ہوگئی تو تمام جسم حرام ہوگیا)

احناف کی دلیل

ہماری دلیل یہ ہے کہ ہاتھ یا پاؤں کی طرف اضافت غیر محل کی طرف اضافت ہے اس لئے یہ لغو ہو جائے گی جیسے عورت کے تھوک یا ناخنوں کی طرف اضافت کر کے طلاق دے تو یہ لغو ہے کیونکہ طلاق کا محل وہ جگہ ہے جہاں قید ہو کیونکہ طلاق قید کو ختم کرنا ہے اور ہاتھ میں یہ قید نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ ہاتھ کی طرف نکاح کی اضافت صحیح نہیں (کیونکہ نکاح قید ہے)۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ نے ہاتھ اور پاؤں کو جزء شائع پر قیاس کیا تو اس کا جواب ہماری طرف سے یوں دیا گیا کہ اس پر قیاس درست نہیں کیونکہ جزء شائع ہمارے نزدیک محل نکاح ہے لہٰذا وہ محل طلاق بھی ہے۔ [1]

اب سوال یہ ہے کہ پیٹھ اور پیٹ کس حکم میں داخل ہوں گے؟

تو صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ اس سلسلے میں اختلاف ہے لیکن زیادہ ظاہر بات یہ ہے کہ ان کی طرف اضافت کر کے طلاق نہیں دی جا سکتی کیونکہ ان الفاظ سے پورا بدن مراد نہیں لیا جاتا (خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر ایسا عضو ہو جس سے عرف میں پورا جسم مراد لیا جاتا ہے تو اس کی طرف اضافت سے طلاق واقع ہو گی اور اگر ایسے عضو کی طرف اضافت کی جائے جس سے عرف میں پورا جسم مراد نہیں لیا جاتا تو طلاق واقع نہیں ہو گی۔ (۱۲ ہزاروی)

نصف یا تہائی طلاق کا حکم

(۲۲): [وَاِنْ طَلَّقَهَا نِصْفَ تَطْلِيْقَةٍ اَوْ ثُلُثَهَا كَانَتْ] طَالِقًا [تَطْلِيْقَةً وَاحِدَةً] لِاَنَّ الطَّلَاقَ لَا يَتَجَزَّاُ، وَذِكْرُ بَعْضِ مَا لَا يَتَجَزَّاُ كَذِكْرِ الْكُلِّ. وَكَذَا الْجَوَابُ فِيْ كُلِّ جُزْءٍ سَمَّاهُ لِمَا بَيَّنَّا [وَلَوْ قَالَ لَهَا: اَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثَةَ اَنْصَافِ تَطْلِيْقَتَيْنِ فَهِيَ طَالِقٌ ثَلَاثًا] لِاَنَّ نِصْفَ التَّطْلِيْقَتَيْنِ تَطْلِيْقَةٌ. فَاِذَا جَمَعَ بَيْنَ ثَلَاثَةِ اَنْصَافٍ تَكُوْنُ ثَلَاثَ تَطْلِيْقَاتٍ ضَرُوْرَةً. وَلَوْ قَالَ: اَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثَةَ اَنْصَافِ تَطْلِيْقَةٍ. قِيْلَ: يَقَعُ تَطْلِيْقَتَانِ لِاَنَّهَا طَلْقَةٌ وَنِصْفٌ فَيَتَكَامَلُ. وَقِيْلَ: يَقَعُ ثَلَاثُ تَطْلِيْقَاتٍ لِاَنَّ كُلَّ نِصْفٍ يَتَكَامَلُ فِيْ نَفْسِهٖ فَتَصِيْرُ ثَلَاثًا.

ترجمہ: [اگر خاوند نصف یا تہائی طلاق دے تو یہ ایک طلاق ہو گی]

کیونکہ طلاق کے اجزاء نہیں ہوتے اور جو چیز اجزاء میں تقسیم نہ ہو اس کے بعض کا ذکر کل کا ذکر ہوتا ہے۔

اسی طرح ہر جزء کا حکم ہو گا جس کا خاوند نام لے جیسا کہ ہم نے بیان کیا (مثلاً سر کو طلاق، چہرے کو طلاق وغیرہ)

[اور اگر کہے کہ تجھے دو طلاقوں کے تین نصف طلاقیں ہیں تو اسے تین طلاقیں ہوں گی]

کیونکہ دو طلاقوں کا نصف ایک طلاق ہے پس جب تین نصف کو جمع کیا تو لازمی طور پر تین طلاقیں ہوں گی۔

اور اگر کہے کہ تجھے ایک طلاق کے تین نصف ہیں تو ایک قول یہ ہے کہ دو طلاقیں ہوں گی کیونکہ یہ ایک پوری اور نصف

[1] کیونکہ جزء شائع متعین جزء نہیں بلکہ پورے جسم میں پھیلی ہوتی ہے لہٰذا اس سے پورا جسم مراد لیا جاتا ہے۔ ۱۲ ہزاروی

طلاق ہے پس وہ نصف کامل ہوگی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ تین طلاقیں ہوں گی کیونکہ ہر نصف ذاتی طور پر کامل ہوگا لہٰذا تین طلاقیں ہوجائیں گی۔

توضیح: بعض چیزیں ایسی ہیں کہ ان کے کل پر بھی حکم نافذ ہوتا ہے اور اجزاء پر بھی، مثلاً کپڑے کا تھان خریدا تو مکمل تھان کا سودا ہوگا اور اس کے نصف کا سودا کیا تو نصف کا ہی سودا ہوگا کیونکہ تھان کو اجزاء میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

لیکن طلاق ایسی چیز نہیں جسے اجزاء میں تقسیم کیا جاسکے اس لئے اگر طلاق کے بعض کا ذکر ہو مثلاً (نصف طلاق تو پوری طلاق ہوگی، اسی طرح اگر عورت کے جسم کے کسی عضو کی طرف طلاق ہو تو پوری عورت کو طلاق ہوگی (تفصیل گزر چکی ہے)

اسی بنیاد پر فقہاء کرام نے فرمایا کہ اگر نصف طلاق یا تہائی طلاق دی تو ایک پوری طلاق ہوگی کیونکہ طلاق اجزاء میں تقسیم نہیں ہوتی لہٰذا بعض کا ذکر کل کا ذکر ہے۔

اگر کہا کہ دو طلاقوں کے تین نصف تو تین طلاقیں ہوں گی کیونکہ ہر نصف جب پوری طلاق ہے تو تین نصف پوری تین طلاقیں ہوں گی۔

اور اگر ایک طلاق کے تین نصف کہے تو ایک قول کے مطابق دو طلاقیں ہوں گی کیونکہ ایک طلاق مکمل اور دوسری نصف ہوگی اور وہ نصف بھی مکمل طلاق ہوگی۔

لیکن بعض حضرات فرماتے ہیں: پوری تین طلاقیں ہوں گی کیونکہ ہر نصف کامل طلاق ہوگی اس طرح تین طلاقیں ہوں گی۔

دو عددوں کے درمیان فاصلے کے ساتھ طلاق دینا

(۲۳): [وَلَوْ قَالَ: اَنْتِ طَالِقٌ مِّنْ وَاحِدَةٍ اِلٰى ثِنْتَيْنِ اَوْ مَا بَيْنَ وَاحِدَةٍ اِلٰى ثِنْتَيْنِ فَهِيَ وَاحِدَةٌ . وَلَوْ قَالَ: مِنْ وَاحِدَةٍ اِلٰى ثَلَاثٍ اَوْ مَا بَيْنَ وَاحِدَةٍ اِلٰى ثَلَاثٍ فَهِيَ ثِنْتَانِ. وقالا وَهٰذَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ . وَقَالَ فِي الْاُوْلٰى هِيَ ثِنْتَانِ وَفِي الثَّانِيَةِ ثَلَاثٌ]

وَقَالَ زُفَرُ: الْاُوْلٰى لَا يَقَعُ شَيْئٌ، وَفِي الثَّانِيَةِ تَقَعُ وَاحِدَةٌ، وَهُوَ الْقِيَاسُ لِاَنَّ الْغَايَةَ لَا تَدْخُلُ تَحْتَ الْمَضْرُوْبِ لَهُ الْغَايَةُ، كَمَا لَوْ قَالَ: بِعْتُ مِنْكَ مِنْ هٰذَا الْحَائِطِ اِلٰى هٰذَا الْحَائِطِ .

وَجْهُ قَوْلِهِمَا وَهُوَ الْاِسْتِحْسَانُ اَنَّ مِثْلَ هٰذَا الْكَلَامِ مَتٰى ذُكِرَ فِي الْعُرْفِ يُرَادُ بِهِ الْكُلُّ.

كَمَا تَقُوْلُ لِغَيْرِكَ: خُذْ مِنْ مَالِيْ مِنْ دِرْهَمٍ اِلٰى مِائَةٍ .

وَلِاَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللهُ اَنَّ الْمُرَادَ بِهِ الْاَكْثَرُ مِنَ الْاَقَلِّ وَالْاَقَلُّ مِنَ الْاَكْثَرِ فَاِنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ سِنِّيْ مِنْ سِتِّيْنَ اِلٰى سَبْعِيْنَ وَمَا بَيْنَ سِتِّيْنَ اِلٰى سَبْعِيْنَ وَيُرِيْدُوْنَ بِهٖ مَا ذَكَرْنَاهُ.

وَإِرَادَةُ الْكُلِّ فِيمَا طَرِيقُهُ طَرِيقُ الْإِبَاحَةِ كَمَا ذُكِرَ، إِذِ الْأَصْلُ فِي الطَّلَاقِ هُوَ الْحَظْرُ، ثُمَّ الْغَايَةُ الْأُولَى لَا بُدَّ أَنْ تَكُونَ مَوْجُودَةً لِيَتَرَتَّبَ عَلَيْهَا الثَّانِيَةُ، وَوُجُودُهَا بِوُقُوعِهَا، بِخِلَافِ الْبَيْعِ لِأَنَّ الْغَايَةَ فِيهِ مَوْجُودَةٌ قَبْلَ الْبَيْعِ.

وَلَوْ نَوَى وَاحِدَةً يُدَيَّنُ دِيَانَةً لَا قَضَاءً لِأَنَّهُ مُحْتَمَلُ كَلَامِهِ لٰكِنَّهُ خِلَافُ الظَّاهِرِ.

ترجمہ: [اور اگر (خاوند نے) کہا تجھے ایک سے دو تک یا ایک اور دو کے درمیان طلاق ہے تو وہ ایک ہی ہوگی۔ اور اگر کہا ایک سے تین تک یا کہا ایک اور تین کے درمیان تو دو طلاقیں ہوں گی۔ یہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ اور صاحبین فرماتے ہیں: پہلی صورت میں دو اور دوسری صورت میں تین طلاقیں ہوں گی]۔

حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

پہلی صورت میں کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی اور دوسری صورت میں ایک طلاق واقع ہوگی اور قیاس بھی یہی ہے کیونکہ غایت اس کے تحت داخل نہیں ہوتی جس کے لئے غایت ذکر کی گئی۔ جس طرح اگر کوئی شخص کہے: "میں نے تجھ پر اس دیوار سے اس دیوار تک فروخت کی" (تو دیوار سودے میں داخل نہیں ہوگی)

صاحبین کے قول کی وجہ استحسان ہے اور وہ اس طرح ہے کہ جب عرف میں اس قسم کا کلام ذکر کیا جائے تو اس سے کل مراد ہوتا ہے جس طرح تم اپنے غیر سے کہو "میرے مال سے ایک سو درہم تک لے لو" — (پورے سو درہم مراد ہوں گے)

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ اس طرح کے کلام میں اقل سے اکثر اور اکثر سے اقل مراد ہوتا ہے جیسے وہ کہتے ہیں: میری عمر ساٹھ سے ستر تک ہے یا ساٹھ اور ستر کے درمیان ہے اس سے ان کی مراد وہی ہوتی ہے جو ہم نے ذکر کیا۔

(ایسے کلام سے) کل مراد لینا اباحت کے طریقہ پر ہوتا ہے جس طرح ذکر کیا گیا کیونکہ طلاق میں اصل، ممانعت ہے پھر اس کی پہلی غایت کا موجود ہونا ضروری ہے تا کہ اس پر دوسری غایت مرتب ہو سکے اور اس کا وجود اس کے وقوع سے ہوگا بخلاف بیع کے کیونکہ اس میں غایت بیع سے پہلے موجود ہوتی ہے۔

اور اگر وہ ایک کی نیت کرے تو دیانتاً اس کی تصدیق کی جائے گی قضا کے طور پر نہیں کیونکہ اس کے کلام میں اس کا احتمال ہے لیکن یہ ظاہر کے خلاف ہے۔

توضیح: اگر مرد اپنی بیوی کو طلاق دیتے ہوئے شروع اور آخر میں طلاق کا ذکر کرے مثلاً وہ کہے: "تجھے ایک سے دو تک طلاق ہے یا کہے ایک اور دو کے درمیان طلاق ہے تو حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک طلاق ہوگی۔

اور اگر طلاق اس طرح دے کہ ایک سے تین تک طلاق ہے یا ایک اور تین کے درمیان طلاق ہے تو حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دو طلاقیں ہوں گی۔

صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک پہلی صورت میں (یعنی ایک سے دو تک میں) دو طلاقیں ہوں گی۔
اور دوسری صورت (یعنی ایک سے تین تک) میں تین طلاقیں ہوں گی۔ حضرت امام زفر علیہ الرحمہ کے نزدیک پہلی صورت میں کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی اور دوسری صورت میں ایک واقع ہوگی۔ حضرت امام زفر علیہ الرحمہ کا قول قیاس کے مطابق ہے۔

غایت ماصفیا کے بارے تمہید

چونکہ ائمہ کرام کے دلائل کی بنیاد **غایہ** اور **مغیا** پر ہے لہٰذا پہلے ان دونوں لفظوں کا مفہوم جاننا ضروری ہے۔ جب کسی چیز کی انتہاء ذکر کی جائے تو اسے **غایت** کہتے ہیں اور جس کے لئے **غایت** بیان کی جائے اسے **مغیا** کہا جاتا ہے مثلاً میں نے اس دیوار سے اس دیوار تک جگہ فروخت کی، تو دیوار (دونوں طرف) **غایت** انتہاء ہے اور درمیان میں جو جگہ ہے وہ **مغیا** ہے۔

غایت کبھی **مغیا** میں داخل ہوتی ہے اور کبھی داخل نہیں ہوتی ——

داخل ہونے کی مثال: وضو میں ہاتھ (بازو) دھونے کا حکم ہے اس سلسلے میں فرمایا: **وَاَیْدِیَکُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ** اور ہاتھوں (بازوؤں) کو کہنیوں تک دھوؤ، یہاں کہنیاں **غایت** ہیں اور وہ **مغیا** کے حکم میں داخل ہیں یعنی کہنیوں سمیت دھوؤ ——

غایت مضامین داخل نہ ہونے کی مثال:

فجر سے روزہ شروع ہوتا ہے اور اس سلسلے میں حکم خداوندی ہے: **ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی الَّیْلِ** پھر رات تک روزے کو پورا کرو یہاں رات **غایت** ہے اور دن **مغیا** ہے جس کا حکم روزہ رکھنا ہے یہاں **غایت مغیا** کے حکم میں داخل نہیں یعنی رات تک روزہ ہوگا رات کے وقت روزہ نہیں ہوگا۔

دلائل ائمہ:

اس تمہید کو سمجھنے کے بعد ائمہ کے دلائل ملاحظہ کیجئے:

امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل

حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پہلی صورت (ایک سے دو تک طلاق) میں کوئی طلاق نہیں ہوگی کیونکہ ایک اور دو کے درمیان کوئی عدد نہیں اور دوسری صورت (ایک سے تین تک طلاق) میں ایک طلاق ہوگی کیونکہ ایک اور تین کے درمیان صرف ایک عدد یعنی دو کا عدد ہے۔ دونوں صورتوں میں **غایت**، **مغیا** میں داخل نہیں۔
وہ مثال یوں دیتے ہیں کہ جب کوئی شخص کہے: "میں نے تجھے یہ جگہ اس دیوار سے اس دیوار تک فروخت کی تو دونوں طرف کی دیواریں جو **غایت** (انتہاء) ہیں سودے میں داخل نہیں ہوتیں لہٰذا "ایک اور دو" اسی طرح "ایک اور تین" طلاق

کے حکم میں داخل نہیں کیونکہ یہ دونوں غایت (انتہاء) ہیں اور پہلی صورت میں ایک اور دو کے درمیان کچھ نہیں لہٰذا کوئی طلاق نہ ہوگی اور دوسری صورت میں ایک اور تین کے درمیان ایک عدد یعنی دو کا عدد ہے لہٰذا ایک طلاق واقع ہوگی۔

حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا قول قیاس کے مطابق ہے ——

عربی عبارت میں مَضْرُوْبٌ لَهُ الْغَايَةُ سے مراد مغیا ہے جو دونوں انتہاؤں کے درمیان ہے۔

صاحبین کی دلیل

صاحبین کے نزدیک پہلی صورت میں دو اور دوسری صورت میں ایک طلاق واقع ہوگی ان کی دلیل اس طرح ہے وہ فرماتے ہیں: عرف میں اس قسم کے کلام سے کل مراد ہوتا ہے جیسے تم کسی شخص سے کہو "میرے مال سے ایک سے سو درہم تک لے لو" تو سو درہم مراد ہوں گے۔

اسی طرح پہلی صورت میں کل طلاقیں دو ہیں لہٰذا دو ہی مراد ہوں گی اور دوسری صورت میں تین مراد ہوں گی کیونکہ کل تین ہیں۔ صاحبین کا قول استحسان ہے (خلاف قیاس ہے)

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل

آپ کی دلیل یہ ہے کہ اس قسم کے کلام میں کم سے زیادہ اور زیادہ سے کم مراد ہوتا ہے جیسے کہتے ہیں "میری عمر ساٹھ سے ستر تک ہے یا ساٹھ اور ستر کے درمیان ہے" تو ساٹھ اور ستر کے درمیان مراد ہوگی —— یہاں ساٹھ کا ہندسہ کم (چھوٹا) اور ستر کا ہندسہ اکثر یعنی بڑا ہے تو ساٹھ سے زیادہ اور ستر سے کم مراد ہوگی۔

اس لئے پہلی صورت میں جب ایک اور دو کے درمیان کوئی ہندسہ نہیں تو ایک ہی مراد ہوگی۔

اور جب ایک سے تین تک کہا تو ایک اور تین کے درمیان دو کا عدد ہے لہٰذا دو طلاقیں مراد ہوں گی۔

صاحبین کو جواب

صاحبین نے فرمایا تھا کہ اس قسم کے کلام میں کل مراد ہوتا ہے تو حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ اس صورت میں ہوتا ہے جب کوئی کام مباح (جائز) ہو جیسے دراہم کا ذکر ہو جبکہ طلاق میں اصل ممانعت ہے (لہٰذا کم سے کم مراد ہوگی)

امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کو جواب

حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ نے بیع کی مثال دیتے ہوئے فرمایا کہ غایت، مغیا میں داخل نہیں ہوتی تو حضرت امام صاحب فرماتے ہیں: دوسری غایت تب مرتب ہوگی جب پہلی غایت موجود ہو اور پہلی غایت (یعنی ایک طلاق) واقع ہوگی تب دوسری غایت (یعنی دو طلاق) اس پر مرتب ہوگی لہٰذا پہلے ایک طلاق کا وقوع ماننا پڑے گا جبکہ بیع کا معاملہ الگ ہے کیونکہ وہاں غایت (انتہاء) سودا کرنے سے پہلے موجود ہے (یہاں طلاق دینے سے پہلے طلاق موجود نہیں)

نوٹ: اور اگر ان صورتوں میں مرد ایک طلاق کی نیت کرے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی تصدیق ہوگی کیونکہ کلام میں اس کا احتمال ہے مثلاً ایک سے تین تک کہے تو درمیان ایک ہی عدد ہے لہٰذا ایک کا احتمال ہوا لیکن قاضی کے ہاں تصدیق نہیں ہوگی کیونکہ ظاہر اس کے خلاف ہے (کیونکہ ایسے کلام میں چھوٹے عدد سے زیادہ اور بڑے عدد سے کم واقع ہوتا ہے لہٰذا ایک اور تین کے درمیان والا عدد مراد ہوگا اور وہ دو کا عدد ہے)

ضرب وغیرہ کے ساتھ طلاق دینا

(۲۴): [وَلَوْ قَالَ: اَنْتِ طَالِقٌ وَّاحِدَةً فِیْ ثِنْتَیْنِ وَنَوَی الضَّرْبَ وَالْحِسَابَ اَوْ لَمْ تَکُنْ لَّهٗ نِیَّةٌ فَهِیَ وَاحِدَةٌ] وَقَالَ زُفَرُ: تَقَعُ ثِنْتَانِ لِعُرْفِ الْحِسَابِ، وَهُوَ قَوْلُ الْحَسَنِ بْنِ زِیَادٍ.

وَلَنَا اَنَّ عَمَلَ الضَّرْبِ اَثَرُهٗ فِیْ تَکْثِیْرِ الْاَجْزَاءِ لَا فِیْ زِیَادَةِ الْمَضْرُوْبِ، وَتَکْثِیْرُ اَجْزَاءِ الطَّلْقَةِ لَا یُوْجِبُ تَعَدُّدَهَا [فَاِنْ نَوٰی وَاحِدَةً وَّثِنْتَیْنِ فَهِیَ ثَلَاثٌ] لِاَنَّهٗ یَحْتَمِلُهٗ فَاِنَّ حَرْفَ الْوَاوِ لِلْجَمْعِ وَالظَّرْفَ یَجْمَعُ الْمَظْرُوْفَ، وَلَوْ کَانَتْ غَیْرَ مَدْخُوْلٍ بِهَا تَقَعُ وَاحِدَةٌ کَمَا فِیْ قَوْلِهٖ: وَاحِدَةً وَّثِنْتَیْنِ، وَاِنْ نَوٰی وَاحِدَةً مَعَ ثِنْتَیْنِ تَقَعُ الثَّلَاثُ لِاَنَّ کَلِمَةَ "فِیْ" تَأْتِیْ بِمَعْنٰی "مَعَ" کَمَا فِیْ قَوْلِه تَعَالٰی: ﴿فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ﴾ اَیْ مَعَ عِبَادِیْ، وَلَوْ نَوَی الظَّرْفَ تَقَعُ وَاحِدَةٌ، لِاَنَّ الطَّلَاقَ لَا یَصْلُحُ ظَرْفًا فَیَلْغُوْ ذِکْرُ الثَّانِیْ [وَلَوْ قَالَ اثْنَتَیْنِ فِی اثْنَتَیْنِ وَنَوَی الضَّرْبَ وَالْحِسَابَ فَهِیَ ثِنْتَانِ] وَعِنْدَ زُفَرَ ثَلَاثٌ لِاَنَّ قَضِیَّتَهٗ اَنْ تَکُوْنَ اَرْبَعًا، لٰکِنْ لَّا مَزِیْدَ لِلطَّلَاقِ عَلَی الثَّلَاثِ.

وَعِنْدَنَا الْاِعْتِبَارُ الْمَذْکُوْرُ الْاَوَّلُ عَلٰی مَا بَیَّنَّاهُ

ترجمہ: [اور اگر مرد نے کہا تجھے دو میں ایک طلاق ہے اور ضرب اور حساب کا ارادہ کیا یا اس کی کوئی نیت نہ تھی تو یہ ایک طلاق ہوگی]

حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حساب کے عرف سے دو طلاقیں ہوں گی۔ حضرت حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ ضرب کے عمل کا اثر، اجزاء کا زیادہ ہونا ہے مضروب کا زیادہ ہونا نہیں اور ایک طلاق کے اجزاء کا زیادہ ہونا اس کے متعدد ہونے کو واجب نہیں کرتا۔

[اور اگر وہ ایک اور دو (دونوں) کی نیت کرے تو یہ تین ہوں گی] کیونکہ اس میں اس کا (یعنی جمع کا) احتمال ہے کیونکہ حرف واؤ جمع کے لئے آتا ہے اور ظرف، مظروف کو (اپنے ساتھ) جمع کرتا ہے اور اگر عورت غیر مدخول بہا ہو (اس سے

جماع نہ ہوا ہو) تو ایک طلاق واقع ہوگی جس طرح وہ کہے ایک اور دو (تو ایک ہی ہوتی ہے) اور اگر وہ دو کے ساتھ ایک کا ارادہ کرے تو تین طلاقیں واقع ہوں گی کیونکہ کلمہ فی کلمہ مع کے معنیٰ میں آتا ہے جس طرح ارشاد خداوندی ہے:

فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ ﴿٢٩﴾ ◆

ترجمہ: پس (اے نفس) میرے بندوں کے ساتھ مل کر (جنت میں داخل ہو جا)

فِیْ عِبَادِیْ یعنی مَعَ عِبَادِیْ، اور اگر ظرف کی نیت کرے تو ایک ہی واقع ہوگی کیونکہ طلاق ظرف کی صلاحیت نہیں رکھتی اس لئے دوسرا لفظ لغو ہو جائے گا [اور اگر کہا دو میں دو اور ضرب اور حساب کی نیت کی تو یہ دو ہوں گی] جبکہ حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تین طلاقیں ہوں گی کیونکہ اس کلام کا تقاضا یہ ہے کہ چار ہوں (2x2=4) لیکن تین سے زیادہ طلاقیں نہیں ہوتیں (لہٰذا تین ہی واقع ہوں گی)

توضیح: کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا: اَنْتِ طَالِقٌ وَّاحِدَۃً فِیْ ثِنْتَیْنِ تجھے دو میں ایک طلاق ہے۔

تو اس کی تین صورتیں ہیں:

① حساب اور ضرب کی نیت کی یا کوئی بھی نیت نہیں کی تو ایک طلاق واقع ہوگی۔

کیونکہ ضرب میں اجزاء کی کثرت ہوتی ہے جس کو ضرب دی گئی اس میں اضافہ نہیں ہوتا اور ایک طلاق کے اجزاء کی کثرت سے طلاق کا متعدد ہونا لازم نہیں ہوتا یعنی جب ایک کو دو سے ضرب دی تو ایک طلاق کے دو اجزاء ہو گئے طلاق ایک ہی رہی۔

حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دو طلاقیں ہوں گی کیونکہ عرف میں حساب اسی طرح ہوتا ہے حضرت امام حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

② حرف فِیْ کو واؤ کے معنیٰ میں لیتے ہوئے ایک اور دو طلاقوں کو جمع کرنے کی نیت کرے تو تین طلاقیں واقع ہوں گی۔

کیونکہ اس کے الفاظ میں جمع کا احتمال ہوتا ہے اس لئے کہ حرف واؤ جمع کے لئے آتا ہے اور ظرف اور مظروف جمع ہوتے ہیں جیسے دودھ مظروف اور گلاس ظرف اکٹھے ہیں۔

نوٹ: ظرف برتن کو کہتے ہیں اور مظروف وہ چیز ہے جو برتن میں ہوتی ہے گویا اَنْتِ طَالِقٌ فِیْ ثِنْتَیْنِ میں ثِنْتَیْنِ ظرف (برتن) ہے اور وَاحِدَۃً یعنی ایک طلاق مظروف ہے لہٰذا وہ ایک اور دو کو جمع کرنے کی نیت کر سکتا ہے۔

③ اگر فی کو مع کے معنیٰ میں دو اور یہی الفاظ کہے تو معنیٰ یہ ہوگا کہ ایک طلاق دو طلاقوں کے ساتھ، تو تینوں طلاقیں ہو جائیں گی، کیونکہ کلمہ فی کلمہ مع کے معنیٰ میں آتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ یہاں کلمہ "فی" حکمہ کے مع کے معنیٰ میں ہے یعنی "مع عبادی" پس میرے بندوں کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ"۔

◆ سورۃ الفجر، آیت: 29

نوٹ: اگر ظرف والا معنیٰ لیں کہ دو طلاقیں ظرف بن جائیں تو یہ بات درست نہیں کیونکہ طلاق ظرف بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی اس لئے کلام کا دوسرا حصہ فی ثنتین لغو ہو جائے گا اور ایک طلاق واقع ہوگی۔
اگر کہے: انت طالق ثنتین فی ثنتین تجھے دو طالقوں میں دو طلاقیں ہیں اور ضرب اور حساب کی نیت کرے تو یہ دو ہوں گی' کیونکہ ہمارے نزدیک پہلی جزء کا اعتبار ہوگا اور وہ دو کا ذکر ہے۔ حضرت امام زفر رحمہ اللہ کے نزدیک تین طلاقیں ہوں گی کیونکہ جب دو کو دو سے ضرب دیں تو چار ہوتے ہیں تین سے زائد طلاقیں نہیں ہوتیں لہٰذا تین ہی واقع ہوں گی۔

ایک جگہ سے دوسری جگہ طلاق

(۲۵): [وَلَوْ قَالَ: اَنْتِ طَالِقٌ مِّنْ هُنَا اِلَى الشَّامِ فَهِيَ وَاحِدَةٌ بِمِلْكِ الرَّجْعَةِ] وَقَالَ زُفَرُ: هِيَ بَائِنَةٌ لِاَنَّهُ وَصَفَ الطَّلَاقَ بِالطُّوْلِ قُلْنَا: لَا بَلْ وَصَفَهُ بِالْقَصْرِ لِاَنَّهُ مَتَى وَقَعَ وَقَعَ فِي الْاَمَاكِنِ كُلِّهَا.

ترجمہ: [اور اگر کہے تجھے یہاں سے شام تک طلاق ہے تو اس سے ایک طلاق واقع ہوگی اور اسے رجوع کا اختیار ہوگا]

حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ بائنہ طلاق ہوگی کیونکہ اس نے طلاق کو لمبائی کے ساتھ موصوف کیا۔
ہم کہتے ہیں ایسا نہیں بلکہ اس نے قصر (چوڑائی) کے ساتھ موصوف کیا کیونکہ طلاق جب بھی واقع ہوگی ہر جگہ واقع ہوگی۔

غیر مدخول بہا کے لئے حکم

اگر یہ الفاظ غیر مدخول بہا (جس سے جماع نہیں ہوا) کے لئے استعمال کرے اور جمع کی نیت کرے جیسے: وَاحِدَةٌ وَّ ثِنْتَيْنِ کہے تو ایک ہی طلاق واقع ہوگی کیونکہ وَاحِدَةٌ کہنے سے اسے ایک طلاق ہوگئی اور غیر مدخول بہا ایک طلاق سے جدا ہوتی ہے لہٰذا لفظ وَثِنْتَيْنِ لغو ہو جائے گا۔

توضیح: چونکہ طلاق کوئی ایسی چیز نہیں جس میں لمبائی چوڑائی وغیرہ پائی جائے اس لئے طلاق دیتے ہوئے کسی فاصلے کا ذکر کیا جائے تو وہ لغو ہو جائے گا اور محض طلاق ہوگی۔
اور چونکہ اس شخص اَنْتِ طَالِقٌ میں صریح لفظ استعمال کیا ہے لہٰذا ایک طلاق رجعی ہوگی اور وہ عدت کے دوران رجوع کر سکتا ہے۔

حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ایک طلاق بائن ہوگی کیونکہ اس نے طلاق کی صفت کے طور پر لمبائی کا ذکر کیا ہے اس سے شدت طلاق کا ارادہ کیا اور شدت بائن طلاق کی صورت میں ہوتی ہے کیونکہ اس صورت میں فوراً جدائی ہو جاتی ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ یہاں طلاق کی صفت طول نہیں بلکہ قصر ہے کیونکہ طلاق جب بھی واقع ہوتی ہے تمام جگہوں میں ہوتی ہے اور خود طلاق حقیقتاً لمبائی اور قصر کے ساتھ موصوف نہیں ہوتی البتہ حکمی طور پر اس میں طول اور قصر کا احتمال ہوتا ہے اور وہ قصر طلاق رجعی کی صورت میں ہوتی ہے۔

طلاق کی نسبت کسی جگہ کی طرف کرنا

(۳۶): [وَلَوْ قَالَ: اَنْتِ طَالِقٌ بِمَكَّةَ اَوْ فِیْ مَكَّةَ فَهِیَ طَالِقٌ فِی الْحَالِ فِیْ كُلِّ الْبِلَادِ. وَكَذٰلِكَ لَوْ قَالَ: اَنْتِ طَالِقٌ فِی الدَّارِ] لِاَنَّ الطَّلَاقَ لَا یَتَخَصَّصُ بِمَكَانٍ دُوْنَ مَكَانٍ. وَاِنْ عَنٰی بِهٖ اِذَا اَتَیْتِ مَكَّةَ یُصَدَّقُ دِیَانَةً لَا قَضَاءً لِاَنَّهٗ نَوَی الْاِضْمَارَ وَهُوَ خِلَافُ الظَّاهِرِ. [وَلَوْ قَالَ: اَنْتِ طَالِقٌ اِذَا دَخَلْتِ مَكَّةَ لَمْ تُطَلَّقْ حَتّٰی تَدْخُلَ مَكَّةَ] لِاَنَّهٗ عَلَّقَهٗ بِالدُّخُوْلِ.

ترجمہ: [اور اگر کہا کہ تجھے مکہ (مکرمہ) میں طلاق (بمکۃ کہا یا فی مکۃ کہا) تو اسے اسی وقت ہر شہر میں طلاق ہو جائے گی اسی طرح اگر وہ کہے اَنْتِ طَالِقٌ فِی الدَّارِ (تجھے گھر میں طلاق ہے)]

کیونکہ طلاق کسی مکان کو چھوڑ کر کسی دوسرے مکان کے ساتھ خاص نہیں ہوتی (یعنی کسی بھی جگہ کے ساتھ خاص نہیں ہوتی)

اور اگر اس کی مراد یہ ہو کہ جب تو مکہ مکرمہ جائے تو تجھے طلاق ہے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں (یعنی دیانتاً) اس کی تصدیق کی جائے گی البتہ قاضی کے ہاں (یعنی قضاءً) تصدیق نہیں کی جائے گی۔

کیونکہ اس نے پوشیدہ بات کی نیت کی اور وہ ظاہر کے خلاف ہے اور اسی طرح جب کہے: اَنْتِ طَالِقٌ وَّاَنْتِ مَرِیْضَةٌ تجھے طلاق ہے اور تو مریضہ ہے (تو یہی حکم ہے) اور اگر کہے کہ میری نیت یہ تھی کہ جب تو بیمار ہو جائے (تو طلاق ہے) تو قضاءً تصدیق نہیں کی جائے گی۔

[اور اگر کہے: اَنْتِ طَالِقٌ اِذَا دَخَلْتِ مَكَّةَ (تجھے طلاق ہے جب تو مکہ مکرمہ میں داخل ہو] تو جب تک مکہ مکرمہ میں داخل نہ ہوا اسے طلاق نہیں ہوگی] کیونکہ اس نے اسے (مکہ مکرمہ میں) داخل ہونے سے مشروط کیا ہے۔

توضیح: طلاق کا کسی جگہ سے تعلق نہیں ہوتا لہٰذا جب طلاق دی جائے تو وہ ہر جگہ واقع ہوتی ہے اس لئے جب کہے: ''تجھے مکہ میں طلاق ہے'' تو فوراً ہر جگہ طلاق ہو جائے گی۔

اور اگر وہ کہے کہ میری نیت یہ تھی کہ جب تو مکہ مکرمہ میں آئے تو طلاق ہے، تو چونکہ ظاہر الفاظ اس کے خلاف ہیں لہٰذا قضاءً طلاق نہیں ہوگی یعنی اگر مقدمہ قاضی کے پاس جائے تو اس کی نیت معتبر نہیں ہوگی کیونکہ اس نے پوشیدہ بات کی نیت کی اور وہ ظاہر کے خلاف ہے البتہ دیانتاً یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے درمیان یہ طلاق ہو جائے گی اسی طرح اگر کہے کہ تجھے گھر میں

طلاق تو ہر جگہ طلاق واقع ہوگی اسی طرح اگر وہ کہے کہ تجھے طلاق ہے۔

اور اگر کہا کہ جب تم مکہ مکرمہ میں داخل ہو تو تجھے طلاق ہے تو اس وقت طلاق ہوگی جب وہ مکہ مکرمہ میں داخل ہوگی کیونکہ یہ طلاق شرط سے معلق ہے اور وہ مکہ مکرمہ میں داخل ہونا ہے جب یہ شرط پائی جائے گی (یعنی وہ داخل ہوگی) تو اس کی جزاء (طلاق) واقع ہو جائے گی۔

طلاق کو مشروط کرنا

(۲۷): وَلَوْ قَالَ: [اَنْتِ طَالِقٌ فِيْ دُخُوْلِ الدَّارِ يَتَعَلَّقُ بِالْفِعْلِ لِمُقَارَنَةٍ بَيْنَ الشَّرْطِ وَالظَّرْفِ فَحُمِلَ عَلَيْهِ عِنْدَ تَعَذُّرِ الظَّرْفِيَّةِ].

ترجمہ: [اور اگر کہا کہ تجھے گھر میں داخل ہونے پر طلاق ہے تو (یہ طلاق) فعل کے ساتھ معلق (مشروط) ہوگی کیونکہ شرط اور ظرف میں باہم تعلق ہے (یعنی جس طرح ظرف مظروف سے پہلے ہوتا ہے اسی طرح شرط جزاء سے مقدم ہوتی ہے]

اس لئے جب ظرفیت متعذر ہوگی تو شرط مراد ہوگی۔

نوٹ: فعل ظرف بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا کیونکہ یہ عرض ہے جو خود بخود قائم نہیں ہوتا (جبکہ ظرف خود بخود قائم ہوتا ہے) لہٰذا لفظ ''دخول'' ظرف نہیں ہوسکتا۔ [1]

توضیح: اَنْتِ طَالِقٌ فِيْ دُخُوْلِ الدَّارِ میں چونکہ فعل (مصدر) دخول ہے اور فعل ظرف نہیں ہوسکتا اور ظرف اور شرط میں ایک لحاظ سے مماثلت اور موافقت ہے کہ جس طرح ظرف پہلے اور مظروف بعد میں ہوتا ہے اسی طرح شرط پہلے اور مشروط (یا جزاء) بعد میں ہوتی ہے لہٰذا جب یہاں کلمہ دخول ظرف نہ ہوسکا تو اسے شرط قرار دیا جائے گا اور جب وہ گھر میں داخل ہوگی اس وقت طلاق ہوگی اس سے پہلے نہیں۔

---

[1] عینی جلد: ۲، ص: ۲۳۸

فَصْلٌ: فِیْ اِضَافَةِ الطَّلَاقِ اِلَی الزَّمَانِ

فصل: طلاق کی زمانے کی طرف اضافت

(۲۸): [وَلَوْ قَالَ: اَنْتِ طَالِقٌ غَدًا وَقَعَ عَلَيْهَا الطَّلَاقُ بِطُلُوعِ الْفَجْرِ] لِاَنَّهُ وَصَفَهَا بِالطَّلَاقِ فِيْ جَمِيْعِ الْغَدِ وَذٰلِكَ بِوُقُوْعِهِ فِيْ اَوَّلِ جُزْءٍ مِّنْهُ.

وَلَوْ نَوٰى بِهٖ اٰخِرَ النَّهَارِ صُدِّقَ دِيَانَةً لَا قَضَاءً لِاَنَّهُ نَوَى التَّخْصِيْصَ فِي الْعُمُوْمِ. وَهُوَ يَحْتَمِلُهُ لٰكِنَّهُ مُخَالِفٌ لِلظَّاهِرِ

[وَلَوْ قَالَ: اَنْتِ طَالِقٌ الْيَوْمَ غَدًا اَوْ غَدًا الْيَوْمَ يُؤْخَذُ بِاَوَّلِ الْوَقْتَيْنِ الَّذِيْ تَفَوَّهَ بِهٖ] فَيَقَعُ فِي الْاَوَّلِ فِي الْيَوْمِ وَفِي الثَّانِيْ فِي الْغَدِ. لِاَنَّهُ لَمَّا قَالَ: الْيَوْمَ كَانَ تَنْجِيْزًا وَالْمُنَجَّزُ لَا يَحْتَمِلُ الْاِضَافَةَ. وَاِذَا قَالَ: غَدًا كَانَ اِضَافَةً وَالْمُضَافُ لَا يَتَنَجَّزُ لِمَا فِيْهِ مِنْ اِبْطَالِ الْاِضَافَةِ فَلَغَا اللَّفْظُ الثَّانِيْ فِي الْفَصْلَيْنِ.

ترجمہ: [اگر خاوند نے کہا تو کل طلاق والی ہے تو طلوع فجر کے ساتھ ہی اسے طلاق ہو جائے گی] کیونکہ اس نے طلاق کو کل پورے دن کے ساتھ موصوف کیا اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب دن کے پہلے جزء میں طلاق واقع ہو

اور اگر وہ دن کا آخری حصہ مراد لے تو دیانتًا اس کی تصدیق کی جائے گی قاضی کے ہاں اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی کیونکہ وہ عموم میں تخصیص کی نیت کر رہا ہے اور اس کا احتمال ہے لیکن ظاہر کے خلاف ہے۔

[اور اگر اس نے کہا: اَنْتِ طَالِقٌ الْيَوْمَ غَدًا تجھے آج کل طلاق ہے یا کہا: اَنْتِ طَالِقٌ غَدًا الْيَوْمَ تجھے کل آج طلاق ہے، تو دونوں وقتوں میں سے پہلے وقت کو لیا جائے گا جو اس کی زبان سے نکلا] پس پہلی صورت میں آج کے دن اور دوسری صورت میں کل آنے والے دن طلاق ہو گی۔

کیونکہ جب اس نے اَلْيَوْمَ (آج کے دن) کہا تو فوری طلاق ہو گی اور فوری طلاق میں اضافت کا احتمال نہیں ہوتا اور جب کہا: غَدًا (کل) تو یہ اضافت ہے اور جس کی اضافت کی جائے وہ فوری طور پر نافذ نہیں ہوتی کیونکہ اس میں اضافت کو باطل کرنا ہے تو دونوں صورتوں میں دوسرا لفظ لغو ہو جائے گا۔

توضیح: جب مرد اپنی بیوی کو طلاق دیتے ہوئے آئندہ کل کے دن کی طرف اضافت کرے تو دن شروع ہوتے ہی اسے

طلاق ہو جائے گی کیونکہ طلاق کی اضافت دن کی طرف کی گئی اور اس سے پورا دن مراد ہو گا اور پورا دن اسی صورت میں شامل ہو سکتا ہے جب دن کے آغاز (فجر) سے طلاق ہو جائے۔

اگر وہ دن کا آخری حصہ مراد لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی نیت معتبر ہو جائے گی اور دن کے آخری حصے میں طلاق ہو گی لیکن قاضی کے ہاں اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی کیونکہ قاضی کا فیصلہ ظاہر پر ہوتا ہے اور یہ ظاہر کے خلاف ہے۔

اس لئے کہ کل کا دن جب کہا تو اس میں عموم ہے یعنی دن کے تمام اجزاء مراد ہوں گے اور جب وہ دن کا آخر مراد لے رہا ہے تو وہ اسے ایک جزء کے ساتھ خاص کر رہا ہے اس لئے یہ عموم میں تخصیص ہو گی جو ظاہر کے خلاف ہے۔

اور اگر خاوند اپنی بیوی کو طلاق دیتے ہوئے آج اور کل دونوں کا ذکر کرے تو جس کا پہلے ذکر کیا وہ مراد ہو گا جیسے اس نے کہا: ''تجھے آج کل طلاق ہے'' تو آج ہی طلاق ہو گی اسے طلاق تنجیز (فوری طور پر واقع ہونے والی طلاق) کہا جاتا ہے۔ اور اگر کہا: ''تجھے کل آج طلاق ہے'' تو اس کی طلاق کل کی طرف مضاف ہو جائے گی۔

کیونکہ جب اس نے کہا: ''آج'' تو اسی وقت طلاق ہو گئی اور یہ طلاق تنجیر ہے اور طلاق تنجیر میں اضافت کا احتمال نہیں ہوتا لہٰذا کل کا لفظ لغو ہو جائے گا' اور دوسری صورت میں طلاق کل کی طرف مضاف ہو جائے گی اور جو مضاف ہو وہ فوری طور پر نہیں ہو گی لہٰذا آج کا لفظ لغو ہو گیا۔

طلاق کی کل کی طرف نسبت کرتے ہوئے لفظ ''فِیْ'' کا استعمال

(۲۹): [وَلَوْ قَالَ: اَنْتِ طَالِقٌ فِیْ غَدٍ وَقَالَ نَوَیْتُ اٰخِرَ النَّهَارِ دُيِّنَ فِي الْقَضَاءِ عِنْدَ اَبِیْ حَنِيْفَةَ، وَقَالَا: لَا يُدَيَّنُ فِي الْقَضَاءِ خَاصَّةً] لِاَنَّهٗ وَصَفَهَا بِالطَّلَاقِ "فِیْ" جَمِيْعِ الْغَدِ فَصَارَ بِمَنْزِلَةِ قَوْلِهٖ غَدًا عَلٰى مَا بَيَّنَّاهُ وَلِهٰذَا يَقَعُ فِیْ اَوَّلِ جُزْءٍ مِّنْهُ عِنْدَ عَدَمِ النِّيَّةِ. وَهٰذَا لِاَنَّ حَذْفَ فِیْ وَاِثْبَاتَهٗ سَوَاءٌ لِاَنَّهٗ ظَرْفٌ فِي الْحَالَيْنِ.

وَلِاَبِیْ حَنِيْفَةَ اَنَّهٗ نَوٰى حَقِيْقَةَ كَلَامِهٖ لِاَنَّ كَلِمَةَ فِیْ لِلظَّرْفِ وَالظَّرْفِيَّةُ لَا تَقْتَضِی الْاِسْتِيْعَابَ وَتَعَيَّنَ الْجُزْءُ الْاَوَّلُ ضَرُوْرَةَ عَدَمِ الْمُزَاحِمِ. فَاِذَا عَيَّنَ اٰخِرَ النَّهَارِ كَانَ التَّعْيِيْنُ الْقَصْدِیُّ اَوْلٰى بِالْاِعْتِبَارِ مِنَ الضَّرُوْرِيِّ. بِخِلَافِ قَوْلِهٖ غَدًا لِاَنَّهٗ يَقْتَضِی الْاِسْتِيْعَابَ حَيْثُ وَصَفَهَا بِهٰذِهِ الصِّفَةِ مُضَافًا اِلٰى جَمِيْعِ الْغَدِ.

نَظِيْرُهٗ اِذَا قَالَ: وَاللّٰهِ لَاَصُوْمَنَّ عُمْرِی، وَنَظِيْرُ الْاَوَّلِ: وَاللّٰهِ لَاَصُوْمَنَّ فِیْ عُمْرِی، وَعَلٰى هٰذَيْنِ الدَّهْرَ وَفِي الدَّهْرِ.

ترجمہ: [اور اگر خاوند نے کہا: ''تجھے کل میں طلاق ہے'' اور کہا کہ میں نے دن کے آخر کی نیت کی ہے تو حضرت امام

ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قاضی کے ہاں (یعنی قضاءً) اس کی تصدیق کی جائے گی اور صاحبین فرماتے ہیں: خاص قضاء میں اس کی نیت کی تصدیق نہیں کی جائے گی]

کیونکہ اس نے تمام دن میں عورت کو طلاق سے موصوف قرار دیا تو یہ اسی طرح ہے جیسے (فی کے بغیر) غَدًا کہا۔۔۔ جس طرح ہم (گزشتہ مسئلہ میں) بیان کر چکے ہیں۔

اسی لئے جب کوئی نیت نہ ہو تو دن کی پہلی جزء میں طلاق واقع ہو جائے گی اور یہ اس لئے کہ لفظ فی کو حذف کرنا اور ثابت رکھنا برابر ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ اس نے اپنے کلام کی حقیقت کی نیت کی کیونکہ کلمہ فی ظرفیت کے لئے آتا ہے اور ظرفیت (پورے ظرف کو) گھیرنے کا تقاضا نہیں کرتی لیکن مزاحم نہ ہونے کی وجہ سے پہلی جزء لازمی طور پر متعین ہو گئی۔

تو جب اس نے آخری جزء کو متعین کیا تو جو تعین ضرورت کے تحت ہوا (یعنی پہلی جزء) اس کے مقابلے اس تعین کا اعتبار زیادہ مناسب تھا جس کا اس نے قصد کیا بخلاف اس کے جب وہ (کلمہ فی کے بغیر) غدًا کہے۔ کیونکہ وہ (پورے دن کو) گھیرنا چاہتا ہے کیونکہ اس نے کل پورے دن کی طرف اضافت کرتے ہوئے اس صفت کے ساتھ موصوف کیا۔

اس کی مثال اس طرح ہے کہ جب کوئی شخص کہے: وَاللّٰہُ لَاَصُوْمَنَّ عُمْرِیْ اللہ کی قسم میں اپنی تمام زندگی میں روزہ رکھوں گا۔

اور پہلی صورت کی مثال اس طرح ہے وَاللّٰہُ لَاَصُوْمَنَّ فِیْ عُمْرِیْ اللہ کی قسم میں اپنی زندگی میں روزہ رکھوں گا اور اسی طرح یہ دو مثالیں ہیں ایک میں صرف دھر کا ذکر کیا اور دوسری میں کلمہ فی کے ساتھ فی الدھر کہا۔۔۔

توضیح: یہ مسئلہ پہلے مسئلہ سے اس طرح مختلف ہے کہ اس میں اَنْتِ طَالِقٌ غَدًا کہا اور اس مسئلہ میں فِیْ غَدٍ کہا، دونوں میں فرق یہ ہے کہ لفظ غَدًا سے پورا کل کا دن مراد ہوتا ہے اور فی غد میں دن کا کچھ حصہ مراد ہوتا ہے۔

اسی لئے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ فِیْ غَدٍ کہنے کی صورت میں اگر وہ دن کا آخری حصہ مراد لیتا ہے تو قاضی کے ہاں بھی اس کی تصدیق کی جائے گی۔

لیکن صاحبین فرماتے ہیں: قاضی کے ہاں اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔

اس مسئلہ میں صاحبین کی دلیل

وہ فرماتے ہیں: مرد نے عورت کو پورے دن میں طلاق کے ساتھ موصوف قرار دیا اور یہ ایسے ہی ہے جیسے فی کے بغیر لفظ غد استعمال کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر نیت نہ ہو تو دن کا پہلا حصہ مراد ہوتا ہے وہ فرماتے ہیں: اس کی وجہ یہ ہے کہ کلمہ فی کو ذکر کریں یا حذف دونوں صورتوں میں ایک ہی حکم ہے کیونکہ یہ ظرف ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل

آپ فرماتے ہیں: جب مرد نے دن کا آخری حصہ مراد لیا تو حقیقت کلام کی نیت کی کیونکہ کلمہ فی ظرفیت کے لئے آتا ہے اور ظرفیت استیعاب یعنی پورے ظرف کو گھیرنے کا تقاضا نہیں کرتی (جیسے کوئی کہے کہ قَعَدْتُّ فِي الْمَسْجِدِ میں مسجد میں بیٹھا تو مسجد ظرف ہے لیکن وہ پوری مسجد میں نہیں بیٹھا بلکہ اس کے کسی حصے میں بیٹھتا ہے۔

صاحبین کے استدلال کا جواب

صاحبین نے فرمایا کہ پورا دن مراد ہونے کی دلیل یہ ہے کہ نیت کے بغیر دن کا پہلا حصہ مراد ہوتا ہے۔ حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یوں جواب دیا کہ دن کا پہلا حصہ اس لئے مراد ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ دن کے کسی حصے کا ٹکراؤ نہیں ہوتا (اور وہ بھی دن کا ایک حصہ ہے) لیکن جب دن آگے بڑھتا ہے تو اس کے اجزاء کا باہم ٹکراؤ ہوتا ہے اور ٹکراؤ کی صورت میں نیت سے تعین ہوتا ہے اس لئے جب اس نے دن کے آخری حصے کی نیت کی تو وہ ظاہر و باطن ہر اعتبار سے صحیح ہوگی اور چونکہ یہ تعین ارادے کے ساتھ ہوا (یعنی قصدی ہے) اور دن کے پہلے جزء کا تعین ضرورت کے تحت تھا تو قصدی تعین ضروری تعین کے مقابلے میں اولیٰ ہے۔

نوٹ: اسے محض "کلمہ غدا" پر قیاس نہیں کیا جا سکتا ہے کیونکہ یہ لفظ استیعاب کا تقاضا کرتا ہے یعنی کل کا پورا دن، اور فی غد استیعاب کا تقاضا نہیں کرتا بلکہ کوئی ایک جزء مراد ہوتی ہے۔

مثالیں

صاحب ہدایہ نے اس کی دو مثالیں دی ہیں:

1. کوئی شخص کہے: وَاللّٰهِ لَاَصُوْمَنَّ عُمَرِيْ —— تو پوری زندگی مراد ہوگی اور اگر کہے: وَاللّٰهِ لَاصُوْمَنَّ فِيْ عُمْرِيْ —— تو زندگی کا کچھ حصہ مراد ہوگا۔
2. اسی طرح اگر وہ لفظ دھر استعمال کرے تو صرف الدھر اور فی الدھر کے حکم میں یہی فرق ہوگا، محض الدھر استیعاب کا تقاضا کرتا ہے اور فی الدھر استیعاب کا تقاضا نہیں کرتا۔

طلاق کی نسبت گزشتہ کل کی طرف کرنا

(۳۰): [وَلَوْ قَالَ: اَنْتِ طَالِقٌ اَمْسِ وَقَدْ تَزَوَّجَهَا الْيَوْمَ لَمْ يَقَعْ شَيْءٌ] لِاَنَّهٗ اَسْنَدَهٗ اِلٰى حَالَةٍ مَعْهُوْدَةٍ مُنَافِيَةٍ لِمَالِكِيَّةِ الطَّلَاقِ فَيَلْغُوْ، كَمَا اِذَا قَالَ: اَنْتِ طَالِقٌ قَبْلَ اَنْ اُخْلَقَ. وَلِاَنَّهٗ يُمْكِنُ تَصْحِيْحُهٗ اِخْبَارًا عَنْ عَدَمِ النِّكَاحِ اَوْ عَنْ كَوْنِهَا مُطَلَّقَةً بِتَطْلِيْقِ غَيْرِهٖ مِنَ الْاَزْوَاجِ [وَلَوْ تَزَوَّجَهَا اَوَّلَ مِنْ اَمْسِ وَقَعَ السَّاعَةَ] لِاَنَّهٗ مَا اَسْنَدَهٗ اِلٰى حَالَةٍ مُنَافِيَةٍ وَلَايُمْكِنُ

تَصۡحِیۡحُهٗ اِخۡبَارًا اَیۡضًا فَکَانَ اِنۡشَاءً، وَالۡاِنۡشَاءُ فِي الۡمَاضِيۡ اِنۡشَاءٌ فِي الۡحَالِ فَیَقَعُ السَّاعَةَ۔

ترجمہ: [اور اگر کہے تجھے کل (گزشتہ دن) طلاق ہے حالانکہ اس نے آج اس سے نکاح کیا ہے تو کچھ بھی واقع نہیں ہوگا]

کیونکہ اس نے طلاق کی نسبت ایک ایسی حالت کی طرف کی ہے جو معلوم ہے اور طلاق کی مالکیت کے منافی ہے پس (اس کا کلام) لغو جائے گا۔

جس طرح اگر وہ کہے کہ تجھے میری پیدائش سے پہلے طلاق ہے (تو یہ لغو ہے)

اور وہ اس لئے بھی لغو ہے کہ اس عبارت کو نکاح نہ ہونے کی خبر دینا صحیح ہے یا یہ کہ وہ عورت اس شخص کے غیر کی طرف سے طلاق کی وجہ سے مُطَلَّقَة ہے۔

[اور اگر اس نے کل دن کے اول حصے میں نکاح کیا تھا تو اسی وقت طلاق واقع ہو جائے گی]

کیونکہ اس نے اس کی نسبت ایسی حالت کی طرف نہیں کی جو اس (طلاق) کے منافی ہے اور اسے خبر دینا بھی صحیح نہیں تو یہ انشاء ہے اور ماضی میں انشاء، حال میں انشاء ہی ہے پس اسی وقت طلاق ہو جائے گی۔

توضیح: اگر خاوند طلاق کی نسبت گزشتہ کل کی طرف کرے جیسے وہ کہے: ''اَنۡتِ طَالِقٌ اَمۡسِ'' (تجھے کل گزشتہ دن طلاق ہوئی) تو اس کی دو صورتیں ہیں:

❶ کل گزشتہ وہ اس کے نکاح میں نہیں تھی اور اس سے آج نکاح ہوا تو اس کا کلام لغو ہو جائے گا اور طلاق واقع نہیں ہو گی۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ طلاق کا محل وہ عورت ہوتی ہے جو طلاق دیتے وقت اس شخص کے نکاح میں ہو اور یہ طلاق کا محل اس لئے نہیں تھی کہ کل وہ اس کے نکاح میں نہیں تھی اور یہ اسی طرح ہے کہ وہ کہے میری پیدائش سے پہلے تجھے طلاق ہے تو یہ کلام بھی لغو ہوگا اور یہ بات واضح ہے کہ وہ خود ہی ابھی پیدا نہیں ہوا تو نکاح اور طلاق کا تصور کیسے ہو سکتا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس عبارت کی دو طرح تاویل کی جا سکتی ہے یعنی طلاق سے نکاح نہ ہونا مراد لیا جائے یعنی وہ کہہ رہا ہے کہ کل تو میرے نکاح میں نہیں تھی۔

دوسری تاویل یہ کہ کل تو طلاق والی تھی کیونکہ تجھے تیرے پہلے خاوند نے طلاق دی تھی (لیکن یہ تاویل اس وقت صحیح نہیں ہوگی جب کنواری یا بیوہ ہو)

❷ دوسری صورت یہ ہے کہ کل دن کے پہلے حصے میں اس نے نکاح کیا تھا لہٰذا اسے طلاق کی ملکیت حاصل تھی اس لئے کل کی طرف طلاق کی نسبت کرنا صحیح ہے کیونکہ اس نے ایسی حالت کی طرف نسبت نہیں کی جو طلاق کی مالکیت کے منافی ہو۔ اور اس سے اطلاع مراد لینا بھی صحیح ہے۔

لہٰذا اسے انشاء کہا جائے گا یعنی وہ طلاق دینے کی خبر نہیں دے رہا ہے بلکہ طلاق دے رہا ہے اور ماضی کی انشاء حال کی انشاء ہے گویا وہ ابھی طلاق دے رہا ہے اس لئے اس وقت جب اس نے یہ الفاظ کہے طلاق واقع ہو جائے گی۔

نوٹ: انشاء کسی کام کو واجب کرنا ہے جو پہلے سے واجب نہیں تھا تو جو کام ماضی میں واجب کیا وہ حال میں بھی واجب ہے لہٰذا اسی وقت طلاق ہوگی۔

طلاق کی نسبت شادی سے پہلے کی طرف کرنا

(۳۱): [وَلَوْ قَالَ: اَنْتِ طَالِقٌ قَبْلَ اَنْ اَتَزَوَّجَكِ لَمْ يَقَعْ شَيْءٌ] لِاَنَّهٗ اَسْنَدَهٗ اِلٰى حَالَةٍ مُنَافِيَةٍ فَصَارَ كَمَا اِذَا قَالَ: طَلَّقْتُكِ وَاَنَا صَبِيٌّ اَوْ نَائِمٌ. اَوْ يُصَحَّحُ اِخْبَارًا عَلٰى مَا ذَكَرْنَا.

ترجمہ: [اور اگر خاوند کہے کہ میرے تجھ سے نکاح کرنے سے پہلے تجھے طلاق ہے تو کچھ بھی واقع نہیں ہوگا] کیونکہ اس نے (طلاق کی) نسبت ایسی حالت کی طرف کی ہے جو اس کے منافی ہے یہ اسی طرح ہے جیسے کہے میں نے تجھے اس وقت طلاق دی جب میں بچہ تھا یا سویا ہوا تھا یا اس بات کو خبر دینے کے طور پر صحیح قرار دیا جائے جیسے پہلے گزر چکا ہے۔

توضیح: چونکہ شادی سے پہلے عورت اس شخص کی ملک میں نہیں ہوتی اور طلاق کا اختیار تب ہوتا ہے جب پہلے نکاح ہو اس لئے ان الفاظ سے کہ میں نے تجھے نکاح کرنے سے پہلے طلاق دی، صحیح نہیں اور طلاق نہیں ہوگی۔

اور یہ اسی طرح ہے جیسے وہ کہے کہ میں نے اپنے بچپن میں یا سونے کی حالت میں طلاق دی (تو جس طرح یہ طلاق نہیں ہوتی اسی طرح ان (مذکورہ بالا) الفاظ سے بھی طلاق نہیں ہوگی)

البتہ شوہر کے کلام کو لغو ہونے سے بچانے کے لئے یہ تاویل کی جائے کہ وہ اطلاع دے رہا ہے یعنی یہ خبر ہے انشاء نہیں ــــ خبر کا مطلب یہ ہوگا کہ میرے ساتھ نکاح سے پہلے تو میرے نکاح میں نہیں تھی۔

طلاق کی نسبت طلاق نہ دینے کی طرف کرنا

(۳۲): [وَلَوْ قَالَ: اَنْتِ طَالِقٌ مَا لَمْ اُطَلِّقْكِ اَوْ مَتٰى لَمْ اُطَلِّقْكِ اَوْ مَتٰى مَا لَمْ اُطَلِّقْكِ وَسَكَتَ طُلِقَتْ] لِاَنَّهٗ اَضَافَ الطَّلَاقَ اِلٰى زَمَانٍ خَالٍ عَنِ التَّطْلِيْقِ وَقَدْ وُجِدَ حَيْثُ سَكَتَ. وَهٰذَا لِاَنَّ كَلِمَةَ مَتٰى وَمَتٰى مَا صَرِيْحٌ فِى الْوَقْتِ لِاَنَّهُمَا مِنْ ظُرُوْفِ الزَّمَانِ. وَكَذَا كَلِمَةُ "مَا" قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى (مَا دُمْتُ حَيًّا) اَىْ وَقْتَ الْحَيَاةِ

ترجمہ: [اور اگر (خاوند) کہے تجھے طلاق ہے جب تک میں تجھے طلاق نہ دوں (یعنی مَا لَمْ اُطَلِّقْكِ کہے یا مَتٰى لَمْ اُطَلِّقْكِ کہے یا مَتٰى مَا لَمْ اُطَلِّقْكَ کہے دونوں کا معنیٰ ایک ہی ہے) پھر خاموش ہو جائے تو طلاق ہو جائے گی]

کیونکہ اس نے طلاق کی اضافت اس وقت کی طرف کی جو طلاق دینے سے خالی ہے اور جب وہ خاموش ہوا تو وہ وقت پایا گیا۔

اور یہ اس لئے کہ کلمہ متی یا متی ما، وقت کے لئے صریح ہے کیونکہ یہ دونوں ظروف زمان میں سے ہیں اسی طرح کلمہ ما بھی ظروف زمان سے ہے ارشاد خداوندی ہے: ﴿مَا دُمْتُ حَيًّا﴾ [1] جس وقت تک میں زندہ رہا۔

توضیح: صاحب ہدایہ نے تین قسم کے الفاظ ذکر کئے اور بتایا کہ ان کے استعمال سے طلاق واقع ہو جاتی ہے:

[1] اَنْتِ طَالِقٌ مَا لَمْ اُطَلِّقْكِ [2] اَنْتِ طَالِقٌ مَتٰى لَمْ اُطَلِّقْكِ

[3] اَنْتِ طَالِقٌ مَتٰى مَا لَمْ اُطَلِّقْكِ

یہ تینوں "ما، متی اور متی ما" ظروف زمان میں سے ہیں اور چونکہ ان میں سے کوئی لفظ استعمال کر کے خاموش رہا تو اس وقت طلاق ہو جائے گی کیونکہ وہ وقت طلاق دینے سے خالی ہے اور اس نے یہی کہا تھا کہ تجھے طلاق ہے جب میں تجھے طلاق نہ دوں۔

اسی مفہوم کے ایک اور کلمہ کے ساتھ طلاق دینا

(۳۳): [وَلَوْ قَالَ: اَنْتِ طَالِقٌ اِنْ لَّمْ اُطَلِّقْكِ لَمْ تَطْلُقْ حَتّٰى يَمُوْتَ] لِاَنَّ الْعَدَمَ لَا يَتَحَقَّقُ اِلَّا بِالْيَاْسِ عَنِ الْحَيَاةِ وَهُوَ الشَّرْطُ كَمَا فِيْ قَوْلِهٖ اِنْ لَّمْ اٰتِ الْبَصْرَةَ. وَمَوْتُهَا بِمَنْزِلَةِ مَوْتِهٖ هُوَ الصَّحِيْحُ.

ترجمہ: [اور اگر کہا تجھے طلاق ہے اگر میں تجھے طلاق نہ دوں تو مرتے وقت تک طلاق نہیں ہوگی]

کیونکہ طلاق نہ دینا اس وقت متحقق ہوگا جب زندگی سے مایوسی ہو جائے اور یہ شرط ہے جس طرح کوئی کہے: "اَنْتِ طَالِقٌ اِنْ لَّمْ اٰتِ الْبَصْرَةَ" تجھے طلاق ہے اگر میں بصرہ میں نہ آؤں اور عورت کی موت مرد کی موت کی طرح ہے یہی صحیح قول ہے۔

توضیح: مرد نے عورت کی طلاق کو طلاق نہ دینے کے ساتھ مشروط کیا ہے یعنی اگر تمہیں طلاق نہ دوں تو تجھے طلاق ہے تو اس صورت میں ان میں سے کسی ایک کے مرنے تک طلاق نہیں ہوگی کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ کسی بھی وقت طلاق دے دے لیکن جب وہ خاوند مر جائے تو اب طلاق نہ دینے کا وقت ختم ہو گیا لہٰذا اب طلاق نہ دینا متحقق ہو گیا اس لئے طلاق واقع ہوگی۔

یہ اسی طرح ہے کہ جب کوئی کہے اگر میں بصرہ نہ آؤں تو تجھے طلاق ہے تو نہ آنا موت کے بعد متحقق ہوگا اور اس سلسلے میں مرد اور عورت دونوں کا ایک ہی حکم ہے یعنی جب عورت فوت ہو جائے تو بھی طلاق کا حکم دیا جائے گا اس سے پہلے نہیں۔

[1] سورۃ مریم، آیت: ۳۱

طلاق دیتے ہوئے شرط میں لفظ اِذَا کا استعمال

(۳۴): [وَلَوْ قَالَ: اَنْتِ طَالِقٌ اِذَا لَمْ اُطَلِّقْكِ، اَوْ اِذَا مَا لَمْ اُطَلِّقْكِ لَمْ تُطَلَّقْ حَتّٰى يَمُوتَ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ، وَقَالَا: تَطْلُقُ حِيْنَ سَكَتَ] لِاَنَّ كَلِمَةَ اِذَا لِلْوَقْتِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ﴾ وَقَالَ قَائِلُهُمْ:

وَاِذَا تَكُوْنُ كَرِيْهَةٌ اُدْعٰى لَهَا
وَاِذَا يُحَاسُ الْحَيْسُ يُدْعٰى جُنْدُبٌ

فَصَارَ بِمَنْزِلَةِ مَتٰى وَمَتٰى مَا. وَلِهٰذَا لَوْ قَالَ لِامْرَاَتِهٖ: اَنْتِ طَالِقٌ اِذَا شِئْتِ لَا يَخْرُجُ الْاَمْرُ مِنْ يَدِهَا بِالْقِيَامِ عَنِ الْمَجْلِسِ كَمَا فِيْ قَوْلِهٖ مَتٰى شِئْتِ.

وَلِاَبِيْ حَنِيْفَةَ اَنَّ كَلِمَةَ اِذَا تُسْتَعْمَلُ فِي الشَّرْطِ اَيْضًا. قَالَ قَائِلُهُمْ:

وَاسْتَغْنِ مَا اَغْنَاكَ رَبُّكَ بِالْغِنٰى
وَاِذَا تُصِبْكَ خَصَاصَةٌ فَتَجَمَّلْ

فَاِنْ اُرِيْدَ بِهِ الشَّرْطُ لَمْ تَطْلُقْ فِي الْحَالِ. وَاِنْ اُرِيْدَ بِهِ الْوَقْتُ تَطْلُقُ فَلَا تَطْلُقُ بِالشَّكِّ وَالِاحْتِمَالِ،

بِخِلَافِ مَسْاَلَةِ الْمَشِيْئَةِ لِاَنَّهٗ عَلٰى اعْتِبَارِ اَنَّهٗ لِلْوَقْتِ لَا يَخْرُجُ الْاَمْرُ مِنْ يَدِهَا. وَعَلٰى اعْتِبَارِ اَنَّهٗ لِلشَّرْطِ يَخْرُجُ وَالْاَمْرُ صَارَ فِيْ يَدِهَا فَلَا يَخْرُجُ بِالشَّكِّ وَالِاحْتِمَالِ. وَهٰذَا الْخِلَافُ فِيْمَا اِذَا لَمْ تَكُنْ لَهٗ نِيَّةٌ اَلْبَتَّةَ. اَمَّا اِذَا نَوَى الْوَقْتَ يَقَعُ فِي الْحَالِ وَلَوْ نَوَى الشَّرْطَ يَقَعُ فِيْ آخِرِ الْعُمْرِ لِاَنَّ اللَّفْظَ يَحْتَمِلُهُمَا.

ترجمہ: [اور اگر وہ کہے تجھے طلاق ہے جب میں تمہیں طلاق نہ دوں (اِذَا لَمْ اُطَلِّقْكِ کہا یا: اِذَا مَا لَمْ اُطَلِّقْكِ کہا دونوں کا معنی ایک ہی ہے] تو حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جب تک وہ مرد فوت نہ ہو جائے عورت کو طلاق نہیں ہوگی اور صاحبین فرماتے ہیں: اس کے خاموش ہوتے ہی اسے طلاق ہو جائے گی] کیونکہ کلمہ اذا وقت کے لئے آتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ❶

---

❶ سورۂ تکویر، آیت نمبر: ۱

ترجمہ: جب سورج لپیٹ دیا جائے گا۔

اور شاعر نے کہا:

وَاِذَا تَكُوْنُ كَرِيهَةٌ أُدْعَى لَهَا
وَاِذَا يُحَاسُ الْحَيْسُ يُدْعَى جُنْدُبٌ

جب ناپسندیدہ بات ہوتی ہے تو مجھے بلایا جاتا ہے اور جب کبھی حیس (حلوہ) تیار ہوتا ہے تو جندب کو بلایا جاتا ہے۔

تو (لفظ اذا) متی اور متی ما کی طرح ہو گیا اس لئے اگر وہ اپنی بیوی سے کہے اَنْتِ طَالِقٌ اِذَا شِئْتِ (تجھے طلاق ہے جب تو چاہے) تو مجلس سے اٹھنے کے ساتھ اس کا اختیار ختم نہیں ہوگا یہ اسی طرح ہے جیسے وہ کہے: ''مَتٰی شِئْتِ'' اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کلمہ اذا شرط میں بھی استعمال ہوتا ہے جس طرح شاعر کا قول ہے:

وَاسْتَغْنِ مَا اَغْنَاكَ رَبُّكَ بِالْغِنٰى
وَاِذَا تُصِبْكَ خَصَاصَةٌ فَتَجَمَّلْ

جب تمہارا رب مالداری کے ساتھ مالدار رکھے تو تم بے نیاز رہو اور جب تمہیں بھوک (یا تنگی) پہنچے تو برداشت کرو۔

تو اگر اس سے شرط کا ارادہ ہو تو فوراً طلاق نہیں ہوگی اور اگر اس سے وقت مراد لیا جائے تو طلاق ہو جائے گی لہٰذا شک اور احتمال کی وجہ سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

بخلاف مسئلہ مشیت کے (جب اِنْ شِئْتِ کہا) تو اس میں اس بات کا اعتبار ہوتا ہے کہ وہاں کلمہ ''اذا'' وقت کے لئے ہے لہٰذا اس کو اختیار حاصل ہوگا اور شک اور احتمال کی وجہ سے ختم نہیں ہوگا۔

یہ اختلاف (جس کا اوپر ذکر ہوا) اس صورت میں ہے جب اس نے (کسی معنیٰ کی) قطعی نیت نہ کی ہو لیکن جب وہ وقت کی نیت کرے تو اسی وقت طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر شرط کی نیت کرے تو زندگی کے آخر میں طلاق واقع ہوگی کیونکہ لفظ میں ان دونوں (وقت اور شرط) کا احتمال ہے۔

توضیح: مرد جب طلاق دیتے ہوئے لفظ اذا یا اذا ما استعمال کرے یعنی یوں کہے کہ ''تجھے طلاق ہے جب میں تجھے طلاق نہ دوں'' تو حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مرتے دم تک طلاق نہیں ہوگی۔

جبکہ صاحبین کے نزدیک جب وہ جملہ کہہ کر خاموش ہو جائے گا تو طلاق ہو جائے گی کیونکہ اس وقت وہ طلاق نہیں دے رہا اور اس نے یہی کہا تھا کہ جب تجھے طلاق نہ دوں تو تجھے طلاق ہے اور اس وقت وہ طلاق نہیں دے رہا۔

صاحبین اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ میں وجۂ اختلاف

صاحبین فرماتے ہیں کہ کلمہ اذا یا اذا ما وقت کے لئے آتا ہے اور یہ متی اور متی ما کی طرح ہے اس پر انہوں نے قرآن پاک کی آیت اور ایک شعر بطور دلیل پیش کیا ہے۔

نوٹ: عبارت کے ترجمہ میں آیت اور شعر کا ترجمہ گزر چکا ہے دوبارہ لانے کی ضرورت نہیں۔

حضرت امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: کلمہ اذا یا اذا ما جس طرح وقت کے لئے آتا ہے شرط کے لئے بھی آتا ہے۔ (آپ نے بھی بطور دلیل ایک شعر پیش کیا ہے (ترجمہ گزر چکا ہے) آپ فرماتے ہیں: جب یہ کلمہ دونوں معانی کے لئے آتا ہے تو وقت بھی مراد لیا جا سکتا ہے اور شرط بھی لہٰذا شک پیدا ہوا کہ اس نے کس معنیٰ کا ارادہ کیا تو شک اور احتمال کی وجہ سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔)

صاحبین کے قیاس کا جواب

صاحبین نے اِذَا شِئْتِ پر قیاس کیا یعنی اگر خاوند اپنی بیوی کو اختیار دیتے ہوئے کلمہ اذا استعمال کرے مثلاً یوں کہے اَنْتِ طَالِقٌ اِذَا شِئْتِ (تجھے طلاق ہے تو جب چاہے) تو عورت کا چاہنا یعنی اختیار اس مجلس تک محدود نہ ہوگا جس مجلس میں یہ بات کہی گئی بلکہ وہ جب چاہے اپنا اختیار استعمال کر سکتی ہے اسی طرح یہاں بھی اذا وقت کے لئے ہوگا۔

حضرت امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ اس کا جواب یوں دیتے ہیں کہ اس میں بھی احتمال ہے کہ وقت کا اعتبار کیا جائے یا شرط کا، اگر وقت کا اعتبار کریں تو اختیار ختم نہیں ہوگا اور اگر شرط کا اعتبار کریں تو ختم ہو جائے گا۔

لیکن چونکہ عورت کو اختیار مل چکا ہے اور وہ شک کی وجہ سے زائل نہیں ہوگا لہٰذا اس بنیاد پر اختیار باقی رہے گا۔

نیت کی صورت میں حکم؟

یہ مندرجہ بالا اختلاف اس صورت میں ہے جب مرد کی کوئی نیت نہ ہو اور اگر وہ وقت کی نیت کرے تو اسی وقت طلاق واقع ہو جائے گی۔ اور اگر وہ شرط کی نیت کرے تو عمر کے آخری حصہ میں واقع ہوگی۔

دونوں قسم کی نیتوں کا اعتبار اس لئے ہے کہ لفظ میں دونوں (وقت اور شرط) کا احتمال ہے۔

طلاق دیتے وقت لفظ ''ما'' کے استعمال کی ایک صورت

(۳۵): [وَلَوْ قَالَ: اَنْتِ طَالِقٌ مَا لَمْ اُطَلِّقْكِ اَنْتِ طَالِقٌ فَهِيَ طَالِقٌ بِهٰذِهِ التَّطْلِيْقَةِ] مَعْنَاهُ قَالَ ذٰلِكَ مَوْصُوْلًا بِهٖ. وَالْقِيَاسُ اَنْ يَّقَعَ الْمُضَافُ فَيَقَعَانِ اِنْ كَانَتْ مَدْخُوْلًا بِهَا. وَهُوَ قَوْلُ زُفَرَ رَحِمَهُ اللّٰهُ لِاَنَّهٗ وُجِدَ زَمَانٌ لَّمْ يُطَلِّقْهَا فِيْهِ وَاِنْ قَلَّ وَهُوَ زَمَانُ قَوْلِهٖ اَنْتِ طَالِقٌ قَبْلَ اَنْ يَّفْرُغَ مِنْهَا.

وَجْهُ الْاِسْتِحْسَانِ اَنَّ زَمَانَ الْبِرِّ مُسْتَثْنًى عَنِ الْيَمِيْنِ بِدَلَالَةِ الْحَالِ لِاَنَّ الْبِرَّ هُوَ الْمَقْصُوْدُ. وَلَا يُمْكِنُهٗ تَحْقِيْقُ الْبِرِّ اِلَّا اَنْ يُّجْعَلَ هٰذَا الْقَدْرُ مُسْتَثْنًى.

اَصْلُهٗ مَنْ حَلَفَ لَا يَسْكُنُ هٰذِهِ الدَّارَ فَاشْتَغَلَ بِالنَّقْلَةِ مِنْ سَاعَتِهٖ وَاَخَوَاتُهٗ عَلٰى مَا

يَأْتِيكَ فِي الْأَيْمَانِ إِنْ شَاءَ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ:[اگر خاوند نے کہا: ''تجھے طلاق ہے جب تک میں تجھے طلاق نہ دوں تجھے طلاق ہے تو اس دوسرے جملہ اَنْتِ طَالِقٌ کے ساتھ اسے طلاق ہوجائے گی]

اس کا معنی یہ ہے کہ وہ دوسرے کلمہ کو پہلے کے ساتھ ملا کر کہے۔

قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ جو طلاق مضاف ہے وہ بھی واقع ہو اور (اس طرح) دو طلاقیں واقع ہوجائیں اگر وہ مدخول بہا ہو اور حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا یہی قول ہے کیونکہ اس نے اتنا وقت پایا جس میں طلاق نہیں دی اگرچہ وہ کم وقت ہے اور یہ وقت وہ ہے جب اس نے کہا: اَنْتِ طَالِقٌ تو اس سے فارغ ہونے سے پہلے کا وقت ہے۔

استحسان کی وجہ یہ ہے کہ قسم کو پورا کرنے کا وقت، قسم سے مستثنیٰ ہوتا ہے اور اس پر حال کی دلالت پائی جاتی ہے کیونکہ قسم کو پورا کرنا مقصود ہوتا ہے اور قسم کو پورا کرنا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک اتنی مقدار مستثنیٰ نہ کی جائے۔

اس کی اصل یہ ہے کہ جو شخص قسم اٹھائے کہ وہ اس گھر میں نہیں رہے گا پھر اسی وقت وہ سامان منتقل کرنا شروع کردے۔

اس قسم کے دیگر مسائل قسموں کے باب میں آئیں گے۔ ان شاء اللہ

توضیح: یہ صورت، پہلی صورتوں سے مختلف ہے اس میں یہ اضافہ ہے کہ ''تجھے طلاق ہے'' کے الفاظ دو بار استعمال ہوئے ہیں پہلی طلاق کو طلاق نہ دینے کے ساتھ معلق کیا کہ جب تک تجھے میں طلاق نہ دوں تجھے طلاق ہے اور اس کے بعد مطلقاً کہا تجھے طلاق ہے۔

تو بعد میں کہے جانے والے الفاظ اَنْتِ طَالِقٌ سے فوراً ایک طلاق ہوجائے گی۔ لیکن کیا پہلے الفاظ سے بھی طلاق ہوگی اور یوں دو طلاقیں ہوں گی یا ایک ہی ہوگی۔ تو قیاس کے مطابق دو طلاقیں ہوں گی اور حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا یہی قول ہے اور اس میں دو شرطیں ہیں:

1. دوسرا کلام پہلے کلام سے متصل ہو۔
2. عورت مدخول بہا ہو کیونکہ کلام متصل نہ ہوا تو ایک ہی طلاق ہوگی اور غیر مدخول بہا ایک طلاق سے بائن ہوجاتی ہے

ان کی دلیل یہ ہے کہ پہلے کلام ''تجھے طلاق ہے جب تک میں تجھے طلاق نہ دوں'' کے بعد اسے اتنا وقت مل گیا جس میں اس نے طلاق نہیں دی اگرچہ وہ بالکل مختصر کلام ہے لہٰذا شرط پوری ہوگئی اور اسے طلاق ہوگئی پھر ساتھ ہی کہا: ''تجھے طلاق ہے'' تو دو طلاقیں ہوگئیں۔

لیکن استحسان (یعنی ضرورت کے تحت خلاف قیاس عمل) یہ ہے کہ جب کوئی قسم کھاتا ہے تو اسے قسم کو پورا کرنے کے لئے کچھ وقت درکار ہوتا ہے کیونکہ قسم کا مقصد اسے پورا کرنا ہوتا ہے اس لئے وہ وقت قسم سے مستثنیٰ ہوتا ہے جب اتنی مقدار کو مستثنیٰ نہ کیا جائے تو قسم پر عمل نہیں ہوسکتا۔

اس مسئلہ کی بنیاد یہ ہے کہ اگر کوئی شخص قسم کھائے کہ وہ اس مکان میں نہیں رہے گا اور اس کے فوراً بعد وہ سامان منتقل کرنا شروع کردے تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ تم قسم کے باوجود ابھی تک یہاں رہائش پذیر ہو لہٰذا تمہاری قسم ٹوٹ گئی اور تم حانث ہو گئے۔ یہ اس لئے نہیں کہا جائے گا کہ اسے اتنا وقت درکار ہو گا جس میں وہ قسم کو پورا کرنے کے لئے اپنا سامان وغیرہ نکال سکے اسی طرح اس شخص کو بھی طلاق کو طلاق نہ دینے کے وقت کے ساتھ معلق کرنے کے بعد کچھ وقت درکار ہو گا لہٰذا صرف ایک طلاق ہو گی اور یہاں قیاس کی بجائے استحسان پر عمل ہو گا۔

شادی کے دن کے ساتھ طلاق کو مشروط کرنا

(۳٦): [وَمَنْ قَالَ لِامْرَاَةٍ: يَوْمَ اَتَزَوَّجُكِ فَاَنْتِ طَالِقٌ فَتَزَوَّجَهَا لَيْلًا طَلُقَتْ] لِاَنَّ الْيَوْمَ يُذْكَرُ وَيُرَادُ بِهٖ بَيَاضُ النَّهَارِ فَيُحْمَلُ عَلَيْهِ اِذَا قُرِنَ بِفِعْلٍ يَمْتَدُّ كَالصَّوْمِ وَالْاَمْرِ بِالْيَدِ لِاَنَّهٗ يُرَادُ بِهِ الْمِعْيَارُ، وَهٰذَا اَلْيَقُ بِهٖ. وَيُذْكَرُ وَيُرَادُ بِهٖ مُطْلَقُ الْوَقْتِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗ﴾ وَالْمُرَادُ بِهٖ مُطْلَقُ الْوَقْتِ فَيُحْمَلُ عَلَيْهِ اِذَا قُرِنَ بِفِعْلٍ لَا يَمْتَدُّ وَالطَّلَاقُ مِنْ هٰذَا الْقَبِيلِ فَيَنْتَظِمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ

وَلَوْ قَالَ: عَنَيْتُ بِهٖ بَيَاضَ النَّهَارِ خَاصَّةً دُيِّنَ فِي الْقَضَاءِ لِاَنَّهٗ نَوٰى حَقِيقَةَ كَلَامِهٖ وَاللَّيْلُ لَا يَتَنَاوَلُ اِلَّا السَّوَادَ وَالنَّهَارُ يَتَنَاوَلُ الْبَيَاضَ خَاصَّةً وَهٰذَا هُوَ اللُّغَةُ.

ترجمہ: [اور جس شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ جس دن میں تجھ سے نکاح کروں تجھے طلاق ہے پھر اس نے رات کے وقت نکاح کیا تو عورت کو طلاق ہو جائے گی[

کیونکہ لفظ یوم بعض اوقات ذکر کیا جاتا ہے اور اس سے دن کی سفیدی مراد ہوتی ہے لہٰذا اسے اس پر محمول کیا جائے گا جب اسے ایسے فعل کے ساتھ ملایا جائے جو بڑھتا ہے جس طرح روزہ اور عورت کو کہنا کہ تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے (یعنی تجھے طلاق کا اختیار ہے) کیونکہ اس سے معیار مراد ہوتا ہے اور اس کے ساتھ یہی زیادہ مناسب ہے۔

اور بعض اوقات لفظ یوم بول کر مطلق وقت مراد لیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗ ◆[1]

ترجمہ: اور اس دن جوان (کفار) سے پیٹھ پھیرے گا۔

تو یہاں یوم سے مطلق وقت مراد ہے (دن ہو یا رات) لہٰذا اس پر محمول کیا جائے گا جب ایسے فعل سے ملایا جائے جو بڑھتا نہیں۔

اور طلاق بھی اسی قسم سے ہے لہٰذا یہ رات اور دن دونوں کو شامل ہے۔

◆[1] سورۃ انفال، آیت: ۱٦

اور اگر وہ کہے کہ میں نے اس سے خاص دن کی سفیدی مراد لی ہے تو قاضی کے ہاں اس کی تصدیق کی جائے گی کیونکہ اس نے اپنے کلام کی حقیقت کی نیت کی ہے۔

اور رات صرف سیاہی (تاریکی) کو شامل ہوتی ہے اور دن خاص سفیدی کو شامل ہوتا ہے لغت یہی ہے۔

توضیح: اگر خاوند نے طلاق دیتے ہوئے کہا کہ جس دن (لفظ یوم کہا) میں تجھ سے نکاح کروں تو تجھے طلاق ہے پھر اس نے رات کے وقت نکاح کیا تو اسی وقت طلاق ہو جائے گی کیونکہ یہاں یوم سے مطلق وقت مراد ہے وہ دن ہو یا رات۔

لفظ یوم سے کیا مراد ہوتی ہے؟

بعض اوقات لفظ یوم بول کر دن مراد لیا جاتا ہے اور کبھی لفظ یوم بول کر مطلق وقت مراد لیتے ہیں وہ دن ہو یا رات۔

اس سلسلے میں ضابطہ یہ ہے کہ جس فعل کے ساتھ لفظ یوم ملا ہوا ہے اسے دیکھا جائے وہ فعل بڑھنے والا ہے جیسے روزہ جس کا معنیٰ کھانے پینے سے رکنا ہے لیکن اس کے لئے طویل وقت ہوتا ہے اور وہ پورا دن ہے یعنی ایسا نہیں کہ کھانے پینے سے رکا اور اس کا روزہ اسی وقت مکمل ہو گیا یا عورت کو طلاق کا اختیار دیا تو اس کے لئے بھی زیادہ وقت ہوتا ہے یعنی مجلس کے ختم ہونے تک اختیار رہتا ہے تو ایسی صورت میں معیار مراد ہوتا ہے اور یہی اس کے زیادہ لائق ہے۔

نوٹ: وقت دو قسم کا ہوتا ہے: (۱) معیار اور (۲) ظرف معیار وہ ہوتا ہے کہ جتنا وقت ہوا اتنا ہی فعل ہوتا ہے فعل سے وقت بچتا نہیں جیسے دن بڑا ہو تو روزہ بڑا اور دن چھوٹا ہو تو روزہ چھوٹا یعنی روزہ پورے دن کو گھیرتا ہے۔

(۱) ظرف:

یہ وقت کی وہ قسم ہے جس میں فعل کی ادائیگی کے بعد وقت بچ جاتا ہے جیسے نماز ظہر کا وقت چار گھنٹے ہو اور نماز پندرہ منٹ میں ادا ہو جاتی ہے لہٰذا کچھ وقت بچ گیا اس صورت میں خاص دن مراد ہوگا۔

اگر فعل ممتد نہ ہو (یعنی بڑھتا ہو جیسے طلاق دی اور فعل مکمل ہو گیا مزید وقت درکار نہیں تو اس صورت میں لفظ یوم سے مطلق وقت مراد ہوگا (جیسے قرآن مجید کی مثال ترجمہ میں گزری ہے) کہ پیٹھ پھیرنا مختصر عمل ہے وہاں مطلق وقت مراد ہے لہٰذا شادی رات کے وقت کرے یا دن کو اسی وقت طلاق ہو جائے گی کیونکہ یہاں مطلق وقت مراد ہے جو رات اور دن دونوں کو شامل ہوتا ہے۔

نوٹ: اگر وہ کہے کہ میں نے خاص دن کی نیت کی ہے تو قاضی کے ہاں بھی اس کی بات قبول کی جائے گی کیونکہ اس نے حقیقت کلام کی نیت کی کیونکہ لفظ یوم دن کی سفیدی رات صرف تاریکی اور دن روشنی کا نام ہے لغت میں اسی طرح ہے اور مطلق وقت دونوں کو شامل ہے لہٰذا حقیقت لغویہ کے مطابق خاص طور پر دن مراد لیا جا سکتا ہے۔

فصل: طلاق سے متعلقہ دیگر احکام کے بارے

عورت کی طرف سے طلاق کا حکم

(۳۷): [وَمَنْ قَالَ لِامْرَأَتِهِ: أَنَا مِنْكِ طَالِقٌ فَلَيْسَ بِشَيْءٍ وَإِنْ نَوَى طَلَاقًا. وَلَوْ قَالَ: أَنَا مِنْكِ بَائِنٌ أَوْ أَنَا عَلَيْكِ حَرَامٌ يَنْوِي الطَّلَاقَ فَهِيَ طَالِقٌ. وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: يَقَعُ الطَّلَاقُ فِي الْوَجْهِ الْأَوَّلِ أَيْضًا إِذَا نَوَى]

لِأَنَّ مِلْكَ النِّكَاحِ مُشْتَرَكٌ بَيْنَ الزَّوْجَيْنِ حَتَّى مَلَكَتْ هِيَ الْمُطَالَبَةَ بِالْوَطْيِ كَمَا يَمْلِكُ هُوَ الْمُطَالَبَةَ بِالتَّمْكِينِ، وَكَذَا الْحِلُّ مُشْتَرَكٌ بَيْنَهُمَا وَالطَّلَاقُ وُضِعَ لِإِزَالَتِهِمَا فَيَصِحُّ مُضَافًا إِلَيْهِ كَمَا صَحَّ مُضَافًا إِلَيْهَا كَمَا فِي الْإِبَانَةِ وَالتَّحْرِيمِ.

وَلَنَا أَنَّ الطَّلَاقَ لِإِزَالَةِ الْقَيْدِ وَهُوَ فِيهَا دُونَ الزَّوْجِ. أَلَا تَرَى أَنَّهَا هِيَ الْمَمْنُوعَةُ عَنِ التَّزَوُّجِ وَالْخُرُوجِ وَلَوْ كَانَ لِإِزَالَةِ الْمِلْكِ فَهُوَ عَلَيْهَا لِأَنَّهَا مَمْلُوكَةٌ وَّالزَّوْجَ مَالِكٌ وَّلِهٰذَا سُمِّيَتْ مَنْكُوحَةً بِخِلَافِ الْإِبَانَةِ لِأَنَّهَا لِإِزَالَةِ الْوُصْلَةِ وَهِيَ مُشْتَرَكَةٌ بَيْنَهُمَا بِخِلَافِ التَّحْرِيمِ لِأَنَّهُ لِإِزَالَةِ الْحِلِّ وَهُوَ مُشْتَرَكٌ بَيْنَهُمَا فَصَحَّتْ إِضَافَتُهُمَا إِلَيْهِمَا وَلَا تَصِحُّ إِضَافَةُ الطَّلَاقِ إِلَّا إِلَيْهَا.

ترجمہ: [اور جس شخص نے اپنی بیوی سے کہا مجھے تجھ سے طلاق ہے تو یہ کچھ بھی نہیں اگر چہ وہ طلاق کی نیت کرے اور اگر کہے میں تجھ سے جدا ہوں یا کہے میں تجھ پر حرام ہوں اور طلاق کی نیت کرے تو طلاق ہو جائے گی۔۔۔۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: پہلی صورت میں بھی طلاق ہو جائے گی جب نیت کرے]

کیونکہ ملک نکاح میاں بیوی کے درمیان مشترک ہے حتیٰ کہ عورت وطی کا مطالبہ کرنے کی مالک ہے جس طرح مرد مطالبہ کر سکتا ہے کہ وہ (عورت) اپنے آپ کو اس کے سپرد کرے اسی طرح حلت بھی دونوں کے درمیان مشترک ہے اور طلاق ان دونوں کے ازالہ کے لئے مقرر کی گئی ہے تو مرد کی طرف اس کی اضافت بھی صحیح ہے جس طرح عورت کی طرف اس کی اضافت صحیح ہے جیسا کہ ابانت اور تحریم (جدائی اور حرام ہونے میں دونوں طرف اضافت صحیح ہے)

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ طلاق، قید کو زائل کرنے کے لئے ہوتی ہے اور یہ (قید) عورت میں ہوتی ہے مرد میں نہیں کیا تم نہیں دیکھتے کہ عورت ہی کو (دوسرے شخص کے ساتھ) نکاح کرنے اور گھر سے باہر جانے سے منع کیا گیا اور اگر یہ ازالہ

ملک کے لئے بھی ہو تو بھی عورت پر واقع ہوتی ہے کیونکہ وہ مملوکہ اور خاوند مالک ہے اسی لئے اسے منکوحہ کہا جاتا ہے (ناکحہ نہیں کہا جاتا) بخلاف لفظ ابانت کے کہ وہ وصل کے ازالہ کے لئے ہوتا ہے اور وصل ان دونوں کے درمیان مشترک ہوتا ہے اسی طرح تحریم کا مسئلہ بھی اس کے خلاف ہے کیونکہ وہ حلت کے ازالہ کے لئے ہوتا ہے اور وہ بھی ان دونوں کے درمیان مشترک ہے لہٰذا ان دونوں الفاظ کی اضافت دونوں (مرد و عورت) کی طرف صحیح ہے لیکن طلاق کی اضافت صرف عورت کی طرف صحیح ہوتی ہے۔

توضیح: طلاق دینا مرد کا کام ہے ارشاد خداوندی ہے:

بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ [1]

ترجمہ: نکاح کی گرہ مرد کے ہاتھ میں ہے۔

اس لئے طلاق کی اضافت (یعنی جس کو طلاق دی گئی) عورت کی طرف ہوتی ہے اور اسی کے لئے طالق کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ خاوند اپنی بیوی سے کہتا ہے اَنْتِ طَالِقٌ عورت اپنے خاوند سے نہیں کہتی اَنْتَ طَالِقٌ--- لہٰذا جب مرد یہ کہے کہ اَنَا مِنْكِ طَالِقٌ تو ان الفاظ سے طلاق واقع نہیں ہوگی اگرچہ وہ طلاق کی نیت کرے۔

اور اگر یوں کہے: اَنَا مِنْكِ بَائِن (میں تجھ سے جدا ہوں) یا کہے: اَنَا عَلَيْكِ حَرَامٌ (میں تجھ پر حرام ہوں) تو اگر طلاق کی نیت کرے تو طلاق واقع ہو جائے گی۔

نوٹ: نیت کی ضرورت اس لئے ہے کہ یہ کنایہ الفاظ ہیں ان میں نیت کے بغیر طلاق نہیں ہوتی۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پہلی صورت میں بھی طلاق ہو جاتی ہے جب نیت کرے۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ ملک نکاح دونوں (میاں بیوی) کے درمیان مشترک ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ عورت اپنے خاوند سے وطی کا مطالبہ کر سکتی ہے جس طرح خاوند اسے کہہ سکتا ہے کہ وہ وطی کے لئے اپنے آپ کو مرد کے سپرد کرے۔

اسی طرح حلّت (یعنی ایک دوسرے کے لئے حلال ہونا) بھی ان کے درمیان مشترک ہے اور طلاق ان دونوں یعنی ملک نکاح اور حلت کے ازالہ کے لئے وضع کی گئی ہے لہٰذا اس کی اضافت مرد کی طرف سے بھی ہو سکتی ہے (یعنی مرد کو طلاق ہو) جس طرح ابانت اور تحریم میں دونوں کی طرف اضافت ہو سکتی ہے (ان کے الفاظ متن میں گزر چکے ہیں)

احناف کی دلیل

ائمہ احناف رحمہم اللہ فرماتے ہیں:

طلاق اور دیگر الفاظ یعنی ابانت اور تحریم میں فرق ہے۔ کیونکہ طلاق قید کو زائل کرنے کا نام ہے اور وہ عورت میں ہوتی

---

[1] سورۂ بقرہ، آیت: ۲۳۷

ہے مرد میں نہیں اور اگر یہ ازالہ ملک کے لئے بھی ہو تو پھر بھی عورت پر ہی واقع ہوگی کیونکہ عورت مملوکہ ہوتی ہے یعنی مرد کو عورت کی (شرمگاہ کی) ملک حاصل ہوتی ہے اسی لئے خاوند مالک ہوتا ہے اس بات کی دلیل یہ بات بھی ہے کہ عورت کو منکوحہ کہا جاتا ہے (مرد کو ناکح کہتے ہیں منکوح نہیں) یعنی عورت مرد کے نکاح میں آتی ہے مرد، عورت کے نکاح میں نہیں آتا۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے قیاس کا جواب

جہاں تک ابانت اور تحریم کا تعلق ہے تو اس میں دونوں کا اشتراک ہوتا ہے کیونکہ ابانت، وصل کو ختم کرنا ہے اور وصل (ملاپ) دونوں میں ہوتا ہے لہٰذا جس طرح عورت مرد سے جدا ہوتی ہے اسی طرح مرد عورت سے جدا ہوتا ہے۔

اور تحریم، حلت کو زائل کرنے کا نام اور حلت بھی دونوں میں مشترک ہوتی ہے یعنی نکاح کے ذریعے وہ دونوں ایک دوسرے کے لئے حلال ہوتے ہیں تو لفظ حرام بولنے سے دونوں ایک دوسرے کے لئے حرام ہو جاتے ہیں۔

اس لئے ان دونوں لفظوں (ابانت اور تحریم) کی اضافت دونوں کی طرف ہوسکتی ہے۔

لیکن طلاق کی اضافت صرف عورت کی طرف ہوسکتی ہے۔

''تجھے ایک طلاق ہے یا نہیں'' کے الفاظ استعمال کرنا

(۳۸): [وَلَوْ قَالَ: اَنْتِ طَالِقٌ وَّاحِدَةً اَوْ لَا فَلَيْسَ بِشَيْئٍ].

قَالَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: هٰكَذَا ذَكَرَ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيْرِ مِنْ غَيْرِ خِلَافٍ، وَهٰذَا قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَاَبِيْ يُوْسُفَ آخِرًا.

وَعَلٰى قَوْلِ مُحَمَّدٍ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ يُوْسُفَ اَوَّلًا تَطْلُقُ وَاحِدَةً رَجْعِيَّةً. ذُكِرَ قَوْلُ مُحَمَّدٍ فِيْ كِتَابِ الطَّلَاقِ فِيْمَا اِذَا قَالَ لِامْرَاَتِهٖ: اَنْتِ طَالِقٌ وَّاحِدَةً اَوْ لَا شَيْئَ. وَلَا فَرْقَ بَيْنَ الْمَسْاَلَتَيْنِ. وَلَوْ كَانَ الْمَذْكُوْرُ هَاهُنَا قَوْلَ الْكُلِّ فَعَنْ مُحَمَّدٍ رِوَايَتَانِ. لَهٗ اَنَّهٗ اَدْخَلَ الشَّكَّ فِي الْوَاحِدَةِ لِدُخُوْلِ كَلِمَةِ "اَوْ" بَيْنَهَا وَبَيْنَ النَّفْيِ فَيَسْقُطُ اعْتِبَارُ الْوَاحِدَةِ وَيَبْقٰى قَوْلُهٗ اَنْتِ طَالِقٌ. بِخِلَافِ قَوْلِهٖ اَنْتِ طَالِقٌ اَوْ لَا لِاَنَّهٗ اَدْخَلَ الشَّكَّ فِيْ اَصْلِ الْاِيْقَاعِ فَلَا يَقَعُ.

وَلَهُمَا اَنَّ الْوَصْفَ مَتٰى قُرِنَ بِالْعَدَدِ كَانَ الْوُقُوْعُ بِذِكْرِ الْعَدَدِ؛ اَلَا تَرٰى اَنَّهٗ لَوْ قَالَ لِغَيْرِ الْمَدْخُوْلِ بِهَا: اَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا تَطْلُقُ ثَلَاثًا. وَلَوْ كَانَ الْوُقُوْعُ بِالْوَصْفِ لَلَغَا ذِكْرُ الثَّلَاثِ. وَهٰذَا لِاَنَّ الْوَاقِعَ فِي الْحَقِيْقَةِ اِنَّمَا هُوَ الْمَنْعُوْتُ الْمَحْذُوْفُ مَعْنَاهُ اَنْتِ طَالِقٌ تَطْلِيْقَةً وَاحِدَةً عَلٰى مَا مَرَّ. وَاِذَا كَانَ الْوَاقِعُ مَا كَانَ الْعَدَدُ نَعْتًا لَهٗ كَانَ الشَّكُّ دَاخِلًا فِيْ اَصْلِ الْاِيْقَاعِ فَلَا يَقَعُ شَيْئٌ.

ترجمہ: [اور اگر خاوند نے کہا تجھے ایک طلاق ہے یا نہیں تو کچھ بھی واقع نہیں ہوگی]

(حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں "الجامع الصغیر" میں اسی طرح اختلاف کے بغیر ذکر کیا ہے اور یہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا دوسرا قول بھی یہی ہے۔

اور حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول اور حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا پہلا قول یہ ہے کہ ایک طلاق رجعی واقع ہو جائے گی۔ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ کا قول "کتاب الطلاق" میں ذکر کیا گیا کہ جب خاوند نے اپنی بیوی سے کہا: "تجھے ایک طلاق ہے یا کوئی چیز نہیں" اور دونوں مسئلوں میں کوئی فرق نہیں۔

اور اگر یہاں مذکور تمام کا قول ہو تو حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے دو روایتیں ہیں۔

آپ کی دلیل یہ ہے کہ خاوند نے لفظ واحدۃ میں شک داخل کر دیا کیونکہ اس نے کلمہ "او" اس (واحدہ) اور نفی کے درمیان داخل کیا پس واحدۃ (ایک) کا اعتبار ساقط ہو گیا اور اَنْتِ طَالِقٌ باقی رہ گیا۔

بخلاف اس کے جب کہے اَنْتِ طَالِقٌ اَوْلَا (تجھے طلاق ہے یا نہیں کیونکہ اس نے (عدد کی بجائے) اصل کو واقع کرنے میں شک داخل کر دیا پس طلاق واقع نہیں ہوگی۔

حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام ابو یوسف رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ جب وصف کو عدد کے ساتھ ملایا جائے تو وقوع ذکر عدد کے ساتھ ہوتا ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر غیر مدخول بہا سے کہے: اَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا (تجھے تین طلاقیں ہیں) تو تینوں واقع ہو جائیں گی۔ اگر صرف وصف کے ساتھ طلاق واقع ہوتی تو تین کا ذکر لغو ہو جاتا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ حقیقت میں جو چیز واقع ہوتی ہے وہ موصوف محذوف ہے معنیٰ یہ ہے کہ تو ایک طلاق کے ساتھ طلاق والی ہے جیسا کہ پہلے گزر گیا ہے۔

اور اگر وہ طلاق واقع ہو جس کی صفت عدد ہے تو اصل طلاق دینے میں شک ہوگا لہٰذا کچھ بھی واقع نہیں ہوگا۔

توضیح: اگر خاوند نے طلاق دیتے ہوئے شک کے ساتھ ذکر کیا اور اس کے ساتھ عدد (واحدۃ) بھی ذکر کیا۔

جیسے: اَنْتِ طَالِقٌ وَّاحِدَۃً اَوْلَا تجھے ایک طلاق ہے یا نہیں تو یہاں دو باتیں ہیں ایک یہ کہ طلاق کی نفی ہے دوسری بات یہ کہ طلاق کی نفی نہیں بلکہ عدد یعنی ایک کی نفی ہے۔

جامع صغیر میں مذکور ہے کہ بلا اختلاف سب کے نزدیک طلاق واقع نہیں ہوگی لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس میں اختلاف ہے صاحب ہدایہ فرماتے ہیں: یہ قول کہ طلاق واقع نہیں ہوگی حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ کا دوسرا قول بھی یہی ہے جبکہ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک رجعی طلاق واقع ہو جائے گی اور حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا پہلا قول بھی یہی ہے۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں: اگر یہاں مذکور سب کا قول ہو تو حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے دو روایتیں ہوں گی یعنی ایک روایت کے مطابق طلاق واقع نہیں ہوگی اور دوسری روایت کے مطابق ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ طلاق کے وقوع پر یہ دلیل دیتے ہیں کہ شک لفظ واحد پر داخل ہے کیونکہ کلمہ (جو شک کے لئے ہے) واحدۃ اور نفی کے درمیان ہے لہٰذا ایک کی نفی ہوگی اور اس کا قول "اَنْتِ طَالِقٌ" باقی رہے اور ایک طلاق رجعی واقع ہو جائے گی۔

اور اگر وہ کہے: اَنْتِ طَالِقٌ اَوْلَا (تجھے طلاق ہے یا نہیں) تو یہاں طلاق اور اس کی نفی کے درمیان شک ہے لہٰذا طلاق واقع نہیں ہوگی۔

شیخین کی دلیل

حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام ابو یوسف رحمہما اللہ (ان کو شیخین کہتے ہیں) فرماتے ہیں:

اگر وصف (مثلاً طالق) عدد کے ساتھ ملا ہو تو ذکرِ عدد کے ساتھ وقوع ہوتا ہے اس کی مثال یہ ہے کہ اگر غیر مدخول عورت کو کہا: "اَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا" تو اسے تین طلاقیں ہو جائیں گی۔

اور اگر صرف وصف (یعنی طالق) کے ساتھ طلاق ہوتی تو تین کا لفظ لغو ہو جاتا۔

اس کی وجہ بتاتے ہوئے صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

حقیقت میں یہاں موصوف محذوف ہے اور وہ تَطْلِیْقَةً ہے اور وَاحِدَةً اس کا وصف ہے اور حقیقتاً اسی کا وقوع ہوتا ہے یعنی ایک طلاق واقع ہوتی ہے کیونکہ صفت لفظ واحدۃ ہے تو جب وہ طلاق واقع ہوگی جس کی صفت عدد ہے تو شک اصل طلاق کے واقع ہونے اور نہ ہونے میں ہوگا اور شک کی وجہ سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

طلاق کی نسبت اپنی یا بیوی کی موت کی طرف کرنا

(۳۹): [وَلَوْ قَالَ: اَنْتِ طَالِقٌ مَعَ مَوْتِیْ اَوْ مَعَ مَوْتِكِ فَلَيْسَ بِشَيْءٍ] لِاَنَّهٗ اَضَافَ الطَّلَاقَ اِلٰی حَالَةٍ مُنَافِيَةٍ لَهٗ لِاَنَّ مَوْتَهٗ يُنَافِي الْاَهْلِيَّةَ وَمَوْتَهَا يُنَافِي الْمَحَلِّيَّةَ وَلَا بُدَّ مِنْهُمَا.

ترجمہ: [اور اگر خاوند نے کہا تجھے میری موت کے ساتھ یا کہا تیری موت کے ساتھ طلاق ہے تو اس سے کچھ بھی نہیں ہوگا] کیونکہ اس نے طلاق کی اضافت اس حالت کی طرف کی ہے جو طلاق کے منافی ہے اس لئے کہ مرد کی موت اہلیت کے منافی ہے اور عورت کی موت (طلاق کا) محل ہونے کے منافی ہے جبکہ ان دونوں کا ہونا ضروری ہے۔

توضیح: طلاق دینا زندہ شخص کا کام ہے اور جس پر طلاق واقع ہو یعنی طلاق کا محل عورت کا طلاق کے وقت زندہ ہونا ضروری ہے گویا طلاق کے وقت اہلیت اور محلیت ضروری ہے کیونکہ طلاق، نکاح پر واقع ہوتی اور مرنے کے ساتھ ہی نکاح ختم ہو جاتا ہے لہٰذا مرد طلاق دینے کا اہل اور عورت طلاق کا محل نہیں رہتی۔

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہاں طلاق، موت کے ساتھ معلق (مشروط) ہے اس لئے موت شرط ہو جائے گی جس طرح کہا جائے أَنْتِ طَالِقٌ مَعَ دُخُولِكِ الدَّارَ تو گھر میں داخل ہونا طلاق کے لئے شرط ہوگا اور جزاء شرط کے بعد آتی ہے لہٰذا یہ طلاق موت کے بعد ہوگی۔ ❶

جب شوہر یا بیوی ایک دوسرے کے مالک بن جائیں

(۴۰): [وَإِذَا مَلَكَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ أَوْ شِقْصًا مِنْهَا أَوْ مَلَكَتْ الْمَرْأَةُ زَوْجَهَا أَوْ شِقْصًا مِنْهُ وَقَعَتْ الْفُرْقَةُ] لِلْمُنَافَاةِ بَيْنَ الْمِلْكَيْنِ.

أَمَّا مِلْكُهَا إِيَّاهُ فَلِلِاجْتِمَاعِ بَيْنَ الْمَالِكِيَّةِ وَالْمَمْلُوكِيَّةِ. وَأَمَّا مِلْكُهُ إِيَّاهَا فَلِأَنَّ مِلْكَ النِّكَاحِ ضَرُورِيٌّ وَلَا ضَرُورَةَ مَعَ قِيَامِ مِلْكِ الْيَمِينِ فَيَنْتَفِي النِّكَاحُ

[وَلَوْ اشْتَرَاهَا ثُمَّ طَلَّقَهَا لَمْ يَقَعْ شَيْءٌ] لِأَنَّ الطَّلَاقَ يَسْتَدْعِي قِيَامَ النِّكَاحِ. وَلَا بَقَاءَ لَهُ مَعَ الْمُنَافِي لَا مِنْ وَجْهٍ وَلَا مِنْ كُلِّ وَجْهٍ. وَكَذَا إِذَا مَلَكَتْهُ أَوْ شِقْصًا مِنْهُ لَا يَقَعُ الطَّلَاقُ لِمَا قُلْنَا مِنْ الْمُنَافَاةِ.

وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهُ يَقَعُ لِأَنَّ الْعِدَّةَ وَاجِبَةٌ.

بِخِلَافِ الْفَصْلِ الْأَوَّلِ لِأَنَّهُ لَا عِدَّةَ هُنَاكَ حَتَّى حَلَّ وَطْؤُهَا لَهُ.

[اور جب مرد اپنی بیوی یا اس کے کسی حصے کا مالک بن جائے یا عورت اپنے خاوند یا اس کے کسی حصے کی مالک بن جائے تو ان کے درمیان جدائی ہو جائے گی]

کیونکہ دو قسم کی ملک (ملک یمین اور ملک نکاح) ایک دوسری کے منافی ہیں۔

جہاں تک عورت کے مرد کا مالک ہونے کا تعلق ہے تو مالکیت اور مملوکیت کا اجتماع ہے اور مرد کے عورت کا مالک بننے کی صورت میں ملک نکاح ضرورت کے تحت ہوتی ہے اور ملک یمین قائم ہونے کی صورت میں اس کی ضرورت نہیں لہٰذا نکاح کی نفی ہو جائے گی۔

[اور اگر مرد نے اسے (اپنی بیوی کو) خریدا پھر اسے طلاق دی تو کچھ بھی واقع نہیں ہوگا]

کیونکہ طلاق، قیام نکاح کا تقاضا کرتی ہے اور جب اس کا منافی (ملک یمین) پایا جائے تو نکاح باقی نہیں رہے گا نہ تو کسی ایک وجہ سے اور نہ تمام وجوہ سے۔

اسی طرح جب عورت اپنے خاوند (کے کل) یا بعض حصے کی مالک ہو جائے تو طلاق نہیں ہوگی جیسا کہ ہم نے کہا کہ

❶ عینی شرح ہدایہ، جلد: ۲، ص: ۲۴۶

6

دونوں قسموں کی ملک میں منافات ہے۔

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ عدت واجب ہے۔

بخلاف پہلی صورت کے کہ وہاں عدت نہیں حتیٰ کہ اس مرد کے لئے اس سے وطی جائز ہے۔

توضیح: اس مسئلہ کا تعلق غلامی کے دور سے ہے اس دور میں اس کی ضرورت نہیں تاہم اسے سمجھنے میں کوئی حرج نہیں۔

اس کی تفصیل یوں ہے کہ

غلامی کی صورت میں مالک اپنے غلام یا لونڈی پر مکمل ملکیت رکھتا ہے وہ مالک مرد ہو یا عورت اور غلام یا لونڈی کے کوئی حقوق نہیں ہوتے اسے ملک یمین کہتے ہیں۔

نکاح کی صورت میں جس طرح مرد کے عورت کے ذمہ حقوق ہوتے ہیں اسی طرح عورت کے مرد کے ذمہ بھی حقوق ہوتے ہیں ارشاد خداوندی ہے:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ ❶

ترجمہ: اور ان عورتوں کے لئے اسی طرح حقوق ہیں جس طرح ان کے ذمہ (مرد کے حقوق) ہیں۔

لہٰذا ملک نکاح اور ملک یمین ایک دوسرے کی ضد ہیں اب صورت مسئلہ یہ کہ کوئی عورت کسی شخص کے نکاح میں ہو اور کسی دوسرے آدمی کی لونڈی ہو پھر وہ خاوند اسے خریدے تو دونوں کے درمیان جدائی ہو جائے گی۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ملک نکاح ضرورت کے تحت ہوتی ہے تاکہ وہ اس سے وطی کر سکے اور وہ صرف ملک بضع (شرمگاہ کی ملک) ہوتی ہے جب اس نے اپنی بیوی کو خریدا تو وہ اس کے تمام وجود کا مالک ہو گیا لہٰذا نکاح کی ضرورت نہ رہی اور نکاح ختم ہو گیا اگر عورت اپنے خاوند کو خریدے جو کسی دوسرے شخص کا غلام ہے تو اس صورت میں بھی تفریق ہو جائے گی کیونکہ ایک اعتبار سے وہ اس کی مالکہ ہو گی کیونکہ وہ اس کا غلام ہے اور دوسرے اعتبار سے وہ اس کی مملوکہ ہو گی کیونکہ وہ اس کی بیوی ہے اور مالکیت اور مملوکیت جمع نہیں ہو سکتیں لہٰذا نکاح ختم ہو جائے گا۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر مرد اپنی بیوی کو خریدنے کے بعد طلاق دے تو طلاق واقع نہیں ہو گی کیونکہ طلاق، نکاح کا تقاضا کرتی ہے اور نکاح ختم ہو چکا ہے کیونکہ اب ملک نکاح کی جگہ ملک یمین حاصل ہو گئی۔

اسی طرح اگر عورت اپنے خاوند کے کل یا بعض کی مالک ہو جائے تو بھی نکاح ختم ہو گیا لہٰذا اب طلاق غیر موثر ہو گی۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف اور دلیل

آپ فرماتے ہیں: اگر عورت خاوند کو خریدے تو وہ طلاق دے سکتا ہے کیونکہ عورت پر عدت واجب ہے لیکن پہلی صورت میں یعنی جب خاوند خریدے تو وہاں عدت واجب نہیں ہوتی وہ اس سے وطی کر سکتا ہے لہٰذا پہلی صورت میں طلاق نہیں ہو گی دوسری صورت میں (جب عورت اس کی مالک ہو) طلاق ہو جائے گی۔

❶ سورۂ بقرہ، آیت: ۲۲۸

لونڈی کو دو طلاقیں اس طرح دینا کہ اس کے ساتھ مولیٰ اس کو آزاد کرے

(۴۱): [وَلَوْ قَالَ لَهَا وَهِيَ اَمَةٌ لِغَيْرِهٖ: اَنْتِ طَالِقٌ ثِنْتَيْنِ مَعَ عِتْقِ مَوْلَاكِ اِيَّاكِ فَاَعْتَقَهَا مَوْلَاهَا مَلَكَ الزَّوْجُ الرَّجْعَةَ] لِاَنَّهٗ عَلَّقَ التَّطْلِيْقَ بِالْاِعْتَاقِ اَوِ الْعِتْقِ لِاَنَّ اللَّفْظَ يَنْتَظِمُهُمَا وَالشَّرْطُ مَا يَكُوْنُ مَعْدُوْمًا عَلٰى خَطَرِ الْوُجُوْدِ وَلِلْحُكْمِ تَعَلُّقٌ بِهٖ وَالْمَذْكُوْرُ بِهٰذِهِ الصِّفَةِ وَالْمُعَلَّقُ بِهِ التَّطْلِيْقُ لِاَنَّ فِي التَّعْلِيْقَاتِ يَصِيْرُ التَّصَرُّفُ تَطْلِيْقًا عِنْدَ الشَّرْطِ عِنْدَنَا. وَاِذَا كَانَ التَّطْلِيْقُ مُعَلَّقًا بِالْاِعْتَاقِ اَوِ الْعِتْقِ يُوْجَدُ بَعْدَهٗ ثُمَّ الطَّلَاقُ يُوْجَدُ بَعْدَ التَّطْلِيْقِ فَيَكُوْنُ الطَّلَاقُ مُتَاَخِّرًا عَنِ الْعِتْقِ فَيُصَادِفُهَا وَهِيَ حُرَّةٌ فَلَا تَحْرُمُ حُرْمَةً غَلِيْظَةً بِالثِّنْتَيْنِ.

بَقِيَ شَيْءٌ وَّهُوَ اَنَّ كَلِمَةَ مَعَ لِلْقِرَانِ.

قُلْنَا: قَدْ تُذْكَرُ لِلتَّاَخُّرِ كَمَا فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى: ﴿اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا﴾.

اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا) فَتُحْمَلَ عَلَيْهِ بِدَلِيْلِ مَا ذَكَرْنَا مِنْ مَعْنَى الشَّرْطِ.

ترجمہ: [اور اگر مرد اپنی بیوی سے جو کسی دوسرے شخص کی لونڈی ہو کہے کہ تیرے مولیٰ کے تجھے آزاد کرنے کے ساتھ تجھے دو طلاقیں ہیں پس مولیٰ نے اسے آزاد کر دیا تو خاوند رجوع کا مالک ہو جائے گا]

کیونکہ اس نے طلاق کو آزاد کرنے یا آزادی کے ساتھ معلق کیا کیونکہ لفظ (عتق) ان دونوں (آزاد کرنے یا آزادی) کو شامل ہے اور شرط معدوم ہوتی ہے لیکن اس کے پائے جانے کا امکان ہوتا ہے اور حکم کا اس کے ساتھ تعلق ہوتا ہے اور جو کچھ ذکر کیا گیا وہ اسی صفت پر ہے اور اس (آزادی) کے ساتھ معلق تطلیق (طلاق دینا) ہے کیونکہ تعلیقات (شرائط کے تعلق) میں ہمارے نزدیک اس کا عمل شرط کے وقت تطلیق بنے گا، اور جب تطلیق، آزاد کرنے یا آزادی کے ساتھ معلق ہے تو وہ اس (آزادی) کے بعد واقع ہوگی لہٰذا طلاق، آزادی سے موخر ہوگی پس وہ اس وقت اس کے ساتھ ملے گی جب وہ آزاد ہوگی لہٰذا دو طلاقوں کے ساتھ حرمت غلیظہ (طلاق مغلظہ) نہیں ہوگی۔

یہاں ایک اور بات باقی ہے کہ کلمہ مع ملانے کے لئے آتا ہے ہم کہتے ہیں بعض اوقات تاخر (پیچھے آنے) کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے جیسے ارشاد خداوندی ہے:

اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا [1]

ترجمہ: بے شک تنگی کے بعد آسانی ہے۔

لہٰذا اس پر محمول ہے اس کی دلیل وہ ہے جو ہم نے شرط کا معنی ذکر کیا ہے۔

[1] سورۂ نشرح، آیت: ۵

توضیح: کوئی عورت کسی کی لونڈی ہو اور دوسرے شخص کے نکاح میں ہو اور وہ اسے اس طرح دو طلاقیں دے کہ ان کو اس کی آزادی یا آزاد کرنے سے معلق کرے یعنی یوں کہے کہ جب تیرا مولیٰ تجھے آزاد کرے تو تجھے دو طلاقیں ہیں لیکن اس کے لئے کلمہ **مع** استعمال کرے جس کا معنیٰ کسی چیز کے ساتھ ہونا ہے۔

ائمہ کرام فرماتے ہیں کہ جب اس کا مولیٰ اسے آزاد کرے تو خاوند رجوع کر سکتا ہے کیونکہ اس نے طلاق کو آزاد کرنے یا آزادی کے ساتھ معلق (مشروط) کیا کیونکہ اس نے **مع عتق** کہا اور **عتق** کا لفظ **اعتاق** (آزاد کرنے) اور **عتق** (آزادی) دونوں کو شامل ہے۔

اور شرط ایک ایسی چیز ہے جو ابھی معدوم ہوتی ہے لیکن وہ وجود میں آسکتی ہے اور جب وہ وجود میں آتی ہے تو حکم جو اس کے ساتھ معلق ہوتا ہے پایا جاتا ہے۔

لہٰذا جب اسے آزاد کر دیا گیا تو شرط پائی گئی اب تطلیق یعنی طلاق دینا پایا گیا اور اسے طلاق رجعی ہو گی جس میں رجوع ہوتا ہے۔

نوٹ: رجوع کا حق اس لئے ہے کہ وہ طلاق سے پہلے آزاد ہو گئی اور آزاد عورت کو جب تک تین طلاقیں نہ دی جائیں عدت کے اندر رجوع ہو سکتا ہے۔

جبکہ لونڈی کی کل طلاقیں دو ہوتی ہیں اور جب دو پائی جائیں تو رجوع نہیں کیونکہ وہ دو طلاقوں کے ذریعے مغلظہ ہو جاتی ہے اور چونکہ یہ عورت آزاد ہے لہٰذا دو طلاقیں رجعی ہوں گی۔

لفظ مع کی وضاحت

اگر کہا جائے کہ لفظ مع، معیت کے لئے آتا ہے لہٰذا آزادی اور طلاق ساتھ ساتھ ہوں گے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ بعض اوقات مع کسی چیز کے موخر ہونے کے لئے بھی آتا ہے جیسا کہ آیت کریمہ ذکر کی گئی اس میں یہ بتایا گیا کہ تنگی پہلے اور اس کے بعد آسانی ہے اسی طرح آزادی پہلے اور طلاق بعد میں ہو گی۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ آزادی شرط ہے اور شرط پہلے ہوتی اس کے بعد جزاء آتی ہے۔

آزادی اور طلاق کو ایک ہی وقت کی طرف منسوب کرنا

(۴۲): [وَلَوْ قَالَ: إِذَا جَاءَ غَدٌ فَأَنْتِ طَالِقٌ ثِنْتَيْنِ وَقَالَ الْمَوْلٰى: إِذَا جَاءَ غَدٌ فَأَنْتِ حُرَّةٌ فَجَاءَ الْغَدُ لَمْ تَحِلَّ لَهُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ وَعِدَّتُهَا ثَلَاثُ حِيَضٍ، وَهٰذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَ وَأَبِي يُوْسُفَ. وَقَالَ مُحَمَّدٌ: زَوْجُهَا يَمْلِكُ الرَّجْعَةَ] عَلَيْهَا، لِأَنَّ الزَّوْجَ قَرَنَ الْإِيقَاعَ بِإِعْتَاقِ الْمَوْلٰى حَيْثُ عَلَّقَهُ بِالشَّرْطِ الَّذِي عَلَّقَ بِهِ الْمَوْلَى الْعِتْقَ، وَإِنَّمَا يَنْعَقِدُ الْمُعَلَّقُ سَبَبًا عِنْدَ

الشَّرْطِ وَالْعِتْقُ يُقَارِنُ الْإِعْتَاقَ لِاَنَّهُ عِلَّتُهُ اَصْلُهُ الْاِسْتِطَاعَةُ مَعَ الْفِعْلِ فَيَكُوْنَ التَّطْلِيْقُ مُقَارِنًا لِلْعِتْقِ ضَرُوْرَةً فَتَطْلُقُ بَعْدَ الْعِتْقِ فَصَارَ كَالْمَسْاَلَةِ الْاُوْلٰى وَلِهٰذَا تُقَدَّرُ عِدَّتُهَا بِثَلَاثِ حِيَضٍ.

وَلَهُمَا اَنَّهُ عَلَّقَ الطَّلَاقَ بِمَا عَلَّقَ بِهِ الْمَوْلَى الْعِتْقَ ثُمَّ الْعِتْقُ يُصَادِفُهَا وَهِيَ اَمَةٌ فَكَذَا الطَّلَاقُ وَالطَّلْقَتَانِ تُحَرِّمَانِ الْاَمَةَ حُرْمَةً غَلِيْظَةً. بِخِلَافِ الْمَسْاَلَةِ الْاُوْلٰى لِاَنَّهُ عَلَّقَ التَّطْلِيْقَ بِاِعْتَاقِ الْمَوْلٰى فَيَقَعُ الطَّلَاقُ بَعْدَ الْعِتْقِ عَلٰى مَا قَرَّرْنَاهُ. وَبِخِلَافِ الْعِدَّةِ لِاَنَّهُ يُؤْخَذُ فِيْهَا بِالْاِحْتِيَاطِ. وَكَذَا الْحُرْمَةُ الْغَلِيْظَةُ يُؤْخَذُ فِيْهَا بِالْاِحْتِيَاطِ. وَلَاوَجْهَ اِلٰى مَا قَالَ لِاَنَّ الْعِتْقَ لَوْ كَانَ يُقَارِنُ الْاِعْتَاقَ لِاَنَّهُ عِلَّتُهُ فَالطَّلَاقُ يُقَارِنُ التَّطْلِيْقَ لِاَنَّهُ عِلَّتُهُ فَيَقْتَرِنَانِ.

ترجمہ: [اور اگر خاوند کہے کہ جب کل آئے تو تجھے دو طلاقیں ہوں گی اور مولیٰ کہے کہ جب کل آئے تو تو آزاد ہے تو وہ (دوبارہ) اس کے لئے حلال نہیں ہوگی جب تک کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کرے اور اس کی عدت تین حیض ہوں گے یہ حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک ہے۔ اور حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس کا خاوند رجوع کا مالک ہوگا]۔

کیونکہ خاوند نے طلاق واقع کرنے کو مولیٰ کے اسے (عورت کو) آزاد کرنے کے ساتھ ملایا کہ اسے اس شرط کے ساتھ معلق کیا جس کے ساتھ مولیٰ نے آزادی کو معلق کیا اور معلق (مشروط) شرط پائے جانے کے وقت منعقدہ ہوتا ہے اور آزادی، آزاد کرنے کے ساتھ مشروط ہے کیونکہ وہ اس کی علت ہے جس کی اصل فعل کے ساتھ استطاعت ہے لہٰذا طلاق دینا لازمی طور پر آزادی کے ساتھ ملا ہوگا لہٰذا آزادی کے بعد اسے طلاق ہوگی جس طرح گزشتہ مسئلہ میں ہے اس لئے اس کی علت کا اندازہ تین حیض ہوں گے۔

شیخین (حضرت امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ) کی دلیل یہ ہے کہ اس نے طلاق کو اس چیز سے معلق کیا جس کے ساتھ مولیٰ نے آزادی کو معلق کیا۔

پھر آزادی اس وقت ہوگی جب وہ لونڈی تھی اسی طرح طلاق بھی (اس وقت ہوگی جب وہ لونڈی تھی)
اور دو طلاقیں لونڈی کو حرمت غلیظہ کے ساتھ حرام کر دیتی ہیں۔

بخلاف پہلے مسئلہ کے، کیونکہ اس نے طلاق دینے کو مولیٰ کے آزاد کرنے سے معلق کیا لہٰذا آزادی کے بعد طلاق ہوگی جس طرح ہم نے بیان کیا بخلاف عدت کے کیونکہ اس میں احتیاط سے کام لیا جاتا ہے اسی طرح حرمت غلیظہ میں بھی احتیاط سے کام لیا جاتا ہے اور جو کچھ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ اگر آزادی آزاد کرنے کے ساتھ ملی ہو اس بنیاد پر کہ وہ اس کی علت ہے تو طلاق، طلاق دینے کے ساتھ ملی ہوگی کیونکہ وہ اس کی علت ہے لہٰذا دونوں مل جائیں گے۔

توضیح: جب بیوی کسی دوسرے شخص کی لونڈی ہو اور خاوند اس کی طلاق کو کل آنے والے دن سے معلق کرے اور اس کا مولیٰ اس کی آزادی کو کل آنے والے دن سے معلق کرے (جیسے ترجمہ میں گزر گیا ہے)

تو طلاق اور آزادی دونوں کا ایک ہی وقت ہوگا یعنی کل کا دن آتے ہی وہ آزاد بھی ہو جائے گی اور اسے طلاق بھی ہو جائے گی اور چونکہ خاوند نے دو طلاقوں کا ذکر کیا ہے اس لئے دیکھنا یہ ہے کہ وہ طلاق آزادی کی صورت میں واقع ہوئی یا اس کے لونڈی ہونے کی صورت میں، کیونکہ اگر طلاق کے وقوع سے پہلے وہ آزاد ہو چکی ہے تو اب خاوند رجوع کر سکتا ہے کیونکہ طلاق مغلظہ نہیں ہوئی۔

اور اگر وقوع طلاق کے وقت وہ لونڈی ہی تھی تو اب خاوند رجوع نہیں کر سکتا کیونکہ لونڈی دو طلاقوں سے طلاق مغلظہ کے ساتھ بائن ہو جاتی ہے جبکہ آزاد عورت تین طلاقوں کے ساتھ بائن مغلظہ ہوتی ہے دو طلاقوں کی صورت میں رجوع ہو سکتا ہے۔

شیخین اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف

اس مسئلہ میں شیخین اور حضرت امام محمد (رحمہم اللہ) کے درمیان اختلاف ہے شیخین فرماتے ہیں کہ وہ عورت حلالہ کے بغیر اس کے لئے حلال نہیں یعنی رجوع نہیں کر سکتا ان کی دلیل یہ ہے کہ چونکہ طلاق اور عتاق (آزادی) ایک ہی وقت سے معلق ہیں لہٰذا جب طلاق واقع ہوئی تو وہ لونڈی تھی اور لونڈی کی دو طلاقیں مغلظہ ہوتی ہیں۔

سوال: گزشتہ مسئلہ میں آپ نے فرمایا تھا کہ رجوع ہو سکتا ہے؟

جواب: وہاں طلاق، آزادی کے ساتھ مشروط تھی اس لئے طلاق جب واقع ہوئی تو وہ آزاد ہو چکی تھی۔

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس کا خاوند رجوع کر سکتا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ خاوند نے طلاق کا واقع کرنا مولیٰ کے آزاد کرنے کے ساتھ ملایا کیونکہ دونوں کے لئے ایک ہی شرط ہے اور وہ کل کا دن ہے اور جس کام کو شرط کے ساتھ معلق کیا جائے وہ اس وقت (حکم کا) سبب بنتا ہے جب شرط پائی جائے اور آزادی، آزاد کرنے سے متصل ہوتی ہے یعنی آزاد کرتے ہی آزادی حاصل ہو جاتی ہے کیونکہ وہ (آزاد کرنا) آزادی کی علت ہے اور جمہور کے نزدیک علت اور معلول باہم ملے ہوتے ہیں اور قاعدہ یہ ہے کہ استطاعت فعل کے ساتھ ملی ہوتی ہے یعنی وہ استطاعت (طاقت) جس کے ساتھ فعل حاصل ہوتا ہے وہ فعل سے پہلے نہیں ہوتی ◆ کیونکہ فعل اس کا معلول ہوتا ہے مطلب یہ ہے کہ استطاعت علت کی طرح اور فعل معلول کی طرح ہے لہٰذا حکم میں ملے ہوں گے لہٰذا تطلیق (طلاق دینا) آزادی سے متصل ہوگا (کیونکہ اعتاق اور آزادی متصل ہیں) لہٰذا طلاق آزادی کے بعد واقع ہوگی اور وہ رجوع کر سکتا ہے اس لئے یہ پہلے مسئلہ کی طرح ہو گیا۔

◆ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگر استطاعت فعل سے پہلے ہو تو یا تو وہ فعل کے زمانے تک باقی رہے گی یا نہیں تو پہلی صورت میں عرض، عرض کے ساتھ قائم ہوگا اور دوسری صورت میں لازم آئے گا کہ فعل قدرت کے بغیر حاصل ہو اور یہ محال ہے اسی طرح اعتاق، عتق سے پہلے نہیں ہوتا کیونکہ اس کا معلول ہے۔ (عینی شرح ہدایہ، جلد: ۴، ص: ۲۴۸، ۱۲ ہزاروی)

عدت کا مسئلہ

دونوں فریقوں کے نزدیک ایسی عورت کی عدت تین حیض ہوگی۔ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تو واضح ہے کہ جب آزادی کے بعد طلاق ہوئی تو آزاد عورت کی عدت تین حیض ہوتے ہیں۔

شیخین کے نزدیک تین حیض بطور احتیاط ہیں حالانکہ لونڈی کی عدت دو حیض ہوتی ہے اور ان کے نزدیک طلاق کے وقت وہ لونڈی تھی اسی طرح انہوں نے طلاق کو بھی مغلظہ قرار دیا تو احتیاط کا پہلو سامنے رکھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم رجوع کی اجازت دیں اور حقیقتاً طلاق مغلظہ ہو چکی ہو۔

لہٰذا شیخین کا اسے طلاق کے وقت لونڈی قرار دینا اور دو طلاقوں کے بعد مغلظہ قرار دینا نیز تین حیض عدت واجب کرنا احتیاط کا تقاضا ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کو جواب

آپ نے فرمایا کہ اعتاق (علت) اور عتق معلول ہے اور دونوں باہم ملے ہوئے ہیں لہٰذا تطلیق (طلاق دینے) کے وقت وہ عورت آزاد ہوگی۔

شیخین فرماتے ہیں: یہ بات درست نہیں کیونکہ اگر عتق، اعتاق سے ملا ہو کہ وہ اس کی علت ہے تو طلاق تطلیق سے ملی ہوگی کیونکہ وہ اس کی علت ہے تو دونوں کا حکم ایک ہوگا۔

فَصْلٌ فِيْ تَشْبِيْهِ الطَّلَاقِ وَوَصْفِهٖ

طلاق کو کسی چیز سے تشبیہ دینا اور اس کا وصف بیان کرنا

(۴۳): [وَمَنْ قَالَ لِامْرَاَتِهٖ : اَنْتِ طَالِقٌ هٰكَذَا يُشِيْرُ بِالْاِبْهَامِ وَالسَّبَّابَةِ وَالْوُسْطٰى فَهِيَ ثَلَاثٌ] لِاَنَّ الْاِشَارَةَ بِالْاَصَابِعِ تُفِيْدُ الْعِلْمَ بِالْعَدَدِ فِيْ مَجْرَى الْعَادَةِ اِذَا اقْتَرَنَتْ بِالْعَدَدِ الْمُبْهَمِ. قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ: «اَلشَّهْرُ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَهٰكَذَا» اَلْحَدِيْثَ. وَاِنْ اَشَارَ بِوَاحِدَةٍ فَهِيَ وَاحِدَةٌ. وَاِنْ اَشَارَ بِثِنْتَيْنِ فَهِيَ ثِنْتَانِ لِمَا قُلْنَا. وَالْاِشَارَةُ تَقَعُ بِالْمَنْشُوْرَةِ مِنْهَا. وَقِيْلَ: اِذَا اَشَارَ بِظُهُوْرِهَا فَبِالْمَضْمُوْمَةِ مِنْهَا.

وَاِذَا كَانَ تَقَعُ الْاِشَارَةُ بِالْمَنْشُوْرَةِ مِنْهَا فَلَوْ نَوَى الْاِشَارَةَ بِالْمَضْمُوْمَتَيْنِ يُصَدَّقُ دِيَانَةً لَا قَضَاءً. وَكَذَا اِذَا نَوَى الْاِشَارَةَ بِالْكَفِّ حَتّٰى يَقَعَ فِي الْاُوْلٰى ثِنْتَانِ دِيَانَةً. وَفِي الثَّانِيَةِ وَاحِدَةٌ لِاَنَّهٗ يَحْتَمِلُهٗ لٰكِنَّهٗ خِلَافُ الظَّاهِرِ. وَلَوْ لَمْ يَقُلْ هٰكَذَا تَقَعُ وَاحِدَةٌ لِاَنَّهٗ لَمْ يَقْتَرِنْ بِالْعَدَدِ الْمُبْهَمِ فَبَقِيَ الْاِعْتِبَارُ بِقَوْلِهٖ: اَنْتِ طَالِقٌ

ترجمہ: [اور جس نے اپنے انگوٹھے، شہادت کی انگلی اور درمیان والی انگلی کو ملا کر اپنی بیوی کو کہا تجھے اس طرح طلاق ہے تو یہ تین طلاقیں ہوں گی] کیونکہ انگلیوں کے ساتھ اشارہ عرف کے مطابق عدد کے علم کا فائدہ دیتا ہے جب عدد مبہم کے ساتھ ملا ہو۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اَلشَّهْرُ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَهٰكَذَا[1] مہینہ اس طرح اور اس طرح اور اس طرح ہوتا (تینوں مرتبہ پوری دس انگلیوں سے اشارہ فرمایا) —— اور اگر ایک انگلی سے اشارہ کرے تو ایک طلاق ہوگی اور اگر دو سے اشارہ کرے تو دو ہوں گی جیسا کہ ہم نے کہا۔ اور اشارہ انگلیوں میں سے کھلی انگلیوں کے ساتھ ہوتا ہے اور اگر انگلیوں کی پیٹھ سے اشارہ کرے تو ان میں سے بند انگلیوں کے ساتھ ہوگا۔ پس جب کھلی انگلیوں کے ساتھ اشارہ ہوتا ہے تو اگر دو انگلیوں کو ملا کر اشارہ کرے تو دیانتاً اس کی تصدیق کی جائے گی قاضی کے ہاں تصدیق نہیں ہوگی۔

اسی طرح اگر وہ ہتھیلی سے اشارہ کرے (تو یہی حکم ہے) پہلی صورت میں دیانتاً دو طلاقیں واقع ہوں گی۔ اور دوسری

[1] بخاری، کتاب الصوم باب قول النبی ﷺ اذا رایتم الهلال، حدیث: ۱۹۰۸

صورت میں ایک طلاق ہوگی کیونکہ اس کا احتمال تو ہے لیکن ظاہر کے خلاف ہے اور اگر ھٰکَذَا (اس طرح) کا لفظ نہ کہے تو ایک طلاق واقع ہوگی کیونکہ اشارہ عدد مبہم کے ساتھ ملا ہوا نہیں۔ پس اَنْتِ طَالِقٌ کا اعتبار باقی رہ جائے گا (اور اس سے ایک طلاق واقع ہوگی)

توضیح: اگر مرد اپنی بیوی کو طلاق دیتے ہوئے زبان سے عدد کا ذکر نہ کرے بلکہ انگلیوں کے ساتھ اشارہ کرے تو عرف یہی ہے کہ جتنی انگلیوں سے اشارہ کیا جائے اتنی ہی معتبر ہوتی ہیں لہٰذا جب اس نے انگوٹھے اور ساتھ والی دو انگلیوں یعنی تین انگلیوں کے ساتھ اشارہ کیا تو تین طلاقیں ہو جائیں گی اور یہ اشارہ اس وقت معتبر ہوتا ہے جب عدد مبہم ہو اور اس کا لفظوں میں ذکر نہ کیا جائے۔

اس پر حضور علیہ السلام کی حدیث سے استدلال کیا گیا آپ نے ایک مرتبہ انگلیوں کے اشارے سے مہینے کے دنوں کے بارے میں بتایا دونوں ہاتھوں کی تمام انگلیوں سے تین مرتبہ اشارہ کیا اور فرمایا: مہینہ اس طرح اس طرح اور اس طرح ہوتا ہے یعنی تیس دن کا ہوتا ہے پھر دوبارہ جب بتایا تو تیسری مرتبہ ایک انگلی کو بند کر کے بتایا کہ کبھی مہینہ انتیس دن کا ہوتا ہے۔

ایک انگلی سے اشارہ ہو تو ایک طلاق، دو سے ہو تو دو طلاقیں اور تین سے ہو تو تین طلاقیں ہوں گی۔

عرف میں اسی طرح ہوتا ہے آپ کسی سے کہیں روٹی لاؤ وہ پوچھے کتنی؟ تو دو انگلیوں سے اشارہ ہو تو اس کا مطلب ہے دو روٹیاں اسی طرح ایک یا جتنی انگلیوں سے اشارہ کرے۔

نوٹ:

1. اشارہ کھلی انگلیوں کے ساتھ ہو ملی ہوئی نہ ہوں۔
2. اگر انگلیوں کی پیٹھ سے اشارہ کرے تو جتنی انگلیاں ملی ہوئی ہیں یعنی بند ہیں اتنی تعداد مراد ہوگی۔
3. اگر دو انگلیوں کو ملا کر اشارہ کرے (اور دو طلاقیں مراد لے) تو دیانتاً تصدیق کی جائے گی قاضی کے ہاں تصدیق نہیں ہوگی اور اس صورت میں دیانتاً دو طلاقیں ہوں گی۔
4. اگر ہتھیلی کے ساتھ اشارہ کرے تو بھی یہی حکم ہے کہ دیانتاً تصدیق ہوگی قضاءً نہیں ہوگی اور اس صورت میں ایک طلاق ہوگی کیونکہ اس کا احتمال ہے لیکن خلاف ظاہر ہے۔
5. اگر اشارہ کرتے ہوئے لفظ ھٰکَذَا (یعنی اس طرح) نہ کہے تو ایک طلاق ہوگی کیونکہ اس نے اسے مبہم عدد کے ساتھ نہیں ملایا اس لئے صرف اَنْتِ طَالِقٌ کا اعتبار رہ جائے گا اور اس سے ایک طلاق ہوتی ہے۔

طلاق کو شدت یا اضافے کے ساتھ موصوف کرنا

(۴۴): [وَاِذَا وَصَفَ الطَّلَاقَ بِضَرْبٍ مِنَ الشِّدَّةِ اَوِ الزِّيَادَةِ كَانَ بَائِنًا مِثْلُ اَنْ يَقُوْلَ: اَنْتِ طَالِقٌ بَائِنٌ اَوِ الْبَتَّةَ] وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: يَقَعُ رَجْعِيًّا اِذَا كَانَ بَعْدَ الدُّخُوْلِ بِهَا لِاَنَّ الطَّلَاقَ شُرِعَ

مُعْقِبًا لِلرَّجْعَةِ فَكَانَ وَصْفُهُ بِالْبَيْنُونَةِ خِلَافَ الْمَشْرُوعِ فَيَلْغُو كَمَا إِذَا قَالَ: أَنْتِ طَالِقٌ عَلٰى أَنْ لَا رَجْعَةَ لِي عَلَيْكِ.

وَلَنَا أَنَّهُ وَصَفَهُ بِمَا يَحْتَمِلُهُ لَفْظُهُ؛ أَلَا تَرٰى أَنَّ الْبَيْنُونَةَ قَبْلَ الدُّخُولِ بِهَا وَبَعْدَ الْعِدَّةِ تَحْصُلُ بِهِ فَيَكُونُ هٰذَا الْوَصْفُ لِتَعْيِينِ أَحَدِ الْمُحْتَمَلَيْنِ. وَمَسْأَلَةُ الرَّجْعَةِ مَمْنُوعَةٌ فَتَقَعُ وَاحِدَةٌ بَائِنَةٌ إِذَا لَمْ تَكُنْ لَهُ نِيَّةٌ أَوْ نَوَى الثِّنْتَيْنِ.

أَمَّا إِذَا نَوَى الثَّلَاثَ فَثَلَاثٌ لِمَا مَرَّ مِنْ قَبْلُ. وَلَوْ عَنٰى بِقَوْلِهِ: أَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً وَبِقَوْلِهِ بَائِنٌ أَوْ أَلْبَتَّةَ أُخْرٰى تَقَعُ تَطْلِيقَتَانِ بَائِنَتَانِ لِأَنَّ هٰذَا الْوَصْفَ يَصْلُحُ لِابْتِدَاءِ الْإِيقَاعِ

ترجمہ: [جب خاوند طلاق کو کسی قسم کی شدت یا اضافے کے ساتھ موصوف کرے تو یہ طلاق بائن ہوگی جیسے وہ کہے: أَنْتِ طَالِقٌ بَائِنٌ أَوْ أَلْبَتَّةَ (تجھے بائن طلاق یا طلاق بتہ ہے)]

حضرت امام شافعی عِلیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

طلاق رجعی واقع ہوگی اگر جماع کے بعد طلاق دی کیونکہ طلاق شرعی طور پر اپنے بعد رجوع کو چاہتی ہے لہٰذا بینونت کا وصف شرعی طریقہ کے خلاف ہے پس یہ لغو ہو جائے گا جس طرح اگر وہ کہے: ''تجھے اس طرح طلاق ہے کہ میرے لئے تیری طرف رجوع نہ ہو۔''

ہماری دلیل یہ ہے کہ اس نے ایسے وصف کے ساتھ موصوف کیا کہ لفظ میں اس کا احتمال ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ جماع سے پہلے اور عدت ختم ہونے کے بعد اس طلاق سے بینونت (فوری جدائی) حاصل ہوتی ہے پس یہ وصف ان دو معنوں میں سے ایک کے تعین کے لئے ہوتا ہے جن کا احتمال ہے۔

اور رجوع والا مسئلہ (جو آپ نے بیان کیا) قابل تسلیم نہیں کیونکہ اس سے بھی ایک طلاق بائن واقع ہوتی ہے جب نیت نہ ہو یا دو کی نیت کرے۔ اور اگر تین کی نیت کرے تو تین طلاقیں ہوں گی جیسے پہلے گزر چکا ہے۔

اور اگر وہ أَنْتِ طَالِقٌ سے ایک طلاق اور لفظ بائن یا أَلْبَتَّةَ سے دوسری طلاق مراد لے تو دو بائن طلاقیں ہو جائیں گی کیونکہ یہ وصف (بائن یا البتہ) ابتداءً طلاق دینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

توضیح: طلاق رجعی کی صورت میں عدت ختم ہونے تک مرد عورت کے درمیان جدائی نہیں ہوتی یہی وجہ ہے کہ اسے رجوع کا حق ہوتا ہے لیکن طلاق بائن میں فوراً جدائی ہو جاتی ہے، گویا طلاق رجعی کے مقابلے میں طلاق بائن شدید ہوتی ہے اس لئے جب لفظ طلاق کے ساتھ کسی قسم کی شدت یا اضافہ کا ذکر کیا جائے تو طلاق بائن واقع ہوگی۔

جیسے أَنْتِ طَالِقٌ بَائِنٌ کہے یا أَنْتِ طَالِقٌ أَلْبَتَّةَ کہے تو طلاق بائن ہو جائے گی۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف اور دلیل

آپ کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ فرماتے ہیں: اس صورت میں بھی طلاق رجعی واقع ہوگی جبکہ عورت مدخول بہا ہو (کیونکہ غیر مدخول بہا کو طلاق رجعی نہیں ہوتی بلکہ بائن ہی ہوتی ہے) آپ کی دلیل یہ ہے کہ

آپ فرماتے ہیں: شریعت نے طلاق کو اس طرح جائز قرار دیا ہے کہ اس کے بعد رجوع ہو سکے اس لئے اسے بینونت (بائن کا لفظ استعمال کرنا) سے موصوف کرنا خلاف شریعت ہے لہٰذا یہ لغو ہو جائے گا جس طرح اگر کوئی کہے کہ اَنْتِ طَالِقٌ عَلٰی اَنْ لَّا رَجْعَةَ لِیْ عَلَیْكِ (تجھے اس طرح طلاق ہے کہ مجھے تجھ سے رجوع کرنے کا اختیار نہیں ہوگا) تو یہ الفاظ لغو ہوں گے اور صرف اَنْتِ طَالِقٌ پر عمل ہوگا اور طلاق رجعی واقع ہو جائے گی۔

احناف کی دلیل

لفظ طلاق میں طلاق بائن کا احتمال ہے جس طرح غیر مدخول بہا کو طلاق دی جائے اور لفظ استعمال کیا جائے یا طلاق رجعی دی جائے اور عدت گزر جائے تو فوراً علیحدگی ہوتی ہے جو طلاق بائن کا تقاضا ہے لہٰذا لفظ طلاق کے ساتھ لفظ بائن یا لفظ البتہ استعمال کرنا دو میں سے ایک احتمال کے تعین کے لئے ہوگا۔

ایک احتمال عدت کے بعد جدائی اور دوسرا احتمال فوری جدائی، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے جس قول کو بنیاد بنایا اور اس پر قیاس کیا اس کا جواب احناف نے یوں دیا کہ یہ قیاس درست نہیں کیونکہ ہمارے نزدیک ان الفاظ کے ساتھ بھی طلاق بائن واقع ہوتی ہے۔

لہٰذا جب اس کی کوئی نیت نہ ہو یا دو کی نیت کرے تو ایک ہی واقع ہوگی البتہ تین کی نیت کرے تو تین واقع ہوں گی اس کی وجہ یہ ہے کہ طالق میں لفظ طلاق پوشیدہ ہے اور وہ جنس ہے اور جنس سے یا فرد حقیقی مراد ہوتا ہے یا کل افراد مراد ہوتے ہیں فرد حقیقی ایک طلاق اور فرد حکمی یعنی کل تین طلاقیں —— لفظ دو چونکہ عدد ہے لہٰذا وہ مراد نہیں ہوگا جب تک عدد کا ذکر نہ کریں۔

نوٹ: اگر مرد اَنْتِ طَالِقٌ سے ایک اور بائن وغیرہ سے دوسری طلاق کی نیت کرے تو دو بائن طلاقیں ہو جائیں گی کیونکہ یہ وصف یعنی بائن ابتداءً طلاق واقع کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے مثلاً کوئی کہے انت بائن تو طلاق بائن ہو جاتی ہے۔

طلاق کی شدت مختلف الفاظ کے ذریعے

(۴۵): [وَكَذَا اِذَا قَالَ: اَنْتِ طَالِقٌ اَفْحَشَ الطَّلَاقِ] لِاَنَّهٗ اِنَّمَا يُوْصَفُ بِهٰذَا الْوَصْفِ بِاعْتِبَارِ اَثَرِهٖ وَهُوَ الْبَيْنُوْنَةُ فِى الْحَالِ فَصَارَ كَقَوْلِهٖ بَائِنٌ، وَكَذَا اِذَا قَالَ اَخْبَثَ الطَّلَاقِ [اَوْ

اَسْوَاَہٗ لِمَا ذَکَرْنَا. وَکَذَا اِذَا قَالَ طَلَاقَ الشَّیْطَانِ اَوْ طَلَاقَ الْبِدْعَۃِ] لِاَنَّ الرَّجْعِیَّ ھُوَ السُّنِّیُّ فَیَکُوْنُ قَوْلُہٗ: اَلْبِدْعَۃَ وَطَلَاقَ الشَّیْطَانِ بَائِنًا.

وَعَنْ اَبِیْ یُوْسُفَ فِیْ قَوْلِہٖ: اَنْتِ طَالِقٌ لِلْبِدْعَۃِ اَنَّہٗ لَا یَکُوْنُ بَائِنًا اِلَّا بِالنِّیَّۃِ لِاَنَّ الْبِدْعَۃَ قَدْ تَکُوْنُ مِنْ حَیْثُ الْاِیْقَاعُ فِیْ حَالَۃِ حَیْضٍ فَلَابُدَّ مِنَ النِّیَّۃِ.

وَعَنْ مُحَمَّدٍ اَنَّہٗ اِذَا قَالَ: اَنْتِ طَالِقٌ لِلْبِدْعَۃِ اَوْ طَلَاقَ الشَّیْطَانِ یَکُوْنُ رَجْعِیًّا لِاَنَّ ھٰذَا الْوَصْفَ قَدْ یَتَحَقَّقُ بِالطَّلَاقِ فِیْ حَالَۃِ الْحَیْضِ فَلَا تَثْبُتُ الْبَیْنُوْنَۃُ بِالشَّکِّ [وَکَذَا اِذَا قَالَ: کَالْجَبَلِ] لِاَنَّ التَّشْبِیْہَ بِہٖ یُوْجِبُ زِیَادَۃً لَا مُحَالَۃَ وَذٰلِکَ بِاِثْبَاتِ زِیَادَۃِ الْوَصْفِ. وَکَذَا اِذَا قَالَ: مِثْلَ الْجَبَلِ لِمَا قُلْنَا. وَقَالَ اَبُوْ یُوْسُفَ: یَکُوْنُ رَجْعِیًّا لِاَنَّ الْجَبَلَ شَیْءٌ وَّاحِدٌ فَکَانَ تَشْبِیْھًا بِہٖ فِیْ تَوَحُّدِہٖ

ترجمہ: [اور اسی طرح (طلاق بائن ہوگی) جب کہے: ''تجھے فحش ترین طلاق''] کیونکہ وہ اسے اس وصف کے ساتھ اس کے اثر کا اعتبار کرتے ہوئے موصوف کرتا ہے اور وہ (اثر) فوری طور پر جدائی ہے پس (اس کا یہ قول) لفظ بائن کہنے کی طرح ہوگیا اور اسی طرح جب وہ کہے کہ (خبیث ترین طلاق)

[یا کہے نہایت بری طلاق (تو طلاق بائن ہوگی) اس وجہ سے جو ہم نے ذکر کی۔ اسی طرح جب وہ کہے: ''شیطان کی طلاق'' یا کہے: ''بدعت طلاق'']

کیونکہ طلاق رجعی سنت کے مطابق ہوتی ہے پس اس کا قول بدعت یا شیطان کی طلاق، بائن طلاق ہوگی مرد کے قول کہ ''تجھے بدعت طلاق ہے'' کے بارے میں حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ طلاق اس وقت بائن ہوگی جب نیت یہ ہو کیونکہ بعض اوقات طلاق، دینے کے اعتبار سے طلاق بدعت ہوتی ہے جیسے حیض کی حالت میں طلاق (بدعت ہونے کے باوجود رجعی ہوتی ہے) اس لئے نیت ضروری ہے۔

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر ''طلاق بدعت'' یا ''طلاق شیطان'' کہے تو وہ طلاق رجعی ہوگی کیونکہ یہ وصف بعض اوقات حالت حیض میں طلاق دینے سے متحقق ہوتا ہے لہٰذا شک کی وجہ سے بینونت ثابت نہیں ہوگی۔

[اور اسی طرح جب کہے: ''پہاڑ جیسی طلاق'' (تو طلاق بائن ہوگی)] کیونکہ تشبیہ لازمی طور پر زیادتی کو واجب کرتی ہے اور وہ وصف کی زیادتی ثابت کرنے کے ساتھ ہوتی ہے۔ اور اسی طرح جب مِثْلُ الْجَبَلِ کہے (تو یہی حکم ہے) جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ طلاق رجعی ہوگی کیونکہ پہاڑ ایک چیز ہے لہٰذا اس کے ایک ہونے میں تشبیہ ہوگی۔

توضیح: اس سے پہلے یہ ضابطہ بیان کیا گیا کہ جب طلاق کا کوئی وصف بیان کیا جائے اور وہ شدت یا زیادتی پر دلالت کرے تو اس سے طلاق بائن واقع ہوتی ہے۔

اسی سلسلے میں چند دیگر الفاظ کا ذکر کیا گیا مثلاً:

① اَفْحَشُ الطَّلَاقِ "سب سے زیادہ فحش طلاق"

② اَخْبَثُ الطَّلَاقِ "خبیث ترین طلاق"

③ اَسْوَءُ الطَّلَاقِ "بدترین طلاق"

④ طَلَاقُ الشَّيْطَانِ "شیطانی طلاق"

⑤ طَلَاقَ الْبِدْعَةِ "بدعت طلاق"

طلاق بدعت کے بارے اقوال

ان تمام صورتوں میں بائن طلاق ہوگی۔

البتہ جب طلاق بدعت کہے تو اس میں حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں: طلاق بائن اس وقت ہوگی جب اس کی نیت ہوگی کیونکہ جب حیض کی حالت میں طلاق دی جائے تو بدعت ہونے کے باوجود طلاق رجعی ہوتی ہے لہٰذا نیت ضروری ہے۔

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک طلاق شیطان یا طلاق بدعت کہنے سے طلاق رجعی ہوگی۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ حالت حیض میں دی گئی طلاق بدعت ہوتی ہے لہٰذا شک پیدا ہو گیا اور شک کی بنیاد پر بینونت ثابت نہیں ہوگی۔

ایک مثال یہ ہے کہ پہاڑ کی طرح یا پہاڑ کی مثل کہے تو طلاق بائن ہوگی کیونکہ تشبیہ سے یقینی طور پر زیادتی پیدا ہوتی ہے البتہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک طلاق رجعی ہوگی وہ فرماتے ہیں: پہاڑ کے اجزاء مل کر ایک چیز بن جاتے ہیں لہٰذا یہ وحدت میں تشبیہ ہے یعنی ایک رجعی طلاق ہوگی۔

طلاق کے لئے مزید شدت بھرے الفاظ کا استعمال

(۴۶): [وَلَوْ قَالَ لَهَا: اَنْتِ طَالِقٌ اَشَدَّ الطَّلَاقِ اَوْ كَاَلْفٍ اَوْ مِلْءَ الْبَيْتِ فَهِيَ وَاحِدَةٌ بَائِنَةٌ اِلَّا اَنْ يَّنْوِيَ ثَلَاثًا] اَمَّا الْاَوَّلُ فَلِاَنَّهٗ وَصَفَهٗ بِالشِّدَّةِ وَهُوَ الْبَائِنُ لِاَنَّهٗ لَا يَحْتَمِلُ الْاِنْتِقَاضَ وَالْاِرْتِفَاضَ، اَمَّا الرَّجْعِيُّ فَيَحْتَمِلُهٗ، وَاِنَّمَا تَصِحُّ نِيَّةُ الثَّلَاثِ لِذِكْرِهِ الْمَصْدَرَ،

وَاَمَّا الثَّانِيْ فَلِاَنَّهٗ قَدْ يُرَادُ بِهٰذَا التَّشْبِيْهُ فِي الْقُوَّةِ تَارَةً وَفِي الْعَدَدِ اُخْرٰى، يُقَالُ هُوَ كَاَلْفِ رَجُلٍ وَيُرَادُ بِهِ الْقُوَّةُ فَتَصِحُّ نِيَّةُ الْاَمْرَيْنِ، وَعِنْدَ فُقْدَانِهَا يَثْبُتُ اَقَلُّهُمَا. وَعَنْ مُحَمَّدٍ اَنَّهٗ

يَقَعُ الثَّلَاثُ عِنْدَ عَدَمِ النِّيَّةِ لِأَنَّهُ عَدَدٌ فَيُرَادُ بِهِ التَّشْبِيهُ فِي الْعَدَدِ ظَاهِرًا فَصَارَ كَمَا إِذَا قَالَ: أَنْتِ طَالِقٌ كَعَدَدِ أَلْفٍ،

وَأَمَّا الثَّالِثُ فَلِأَنَّ الشَّيْءَ قَدْ يَمْلَأُ الْبَيْتَ لِعِظَمِهِ فِي نَفْسِهِ وَقَدْ يَمْلَؤُهُ لِكَثْرَتِهِ. فَأَيُّ ذٰلِكَ نَوٰى صَحَّتْ نِيَّتُهُ، وَعِنْدَ انْعِدَامِ النِّيَّةِ يَثْبُتُ الْأَقَلُّ.

ترجمہ: [اور اگر (مرد نے بیوی سے) کہا تجھے سخت ترین طلاق یا ہزار کی مثل طلاق یا کہا بھرا ہوا گھر طلاق تو یہ ایک بائنہ طلاق ہوگی مگر یہ کہ تین کی نیت کرے]

جہاں تک پہلی صورت کا تعلق ہے تو اس نے طلاق کو شدت کے ساتھ موصوف کیا اور وہ بائنہ طلاق ہوتی ہے۔ کیونکہ اس میں توڑنے یا چھوڑنے کا احتمال نہیں جبکہ طلاق رجعی میں اس بات کا احتمال ہوتا ہے (کیونکہ رجوع کر سکتا ہے) اور تین کی نیت صحیح ہوگی کیونکہ اس نے مصدر کا ذکر کیا اور دوسری صورت میں اس لئے کہ بعض اوقات اس تشبیہ سے قوت میں اور بعض اوقات عدد میں شدت مراد ہوتی ہے۔

کہا جاتا ہے وہ ہزار مردوں کی طرح ہے اور اس سے قوت مراد ہوتی ہے اس لئے دونوں کی نیت درست ہو سکتی ہے اور جب نیت نہ ہو تو ان میں سے جو کم ہے وہ ثابت ہوگی۔

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ نیت نہ ہونے کی صورت میں تین طلاقیں ہوں گی کیونکہ یہ (لفظ ہزار) عدد ہے پس اس سے عدد میں تشبیہ مراد ہوگی اور یہ ظاہر ہے پس یہ اس طرح ہوگا جیسے کہا: ''تجھے ایک ہزار عدد کی طرح طلاق ہے'' اور تیسری صورت میں اس طرح ہے کہ بعض اوقات گھر کسی چیز کی وجہ سے بھرا ہوتا ہے اور بعض اوقات کثرت کی وجہ سے بھرتا ہے تو وہ جس کی نیت کرے گا اس کی نیت صحیح ہوگی اور جب نیت نہ ہو تو جو کم از کم ہے وہ ثابت ہوگا۔

توضیح: یہ قاعدہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ جب طلاق کا وصف شدت یا زیادتی کے ساتھ بیان کیا جائے تو طلاق بائن واقع ہوتی ہے یہاں بھی ایسے الفاظ استعمال ہوئے ہیں اور ان کے استعمال سے ایک طلاق بائن واقع ہوگی البتہ تین کی نیت کرے تو تین واقع ہوں گی۔

صاحب ہدایہ تینوں صورتوں کی وجہ بھی ذکر کرتے ہیں جس کی تفصیل اس طرح ہے:

پہلی صورت: اَشَدَّ الطَّلَاقِ کہا (سخت ترین طلاق) چونکہ طلاق کو اشد کہا تو یہ شدت طلاق بائن کا تقاضا کرتی ہے۔ کیونکہ اس طلاق میں توڑنے اور چھوڑنے کا احتمال نہیں یعنی طلاق بائن میں فوراً جدائی ہو جاتی ہے لہٰذا اسے توڑا نہیں جا سکتا جبکہ طلاق رجعی میں رجوع کے ذریعے طلاق کو توڑا اور چھوڑا جا سکتا ہے اور شدت کا تقاضا یہی ہے کہ طلاق ختم نہ کی جا سکے۔ اور تین کی نیت اس لئے صحیح ہے کہ لفظ طلاق جنس ہے اور اس کے کل افراد تین ہیں نیت کے بغیر جنس کا فرد حقیقی یعنی ایک مراد ہوتا ہے اور نیت کے ساتھ کل افراد یعنی تین طلاقیں مراد لی جا سکتی ہیں۔

دوسری صورت: جب کہا تجھے ہزار کی طرح طلاق، تو اس ہزار سے قوت میں تشبیہ بھی مراد ہوسکتی ہے اور عدد میں بھی جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص ایک ہزار مردوں کی طرح ہے تو اس سے اس کی قوت مراد ہوتی ہے لہٰذا دونوں باتوں کی نیت صحیح ہے یعنی قوت اور عدد، قوت کی نیت سے طلاق بائن اور عدد کی نیت سے تین طلاقیں مراد ہوں گی اور جب نیت نہ ہو تو دونوں میں سے کم (یعنی ایک طلاق) مراد ہوگی۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف

اس صورت میں حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں: اگر کوئی نیت نہ ہو تو تین طلاقیں مراد ہوں گی کیونکہ یہ (لفظ ہزار) عدد ہے اس لئے ظاہر کے مطابق عدد میں تشبیہ ہے اور یہ اس طرح ہو جائے گا جیسے کوئی کہے: اَنْتِ طَالِقٌ کَعَدَدِ اَلْفٍ تجھے ایک ہزار عدد کی مثل طلاق ہے یعنی جب لفظ عدد ذکر کرے تو تین طلاقیں مراد ہوتی ہیں۔

تیسری صورت: گھر بھرا ہو طلاق، تو اس سے طلاق بائن اس لئے مراد ہے کہ گھر بھرا ہونے سے مراد یا تو کسی شخص کی عظمت کی وجہ سے بھرا ہوتا ہے یا زیادہ تعداد کی وجہ سے بھرنا ہے لہٰذا ان دونوں میں سے جس کی نیت کرے درست ہے اور جب نیت نہ ہو تو جو کم ہے وہ مراد ہوگی اور وہ ایک طلاق ہے۔

نوٹ: عظمت سے مراد طلاق بائن اور کثرت سے مراد تین طلاقیں ہیں۔

طلاق کو کسی چیز سے تشبیہ دینے کا حکم اور اختلاف ائمہ

(۴۷): ثُمَّ الْاَصْلُ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ اَنَّهٗ مَتٰی شَبَّهَ الطَّلَاقَ بِشَیْئٍ یَقَعُ بَائِنًا: اَیَّ شَیْئٍ کَانَ الْمُشَبَّهُ بِهٖ ذَکَرَ الْعَظَمَ اَوْ لَمْ یَذْکُرْ لِمَا مَرَّ اَنَّ التَّشْبِیْهَ یَقْتَضِیْ زِیَادَةَ وَصْفٍ.

وَعِنْدَ اَبِیْ یُوْسُفَ اِنْ ذَکَرَ الْعَظَمَ یَکُوْنُ بَائِنًا وَاِلَّا فَلَا اَیَّ شَیْئٍ کَانَ الْمُشَبَّهُ بِهٖ لِاَنَّ التَّشْبِیْهَ قَدْ یَکُوْنُ فِی التَّوْحِیْدِ عَلَی التَّجْرِیْدِ.

اَمَّا ذِکْرُ الْعَظَمِ فَلِلزِّیَادَةِ لَا مَحَالَةَ.

وَعِنْدَ زُفَرَ اِنْ کَانَ الْمُشَبَّهُ بِهٖ مِمَّا یُوْصَفُ بِالْعَظَمِ عِنْدَ النَّاسِ یَقَعُ بَائِنًا وَاِلَّا فَهُوَ رَجْعِیٌّ وَقِیْلَ مُحَمَّدٌ مَعَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ، وَقِیْلَ مَعَ اَبِیْ یُوْسُفَ.

وَبَیَانُهٗ فِیْ قَوْلِهٖ مِثْلُ رَاْسِ الْاِبْرَةِ مِثْلُ عَظَمِ رَاْسِ الْاِبْرَةِ وَمِثْلُ الْجَبَلِ مِثْلُ عَظَمِ الْجَبَلِ

ترجمہ: پھر حضرت ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ضابطہ یہ ہے کہ جب طلاق کو کسی چیز کے ساتھ تشبیہ دے تو طلاق بائن

واقع ہوگی مشبہ بہ کوئی بھی چیز ہو (اور) اس کی عظمت کا ذکر کرے یا نہ کرے جیسا کہ پہلے گزر گیا ہے کہ تشبیہ وصف کی زیادتی کو چاہتی ہے اور حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر (مشبہ بہ کی) عظمت کو ذکر کرے تو طلاق بائن ہوگی ورنہ کچھ نہیں ہوگا مشبہ بہ کوئی بھی چیز ہو کیونکہ بعض اوقات تشبیہ کا مقصد باقی چیزوں سے خالی کر کے صرف وہی چیز مراد ہوتی ہے (جس کو تشبیہ دی جارہی ہے جیسے طلاق) اور عظمت کا ذکر لازمی طور پر اضافہ کے لئے ہوتا ہے۔

اور حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر مشبہ بہ ان چیزوں میں سے ہو جسے لوگوں کے ہاں عظمت سے موصوف کیا جاسکتا ہے تو طلاق بائن ہوگی ورنہ وہ رجعی ہوگی۔

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ آپ، حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہیں اور ایک قول کے مطابق حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہیں۔

اس کا بیان مرد کے اس قول میں ہوگا کہ وہ کہتا ہے سوئی کی نوک کی مثل یا کہتا ہے سوئی کی نوک جتنی بڑی (طلاق) یا کہتا ہے پہاڑ کی مثل یا پہاڑ کی بڑائی کی مثل (طلاق)

نوٹ: مشبہ بہ سے مراد وہ چیز ہے جس کے ساتھ تشبیہ دی جائے۔

توضیح: اگر مرد اپنی بیوی کو طلاق دیتے ہوئے طلاق کو کسی چیز سے تشبیہ دے تو اس سلسلے میں ائمہ کرام نے اپنا اپنا ضابطہ بیان کیا ہے تا کہ اس کے مطابق فیصلہ کیا جاسکے۔

ضابطہ

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جس چیز سے تشبیہ دی وہ کوئی بھی چیز ہو، اس کی عظمت کا ذکر کرے یا نہ کرے ہر صورت میں طلاق بائن ہوگی۔ لہٰذا پہاڑ سے تشبیہ دے یا سوئی کی نوک سے دونوں صورتوں میں طلاق بائن ہوگی۔

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگر اس کی عظمت کا ذکر کرے تو طلاق بائن ہوگی ورنہ کچھ نہیں ہوگا۔ مشبہ بہ کوئی بھی چیز ہو کیونکہ بعض اوقات ایک ہونے میں تشبیہ دی جاتی ہے اور اسے بڑائی کے معنیٰ سے خالی رکھا جاتا ہے، لیکن جب اس چیز کی بڑائی کا ذکر کیا جائے تو لازماً اس میں زیادتی ہوتی ہے (لہٰذا عظمت کا ذکر نہ ہو تو طلاق رجعی ہوگی)

حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر مشبہ بہ ان چیزوں میں سے ہو جن کو عرف میں عظمت سے موصوف کیا جاسکتا ہے تو طلاق بائن ہوگی ورنہ رجعی ہوگی (جیسے پہاڑ)

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے اس بارے میں دو قول ہیں ایک کے مطابق وہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہیں اور دوسرے قول کے مطابق وہ حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہیں۔

ایک مسئلہ اور سب کی مثال

اگر یوں کہے کہ سوئی کی نوک کی مثل طلاق۔ تو حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک طلاق بائن ہو جائے گی۔

حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام زفر رحمہما اللہ کے نزدیک طلاق بائن نہیں ہوگی اور اگر سوئی کی نوک کی بڑائی کی مثل کہے تو حضرت امام ابو یوسف اور امام ابو حنیفہ رحمہما اللہ دونوں کے نزدیک طلاق بائن ہوگی۔

اگر ''پہاڑ کی مثل'' کہے تو حضرت امام اعظم اور امام زفر رحمہما اللہ کے نزدیک طلاق بائن ہوگی حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک نہیں ہوگی۔

اور اگر کہے: ''پہاڑ کی بڑائی کی مثل طلاق'' تو تینوں ائمہ کے نزدیک طلاق ہو جائے گی۔

طلاق کو لمبائی' چوڑائی اور شدت سے موصوف کرنے کا حکم

(۴۸): [وَلَوْ قَالَ: اَنْتِ طَالِقٌ تَطْلِيْقَةً شَدِيْدَةً اَوْ عَرِيْضَةً اَوْ طَوِيْلَةً فَهِيَ وَاحِدَةٌ بَائِنَةٌ] لِاَنَّ مَا لَا يُمْكِنُ تَدَارُكُهُ يَشْتَدُّ عَلَيْهِ وَهُوَ الْبَائِنُ. وَمَا يَصْعُبُ تَدَارُكُهُ يُقَالُ: لِهٰذَا الْاَمْرِ طُوْلٌ وَّعَرْضٌ.

وَعَنْ اَبِيْ يُوْسُفَ اَنَّهُ يَقَعُ بِهَا رَجْعِيَّةٌ لِاَنَّ هٰذَا الْوَصْفَ لَا يَلِيْقُ بِهٖ فَيَلْغُو. وَلَوْ نَوَى الثَّلَاثَ فِيْ هٰذِهِ الْفُصُوْلِ صَحَّتْ نِيَّتُهُ لِتَنَوُّعِ الْبَيْنُوْنَةِ عَلٰى مَا مَرَّ وَالْوَاقِعُ بِهَا بَائِنٌ.

ترجمہ: [اگر مرد نے کہا تجھے شدید یا چوڑی یا لمبی طلاق ہے تو ایک ہی بائن طلاق ہوگی] کیونکہ جس چیز کا تدارک نہ ہو وہ اس پر سخت ہوتی ہے اور وہ بائن ہے اور جس کا تدارک مشکل ہو اس کے بارے میں کہا جاتا ہے یہ لمبا چوڑا کام ہے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے منقول ہے کہ ایک طلاق رجعی واقع ہوگی کیونکہ یہ وصف اس (طلاق) کے لائق نہیں لہٰذا یہ الفاظ لغو ہوں گے۔

اور اگر ان صورتوں میں تین کی نیت کرے تو اس کی نیت صحیح ہوگی جیسا کہ پہلے گزر گیا اور اس سے طلاق بائن واقع ہو گی۔ کیونکہ بینونت کی کئی اقسام ہیں۔

توضیح: گزشتہ ضابطہ کے مطابق کہ جب طلاق کو کسی وصف سے موصوف کیا جائے تو طلاق بائن ہوتی ہے یہاں بھی طلاق بائن مراد ہے کیونکہ شدت، لمبائی اور چوڑائی ایسے اوصاف ہیں جو طلاق کے معنیٰ میں زیادتی اور شدت پیدا کرتے ہیں۔

صاحب ہدایہ نے دلیل دیتے ہوئے فرمایا کہ جس بات کا تدارک نہ ہو سکے وہ انسان پر سخت ہوتی ہے اور چونکہ طلاق بائن میں رجوع نہیں ہوتا لہٰذا اس کا تدارک نہ ہونے کی وجہ سے وہ سخت ہوتی ہے اور جس چیز کا تدارک ممکن ہو لیکن مشکل ہو تو اس کے لئے لمبائی اور چوڑائی کا ذکر کیا جاتا ہے کہا جاتا ہے یہ لمبا چوڑا کام ہے یعنی مشکل ہے اور طلاق بائن کا معاملہ بھی اسی طرح ہے۔

امام یوسف علیہ الرحمہ کا اختلاف اور دلیل

لیکن حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے اس سے اختلاف کیا اور فرمایا کہ ان الفاظ کے استعمال کے باوجود طلاق رجعی

ہو گی ـــــ ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ الفاظ طلاق کے لائق نہیں اس لئے لغو ہو جائیں گے اور صرف اَنْتِ طَالِقٌ باقی رہ جائے اور اس سے طلاق رجعی واقع ہو گی۔

تین کی نیت کا مسئلہ

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگر یہ (مذکورہ بالا) الفاظ استعمال کرے اور تین کی نیت کرے تو تین بائنہ طلاقیں ہوں گی کیونکہ بینونت کی کئی قسمیں ہیں جیسا کہ پہلے گزر گیا ہے۔

اس کی وضاحت یوں ہے کہ اوصاف (شدت، طوالت اور عرض) کے ذکر سے طلاق بائن ہو گی اور لفظ طالق میں مصدر طلاق ہے اور وہ جنس ہے جس سے طلاق کے کل افراد یعنی تین طلاقوں کا ارادہ کیا جا سکتا ہے اور جب نیت نہ ہو تو ایک طلاق یعنی جنس کا فرد حقیقی مراد ہو گا۔

فَصْلٌ فِي الطَّلَاقِ قَبْلَ الدُّخُولِ

دخول سے پہلے طلاق

(۴۹): [وَإِذَا طَلَّقَ رَجُلٌ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا قَبْلَ الدُّخُولِ بِهَا وَقَعْنَ عَلَيْهَا] لِأَنَّ الْوَاقِعَ مَصْدَرٌ مَحْذُوفٌ لِأَنَّ مَعْنَاهُ طَلَاقًا ثَلَاثًا عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ. فَلَمْ يَكُنْ قَوْلُهُ أَنْتِ طَالِقٌ إِيقَاعًا عَلَى حِدَةٍ فَيَقَعْنَ جُمْلَةً: [فَإِنْ فَرَّقَ الطَّلَاقَ بَانَتْ بِالْأُولَى وَلَمْ تَقَعِ الثَّانِيَةُ وَالثَّالِثَةُ] وَذٰلِكَ مِثْلُ أَنْ يَقُولَ: أَنْتِ طَالِقٌ طَالِقٌ طَالِقٌ لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدَةٍ إِيقَاعٌ عَلَى حِدَةٍ إِذَا لَمْ يَذْكُرْ فِي آخِرِ كَلَامِهِ مَا يُغَيِّرُ صَدْرَهُ حَتّٰى يَتَوَقَّفَ عَلَيْهِ فَتَقَعُ الْأُولَى فِي الْحَالِ فَتُصَادِفُهَا الثَّانِيَةُ وَهِيَ مُبَانَةٌ [وَكَذَا إِذَا قَالَ لَهَا: أَنْتِ طَالِقٌ وَّاحِدَةً وَّوَاحِدَةً وَقَعَتْ وَاحِدَةٌ] لِمَا ذَكَرْنَا أَنَّهَا بَانَتْ بِالْأُولَى [وَلَوْ قَالَ لَهَا: أَنْتِ طَالِقٌ وَّاحِدَةً فَمَاتَتْ قَبْلَ قَوْلِهِ وَاحِدَةً كَانَ بَاطِلًا] لِأَنَّهُ قَرَنَ الْوَصْفَ بِالْعَدَدِ فَكَانَ الْوَاقِعُ هُوَ الْعَدَدَ. فَإِذَا مَاتَتْ قَبْلَ ذِكْرِ الْعَدَدِ فَاتَ الْمَحَلُّ قَبْلَ الْإِيقَاعِ فَبَطَلَ [وَكَذَا لَوْ قَالَ: أَنْتِ طَالِقٌ ثِنْتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا] لِمَا بَيَّنَّا وَهٰذِهِ تُجَانِسُ مَا قَبْلَهَا مِنْ حَيْثُ الْمَعْنٰى

ترجمہ: [اور جب مرد اپنی بیوی کو جماع سے پہلے تین طلاقیں دے تو وہ (تینوں) اس (عورت) پر واقع ہو جائیں گی] کیونکہ جو چیز واقع ہو رہی ہے وہ مصدر محذوف ہے کیونکہ اس کا معنی طلاقا ثلاثا (تین طلاقیں) ہے جیسا کہ ہم نے (پہلے) بیان کیا ہے۔ لہٰذا اس کا قول "اَنْتِ طَالِقٌ" علیحدہ واقع نہیں ہوگا پس وہ تمام واقع ہوں گی۔۔

[اور اگر وہ متفرق طور پر تین طلاقیں دے تو پہلی طلاق سے عورت جدا ہو جائے گی اور دوسری اور تیسری طلاق واقع نہیں ہوگی]

اور یہ اس طرح ہے کہ کہے: اَنْتِ طَالِقٌ طَالِقٌ طَالِقٌ (تجھے طلاق ہے، طلاق ہے، طلاق ہے) کیونکہ ہر طلاق الگ واقع ہوگی جب کلام کے آخر میں کوئی ایسی بات نہ ہو جو کلام کے شروع کو بدل دے اور وہ (اول کلام) اس (آخر) پر موقوف ہو۔ تو پہلی طلاق اسی وقت ہو جائے گی اور دوسری اور تیسری طلاق کے وقت وہ جدا ہو چکی ہوگی (لہٰذا دوسری دو واقع نہیں ہوں گی)

[اور اسی طرح جب وہ کہے تجھے ایک طلاق ہے اور ایک طلاق ہے تو ایک ہی واقع ہوگی] جیسا کہ ہم نے ذکر کیا کہ وہ پہلی طلاق سے جدا ہو گئی۔

[اور اگر کہے تجھے ایک طلاق ہے اور لفظ واحدۃ سے پہلے عورت فوت ہو جائے تو (یہ کلام) باطل ہو جائے گا]
کیونکہ اس نے وصف (طالق) کو عدد کے ساتھ ملایا تو عدد ہی واقع ہوگا پس جب وہ عدد کے ذکر سے پہلے فوت ہو جائے تو وقوع طلاق سے پہلے طلاق کا محل نہ رہی لہٰذا کلام باطل ہو گیا۔
[اور اسی طرح اگر وہ کہے تجھے دو طلاقیں ہیں یا کہے تین طلاقیں ہیں]۔
تو اسی طرح ہوگا جیسے ہم نے بیان کیا اور یہ معنوی اعتبار سے پہلی صورت کی ہم جنس ہے۔

توضیح: اس سے پہلے مدخول بہا عورت کی طلاق کے مختلف احکام بیان ہوئے اب غیر مدخول بہا عورت کی طلاق کا حکم بیان ہوا ہے یعنی مرد نے عورت کا قرب حاصل نہیں کیا اور اسے طلاق دے دی تو اس کی چند صورتیں ہیں:

① تین طلاقیں اکٹھی دیں جیسے کہا: اَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا۔
② تین طلاقیں الگ الگ دیں جیسے کہا: اَنْتِ طَالِقٌ طَالِقٌ طَالِقٌ۔
③ طلاق کے ساتھ عدد کا بھی ذکر کیا جیسے کہا: اَنْتِ طَالِقٌ وَّاحِدَۃً وَّ وَاحِدَۃً۔
④ عدد کا ذکر کرنے لگا اور صرف اَنْتِ طَالِقٌ کہا اور لفظ وَاحِدَۃً کہنے سے پہلے عورت فوت ہو گئی۔
⑤ اسی طرح اگر عدد وَاحِدَۃً کی جگہ ثِنْتَیْنِ یا ثَلَاثًا کا لفظ کہا اور عدد ذکر کرنے سے پہلے عورت فوت ہو گئی۔

پہلی صورت میں تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی کیونکہ "طالق" میں مصدر طلاق محذوف ہے گویا یوں کہا: اَنْتِ طَالِقٌ طَلَاقًا ثَلَاثًا اس لئے اَنْتِ طَالِقٌ عدد سے الگ نافذ نہیں ہوگا اور تین طلاقیں ہوں گی۔
دوسری اور تیسری صورت ایک جیسی ہے ان دونوں صورتوں میں تین طلاقیں الگ الگ دیں تو پہلی طلاق کے ساتھ غیر مدخول بہا بائن (جدا) ہو جاتی ہے لہٰذا ایک ہی طلاق واقع ہوگی اور وہ دوسری دو طلاقوں کا محل نہیں رہے گی۔
چوتھی اور پانچویں صورت میں مرد کا کلام پورا ہونے سے پہلے عورت کا انتقال ہو جائے اور طلاق کے ساتھ عدد کا ذکر ہو وَاحِدَۃً ہو یا ثِنْتَیْنِ یا ثَلَاثًا —— چونکہ طلاق کے ساتھ عدد کا ذکر ہو تو طلاق میں عدد کا اعتبار ہوتا ہے اب جب عدد کے ذکر سے پہلے عورت کا انتقال ہو جائے تو کلام لغو ہو جائے گا اور کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی۔
جیسے اس نے کہا اَنْتِ طَالِقٌ وَّاحِدَۃً —— تو وَاحِدَۃً کا لفظ بولنے سے پہلے عورت فوت ہو جائے تو کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی اور ثِنْتَیْنِ یا ثَلَاثًا بھی وَاحِدَۃً کے مشابہ اور ہم جنس ہیں لہٰذا ان کا حکم بھی یہی ہوگا۔

تجھے ایک سے پہلے ایک یا ایک کے بعد ایک طلاق کے الفاظ

(۵۰): [وَلَوْ قَالَ: اَنْتِ طَالِقٌ وَّاحِدَۃً قَبْلَ وَاحِدَۃٍ اَوْ بَعْدَهَا وَاحِدَۃٌ وَّقَعَتْ وَاحِدَۃٌ]
وَالْاَصْلُ اَنَّهٗ مَتٰی ذَكَرَ شَيْئَيْنِ وَاَدْخَلَ بَيْنَهُمَا حَرْفَ الظَّرْفِ اِنْ قَرَنَهَا بِهَاءِ الْكِنَايَةِ

كَانَ صِفَةً لِلْمَذْكُورِ آخِرًا كَقَوْلِهِ: جَاءَنِيْ زَيْدٌ قَبْلَهُ عَمْرٌو، وَإِنْ لَمْ يَقْرِنْهَا بِهَاءِ الْكِنَايَةِ كَانَ صِفَةً لِلْمَذْكُورِ أَوَّلًا كَقَوْلِهِ: جَاءَنِيْ زَيْدٌ قَبْلَ عَمْرٍو،

وَإِيقَاعُ الطَّلَاقِ فِي الْمَاضِيْ إِيقَاعٌ فِي الْحَالِ لِأَنَّ الْإِسْنَادَ لَيْسَ فِيْ وُسْعِهِ فَالْقَبْلِيَّةُ فِيْ قَوْلِهِ: أَنْتِ طَالِقٌ وَّاحِدَةً قَبْلَ وَاحِدَةٍ صِفَةٌ لِلْأُوْلَى فَتَبِيْنُ بِالْأُوْلَى فَلَا تَقَعُ الثَّانِيَةُ، وَالْبَعْدِيَّةُ فِيْ قَوْلِهِ بَعْدَهَا وَاحِدَةٌ صِفَةٌ لِلْأَخِيْرَةِ فَحَصَلَتِ الْإِبَانَةُ بِالْأُوْلَى

ترجمہ: [اور اگر خاوند اپنی بیوی سے کہے تجھے ایک طلاق سے پہلے ایک طلاق یا کہے ایک طلاق کے بعد ایک طلاق ہے تو ایک طلاق واقع ہوگی]

ضابطہ یہ ہے کہ جب دو چیزوں کا ذکر کرے اور ان کے درمیان حرف ظرف داخل کرے تو اگر "ھا" (ضمیر) کنایہ کے ساتھ ملائے (جیسے بعدھا) تو جس کا ذکر آخر میں ہوا یہ اس کی صفت ہوگی ——

جیسے: جَاءَنِيْ زَيْدٌ قَبْلَهُ عَمْرٌو (میرے پاس زید آیا (اور) اس سے پہلے عمرو (آیا) اور اگر وہ "ہاء" کنایہ سے ملا ہوا نہ ہو تو اس کی صفت ہوگی جس کا پہلے ذکر ہوا جیسے کوئی کہے: جَاءَنِيْ زَيْدٌ قَبْلَ عَمْرٍو میرے پاس زید عمرو سے پہلے آیا۔

اور ماضی میں طلاق کا وقوع حال میں بھی وقوع ہے کیونکہ ماضی کی طرف منسوب کرنے کی اسے گنجائش نہیں تو جب اس کے قول أَنْتِ طَالِقٌ وَّاحِدَةً قَبْلَ وَاحِدَةٍ میں قبلیت، پہلی طلاق کی صفت ہے تو وہ پہلی طلاق سے جدا ہوگئی اور دوسری واقع نہیں ہوگی اور اس کے قول بَعْدَهَا وَاحِدَةٌ میں دوسری کی صفت ہے پس پہلی کے ساتھ جدائی ہوگئی۔

توضیح: جب خاوند عورت کو اس طرح دو طلاقیں دے جس طرح ذکر کیا گیا ہے تو ان دونوں صورتوں میں ایک ہی طلاق ہو گی۔ اس سلسلے میں صاحب ہدایہ نے ایک ضابطہ بیان فرمایا۔

صاحب ہدایہ کا بیان کردہ ضابطہ

دو چیزوں کا ذکر ہو اور ان کے درمیان حرف ظرف ہو جیسے "قبل اور بعد" دونوں اسمائے ظروف میں سے ہیں تو اس سلسلے میں دو صورتیں ہوں گی:

① اسم ظرف کے ساتھ "ھا" ضمیر متصل ہو (جو کنایہ کہلاتی ہے کیونکہ اس میں صراحت نہیں ہوتی کہ فلاں)

اس صورت میں جس کا ذکر آخر میں ہو ظرف اس کی صفت ہوگی اس کی مثال یوں دی کہ جَاءَنِيْ زَيْدٌ قَبْلَهُ عَمْرٍو یہاں قبلہٗ عمرو کی صفت ہے یعنی عمرو پہلے آیا اور زید بعد میں۔

② دوسری صورت یہ کہ اسم ظرف کے ساتھ "ہا" ضمیر متصل ہو تو اسم ظرف پہلے کی صفت ہوگا جیسے: جاء نی زید قبل عمرو —— یہاں لفظ قبل زید کی صفت ہوگی یعنی زید پہلے آیا اور عمرو بعد میں آیا۔

اس ضابطہ کے مطابق اَنْتِ طَالِقٌ وَّاحِدَۃً قَبْلَ وَاحِدَۃٍ میں حرف قبل، پہلی طلاق کی صفت ہوگی اور وہ واقع ہو جائے گی اور دوسری طلاق واقع نہیں ہوگی۔

نوٹ: دوسری طلاق اس لئے واقع نہیں ہوگی کہ وہ غیر مدخول بہا ہے جو ایک طلاق سے بائن ہو جاتی ہے۔

اگر مدخول بہا عورت کا معاملہ ہو تو دونوں واقع ہو جائیں گی، اور جب کہا: اَنْتِ طَالِقٌ وَّاحِدَۃً بَعْدَھَا وَاحِدَۃٍ تو اب لفظ بعد دوسری کی صفت بنے گا یعنی تجھے ایک طلاق کے بعد دوسری طلاق، تو پہلی طلاق سے بائن ہونے کی وجہ سے دوسری طلاق واقع نہیں ہوگی۔

مزید وضاحت یوں ہے کہ گویا وہ کہہ رہا ہے کہ پہلے تجھے ایک طلاق ہوئی اور اس کے بعد دوسری ہے تو پہلی زمانہ ماضی میں ہوئی اور جب ماضی کی طرف نسبت نہیں ہو سکتی (کیونکہ یہ انشاء ہے) تو وہ طلاق حال میں ہوئی اور اس ایک طلاق سے عورت بائن ہو گئی لہٰذا بعد والی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

لفظ قبل کے ساتھ ھاء ضمیر کا استعمال

(۵۱): [وَلَوْ قَالَ: اَنْتِ طَالِقٌ وَّاحِدَۃً قَبْلَهَا وَاحِدَۃٌ تَقَعُ ثِنْتَانِ] لِاَنَّ الْقَبْلِیَّۃَ صِفَۃٌ لِلثَّانِیَۃِ لِاتِّصَالِهَا بِحَرْفِ الْكِنَایَۃِ فَاقْتَضٰی اِیْقَاعَهَا فِی الْمَاضِیْ وَاِیْقَاعَ الْاُوْلٰی فِی الْحَالِ. غَیْرَ اَنَّ الْاِیْقَاعَ فِی الْمَاضِیْ اِیْقَاعٌ فِی الْحَالِ اَیْضًا فَیَقْتَرِنَانِ فَیَقَعَانِ. وَكَذَا اِذَا قَالَ: اَنْتِ طَالِقٌ وَّاحِدَۃً بَعْدَ وَاحِدَۃٍ لِاَنَّ الْبَعْدِیَّۃَ صِفَۃٌ لِلْاُوْلٰی فَاقْتَضٰی اِیْقَاعَ الْوَاحِدَۃِ فِی الْحَالِ وَاِیْقَاعَ الْاُخْرٰی قَبْلَ هٰذِهٖ فَتَقْتَرِنَانِ [وَلَوْ قَالَ: اَنْتِ طَالِقٌ وَّاحِدَۃً مَعَ وَاحِدَۃٍ اَوْ مَعَهَا وَاحِدَۃٌ تَقَعُ ثِنْتَانِ] لِاَنَّ كَلِمَۃَ مَعَ لِلْقِرَانِ.

وَعَنْ اَبِیْ یُوْسُفَ فِیْ قَوْلِهٖ: مَعَهَا وَاحِدَۃٌ اَنَّهٗ تَقَعُ وَاحِدَۃٌ لِاَنَّ الْكِنَایَۃَ تَقْتَضِیْ سَبْقَ الْمُكَنّٰی عَنْهُ لَا مَحَالَۃَ. وَفِی الْمَدْخُوْلِ بِهَا تَقَعُ ثِنْتَانِ فِی الْوُجُوْهِ كُلِّهَا لِقِیَامِ الْمَحَلِّیَّۃِ بَعْدَ وُقُوْعِ الْاُوْلٰی

ترجمہ: [اور اگر کہا کہ تجھے ایک طلاق ہے اس سے پہلے ایک طلاق ہے تو دو طلاقیں واقع ہوں گی]

کیونکہ پہلے ہونا دوسری طلاق کی صفت ہے کیونکہ وہ حرف کنایہ (ھاء ضمیر) کے ساتھ ملی ہوئی ہے تو اس کا تقاضا ماضی میں واقع ہونا ہے اور پہلی (مذکورہ) طلاق فی الحال واقع ہوگی لیکن چونکہ ماضی میں وقوع فی الحال بھی وقوع ہے پس یہ دونوں مل جائیں گی اور دو طلاقیں واقع ہوں گی اور اسی طرح اگر اس نے کہا: ''تجھے ایک طلاق کے بعد دوسری طلاق ہے'' کیونکہ بعد والی ہونا پہلی طلاق کی صفت ہے پس اس کا تقاضا یہ ہے کہ ایک فی الحال واقع ہو اور دوسری اس سے پہلے واقع ہو پس یہ دونوں مل جائیں گی۔

[اور اگر کہا: اَنْتِ طَالِقٌ واحدۃ مع واحدۃ (تجھے ایک طلاق کے ساتھ ایک طلاق ہے) یا کہا: معہا واحدۃ (تجھے ایک طلاق ہے اور اس کے ساتھ ایک ہے) تو دو واقع ہوں گی] کیونکہ کلمہ "مع" ملانے کے لئے آتا ہے۔
معہا واحدۃ کہنے کی صورت میں حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ایک طلاق ہو گی کیونکہ کنایہ (یعنی ھاء ضمیر) اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ جس چیز سے کنایہ کیا گیا ہے وہ لازمی طور پر پہلے ہو۔
اور ان تمام مذکورہ صورتوں میں مدخول بہا کو دو طلاقیں ہوں گی کیونکہ پہلی طلاق کے وقوع کے بعد بھی وہ طلاق کا محل رہتی ہے۔

توضیح: اس سے پہلے ضابطہ بیان کیا گیا تھا کہ اگر حرف ظرف کے ساتھ حرف کنایہ (ھاء ضمیر) ملا ہو تو دوسری طلاق مراد ہو گی۔

یہاں بھی یہی صورت یہ ہے کہ لفظ قبل کے ساتھ ھاء ضمیر ملی ہوئی ہے تو جس طلاق کا بعد میں ذکر ہوا وہ مراد ہو گی اور جس کا ذکر پہلے ہوا وہ اسی وقت واقع ہو گئی اور بعد میں مذکور ماضی میں واقع ہوئی اور جو ماضی میں واقع ہوتی ہے وہ حال میں بھی واقع ہوتی ہے لہٰذا دو طلاقیں ہوں گی (اور چونکہ عورت غیر مدخول بہا ہے لہٰذا دونوں بائن ہوں گی) اسی طرح اگر کہے: اَنْتِ طَالِقٌ واحدۃ بعد واحدۃ تو یہاں چونکہ لفظ بعد کے ساتھ حرف کنایہ (ھاء ضمیر) متصل نہیں لہٰذا پہلی طلاق کی صفت ہو گی یعنی تجھے ایک طلاق کے بعد ایک طلاق ہے تو ایک فی الحال واقع ہوئی اور دوسری اس سے پہلے ہوئی پس یہ دونوں مل کر دو طلاقیں ہوں گی۔

<u>دوسرا مسئلہ</u> یہ ہے کہ لفظ مع استعمال کیا اور یہ کلمہ دو چیزوں کو ملانے کے لئے آتا ہے لہٰذا جب کہا کہ تجھے ایک طلاق کے ساتھ ایک ہے تو دو طلاقیں ہوں گی۔ اسی طرح اگر (مَعَ وَاحِدَةٍ کی جگہ) مَعَهَا وَاحِدَةٌ کہا تو بھی دو ہی ہوں گی۔
دوسری صورت میں حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے کہ جب مَعَهَا وَاحِدَةٌ کہے تو ایک طلاق واقع ہو گی۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ کنایہ چاہتا ہے کہ مُکَنّٰی عَنْهُ (جس سے کنایہ کیا گیا وہ) پہلے ہو یعنی ضمیر ھاء کا مرجع پہلے ہو لہٰذا مطلب یہ ہوا کہ تجھے ایک طلاق ہے اور اس ایک کے ساتھ ایک ہے تو یہ بعد میں ہوئی لہٰذا جب وہ پہلی طلاق سے بائنہ ہو گئی تو دوسری کا محل نہ رہی لہٰذا ایک طلاق واقع ہو گی۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:
یہ تمام مذکورہ صورتیں غیر مدخول بہا کے بارے میں ہیں اور اگر مدخول بہا ہو تو اسے ان تمام صورتوں میں دو ہی ہوں گی کیونکہ مدخول بہا ایک طلاق کے بعد بھی محل طلاق رہتی ہے۔

مشروط طلاق

(۵۲): [وَلَوْ قَالَ لَهَا: اِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَأَنْتِ طَالِقٌ وَّاحِدَةٌ وَوَاحِدَةٌ فَدَخَلَتْ وَقَعَتْ عَلَيْهَا

وَاحِدَةٌ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ، وَقَالَا: تَقَعُ ثِنْتَانِ، وَلَوْ قَالَ لَهَا: اَنْتِ طَالِقٌ وَّاحِدَةً وَّوَاحِدَةً اِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَدَخَلَتْ طَلُقَتْ ثِنْتَیْنِ] بِالاِتِّفَاقِ.

لَهُمَا اَنَّ حَرْفَ الْوَاوِ لِلْجَمْعِ الْمُطْلَقِ فَتَعَلَّقْنَ جُمْلَةً كَمَا اِذَا نَصَّ عَلَى الثَّلَاثِ اَوْ اَخَّرَ الشَّرْطَ.

وَلَهُ اَنَّ الْجَمْعَ الْمُطْلَقَ يَحْتَمِلُ الْقِرَانَ وَالتَّرْتِيْبَ. فَعَلٰى اعْتِبَارِ الْاَوَّلِ تَقَعُ ثِنْتَانِ، وَعَلٰى اعْتِبَارِ الثَّانِیْ لَا تَقَعُ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَمَا اِذَا نَجَّزَ بِهٰذِهِ اللَّفْظَةِ فَلَا يَقَعُ الزَّائِدُ عَلَى الْوَاحِدَةِ بِالشَّكِّ. بِخِلَافِ مَا اِذَا اَخَّرَ الشَّرْطَ لِاَنَّهُ مُغَيِّرٌ صَدْرَ الْكَلَامِ فَيَتَوَقَّفُ الْاَوَّلُ عَلَيْهِ فَيَقَعْنَ جُمْلَةً وَلَا مُغَيِّرَ فِيْمَا اِذَا قَدَّمَ الشَّرْطَ فَلَمْ يَتَوَقَّفْ.

وَلَوْ عَطَفَ بِحَرْفِ الْفَاءِ فَهُوَ عَلٰى هٰذَا الْخِلَافِ فِيْمَا ذَكَرَ الْكَرْخِیُّ، وَذَكَرَ الْفَقِيْهُ اَبُو اللَّيْثِ اَنَّهُ يَقَعُ وَاحِدَةً بِالاِتِّفَاقِ لِاَنَّ الْفَاءَ لِلتَّعْقِيْبِ وَهُوَ الْاَصَحُّ.

ترجمہ: [اگر بیوی سے کہا: "اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے ایک طلاق ہے اور ایک طلاق ہے" پس وہ داخل ہوگئی تو حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک طلاق واقع ہوگی اور صاحبین فرماتے ہیں: دو طلاقیں ہوں گی۔ اور اگر کہا تجھے ایک طلاق ہے اور ایک اگر تو گھر میں داخل ہوئی پس وہ داخل ہوگئی تو دو طلاقیں ہوں گی] بالاتفاق

صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ حرف واؤ مطلق جمع کے لئے ہے تو دونوں طلاقیں (شرط کے ساتھ) معلق ہوں گی جس طرح اگر وہ تین کا ذکر کرے یا شرط کو موخر کرے۔

اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ جمع مطلق میں قران (ملنے) اور ترتیب کا احتمال ہوتا ہے پہلے اعتبار (قران) پر دو واقع ہوں گی اور دوسری بات (ترتیب) کا اعتبار کیا جائے تو صرف ایک واقع ہوگی جس طرح اگر وہ اس لفظ کے ساتھ تنجیزی (غیر مشروط) طلاق دے لہٰذا شک کی وجہ سے ایک سے زائد طلاق نہیں ہوگی بخلاف اس کے جب شرط کو موخر کرے کیونکہ اس کی وجہ سے کلام کے آغاز میں تبدیلی آگئی لہٰذا پہلی طلاق اس پر موقوف ہوگی اس لئے دونوں واقع ہوں گی لیکن جب شرط کو مقدم کرے تو تبدیلی کرنے والی کوئی چیز نہیں ہوگی لہٰذا وہ اس پر موقوف نہیں ہوگی۔

اور اگر حرف فاء کے ساتھ عطف کرے تو اس میں بھی یہی اختلاف ہے یہ بات امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمائی اور حضرت فقیہ ابو اللیث رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا کہ بالاتفاق ایک طلاق ہوگی کیونکہ فاء تعقیب (پیچھے لانے) کے لئے آتی ہے۔

توضیح: مندرجہ بالا مسئلہ مشروط طلاق کے بارے میں ہے اور غیر مدخول بہا سے متعلق ہے غیر مدخول بہا کو اگر الگ الگ ایک سے زائد طلاقیں دی جائیں تو صرف ایک طلاق سے وہ بائن ہو جاتی ہے اور باقی طلاقیں لغو ہو جاتی ہیں اور اگر ملا کر دی

جائیں تو دوہوں یا تین، تمام طلاقیں ہوجاتی ہیں۔

اس ضابطہ کو سمجھنے کے بعد مذکورہ مسئلہ کو سمجھا جائے جب خاوند نے کہا: ''اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے ایک طلاق ہے اور ایک طلاق'' حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس صورت میں ایک طلاق ہوگی جب وہ گھر میں داخل ہو۔

جبکہ صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک دو طلاقیں ہوں گی۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ واؤ مطلق جمع کے لئے آتی لہٰذا دونوں اکٹھی ہو گئیں اور دونوں شرط سے معلق ہوگئیں لہٰذا شرط کے پائے جانے پر دونوں واقع ہوں گی۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جمع مطلق میں دو باتوں کا احتمال ہے دونوں کا اکٹھا ہونا اور ترتیب، اگر پہلی بات کا اعتبار کریں تو دو طلاقیں ہوں گی اور دوسری بات (ترتیب) کا اعتبار کریں تو ایک ہوگی لہٰذا جب شک ہوا تو ایک سے زائد طلاقیں نہیں ہوں گی۔

دوسرے مسئلہ میں شرط موخر ہے یعنی اس نے کہا: ''تجھے ایک طلاق ہے اور ایک اگر تو گھر میں داخل ہو۔''

تو اس صورت میں سب کے نزدیک دو طلاقیں ہوں گی کیونکہ جب شرط موخر ہو تو اس کی وجہ سے آغازِ کلام میں تبدیلی آجاتی ہے یعنی اگر شرط کا ذکر نہ ہوتا تو طلاق فوراً واقع ہوجاتی لیکن اب شرط کی وجہ سے حکم اس وقت تک موخر ہوگا جب تک شرط نہ پائی جائے لہٰذا پہلی طلاق شرط پر موقوف ہوگی اور اس وجہ سے دونوں اکٹھی ہوجائیں گی۔

لیکن پہلی صورت میں کلام کے شروع کو بدلنے والی کوئی چیز نہیں لہٰذا وہ موقوف نہیں ہوگی۔

نوٹ: اگر ''واؤ'' کی جگہ حرف ''عطف فاء'' آئے تو بھی یہی اختلاف ہے اس اختلاف کا ذکر امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے جبکہ فقیہ ابواللیث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بالاتفاق ایک طلاق ہوگی کیونکہ ''فاء تعقیب'' کے لئے آتی ہے یعنی فاء کا مابعد اس کے ماقبل کے ساتھ متصل تو ہوتا ہے لیکن جمع نہیں ہوتا لہٰذا دونوں الگ الگ ہوں گی اور غیر مدخول بہا ہونے کی وجہ سے پہلی طلاق سے وہ بائن ہوجائے گی یہ زیادہ صحیح ہے۔

دوسری قسم ـــــ کنایہ الفاظ کے ساتھ طلاق دینا

(۵۳): [وَاَمَّا الضَّرْبُ الثَّانِیْ وَهُوَ الْكِنَایَاتُ لَا یَقَعُ بِهَا الطَّلَاقُ اِلَّا بِالنِّیَّةِ اَوْ بِدَلَالَةِ الْحَالِ] لِاَنَّهَا غَیْرُ مَوْضُوعَةٍ لِلطَّلَاقِ بَلْ تَحْتَمِلُهُ وَغَیْرَهُ فَلَا بُدَّ مِنَ التَّعْیِینِ اَوْ دَلَالَتِهٖ.

قَالَ [وَهِیَ عَلٰی ضَرْبَیْنِ: مِنْهَا ثَلَاثَةُ اَلْفَاظٍ یَقَعُ بِهَا الطَّلَاقُ الرَّجْعِیُّ وَلَا یَقَعُ بِهَا اِلَّا وَاحِدَةٌ، وَهِیَ قَوْلُهٗ: اِعْتَدِّیْ وَاسْتَبْرِئِیْ رَحِمَكِ وَاَنْتِ وَاحِدَةٌ]

اَمَّا الْاُوْلٰی فَلِاَنَّهَا تَحْتَمِلُ الْاِعْتِدَادَ عَنِ النِّكَاحِ وَتَحْتَمِلُ اعْتِدَادَ نِعَمِ اللهِ تَعَالٰی، فَاِنْ نَوَی الْاَوَّلَ تَعَیَّنَ بِنِیَّتِهٖ فَیَقْتَضِیْ طَلَاقًا سَابِقًا وَالطَّلَاقُ یُعْقِبُ الرَّجْعَةَ.

وَاَمَّا الثَّانِیَةُ فَلِاَنَّهَا تُسْتَعْمَلُ بِمَعْنَی الْاِعْتِدَادِ لِاَنَّهٗ تَصْرِیْحٌ بِمَا هُوَ الْمَقْصُوْدُ مِنْهُ فَكَانَ

بِمَنْزِلَتِهٖ وَتَحْتَمِلُ الِاسْتِبْرَائَ لِيُطَلِّقَهَا.

وَاَمَّا الثَّالِثَةُ فَلِاَنَّهَا تَحْتَمِلُ اَنْ تَكُوْنَ نَعْتًا لِمَصْدَرٍ مَحْذُوْفٍ مَعْنَاهُ تَطْلِيْقَةٌ وَّاحِدَةٌ. فَاِذَا نَوَاهُ جُعِلَ كَاَنَّهٗ قَالَهٗ. وَالطَّلَاقُ يُعْقِبُ الرَّجْعَةَ. وَيَحْتَمِلُ غَيْرَهٗ وَهُوَ اَنْ تَكُوْنَ وَاحِدَةً عِنْدَهٗ اَوْ عِنْدَ قَوْمِهٖ.

وَلَمَّا احْتَمَلَتْ هٰذِهِ الْاَلْفَاظُ الطَّلَاقَ وَغَيْرَهٗ تَحْتَاجُ فِيْهِ اِلَى النِّيَّةِ وَلَا تَقَعُ اِلَّا وَاحِدَةٌ لِاَنَّ قَوْلَهٗ: اَنْتِ طَالِقٌ فِيْهَا مُقْتَضًى اَوْ مُضْمَرٌ. وَلَوْ كَانَ مُظْهَرًا لَا تَقَعُ بِهَا اِلَّا وَاحِدَةٌ. فَاِذَا كَانَ مُضْمَرًا اَوْلٰى. وَفِيْ قَوْلِهٖ وَاحِدَةٌ وَّاِنْ صَارَ الْمَصْدَرُ مَذْكُوْرًا لٰكِنَّ التَّنْصِيْصَ عَلَى الْوَاحِدَةِ يُنَافِيْ نِيَّةَ الثَّلَاثِ. وَلَا مُعْتَبَرَ بِاِعْرَابِ الْوَاحِدَةِ عِنْدَ عَامَّةِ الْمَشَايِخِ هُوَ الصَّحِيْحُ لِاَنَّ الْعَوَامَّ لَا يُمَيِّزُوْنَ بَيْنَ وُجُوْهِ الْاِعْرَابِ.

[اور دوسری قسم اور وہ کنایہ الفاظ ہیں ان کے ساتھ طلاق نیت یا دلالت حال کی بنیاد پر واقع ہوتی ہے]

کیونکہ یہ الفاظ طلاق کے لئے وضع نہیں کئے گئے بلکہ ان میں طلاق اور اس کے غیر (دونوں) کا احتمال ہوتا ہے لہٰذا متعین کرنا یا اس (تعین) پر دلالت کا ہونا ضروری ہے۔

فرماتے ہیں: [اور اس کی دو قسمیں ہیں ان میں سے تین الفاظ کے ساتھ طلاق رجعی واقع ہوتی ہے اور وہ بھی ایک ہی واقع ہوتی ہے اور وہ خاوند کا یہ قول ہے ''شمار کر، اپنے رحم کو صاف کر، اور'' تو ایک ہے۔'']

ان میں سے پہلے لفظ یعنی اِعْتَدِّیْ سے نکاح (ختم ہونے کے بعد) کی عدت شمار کرنا بھی مراد ہوسکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنا بھی ——

اگر پہلے معنیٰ کی نیت کرے تو نیت کے ساتھ یہ معنیٰ متعین ہو جائے گا اور اس کا تقاضا پہلے طلاق کا ہونا ہے اور طلاق اپنے بعد رجوع کو چاہتی ہے۔

اور دوسرا لفظ ''اپنے رحم کو صاف کر'' تو یہ بھی عدت گزارنے کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے کیونکہ یہ اپنے مقصود میں صریح ہے لہٰذا یہ اس (عدت) کے قائم مقام ہوگا اور یہ بھی احتمال ہوسکتا ہے کہ استبراء مراد ہو تا کہ وہ اسے طلاق دے سکے۔

اور تیسرا لفظ ''تو ایک ہے'' تو اس بات کا احتمال ہے کہ یہ مصدر محذوف کی صفت ہو تو اس کا معنیٰ ایک طلاق ہوگا۔ تو جب اس کی نیت کرے گا تو گویا اس نے یہی الفاظ کہے (یعنی اَنْتِ طَالِقٌ تَطْلِيْقَةً وَّاحِدَةً) یا یہ بات مراد ہوسکتی ہے کہ تو اپنی قوم کے ہاں یکتا ہے۔

تو جب یہ الفاظ طلاق اور غیر طلاق کا احتمال رکھتے ہیں تو نیت کی ضرورت ہوگی اور طلاق صرف ایک ہوگی۔ کیونکہ ان الفاظ میں اس کا یہ قول اَنْتِ طَالِقٌ پوشیدہ ہوگا یا ان الفاظ کا مقتضا ہوگا۔

اور اگر طلاق کا لفظ ظاہر ہوتا تو ایک ہی طلاق ہوتی تو جب وہ پوشیدہ ہے تو بدرجہ اولیٰ ایک ہی ہوگی اور جب کہا: اَنْتِ وَاحِدَۃٌ میں اگر چہ مصدر مذکور ہے لیکن ایک کے بارے میں نص (واضح کلام) تین کے منافی ہے اور عام مشائخ کے نزدیک لفظ واحدۃ کے اعراب کا کوئی اعتبار نہیں یہی صحیح بات ہے کیونکہ عوام، اعراب کی وجوہ میں امتیاز نہیں کر سکتے۔

توضیح: طلاق کے لئے جو الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں وہ دو قسم کے ہیں:

① صریح (جو طلاق کے لئے وضع کیا گیا) اور وہ لفظ طلاق ہے۔

② **کنایات:**

ایسے الفاظ جن کے معانی ایک سے زائد ہوں اور نیت یا دلالت حال کے بغیر کوئی معنیٰ متعین نہ ہو سکے۔ اس سے پہلے لفظ صریح کے ساتھ طلاق کے احکام بیان ہوئے اب کنایہ الفاظ کے ذریعے طلاق دینے کا بیان ہے۔

اس سلسلے میں یہ بات پیش نظر رہے کہ کنایہ الفاظ میں نیت ضروری ہے جبکہ صریح لفظ میں نیت کی ضرورت نہیں ہوتی اگر دلالت حال ہو مثلاً طلاق کے بارے میں گفتگو اور جھگڑا ہو رہا ہے تو یہ "مذاکرہ طلاق" ہے اور اسے ہی دلالت حال کہتے ہیں اس صورت میں جب کنایہ لفظ بولا جائے تو نیت کی ضرورت نہیں ہوگی۔

یہ بات بھی جاننا ضروری ہے کہ کنایہ کے ساتھ طلاق بائن ہوتی ہے کنایہ الفاظ دو قسم کے ہیں ایک وہ جن سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے وہ تین الفاظ ہیں جو کنایہ ہیں لیکن ان کے استعمال سے ایک طلاق رجعی ہوتی ہے وہ درج ذیل ہیں:

① **اِعْتَدِّیْ:**

لفظی معنیٰ شمار کرنا ہے اور اس میں دو باتوں کا احتمال ہے ایک یہ کہ اپنی عدت کے دنوں کو شمار کر اور دوسرا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کر۔ اب نیت کے ساتھ کسی ایک کا تعین ہوگا تو جب طلاق کی نیت ہو تو معنیٰ یہ ہوگا کہ تجھے طلاق دی اب عدت کے دنوں کو شمار کر اور طلاق اپنے مابعد رجوع کو چاہتی ہے لہٰذا طلاق رجعی ہوئی۔

② **اِسْتَبْرِیْ رَحِمَكِ:**

اپنے رحم کی برأت طلب کر یعنی پیٹ کی حالت صاف کر، اس میں ایک احتمال یہ ہے کہ عدت گزار کیونکہ عدت کا مقصود یہی ہوتا ہے کہ دوسرے شخص کے ساتھ نکاح کرنے سے پہلے عورت کا رحم خالی ہو اور دوسرا احتمال یہ کہ اپنے رحم کی صفائی کر تاکہ میں تجھے طلاق دوں۔

اب جب طلاق کی نیت کرے گا تو گویا وہ اسے کہہ رہا ہے میں نے تجھے طلاق دی تو عدت گزار اور یہ طلاق رجعی ہوگی کیونکہ یہ طلاق اپنے بعد رجوع کو چاہتی ہے۔

③ **اَنْتِ وَاحِدَۃٌ:**

اس میں بھی دو احتمال ہیں ایک یہ کہ مصدر محذوف کی صفت ہو یعنی اَنْتِ طَالِقٌ طَلَاقًا وَّاحِدًا اور دوسرا یہ کہ تو اپنی قوم

میں ایک ہے یعنی یکتا ہے تو جب طلاق کی نیت کی تو لفظ واحدۃ طلاق مصدر محذوف کی صفت ہوگی اور طلاق رجعی ہوگی۔

اس میں نیت کی ضرورت

جب کنایہ الفاظ میں ایک سے زائد معانی کا احتمال ہوتا ہے تو جب تک طلاق کی نیت نہ ہو طلاق نہیں ہوگی یا دلالت حال ہو یعنی میاں بیوی کے درمیان طلاق کے بارے میں جھگڑا ہو رہا ہے۔

ایک ہی طلاق ہوگی

چونکہ ان الفاظ کا تقاضا طلاق ہے یا ان میں لفظ طلاق (مصدر) پوشیدہ ہے تو اگر وہ ظاہر ہو مثلاً اَنْتِ طَالِقٌ کہے تو ایک طلاق ہوتی ہے تو پوشیدہ ہونے کی صورت میں بدرجہ اولیٰ ایک طلاق ہوگی۔

اور جب اَنْتِ وَاحِدَۃٌ کہا تو اگرچہ مصدر کو مذکور مانا جاتا ہے اور بطور جنس تین طلاقیں بھی مراد ہو سکتی ہیں لیکن لفظ وَاحِدَۃٌ واضح اور صریح انداز میں مذکور ہے جو تین کے منافی ہے لہٰذا تین طلاقوں کی نیت کرے تو بھی ایک ہی ہوگی۔

اعراب کا اعتبار نہ ہوگا

چونکہ اعراب کا تعلق اہل علم سے ہوتا ہے اور عوام الناس کو اس کا علم نہیں ہوتا لہٰذا لفظ ''واحدۃ'' میں اعراب کا اعتبار نہیں ہوگا واحدۃ پر ضمہ، فتحہ کسرہ جو بھی پڑھے اس سے مفہوم میں فرق نہیں پڑے گا۔

کنایہ کے باقی الفاظ اور ان کا حکم

(۵۴): قَالَ [وَبَقِيَّةُ الْكِنَايَاتِ اِذَا نَوٰى بِهَا الطَّلَاقَ كَانَتْ وَاحِدَةً بَائِنَةً. وَاِنْ نَوٰى ثَلَاثًا كَانَتْ ثَلَاثًا. وَاِنْ نَوٰى ثِنْتَيْنِ كَانَتْ وَاحِدَةً. وَهٰذَا مِثْلُ قَوْلِهٖ: اَنْتِ بَائِنٌ وَّبَتَّةٌ وَّبَتْلَةٌ وَّحَرَامٌ وَّحَبْلُكِ عَلٰى غَارِبِكِ وَالْحَقِيْ بِاَهْلِكِ وَخَلِيَّةٌ وَّبَرِيَّةٌ وَّوَهَبْتُكِ لِاَهْلِكِ وَسَرَّحْتُكِ وَفَارَقْتُكِ وَاَمْرُكِ بِيَدِكِ وَاخْتَارِيْ وَاَنْتِ حُرَّةٌ وَّتَقَنَّعِيْ وَتَخَمَّرِيْ وَاسْتَتِرِيْ وَاغْرُبِيْ وَاخْرُجِيْ وَاذْهَبِيْ وَقُوْمِيْ وَابْتَغِي الْاَزْوَاجَ] لِاَنَّهَا تَحْتَمِلُ الطَّلَاقَ وَغَيْرَهٗ فَلَا بُدَّ مِنَ النِّيَّةِ.

قَالَ [اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ فِيْ حَالِ مُذَاكَرَةِ الطَّلَاقِ] فَيَقَعُ بِهَا الطَّلَاقُ فِي الْقَضَاءِ. وَلَا يَقَعُ فِيْمَا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ اللهِ تَعَالٰى اِلَّا اَنْ يَّنْوِيَهٗ.

قَالَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ [سَوّٰى بَيْنَ هٰذِهِ الْاَلْفَاظِ وَقَالَ: وَلَا يُصَدَّقُ فِي الْقَضَاءِ اِذَا كَانَ فِيْ حَالِ مُذَاكَرَةِ الطَّلَاقِ] قَالُوْا [وَهٰذَا فِيْمَا لَا يَصْلُحُ رَدًّا] وَالْجُمْلَةُ فِيْ ذٰلِكَ اَنَّ الْاَحْوَالَ ثَلَاثَةٌ: حَالَةٌ مُّطْلَقَةٌ وَّهِيَ حَالَةُ الرِّضَا. وَحَالَةُ مُذَاكَرَةِ الطَّلَاقِ. وَحَالَةُ الْغَضَبِ.

ترجمہ: امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں [اور باقی الفاظ کنایہ سے جب طلاق کی نیت کرے تو ایک بائنہ طلاق واقع

ہوگی ۔اوراگر تین کی نیت کرے تو تین ہوں گی اوراگر دو کی نیت کرے تو ایک ہوگی اور یہ اس کی مثل ہے کہ کہے ـــ تم بائنہ ہو، تم بتہ ہو، تم حرام ہو، تمہاری رسی تمہاری گردن پر، اپنے گھر والوں سے مل جاؤ، تم خالی ہو، تم بری ہو، میں نے تجھے تیرے گھر والوں کو ہبہ کیا، میں نے تجھے چھوڑ دیا، میں نے تجھے جدا کیا، تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے، تجھے اختیار ہے، تو آزاد ہے، پردہ کرلے، دوپٹہ اوڑھ لے، استبراء کرلے، اجنبی ہو جا، نکل جا، چلی جا، کھڑی ہو جا اور خاوند تلاش کر]

کیونکہ یہ تمام الفاظ طلاق اوراس کے علاوہ کا احتمال رکھتے ہیں لہٰذا نیت ضروری ہے۔

امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں (مگر یہ کہ مذاکرۂ طلاق کی حالت ہو) تو قضاءً طلاق ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ اور اس بندے کے درمیان یعنی دیانتاً نیت کے بغیر طلاق نہیں ہوگی۔

حضرت امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے [ان تمام الفاظ کو برابر رکھا اور فرمایا کہ قضاءً اس کی تصدیق نہیں ہوگی جب حالت مذاکرۂ طلاق میں یہ الفاظ استعمال کرے]

علماء کرام فرماتے ہیں [یہ ان الفاظ میں ہے جو رد کا احتمال رکھتے ہیں]

اس میں خلاصہ یہ ہے کہ تین قسم کی حالتیں ہیں:

① مطلق حالت یعنی حالت رضا ② مذاکرۂ طلاق کی حالت،

③ اور غصے کی حالت۔

توضیح: کنایہ الفاظ کو دو قسموں میں تقسیم کیا گیا ایک قسم وہ جس میں طلاق رجعی واقع ہوتی ہے اور وہ تین الفاظ اس سے پہلے ذکر کئے جا چکے ہیں۔

اب ان الفاظ کو ذکر کیا جن کے استعمال سے ایک طلاق بائن واقع ہوتی ہے۔اوراگر تین کی نیت کرے تو تین واقع ہوں گی اور دو کی نیت کرنے سے ایک ہی واقع ہوگی ـــ کیونکہ جب طلاق کی نیت کی تو لفظ طلاق مراد ہوگا جو مصدر ہے اور اس سے فرد حقیقی یعنی ایک یا کل افراد یعنی تین طلاقوں کی نیت کی جا سکتی ہے لیکن عدد مراد نہیں ہو سکتا اور دو عدد ہے اس لئے ایک ہی طلاق مراد ہوگی جب وہ دو کی نیت کرے۔

اگر مذاکرۂ طلاق ہو تو نیت کی حاجت نہیں ہوگی یہی گفتگو نیت کے قائم مقام ہو جائے گی اور قاضی کے ہاں اس کی یہ بات نہیں مانی جائے گی کہ اس نے نیت نہیں کی البتہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی تصدیق کی جائے گی اور طلاق نہیں ہوگی۔

نوٹ: چونکہ تین حالتیں ہوتی ہیں:

① عام حالت جس میں غصہ وغیرہ نہ ہو اسے ''حالت رضا'' کہتے ہیں۔

② ''حالت مذاکرۂ طلاق'' جب طلاق کے بارے میں گفتگو ہو رہی ہو۔

③ ''غصے کی حالت'' (ان کا بیان آگے آ رہا ہے)

نوٹ: یہ طلاق اس صورت میں ہوگی جب جواب اور رد کا احتمال نہ ہو (تفصیل آگے آ رہی ہے)

کنایات کی تین اقسام

(۵۵): وَالْكِنَايَاتُ ثَلَاثَةُ أَقْسَامٍ: مَا يَصْلُحُ جَوَابًا وَرَدًّا، وَمَا يَصْلُحُ جَوَابًا لَا رَدًّا، وَمَا يَصْلُحُ جَوَابًا وَسَبًّا وَشَتِيمَةً. فَفِي حَالَةِ الرِّضَا لَا يَكُونُ شَيْءٌ مِنْهَا طَلَاقًا إِلَّا بِالنِّيَّةِ. فَالْقَوْلُ قَوْلُهُ فِي إِنْكَارِ النِّيَّةِ لِمَا قُلْنَا.

وَفِي حَالَةِ مُذَاكَرَةِ الطَّلَاقِ لَا يُصَدَّقُ فِيمَا يَصْلُحُ جَوَابًا، وَلَا يَصْلُحُ رَدًّا فِي الْقَضَاءِ مِثْلُ قَوْلِهِ خَلِيَّةٌ بَرِيَّةٌ بَائِنٌ بَتَّةٌ حَرَامٌ اعْتَدِّي أَمْرُكِ بِيَدِكِ اخْتَارِي ؛ لِأَنَّ الظَّاهِرَ أَنَّ مُرَادَهُ الطَّلَاقَ عِنْدَ سُؤَالِ الطَّلَاقِ.

وَيُصَدَّقُ فِيمَا يَصْلُحُ جَوَابًا وَرَدًّا مِثْلُ قَوْلِهِ: اذْهَبِي اُخْرُجِي قُومِي تَقَنَّعِي تَخَمَّرِي وَمَا يَجْرِي هٰذَا الْمَجْرٰى لِأَنَّهُ يَحْتَمِلُ الرَّدَّ وَهُوَ الْأَدْنٰى فَحُمِلَ عَلَيْهِ.

وَفِي حَالَةِ الْغَضَبِ يُصَدَّقُ فِي جَمِيعِ ذٰلِكَ لِاحْتِمَالِ الرَّدِّ وَالسَّبِّ، إِلَّا فِيمَا يَصْلُحُ لِلطَّلَاقِ وَلَا يَصْلُحُ لِلرَّدِّ وَالشَّتْمِ كَقَوْلِهِ: اعْتَدِّي وَاخْتَارِي وَأَمْرُكِ بِيَدِكِ فَإِنَّهُ لَا يُصَدَّقُ فِيهَا لِأَنَّ الْغَضَبَ يَدُلُّ عَلٰى إِرَادَةِ الطَّلَاقِ.

وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ فِي قَوْلِهِ: لَا مِلْكَ لِي عَلَيْكِ وَلَا سَبِيلَ لِي عَلَيْكِ وَخَلَّيْتُ سَبِيلَكِ وَفَارَقْتُكِ، أَنَّهُ يُصَدَّقُ فِي حَالَةِ الْغَضَبِ لِمَا فِيهَا مِنِ احْتِمَالِ مَعْنَى السَّبِّ.

ثُمَّ وُقُوعُ الْبَائِنِ بِمَا سِوَى الثَّلَاثَةِ الْأُوَلِ مَذْهَبُنَا.

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: يَقَعُ بِهَا رَجْعِيًّا لِأَنَّ الْوَاقِعَ بِهَا طَلَاقٌ، لِأَنَّهَا كِنَايَاتٌ عَنِ الطَّلَاقِ وَلِهٰذَا تُشْتَرَطُ النِّيَّةُ وَيُنْتَقَصُ بِهِ الْعَدَدُ، وَالطَّلَاقُ مُعْقِبٌ لِلرَّجْعَةِ كَالصَّرِيحِ.

وَلَنَا أَنَّ تَصَرُّفَ الْإِبَانَةِ صَدَرَ مِنْ أَهْلِهِ مُضَافًا إِلٰى مَحَلِّهِ عَنْ وِلَايَةٍ شَرْعِيَّةٍ، وَلَا خَفَاءَ فِي الْأَهْلِيَّةِ وَالْمَحَلِّيَّةِ، وَالدَّلَالَةُ عَلَى الْوِلَايَةِ أَنَّ الْحَاجَةَ مَاسَّةٌ إِلٰى إِثْبَاتِهَا كَيْ لَا يَنْسَدَّ عَلَيْهِ بَابُ التَّدَارُكِ وَلَا يَقَعُ فِي عُهْدَتِهَا بِالْمُرَاجَعَةِ مِنْ غَيْرِ قَصْدٍ، وَلَيْسَتْ كِنَايَاتٍ عَلَى التَّحْقِيقِ لِأَنَّهَا عَوَامِلُ فِي حَقَائِقِهَا، وَالشَّرْطُ تَعْيِينُ أَحَدِ نَوْعَيِ الْبَيْنُونَةِ دُونَ الطَّلَاقِ، وَانْتِقَاصُ الْعَدَدِ لِثُبُوتِ الطَّلَاقِ بِنَاءً عَلٰى زَوَالِ الْوُصْلَةِ، وَإِنَّمَا تَصِحُّ نِيَّةُ الثَّلَاثِ فِيهَا لِتَنَوُّعِ الْبَيْنُونَةِ

إِلَى غَلِيظَةٍ وَخَفِيفَةٍ، وَعِنْدَ انْعِدَامِ النِّيَّةِ يَثْبُتُ الأَدْنَى، وَلَا تَصِحُّ نِيَّةُ الِاثْنَتَيْنِ عِنْدَنَا خِلَافًا لِزُفَرَ لِأَنَّهُ عَدَدٌ وَقَدْ بَيَّنَّاهُ مِنْ قَبْلُ.

ترجمہ: اور کنایات کی تین اقسام ہیں: (۱) وہ جو جواب اور رد کا احتمال رکھتے ہیں۔ (۲) جو جواب کا احتمال رکھتے ہیں رد کا نہیں۔ (۳) اور جو جواب اور گالی گلوچ کا احتمال رکھتے ہیں۔ تو جب حالت رضا ہو تو ان کے استعمال سے نیت کے بغیر طلاق نہیں ہوگی اور اگر وہ نیت کا انکار کرے تو اس کا قول تسلیم کیا جائے گا جس طرح ہم نے کہا۔

اور مذاکرۂ طلاق کی حالت میں ان الفاظ کے استعمال کی صورت میں جو جواب کی صلاحیت رکھتے ہیں لیکن رد کی صلاحیت نہیں رکھتے قضاءً اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی جیسے وہ کہے:

خَلِيَّةٌ، بَرِيَّةٌ، بَائِنٌ، بَتَّةٌ، حَرَامٌ، اِعْتَدِّيْ، اَمْرُكِ بِيَدِكِ، اِخْتَارِيْ۔

کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ طلاق کے سوال کے وقت اس کی مراد طلاق ہی ہے۔

اور جو الفاظ جواب اور رد کی صلاحیت رکھتے ہیں ان میں اس کی تصدیق کی جائے گی جیسے وہ کہے: اِذْهَبِيْ، اُخْرُجِيْ تَقَنَّعِيْ، تَخَمَّرِيْ، اور جو ان کے قائم مقام ہیں کیونکہ ان میں (عورت کے مطالبہ کے) رد کا بھی احتمال ہے اور وہ کم درجہ کا حکم ہے پس اس پر محمول کیا جائے گا

اور حالت غضب میں ان تمام میں تصدیق کی جائے گی کیونکہ رد اور برا بھلا کہنے کا احتمال ہے البتہ وہ الفاظ جو طلاق کا احتمال رکھتے ہیں اور رد یا گالی گلوچ کا احتمال نہیں رکھتے (ان میں اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی) جیسے: اِعْتَدِّيْ، اِخْتَارِيْ، اَمْرُكِ بِيَدِكِ —— ان الفاظ میں اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی کیونکہ حالت غضب، طلاق کے ارادے پر دلالت کرتی ہے۔

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ اگر وہ حالت غضب میں یہ الفاظ کہے: ''میری تجھ پر ملکیت نہیں، میرا تیری طرف کوئی راستہ نہیں، میں نے تیرا راستہ چھوڑ دیا، میں نے تجھے جدا کر دیا'' تو اس کی تصدیق کی جائے گی کیونکہ ان الفاظ میں گالی گلوچ کا بھی احتمال ہے۔

پھر پہلے تین کے علاوہ الفاظ کنایہ سے طلاق بائن کا وقوع ہمارے نزدیک ہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ان الفاظ کے ساتھ طلاق رجعی ہوگی کیونکہ یہ طلاق سے کنایہ ہیں اسی لئے نیت شرط ہے اور عدد ٹوٹ جاتا ہے اور طلاق اپنے بعد رجعت کو چاہتی ہے جس طرح صریح لفظ (کے استعمال) میں ہوتا ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ جدا کرنے کا تصرف اس کے اہل سے ہوا اور محل کی طرف مضاف ہوا اور اسے شرعی اختیار بھی حاصل ہے۔ اہلیت اور محلیت میں کوئی پوشیدگی نہیں اور ولایت کی دلیل یہ ہے کہ اسے ثابت کرنے کی حاجت ہے تاکہ اس پر تدارک کا دروازہ بند نہ ہو جائے اور اس کے ارادے کے بغیر عدت میں رجوع نہ ہو جائے اور حقیقت میں یہ کنایہ نہیں کیونکہ یہ اپنے حقیقی معنیٰ میں بھی عمل کرتے ہیں اور نیت اس لئے شرط ہے کہ بینونت کی دو قسموں میں سے ایک کا تعین کیا

جائے، نیت طلاق کے لئے نہیں ہوتی۔ عدد کی طلاق کے ثبوت کے لئے ہوتی ہے اور اس کی بنیاد وصل کو زائل کرنا ہے۔
اور تین کی نیت اس لئے صحیح ہے کہ بینونت کی دو قسمیں ہیں غلیظہ اور خفیفہ، اور نیت نہ ہونے کی صورت میں ادنیٰ (یعنی خفیفہ) ثابت ہوگی اور ہمارے نزدیک دو کی نیت صحیح نہیں کیونکہ وہ عدد ہے اور ہم اس سے پہلے یہ بات بیان کر چکے ہیں، حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے (ان کے نزدیک دو کی نیت صحیح ہے)

توضیح: جب کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دیتے ہوئے کنایہ لفظ استعمال کرے تو اس شخص کی تین میں سے کوئی ایک حالت ہوگی اور اسی اعتبار سے ان الفاظ کا حکم متعین ہوگا۔
وہ تین حالتیں یہ ہیں:

1. عام حالت جسے حالت رضا کہا گیا۔
2. طلاق کے بارے میں گفتگو کی حالت جسے ''حالت مذاکرۂ طلاق'' کہا جاتا ہے۔
3. غصے کی حالت جسے حالت غضب کہا جاتا ہے۔

اسی طرح کنایہ الفاظ کی بھی تین قسمیں ہیں:

1. جو (سوال کا) جواب اور رد کی صلاحیت رکھتے ہیں۔
جیسے چلی جا، نکل جا، کھڑی ہو جا، برقع پہن لے، دوپٹہ پہن لے اور اس طرح کے دیگر الفاظ۔
2. وہ الفاظ کنایہ جو جواب کی صلاحیت رکھتے ہیں رد کی صلاحیت نہیں رکھتے جیسے
تو خالی ہے، بری ہے، بائن، بتہ (جدا ہے)، حرام ہے، شمار کر، تیرا معاملہ تیرے اختیار میں ہے، تجھے اختیار ہے۔
3. وہ کنایہ الفاظ جو جواب اور گالی گلوچ دونوں کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ دوسری قسم کے الفاظ جب حالت غضب میں استعمال کرے تو گالی گلوچ کا احتمال رکھتے ہیں۔

اس تمہیدی اور ضروری وضاحت کے بعد دیکھنا یہ ہے کہ کس حالت میں طلاق دی۔

پہلی حالت:

یعنی حالت رضا میں ان کنایات میں سے جو بھی لفظ استعمال کرے نیت کے بغیر طلاق نہیں ہوگی۔

دوسری حالت:

یعنی مذاکرۂ طلاق میں وہ الفاظ جو جواب کی صلاحیت رکھتے ہیں رد کی صلاحیت نہیں رکھتے تو قاضی کے ہاں اس کی اس بات کی تصدیق نہیں کی جائے گی کہ اس نے طلاق کی نیت نہیں کی کیونکہ مذاکرۂ طلاق خود نیت کے قائم مقام ہے۔
نوٹ: (یہ الفاظ پہلے بیان ہو چکے ہیں) تصدیق اس لئے نہیں کی جائے گی کہ یہ بات ظاہر ہے کہ جب اس سے طلاق کا سوال کیا گیا تو اس نے ان الفاظ کو طلاق کے لئے ہی استعمال کیا۔

ایک دوسری صورت:

یعنی مذاکرۂ طلاق کے دوران وہ کنایہ الفاظ استعمال کرے جو جواب اور رد دونوں کا احتمال رکھتے ہیں (وہ الفاظ پہلے ذکر کر دیئے گئے ہیں) تو اگر وہ کہے کہ میں نے طلاق کا ارادہ نہیں کیا تو اس کی تصدیق کی جائے گی کیونکہ ان الفاظ میں رد کا احتمال ہے اور یہ ادنیٰ ہے یعنی کم درجہ کا فیصلہ ہے لہٰذا اس پر محمول کیا جائے گا۔

تیسری حالت:

یہ غصے کی حالت ہے جسے حالت غضب کہا گیا تو اس حالت میں یہ تمام مذکورہ الفاظ (جو رد کا احتمال رکھتے ہیں) استعمال کے اعتبار سے اس کی اس بات کی تصدیق کی جائے گی کہ اس کا ارادہ طلاق کا نہیں تھا کیونکہ یہ الفاظ رد اور برا بھلا کہنے کا احتمال رکھتے ہیں۔

البتہ جو الفاظ طلاق کا احتمال رکھتے ہیں اور رد یا گالی گلوچ کا احتمال نہیں رکھتے ان کے استعمال کی صورت میں مرد کی اس بات کی تصدیق نہیں کی جائے گی کہ اس نے طلاق کا ارادہ نہیں کیا کیونکہ غصے کی حالت اس بات پر دلیل ہے کہ اس نے طلاق کا ارادہ کیا ہے۔

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا بعض الفاظ کے حکم میں اختلاف

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ اگر مرد یہ الفاظ کہے: ''میرا تجھ پر کوئی سبیل (حق) نہیں'' اور ''مجھے تجھ پر مالک ہونے کا حق نہیں''، ''میں نے تیرا راستہ چھوڑ دیا''، ''میں نے تجھے جدا کر دیا''۔

جب وہ حالت غضب میں یہ الفاظ کہے اور طلاق کے ارادے کا انکار کرے تو اس کی بات کی تصدیق کی جائے گی کیونکہ ان میں گالی گلوچ کا بھی احتمال ہے۔

نوٹ: پہلے تین الفاظ (اِعْتَدِّیْ، اِسْتَبْرِئِیْ رَحِمَكِ، اَنْتِ وَاحِدَةٌ) کے علاوہ باقی تمام کنایہ الفاظ سے طلاق بائن واقع ہوتی ہے ان تین سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کنایہ الفاظ سے طلاق رجعی واقع ہوگی کیونکہ ان الفاظ سے طلاق واقع ہوتی ہے اس لئے کہ یہ طلاق سے کنایہ ہیں اسی لئے (طلاق کی) نیت شرط ہے اور ان سے عدد ٹوٹ جاتا ہے (کیونکہ یہ مصدر ہے جو عدد کو نہیں چاہتا) اور طلاق اپنے بعد رجعت کو چاہتی ہے جس طرح صریح طلاق کا حکم ہے۔

احناف کا جواب

ہماری دلیل یہ ہے کہ ابانت (جدائی) کا تصرف ایسے شخص سے ہوا ہے جو شوہر ہونے کی وجہ سے اس تصرف کا اہل ہے اور عورت اس کی بیوی ہونے کی وجہ سے اس کا محل ہے اور اسے ولایت شرعیہ بھی حاصل ہے کیونکہ شریعت نے خاوند کو طلاق دینے کا

حق دیا ہے۔ جہاں تک اہلیت اور محلیت کا تعلق ہے تو اس میں کوئی پوشیدگی نہیں کیونکہ وہ بیوی اور خاوند ہیں اور ولایت پر دلالت یہ ہے کہ اسے طلاق بائن دینے کی حاجت ہے کیونکہ وہ اس طریقے پر عورت کو اپنے آپ سے دور کر سکتا ہے کیونکہ اگر نیت کے ساتھ طلاق بائن واقع نہ ہو تو رجوع ثابت ہوگا حالانکہ شوہر، عورت سے جدائی چاہتا ہے۔ اسی اختیار و ولایت کو تدارک کہا گیا۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ الفاظ طلاق سے کنایہ ہیں تو اس کا جواب یوں دیا کہ ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ حقیقت میں یہ کنایہ ہیں کیونکہ ان کے معانی معلوم ہیں البتہ ان کے حقائق پوشیدہ ہیں اس لئے ان کو مجازاً کنایات کہا گیا کیونکہ جس کے ساتھ یہ ملتے ہیں اس میں پوشیدگی ہوتی ہے ان کی ذات میں پوشیدگی نہیں تو جب نیت کے ساتھ پوشیدگی زائل ہوگئی تو یہ اپنی حقیقت پر عمل کریں گے۔

جہاں تک تعداد کے ٹوٹنے کا تعلق ہے تو وہ اس لئے ہے کہ بینونت (جدائی) کے ضمن میں طلاق ہے اور نیت طلاق بائن کے لئے شرط ہے محض طلاق کے لئے نہیں (کہ اس سے رجعی طلاق مراد لی جائے) اور تین کی نیت اس لئے صحیح ہوتی ہے کہ بینونت کی دو قسمیں ہیں: ⌘ غلیظہ اور ⌘ خفیفہ۔

جب تین کی نیت ہو تو غلیظہ ہوگی اور جب نیت نہ ہو تو ادنیٰ (ایک طلاق بائن) مراد ہوگی۔

چونکہ اس کے ضمن میں طلاق ہے اور وہ اسم جنس (مصدر) ہے اس لئے دو کی نیت درست نہیں ہوگی کیونکہ دو عدد ہے البتہ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ دو کی نیت کو درست قرار دیتے ہیں۔

لفظ اِعْتَدِّیْ کے تکرار کا حکم

(۵۶): [وَاِنْ قَالَ لَهَا: اعْتَدِّی اعْتَدِّی اعْتَدِّی وَقَالَ: نَوَیْتُ بِالْاُوْلٰی طَلَاقًا وَّبِالْبَاقِیْ حَیْضًا دُیِّنَ فِی الْقَضَاءِ] لِاَنَّهٗ نَوٰی حَقِیْقَةَ کَلَامِهٖ، وَلِاَنَّهٗ یَاْمُرُ امْرَاَتَهٗ فِی الْعَادَةِ بِالْاِعْتِدَادِ بَعْدَ الطَّلَاقِ فَکَانَ الظَّاهِرُ شَاهِدًا لَهٗ [وَاِنْ قَالَ: لَمْ اَنْوِ بِالْبَاقِیْ شَیْئًا فَهِیَ ثَلَاثٌ] لِاَنَّهٗ لَمَّا نَوٰی بِالْاُوْلَی الطَّلَاقَ صَارَ الْحَالُ حَالَ مُذَاکَرَةِ الطَّلَاقِ فَتَعَیَّنَ الْبَاقِیَانِ لِلطَّلَاقِ بِهٰذِهِ الدَّلَالَةِ فَلَا یُصَدَّقُ فِیْ نَفْیِ النِّیَّةِ. بِخِلَافِ مَا اِذَا قَالَ: لَمْ اَنْوِ بِالْکُلِّ الطَّلَاقَ حَیْثُ لَا یَقَعُ شَیْءٌ لِاَنَّهٗ لَا ظَاهِرَ یُکَذِّبُهٗ، وَبِخِلَافِ مَا اِذَا قَالَ: نَوَیْتُ بِالثَّالِثَةِ الطَّلَاقَ دُوْنَ الْاُوْلَیَیْنِ حَیْثُ لَا یَقَعُ اِلَّا وَاحِدَةً لِاَنَّ الْحَالَ عِنْدَ الْاُوْلَیَیْنِ لَمْ تَکُنْ حَالَ مُذَاکَرَةِ الطَّلَاقِ، وَفِیْ کُلِّ مَوْضِعٍ یُصَدَّقُ الزَّوْجُ عَلٰی نَفْیِ النِّیَّةِ اِنَّمَا یُصَدَّقُ مَعَ الْیَمِیْنِ لِاَنَّهٗ اَمِیْنٌ فِی الْاِخْبَارِ عَمَّا فِیْ ضَمِیْرِهٖ وَالْقَوْلُ قَوْلُ الْاَمِیْنِ مَعَ الْیَمِیْنِ.

ترجمہ: [اور اگر خاوند نے بیوی سے کہا: اِعْتَدِّیْ شمار کر (تین بار کہا) اور کہا کہ میں نے پہلے لفظ سے طلاق اور باقی

دو سے حیض مراد لیا ہے تو قاضی کے ہاں اس کی تصدیق کی جائے گی]

کیونکہ اس نے اپنے کلام کی حقیقت کی نیت کی اور اس لئے بھی کہ خاوند طلاق کے بعد اپنی بیوی کو عدت گزارنے کا کہتا ہے تو ظاہر اس پر گواہ ہے۔

[اور اگر کہے کہ میں نے باقی دو سے کوئی نیت نہیں کی تو یہ تین طلاقیں ہوں گی]

کیونکہ جب اس نے پہلے لفظ سے طلاق کی نیت کی تو مذاکرۂ طلاق کی حالت ہوگئی تو اس دلالت کی وجہ سے باقی دو الفاظ طلاق کے لئے متعین ہو گئے لہٰذا نیت کی نفی میں اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی بخلاف اس کے جب وہ کہے کہ میں نے ان تمام سے طلاق کی نیت نہیں کی تو اس صورت میں کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ کوئی ایسی ظاہر بات نہیں جو اسے جھٹلائے۔ اور بخلاف اس کے جب وہ کہے کہ میں نے تیسرے کلمہ کے ساتھ طلاق کی نیت کی ہے پہلے دو کے ساتھ نہیں تو اس صورت میں ایک ہی طلاق ہوگی کیونکہ پہلے دو کلمات کے وقت مذاکرۂ طلاق کی حالت نہیں تھی۔

اور جس جس جگہ خاوند کی نیت کی نفی میں تصدیق کی جائے وہاں قسم کے ساتھ تصدیق ہوگی کیونکہ وہ اپنے دل کی بات بتانے میں امین ہے اور امین کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوتا ہے۔

توضیح: جب خاوند اپنی بیوی سے اِعْتَدِّیْ کا لفظ کہے تو یہ بات پہلے گزر گئی کہ طلاق کی نیت سے طلاق رجعی واقع ہو گی۔ اب یہ بتایا جا رہا ہے کہ اگر وہ یہ لفظ تین بار کہے تو کیا حکم ہوگا تو اس کی چند صورتیں ہیں:

[1] وہ کہتا ہے کہ میں نے پہلے لفظ (اِعْتَدِّیْ) سے طلاق اور دوسری اور تیسری مرتبہ سے حیض (یعنی عدت) مراد لیا ہے تو قاضی کے ہاں اس کی بات مانی جائے گی کیونکہ اس نے اپنے کلام کی حقیقت کی نیت کی ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ وہ طلاق کے بعد بیوی کو عدت گزارنے کے لئے کہتا ہے لہٰذا ظاہر اس کی نیت کا گواہ ہے۔

[2] اگر وہ کہے کہ میں نے باقی دو کلمات سے کوئی نیت نہیں کی تو تین طلاقیں مراد ہوں گی کیونکہ جب پہلے کلمہ سے طلاق مراد لی تو یہ حالت مذاکرۂ طلاق ہوگی اور مذاکرۂ طلاق کی حالت میں نیت کے بغیر طلاق ہو جاتی ہے لہٰذا اگر وہ نیت کی نفی بھی کرے تو اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔

[3] اور اگر وہ کہے کہ میں نے تینوں کلمات کے ساتھ طلاق کی نیت نہیں کی تو کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ ظاہری حالت میں کوئی ایسی بات نہیں جو اس کو جھٹلائے۔

[4] اور اگر وہ کہے کہ میں نے تیسرے لفظ کے ساتھ طلاق کی نیت کی پہلے دو کلمات کے ساتھ نہیں کی تو ایک ہی طلاق واقع ہوگی کیونکہ پہلے دو کلمات کے وقت مذاکرۂ طلاق کی حالت نہیں تھی۔

نوٹ: چونکہ نیت دل کے ارادے کا نام ہے اور اس بات کو وہی شخص جانتا ہے جس کا اس نیت کے ساتھ تعلق ہے لہٰذا اگر وہ نیت کی نفی کرے تو اس کی بات کی تصدیق کی جائے گی لیکن اسے قسم بھی اٹھانا ہوگی کیونکہ یہ اپنی بات کا امین ہے اور امین کی بات قسم کے ساتھ معتبر ہوتی ہے۔

بَابُ تَفْوِيضِ الطَّلَاقِ

باب: طلاق کا حق سونپنا

فَصْلٌ فِي الْاِخْتِيَارِ

عورت کو طلاق کا اختیار دینا

(۵۷): [وَاِذَا قَالَ لِامْرَاَتِهٖ: اخْتَارِيْ يَنْوِيْ بِذٰلِكَ الطَّلَاقَ اَوْ قَالَ لَهَا: طَلِّقِيْ نَفْسَكِ فَلَهَا اَنْ تُطَلِّقَ نَفْسَهَا مَا دَامَتْ فِيْ مَجْلِسِهَا ذٰلِكَ. فَاِنْ قَامَتْ مِنْهُ اَوْ اَخَذَتْ فِيْ عَمَلٍ اٰخَرَ خَرَجَ الْاَمْرُ مِنْ يَدِهَا] لِاَنَّ الْمُخَيَّرَةَ لَهَا الْمَجْلِسُ بِاِجْمَاعِ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ. وَلِاَنَّهٗ تَمْلِيْكُ الْفِعْلِ مِنْهَا. وَالتَّمْلِيْكَاتُ تَقْتَضِيْ جَوَابًا فِي الْمَجْلِسِ كَمَا فِي الْبَيْعِ. لِاَنَّ سَاعَاتِ الْمَجْلِسِ اُعْتُبِرَتْ سَاعَةً وَاحِدَةً. اِلَّا اَنَّ الْمَجْلِسَ تَارَةً يَتَبَدَّلُ بِالذَّهَابِ عَنْهُ وَتَارَةً بِالْاِشْتِغَالِ بِعَمَلٍ اٰخَرَ. اِذْ مَجْلِسُ الْاَكْلِ غَيْرُ مَجْلِسِ الْمُنَاظَرَةِ وَمَجْلِسُ الْقِتَالِ غَيْرُهُمَا.

وَيَبْطُلُ خِيَارُهَا بِمُجَرَّدِ الْقِيَامِ لِاَنَّهٗ دَلِيْلُ الْاِعْرَاضِ. بِخِلَافِ الصَّرْفِ وَالسَّلَمِ لِاَنَّ الْمُفْسِدَ هُنَاكَ الْاِفْتِرَاقُ مِنْ غَيْرِ قَبْضٍ. ثُمَّ لَا بُدَّ مِنَ النِّيَّةِ فِيْ قَوْلِهٖ: اخْتَارِيْ لِاَنَّهٗ يَحْتَمِلُ تَخْيِيْرَهَا فِيْ نَفْسِهَا وَيَحْتَمِلُ تَخْيِيْرَهَا فِيْ تَصَرُّفٍ اٰخَرَ غَيْرِهٖ (فَاِنْ [اخْتَارَتْ نَفْسَهَا فِيْ قَوْلِهٖ اخْتَارِيْ كَانَتْ وَاحِدَةً بَائِنَةً]۔

وَالْقِيَاسُ اَنْ لَا يَقَعَ بِهٰذَا شَيْءٌ. وَاِنْ نَوَى الزَّوْجُ الطَّلَاقَ لِاَنَّهٗ لَا يَمْلِكُ الْاِيْقَاعَ بِهٰذَا اللَّفْظِ فَلَا يَمْلِكُ التَّفْوِيْضَ اِلٰى غَيْرِهٖ اِلَّا اَنَّا اسْتَحْسَنَّاهُ لِاِجْمَاعِ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ. وَلِاَنَّهٗ بِسَبِيْلٍ مِنْ اَنْ يَسْتَدِيْمَ نِكَاحَهَا اَوْ يُفَارِقَهَا فَيَمْلِكُ اِقَامَتَهَا مَقَامَ نَفْسِهٖ فِيْ حَقِّ هٰذَا

الْحُكْمِ. ثُمَّ الْوَاقِعُ بِهَا بَائِنٌ لِاَنَّ اخْتِيَارَهَا نَفْسَهَا بِثُبُوتِ اخْتِصَاصِهَا بِهَا وَذٰلِكَ فِي الْبَائِنِ [وَلَا يَكُوْنُ ثَلَاثًا وَاِنْ نَوَى الزَّوْجُ ذٰلِكَ] لِاَنَّ الْاِخْتِيَارَ لَا يَتَنَوَّعُ. بِخِلَافِ الْاِبَانَةِ لِاَنَّ الْبَيْنُوْنَةَ قَدْ تَتَنَوَّعُ.

ترجمہ: [اور جب خاوند اپنی بیوی سے کہے تجھے اختیار ہے اور اس سے طلاق کی نیت کرے یا اس سے کہے اپنے آپ کو طلاق دو تو وہ اپنے آپ کو طلاق دے سکتی ہے جب تک اسی مجلس میں ہو اگر اس سے کھڑی ہو جائے یا کسی دوسرے کام میں مصروف ہو جائے تو اس کے ہاتھ سے اختیار نکل جائے گا]

کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس بات پر اجماع ہے کہ جس عورت کو اختیار دیا گیا اس کا اختیار مجلس تک محدود ہوتا ہے نیز یہ (اختیار) عورت کو فعل کا مالک بنانا ہے اور تملیکات مجلس میں جواب کا تقاضا کرتی ہیں جس طرح خرید و فروخت میں ہوتا ہے کیونکہ مجلس کے اوقات کو ایک ہی وقت معتبر مانا گیا ہے البتہ مجلس بعض اوقات وہاں سے جانے سے بدل جاتی ہے اور کبھی کسی دوسرے کام میں مشغول ہونے سے بدلتی ہے کیونکہ کھانے کی مجلس، مناظرے کی مجلس کا غیر ہوتی ہے اور لڑائی کی مجلس ان دونوں کا غیر ہوتی ہے۔

اور اس کا اختیار صرف کھڑے ہونے سے بھی باطل ہو جاتا ہے کیونکہ یہ اعراض (منہ پھیرنے) کی دلیل ہے۔

بخلاف بیع سلم اور بیع صرف کے، وہاں قبضہ کے بغیر جدا ہونا اس بیع کو فاسد کر دیتا ہے۔

پھر جب خاوند اِخْتَارِیْ (تجھے طلاق کا اختیار ہے) کہے تو نیت ضروری ہے کیونکہ اس میں اسے نفس کا اختیار دینے اور کسی دوسرے عمل کا اختیار دینے کا احتمال ہے۔

[اور اگر اِخْتَارِیْ کہنے کی صورت میں عورت اپنے نفس کو اختیار کرے تو ایک بائن طلاق ہو گی]

قیاس یہ ہے کہ کچھ بھی واقع نہ ہو اگرچہ خاوند طلاق کی نیت کرے کیونکہ وہ اس لفظ کے ساتھ طلاق دینے کا اختیار نہیں رکھتا تو اپنے غیر کو سونپنے کا اختیار بھی نہیں رکھتا لیکن ہم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع کی وجہ سے بطور استحسان اسے جائز قرار دیا۔

علاوہ ازیں خاوند کو اختیار ہے کہ وہ اس عورت کے نکاح کو برقرار رکھے یا اس کو جدا کر دے پس وہ اس حکم میں اس کو اپنے قائم مقام کرنے کا اختیار رکھتا ہے پھر اس کے ساتھ طلاق بائن کا وقوع اس لئے ہے کہ عورت کا اپنے نفس کو اختیار کرنا اس کے لئے اس اختیار کے خاص ہونے کو ثابت کرتا ہے اور یہ طلاق بائن میں ہوتا ہے۔

[اور تین طلاقیں نہیں ہوں گی اگرچہ خاوند اس کی نیت کرے] کیونکہ اختیار کی اقسام نہیں ہوتیں بخلاف ابانت (جدائی) کے کیونکہ بینونت اقسام میں تقسیم ہوتی ہے۔

توضیح: چونکہ طلاق کا اختیار مرد کو حاصل ہوتا ہے اس لئے اگر مرد چاہے تو بیوی کو یہ اختیار دے سکتا ہے اور عورت اسے

مجلس کے اندر استعمال کر سکتی ہے اگرچہ یہ اختیار دینا قیاس کے خلاف ہے لیکن چونکہ اس پر صحابہ کرام کا اجماع ہے اس لئے اس کے مقابلے میں قیاس کو چھوڑ کر استحسان پر عمل کیا گیا۔ عقلی دلیل یہ ہے کہ خاوند نکاح کو برقرار بھی رکھ سکتا ہے اور عورت کو جدا بھی کر سکتا ہے جب وہ اس بات کا مالک ہے تو یہ اختیار عورت کو بھی سونپ سکتا ہے اس اختیار کے سلسلے میں چند امور اور ان کے دلائل بیان کئے گئے ہیں:

۱۔ مرد یہ الفاظ کہے گا اِخْتَارِیْ (تو اپنے آپ کو اختیار کر) اس کے جواب میں وہ کہے گی: اَخْتَرْتُ نَفْسِیْ (میں نے اپنے نفس کو اختیار کیا)۔۔۔ اسی طرح وہ کہے کہ اپنے آپ کو طلاق دو اور طلاق کی نیت بھی کرے تو وہ اپنے آپ کو طلاق دے سکتی ہے۔

۲۔ مجلس کے اندر اس کی طرف سے جواب ضروری ہے ورنہ اختیار باطل ہو جائے گا اس کی دلیل یہ ہے کہ خاوند اپنے نفس کا مالک بنا رہا ہے اور اسے تملیک کہتے ہیں اور تملیکات میں مجلس کے اندر جواب دینا ضروری ہوتا ہے جیسے کوئی شخص کہے کہ میں نے یہ چیز تم پر فروخت کی تو مجلس کے اندر قبول کرنا یا رد کرنا ضروری ہے۔

۳۔ جب عورت مجلس میں اس اختیار کو قبول کرے تو ایک طلاق بائن واقع ہو جائے گی کیونکہ یہ اختیار خاص عورت کے لئے ثابت کیا گیا اگر طلاق رجعی ہو تو خاوند کو رجوع کا اختیار حاصل ہو گا تو عورت کے ساتھ خاص نہیں رہے گا۔

۴۔ اگر عورت مجلس سے کھڑی ہو جائے یا کسی دوسرے کام میں مشغول ہو جائے تو اختیار ختم ہو جائے گا کیونکہ یہ اس کی طرف سے رد کی بات سے اعراض ہے یعنی قبول نہ کرنا ہے۔

۵۔ مرد جب اپنی بیوی سے یہ الفاظ کہے تو طلاق کی نیت بھی ضروری ہے کیونکہ اختیار کے بارے میں یہ بھی احتمال ہے کہ وہ کسی اور کام کے لئے ہو۔

۶۔ اگر خاوند تین طلاقوں کی نیت کرے تو بھی تین طلاقیں نہیں ہوں گی کیونکہ اختیار کی مختلف انواع نہیں ہوتیں جبکہ بینونت (جب اَنْتِ بَائِنٌ کہے) کی انواع یعنی غلیظہ اور خفیفہ ہوتی ہیں جیسے پہلے گزر گیا۔

نوٹ: صاحب ہدایہ نے عورت کے اختیار اور بیع صرف اور بیع سلم میں فرق کیا ہے کہ اختیار کی صورت میں عورت کے کھڑے ہونے کی صورت میں اختیار باطل ہو جائے گا لیکن بیع صرف اور بیع سلم میں مجلس میں قبضہ ضروری ہوتا ہے لہٰذا اس صورت میں محض کھڑے ہونے سے ایجاب باطل نہیں ہو گا لہٰذا اگر قبضہ کے بغیر جدا ہو جائیں تو بیع فاسد ہو جائے گی سونے اور چاندی کی آپس میں بیع کو بیع صرف کہتے ہیں اور جب رقم پہلے دی جائے اور مبیع کچھ عرصہ بعد دیا جائے تو یہ بیع سلم ہے۔

مرد یا عورت کے الفاظ میں لفظ نفس کا ذکر ضروری ہے

(۵۸): قَالَ [وَلَا بُدَّ مِنْ ذِكْرِ النَّفْسِ فِيْ كَلَامِهِ اَوْ فِيْ كَلَامِهَا، حَتّٰى لَوْ قَالَ لَهَا: اخْتَارِيْ فَقَالَتْ قَدْ: اخْتَرْتُ فَهُوَ بَاطِلٌ] لِاَنَّهُ عُرِفَ بِالْاِجْمَاعِ وَهُوَ فِي الْمُفَسَّرَةِ مِنْ اَحَدِ الْجَانِبَيْنِ،

وَلِاَنَّ الْمُبْهَمَ لَا يَصْلُحُ تَفْسِيْرًا لِلْمُبْهَمِ الْاٰخَرِ وَلَا تَعْيِيْنَ مَعَ الْاِبْهَامِ [وَلَوْ قَالَ لَهَا: اخْتَارِيْ نَفْسَكِ فَقَالَتْ: اخْتَرْتُ تَقَعُ وَاحِدَةٌ بَائِنَةٌ] لِاَنَّ كَلَامَهٗ مُفَسَّرٌ، وَكَلَامُهَا خَرَجَ جَوَابًا لَهٗ فَيَتَضَمَّنُ اِعَادَتَهٗ [وَكَذَا لَوْ قَالَ اخْتَارِيْ اخْتِيَارَةً فَقَالَتْ: اخْتَرْتُ] لِاَنَّ الْهَاءَ فِي الْاِخْتِيَارَةِ تُنْبِئُ عَنِ الْاِتِّحَادِ وَالْاِنْفِرَادِ، وَاخْتِيَارُهَا نَفْسَهَا هُوَ الَّذِيْ يَتَّحِدُ مَرَّةً وَيَتَعَدَّدُ اُخْرٰى فَصَارَ مُفَسَّرًا مِنْ جَانِبِهٖ.

ترجمہ: فرماتے ہیں [اور مرد یا عورت کے کلام میں لفظ نفس پایا جانا ضروری ہے حتیٰ کہ اگر اس نے عورت سے کہا: اِخْتَارِیْ اور اس نے کہا: قد اخترت تو یہ باطل ہے]۔

کیونکہ اس (اختیار) کی پہچان اجماع کے ذریعے ہوئی ہے اور وہ اس طرح ہے کہ دونوں میں سے کسی ایک کی طرف سے وضاحت ضروری ہے۔ اور مبہم کلام، مبہم کلام کی تفسیر بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا اور ابہام کی صورت میں تعین نہیں ہوسکتا۔

[اور اگر مرد کہے اپنے نفس کو اختیار کرو اور عورت کہے میں نے اختیار کیا تو ایک بائن طلاق ہو جائے گی] کیونکہ مرد کے کلام میں تشریح و تفسیر ہے اور عورت کا کلام اس کے جواب کے طور پر ہے پس وہ اس (نفس کے ذکر) کو متضمن ہوگا۔

[اسی طرح اگر وہ کہے: اِخْتَارِیْ اِخْتِیَارَۃً (ایک ہی بار اختیار کرو] عورت نے کہا: اِخْتَرْتُ (میں نے اختیار کیا) کیونکہ تاء تانیث (ۃ) اتحاد اور انفراد کی خبر دیتی ہے اور اس کا اپنے نفس کو اختیار کرنا کبھی ایک بار ہوتا کبھی متعدد بار ہوتا ہے تو مرد کی طرف سے مفسر شمار ہوگا۔

توضیح: جس طرح پہلے گزر چکا ہے کہ لفظ ''اختیار'' کنایہ الفاظ میں سے ہے اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ وہ اپنے نفس کو اختیار کرے (یعنی طلاق مراد ہو) اور یہ بھی کہ کسی اور کام کو اختیار کرے اس لئے ضروری ہے کہ مرد اپنے کلام میں لفظ نفس استعمال کرے یعنی یوں کہے: اِخْتَارِیْ نَفْسَكِ تم اپنے نفس کو اختیار کرو جواب میں عورت صرف اِخْتَرْتُ (میں نے اختیار کیا) کہے تو بھی درست ہوگا کیونکہ عورت مرد کے کلام کا جواب دے رہی ہے کہ اس سے مراد نفس کا اختیار ہے یا مرد مطلقاً کہے: ''اختیار کرو'' اور عورت کہے میں نے اپنے نفس کو اختیار کیا تو طلاق ہو جائے گی لیکن جب دونوں کے کلام میں نفس کا لفظ نہ ہو تو محض مبہم ہے اور مبہم، مبہم کی تفسیر نہیں بن سکتا۔

اور اگر مرد اپنے کلام میں اختیارۃ کا لفظ استعمال کرے اور عورت جواب میں صرف اِخْتَرْتُ کہے تو بھی طلاق بائن واقع ہو جائے گی اور اگر مرد کہے: اِخْتَارِیْ اِخْتِیَارَۃً تجھے ایک مرتبہ کا اختیار ہے اور عورت جواب میں کہے کہ میں نے اختیار کیا تو بھی ایک طلاق بائن واقع ہوگی کیونکہ اختیارۃ کے آخر میں تاء تانیث اتحاد اور انفرادیت کی خبر دیتی ہے اور اپنے نفس کو اختیار کرنا کبھی ایک بار ہوتا ہے اور کبھی متعدد بار ہوتا ہے تو خاوند کی جانب سے اس کی وضاحت ہوگئی کہ وہ ایک بار اختیار کرے یعنی ایک طلاق بائنہ ہوگی۔

اختیار کے سلسلے میں مزید صورتیں

(۵۹): [وَلَوْ قَالَ: اخْتَارِيْ فَقَالَتْ: قَدْ اخْتَرْتُ نَفْسِيْ يَقَعُ الطَّلَاقُ إِذَا نَوَى الزَّوْجُ] لِأَنَّ كَلَامَهَا مُفَسَّرٌ، وَمَا نَوَاهُ الزَّوْجُ مِنْ مُحْتَمَلَاتِ كَلَامِهِ [وَلَوْ قَالَ: اخْتَارِيْ فَقَالَتْ: أَنَا أَخْتَارُ نَفْسِيْ فَهِيَ طَالِقٌ] وَالْقِيَاسُ أَنْ لَا تَطْلُقَ لِأَنَّ هٰذَا مُجَرَّدُ وَعْدٍ أَوْ يَحْتَمِلُهُ. فَصَارَ كَمَا إِذَا قَالَ لَهَا: طَلِّقِيْ نَفْسَكِ فَقَالَتْ: أَنَا أُطَلِّقُ نَفْسِيْ.

وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ حَدِيْثُ «عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا فَإِنَّهَا قَالَتْ لَا بَلْ أَخْتَارُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ» اعْتَبَرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَوَابًا مِنْهَا. وَلِأَنَّ هٰذِهِ الصِّيغَةَ حَقِيقَةٌ فِي الْحَالِ وَتَجُوْزُ فِي الِاسْتِقْبَالِ كَمَا فِيْ كَلِمَةِ الشَّهَادَةِ، وَأَدَاءِ الشَّاهِدِ الشَّهَادَةَ. بِخِلَافِ قَوْلِهَا: أُطَلِّقُ نَفْسِيْ لِأَنَّهُ تَعَذَّرَ حَمْلُهُ عَلَى الْحَالِ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِحِكَايَةٍ عَنْ حَالَةٍ قَائِمَةٍ. وَلَا كَذٰلِكَ قَوْلُهَا: أَنَا أَخْتَارُ نَفْسِيْ لِأَنَّهُ حِكَايَةٌ عَنْ حَالَةٍ قَائِمَةٍ وَهُوَ اخْتِيَارُهَا نَفْسَهَا.

ترجمہ: [اگر خاوند نے کہا: ''تو اختیار کر'' عورت نے جواب میں کہا: ''میں نے اپنے نفس کو اختیار کیا تو طلاق واقع ہو گی جب خاوند نے طلاق کی نیت کی ہو]

کیونکہ عورت کا کلام مفسر ہے اور خاوند نے جس چیز (یعنی طلاق) کی نیت کی اس کے کلام میں اس کا احتمال بھی ہے۔

[اور اگر کہا: ''اختیار کر'' عورت نے کہا: ''میں اپنے نفس کو اختیار کروں گی'' (مضارع کا صیغہ استعمال کیا تو طلاق ہو گی]۔

قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ طلاق نہ ہو کیونکہ یہ محض وعدہ ہے یا وعدے کا احتمال ہے اور یہ اسی طرح ہے جیسے وہ کہے: ''اپنے آپ کو طلاق دو'' اور عورت کہے: ''میں اپنے آپ کو طلاق دوں گی'' (مضارع کا صیغہ استعمال کرے) اور استحسان کی وجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے آپ نے فرمایا: ''نہیں، بلکہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو اختیار کرتی ہوں'' (مضارع کا صیغہ استعمال کیا)۔ ◆

تو نبی اکرم ﷺ نے بطور جواب اس کا اعتبار فرمایا نیز یہ صیغہ حقیقتاً حال کے لئے استعمال ہوتا ہے اور مستقبل میں اس کا استعمال جائز ہے جس طرح کلمہ شہادت میں اور گواہ کے گواہی دیتے وقت (حال کے لئے استعمال ہوتا ہے) بخلاف عورت کے یہ کہے کہ ''میں اپنے نفس کو طلاق دیتی ہوں'' تو اسے زمانہ حال پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ یہ موجودہ حالت کا بیان نہیں اور اس کا یہ کہنا کہ میں اپنے نفس کو اختیار کرتی ہوں کیونکہ وہ موجودہ حالت کا بیان ہے یعنی اپنے نفس کو اختیار کرنا۔

◆ صحیح بخاری، کتاب الطلاق، باب من خیر ازوجه، حدیث: ۵۲۶۲۔ ابن ماجه کتاب الطلاق، باب الرجل بغیر امراته، حدیث: ۵۰۵۳

توضیح: یہ بات گزر چکی ہے کہ مرد یا عورت دونوں میں سے کسی ایک کے کلام میں لفظ نفس کا استعمال ضروری ہے کیونکہ محض اختیار مبہم ہے لہٰذا اگر مرد صرف اختیار کا لفظ بولے یعنی تجھے اختیار ہے اور عورت جواب میں کہے میں نے اپنے نفس کو اختیار کیا تو طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ اس کے کلام میں اختیار کی تفسیر اور وضاحت ہے لیکن ضروری ہے کہ مرد نے طلاق کی نیت کی ہو کیونکہ مرد کا یہ کہنا کہ تو اختیار کر اس میں طلاق کا احتمال موجود ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ عورت ماضی کا صیغہ استعمال کرنے کی بجائے مضارع کا صیغہ استعمال کرے یعنی اختوت کی بجائے اَخْتَارُ کہے تو چونکہ عربی میں مضارع کا صیغہ حال اور استقبال دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے اس لئے یہ محض وعدہ بھی ہو سکتا ہے جب مستقبل کا معنی مراد ہو یعنی میں اختیار کروں گی —— اس لئے قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ اس صورت میں طلاق نہ ہو۔ اس کی مثال یہ ہے کہ جب مرد کہے اپنے آپ کو طلاق دو اور وہ مضارع کا صیغہ استعمال کرتے ہوئے کہے: اَنَا اُطَلِّقُ نَفْسِیْ تو یہ محض وعدہ ہوگا لیکن بطور استحسان (خلاف قیاس) ایک طلاق بائن ہو جائے گی۔

استحسان کی وجہ

استحسان پر مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے تین دلیلیں دی ہیں ایک یہ کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات کو اختیار دیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: لَا بَلْ اَخْتَارُ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ نہیں، بلکہ میں اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کرتی ہوں۔ یہاں مضارع کا صیغہ ہے لیکن حال کے معنیٰ میں ہے کیونکہ اُمّ المومنین نے وعدہ نہیں کیا تھا بلکہ حضور علیہ السلام کی زوجیت میں رہنے کو اختیار کیا۔

دوسری دلیل کلمہ شہادت ہے اس میں اَشْهَدُ مضارع کا صیغہ ہے لیکن حال کا معنیٰ دیتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں گواہی دینے کا وعدہ نہیں ہے۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ مضارع کا صیغہ حقیقتاً حال کے لئے استعمال ہوتا ہے اور مستقبل میں مجازاً استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح جب کوئی شخص گواہی دیتا ہے اور اَشْهَدُ کہتا ہے تو اس سے مستقبل مراد نہیں ہوتا بلکہ زمانہ حال مراد ہوتا ہے۔

اُطَلِّقُ نَفْسِیْ کا جواب

اگر مرد اپنی بیوی کو طلاق کا اختیار دیتے ہوئے کہے: ''اپنے نفس کو طلاق دو'' اور وہ جواب میں مضارع کا صیغہ استعمال کرتے ہوئے اَنَا اُطَلِّقُ نَفْسِیْ کہے تو طلاق نہیں ہوگی۔

حالانکہ اَخْتَارُ نَفْسِیْ میں بطور استحسان طلاق ہو جاتی ہے ان دونوں میں فرق کی وجہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے یوں بیان فرمائی کہ لفظ اُطَلِّقُ کی صورت میں اسے حال پر محمول کرنا متعذر ہے کیونکہ وہ پہلے سے موجود حالت کا بیان نہیں ہے لیکن اَخْتَارُ نَفْسِیْ موجود حالت کا بیان ہے اور وہ اس کا اپنے نفس کو اختیار کرنا ہے۔

اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ طلاق دل کا عمل نہیں لہٰذا جب وہ اُطَلِّقُ کہتی ہے تو

اس سے پہلے طلاق والی حالت نہیں ہوتی بلکہ وہ اس وقت طلاق واقع کرتی ہے یہی وجہ ہے کہ دل کے ارادہ سے طلاق نہیں ہوتی لیکن اختیار کا تعلق دل سے ہوتا ہے اور وہ حالت دل میں قائم ہوتی ہے اور اب وہ زبان سے اس کا اظہار کرتی ہے۔

تین بار اِخْتَارِیْ کہنا

(٦٠): وَلَوْ قَالَ لَهَا: اخْتَارِيْ اخْتَارِيْ اخْتَارِيْ فَقَالَتْ: قَدْ اخْتَرْتُ الْأُوْلٰى وَالْوُسْطٰى وَالْأَخِيْرَةَ طَلُقَتْ ثَلَاثًا فِيْ قَوْلِ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰى عَلَيْهِ. وَلَا يُحْتَاجُ إِلٰى نِيَّةِ الزَّوْجِ [وَقَالَا: تَطْلُقُ وَاحِدَةً] وَإِنَّمَا لَا يُحْتَاجُ إِلٰى نِيَّةِ الزَّوْجِ لِدَلَالَةِ التَّكْرَارِ عَلَيْهِ إِذِ الْإِخْتِيَارُ فِيْ حَقِّ الطَّلَاقِ هُوَ الَّذِيْ يَتَكَرَّرُ لَهُمَا إِنَّ ذِكْرَ الْأُوْلٰى، وَمَا يَجْرِيْ مَجْرَاهُ إِنْ كَانَ لَا يُفِيْدُ مِنْ حَيْثُ التَّرْتِيْبُ يُفِيْدُ مِنْ حَيْثُ الْإِفْرَادُ فَيُعْتَبَرُ فِيْمَا يُفِيْدُ.

وَلَهٗ أَنَّ هٰذَا وَصْفٌ لَغْوٌ لِأَنَّ الْمُجْتَمَعَ فِي الْمِلْكِ لَا تَرْتِيْبَ فِيْهِ كَالْمُجْتَمَعِ فِي الْمَكَانِ، وَالْكَلَامُ لِلتَّرْتِيْبِ وَالْإِفْرَادُ مِنْ ضَرُوْرَاتِهٖ. فَإِذَا لَغَا فِيْ حَقِّ الْأَصْلِ لَغَا فِيْ حَقِّ الْبِنَاءِ [وَلَوْ قَالَتْ اخْتَرْتُ اخْتِيَارَةً فَهِيَ ثَلَاثٌ فِيْ قَوْلِهِمْ جَمِيْعًا] لِأَنَّهَا لِلْمَرَّةِ فَصَارَ كَمَا إِذَا صَرَّحَتْ بِهَا وَلِأَنَّ الْإِخْتِيَارَةَ لِلتَّأْكِيْدِ وَبِدُوْنِ التَّأْكِيْدِ تَقَعُ الثَّلَاثُ فَمَعَ التَّأْكِيْدِ أَوْلٰى [وَلَوْ قَالَتْ قَدْ طَلَّقْتُ نَفْسِيْ أَوْ اخْتَرْتُ نَفْسِيْ بِتَطْلِيْقَةٍ فَهِيَ وَاحِدَةٌ يَمْلِكُ الرَّجْعَةَ] لِأَنَّ هٰذَا اللَّفْظَ يُوْجِبُ الْإِنْطِلَاقَ بَعْدَ انْقِضَاءِ الْعِدَّةِ فَكَأَنَّهَا اخْتَارَتْ نَفْسَهَا بَعْدَ الْعِدَّةِ [وَإِنْ قَالَ لَهَا أَمْرُكِ بِيَدِكِ فِيْ تَطْلِيْقَةٍ أَوْ اخْتَارِيْ تَطْلِيْقَةً فَاخْتَارَتْ نَفْسَهَا فَهِيَ وَاحِدَةٌ يَمْلِكُ الرَّجْعَةَ] لِأَنَّهٗ جَعَلَ لَهَا الْإِخْتِيَارَ لٰكِنْ بِتَطْلِيْقَةٍ وَهِيَ مُعْقِبَةٌ لِلرَّجْعَةِ بِالنَّصِّ.

ترجمہ: اگر خاوند اپنی بیوی سے کہے: "تجھے اختیار ہے، تجھے اختیار ہے، تجھے اختیار ہے" اور وہ کہے میں نے پہلا، دوسرا اور تیسرا اختیار قبول کیا تو حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تین طلاقیں ہو جائیں گی اور نیت کی حاجت نہیں ہوگی۔

[اور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں ایک طلاق ہوگی] نیت کی حاجت اس لئے نہیں ہوگی کہ لفظ کا تکرار اس پر دلالت کرتا ہے کیونکہ طلاق کے بارے میں اختیار میں تکرار ہوتا ہے۔ صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ پہلے کا ذکر اور جو اس کے قائم مقام ہیں اگرچہ ترتیب کے اعتبار سے فائدہ نہیں دیتا لیکن انفرادی طور پر مفید ہے لہٰذا جس صورت میں مفید ہو وہ معتبر ہوگی۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ وصف لغو ہے کیونکہ جو چیز ملک میں جمع ہو اس میں ترتیب نہیں ہوتی جس طرح مکان میں جمع سامان (میں ترتیب نہیں ہوتی) اور کلام ترتیب کے لئے ہوتا ہے اور افراد اس کی ضرورت میں سے

ہے تو جب اصل کے حق میں لغو ہو گیا تو جو اس پر مبنی ہے اس کے حق میں بھی لغو ہو گیا۔

[اور اگر عورت کہے کہ میں نے ایک بار اختیار کیا تو سب کے نزدیک تین طلاقیں ہوں گی] — کیونکہ اِخْتِیَارَۃً میں تاء تانیث یکبارگی کے لئے ہے تو یہ اسی طرح ہوگا جس طرح وہ صریح الفاظ میں کہے نیز اِخْتِیَارَۃً کا لفظ تاکید کے لئے آتا ہے تو جب تاکید کے بغیر تین طلاقیں ہوتی ہیں تو تاکید کے ساتھ بدرجہ اولیٰ تین ہوں گی۔

[اور اگر عورت کہے میں نے اپنے نفس کو ایک طلاق دی یا کہے میں نے ایک طلاق کے ساتھ اپنے نفس کو اختیار کیا تو یہ ایک طلاق ہوگی اور مرد کو رجوع کا اختیار ہوگا]

کیونکہ یہ لفظ عدت پوری ہونے کے بعد جدائی کا تقاضا کرتا ہے گویا اس نے عدت کے بعد اپنے نفس کو اختیار کیا۔

[اور اگر مرد نے عورت سے کہا ایک طلاق میں تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے یا کہا ایک طلاق کو اختیار کر اور اس نے اپنے نفس کو اختیار کیا تو یہ ایک طلاق ہوگی جس میں وہ رجوع کا مالک ہوگا]

کیونکہ اس نے عورت کو اختیار طلاق کے ساتھ دیا اور طلاق اپنے بعد رجوع کو چاہتی ہے اور یہ بات نص سے ثابت ہے۔

توضیح: اس عبارت میں عورت کو طلاق کا اختیار دینے کے سلسلے میں دو قسم کے الفاظ کے استعمال اور ان کے احکام کا ذکر ہے۔

الف)　خاوند نے تین بار کہا: اِخْتَارِیْ تو عورت کی طرف سے تین قسم کے جوابات کا ذکر کیا گیا:

پہلا جواب: عورت نے کہا میں نے پہلا، درمیانہ اور آخری اختیار قبول کیا۔ اس سلسلے میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبین رحمہما اللہ کے درمیان اختلاف ہے۔

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: تین طلاقیں واقع ہوں گی اور نیت کی ضرورت بھی نہیں ہوگی جبکہ صاحبین کے نزدیک بھی نیت کی ضرورت نہیں ہوگی لیکن ایک طلاق واقع ہوگی۔

دلیل کی حاجت نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ عورت کو طلاق کا اختیار دیا گیا اور وہ تکرار کے ساتھ ہے اور تکرار نیت پر دلالت کرتا ہے۔

اس بارے میں دلائل

صاحبین کی (ایک طلاق پر) دلیل یہ ہے کہ پہلا اختیار اور جو اس کے قائم مقام ہیں (یعنی دوسرے دو اختیار) سے اگرچہ ترتیب ثابت نہیں ہوتی (کیونکہ واؤ مطلق جمع کے لئے آتا ہے) لیکن افراد (الگ الگ اختیار) کا فائدہ حاصل ہوتا ہے اور جس قدر فائدہ حاصل ہوتا ہے وہ معتبر ہے۔

یعنی یہاں دو باتیں ہو سکتی ہیں:

پہلی بات یہ کہ ترتیب کا فائدہ حاصل ہو اور وہ نہیں ہو سکتا کیونکہ واؤ ترتیب کے لئے نہیں۔

دوسری بات یہ کہ ایک ایک مراد ہو گویا عورت نے کہا میں نے پہلی طلاق کو اختیار کیا کیونکہ اس کا یہ کہنا کہ میں نے اختیار کیا اس کا مطلب یہ ہوگا کہ کلمہ اولیٰ کے ساتھ جو بات میری طرف متوجہ ہے میں نے اسے اختیار کیا اور جو کچھ کلمہ اولیٰ کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہوا وہ ایک طلاق ہے اور وہی بات دوسرے اور تیسرے کلمہ کے ساتھ بھی متوجہ ہے اور وہ ایک ہی طلاق ہے لہٰذا ایک طلاق ہوگی (واللہ اعلم)

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل

آپ فرماتے ہیں: یہ اوصاف (پہلا، درمیانہ اور آخری) لغو ہیں کیونکہ جو چیز ملک میں ہوتی ہے اس میں ترتیب نہیں ہوتی جس طرح مکان میں کچھ لوگ جمع ہوں تو ترتیب کے بغیر ہوتے ہیں کسی کو پہلا یا آخری نہیں کہہ سکتے اور کلام ترتیب کے لئے ہوتا اور اس میں افراد ضرورت کے تحت ہے تو جب اصل کلام میں یہ وصف (اول، دوم، سوم) لغو ہو گیا تو افراد میں بھی لغو ہو گیا کیونکہ کلام میں ترتیب اصل ہے اب اس کے لغو ہونے سے عورت کا کلام محض اِخْتَرْتُ (میں نے اختیار کیا) باقی رہ گیا اور اس سے تین طلاقیں واقع ہوں گی۔

(ب) عورت کے مرد کے تین بار اِخْتَارِیْ کہنے کے جواب میں اِخْتَرْتُ اِخْتِیَارَۃً میں ایک ہی بار اختیار کیا تو تینوں ائمہ کرام رحمہم اللہ کے نزدیک تین طلاقیں ہوں گی۔

کیونکہ یہ لفظ ایک ہی بار عمل کے لئے آتا ہے تو یہ اس طرح ہوگا جس طرح وہ واضح الفاظ میں کہے (کہ میں نے تینوں اختیارات کو اکٹھا قبول کیا) نیز اختیارۃ (مصدر) تاکید کے لئے آتا ہے اور تاکید کے بغیر تین طلاقیں ہوتی ہیں تو تاکید کی صورت میں بدرجۂ اولیٰ تین ہوں گی۔

(ج) اگر مرد کے تین بار اِخْتَارِیْ کہنے کے جواب میں عورت نے کہا میں نے اپنے نفس کو ایک طلاق دی یا کہا میں نے اپنے نفس کو ایک طلاق کے ساتھ اختیار کیا تو یہ ایک طلاق رجعی ہوگی۔ کیونکہ یہ لفظ (تطلیقۃ) عدت ختم ہونے کے بعد جدائی کا تقاضا کرتا ہے تو گویا اس نے عدت کے بعد اپنے نفس کو اختیار کیا۔

دوسرا مسئلہ یہ کہ مرد نے اپنی بیوی سے کہا: ''تیرا معاملہ طلاق کے بارے میں تیرے ہاتھ میں ہے'' یا کہا: ''تو طلاق کو اختیار کر'' اور اس نے اپنے نفس کو اختیار کیا تو اس سے ایک طلاق رجعی ہوگی کیونکہ اس نے اسے طلاق دینے کے ساتھ اختیار دیا اور طلاق اپنے بعد رجوع کو چاہتی ہے۔

فَصْلٌ فِي الْأَمْرِ بِالْيَدِ

عورت کو اَمْرُكِ بِيَدِكِ کہنا

(٦١): [وَإِنْ قَالَ لَهَا: اَمْرُك بِيَدِكِ يَنْوِي ثَلَاثًا فَقَالَتْ: قَدْ اخْتَرْتُ نَفْسِيْ بِوَاحِدَةٍ فَهِيَ ثَلَاثٌ] لِأَنَّ الْاِخْتِيَارَ يَصْلُحُ جَوَابًا لِلْأَمْرِ بِالْيَدِ لِكَوْنِهِ تَمْلِيْكًا كَالتَّخْيِيرِ. وَالْوَاحِدَةُ صِفَةٌ لِلْاِخْتِيَارَةِ، فَصَارَ كَأَنَّهَا قَالَتْ: اخْتَرْتُ نَفْسِيْ بِمَرَّةٍ وَاحِدَةٍ وَبِذٰلِكَ يَقَعُ الثَّلَاثُ [وَلَوْ قَالَتْ: قَدْ طَلَّقْتُ نَفْسِيْ بِوَاحِدَةٍ أَوْ اخْتَرْتُ نَفْسِيْ بِتَطْلِيْقَةٍ فَهِيَ وَاحِدَةٌ بَائِنَةٌ] لِأَنَّ الْوَاحِدَةَ نَعْتٌ لِمَصْدَرٍ مَحْذُوفٍ وَهُوَ فِي الْأُوْلَى الْاِخْتِيَارَةُ، وَفِي الثَّانِيَةِ التَّطْلِيْقَةُ إِلَّا أَنَّهَا تَكُوْنُ بَائِنَةً لِأَنَّ التَّفْوِيْضَ فِي الْبَائِنِ ضَرُوْرَةُ مِلْكِهَا أَمْرَهَا. وَكَلَامُهَا خَرَجَ جَوَابًا لَهُ فَتَصِيْرُ الصِّفَةُ الْمَذْكُوْرَةُ فِي التَّفْوِيْضِ مَذْكُوْرَةً فِي الْإِيقَاعِ وَإِنَّمَا تَصِحُّ نِيَّةُ الثَّلَاثِ فِيْ قَوْلِهِ: اَمْرُك بِيَدِك لِأَنَّهُ يَحْتَمِلُ الْعُمُوْمَ وَالْخُصُوْصَ وَنِيَّةُ الثَّلَاثِ نِيَّةُ التَّعْمِيْمِ. بِخِلَافِ قَوْلِهِ: اخْتَارِيْ لِأَنَّهُ لَا يَحْتَمِلُ الْعُمُوْمَ وَقَدْ حَقَّقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ.

ترجمہ: [اور اگر خاوند نے تین طلاقوں کی نیت کرتے ہوئے اپنی بیوی سے کہا: ''تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے'' عورت نے کہا: ''میں نے ایک طلاق کے ساتھ اپنے نفس کو اختیار کیا'' تو یہ تین طلاقیں ہوں گی]۔

کیونکہ لفظ اختیار، ''تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں'' کے جواب کی صلاحیت رکھتا ہے کیونکہ اختیار دینے کی طرح یہ بھی مالک بنانا ہے اور وَاحِدَۃٌ کا لفظ اختیارۃ کی صفت ہے گویا اس نے کہا کہ میں نے اپنے نفس کو ایک ہی مرتبہ اختیار کیا اس سے تین طلاقیں واقع ہوں گی۔

[اور اگر وہ کہے میں نے ایک کے ساتھ اپنے نفس کو طلاق دی یا ایک طلاق کے ساتھ میں نے اپنے نفس کو اختیار کیا تو یہ ایک بائن طلاق ہوگی]

کیونکہ لفظ واحدۃ مصدر محذوف کی صفت ہے اور وہ مصدر پہلی صورت میں اختیارۃ اور دوسری صورت میں تطلیقۃ البتہ یہ طلاق بائن ہوگی کیونکہ طلاق کا سپرد کرنا طلاق بائن ہوتا ہے کیونکہ وہ اپنے معاملے کی مالک ہوتی ہے (اور طلاق رجعی میں مالک نہیں ہوتی) اور اس عورت کا کلام مرد کو جواب کے طور پر ہے تو جو صفت تفویض میں مذکور ہے وہ طلاق

واقع کرنے میں مذکور ہوگی اور مرد کے اس قول میں کہ "تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے" تین کی نیت صحیح ہے کیونکہ یہ (قول) عموم اور خصوص (دونوں) کا احتمال رکھتا ہے۔ اور تین کی نیت عموم کی نیت ہے۔
بخلاف اس کے قول اِخْتَارِیْ کے، کیونکہ اس میں عموم کا احتمال نہیں ہوتا اور یہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

توضیح: اگر مرد عورت کو اختیار دیتے ہوئے یہ الفاظ کہے کہ "تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے" اور مرد اس سے تین طلاقوں کی نیت کرے تو عورت کا جواب اسی کے مطابق ہونا چاہئے یعنی جب وہ اپنے نفس کو اختیار کرے تو تین طلاقیں ہی ہوں گی اگر چہ وہ کہے کہ میں نے ایک طلاق کے ساتھ اپنے نفس کو اختیار کیا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا اختیار کرنا مرد کے اختیار دینے کا جواب ہوگا کیونکہ جس طرح لفظ اِخْتَارِیْ میں اسے طلاق کا مالک بنانا ہے اسی طرح اَمْرُكِ بِيَدِكِ میں بھی مالک بنانا ہے۔

اور عورت کا لفظ واحدۃ استعمال کرنا گویا اپنے اختیار کو ایک ہی بار استعمال کرنا ہے کیونکہ وہ اختیارۃ کی صفت ہو گی اور یہ اسی طرح ہے جیسے وہ کہے کہ میں نے اپنے نفس کو ایک ہی مرتبہ اختیار کیا اور اس سے تین طلاقیں واقع ہوتی ہیں لہٰذا یہاں بھی تین طلاقیں ہوں گی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ عورت لفظ طلاق استعمال کرے تو ایک بائن طلاق واقع ہوگی مثلاً وہ کہے: "میں نے اپنے نفس کو ایک طلاق دی" یا کہے: "میں نے اپنے نفس کو ایک طلاق کے ساتھ اختیار کیا۔"

کیونکہ جب وہ کہے میں نے اپنے نفس کو ایک طلاق دی تو لفظ واحدۃ (ایک) مصدر محذوف کی صفت ہے اور پہلی صورت میں مصدر اختیارۃ ہے (یعنی ایک ہی بار اختیار کیا) اور دوسری صورت میں مصدر تطلیقۃ ہے تو واحدۃ اس کی صفت ہوگی یعنی ایک طلاق ——

اور طلاق بائن اس لئے ہوگی کہ اس نے عورت کو اختیار دیا اور اپنے معاملے کا مالک بنایا اگر طلاق رجعی ہو تو وہ اپنے معاملے کی مالک نہیں بن سکتی اس لئے طلاق بائن ہوگی جس میں مرد کا اختیار ختم ہو جاتا ہے اور فوری طلاق ہو جاتی ہے اور عورت کا کلام مرد کے جواب میں ہوتا ہے لہٰذا جو صفت اختیار سپرد کرنے میں مذکور ہوگی وہ طلاق واقع کرنے میں ہوگی۔

رہا یہ مسئلہ کہ مرد کا تین طلاقوں کی نیت کرنا کیسے صحیح ہوگا تو صاحب ہدایہ اس کا جواب یوں دیتے ہیں کہ جب عورت کو اَمْرُكِ بِيَدِكِ کہا تو اس میں عموم اور خصوص دونوں کا احتمال ہوتا ہے لہٰذا تین کی نیت عموم کے احتمال کی بنیاد پر درست ہوگی۔
لیکن جب اِخْتَارِیْ کہے تو تین کی نیت نہیں کر سکتا کیونکہ اس میں عموم کا احتمال نہیں ہوتا، جس طرح پہلے بیان کیا کہ اختیار کی انواع اور اقسام نہیں ہوتیں۔

آج اور پرسوں کے اختیار میں رات داخل نہیں ہوگی

(۶۲): [وَلَوْ قَالَ لَهَا: اَمْرُكِ بِيَدِكِ الْيَوْمَ وَبَعْدَ غَدٍ لَمْ يَدْخُلْ فِيْهِ اللَّيْلُ وَاِنْ رَدَّتِ الْاَمْرَ

فِي يَوْمِهَا بَطَلَ أَمْرُ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَكَانَ الْأَمْرُ بِيَدِهَا بَعْدَ غَدٍ] لِأَنَّهُ صَرَّحَ بِذِكْرِ وَقْتَيْنِ بَيْنَهُمَا وَقْتٌ مِنْ جِنْسِهِمَا لَمْ يَتَنَاوَلْهُ الْأَمْرُ إِذْ ذِكْرُ الْيَوْمِ بِعِبَارَةِ الْفَرْدِ لَا يَتَنَاوَلُ اللَّيْلَ فَكَانَا أَمْرَيْنِ فَبِرَدِّ أَحَدِهِمَا لَا يَرْتَدُّ الْآخَرُ.

وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللّٰهُ: هُمَا أَمْرٌ وَاحِدٌ بِمَنْزِلَةِ قَوْلِهِ: أَنْتِ طَالِقٌ الْيَوْمَ وَبَعْدَ غَدٍ.

قُلْنَا: الطَّلَاقُ لَا يَحْتَمِلُ التَّأْقِيتَ. وَالْأَمْرُ بِالْيَدِ يَحْتَمِلُهُ. فَيُوَقَّتُ الْأَمْرُ بِالْأَوَّلِ وَجَعَلَ الثَّانِيَ أَمْرًا مُبْتَدَأً

ترجمہ: [اور اگر مرد نے عورت سے کہا آج اور کل کے بعد (پرسوں) تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے تو اس میں رات داخل نہیں ہوگی اور گر عورت اس دن اختیار کو رد کر دے تو اس دن کا اختیار باطل ہو جائے گا اور کل کے بعد والے دن کا اختیار باقی رہے گا] کیونکہ اس نے واضح طور پر دو وقتوں کا ذکر کیا اور ان دونوں کے درمیان ان کی جنس کا ایک وقت ہے جسے وہ اختیار شامل نہیں ہے کیونکہ تنہا یوم (دن) کا ذکر رات کو شامل نہیں لہٰذا یہ دو اختیار ہو گئے پس ایک کو رد کرنے سے دوسرے کا رد نہیں ہوگا۔ حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ دونوں ایک ہی اختیار ہیں جس طرح کوئی مرد کہے: "تجھے آج طلاق ہے اور کل کے بعد"

ہم کہتے ہیں طلاق میں وقت کا احتمال نہیں ہوتا اور جب عورت کا معاملہ اس کے ہاتھ میں دیا جائے تو اس میں وقت کا احتمال ہے پس پہلا (اختیار) ایک خاص وقت کے لئے ہوگا اور دوسرا اختیار نئے سرے سے شروع ہوگا۔

توضیح: اگر مرد اپنی بیوی کو اس طرح اختیار دے کہ تیرا معاملہ تیرے ہاتھ (یعنی اختیار) میں ہے اور اس کے لئے دو الگ الگ اوقات کا ذکر کرے جس طرح یہاں مذکور ہے کہ تجھے آج اور پرسوں اختیار ہے تو ایسی صورت میں رات دن میں داخل نہیں ہوگی اور اگر عورت آج کے اختیار کو رد کر دے تو پرسوں والا اختیار رد نہیں ہوگا بلکہ باقی رہے گا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں وقت الگ الگ ہیں اور درمیان میں ایک وقت (یعنی کل کا دن) ہے اور یہ درمیان والا وقت وہ ہے جس میں اسے اختیار نہیں دیا گیا کیونکہ صرف یوم کا لفظ بولنے سے رات اس میں شامل نہیں ہوتی لہٰذا اسے دو اختیار دیئے گئے ایک آج کے دن کا اور دوسرا پرسوں کا، اس لئے ایک کو رد کرنے سے دوسرے کا رد نہیں ہوگا۔

امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف اور جواب:

حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا اس میں اختلاف ہے وہ اس کو طلاق پر قیاس کرتے ہیں کہ اگر مرد نے کہا تجھے آج طلاق ہے اور پرسوں ہے، تو درمیان والا وقت اس میں شامل ہوگا اور یہ ایک ہی اختیار ہوگا اسی طرح یہاں بھی ایک ہی اختیار ہوگا۔

دوسرے ائمہ نے ان کو یہ جواب دیا کہ اسے طلاق پر قیاس کرنا اس لئے درست نہیں کہ طلاق میں وقت کا احتمال نہیں ہوتا جبکہ اختیار میں ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ جب آج طلاق ہوئی تو وہ کل بھی ہوگی جبکہ آج کا اختیار کل نہیں ہوگا اور پرسوں نئے سرے سے اختیار شروع ہوگا۔

آج اور کل کے اختیار میں رات شامل ہوگی

(۶۳): [وَلَوْ قَالَ اَمْرُكِ بِيَدِكِ الْيَوْمَ وَغَدًا يَدْخُلُ اللَّيْلُ فِيْ ذٰلِكَ. فَاِنْ رَدَّتِ الْاَمْرَ فِيْ يَوْمِهَا لَا يَبْقَى الْاَمْرُ فِيْ يَدِهَا فِيْ غَدٍ] لِاَنَّ هٰذَا اَمْرٌ وَّاحِدٌ لِاَنَّهُ لَمْ يَتَخَلَّلْ بَيْنَ الْوَقْتَيْنِ الْمَذْكُوْرَيْنِ وَقْتٌ مِّنْ جِنْسِهِمَا لَمْ يَتَنَاوَلْهُ الْكَلَامُ وَقَدْ يَهْجُمُ اللَّيْلُ وَمَجْلِسُ الْمَشُوْرَةِ لَا يَنْقَطِعُ فَصَارَ كَمَا اِذَا قَالَ: اَمْرُكِ بِيَدِكِ فِيْ يَوْمَيْنِ.

وَعَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ اَنَّهَا اِذَا رَدَّتِ الْاَمْرَ فِي الْيَوْمِ لَهَا اَنْ تَخْتَارَ نَفْسَهَا غَدًا لِاَنَّهَا لَا تَمْلِكُ رَدَّ الْاَمْرِ كَمَا لَا تَمْلِكُ رَدَّ الْاِيْقَاعِ.

وَجْهُ الظَّاهِرِ اَنَّهَا اِذَا اخْتَارَتْ نَفْسَهَا الْيَوْمَ لَا يَبْقٰى لَهَا الْخِيَارُ فِي الْغَدِ. فَكَذَا اِذَا اخْتَارَتْ زَوْجَهَا بِرَدِّ الْاَمْرِ لِاَنَّ الْمُخَيَّرَ بَيْنَ الشَّيْئَيْنِ لَا يَمْلِكُ اِلَّا اخْتِيَارَ اَحَدِهِمَا.

وَعَنْ اَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ اَنَّهُ اِذَا قَالَ: اَمْرُكِ بِيَدِكِ الْيَوْمَ وَاَمْرُكِ بِيَدِكِ غَدًا اَنَّهُمَا اَمْرَانِ لِمَا اَنَّهُ ذَكَرَ لِكُلِّ وَقْتٍ خَبَرًا بِخِلَافِ مَا تَقَدَّمَ

ترجمہ: [اور اگر مرد نے کہا تجھے آج اور کل اختیار ہے تو اس میں رات بھی داخل ہوگی اگر وہ آج کے اختیار کو رد کرے تو کل کے دن کا اختیار باقی نہیں رہے گا]

کیونکہ یہ ایک ہی اختیار ہے کیونکہ ان دو وقتوں کے درمیان ان کی جنس سے ایسا وقت نہیں ہے (یعنی کوئی دن درمیان میں نہیں) جس کو کلام شامل نہ ہو اور بعض اوقات رات چھا جاتی ہے اور ابھی مشورہ ختم نہیں ہوتا تو یہ اس طرح ہوگیا جیسے اس نے کہا: ''تیرا معاملہ دو دنوں میں تیرے اختیار میں ہے''

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ ہے کہ جب آج کے دن کا اختیار رد کرے تو آئندہ روز وہ اپنے نفس کو اختیار کرسکتی ہے کیونکہ وہ اختیار کو رد کرنے کی مالک نہیں جس طرح وہ طلاق کے وقوع کو رد نہیں کرسکتی۔

ظاہر الروایت کی وجہ یہ ہے کہ جب اس نے آج کے دن اپنے نفس کو اختیار کرلیا تو کل کے دن اس کے لئے اختیار باقی نہیں رہے گا اسی طرح اگر اس نے اختیار کو رد کر کے اپنے خاوند کو اختیار کرلیا (تو رد کا اختیار باقی نہیں رہے گا)

کیونکہ جس شخص کو دو چیزوں میں اختیار دیا جائے تو وہ ان میں سے صرف ایک کو اختیار کرسکتا ہے۔

حضرت امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت میں ہے کہ جب مرد نے کہا: ''آج تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے اور کل تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے'' تو یہ دو اختیار ہیں کیونکہ اس نے ہر وقت کے لئے الگ خبر ذکر کی ہے بخلاف پہلے قول کے (وہاں ایک ہی خبر ہے)

توضیح: گزشتہ صورت میں دو دنوں کا اختیار دیا گیا یعنی آج اور پرسوں کا اختیار، اور ان کے درمیان کل کا دن ہے لہٰذا یہ دونوں الگ الگ اختیار ہوئے یہاں مذکورہ صورت میں آج اور کل کا اختیار ہے اور درمیان میں کوئی دن نہیں البتہ درمیان میں رات ہے اور رات آج کے دن میں شامل ہو جائے گی کیونکہ بعض اوقات دن کے وقت مجلس مشاورت شروع ہوتی ہے اور رات گئے تک جاری رہتی ہے لہٰذا دونوں دنوں میں اتصال کی وجہ سے یہاں ایک ہی اختیار ہوگا۔

اس لئے اگر عورت آج کا اختیار رد کرے تو کل کا بھی رد ہو جائے گا یہ اسی طرح ہوگا جیسے وہ کہے تیرا معاملہ دو دنوں میں تیرے ہاتھ میں ہے۔

یہ تو ظاہر الروایت کے مطابق ہے البتہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک اور روایت بھی ہے جو ظاہر کے خلاف ہے وہ فرماتے ہیں: اگر وہ آج کے اختیار کو رد کر دے تو کل وہ اپنے نفس کو اختیار کر سکتی ہے کیونکہ وہ (کل کے) اختیار کو رد نہیں کر سکتی جس طرح وقوع طلاق کو رد نہیں کر سکتی یعنی اگر خاوند نے اسے کہا میں نے تجھے طلاق دی تو طلاق واقع ہو جائے گی اور وہ اسے رد نہیں کر سکتی۔ ظاہر مذہب کی وجہ یہ ہے کہ جب اس نے آج کے دن اپنے نفس کو اختیار کر لیا تو کل کے دن اس کے لئے اختیار باقی نہ رہا اسی طرح اگر آج وہ اپنے اختیار کو رد کر کے خاوند کو اختیار کرے تو کل کے دن رد نہیں کر سکتی —— اس کی وجہ یہ ہے کہ جب دو چیزوں میں اختیار دیا جاتا ہے تو ان میں سے ایک کو ہی اختیار کیا جا سکتا ہے لہٰذا جب پہلے دن کا اختیار رد کر دیا تو اختیار ختم ہو گیا کیونکہ یہ ایک ہی اختیار ہے۔

ایک صورت یہ ہے کہ آج اور کل دونوں کے لئے الگ الگ اختیار کا ذکر کرے جیسے تیرا معاملہ آج تیرے ہاتھ میں ہے اور تیرا معاملہ کل تیرے ہاتھ میں ہوگا، تو یہ دونوں اختیار الگ الگ ہوں گے اس لئے حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس صورت میں ایک کے رد سے دوسرا اختیار باقی ہوگا، پہلی صورت میں دونوں کی خبر ایک ہے لہٰذا اس کا حکم مختلف ہے۔

کسی شخص کے دن کے وقت آنے کے ساتھ اختیار کو مشروط کرنا

(۶۴): [وَاِنْ قَالَ: اَمْرُكِ بِيَدِكِ يَوْمَ يَقْدَمُ فُلَانٌ فَقَدِمَ فُلَانٌ فَلَمْ تَعْلَمْ بِقُدُوْمِهٖ حَتّٰى جَنَّ اللَّيْلُ فَلَا خِيَارَ لَهَا] لِاَنَّ الْاَمْرَ بِالْيَدِ مِمَّا يَمْتَدُّ فَيُحْمَلُ الْيَوْمُ الْمَقْرُوْنُ بِهٖ عَلٰى بَيَاضِ النَّهَارِ وَقَدْ حَقَّقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ فَيَتَوَقَّتُ بِهٖ ثُمَّ يَنْقَضِيْ بِانْقِضَاءِ وَقْتِهٖ

ترجمہ: [اور جب مرد نے کہا جس دن فلاں شخص آئے گا اس دن تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہوگا وہ شخص آ گیا اور عورت کو اس کے آنے کا پتہ نہ چلا حتیٰ کہ رات چھا گئی تو عورت کو اختیار نہیں ہوگا]

کیونکہ امر بالید ان امور میں سے ہے جو بڑھتے ہیں لہٰذا اس کے ساتھ ملے ہوئے دن (یوم) سے دن کی سفیدی مراد ہوگی اور ہم یہ بات پہلے بیان کر چکے ہیں پس یہ اس وقت کے ساتھ خاص ہوگا پھر جب وہ وقت ختم ہو گیا تو اختیار بھی ختم ہو گیا۔

توضیح: اس مسئلہ کا تعلق اس بات سے ہے کہ لفظ الیوم سے صرف دن مراد ہوتا ہے یا مطلق وقت؟

تو ضابطہ یہ ہے کہ اگر وہ فعل جس کے لئے دن (الیوم) کا ذکر کیا گیا وہ ممتد ہے یعنی بڑھنے والا ہے تو اس سے دن کی سفیدی مراد ہوتی ہے اور اگر وہ فعل فوراً ختم ہو جاتا ہے تو اس سے مطلق وقت مراد ہوتا ہے۔

توامر بالید ایسا اختیار ہے جو بڑھتا ہے اور وسعت پذیر ہے لہٰذا جب خاوند نے کہا: "تجھے اختیار ہے جس دن فلاں شخص آئے" تو یہ اختیار دن کے وقت کے لئے ہوگا جب رات آ جائے تو ختم ہو جائے گا عورت کو اس کا علم ہوا اور اس نے دن میں اختیار استعمال نہ کیا یا اسے علم ہی نہیں ہوا اور رات آ گئی دونوں صورتوں میں اختیار ختم ہو جائے گا۔

جب تک مجلس میں رہے اختیار باقی ہے

(٦٥): [وَإِذَا جَعَلَ اَمْرَهَا بِيَدِهَا اَوْ خَيَّرَهَا فَمَكَثَتْ يَوْمًا لَمْ تَقُمْ فَالْاَمْرُ فِيْ يَدِهَا مَا لَمْ تَأْخُذْ فِيْ عَمَلٍ اٰخَرَ] لِاَنَّ هٰذَا تَمْلِيْكُ التَّطْلِيْقِ مِنْهَا [لِاَنَّ الْمَالِكَ مَنْ يَّتَصَرَّفُ بِرَأْيِ نَفْسِهٖ وَهِيَ بِهٰذِهِ الصِّفَةِ وَالتَّمْلِيْكُ يَقْتَصِرُ عَلَى الْمَجْلِسِ وَقَدْ بَيَّنَّاهُ]

ثُمَّ اِنْ كَانَتْ تَسْمَعُ يُعْتَبَرُ مَجْلِسُهَا ذٰلِكَ. وَاِنْ كَانَتْ لَا تَسْمَعُ فَمَجْلِسُ عِلْمِهَا وَبُلُوْغِ الْخَبَرِ اِلَيْهَا لِاَنَّ هٰذَا تَمْلِيْكٌ فِيْهِ مَعْنَى التَّعْلِيْقِ فَيَتَوَقَّفُ عَلٰى مَا وَرَاءَ الْمَجْلِسِ. وَلَا يُعْتَبَرُ مَجْلِسُهُ لِاَنَّ التَّعْلِيْقَ لَازِمٌ فِيْ حَقِّهٖ. بِخِلَافِ الْبَيْعِ لِاَنَّهٗ تَمْلِيْكٌ مَحْضٌ لَّا يَشُوْبُهُ التَّعْلِيْقُ. وَاِذَا اُعْتُبِرَ مَجْلِسُهَا فَالْمَجْلِسُ تَارَةً يَتَبَدَّلُ بِالتَّحَوُّلِ وَمَرَّةً بِالْاَخْذِ فِيْ عَمَلٍ اٰخَرَ عَلٰى مَا بَيَّنَّا فِي الْخِيَارِ. وَيَخْرُجُ الْاَمْرُ مِنْ يَّدِهَا بِمُجَرَّدِ الْقِيَامِ لِاَنَّهٗ دَلِيْلُ الْاِعْرَاضِ. اِذِ الْقِيَامُ يُفَرِّقُ الرَّأْيَ. بِخِلَافِ مَا اِذَا مَكَثَتْ يَوْمًا لَمْ تَقُمْ وَلَمْ تَأْخُذْ فِيْ عَمَلٍ اٰخَرَ لِاَنَّ الْمَجْلِسَ قَدْ يَطُوْلُ وَقَدْ يَقْصُرُ فَيَبْقٰى اِلٰى اَنْ يُّوْجَدَ مَا يَقْطَعُهٗ اَوْ مَا يَدُلُّ عَلَى الْاِعْرَاضِ.

وَقَوْلُهٗ مَكَثَتْ يَوْمًا لَيْسَ لِلتَّقْدِيْرِ بِهٖ. وَقَوْلُهٗ مَا لَمْ تَأْخُذْ فِيْ عَمَلٍ اٰخَرَ يُرَادُ بِهٖ عَمَلٌ يُعْرَفُ اَنَّهٗ قَطْعٌ لِمَا كَانَ فِيْهِ لَا مُطْلَقُ الْعَمَلِ

ترجمہ: [اور جب خاوند نے اس کا معاملہ اس کے ہاتھ میں یا اسے (طلاق کا) اختیار دیا پس وہ ایک دن ٹھہری رہی اور کھڑی نہ ہوئی تو اس کو اختیار باقی ہوگا جب تک کسی دوسرے عمل میں مصروف نہ ہو جائے]

کیونکہ یہ عورت کو طلاق کا مالک بنانا ہے

[کیونکہ مالک وہ ہوتا ہے جو اپنی رائے سے تصرف کرتا ہے اور یہ (عورت) اسی صفت کے ساتھ ہے اور تملیک مجلس کے ساتھ خاص ہوتی ہے اور یہ بات ہم پہلے بیان کر چکے ہیں]

پھر اگر وہ سنتی ہے تو اس کی یہ مجلس معتبر ہوگی اور اگر وہ نہیں سنتی (بہری ہے) تو وہ مجلس جس میں اسے علم ہوا اور اس تک خبر پہنچی (وہ معتبر ہوگی) کیونکہ اس تملیک میں تعلیق کا معنیٰ ہے تو مجلس کے علاوہ پر موقوف ہوگی اور مرد کی مجلس کا اعتبار نہیں ہو گا کیونکہ اس اختیار کو معلق کرنا مرد پر لازم ہے۔

بخلاف بیع کے کہ وہ محض تملیک ہے اس میں تعلیق کی ملاوٹ نہیں ہے۔

اور جب عورت کی مجلس معتبر ہے تو مجلس کبھی اس کے پھر جانے سے بدل جاتی ہے اور کبھی دوسرے عمل میں مشغول ہونے سے بدلتی ہے جس طرح خیار کے مسئلہ میں ہم نے بیان کیا ہے اور عورت کے محض کھڑا ہونے سے اس کا اختیار ختم ہو جائے گا کیونکہ یہ اعراض (نہ ماننے) کی دلیل ہے کیونکہ کھڑا ہونے سے رائے بکھر جاتی ہے۔

بخلاف اس کے جب ایک دن ٹھہرے نہ تو کھڑی ہو اور نہ ہی کسی دوسرے کام میں مشغول ہو (یہاں مجلس تبدیل نہیں ہوتی) کیونکہ بعض اوقات مجلس طویل ہو جاتی ہے اور کبھی مختصر ہوتی ہے لہٰذا اس وقت تک باقی رہے گی جب تک اسے کاٹنے والی کوئی بات نہ پائی جائے یا اعراض کرنے پر دلالت نہ ہو۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا جامع الصغیر کا یہ قول کہ ایک دن ٹھہرے یہ اندازہ مقرر نہیں ہے (کم یا زیادہ بھی ہو سکتا ہے) اور ان کا یہ قول کہ جب تک کسی دوسرے عمل میں مشغول نہ ہو اس سے مراد وہ عمل ہے جس سے مجلس کے ختم ہونے کی پہچان ہو مطلق عمل مراد نہیں۔

توضیح: اگر خاوند نے بیوی کو اس طرح اختیار دیا کہ "تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے" یا کہا کہ "تجھے اختیار ہے" تو اس میں دو باتیں ہیں:

① خاوند نے اسے طلاق حاصل کرنے کا مالک بنایا اور جسے مالک بنایا جائے وہ اپنی رائے سے تصرف (عمل) کر سکتا ہے۔

② اور یہ تملیک مجلس تک محدود ہوتی ہے مجلس ختم ہونے کے بعد اختیار ختم ہو جاتا ہے۔

لہٰذا جب عورت ایک دن بیٹھی رہی اور کسی دوسرے کام میں بھی مشغول نہ ہوئی تو اختیار برقرار رہے گا۔

کون سی مجلس معتبر ہے؟

اگر عورت نے خاوند کی بات سنی تو وہی مجلس معتبر ہوگی جس میں اس نے وہ بات سنی ہے اور اگر نہیں سنی تو جب اسے علم ہوگا یا خبر پہنچے گی کہ خاوند نے اسے اختیار دیا ہے تو وہ مجلس معتبر ہوگی۔

کیونکہ اس میں تعلیق (شرط کے ساتھ مشروط کرنا) کا معنیٰ بھی پایا جاتا ہے یعنی جب عورت اس اختیار کو قبول کرے تو اسے طلاق ہوگی اس لئے اس مجلس (جس میں خاوند نے یہ بات کہی) کے بعد بھی اسے اختیار حاصل ہوگا۔

یاد رہے کہ یہاں مرد کی مجلس معتبر نہیں ہوگی کیونکہ تعلیق مرد کو لازم ہے۔

سوال: جب خرید و فروخت ہو رہی ہو اور بائع ایجاب کرے کہ میں نے یہ چیز بیچی تو مشتری کی طرف سے جواب اسی مجلس میں ضروری ہوتا ہے تو یہاں بھی اسی طرح ہونا چاہئے۔

جواب: نکاح کے اختیار اور بیع میں فرق ہے کیونکہ وہ محض تملیک ہے اس میں تعلیق نہیں ہے (اور اس میں تعلیق ہے)

عورت کا اختیار کب ختم ہوگا؟

عورت کے اختیار کا اختتام دو صورتوں میں ہوگا:

① یا تو وہ اس مجلس سے کھڑی ہو جائے جس میں اسے اس اختیار کا علم ہوا کیونکہ کھڑا ہونا اعراض کی دلیل ہے اس لئے کہ اس سے رائے بکھر جاتی ہے۔

② کسی دوسرے کام میں شروع ہو جائے کیونکہ اس سے مجلس بدل جاتی ہے جس طرح وہاں سے چلے جانے سے مجلس بدل جاتی ہے۔

جہاں تک پورا دن ٹھہرنے کی صورت ہے تو بعض اوقات مجلس طویل ہو جاتی ہے اور کبھی مختصر ہوتی ہے تو یہ ایک ہی مجلس ہوگی جب تک کوئی دوسرا عمل اسے ختم نہ کرے یا عورت کھڑی ہو کر اعراض کا اظہار نہ کرے۔

نوٹ: امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے "الجامع الصغیر" میں جو ایک دن ٹھہرنے کا ذکر کیا تو اس سے مقدار مراد نہیں بلکہ بطور مثال ذکر کیا لہٰذا دن سے کم یا زیادہ وقت بھی ہو سکتا ہے۔

④ اور انہوں نے جو یہ بات فرمائی کہ جب تک دوسرے کام میں مشغول نہ ہو تو اس سے مطلق عمل مراد نہیں بلکہ وہ عمل مراد ہے جسے عرف میں مجلس کے بدلنے یا ختم ہونے کا ذریعہ قرار دیا گیا ہو۔

اختیار کا سن کر کھڑی عورت بیٹھ جائے تو اختیار باقی رہے گا

(٦٦): [وَلَوْ كَانَتْ قَائِمَةً فَجَلَسَتْ فَهِيَ عَلَى خِيَارِهَا] لِاَنَّهُ دَلِيْلُ الْاِقْبَالِ فَاِنَّ الْقُعُوْدَ اَجْمَعُ لِلرَّأْيِ [وَكَذَا اِذَا كَانَتْ قَاعِدَةً فَاتَّكَأَتْ اَوْ مُتَّكِئَةً فَقَعَدَتْ] لِاَنَّ هٰذَا انْتِقَالٌ مِنْ جِلْسَةٍ اِلٰى جِلْسَةٍ فَلَا يَكُوْنُ اِعْرَاضًا. كَمَا اِذَا كَانَتْ مُحْتَبِيَةً فَتَرَبَّعَتْ.
قَالَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: هٰذَا رِوَايَةُ الْجَامِعِ الصَّغِيْرِ. وَذَكَرَ فِيْ غَيْرِهِ اَنَّهَا اِذَا كَانَتْ قَاعِدَةً فَاتَّكَأَتْ لَا خِيَارَ لَهَا لِاَنَّ الِاتِّكَاءَ اِظْهَارُ التَّهَاوُنِ بِالْاَمْرِ فَكَانَ اِعْرَاضًا. وَالْاَوَّلُ هُوَ الْاَصَحُّ وَلَوْ كَانَتْ قَاعِدَةً فَاضْطَجَعَتْ فَفِيْهِ رِوَايَتَانِ عَنْ اَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ

ترجمہ: [اور اگر عورت کھڑی تھی پھر بیٹھ گئی تو اس کا اختیار باقی رہے گا] کیونکہ یہ متوجہ ہونے کی دلیل ہے کیونکہ بیٹھنے سے رائے کی طرف توجہ اور درستگی زیادہ ہوتی ہے۔
[اور اسی طرح جب وہ بیٹھی ہو اور ٹیک لگا لے یا اس نے ٹیک لگائی ہوئی ہو اور بیٹھ جائے] کیونکہ یہ بیٹھنے کے ایک طریقہ سے دوسرے طریقے کی طرف منتقل ہونا ہے لہٰذا یہ اعراض نہیں ہے جس طرح اگر

ٹانگیں کھڑی کر کے بیٹھی ہو پھر چوکڑی مار کر بیٹھ جائے۔

حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ ''جامع صغیر'' کی روایت ہے اور اس کے علاوہ کتب میں ذکر کیا کہ جب بیٹھی ہوئی ہو اور ٹیک لگا لے تو اس کا اختیار ختم ہو جائے گا کیونکہ تکیہ لگانا کسی معاملے میں دلچسپی نہ لینے کی دلیل ہے لہٰذا یہ منہ پھیرنا ہوگا لیکن پہلا قول صحیح ہے۔

توضیح: جب عورت کو طلاق کا اختیار دیا جائے اور اس کے بعد وہ اپنی حالت کو بدل دے تو بعض صورتوں میں اعراض ہوگا لہٰذا اختیار ختم ہو جائے گا اور بعض صورتوں میں یہ عمل زیادہ توجہ کا باعث ہوگا اس لئے اختیار ختم نہیں ہوگا مثلاً

(1) جب اختیار کی اطلاع ملی اور وہ بیٹھی ہوئی تھی کھڑی ہو گئی تو یہ اعراض کی دلیل ہے یعنی اس نے اس خیار کو قبول نہیں کیا لہٰذا اس کے کھڑے ہونے سے خیار ختم ہو جائے گا۔

(2) اگر وہ کھڑی تھی اور بیٹھ گئی تو خیار ختم نہیں ہوگا کیونکہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اطمینان کے ساتھ سوچ و بچار کر کے اپنی رائے متعین کرنا چاہتی ہے۔

(3) بیٹھی ہوئی تھی ٹیک لگا لی یا ٹیک لگائی ہوئی تھی اور بیٹھ گئی تو یہ بیٹھنے کی مختلف حالتیں ہیں لہٰذا یہ اعراض نہیں لہٰذا اس صورت میں بھی خیار باقی رہے گا۔

جس طرح ٹانگیں کھڑی کر کے بیٹھی ہو (اس کو احتباء کہتے ہیں) اور چوکڑی مار کر بیٹھ جائے تو یہی حکم ہے۔

الجامع الصغیر کی روایت صحیح ہے

یہ (امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب) ''الجامع الصغیر'' کی روایت ہے دوسری کتب میں یہ ہے کہ جب بیٹھنے کی حالت کو ٹیک لگانے کی حالت میں بدل دے تو خیار نہیں رہے گا کیونکہ یہ کسی معاملے میں سستی اور عدم توجہ کی دلیل ہے۔

لیکن پہلی بات (یعنی الجامع الصغیر کی روایت) صحیح ہے۔

مشورہ کے لئے مہلت سے خیار ختم نہیں ہوتا

(۶۷): [وَلَوْ قَالَتْ أُدْعُ أَبِي أَسْتَشِرْهُ أَوْ شُهُودًا أُشْهِدُهُمْ فَهِيَ عَلَى خِيَارِهَا] لِأَنَّ الْاِسْتِشَارَةَ لِتَحَرِّي الصَّوَابِ، وَالْاِشْهَادَ لِلتَّحَرُّزِ عَنِ الْاِنْكَارِ فَلَا يَكُونُ دَلِيلَ الْاِعْرَاضِ [وَإِنْ كَانَتْ تَسِيرُ عَلَى دَابَّةٍ أَوْ فِي مَحْمَلٍ فَوَقَفَتْ فَهِيَ عَلَى خِيَارِهَا]، وَإِنْ سَارَتْ بَطَلَ خِيَارُهَا] لِأَنَّ سَيْرَ الدَّابَّةِ وَوُقُوفَهَا مُضَافٌ إِلَيْهَا [وَالسَّفِينَةُ بِمَنْزِلَةِ الْبَيْتِ] لِأَنَّ سَيْرَهَا غَيْرُ مُضَافٍ إِلَى رَاكِبِهَا. أَلَا تَرَى أَنَّهُ لَا يَقْدِرُ عَلَى إِيقَافِهَا وَرَاكِبُ الدَّابَّةِ يَقْدِرُ.

ترجمہ: [اگر عورت کہے کہ تو میرے والد کو بلا کہ اس سے مشورہ کروں یا گواہوں کو بلا کہ ان کو گواہ بناؤں تو اس کا خیار

باقی ہوگا]

کیونکہ درست بات تک پہنچنے کے لئے مشورہ کیا جاتا ہے اور گواہی اس لئے ہوتی ہے کہ انکار سے بچا جائے لہٰذا یہ اعراض کی دلیل نہیں۔

[اور اگر وہ سواری پر یا کجاوے میں جارہی ہو اور (اختیار کا سن کر) ٹھہر جائے تو خیار باقی ہوگا اور اگر چل پڑے تو خیار باطل ہوجائے گا] کیونکہ سواری کا چلنا یا ٹھہرنا، اس عورت کی طرف منسوب ہوگا

[اور کشتی گھر کی طرح ہے] کیونکہ اس کا چلنا اس کی سواری کی طرف منسوب نہیں ہوتا کیا تم نہیں دیکھتے کہ وہ اس کو کھڑا کرنے پر قادر نہیں اور جانور پر سوار اس (کھڑا کرنے) پر قادر ہوتا ہے۔

توضیح: عورت کو طلاق کا اختیار دیا گیا تو اس سلسلے میں مزید دو صورتیں بیان کی گئی ہیں جن کا خیار کے باقی رہنے یا باطل ہونے سے تعلق ہے۔

پہلی صورت: جب عورت نے اختیار کے بارے میں سنا تو اس نے کہا: تو میرے والد کو مشورہ کے لئے بلایا گواہوں کو گواہی کے لئے بلا تو یہ اعراض نہیں لہٰذا خیار باقی رہے گا کیونکہ مشورہ فیصلے کی درستگی کے لئے ہوتا ہے اور گواہی اس لئے ضروری ہے کہ انکار نہ ہوسکے۔

دوسری صورت: اختیار کے بارے میں سنتے وقت عورت سواری پر سوار ہو، پھر اس کی دو حالتیں ہیں جانور (یا گاڑی) پر سوار ہو یا کشتی پر سوار ہو۔

پہلی حالت: جب جانور پر سوار ہو اور خاوند کی بات سن کر سواری کو کھڑا کر دے تو یہ توجہ کی دلیل ہے لہٰذا خیار باقی رہے گا اور اگر چلتی رہے تو یہ عدم توجہ کی دلیل ہے لہٰذا خیار باطل ہوجائے گا کیونکہ جانور کا کھڑا ہونا یا چلنا عورت کی طرف منسوب ہوتا ہے گویا وہی کھڑی ہوئی اور وہی چل پڑی۔

دوسری حالت: جب کشتی پر سوار ہو تو یہ گھر کی طرح ہے اس لئے اگر کھڑی تھی بیٹھ گئی تو خیار باقی ہوگا اور اگر بیٹھی ہوئی تھی کھڑی ہوگئی تو خیار باطل ہوگیا کیونکہ کشتی کا چلنا سواری کی طرف منسوب نہیں ہوتا کیونکہ وہ اسے کھڑی کرنے پر قادر نہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ سواری (جانور یا گاڑی) کا کھڑا ہونا چل پڑنا عورت کا کھڑا ہونا چل پڑنا شمار ہوگا' اور کشتی میں خود عورت کا کھڑا ہونا یا چل پڑنا معتبر ہوگا۔

فَصۡلٌ فِی الۡمَشِیۡئَةِ

مشیت کا بیان

عورت کو نیت کے بغیر طلاق کا کہنا

(٦٨): [وَمَنْ قَالَ لِامْرَأَتِهِ: طَلِّقِيْ نَفْسَكِ وَلَا نِيَّةَ لَهُ أَوْ نَوَى وَاحِدَةً فَقَالَتْ: طَلَّقْتُ نَفْسِيْ فَهِيَ وَاحِدَةٌ رَجْعِيَّةٌ، وَإِنْ طَلَّقَتْ نَفْسَهَا ثَلَاثًا وَقَدْ أَرَادَ الزَّوْجُ ذٰلِكَ وَقَعْنَ عَلَيْهَا] وَهٰذَا لِأَنَّ قَوْلَهُ طَلِّقِيْ مَعْنَاهُ افْعَلِيْ فِعْلَ التَّطْلِيْقِ، وَهُوَ اسْمُ جِنْسٍ فَيَقَعُ عَلَى الْأَدْنٰى مَعَ احْتِمَالِ الْكُلِّ كَسَائِرِ أَسْمَاءِ الْأَجْنَاسِ. فَلِهٰذَا تَعْمَلُ فِيْهِ نِيَّةُ الثَّلَاثِ. وَيَنْصَرِفُ إِلٰى وَاحِدَةٍ عِنْدَ عَدَمِهَا وَتَكُوْنُ الْوَاحِدَةُ رَجْعِيَّةً لِأَنَّ الْمُفَوَّضَ إِلَيْهَا صَرِيْحُ الطَّلَاقِ، وَلَوْ نَوَى الثِّنْتَيْنِ لَا تَصِحُّ لِأَنَّهُ نِيَّةُ الْعَدَدِ إِلَّا إِذَا كَانَتِ الْمَنْكُوْحَةُ أَمَةً لِأَنَّهُ جِنْسٌ فِيْ حَقِّهَا.

ترجمہ: [اگر مرد نے اپنی بیوی سے کہا اپنے آپ کو طلاق دے اور مرد کی (تعداد کے سلسلے میں) کوئی نیت نہیں تھی یا ایک کی نیت کی عورت نے کہا میں نے اپنے آپ کو طلاق دی تو یہ ایک رجعی طلاق ہوگی اور اگر وہ اپنے آپ کو تین طلاقیں دے اور خاوند نے بھی اس کا ارادہ کیا ہو تو اسے تینوں طلاقیں ہو جائیں گی]

اور یہ اس لئے کہ اس کے قول "طلاق دے" کا معنیٰ "طلاق دینے کا عمل کرنا" ہے اور وہ (تطلیقة) اسم جنس ہے جو کل کے احتمال کے ساتھ ادنیٰ پر واقع ہوتا ہے جس طرح باقی اسماء جنس کا حکم ہے۔

اسی لئے اس میں تین کی نیت عمل کرتی ہے اور جب یہ نیت نہ ہو تو وہ ایک کی طرف پھر جائے گی اور ایک رجعی طلاق ہو گی کیونکہ صریح طلاق عورت کے سپرد کی گئی ہے۔

اور اگر دو کی نیت کرے تو صحیح نہیں ہوگی کیونکہ یہ عدد کی نیت ہے مگر جب منکوحہ عورت اس کی لونڈی ہو کیونکہ اس کے حق میں یہ جنس ہے۔

توضیح: اگر مرد نے عورت کو طلاق کا اختیار لفظ طلاق کے ساتھ دیا اور کہا کہ اپنے آپ کو طلاق دے تو یہاں دو باتیں ہیں:

① طلاق کون سی ہوگی۔ ② کتنی طلاقیں ہوں گی۔

پہلی بات: اگر عورت اس اختیار کو قبول کرے اور کہے کہ میں نے اپنے آپ کو طلاق دی تو یہ طلاق رجعی ہوگی کیونکہ جب صریح لفظ (یعنی لفظ طلاق) بولا جائے تو طلاق رجعی ہوتی ہے۔

دوسری صورت میں تین باتیں ہیں:

① مرد نے ایک طلاق کی نیت کی یا کوئی نیت نہیں کی تو عورت کے قبول کرنے پر ایک طلاق ہوگی۔

② اگر مرد نے تین طلاقوں کی نیت کی تو تین ہوں گی اگر عورت بھی تین طلاقیں دے۔

③ اگر دو کی نیت کی تو ایک ہی ہوگی۔

وجہ کیا ہے؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ جب عورت سے کہا اپنے آپ کو طلاق دے تو اس کا معنیٰ ہوگا ''اِفْعَلِيْ فِعْلَ التَّطْلِيْقِ'' (طلاق دینے کا عمل اختیار کر) اور تطلیق اسم جنس ہے جو ادنیٰ پر بولا جاتا ہے اور کل کا بھی احتمال رکھتا ہے لہٰذا جب کوئی نیت نہ ہو یا ایک کی نیت ہو تو ادنیٰ یعنی ایک طلاق مراد ہوگی۔

اور جب تین کی نیت کرے تو اسم جنس کے کل افراد مراد ہوں گے اور وہ تین ہیں۔

اور دو چونکہ عدد ہے اسم جنس کا ادنیٰ یا کل نہیں لہٰذا دو کی نیت درست نہیں ہوگی اور ایک طلاق ہوگی۔

عورت جواب میں اپنے آپ کو بائنہ قرار دے

(۶۹): [وَاِنْ قَالَ لَهَا: طَلِّقِيْ نَفْسَكِ قَالَتْ: اَبَنْتُ نَفْسِيْ طَلُقَتْ] وَلَوْ قَالَتْ: قَدْ اخْتَرْتُ نَفْسِيْ لَمْ تَطْلُقْ لِاَنَّ الْاِبَانَةَ مِنْ اَلْفَاظِ الطَّلَاقِ، اَلَا تَرٰى اَنَّهٗ لَوْ قَالَ لِامْرَاَتِهٖ: اَبَنْتُكِ يَنْوِيْ بِهِ الطَّلَاقَ اَوْ قَالَتْ: اَبَنْتُ نَفْسِيْ فَقَالَ الزَّوْجُ: قَدْ اَجَزْتُ ذٰلِكَ بَانَتْ فَكَانَتْ مُوَافِقَةً لِلتَّفْوِيْضِ فِي الْاَصْلِ اِلَّا اَنَّهَا زَادَتْ فِيْهِ وَصْفًا وَهُوَ تَعْجِيْلُ الْاِبَانَةِ فَيَلْغُو الْوَصْفُ الزَّائِدُ وَيَثْبُتُ الْاَصْلُ، كَمَا اِذَا قَالَتْ: طَلَّقْتُ نَفْسِيْ تَطْلِيْقَةً بَائِنَةً، وَيَنْبَغِيْ اَنْ تَقَعَ تَطْلِيْقَةٌ رَجْعِيَّةٌ.

بِخِلَافِ الْاِخْتِيَارِ لِاَنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَلْفَاظِ الطَّلَاقِ؛ اَلَا تَرٰى اَنَّهٗ لَوْ قَالَ لِامْرَاَتِهِ اخْتَرْتُكِ اَوْ اخْتَارِيْ يَنْوِي الطَّلَاقَ لَمْ يَقَعْ، وَلَوْ قَالَتْ ابْتِدَاءً: اخْتَرْتُ نَفْسِيْ فَقَالَ الزَّوْجُ: قَدْ اَجَزْتُ لَا يَقَعُ شَيْءٌ اِلَّا اَنَّهٗ عُرِفَ طَلَاقًا بِالْاِجْمَاعِ اِذَا حَصَلَ جَوَابًا لِلتَّخْيِيْرِ، وَقَوْلُهٗ طَلِّقِيْ نَفْسَكِ لَيْسَ بِتَنْجِيْزٍ فَيَلْغُو.

وَعَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ اَنَّهٗ لَا يَقَعُ شَيْءٌ بِقَوْلِهَا اَبَنْتُ نَفْسِيْ لِاَنَّهَا اَتَتْ بِغَيْرِ مَا فَوَّضَ اِلَيْهَا اِذْ

الْاِبَانَةُ تُغَایِرُ الطَّلَاقَ.

ترجمہ:[اور اگر مرد نے کہا اپنے آپ کو طلاق دو عورت نے کہا میں نے اپنے آپ کو جدا کیا (طلاق بائن دی)] تو طلاق ہوجائے گی) اور اگر کہے میں نے اپنے آپ کو اختیار کیا تو طلاق نہیں ہوگی کیونکہ ابانت، طلاق کے الفاظ میں سے ہے کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اگر اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ ''میں نے تجھے جدا کیا'' اور طلاق کی نیت کی یا عورت نے کہا: ''میں نے اپنے نفس کو جدا کیا'' جواب میں خاوند نے کہا میں نے اس کی اجازت دی، تو طلاق بائن ہوجائے گی تو اصل کے اعتبار سے یہ تفویض کے موافق ہوگی مگر اس میں ایک وصف زیادہ ہے اور وہ جلدی جدائی اختیار کرنا ہے لہٰذا زائد وصف لغو ہو جائے گا اور اصل (طلاق) ثابت ہوجائے گی۔

جس طرح اگر عورت کہے میں نے اپنے نفس کو طلاق بائن دی تو مناسب ہے کہ طلاق رجعی واقع ہو، بخلاف اختیار کے، کیونکہ وہ طلاق کے الفاظ میں سے نہیں کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر وہ اپنی بیوی سے کہے میں نے تجھے اختیار کیا یا کہے تم اختیار کرلو اور اس سے طلاق کی نیت کرے تو طلاق نہیں ہوگی۔

اور اگر عورت ابتدائی طور پر (یعنی خود بخود) کہے کہ ''میں نے اپنے نفس کو اختیار کیا'' اور خاوند کہے: ''میں نے اجازت دی''، تو کچھ بھی واقع نہیں ہوگا۔

لیکن اجماع کے ذریعے اس کے طلاق ہونے کی پہچان ہوئی جب اختیار کے جواب میں ہو۔

اور مرد کا یہ کہنا کہ اپنے آپ کو طلاق دو یہ اختیار دینا نہیں پس لغو ہوجائے گا۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ جب عورت کہے: ''میں نے اپنے نفس کو جدا کیا'' (اَبَنْتُ کا لفظ کہے) تو طلاق نہیں ہوگی کیونکہ اس نے یہ الفاظ مرد کے اختیار دیئے بغیر کہے ہیں کیونکہ ابانت طلاق کا غیر ہے۔

توضیح: اگر مرد نے اپنی بیوی سے کہا اپنے آپ کو طلاق دو اور جواب میں عورت نے کہا میں نے اپنے آپ کو بائنہ کردیا (فوری جدائی کردی) تو طلاق رجعی ہوگی۔

طلاق اس لئے ہوگی کہ لفظ ابانت بھی طلاق کے الفاظ میں سے ہے اور اسے طلاق کی اجازت دی گئی تھی۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر خاوند یہ لفظ استعمال کرے اور طلاق کی نیت سے کہے: اَبَنْتُكِ تو طلاق ہوجاتی ہے اسی طرح اگر عورت کہے: اَبَنْتُ نَفْسِیْ اور خاوند اس کی اجازت دے تو طلاق بائن ہوجاتی ہے لیکن یہاں طلاق رجعی ہوگی کیونکہ خاوند نے اسے طلاق کا اختیار دیا اور عورت نے ایک وصف یعنی بینونت کا اضافہ کیا اس لئے وہ لغو ہوجائے گا اور طلاق رجعی ہوگی جیسے خاوند کے جواب میں کہے: طَلَّقْتُ نَفْسِیْ بَائِنَةً تو بائنہ کا لفظ لغو ہوجائے گا۔

دوسری صورت یہ کہ بیوی نے کہا: اَخْتَرْتُ نَفْسِیْ (میں نے اپنے نفس کو اختیار کیا) تو اس صورت میں طلاق نہیں ہوگی۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ لفظ اختیار، طلاق کے الفاظ میں سے نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر بیوی سے کہے میں نے تجھے اختیار کیا یا کہے تم اختیار کرو اور طلاق کی نیت کرے تو طلاق نہیں ہوگی اور اگر عورت از خود کہے میں نے اپنے نفس کو اختیار کیا اور خاوند کہے میں نے اجازت دی (یعنی جائز قرار دیا) تو طلاق نہیں ہوگی۔

سوال: یہ کیسے ہوسکتا ہے جبکہ پہلے گزر چکا ہے کہ اگر عورت اپنے آپ کو اختیار کرے تو طلاق بائن ہو جاتی ہے۔

جواب: دراصل لفظ اختیار، طلاق کے الفاظ میں سے نہیں اس سے طلاق کا وقوع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع سے ثابت ہوا اور چونکہ یہ خلاف قیاس ہے لہذا اسی صورت کے ساتھ خاص ہوگا جس پر اجماع ہے اور وہ اس صورت میں ہے جب خاوند کے اختیار دینے کے جواب میں عورت یہ بات کہے کہ میں نے اپنے آپ کو اختیار کیا اور جب خاوند نے کہا اپنے آپ کو طلاق دو تو اختیار دینا نہیں ہے لہذا یہ لغو ہو جائے گا (یعنی مرد نے اِخْتَارِیْ نہیں کہا)

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ جب عورت کہے: اَبَنْتُ نَفْسِیْ تو طلاق نہیں ہوگی کیونکہ اس نے وہ الفاظ کہے جن کا اختیار مرد نے نہیں دیا تھا کیونکہ ابانت اور طلاق ایک دوسرے کا غیر ہیں (طلاق کے لفظ سے رجعی اور ابانت کے لفظ سے بائن طلاق ہوتی ہے لہذا ایک دوسرے کا غیر ہوئے)

طلاق کے اختیار سے رجوع کا حکم

(۷۰): [وَلَوْ قَالَ لَهَا: طَلِّقِيْ نَفْسَكِ فَلَيْسَ لَهُ اَنْ يَّرْجِعَ عَنْهُ] لِاَنَّ فِيْهِ مَعْنَى الْيَمِيْنِ لِاَنَّهُ تَعْلِيْقُ الطَّلَاقِ بِتَطْلِيْقِهَا وَالْيَمِيْنُ تَصَرُّفٌ لَّازِمٌ. وَلَوْ قَامَتْ عَنْ مَجْلِسِهَا بَطَلَ لِاَنَّهُ تَمْلِيْكٌ. بِخِلَافِ مَا اِذَا قَالَ لَهَا: طَلِّقِيْ ضَرَّتَكِ لِاَنَّهُ تَوْكِيْلٌ وَّاِنَابَةٌ فَلَا يَقْتَصِرُ عَلَى الْمَجْلِسِ وَيَقْبَلُ الرُّجُوْعَ۔

ترجمہ: [اگر مرد نے کہا اپنے آپ کو طلاق دو تو وہ اپنے ان الفاظ سے رجوع نہیں کرسکتا] کیونکہ اس میں یمین (شرط) کا معنیٰ پایا جاتا ہے کیونکہ یہ طلاق کو عورت کے طلاق دینے کے ساتھ معلق کرتا ہے اور یمین لازم تصرف ہے اور اگر وہ اپنی مجلس سے کھڑی ہو جائے تو اختیار باطل ہو جائے گا کیونکہ یہ تملیک ہے۔ بخلاف اس کے جب کہے: ''اپنی سوتن کو طلاق دو'' کیونکہ یہ وکیل بنانا اور نائب قرار دینا ہے لہذا یہ مجلس تک محدود نہیں ہوگا اس لئے اس میں رجوع ہوسکتا ہے۔

توضیح: بعض الفاظ ایسے ہیں جن کو واپس نہیں لیا جاسکتا ہے ان میں سے یہ جملہ بھی ہے کہ مرد اپنی بیوی سے کہے: ''اپنے آپ کو طلاق دو'' چونکہ یہ یمین ہے یعنی بیوی کی مرضی پر موقوف اور مشروط ہے کہ وہ اپنے آپ کو طلاق دے یا نہ

دے اور مشروط ایک ایسا تصرف ہے جو لازم ہے یعنی خاوند کی طرف سے اسے جو اختیار دیا گیا وہ خاوند کی مرضی پر نہیں بلکہ عورت کی مرضی پر موقوف ہے۔

اور چونکہ یہ تملیک ہے اور تملیکات مجلس کے ساتھ خاص ہوتی ہیں لہٰذا اگر عورت خاوند کی بات سن کر مجلس سے کھڑی ہو جائے تو اختیار باطل ہو جائے گا۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ جب بیوی کو یہ اختیار دے کہ وہ اپنی سوتن (سوکن) کو طلاق دے تو چونکہ یہ توکیل ہے یعنی اس نے اسے وکیل بنایا ہے اور وکالت کا اختیار واپس لیا جا سکتا ہے اور یہ مجلس کے ساتھ خاص بھی نہیں ہوتا اور وکیل، موکل کا نائب بنتا ہے لہٰذا اس سے رجوع کر سکتا ہے اور اختیار واپس لے سکتا ہے۔

لفظ متیٰ کے ساتھ اختیار دیا

(۷۱): [وَاِنْ قَالَ لَهَا: طَلِّقِيْ نَفْسَكِ مَتَى شِئْتِ فَلَهَا اَنْ تُطَلِّقَ نَفْسَهَا فِي الْمَجْلِسِ وَبَعْدَهُ] لِاَنَّ كَلِمَةَ مَتَى عَامَّةٌ فِي الْاَوْقَاتِ كُلِّهَا فَصَارَ كَمَا اِذَا قَالَ فِيْ اَيِّ وَقْتٍ شِئْتِ.

ترجمہ: [اور اگر خاوند نے اپنی بیوی سے کہا: ''اپنے آپ کو طلاق دو جب چاہو'' تو وہ مجلس میں اور اس کے بعد جب چاہے اپنے آپ کو طلاق دے سکتی ہے]

کیونکہ کلمہ متیٰ تمام اوقات کو شامل ہے تو اس طرح ہو جائے گا جیسے وہ کہے: ''تم جس وقت چاہو'' (طلاق دو)

توضیح: مسئلہ واضح ہے کہ لفظ متیٰ (جب) میں عموم ہے لہٰذا مجلس کے بعد بھی اختیار باقی رہے گا جس طرح فِيْ اَيِّ وَقْتٍ میں عموم ہے۔

طلاق دینے کے لئے کسی کو وکیل بنانا

(۷۲): [وَاِذَا قَالَ لِرَجُلٍ: طَلِّقْ امْرَاَتِيْ فَلَهُ اَنْ يُطَلِّقَهَا فِي الْمَجْلِسِ وَبَعْدَهُ] وَلَهُ اَنْ يَرْجِعَ عَنْهُ لِاَنَّهُ تَوْكِيلٌ وَاَنَّهُ اسْتِعَانَةٌ، فَلَا يَلْزَمُ وَلَا يَقْتَصِرُ عَلَى الْمَجْلِسِ، بِخِلَافِ قَوْلِهِ لِامْرَاَتِهِ: طَلِّقِيْ نَفْسَكِ لِاَنَّهَا عَامِلَةٌ لِنَفْسِهَا فَكَانَ تَمْلِيْكًا لَا تَوْكِيلًا [وَلَوْ قَالَ لِرَجُلٍ: طَلِّقْهَا اِنْ شِئْتَ فَلَهُ اَنْ يُطَلِّقَهَا فِي الْمَجْلِسِ خَاصَّةً] وَلَيْسَ لِلزَّوْجِ اَنْ يَرْجِعَ.

وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللهُ: هٰذَا وَالْاَوَّلُ سَوَاءٌ لِاَنَّ التَّصْرِيْحَ بِالْمَشِيْئَةِ كَعَدَمِهِ لِاَنَّهُ يَتَصَرَّفُ عَنْ مَشِيْئَتِهِ فَصَارَ كَالْوَكِيْلِ بِالْبَيْعِ اِذَا قِيْلَ لَهُ: بِعْهُ اِنْ شِئْتَ.

وَلَنَا اَنَّهُ تَمْلِيْكٌ لِاَنَّهُ عَلَّقَهُ بِالْمَشِيْئَةِ وَالْمَالِكُ هُوَ الَّذِيْ يَتَصَرَّفُ عَنْ مَشِيْئَتِهِ،

وَالطَّلَاقُ يَحْتَمِلُ التَّعْلِيقَ بِخِلَافِ الْبَيْعِ لِأَنَّهُ لَا يَحْتَمِلُهُ.

ترجمہ: جب کسی شخص نے دوسرے آدمی سے کہا: "میری بیوی کو طلاق دو" تو وہ مجلس میں اور اس کے بعد طلاق دے سکتا ہے اور وہ (عورت کا خاوند) اس سے رجوع بھی کرسکتا ہے] کیونکہ یہ وکیل بنانا اور مدد طلب کرنا ہے لہٰذا نہ تو یہ لازم ہے اور نہ ہی مجلس تک محدود ہے۔ بخلاف اس کے جب وہ اپنی بیوی سے کہے: "اپنے آپ کو طلاق دو" کیونکہ وہ اپنے نفس کے لئے عمل کرنے والی ہے لہٰذا یہ تملیک ہے توکیل نہیں ہے۔

[اور اگر کسی شخص سے کہا: "اس کو طلاق دو اگر تم چاہو" تو وہ صرف اس مجلس میں طلاق دے سکتا ہے] اور خاوند رجوع بھی نہیں کرسکتا۔

حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ صورت اور پہلی صورت ایک جیسی ہیں کیونکہ مشیت کی تصریح اس کے عدم کی طرح ہے کیونکہ وہ اپنی مشیت سے ہی تصرف کرتا ہے تو یہ بیع کے وکیل کی طرح ہوگیا جب اس سے کہے: "بیچو اگر چاہو"۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ تملیک ہے کیونکہ اسے مشیت کے ساتھ مشروط کیا اور مالک وہ ہوتا ہے جو اپنی مرضی اور مشیت سے تصرف کرتا ہے اور طلاق میں تعلیق (مشروط کرنے) کا احتمال ہے بخلاف بیع کے کیونکہ اس میں یہ احتمال نہیں۔

توضیح: حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے توکیل اور تملیک کا فرق واضح کرتے ہوئے دو باتیں بیان فرمائیں:

① جب کسی کو وکیل بنایا جائے تو یہ اختیار واپس لیا جاسکتا ہے تملیک میں واپس نہیں لیا جاسکتا۔

② توکیل (وکالت) کا اختیار مجلس کے بعد بھی باقی رہتا ہے تملیک میں دیا گیا اختیار مجلس تک محدود ہوتا ہے۔

لہٰذا جب کسی کو طلاق کا وکیل بنایا تو وہ اسے معزول بھی کرسکتا ہے اور جب تک معزول نہ کرے وکیل کسی بھی وقت اس کی بیوی کو طلاق دے سکتا ہے۔

لیکن جب عورت کو اختیار دیا تو یہ تملیک ہے اس لئے خاوند کو یہ اختیار واپس لینے کا حق بھی نہیں اور یہ اختیار مجلس سے تجاوز بھی نہیں کرے گا اگر عورت نے مجلس کے اندر طلاق دے دی تو طلاق ہو جائے گی اور اگر اٹھ کھڑی ہوئی تو خیار باطل ہو جائے گا۔

نوٹ: اگر عورت کو اختیار دیتے ہوئے متیٰ (جب بھی) کا لفظ استعمال کیا تو مجلس کے بعد بھی اختیار رہوگا۔

وکالت کے سلسلے میں ایک اور صورت بیان فرمائی جس میں امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے وہ صورت یہ ہے کہ —— خاوند نے اپنی بیوی کی طلاق کے لئے کسی شخص کو وکیل بناتے ہوئے کہا اگر تو چاہے تو اسے طلاق ہے (پہلی صورت اور اس میں یہی فرق ہے کہ اس میں چاہنے کی قید ہے پہلی صورت میں نہیں)۔

امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ دیگر ائمہ احناف کے نزدیک اس صورت میں وکیل کا اختیار مجلس تک محدود ہوگا نیز خاوند یہ اختیار واپس بھی نہیں لے سکتا کیونکہ یہ تملیک ہے اور مشیت سے مشروط ہے اور مالک وہی ہوتا ہے جو اپنی مشیت کے ساتھ

تصرف کرسکتا ہے اور چونکہ طلاق میں مشیت کے ساتھ مشروط کرنے کا احتمال ہے لہٰذا باقی تملیکات کی طرح یہ مجلس کے ساتھ خاص ہوگا۔

امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: پہلی اور یہ دونوں صورتوں کا حکم ایک جیسا ہے کیونکہ مشیت کا واضح ذکر ہو یا نہ ہو برابر ہیں اس لئے کہ وکیل بھی اپنی مشیت سے ہی تصرف کرتا ہے لہٰذا اس لفظ سے کہ "اگر تو چاہے" کوئی فرق نہیں پڑتا۔

حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے بیع کے وکیل پر قیاس کیا کہ اگر اسے کہا جائے اسے فروخت کرو اگر چاہو تو یہ اختیار مجلس کے ساتھ خاص نہیں ہوگا۔

دیگر ائمہ اس کا جواب یوں دیتے ہیں کہ اسے بیع پر قیاس نہیں کیا جا سکتا کیونکہ بیع میں تعلیق (یعنی شرط) کے ساتھ مشروط کرنے کا احتمال نہیں ہوتا جبکہ طلاق میں اس کا احتمال ہے۔

مرد کے دیئے گئے اختیار اور عورت کے قبول کرنے میں فرق

(۷۳): [وَلَوْ قَالَ لَهَا: طَلِّقِيْ نَفْسَكِ ثَلَاثًا فَطَلَّقَتْ وَاحِدَةً فَهِيَ وَاحِدَةٌ] لِاَنَّهَا مَلَكَتْ اِيْقَاعَ الثَّلَاثِ فَتَمْلِكُ اِيْقَاعَ الْوَاحِدَةِ ضَرُوْرَةً (وَلَوْ قَالَ لَهَا: طَلِّقِيْ نَفْسَكِ وَاحِدَةً فَطَلَّقَتْ نَفْسَهَا ثَلَاثًا لَمْ يَقَعْ شَيْءٌ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ. وَقَالَا: [تَقَعُ وَاحِدَةٌ] لِاَنَّهَا اَتَتْ بِمَا مَلَكَتْهُ وَزِيَادَةٍ فَصَارَ كَمَا اِذَا طَلَّقَهَا الزَّوْجُ اَلْفًا.

وَلِاَبِيْ حَنِيْفَةَ اَنَّهَا اَتَتْ بِغَيْرِ مَا فُوِّضَ اِلَيْهَا فَكَانَتْ مُبْتَدِئَةً. وَهٰذَا لِاَنَّ الزَّوْجَ مَلَّكَهَا الْوَاحِدَةَ وَالثَّلَاثُ غَيْرُ الْوَاحِدَةِ لِاَنَّ الثَّلَاثَ اسْمٌ لِعَدَدٍ مُرَكَّبٍ مُجْتَمِعٍ وَالْوَاحِدَةُ فَرْدٌ لَا تَرْكِيْبَ فِيْهِ فَكَانَتْ بَيْنَهُمَا مُغَايَرَةٌ عَلٰى سَبِيْلِ الْمُضَادَّةِ. بِخِلَافِ الزَّوْجِ لِاَنَّهُ يَتَصَرَّفُ بِحُكْمِ الْمِلْكِ، وَكَذَا هِيَ فِي الْمَسْاَلَةِ الْاُوْلٰى لِاَنَّهَا مَلَكَتِ الثَّلَاثَ. اَمَّا هٰهُنَا لَمْ تَمْلِكِ الثَّلَاثَ وَمَا اَتَتْ بِمَا فُوِّضَ اِلَيْهَا فَلَغَتْ.

ترجمہ: [اگر مرد نے کہا: "اپنے آپ کو تین طلاقیں دو" اور عورت نے ایک طلاق دی تو وہ ایک ہی ہوگی]

کیونکہ جب وہ تین طلاقیں دینے کی مالک ہوئی تو لازمی طور پر ایک طلاق دینے کی بھی مالک ہوگی۔

[اور اگر کہا کہ اپنے نفس کو ایک طلاق دو اور اس نے تین طلاقیں دیں تو حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی اور صاحبین فرماتے ہیں: ایک واقع ہوگی]

کیونکہ اس نے وہ طلاق دی جس کی وہ مالک ہوئی اور اس سے زیادہ بھی دی تو یہ اسی طرح ہے جیسے خاوند اسے ایک ہزار طلاقیں دے (تو تین ہو جائیں گی)۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ اس نے وہ طلاق دی جس کا اسے

اختیار نہیں دیا گیا تو یہ (اپنی طرف سے) بطور ابتداء طلاق دینے والی ہوئی۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ خاوند نے اسے ایک طلاق کا مالک بنایا تھا اور تین، ایک کا غیر ہیں کیونکہ تین، عدد مرکب کا نام ہے جو جمع ہیں اور ایک، فرد ہے مرکب نہیں ہے لہٰذا ان دونوں کے درمیان ایک دوسرے کی ضد ہونے کے طریقے پر مغایرت ہے بخلاف خاوند کے کہ وہ مالک ہونے کی حیثیت سے تصرف کرتا ہے اور پہلے مسئلہ میں اسی طرح ہے کیونکہ وہ تین کی مالک ہوئی تھی لیکن یہاں وہ تین کی مالک نہیں ہوئی اور جس کا اختیار دیا گیا اس پر عمل نہیں کیا تو یہ (اختیار) لغو ہو گیا۔

توضیح: خاوند نے جتنی طلاقوں کا اختیار دیا عورت نے اس کے خلاف کو اختیار کیا تو یہاں دو صورتیں ہوئیں۔

پہلی صورت میں اتفاق ہے اور دوسری صورت میں امام اعظم اور صاحبین رحمہم اللہ کے درمیان اختلاف ہے۔

پہلی صورت:

تین طلاقوں کا اختیار دیا اور عورت نے اپنے آپ کو ایک طلاق دی تو ایک طلاق ہو جائے گی کیونکہ جب تین طلاقوں کا اختیار دیا تو لازمی طور پر ایک کا اختیار ثابت ہو گیا کیونکہ تین میں ایک موجود ہے۔

دوسری صورت:

عورت کو ایک طلاق کا اختیار دیا اور عورت نے اپنے آپ کو تین طلاقیں دیں ـــــ اس صورت میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک طلاق بھی نہیں ہوگی۔ جبکہ صاحبین کے نزدیک ایک طلاق ہو جائے گی۔ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ عورت کو ایک طلاق کا اختیار دیا گیا تھا اس نے اضافہ کیا تو جس قدر اختیار دیا گیا اس کا نفاذ ہو جائے گا یعنی ایک طلاق ہو جائے گی جیسے خاوند اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاقیں دے تو تین طلاقیں ہو جائیں گی اور باقی لغو ہوں گی۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: عورت نے خاوند کے دیئے گئے اختیار کو بدل کر اس کی مخالفت کی کیونکہ ایک اور تین ایک دوسرے کے غیر ہیں۔

تین کا عدد مرکب اور مجموعہ ہے اور ایک کا عدد مفرد ہے مرکب نہیں لہٰذا ایک دوسرے کی ضد ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کا غیر ہیں اس لئے جب عورت تین کی مالک نہیں تو یہ اختیار لغو ہو جائے گا۔

جہاں تک خاوند کے ایک ہزار طلاق دینے کا تعلق ہے تو وہ طلاق دینے کا مالک ہے اور وہ اس بنیاد پر تصرف کرتا ہے جس طرح پہلی صورت میں عورت تین طلاقوں کی مالک تھی اور اس نے اپنی ملک میں تصرف کیا۔

عورت کو طلاق کا حق اس طرح دینا کہ مرد رجوع کر سکے گا

(۷۴): [وَاِنْ اَمَرَهَا بِطَلَاقٍ يَمْلِكُ الرَّجْعَةَ فَطَلَّقَتْ بَائِنَةً، اَوْ اَمَرَهَا بِالْبَائِنِ فَطَلَّقَتْ رَجْعِيَّةً وَقَعَ مَا اَمَرَ بِهِ الزَّوْجُ] فَمَعْنَى الْاَوَّلِ اَنْ يَقُوْلَ لَهَا الزَّوْجُ: طَلِّقِيْ نَفْسَكِ وَاحِدَةً اَمْلِكُ

الرَّجْعَةَ فَتَقُوْلُ: طَلَّقْتُ نَفْسِيْ وَاحِدَةً بَائِنَةً فَتَقَعُ رَجْعِيَّةً لِاَنَّهَا اَتَتْ بِالْاَصْلِ وَزِيَادَةِ وَصْفٍ كَمَا ذَكَرْنَا فَيَلْغُو الْوَصْفُ وَيَبْقَى الْاَصْلُ.

وَمَعْنَى الثَّانِيْ اَنْ يَّقُوْلَ لَهَا طَلِّقِيْ نَفْسَكِ وَاحِدَةً بَائِنَةً فَتَقُوْلُ طَلَّقْتُ نَفْسِيْ وَاحِدَةً رَجْعِيَّةً فَتَقَعُ بَائِنَةً لِاَنَّ قَوْلَهَا وَاحِدَةً رَجْعِيَّةً لَغْوٌ مِّنْهَا لِاَنَّ الزَّوْجَ لَمَّا عَيَّنَ صِفَةَ الْمُفَوَّضِ اِلَيْهَا فَحَاجَتُهَا بَعْدَ ذٰلِكَ اِلٰى اِيْقَاعِ الْاَصْلِ دُوْنَ تَعْيِيْنِ الْوَصْفِ فَصَارَ كَاَنَّهَا اقْتَصَرَتْ عَلَى الْاَصْلِ فَيَقَعُ بِالصِّفَةِ الَّتِيْ عَيَّنَهَا الزَّوْجُ بَائِنًا اَوْ رَجْعِيًّا

[وَاِنْ قَالَ لَهَا: طَلِّقِيْ نَفْسَكِ ثَلَاثًا اِنْ شِئْتِ فَطَلَّقَتْ نَفْسَهَا وَاحِدَةً لَمْ يَقَعْ شَيْءٌ] لِاَنَّ مَعْنَاهُ اِنْ شِئْتِ الثَّلَاثَ وَهِيَ بِاِيْقَاعِ الْوَاحِدَةِ مَا شَاءَتِ الثَّلَاثَ فَلَمْ يُوْجَدِ الشَّرْطُ

[وَلَوْ قَالَ لَهَا: طَلِّقِيْ نَفْسَكِ وَاحِدَةً اِنْ شِئْتِ فَطَلَّقَتْ ثَلَاثًا فَكَذٰلِكَ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ] لِاَنَّ مَشِيْئَةَ الثَّلَاثِ لَيْسَتْ بِمَشِيْئَةٍ لِلْوَاحِدَةِ كَاِيْقَاعِهَا [وَقَالَا: تَقَعُ وَاحِدَةٌ] لِاَنَّ مَشِيْئَةَ الثَّلَاثِ مَشِيْئَةٌ لِلْوَاحِدَةِ. كَمَا اَنَّ اِيْقَاعَهَا اِيْقَاعٌ لِلْوَاحِدَةِ فَوُجِدَ الشَّرْطُ.

ترجمہ: [اگر مرد نے عورت کو ایسی طلاق کا حکم دیا جس میں وہ رجوع کر سکے عورت نے طلاق بائن دے دی یا بائن کا حکم دیا اور اس نے طلاق رجعی دے دی تو وہ طلاق واقع ہوگی جس کا خاوند نے حکم دیا]۔

پہلی صورت کا مفہوم یہ ہے کہ خاوند اس سے کہے: ''تو اپنے آپ کو ایک ایسی طلاق دے کہ میں رجوع کر سکوں'' اور وہ کہے میں نے اپنے آپ کو طلاق بائن دی تو ایک رجعی طلاق واقع ہوگی۔ کیونکہ عورت نے اصل طلاق اور اس کے ساتھ وصف زائد کا قول کیا تو وصف (بینونت) باطل ہو جائے گا جیسا کہ ہم نے (پہلے) ذکر کیا اور اصل طلاق باقی رہ جائے گی۔

اور دوسری صورت یہ ہے کہ مرد کہے: ''اپنے آپ کو ایک بائن طلاق دو'' اور وہ کہے: ''میں نے اپنے آپ کو ایک رجعی طلاق دی'' تو ایک بائن طلاق ہو جائے گی کیونکہ اس کا قول ''ایک رجعی طلاق'' لغو ہو گا اس لئے کہ جب خاوند نے اس طلاق کی صفت کا تعین کر دیا جو عورت کے سپرد کی تو اس کے بعد اصل طلاق واقع کرنے کی حاجت ہے وصف متعین کرنے کی نہیں تو اس طرح ہو جائے گا کہ گویا عورت نے اصل پر اکتفاء کیا پس اس صفت کے ساتھ طلاق واقع ہوگی جسے خاوند نے معین کیا وہ بائن ہو یا رجعی۔

[اور اگر اس سے کہا: ''اپنے آپ کو تین طلاقیں دو اگر تم چاہو'' اس نے اپنے آپ کو ایک طلاق دے دی تو کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی] کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم تین طلاقیں چاہو تو اس نے ایک طلاق دینے کے ساتھ تین طلاقیں نہیں چاہیں پس شرط نہیں پائی گئی۔

[اور اگر اس سے کہا: ''اپنے آپ کو ایک طلاق دو اگر چاہو'' اس نے تین طلاقیں دے دیں تو حضرت امام ابوحنیفہ

عِشاللہ کے نزدیک اس طرح پہلے والا حکم ہے] کیونکہ تین طلاقیں چاہنا، ایک طلاق کا چاہنا نہیں جس طرح تین طلاقیں دینا ایک طلاق دینا نہیں۔

[اور صاحبین کے نزدیک ایک طلاق واقع ہوگی] کیونکہ تین کی مشیت ایک کی مشیت ہے جیسے تین طلاقیں دینا ایک طلاق دینا ہے پس شرط پائی گئی۔

توضیح: اگر عورت اپنے خاوند کے دیئے گئے خیار کے خلاف عمل کرے تو وہی بات درست ہوگی جس کا اختیار خاوند نے دیا ـــــ

مثلاً اس نے کہا اپنے آپ کو ایسی طلاق دو جس کے بعد میں رجوع کر سکوں تو رجوع طلاق رجعی میں ہوتا اگر عورت نے طلاق بائن دی تو رجعی ہی ہوگی کیونکہ اس نے اصل طلاق کے ساتھ وصف (بینونت) کا اضافہ کیا تو وصف لغو ہو جائے گا اور اصل طلاق یعنی رجعی ہو جائے گی۔

اور اگر اس نے کہا: ''طلاق بائن دو'' اور اس کا مطلب یہ ہے کہ رجوع نہ ہو سکے، عورت نے طلاق رجعی دے دی تو طلاق بائن واقع ہوگی اور اس عورت کا یہ کہنا کہ طلاق رجعی دی، لغو ہو جائے گا کیونکہ جب خاوند نے وصف متعین کر دیا تو اب عورت کو صرف طلاق دینے کا اختیار ہے اور اس کے اپنے آپ کو طلاق دینے سے وہی طلاق ہوگی جس کا اختیار خاوند نے دیا اور وہ طلاق بائن ہے گویا عورت نے صرف اصل طلاق پر اکتفاء کیا اور صفت وہی واقع ہوگی جس کا تعین خاوند نے کیا وہ بائن ہو یا رجعی۔

<u>دوسرا مسئلہ</u> یہ ہے کہ خاوند نے کہا اپنے آپ کو تین طلاقیں دو اگر چاہو اور عورت نے ایک طلاق دی تو کوئی طلاق نہیں ہوگی کیونکہ خاوند کے قول کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم تین طلاقیں دینا چاہو تو تمہیں طلاق کا اختیار ہے جب اس نے ایک طلاق دی تو تین طلاقوں کو نہیں چاہا۔ لہٰذا شرط نہ پائی گئی (اور وہ تین طلاقوں کا چاہنا ہے)

اگر اس نے کہا: ''اپنے آپ کو ایک طلاق دو اگر چاہو'' عورت نے تین طلاقیں دیں تو حضرت امام ابوحنیفہ عِشاللہ کے نزدیک کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ تین کی مشیت ایک کی مشیت نہیں جس طرح تین طلاقیں دینا ایک طلاق دینا نہیں۔

لیکن صاحبین عِشاللہ کے نزدیک ایک طلاق ہو جائے گی ان کی دلیل یہ ہے کہ تین کی مشیت میں ایک کی مشیت بھی ہے اور اسے ایک کا اختیار دیا گیا جیسے تین طلاقیں دیں تو ایک طلاق ہو جائے گی جب خاوند نے ایک کا اختیار دیا ہو لہٰذا شرط پائی گئی ـــــ

بیوی کا اپنی مشیت کو کسی دوسری مشیت کے ساتھ مشروط کرنا

(۷۵): [وَلَوْ قَالَ لَهَا: أَنْتِ طَالِقٌ إِنْ شِئْتِ فَقَالَتْ: شِئْتُ إِنْ شِئْتَ فَقَالَ الزَّوْجُ: شِئْتُ يَنْوِي الطَّلَاقَ بَطَلَ الْأَمْرُ] لِأَنَّهُ عَلَّقَ طَلَاقَهَا بِالْمَشِيئَةِ الْمُرْسَلَةِ وَهِيَ أَتَتْ بِالْمُعَلَّقَةِ فَلَمْ

يُوجَدُ الشَّرْطُ وَهِيَ اشْتِغَالٌ بِمَا لَا يَعْنِيهَا فَخَرَجَ الْأَمْرُ مِنْ يَدِهَا. وَلَا يَقَعُ الطَّلَاقُ بِقَوْلِهِ شِئْتُ وَإِنْ نَوَى الطَّلَاقَ لِأَنَّهُ لَيْسَ فِي كَلَامِ الْمَرْأَةِ ذِكْرُ الطَّلَاقِ لِيَصِيرَ الزَّوْجُ شَائِيًا طَلَاقَهَا، وَالنِّيَّةُ لَا تَعْمَلُ فِي غَيْرِ الْمَذْكُورِ حَتّٰى لَوْ قَالَ: شِئْتُ طَلَاقَكِ يَقَعُ إِذَا نَوٰى لِأَنَّهُ إِيقَاعٌ مُبْتَدَأٌ إِذِ الْمَشِيئَةُ تُنْبِئُ عَنِ الْوُجُودِ. بِخِلَافِ قَوْلِهِ أَرَدْتُ طَلَاقَكِ لِأَنَّهُ لَا يُنْبِئُ عَنِ الْوُجُودِ.

[وَكَذَا إِذَا قَالَتْ شِئْتُ إِنْ شَاءَ أَبِي أَوْ شِئْتُ إِنْ كَانَ كَذَا لِأَمْرٍ لَمْ يَجِيْئُ بَعْدُ] لِمَا ذَكَرْنَا أَنَّ الْمَأْتِيَّ بِهِ مَشِيئَةٌ مُعَلَّقَةٌ فَلَا يَقَعُ الطَّلَاقُ وَبَطَلَ الْأَمْرُ [وَإِنْ قَالَتْ: قَدْ شِئْتُ إِنْ كَانَ كَذَا لِأَمْرٍ قَدْ مَضٰى طَلُقَتْ] لِأَنَّ التَّعْلِيقَ بِشَرْطٍ كَائِنٍ تَنْجِيزٌ.

[وَلَوْ قَالَ لَهَا: أَنْتِ طَالِقٌ إِذَا شِئْتِ أَوْ إِذَا مَا شِئْتِ أَوْ مَتٰى شِئْتِ أَوْ مَتٰى مَا شِئْتِ فَرَدَّتِ الْأَمْرَ لَمْ يَكُنْ رَدًّا وَلَا يَقْتَصِرُ عَلَى الْمَجْلِسِ] أَمَّا كَلِمَةُ مَتٰى وَمَتٰى مَا فَلِأَنَّهُمَا لِلْوَقْتِ وَهِيَ عَامَّةٌ فِي الْأَوْقَاتِ كُلِّهَا. كَأَنَّهُ قَالَ فِي أَيِّ وَقْتٍ شِئْتِ فَلَا يَقْتَصِرُ عَلَى الْمَجْلِسِ بِالْإِجْمَاعِ. وَلَوْ رَدَّتِ الْأَمْرَ لَمْ يَكُنْ رَدًّا لِأَنَّهُ مَلَّكَهَا الطَّلَاقَ فِي الْوَقْتِ الَّذِي شَاءَتْ فَلَمْ يَكُنْ تَمْلِيكًا قَبْلَ الْمَشِيئَةِ حَتّٰى يَرْتَدَّ بِالرَّدِّ، وَلَا تُطَلِّقُ نَفْسَهَا إِلَّا وَاحِدَةً لِأَنَّهَا تَعُمُّ الْأَزْمَانَ دُونَ الْأَفْعَالِ فَتَمْلِكُ التَّطْلِيقَ فِي كُلِّ زَمَانٍ وَلَا تَمْلِكُ تَطْلِيقًا بَعْدَ تَطْلِيقٍ. وَأَمَّا كَلِمَةُ إِذَا وَإِذَا مَا فَهُمَا وَمَتٰى سَوَاءٌ عِنْدَهُمَا.

وَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَإِنْ كَانَ يُسْتَعْمَلُ لِلشَّرْطِ كَمَا يُسْتَعْمَلُ لِلْوَقْتِ لٰكِنَّ الْأَمْرَ صَارَ بِيَدِهَا فَلَا يَخْرُجُ بِالشَّكِّ وَقَدْ مَرَّ مِنْ قَبْلُ.

ترجمہ: [اور اگر کہا: ''تجھے طلاق ہے اگر تو چاہے'' عورت نے کہا: ''میں نے چاہا اگر تو چاہے'' اور خاوند نے طلاق کی نیت کے ساتھ کہا میں نے چاہا تو اختیار باطل ہوجائے گا]

کیونکہ خاوند نے اس کی طلاق کو مطلق (غیر مشروط) مشیت کے ساتھ معلق کیا اور اس نے اس پر مشروط طور پر عمل کیا اور شرط نہیں پائی گئی اور عورت بے مقصد باتوں میں مشغول ہوگئی لہٰذا اس کے ہاتھ سے اختیار نکل گیا۔

اور مرد کے یہ بات کہنے سے کہ میں نے چاہا طلاق نہیں ہوگی اگر چہ وہ نیت کرے کیونکہ عورت کے کلام میں طلاق کا ذکر نہیں ہے تا کہ خاوند اس کے لئے طلاق چاہنے والا ہوتا۔

اور غیر مذکور بات میں نیت عمل نہیں کرتی حتیٰ کہ اگر خاوند کہے: ''میں نے تیری طلاق کو چاہا'' تو طلاق ہوجائے گی اگر اس کے ساتھ نیت بھی کرے کیونکہ یہ شروع سے طلاق دینا ہے کیونکہ مشیت، وجود کا پتہ دیتی ہے۔

بخلاف مرد کے ان الفاظ کے کہ میں نے تیری طلاق کا ارادہ کیا کیونکہ یہ بات (طلاق کے) وجود کی خبر نہیں دیتی۔

[اور اسی طرح جب عورت کہے: ''میں نے چاہا اگر میرا باپ چاہے'' یا کہے: ''میں نے چاہا اگر ایسا ہو جائے'' ایسے کام کے بارے میں کہا جو ابھی تک نہیں ہوا]

اس کی وجہ وہی ہے جو ہم نے ذکر کی کہ عورت نے جو کچھ کہا وہ مشروط مشیت ہے پس طلاق واقع نہیں ہوگی اور اختیار باطل ہو جائے گا۔

[اور اگر عورت نے کہا تحقیق میں نے چاہا اگر ایسا ہے کسی گزشتہ کام کے بارے میں کہا تو اسے طلاق ہو جائے گی]

کیونکہ ایسے کام کے ساتھ مشروط کرنا جو ہو چکا ہے فوری طلاق ہے۔

[اور اگر کہا: ''تجھے طلاق ہے جب تو چاہے اِذَا شِئْتِ کہا یا اِذَا مَا شِئْتِ کہا یا مَتٰی یا مَتٰی مَا کہا سب کا معنیٰ ایک ہی ہے، عورت نے اختیار رد کر دیا تو یہ رد نہیں ہوگا اور مجلس تک محدود بھی نہیں ہوگا]

جہاں تک کلمہ متٰی اور متٰی ما کا تعلق ہے تو یہ وقت کے لئے ہیں اور یہ تمام اوقات کو شامل ہیں گویا اس نے کہا تو جس وقت چاہے لہٰذا بالاتفاق یہ مجلس کے ساتھ خاص نہیں اور اگر عورت رد کر دے تو یہ رد نہیں ہوگا کیونکہ اس نے عورت کو طلاق کا مالک بنایا وہ جس وقت چاہے لہٰذا اس کے چاہنے سے پہلے تملیک نہیں ہوگی کہ رد کرنے سے رد ہو جائے۔

(ان صورتوں میں) وہ اپنے آپ کو ایک ہی طلاق دے سکتی ہے کیونکہ یہ (لفظ) زمانے کے عموم کو شامل ہے افعال کے عموم کو نہیں لہٰذا وہ ہر وقت طلاق دینے کی مالک (مختار ہوگی) لیکن ایک طلاق کے بعد دوسری طلاق نہیں دے سکتی۔

اور جہاں تک کلمہ اِذَا اور اِذَا مَا کا تعلق ہے تو صاحبین کے نزدیک یہ اور کلمہ متٰی برابر ہیں۔

اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگرچہ اذا شرط کے لئے استعمال ہوتا ہے جس طرح وقت کے لئے استعمال ہوتا ہے لیکن جب عورت کو اختیار مل گیا تو شک کی وجہ سے اس کے ہاتھ سے اختیار نہیں نکلے گا۔ اور یہ بات پہلے گزر چکی ہے۔

توضیح: اگر مرد اپنی بیوی کی طلاق کو اس کی مشیت کے ساتھ مشروط کرے اور عورت اپنی مشیت کو کسی شرط کے ساتھ مشروط کرے تو طلاق کا کیا حکم ہوگا اس سلسلے میں چند صورتیں بیان کی گئی ہیں۔

پہلی صورت:

عورت نے اپنی مشیت کو خاوند کی مشیت سے مشروط کیا مثلاً خاوند نے کہا: ''تجھے طلاق ہے اگر تو چاہے'' عورت نے کہا: ''میں نے چاہا اگر تو چاہے'' جواب میں خاوند نے طلاق کی نیت سے کہا کہ میں نے چاہا تو عورت کا اختیار باطل ہو جائے گا اور طلاق نہیں ہوگی۔

وجہ: مرد نے عورت کی طلاق کو مطلق مشیت کے ساتھ معلق کیا تھا اور عورت نے اسے مرد کی مشیت سے مشروط کر دیا لہٰذا شرط (یعنی مطلق مشیت) نہ پائی گئی کیونکہ عورت بے مقصد کلام میں مشغول ہوگئی لہٰذا اس کا اختیار ختم ہو گیا۔

سوال: جب مرد نے کہا میں نے چاہا اور طلاق کی نیت بھی کی اس کے باوجود طلاق نہ ہونے کی وجہ کیا ہے؟

جواب: اس کی وجہ یہ ہے کہ جب عورت نے کہا: ''اگر تو چاہے'' تو اس کے کلام میں طلاق کا ذکر نہیں تھا اس لئے مرد کی مشیت کو طلاق کی مشیت قرار نہیں دیا جائے گا اور جب کسی چیز کا ذکر نہ ہو تو نیت عمل نہیں کرے گی۔

اسی لئے اگر خاوند طلاق کی نیت کر کے کہتا ''میں تیری طلاق چاہتا ہوں'' تو ابتدائی طور پر طلاق ہو جائے گی کیونکہ کسی چیز کا چاہنا اس چیز کی وجود کی خبر دیتا ہے۔ اور اگر کہے کہ میں نے تیری طلاق کا ارادہ کیا تو طلاق نہیں ہو گی کیونکہ یہ الفاظ وجود کی خبر نہیں دیتے۔

دوسری صورت:

مرد نے عورت کی طلاق کو اس کی مشیت سے مشروط کیا اور عورت نے جواب میں اپنی مشیت کو اپنے باپ کی مشیت یا کسی ایسے کام کے ساتھ مشروط کیا جو ابھی وجود میں نہیں آیا تو اختیار ختم ہو جائے گا۔

اس کی وجہ بھی وہی ہے جو پہلے بیان ہوئی کہ مرد نے مطلق مشیت کا اختیار دیا کہ اگر تم چاہو لیکن عورت نے اپنی مشیت کو باپ کی مشیت کے ساتھ مشروط کر دیا کہ اگر میرا باپ چاہے یا فلاں کام ہو جائے تو میں نے طلاق کو چاہا تو چونکہ اس نے خاوند کے دیئے گئے اختیار کی مخالفت کی لہٰذا اختیار باطل ہو گیا۔

اور اگر عورت اپنی مشیت کو کسی کام سے مشروط کرے جو ماضی میں ہو چکا ہے تو طلاق ہو جائے گی کیونکہ یہ طلاق تنجیز ہو گی اس لئے کہ شرط پائی جا چکی ہے۔

تیسری صورت:

مرد عورت کو اختیار دے اور ایسے وقت کا ذکر کرے جس میں عموم ہے جیسے تجھے طلاق ہے تو جب چاہے **اذا**، **اذا ما**، **متٰی** اور **متٰی ما** ان چار میں سے کسی ایک کا ذکر کرے اور عورت اس اختیار کو رد کر دے تو یہ رد نہیں ہو گا اور اختیار مجلس کے ساتھ خاص بھی نہیں ہو گا۔

وجہ: دو باتیں بتائی گئیں: ① رد نہیں ہو گا۔ ② مجلس کے ساتھ خاص نہیں ہو گا۔

مجلس کے ساتھ خاص نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ چاروں الفاظ وقت کے عموم کو چاہتے یعنی جب بھی چاہے، البتہ **متٰی** اور **متٰی ما** کے عموم پر سب کا اتفاق ہے اور **اذا** اور **اذا ما** صاحبین کے نزدیک **متٰی** اور **متٰی ما** کی طرح ہیں لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک **اذا** اور **اذا ما** یہ شرط کے لئے بھی استعمال ہوتے ہیں لیکن چونکہ عورت کو اختیار دیا جا چکا ہے اس لئے شک کی وجہ سے یہ وقت کے لئے ہیں یا شرط کے لئے اختیار ختم نہیں ہو گا۔

عورت کے رد کرنے سے یہ اختیار رد نہیں ہو گا اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت کو اس وقت طلاق کا مالک بنایا جب وہ چاہے لہٰذا جب تک وہ چاہے گی نہیں، مالک نہیں ہو گی اور جب مالک نہیں تو اس کا رد کرنا معتبر نہیں ہو گا۔

نوٹ: اس صورت میں اگر عورت اپنے آپ کو طلاق دے تو ایک ہی طلاق ہو گی کیونکہ وقت میں عموم ہے افعال میں نہیں لہٰذا جس وقت چاہے طلاق دے سکتی ہے لیکن جتنی چاہے اتنی طلاقیں نہیں دے سکتی۔

لفظ کُلَّمَا کے ساتھ اختیار دینا اور اس کا حکم

(۷۶): [وَلَوْ قَالَ لَهَا: اَنْتِ طَالِقٌ كُلَّمَا شِئْتِ فَلَهَا اَنْ تُطَلِّقَ نَفْسَهَا وَاحِدَةً بَعْدَ وَاحِدَةٍ حَتّٰى تُطَلِّقَ نَفْسَهَا ثَلاَثًا) لِاَنَّ كَلِمَةَ كُلَّمَا تُوجِبُ تَكْرَارَ الْاَفْعَالِ اِلَّا اَنَّ التَّعْلِيقَ يَنْصَرِفُ اِلَى الْمِلْكِ الْقَائِمِ [حَتّٰى لَوْ عَادَتْ اِلَيْهِ بَعْدَ زَوْجٍ اٰخَرَ فَطَلَّقَتْ نَفْسَهَا لَمْ يَقَعْ شَيْئٌ] لِاَنَّهُ مِلْكٌ مُسْتَحْدَثٌ [وَلَيْسَ لَهَا اَنْ تُطَلِّقَ نَفْسَهَا ثَلاَثًا بِكَلِمَةٍ وَاحِدَةٍ] لِاَنَّهَا تُوجِبُ عُمُوْمَ الْاِنْفِرَادِ لَا عُمُوْمَ الْاِجْتِمَاعِ فَلاَ تَمْلِكُ الْاِيْقَاعَ جُمْلَةً وَجَمْعًا [وَلَوْ قَالَ لَهَا: اَنْتِ طَالِقٌ حَيْثُ شِئْتِ اَوْ اَيْنَ شِئْتِ لَمْ تَطْلُقْ حَتّٰى تَشَاءَ. وَاِنْ قَامَتْ مِنْ مَجْلِسِهَا فَلاَ مَشِيْئَةَ لَهَا] لِاَنَّ كَلِمَةَ حَيْثُ وَاَيْنَ مِنْ اَسْمَاءِ الْمَكَانِ وَالطَّلاَقُ لَا تَعَلُّقَ لَهُ بِالْمَكَانِ فَيَلْغُو وَيَبْقٰى ذِكْرُ مُطْلَقِ الْمَشِيْئَةِ فَيَقْتَصِرُ عَلَى الْمَجْلِسِ. بِخِلاَفِ الزَّمَانِ لِاَنَّ لَهُ تَعَلُّقًا بِهِ حَتّٰى يَقَعَ فِيْ زَمَانٍ دُوْنَ زَمَانٍ فَوَجَبَ اعْتِبَارُهُ عُمُوْمًا وَخُصُوْصًا.

ترجمہ: [اور اگر مرد نے کہا: ''تجھے طلاق ہے تو جب چاہے تو وہ اپنے آپ کو ایک کے بعد دوسری طلاق دے سکتی ہے حتیٰ کہ وہ اپنے آپ کو تین طلاقیں دے دے] کیونکہ کلمہ ''کُلَّمَا'' افعال کے تکرار کو چاہتا ہے لیکن تعلیق اس ملک کی طرف لوٹے گی جو قائم ہے۔

[حتیٰ کہ اگر وہ دوسرے خاوند کے بعد اس پہلے خاوند کی طرف لوٹ آئے اور اپنے آپ کو طلاق دے تو کوئی طلاق واقع نہ ہوگی] کیونکہ یہ نئی ملک ہے۔

[اور وہ اپنے آپ کو اکٹھی تین طلاقیں نہیں دے سکتی] کیونکہ یہ (کلمہ کُلَّمَا) عموم انفراد کو واجب کرتا ہے عموم اجتماع کو نہیں لہٰذا وہ ایک ہی جملہ کے ساتھ اور اکٹھی طلاقیں دینے کی مالک نہیں۔

[اور اگر کہا: ''تجھے طلاق ہے تو جہاں چاہے'' تو جب تک وہ نہ چاہے طلاق نہیں ہوگی اور اگر وہ مجلس سے اٹھ جائے تو اس کی مشیت باقی نہیں رہے گی]

کیونکہ کلمہ حیث اور این اسمائے (ظرف) مکان ہیں اور طلاق کا تعلق مکان کے ساتھ نہیں ہوتا لہٰذا یہ لغو ہو جائیں گے اور مطلق مشیت کا ذکر باقی رہے گا اور وہ مجلس تک محدود ہوگی۔

بخلاف زمان کے، کیونکہ زمانے کے ساتھ طلاق کا تعلق ہوتا ہے حتیٰ کہ ایک وقت میں طلاق واقع ہوتی ہے دوسرے وقت میں نہیں ہوتی لہٰذا وقت کا اعتبار ہوگا وہ عام ہو یا خاص۔

توضیح: عورت کو طلاق کا اختیار دیتے ہوئے مرد نے ایسے وقت کا ذکر کیا جس میں عموم ہے جیسا کُلَّمَا (یعنی جب بھی)

تو عورت کو حق ہے کہ وہ ایک کے بعد دوسری طلاق دے حتیٰ کہ تین طلاقیں مکمل کر لے۔

وجہ: لفظ کلما افعال کے عموم یعنی تکرار کو چاہتا ہے اس لئے جب اس نے کہا: "تجھے طلاق ہے جب بھی چاہے" تو اسے بار بار اپنے آپ کو طلاق دینے کا اختیار ہوگا (یہاں تک کہ تین طلاقیں ہو جائیں) لیکن یہاں دو باتیں مدنظر رہیں:

1. یہ اختیار اسی وقت تک ہوگا جب تک اس کی ملک قائم ہے یعنی اس کے نکاح میں ہے اسی لئے اگر وہ دوسرے آدمی سے نکاح کرے پھر طلاق کے بعد پہلے خاوند کے پاس آئے تو وہ اختیار باقی نہیں رہے گا کیونکہ یہ نئی ملک ہے۔
2. اس صورت میں وہ ایک ہی کلمہ کے ساتھ تین طلاقیں نہیں دے سکتی کیونکہ کلما کے ذریعے عموم انفراد حاصل ہوا ہے عموم اجتماع نہیں یعنی ایک ایک کر کے وہ تین طلاقیں حاصل کر سکتی ہے (یہ عموم انفراد ہے)

دوسرا مسئلہ:

مرد نے عورت کو طلاق کا اختیار دیتے ہوئے وقت کی بجائے جگہ کا ذکر کیا اور کہا: اَنْتِ طَالِقٌ حَيْثُ شِئْتِ اور اَيْنَ شِئْتَ حَيْثُ اور اَيْنَ دونوں جگہ کے لئے استعمال ہوتے ہیں اور طلاق کا جگہ کے ساتھ تعلق نہیں ہوتا اس لئے جگہ کا ذکر لغو ہو جائے گا اور مطلق مشیت باقی رہ جائے گی اور وہ مجلس کے ساتھ خاص ہوگی اسی لئے اگر وہ مرد کی بات سن کر مجلس سے اٹھ جائے تو اس کی مشیت ختم ہو جائے گی۔

زمان اور مکان کے ذکر میں یہ فرق ہے کہ طلاق کا وقت سے تعلق ہوتا ہے جگہ سے نہیں ہوتا لہٰذا جب وقت کا ذکر کرے تو دیکھا جائے کہ کس قسم کا لفظ بولا ہے اگر اس میں عموم ہو تو اختیار میں بھی عموم ہوگا اگر خاص ہو تو مشیت میں عموم نہیں ہوگا (تفصیل گزر چکی ہے)

لفظ کَیْفَ کے ذریعے طلاق کا اختیار دینا

(۷۷): [وَاِنْ قَالَ لَهَا اَنْتِ طَالِقٌ كَيْفَ شِئْتِ طَلُقَتْ تَطْلِيْقَةً يَمْلِكُ الرَّجْعَةَ] وَمَعْنَاهُ قَبْلَ الْمَشِيئَةِ. فَاِنْ قَالَتْ: قَدْ شِئْتُ وَاحِدَةً بَائِنَةً اَوْ ثَلَاثًا وَقَالَ الزَّوْجُ ذٰلِكَ نَوَيْتُ فَهُوَ كَمَا قَالَ، لِاَنَّ عِنْدَ ذٰلِكَ تَثْبُتُ الْمُطَابَقَةُ بَيْنَ مَشِيئَتِهَا وَاِرَادَتِهِ. اَمَّا اِذَا اَرَادَتْ ثَلَاثًا وَالزَّوْجُ وَاحِدَةً بَائِنَةً اَوْ عَلَى الْقَلْبِ تَقَعُ وَاحِدَةٌ رَجْعِيَّةٌ لِاَنَّهُ لَغَا تَصَرُّفُهَا لِعَدَمِ الْمُوَافَقَةِ فَبَقِيَ اِيْقَاعُ الزَّوْجِ وَاِنْ لَمْ تَحْضُرْهُ النِّيَّةُ تُعْتَبَرُ مَشِيئَتُهَا فِيْمَا قَالُوْا جَرْيًا عَلٰى مُوْجِبِ التَّخْيِيْرِ [قَالَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ] وَقَالَ فِي الْاَصْلِ هٰذَا قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ [وَعِنْدَهُمَا لَا يَقَعُ مَا لَمْ تُوْقِعِ الْمَرْاَةُ فَتَشَاءُ رَجْعِيَّةً اَوْ بَائِنَةً اَوْ ثَلَاثًا] وَعَلٰى هٰذَا الْخِلَافِ الْعِتَاقُ لَهُمَا اَنَّهُ فَوَّضَ التَّطْلِيْقَ اِلَيْهَا عَلٰى اَيِّ صِفَةٍ شَاءَتْ فَلَا بُدَّ مِنْ تَعْلِيْقِ اَصْلِ الطَّلَاقِ بِمَشِيئَتِهَا لِتَكُوْنَ لَهَا الْمَشِيئَةُ فِيْ

جَمِیْعِ الْاَحْوَالِ: اَعْنِیْ قَبْلَ الدُّخُوْلِ وَبَعْدَهُ.

وَلِاَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ اَنَّ کَلِمَةَ کَیْفَ لِلْاِسْتِیْصَافِ. یُقَالُ کَیْفَ اَصْبَحْتَ وَالتَّفْوِیْضُ فِیْ وَصْفِهٖ یَسْتَدْعِیْ وُجُوْدَ اَصْلِهٖ وَوُجُوْدَ الطَّلَاقِ بِوُقُوْعِهٖ.

ترجمہ: [اور اگر کہا کہ "تجھے طلاق ہے جس طرح تو چاہے" تو ایک طلاق ہو جائے گی اور (خاوند) رجوع کا مالک ہو گا]

اس کا معنیٰ یہ ہے کہ عورت کے چاہنے سے پہلے (طلاق رجعی ہوگی) اگر وہ کہے کہ میں ایک بائن طلاق یا تین طلاقیں چاہتی ہوں اور خاوند کہے کہ میں نے اسی کی نیت کی ہے تو وہ اسی طرح ہوگا جس طرح خاوند نے کہا کیونکہ اس وقت عورت کی مشیت اور خاوند کا ارادہ باہم مطابق ہو جائیں گے۔

اور اگر عورت تین طلاقوں کا ارادہ کرے اور خاوند ایک طلاق بائن کا ارادہ کرے یا اس کے برعکس ہو تو ایک رجعی طلاق ہوگی کیونکہ عدم موافقت کی وجہ سے عورت کا تصرف لغو ہو گیا لہٰذا خاوند نے جو طلاق دی وہ باقی رہ گئی۔

اور اگر خاوند کی کوئی نیت نہ ہو تو عورت کی مشیت معتبر ہوگی جس طرح فقہاء نے فرمایا یعنی عورت کو دیئے گئے اختیار سے یہی لازم آتا ہے۔

[مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں] حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے مبسوط میں فرمایا کہ یہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

[اور صاحبین کے نزدیک جب تک عورت طلاق واقع نہ کرے طلاق نہیں ہوگی وہ رجعی یا بائن یا تین طلاقیں جو چاہے] (وہی ہوگا) (غلام کو) آزاد کرنے میں بھی یہی اختلاف ہے۔

صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ مرد نے عورت کو طلاق دینے کا اس طرح اختیار دیا کہ جس طرح وہ چاہے لہٰذا اصل طلاق بھی عورت کی مشیت سے مشروط ہے تاکہ اسے تمام احوال میں مشیت حاصل ہو یعنی جماع سے پہلے اور اس کے بعد۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ کلمہ "کیف" وصف طلب کرنے کے لئے ہوتا ہے کہا جاتا ہے کیف اصبحت تم نے صبح کیسے کی (یعنی تمہاری صبح حالت کیسی تھی)

اور وصف کے ساتھ طلاق سپرد کرنا اصل طلاق کے وجود کو چاہتا ہے اور طلاق کا وجود اس کے واقع ہونے سے ہوتا ہے۔

توضیح: مرد اگر عورت کو طلاق دے اور وہ کیسی طلاق چاہتی اسے عورت کی مشیت پر چھوڑ دے تو اس حوالے سے حکم بیان ہو رہا ہے مرد نے کہا: اَنْتِ طَالِقٌ کَیْفَ شِئْتِ تجھے طلاق ہے تو جیسے چاہے — تو عورت کے چاہنے سے پہلے ایک طلاق رجعی ہو جائے گی (کیونکہ خاوند نے طلاق دے دی اب اس کی صفت کو عورت کی مشیت پر چھوڑ دیا کہ وہ اسے ایک بائن قرار دیتی ہے یا تین؟

اگر اس نے اپنی مشیت کا اظہار کر دیا کہ وہ ایک بائن طلاق یا تین طلاقیں چاہتی ہے اور خاوند نے کہا ئیں نے بھی اسی کی نیت کی ہے تو جس طرح خاوند نے کہا اسی کے مطابق طلاق ہوگی۔ کیونکہ دونوں کے درمیان مطابقت پائی گئی۔

لیکن جب دونوں کے درمیان مطابقت نہ ہو مثلاً عورت ایک بائن چاہے اور خاوند تین طلاقوں کی نیت کرے یا اس کے الٹ ہو جائے یعنی خاوند ایک بائن کی نیت کرے اور عورت تین طلاقیں چاہے تو ایک رجعی طلاق ہوگی کیونکہ عورت کی مشیت خاوند کی نیت کے موافق نہ ہونے کی وجہ سے لغو ہو جائے گی اور اصل طلاق (ایک رجعی طلاق) باقی رہ جائے گی جو خاوند دے چکا ہے۔

اگر مرد کی کوئی نیت نہ ہو تو علماء کرام فرماتے ہیں: جس طرح عورت چاہے اسی طرح ہوگا کیونکہ مرد نے اسے اختیار دیا ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ مبسوط میں فرماتے ہیں: یہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔

صاحبین کا موقف

صاحبین کا موقف یہ ہے کہ جب تک عورت اپنی مشیت کا اظہار نہ کرے کہ وہ ایک رجعی طلاق چاہتی ہے یا ایک بائن یا تین طلاقیں چاہتی ہے اس وقت تک کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی ان کی دلیل یہ ہے کہ مرد نے عورت کو طلاق کا اختیار دیا ہے کہ وہ جس طرح چاہے طلاق دے لہٰذا اصل طلاق عورت کی مشیت سے مشروط ہوگی تا کہ تمام حالتوں میں عورت کو اختیار حاصل ہو وہ حالت جماع سے پہلے کی ہو یا بعد کی لہٰذا جب تک عورت اپنی مشیت ظاہر نہیں کرتی کوئی طلاق نہیں ہوگی۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل

آپ فرماتے ہیں: کلمہ **کیف طلب صفت کے لئے** ہے جس طرح پوچھا جاتا ہے کَیْفَ اَصْبَحْتَ تم نے صبح کس حالت میں کی تو جب عورت کو وصف کا اختیار دیا تو ضروری ہے کہ طلاق موجود ہو یعنی طلاق دے دی اب عورت کو اختیار ہے کہ وہ کس وصف کو اختیار کرتی ہے طلاق بائن یا تین طلاقیں اور طلاق اس وقت تک موجود نہیں ہوتی جب تک واقع نہ ہو لہٰذا جب اَنْتِ طَالِقٌ کہا تو ایک طلاق ہوگئی عورت اس کا وصف بیان کرے یا نہ کرے اسی طرح وہ چاہے یا نہ چاہے (طلاق ہوگئی)۔

لفظ کم اور ما کے ذریعے اختیار دینا

(۷۸): [وَاِنْ قَالَ لَهَا: اَنْتِ طَالِقٌ كَمْ شِئْتِ اَوْ مَا شِئْتِ طَلَّقَتْ نَفْسَهَا مَا شَاءَتْ] لِاَنَّهُمَا يُسْتَعْمَلَانِ لِلْعَدَدِ فَقَدْ فَوَّضَ اِلَيْهَا اَيَّ عَدَدٍ شَاءَتْ [فَاِنْ قَامَتْ مِنَ الْمَجْلِسِ بَطَلَ. وَاِنْ رَدَّتِ الْاَمْرَ كَانَ رَدًّا] لِاَنَّ هٰذَا اَمْرٌ وَّاحِدٌ وَّهُوَ خِطَابٌ فِي الْحَالِ فَيَقْتَضِي الْجَوَابَ فِي الْحَالِ.

[وَاِنْ قَالَ لَهَا: طَلِّقِيْ نَفْسَكِ مِنْ ثَلَاثٍ مَا شِئْتِ فَلَهَا اَنْ تُطَلِّقَ نَفْسَهَا وَاحِدَةً اَوْ ثِنْتَيْنِ وَلَا تُطَلِّقَ ثَلَاثًا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَا: تُطَلِّقُ ثَلَاثًا اِنْ شَاءَتْ] لِاَنَّ كَلِمَةَ مَا مُحْكَمَةٌ

فِي التَّعْمِيْمِ وَكَلِمَةُ مِنْ قَدْ تُسْتَعْمَلُ لِلتَّمْيِيْزِ فَحُمِلَ عَلَى تَمْيِيْزِ الْجِنْسِ، كَمَا اِذَا قَالَ: كُلْ مِنْ طَعَامِيْ مَا شِئْتَ اَوْ طَلِّقْ مِنْ نِسَائِيْ مَنْ شَائَتْ.

وَلِاَبِيْ حَنِيْفَةَ اَنَّ كَلِمَةَ مِنْ حَقِيْقَةٌ لِلتَّبْعِيْضِ وَمَا لِلتَّعْمِيْمِ فَعُمِلَ بِهِمَا، وَفِيْمَا اسْتَشْهَدَا بِهٖ تَرْكُ التَّبْعِيْضِ بِدَلَالَةِ اِظْهَارِ السَّمَاحَةِ اَوْ لِعُمُوْمِ الصِّفَةِ وَهِيَ الْمَشِيْئَةُ، حَتّٰى لَوْ قَالَ: مَنْ شِئْتَ كَانَ عَلٰى هٰذَا الْخِلَافِ، وَاللّٰهُ تَعَالٰى اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

ترجمہ: [اگر عورت سے کہا تجھے طلاق ہے جتنی طلاقیں تو چاہے تو وہ جتنی طلاقیں چاہے اپنے آپ کو دے سکتی ہے]

کیونکہ یہ دونوں کلمات عدد کے لئے آتے ہیں تو اس نے عورت کو اختیار دیا کہ وہ جتنی طلاقیں چاہے دے —

[اگر وہ مجلس سے کھڑی ہو جائے تو اختیار باطل ہو جائے گا اور اگر اس اختیار کو رد کرے تو رد ہو جائے گا] کیونکہ یہ اختیار دینا ایک ہی امر ہے اور فی الحال خطاب ہے جو فی الحال جواب کا تقاضا کرتا ہے۔

[اور اگر کہا کہ تین طلاقوں میں سے جس قدر چاہے اپنے آپ کو طلاق دے تو وہ اپنے آپ کو ایک یا دو طلاقیں دے سکتی ہے تین طلاقیں نہیں دے سکتی یہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں: اگر وہ چاہے تو تین بھی دے سکتی ہے] کیونکہ کلمہ ما عموم کے لئے محکم ہے اور کلمہ من کبھی تمیز کے لئے ہوتا ہے تو وہ جنس کی تمیز پر محمول ہو گا جیسے کسی نے کہا: كُلْ مِنْ طَعَامِيْ مَا شِئْتَ میرے کھانے میں سے جو چاہو کھاؤ یا کہا: طَلِّقْ مِنْ نِسَائِيْ مَنْ شَائَتْ (میری بیویوں میں سے جو چاہے اس کو طلاق دو)۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کلمہ من حقیقت میں تبعیض کے لئے آتا ہے اور ما عموم کے لئے آتا ہے لہٰذا ان دونوں پر عمل ہو گا۔

اور صاحبین رحمہما اللہ نے جن دلیلوں سے استدلال کیا ہے وہاں اظہار سخاوت کی دلالت کی وجہ سے تبعیض کو چھوڑ اگیا یا عموم صفت یعنی عموم مشیت کی وجہ سے تبعیض کو ترک کیا گیا۔

حتیٰ کہ اگر وہ کہتا مَنْ شِئْتَ جسے تو (طلاق دینا) چاہے تو یہی اختلاف ہوتا اور اللہ تعالیٰ بہتر بات کو خوب جانتا ہے۔

توضیح: لفظ کَمْ اور ما عدد کے لئے آتے ہیں لہٰذا جب مرد اپنی بیوی کو ان الفاظ کے ساتھ اختیار دے اور کہے: اَنْتِ طَالِقٌ کَمْ شِئْتِ یا کہے: مَا شِئْتِ تو وہ جس قدر چاہے طلاقیں اختیار کرے کیونکہ طلاق کی تعداد عورت کی مشیت پر چھوڑی گئی۔

اس صورت میں اگر مجلس سے اٹھ جائے تو اختیار باطل ہو جائے گا اور اگر رد کرے تو رد ہو جائے گا کیونکہ یہ ایک ہی امر ہے یعنی فی الحال خطاب ہے اور فی الحال جواب (مطلوب ہے) گویا یہ بتایا کہ یہ کُلَّمَا کی طرح نہیں کہ جب چاہے طلاق دے اس میں تکرار نہیں۔

دوسرا مسئلہ:

اگر مرد کہے اپنے آپ کو تین میں سے جو طلاق چاہے دے تو یہاں لفظ ''مِنْ'' استعمال ہوا ہے تو حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک یا دو طلاقیں اختیار کر سکتی ہے۔

جبکہ صاحبین کے نزدیک تینوں طلاقیں بھی دے سکتی ہے۔

وجہ اختلاف

اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ لفظ مِنْ (میم کے نیچے کسرہ) تمیز یعنی بیان کے لئے بھی آتا ہے اور تبعیض کے لئے بھی۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چونکہ لفظ ما عموم کے لئے ہے اس لئے مِنْ کے ذریعے تخصیص کی گئی یعنی تین میں سے جتنی طلاقیں چاہے اپنے آپ کو دے۔

صاحبین کے نزدیک من بیانیہ ہے کیونکہ ما میں عموم کے ساتھ ساتھ ابہام بھی ہے جس کا ازالہ مِنْ بیانیہ کے ذریعے کیا گیا۔

صاحبین نے بطور تائید دو مثالیں پیش کی ہیں:

پہلی مثال: کسی نے کہا: كُلْ مِنْ طَعَامِيْ مَا شِئْتَ میرے کھانے سے جس قدر چاہو کھاؤ —— تو یہاں بعض کھانا مراد نہیں ہے۔

دوسری مثال یہ کہ طَلِّقْ مِنْ نِّسَائِيْ مَنْ شَاءَتْ ''میری بیویوں میں سے'' جو چاہے اسے طلاق دو'' تو اگر وہ تمام چاہیں تو سب کو طلاق دے سکتا ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حقیقتاً کلمہ مِنْ تبعیض کے لئے اور کلمہ ما عموم کے لئے آتا ہے لہٰذا حقیقت پر عمل کیا جائے گا۔

صاحبین نے جو مثالیں دی ہیں ان میں سے پہلی مثال کا جواب آپ نے یوں دیا کہ چونکہ کھانا کھلانا سخاوت ہے لہٰذا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہاں تبعیض والا معنیٰ نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ مردانگی کے خلاف ہے کہ کہے بعض کھانا کھاؤ۔

دوسری مثال کا جواب یہ ہے کہ یہاں صفت یعنی مشیت میں عموم ہے یعنی اس کی جو بیوی طلاق چاہے وکیل اسے طلاق دے اگر مشیت وکیل کے لئے ہوتی کہ ان میں سے تم جسے چاہو طلاق دو تو پھر یہی اختلاف ہوتا جو اس میں بیان ہوا لہٰذا یہ دونوں مثالیں یہاں درست نہیں باقی حقیقت حال اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

نوٹ: احتیاط حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے موقف میں ہے۔ (۱۲ ہزاروی)

بَابُ الْاَیْمَانِ فِی الطَّلَاقِ

باب: طلاق کو مشروط کرنا

نکاح کے ساتھ طلاق کو مشروط کرنا

(۷۹): [وَاِذَا اَضَافَ الطَّلَاقَ اِلَی النِّكَاحِ وَقَعَ عَقِيبَ النِّكَاحِ مِثْلُ اَنْ يَّقُوْلَ لِامْرَاَةٍ اِنْ تَزَوَّجْتُكِ فَاَنْتِ طَالِقٌ اَوْ كُلُّ امْرَاَةٍ اَتَزَوَّجُهَا فَهِيَ طَالِقٌ] وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰى: لَا يَقَعُ لِقَوْلِهٖ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «لَا طَلَاقَ قَبْلَ النِّكَاحِ» وَلَنَا اَنَّ هٰذَا تَصَرُّفُ يَمِيْنٍ لِوُجُوْدِ الشَّرْطِ وَالْجَزَاءِ فَلَا يُشْتَرَطُ لِصِحَّتِهٖ قِيَامُ الْمِلْكِ فِي الْحَالِ لِاَنَّ الْوُقُوْعَ عِنْدَ الشَّرْطِ وَالْمِلْكُ مُتَيَقَّنٌ بِهٖ عِنْدَهٗ وَقَبْلَ ذٰلِكَ اَثَرُهُ الْمَنْعُ وَهُوَ قَائِمٌ بِالْمُتَصَرِّفِ. وَالْحَدِيْثُ مَحْمُوْلٌ عَلٰى نَفْيِ التَّنْجِيزِ، وَالْحَمْلُ مَأْثُوْرٌ عَنِ السَّلَفِ كَالشَّعْبِيِّ وَالزُّهْرِيِّ وَغَيْرِهِمَا

ترجمہ: [اور جب طلاق کی اضافت نکاح کی طرف کرے تو نکاح کے بعد طلاق ہو گی مثلاً وہ کسی عورت سے کہے: "اگر میں تم سے نکاح کروں تو تجھے طلاق ہے" یا کہے: "میں جس عورت سے نکاح کروں اسے طلاق ہے]"

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ طلاق واقع نہیں ہو گی کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا طَلَاقَ قَبْلَ النِّكَاحِ۔ [1]

ترجمہ: نکاح سے پہلے طلاق نہیں ہوتی۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ تصرف یمین ہے (یعنی شرط کے ساتھ مشروط ہے) کیونکہ یہاں شرط اور جزاء پائی جاتی ہے لہٰذا اس کے صحیح ہونے کے لئے فی الحال ملک کا قیام شرط نہیں ہے اور (طلاق کا) وقوع شرط (پائے جانے) کے وقت ہو گا اور اس وقت ملک یقینی ہو گی اور اس سے پہلے اس کا اثر منع ہے اور یہ بات تصرف کرنے والے کے ساتھ ملی ہوتی ہے۔

اور حدیث شریف میں جو نفی ہے وہ فوری طلاق کی نفی پر محمول ہے اور اس پر محمول کرنا اسلاف جیسے امام شعبی اور امام زہری اور ان کے علاوہ (فقہاء) رحمہم اللہ سے منقول ہے۔

[1] ابن ماجہ کتاب الطلاق باب لا طلاق قبل النکاح، حدیث: ۲۰۴۸،۲۰۴۹

توضیح: طلاق کو کسی شرط سے مشروط کیا جائے تو جب شرط پائی جائے طلاق ہو جائے گی۔

پھر اس کی دو صورتیں ہیں:

پہلی صورت یہ ہے کہ عورت نکاح میں ہے تو نکاح کرنے کے علاوہ کوئی شرط ہو گی مثلاً اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق ہے۔

دوسری صورت جو یہاں بیان ہوئی وہ کسی ایسی عورت کے بارے میں ہے جو ابھی اس کے نکاح میں نہیں ہے — اس سے جب یہ کہا جائے کہ اگر میں تجھ سے نکاح کروں تو تجھے طلاق ہے یا جس عورت سے نکاح کروں اسے طلاق ہے۔ تو جب نکاح کرے گا تو طلاق ہو جائے گی کیونکہ طلاق کے لئے ضروری ہے کہ وہ عورت اس کی ملک یعنی نکاح میں ہو اور جب نکاح ہو جائے گا تو ملک حاصل ہو جائے گی اور طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ اب شرط پائی گئی لہٰذا اس پر جزاء مرتب ہو گی۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس طرح طلاق نہیں ہو گی وہ حدیث شریف سے استدلال کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا "نکاح سے پہلے طلاق نہیں ہوتی" اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے فوری طلاق مراد ہے ہاں جب نکاح ہو گیا تو اب طلاق، نکاح کے بعد ہو رہی ہے لہٰذا یہ حدیث احناف کے مؤقف کے خلاف نہیں ہے۔

اکابر فقہاء امام شعبی اور امام زہری وغیرہما رحمہم اللہ نے بھی یہی مراد لی ہے۔

کسی عمل کے ساتھ طلاق کو مشروط کرنا

(۸۰): [وَاِذَا اَضَافَهُ اِلٰى شَرْطٍ وَقَعَ عَقِيْبَ الشَّرْطِ مِثْلُ اَنْ يَّقُوْلَ لِامْرَاَتِهٖ: اِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَاَنْتِ طَالِقٌ] وَهٰذَا بِالِاتِّفَاقِ لِاَنَّ الْمِلْكَ قَائِمٌ فِي الْحَالِ، وَالظَّاهِرُ بَقَاؤُهُ اِلٰى وَقْتِ وُجُوْدِ الشَّرْطِ فَيَصِحُّ يَمِيْنًا اَوْ اِيْقَاعًا.

ترجمہ: [اور جب (طلاق کی) ایسی شرط کی طرف اضافت کرے تو شرط کے (پائے جانے کے) بعد واقع ہو گی مثلاً اپنی بیوی سے کہے: "اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق ہے"]

اس پر سب کا اتفاق ہے کیونکہ اس وقت ملک قائم ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ شرط پائے جانے تک یہ باقی رہے گی لہٰذا مشروط طور پر اور (شرط کے بغیر طلاق) واقع کرنے سے طلاق واقع ہو جائے گی۔

توضیح: عورت کو طلاق دینے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس کی ملک میں ہو اسی طرح کسی عمل سے طلاق کو مشروط کرنے کے لئے بھی ملک میں ہونا ضروری ہے۔

لہٰذا جب مرد اپنی بیوی سے کہے کہ اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق ہے تو تمام ائمہ کے نزدیک شرط درست ہے لہٰذا مشروط طور پر بھی طلاق جائز ہے اور اگر ویسے طلاق واقع کرے تو بھی جائز ہے کیونکہ وہ اس کی ملک میں ہے۔

اور چونکہ نکاح عمر بھر کے لئے ہوتا ہے اس لئے ظاہر یہی ہے کہ شرط پائے جانے تک اس کی ملک زائل نہیں ہوگی۔

مشروط طلاق کے لئے مِلْکُ یا مِلْکُ کی طرف اضافت ضروری ہے

(۸۱): [وَلَا تَصِحُّ اِضَافَةُ الطَّلَاقِ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ الْحَالِفُ مَالِكًا اَوْ يُضِيْفَهُ اِلٰى مِلْكٍ] لِاَنَّ الْجَزَاءَ لَا بُدَّ اَنْ يَّكُوْنَ ظَاهِرًا لِيَكُوْنَ مُخِيْفًا فَيَتَحَقَّقُ مَعْنَى الْيَمِيْنِ وَهُوَ الْقُوَّةُ وَالظُّهُوْرُ بِاَحَدِ هٰذَيْنِ، وَالْاِضَافَةُ اِلٰى سَبَبِ الْمِلْكِ بِمَنْزِلَةِ الْاِضَافَةِ اِلَيْهِ لِاَنَّهٗ ظَاهِرٌ عِنْدَ سَبَبِهٖ

[اور طلاق کی اضافت صحیح نہیں مگر یہ کہ قسم اٹھانے والا (شرط رکھنے والا) مالک ہو یا ملک کی طرف اضافت کرے] کیونکہ جزاء کے لئے ضروری ہے کہ وہ ظاہر ہوتا کہ وہ اس (عورت) کو ڈرا سکے اور یمین کا معنیٰ متحقق ہو سکے اور وہ معنیٰ قوت ہے اور ظہور ان دو میں سے کسی ایک سے متحقق ہوتا ہے۔ اور ملک کے سبب کی طرف اضافت ملک کی طرف اضافت ہے کیونکہ جب سبب (یعنی نکاح) پایا گیا تو وہ (ملک) ظاہر ہوگئی۔

توضیح: یہ بات تو واضح ہے کہ بیوی کو شرط کے بغیر بھی طلاق دی جا سکتی ہے البتہ کسی شرط سے مشروط کرے تو ایسا کر سکتا ہے کیونکہ وہ اس کی ملک میں ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ملک کے سبب کی طرف اضافت کرے اور وہ سبب نکاح ہے یعنی اگر وہ اس سے نکاح کرے تو اسے طلاق ہو جائے گی۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ شرط کی جزاء ظاہر ہونی چاہئے تا کہ عورت کو طلاق سے ڈرا سکے اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ ملک حاصل ہو یعنی فی الحال اس کی بیوی ہو یا اس نے نکاح کے ساتھ طلاق کو مشروط کیا ہو کیونکہ جب نکاح کرے گا تو وہ اس کی ملک میں آجائے گی۔

اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جو عورت اس کے نکاح میں نہیں اسے طلاق دینے یا اس کی طرف کو نکاح کے علاوہ کسی شرط سے مشروط کرنے کا حق نہیں یہ بھی بتایا کہ جب ملک کے سبب کی طرف اضافت ہوگی تو ملک کی طرف ہی اضافت ہوگی کیونکہ جب سبب پایا جائے گا تو مِلْکُ حاصل ہو جائے گی جیسے نکاح کرنے سے وہ اس کی بیوی ہو جائے گی اور یہی مِلْکُ ہے۔

اجنبی عورت کو مشروط طلاق دینا

(۸۲): [فَاِنْ قَالَ لِاَجْنَبِيَّةٍ: اِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَاَنْتِ طَالِقٌ ثُمَّ تَزَوَّجَهَا فَدَخَلَتِ الدَّارَ لَمْ تَطْلُقْ] لِاَنَّ الْحَالِفَ لَيْسَ بِمَالِكٍ وَلَا اَضَافَهٗ اِلَى الْمِلْكِ اَوْ سَبَبِهٖ وَلَا بُدَّ مِنْ وَاحِدٍ مِنْهُمَا

ترجمہ: [اگر کسی شخص نے اجنبی عورت (یعنی جو اس کی منکوحہ نہیں) سے کہا اگر تو گھر میں داخل ہو تو تجھے طلاق ہے پھر

اس سے نکاح کرے پس وہ گھر میں داخل ہو تو طلاق نہیں ہوگی] کیونکہ شرط رکھنے والا (شرط کے وقت) اس کا مالک نہیں تھا اور نہ ہی اس نے ملک یا سبب ملک کی طرف اضافت کی جبکہ ان دونوں میں سے ایک کا ہونا ضروری ہے۔

توضیح: یہ مسئلہ گزشتہ مسئلہ کی فرع ہے جس میں بتایا گیا کہ جب طلاق کی اضافت کسی شرط کی طرف کی جائے تو وہ عورت اس شخص کی ملک میں ہو یا ملک یا سبب ملک کی طرف اضافت کرے۔

مذکورہ مسئلہ میں شرط کا ذکر کرتے وقت وہ اس کی بیوی بھی نہیں تھی اور اس نے ملک کی طرف اضافت بھی نہیں کی یعنی یہ نہیں کہا اگر تجھ سے نکاح کروں تو تجھے طلاق ہے لہٰذا جب وہ عورت گھر میں داخل ہوئی تو اگر چہ وہ اس کی ملک میں آ چکی ہے لیکن طلاق نہیں ہوگی کیونکہ طلاق کو مشروط کرتے وقت وہ اس کی بیوی نہیں تھی۔

الفاظ شرط

(۸۳): [وَاَلْفَاظُ الشَّرْطِ اِنْ وَاِذَا وَاِذَا مَا وَكُلُّ وَكُلَّمَا وَمَتٰى وَمَتٰى مَا] لِاَنَّ الشَّرْطَ مُشْتَقٌّ مِّنَ الْعَلَامَةِ. وَهٰذِهِ الْاَلْفَاظُ مِمَّا تَلِيهَا اَفْعَالٌ فَتَكُوْنُ عَلَامَاتٍ عَلَى الْحِنْثِ. ثُمَّ كَلِمَةُ اِنْ حَرْفٌ لِلشَّرْطِ لِاَنَّهُ لَيْسَ فِيهَا مَعْنَى الْوَقْتِ وَمَا وَرَاءَ هَا مُلْحَقٌ بِهَا. وَكَلِمَةُ كُلِّ لَيْسَتْ شَرْطًا حَقِيقَةً لِاَنَّ مَا يَلِيهَا اسْمٌ وَّالشَّرْطُ مَا يَتَعَلَّقُ بِهِ الْجَزَاءُ وَالْاَجْزِيَةُ تَتَعَلَّقُ بِالْاَفْعَالِ اِلَّا اَنَّهُ اُلْحِقَ بِالشَّرْطِ لِتَعَلُّقِ الْفِعْلِ بِالْاِسْمِ الَّذِى يَلِيهَا مِثْلُ قَوْلِكَ كُلُّ عَبْدٍ اشْتَرَيْتُهُ فَهُوَ حُرٌّ.

[شرط کے الفاظ (یہ ہیں) ان، اذا، اذا ما، کل، کلما، متٰی اور متٰی ما]

کیونکہ شرط، علامت سے مشتق ہے (یعنی علامت کا معنیٰ دیتی ہے) اور یہ الفاظ ان الفاظ میں سے ہیں جن کے ساتھ افعال ملے ہوتے ہیں تو یہ قسم توڑنے (حنث) کی علامات بن جاتے ہیں۔

پھر کلمہ ''ان'' حرف شرط ہے کیونکہ اس میں وقت کا معنیٰ نہیں ہے اور اس کے علاوہ کلمات کو اس کے ساتھ ملایا گیا اور کلمہ کل حقیقتاً شرط کے لئے نہیں ہے کیونکہ اس سے ملنے والا کلمہ اسم ہوتا ہے اور شرط کے ساتھ جزاء ملی ہوتی ہے اور جزاؤں کا تعلق افعال سے ہوتا ہے۔

لیکن اسے شرط کے ساتھ ملایا گیا کیونکہ فعل کا تعلق اس اسم کے ساتھ ہوتا ہے جو اس سے ملا ہوتا ہے جیسے تمہارا قول ـــــ كُلُّ عَبْدٍ اِشْتَرَيْتُهُ فَهُوَ حُرٌّ میں جس غلام کو خریدوں وہ آزاد ہے۔

توضیح: یہاں الفاظِ شرط کو بیان کیا گیا طلاق کے سلسلے میں ان الفاظ کے احکام گزشتہ مسائل میں تفصیلی طور پر بیان ہو چکے ہیں اب صرف یہ بات بتانا مقصود ہے کہ ان میں سے کون سے کلمات حقیقتاً شرط کے لئے آئے ہیں اور کون سے کلمات حرف شرط کے ساتھ ملائے گئے ہیں اور کیوں؟

مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حقیقتاً حرف شرط کلمہ ان ہے کیونکہ یہ وقت کا معنیٰ نہیں دیتا۔
باقی اذا، اذا ما، متٰی اور متٰی ما اور کلما کو اس کے ساتھ ملایا گیا کیونکہ ان میں وقت کا معنیٰ پایا جاتا ہے اور اب شرط کے لئے بھی استعمال ہوتے ہیں ــــ
اور لفظ کل حقیقتاً شرط کے لئے نہیں آتا کیونکہ اسم سے ملا ہوتا ہے اور شرط جزاء سے متعلق ہوتی ہے اور جزاء کا تعلق فعل سے ہوتا ہے۔
لیکن اس کو شرط کے ساتھ ملانے کی وجہ یہ ہے کہ فعل کا تعلق اس اسم سے ہوتا ہے جو اس کے ساتھ ملا ہوتا ہے اس اعتبار سے اس کا تعلق بھی فعل کے ساتھ ہوا جیسے بیان کی گئی مثال میں ''کل'' کا تعلق ''عبد'' کے ساتھ ہے جو اسم ہے اور اس اسم کا تعلق اِشْتَرَیْتُہٗ فعل کے ساتھ ہے۔
تو یوں ''کل'' کا تعلق بالواسطہ فعل کے ساتھ ہو گیا اور اس میں شرط والا معنیٰ پایا گیا۔

ان الفاظِ شرط کا حکم

(۸۴): قَالَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ: [فَفِیْ ھٰذِہِ الْاَلْفَاظِ اِذَا وُجِدَ الشَّرْطُ انْحَلَّتْ وَانْتَھَتْ الْیَمِیْنُ] لِاَنَّھَا غَیْرُ مُقْتَضِیَۃٍ لِلْعُمُوْمِ وَالتَّکْرَارِ لُغَۃً. فَبِوُجُوْدِ الْفِعْلِ مَرَّۃً یَتِمُّ الشَّرْطُ وَلَا بَقَاءَ لِلْیَمِیْنِ بِدُوْنِہٖ
[اِلَّا فِیْ کُلَّمَا فَاِنَّھَا تَقْتَضِیْ تَعْمِیْمَ الْاَفْعَالِ] قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿کُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُھُمْ﴾ الْاٰیَۃَ وَمِنْ ضَرُوْرَۃِ التَّعْمِیْمِ التَّکْرَارُ.

امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں [پس جب ان الفاظ کے استعمال کی صورت) میں جب شرط پائی جائے تو شرط پوری ہو جائے گی اور قسم ختم ہو جائے گی]
کیونکہ یہ الفاظ لغوی طور پر عموم اور تکرار کو نہیں چاہتے لہٰذا فعل کے ایک بار پائے جانے سے شرط پوری ہو جائے گی اور اس (یعنی شرط) کے بغیر قسم باقی نہیں رہتی [مگر کُلَّمَا کا حکم (الگ ہے)] کیونکہ وہ افعال کے عموم کو چاہتا ہے ارشاد خداوندی ہے:

کُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُھُمْ ❶

ترجمہ: جب بھی ان جہنمیوں کے چمڑے پک جائیں گے۔
اور عموم سے تکرار لازم آتا ہے۔

❶ سورۃ نساء، آیت: ۵۶

توضیح: کلمات شرط جن کا پہلے ذکر ہوا ان کا حکم بیان ہو رہا ہے کہ کُلَّمَا کے علاوہ باقی تمام حروف عموم اور تکرار کو نہیں چاہتے لہٰذا ان کے استعمال کی صورت میں جب ایک مرتبہ شرط پائی جائے تو شرط پوری ہو کر اس پر جزا مرتب ہو جائے گی اور قسم ختم ہو جائے گی۔

مثلاً اس نے کہا: اِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَاَنْتِ طَالِقٌ (اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق ہے) تو ایک مرتبہ داخل ہونے سے طلاق ہو جائے گی اگر وہ دوبارہ داخل ہو تو کچھ نہیں ہوگا لیکن چونکہ کُلَّمَا میں افعال کا تکرار ہوتا ہے لہٰذا اگر مرد نے کُلَّمَا کا لفظ استعمال کیا تو جب بھی گھر میں داخل ہوگی اسے طلاق ہو جائے گی یہاں تک کہ تین طلاقیں مکمل ہو جائیں۔ قرآن پاک میں یہی بتایا گیا کہ جب بھی ان جہنمیوں کے چمڑے پک جائیں تو ان کو دوسرے چمڑوں سے بدل دیا جائے گا ـــــ تو کلمہ کُلَّمَا میں عموم ہونے کی وجہ سے فعل کا تکرار ہوگا۔

دوبارہ شادی کرنے کے بعد پہلی شرط معتبر نہیں ہوگی

(۸۵): قَالَ [فَاِنْ تَزَوَّجَهَا بَعْدَ زَوْجٍ اٰخَرَ وَتَكَرَّرَ الشَّرْطُ لَمْ يَقَعْ شَيْءٌ] لِاَنَّ بِاسْتِيْفَاءِ الطَّلَقَاتِ الثَّلَاثِ الْمَمْلُوْكَاتِ فِيْ هٰذَا النِّكَاحِ لَمْ يَبْقَ الْجَزَاءُ وَبَقَاءُ الْيَمِيْنِ بِهٖ وَبِالشَّرْطِ.

وَفِيْهِ خِلَافُ زُفَرَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَسَنُقَرِّرُهُ مِنْ بَعْدُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى

[وَلَوْ دَخَلَتْ عَلٰى نَفْسِ التَّزَوُّجِ بِاَنْ قَالَ: كُلَّمَا تَزَوَّجْتُ امْرَاَةً فَهِيَ طَالِقٌ يَحْنَثُ بِكُلِّ مَرَّةٍ وَاِنْ كَانَ بَعْدَ زَوْجٍ اٰخَرَ] لِاَنَّ انْعِقَادَهَا بِاعْتِبَارِ مَا يَمْلِكُ عَلَيْهَا مِنَ الطَّلَاقِ بِالتَّزَوُّجِ وَذٰلِكَ غَيْرُ مَحْصُوْرٍ.

ترجمہ: امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں [اگر (پہلا) خاوند (اس عورت سے) دوسرے خاوند کے بعد (حلالہ کے بعد) نکاح کرے اور وہ شرط دوبارہ پائی جائے تو کوئی طلاق نہیں ہوگی]

کیونکہ اس نکاح میں وہ جن تین طلاقوں کا مالک تھا ان کے پورا ہونے کے بعد جزاء باقی نہیں رہی اور قسم، جزاء اور شرط کے ساتھ باقی رہتی ہے اور اس میں حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے اور ہم اسے عنقریب بیان کریں گے ان شاء اللہ۔

[اور اگر لفظ کلما نفس نکاح پر داخل ہو اس طرح کہ وہ کہے: "میں جب بھی کسی عورت سے نکاح کروں اسے طلاق ہے" تو وہ ہر بار حانث ہوگا اگرچہ اس عورت سے دوسرے خاوند (کے نکاح) کے بعد نکاح کرے]

کیونکہ اس کا انعقاد اس طلاق کے اعتبار سے ہے جس کا وہ نکاح کے ذریعے مالک ہوتا ہے اور وہ بے شمار ہے۔

توضیح: اگر مرد نے کہا تو جب بھی گھر میں داخل ہو تجھے طلاق ہے (لفظ کُلَّمَا کہا) پھر تین طلاقوں کے بعد عورت نے

دوسری جگہ نکاح کیا اور اس شخص نے حقوق زوجیت ادا کرنے کے بعد طلاق دے دی اور پھر اس پہلے خاوند سے نکاح کیا اور وہ شرط پائی گئی تو طلاق نہیں ہوگی کیونکہ جس نکاح میں طلاق کو شرط کے ساتھ مشروط کیا تھا اس کی تین طلاقیں پوری ہو گئی ہیں اب یہ نئی ملک کے ساتھ اس کے نکاح میں آئی ہے۔

اس مسئلہ میں حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے۔ ◆

دوسرا مسئلہ:

یہ کہ لفظ کُلَّمَا کو نفس نکاح پر داخل کیا یعنی یوں کہا کہ ''میں جب بھی کسی عورت سے نکاح کروں اسے طلاق ہے'' تو وہ جب بھی کسی عورت سے نکاح کرے گا اسے طلاق ہو جائے گی چاہے وہ عورت دوسرے خاوند سے نکاح کرے اور پھر طلاق کے بعد اس پہلے خاوند سے نکاح کرے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ طلاق اس نکاح سے حاصل ہونے والی ملک کی وجہ سے منعقد ہوتی ہے اور اس کا کوئی شمار نہیں۔

طلاق کو کسی شرط سے مشروط کرنے کے بعد ملک کا زائل ہونا

(۸٦): قَالَ [وَزَوَالُ الْمِلْكِ بَعْدَ الْيَمِيْنِ لَا يُبْطِلُهَا] لِاَنَّهُ لَمْ يُوجَدْ الشَّرْطُ فَبَقِيَ وَالْجَزَاءُ بَاقٍ لِبَقَاءِ مَحَلِّهِ فَبَقِيَ الْيَمِيْنُ [ثُمَّ اِنْ وُجِدَ الشَّرْطُ فِيْ مِلْكِهِ انْحَلَّتْ الْيَمِيْنُ وَوَقَعَ الطَّلَاقُ] لِاَنَّهُ وُجِدَ الشَّرْطُ وَالْمَحَلُّ قَابِلٌ لِلْجَزَاءِ فَيَنْزِلُ الْجَزَاءُ وَلَا تَبْقَى الْيَمِيْنُ لِمَا قُلْنَا [وَاِنْ وُجِدَ فِيْ غَيْرِ الْمِلْكِ انْحَلَّتْ الْيَمِيْنُ] لِوُجُوْدِ الشَّرْطِ (وَلَمْ يَقَعْ شَيْئٌ) لِانْعِدَامِ الْمَحَلِّيَّةِ.

[وَاِنْ اخْتَلَفَا فِيْ وُجُوْدِ الشَّرْطِ فَالْقَوْلُ قَوْلُ الزَّوْجِ اِلَّا اَنْ تُقِيمَ الْمَرْاَةُ الْبَيِّنَةَ] لِاَنَّهُ مُتَمَسِّكٌ بِالْاَصْلِ وَهُوَ عَدَمُ الشَّرْطِ. وَلِاَنَّهُ يُنْكِرُ وُقُوْعَ الطَّلَاقِ وَزَوَالَ الْمِلْكِ وَالْمَرْاَةُ تَدَّعِيْهِ [فَاِنْ كَانَ الشَّرْطُ لَا يُعْلَمُ اِلَّا مِنْ جِهَتِهَا فَالْقَوْلُ قَوْلُهَا فِيْ حَقِّ نَفْسِهَا مِثْلُ اَنْ يَقُوْلَ: اِنْ حِضْتِ فَاَنْتِ طَالِقٌ وَّفُلَانَةُ فَقَالَتْ: قَدْ حِضْتُ طَلُقَتْ هِيَ وَلَمْ تَطْلُقْ فُلَانَةُ] وَوَقَعَ الطَّلَاقُ اسْتِحْسَانًا. وَالْقِيَاسُ اَنْ لَا يَقَعَ لِاَنَّهُ شَرْطٌ فَلَا تُصَدَّقُ كَمَا فِي الدُّخُوْلِ.

وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ اَنَّهَا اَمِيْنَةٌ فِيْ حَقِّ نَفْسِهَا اِذْ لَا يُعْلَمُ ذٰلِكَ اِلَّا مِنْ جِهَتِهَا فَيُقْبَلُ قَوْلُهَا كَمَا قُبِلَ فِيْ حَقِّ الْعِدَّةِ وَالْغَشَيَانِ لٰكِنَّهَا شَاهِدَةٌ فِيْ حَقِّ ضَرَّتِهَا بَلْ هِيَ مُتَّهَمَةٌ فَلَا يُقْبَلُ قَوْلُهَا فِيْ حَقِّهَا

◆ جب دوسرے خاوند کے ساتھ نکاح اور طلاق کے بعد پہلے خاوند سے نکاح کرے اور وہ شرط پائی جائے تو امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک طلاق ہو جائے گی۔ (عینی شرح ہدایہ، جلد: ۲، ص: ۳۰۰)

ترجمہ: امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں [(اور (طلاق کو) مشروط کرنے کے بعد ملک زائل ہونے سے قسم (شرط) باطل نہیں ہوتی] کیونکہ شرط نہیں پائی گئی لہٰذا وہ باقی ہے اور جزاء بھی باقی ہے کیونکہ اس کا محل باقی ہے لہٰذا یمین (تعلیق) باقی ہوگی۔

[پھر اگر اس کی ملک میں شرط پائی جائے تو قسم ختم ہو جائے گی اور طلاق واقع ہوگی] کیونکہ شرط پائی گئی اور محل، جزاء کو قبول کرنے والا ہے لہٰذا جزاء نافذ ہوگی اور قسم (تعلیق) باقی نہیں رہے گی جیسا کہ ہم نے کہا ہے۔

[اور اگر شرط غیرِ ملک میں پائی جائے تو قسم ختم ہو جائے گی کیونکہ شرط پائی گئی (اور کچھ بھی واقع نہیں ہوگا] کیونکہ (ملک زائل ہونے کی وجہ سے) محلیت باقی نہیں رہی۔

[اور اگر شرط کے پائے جانے میں اختلاف ہو جائے تو خاوند کے قول کا اعتبار ہوگا مگر یہ کہ عورت گواہ پیش کر دے]

کیونکہ مرد نے اصل کو دلیل بنایا اور وہ شرط کا نہ پایا جانا ہے نیز وہ وقوعِ طلاق اور زوالِ مِلک کا منکر ہے اور عورت اس بات کا دعویٰ کرتی ہے۔

[اور شرط کا علم صرف عورت کی جانب سے ہی ہوتا ہو تو عورت کے ذاتی حق میں اس کا قول معتبر ہوگا مثلاً مرد کہے: "اگر تجھے حیض آئے تو تجھے اور فلاں عورت (اس مرد کی دوسری بیوی) کو طلاق ہے، اس نے کہا مجھے حیض آیا ہے تو اس کو طلاق ہوگی اور دوسری فلاں عورت کو طلاق نہیں ہوگی]

اور یہ طلاق بطور استحسان ہوگی قیاس یہ ہے کہ یہ طلاق نہ ہو کیونکہ یہ شرط ہے لہٰذا اس عورت کی تصدیق نہ کی جائے جس طرح جماع کے سلسلے میں اس کی تصدیق نہیں کی جاتی۔

استحسان کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے نفس کے حق میں امینہ ہے، کیونکہ اس بات (حیض) کا علم صرف اسی کی جہت سے ہو سکتا ہے لہٰذا اس کا قول قبول کیا جائے گا جس طرح عدت اور وطی کے بارے میں اس کا قول قبول کیا جاتا ہے لیکن اپنی سوتن کے حق میں وہ گواہ ہے بلکہ اس پر تہمت آسکتی ہے پس اس (سوتن) کے حق میں اس کا قول قبول نہیں کیا جائے گا۔

توضیح: تمہید یمین (قسم) سے مراد تعلیق ہے یعنی طلاق یا کسی بھی کام کو کسی شرط سے معلق کرنا یمین یا تعلیق کہلاتی ہے، اور جب تک شرط نہ پائی جائے یمین (تعلیق) باقی رہتی ہے جب شرط پائی جائے تو یمین ختم ہو جاتی ہے البتہ طلاق تب واقع ہوگی جب مرد کو عورت کی (ملکیت) حاصل ہو۔

اس بنا پر اگر ملک زائل ہوگئی یعنی عورت کو طلاق ہوگئی اور وہ عدت گزرنے پر یا تین طلاقوں کی صورت میں فوری طور پر اس کی ملک سے نکل گئی لیکن ابھی شرط نہیں پائی گئی تو یمین باقی رہے گی اور جب یمین باقی رہی تو جزاء بھی باقی رہے گی کیونکہ اس کا محل یعنی وہ عورت موجود ہے۔ اب دو صورتیں ہیں:

① جب شرط پائی گئی اور عورت اس کے نکاح (ملک) میں ہے تو قسم ختم ہو جائے گی اور طلاق واقع ہو جائے گی۔

② اگر وہ اس کی ملک سے نکل گئی اور شرط پائی گئی تو قسم ختم ہو جائے گی کیونکہ شرط پائی گئی لیکن طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ محلیت باقی نہیں رہی (کیونکہ عورت طلاق کا محل اس وقت ہوتی ہے جب مرد کے نکاح میں موجود ہو)۔

شرط کے پائے جانے کے بارے میں اختلاف

اگر اس بات میں مرد اور عورت کے درمیان اختلاف ہو جائے کہ آیا شرط پائی گئی یا نہیں عورت کہتی ہے کہ شرط پائی گئی اور مرد کہتا ہے کہ نہیں پائی گئی——

اس صورت میں اگر عورت گواہ پیش کر دے تو اس کی بات مانی جائے گی کیونکہ وہ مدعیہ ہے——

اور اگر وہ گواہ پیش نہ کر سکے تو خاوند کی بات مانی جائے گی کیونکہ وہ اصل کو دلیل بنا رہا ہے کیونکہ اصل شرط کا نہ ہونا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ مرد، شرط کے پائے جانے کا انکار کرتا ہے اور عورت دعویٰ کرتی ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ مدعی کے ذمہ گواہ ہوتے ہیں اگر گواہ پیش نہ کر سکے تو منکر کی بات قسم کے ساتھ معتبر ہوتی ہے لیکن نکاح اور طلاق میں قسم نہیں لی جاتی لہٰذا خاوند کی بات قسم کے بغیر معتبر ہوگی۔

شرط کا علم صرف عورت کی جانب سے ہو

اگر شرط ایسی ہے کہ جس کا علم صرف عورت کے بتانے سے ہوتا ہے جیسے حیض کی شرط رکھی کہ "اگر تجھے حیض آیا تو تجھے اور فلاں عورت (یعنی اس کی سوتن) کو طلاق ہے۔

تو یہاں عورت کی بات معتبر ہوگی کیونکہ اس سلسلے میں وہ امینہ ہے کہ وہی اس بات کو جانتی ہے کہ حیض آیا یا نہیں نیز امانت کا تقاضا ہے کہ وہ سچ بتائے قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی بات قبول نہ کی جائے کیونکہ یہ ایک شرط ہے جس طرح جماع کے بارے میں اس کی بات قبول نہیں کی جاتی لیکن بطور استحسان اسے طلاق ہو جائے گی۔

اب دو باتیں ہیں ایک اس عورت کی ذات کے حق میں اور دوسری اس کی سوتن کے حق میں، اس کی ذات کے بارے میں اس کی بات مانی جائے گی اور اسے طلاق ہو جائے گی لیکن سوتن کے حق میں وہ شہادت دینے والی ہے لہٰذا اس کے حق میں اس کا قول قبول نہیں کیا جائے گا عدم قبولیت کی ایک اور وجہ بھی ہے وہ یہ کہ ہو سکتا ہے اس نے اپنی سوتن کو طلاق دلانے کے لئے یہ بات کہی ہو اس تہمت سے بچنے کے لئے سوتن کے حق میں اس کی بات قبول نہیں کی جائے گی۔

طلاق کے لئے مختلف شرائط اور ان کے احکام

(۸۷): وَكَذٰلِكَ لَوْ قَالَ: اِنْ كُنْتِ تُحِبِّيْنَ اَنْ يُعَذِّبَكِ اللّٰهُ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَاَنْتِ طَالِقٌ وَّعَبْدِيْ حُرٌّ فَقَالَتْ اُحِبُّهُ

اَوْ قَالَ: [اِنْ كُنْتِ تُحِبِّيْنِيْ فَاَنْتِ طَالِقٌ وَّهٰذِهٖ مَعَكِ فَقَالَتْ: اُحِبُّكَ طَلُقَتْ هِيَ وَلَمْ يُعْتَقِ الْعَبْدُ وَلَا تَطْلُقُ صَاحِبَتُهَا] لِمَا قُلْنَا. وَلَا يُتَيَقَّنُ بِكَذِبِهَا لِاَنَّهَا لِشِدَّةِ بُغْضِهَا اِيَّاهُ قَدْ تُحِبُّ التَّخْلِيْصَ مِنْهُ بِالْعَذَابِ. وَفِيْ حَقِّهَا اِنْ تَعَلَّقَ الْحُكْمُ بِاِخْبَارِهَا وَاِنْ كَانَتْ كَاذِبَةً. فَفِيْ حَقِّ

غَيْرِهَا بَقِيَ الْحُكْمُ عَلَى الْأَصْلِ وَهِيَ الْمَحَبَّةُ

[وَإِذَا قَالَ لَهَا: إِذَا حِضْتِ فَأَنْتِ طَالِقٌ فَرَأَتِ الدَّمَ لَمْ يَقَعِ الطَّلَاقُ حَتَّى يَسْتَمِرَّ بِهَا ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ] لِأَنَّ مَا يَنْقَطِعُ دُوْنَهَا لَا يَكُوْنُ حَيْضًا [فَإِذَا تَمَّتْ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ حَكَمْنَا بِالطَّلَاقِ مِنْ حِيْنِ حَاضَتْ] لِأَنَّهُ بِالْإِمْتِدَادِ عُرِفَ أَنَّهُ مِنَ الرَّحِمِ فَكَانَ حَيْضًا مِنَ الْإِبْتِدَاءِ

[وَلَوْ قَالَ لَهَا: إِذَا حِضْتِ حَيْضَةً فَأَنْتِ طَالِقٌ لَمْ تَطْلُقْ حَتَّى تَطْهُرَ مِنْ حَيْضَتِهَا] لِأَنَّ الْحَيْضَةَ بِالْهَاءِ هِيَ الْكَامِلَةُ مِنْهَا. وَلِهٰذَا حُمِلَ عَلَيْهِ فِيْ حَدِيْثِ الْإِسْتِبْرَاءِ وَكَمَالُهَا بِانْتِهَائِهَا وَذٰلِكَ بِالطُّهْرِ

(وَإِذَا قَالَ: أَنْتِ طَالِقٌ إِذَا صُمْتِ يَوْمًا طَلُقَتْ حِيْنَ تَغِيْبُ الشَّمْسُ فِي الْيَوْمِ الَّذِيْ تَصُوْمُ) لِأَنَّ الْيَوْمَ إِذَا قُرِنَ بِفِعْلٍ مُمْتَدٍّ يُرَادُ بِهِ بَيَاضُ النَّهَارِ. بِخِلَافِ مَا إِذَا قَالَ إِذَا صُمْتِ لِأَنَّهُ لَمْ يُقَدِّرْهُ بِمِعْيَارٍ وَقَدْ وُجِدَ الصَّوْمُ بِرُكْنِهِ وَشَرْطِهِ.

ترجمہ: اور اسی طرح اگر مرد نے کہا: ''اگر تو اس بات کو پسند کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے جہنم کی آگ میں عذاب دے تو تجھے طلاق ہے اور میرا غلام آزاد ہے'' پس عورت نے کہا میں اس بات کو پسند کرتی ہوں۔

[یا اس نے کہا: ''اگر تو مجھ سے محبت کرتی ہے تو تجھے اور تیرے ساتھ اسے طلاق ہے'' اس نے جواب دیا ''میں تجھ سے محبت کرتی ہوں'' تو اسے طلاق ہو جائے گی اور غلام آزاد نہیں ہوگا اور نہ ہی اس کی سوتن کو طلاق ہوگی]

جیسا کہ ہم نے کہا ہے:

اور عورت کے جھوٹ کا یقین بھی نہیں کیونکہ وہ اس سے سخت نفرت کی وجہ سے بعض اوقات عذاب کے ذریعے اس سے چھٹکارا حاصل کرنا پسند کرتی ہے' اور اس کے حق میں حکم اس کے خبر دینے سے متعلق ہوگا اگر چہ وہ جھوٹ بولتی ہو اور دوسروں کے حق میں حکم اپنی اصل پر باقی رہے گا اور وہ محبت ہے۔

[اور جب عورت سے کہا: ''جب تجھے حیض آئے تو تجھے طلاق ہے'' پس عورت نے خون دیکھا تو اسے طلاق نہیں ہوگی یہاں تک کہ مسلسل تین دن خون آئے] کیونکہ جو تین دنوں سے کم میں ختم ہوتا ہے وہ حیض نہیں ہوتا۔

[اور جب تین دن پورے ہو جائیں تو ہم اس وقت سے طلاق کا حکم دیں گے جب اسے حیض آیا تھا] کیونکہ اس کے بڑھنے سے معلوم ہوا کہ وہ رحم سے آیا ہے لہٰذا یہ ابتداء سے حیض ہوگا۔

[اور اگر مرد نے عورت سے کہا: ''جب تجھے کامل حیض آئے تو تجھے طلاق ہے تو جب تک حیض سے پاک نہ ہو جائے'' طلاق نہیں ہوگی] کیونکہ حیضۃ کا لفظ تاء تانیث کے ساتھ ہے اور اس سے کامل مراد ہے اسی لئے حدیث استبراء [1] میں

---

[1] ابوداؤد کتاب النکاح، باب فی وطئ السبایا، حدیث: ۲۱۵۸، ۲۱۵۷

اسے اسی (کامل) پر محمول کیا گیا ہے اور اس کا کامل ہونا اس کی انتہاء کے ساتھ ہے اور انتہاء طہر (پاک ہونے) کے ساتھ ہے۔

[اور جب کہا تجھے طلاق ہے جب تو ایک دن کا روزہ رکھے تو جس دن اس نے روزہ رکھا اس دن کا سورج غروب ہوتے وقت طلاق ہو جائے گی] کیونکہ جب لفظ یوم ممتد (بڑھنے والا) فعل کے ساتھ ملا ہو تو اس سے دن کی سفیدی مراد ہوتی ہے بخلاف اس کے جب کہا جب تو روزہ رکھے (لفظ یوم نہیں کہا) کیونکہ اس نے معیار کے ساتھ اندازہ ذکر نہیں کیا اور روزہ اپنے رکن اور شرط کے ساتھ پایا گیا۔

توضیح: یہاں چند ایسی مثالیں ذکر کی گئی ہیں جن میں طلاق کو مشروط قرار دیا گیا۔

[1] یہ مثال گزشتہ مسئلہ کی طرح ہے کہ کوئی شخص اپنی ایک بیوی کی طلاق کے ساتھ دوسری بیوی کی طلاق یا غلام کی آزادی کو مشروط قرار دے اور شرط کا تعلق اس بیوی کے ساتھ ہو تو اسے طلاق ہو جائے گی لیکن دوسری بیوی کو طلاق نہیں ہو گی اور نہ ہی غلام آزاد ہو گا---- اس کی وجہ گزشتہ مسئلہ میں بیان کی گئی ہے کہ وہ عورت اپنے حق میں امینہ اور دوسرے کے حق میں گواہ ہے علاوہ ازیں اس پر تہمت آئے گی کہ وہ اپنی سوتن کو نقصان پہنچانا چاہتی ہے یا غلام کی آزادی کے ساتھ خاوند کو نقصان پہنچانا چاہتی ہے۔

مثال: خاوند نے کہا اگر تو پسند کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے جہنم میں عذاب دے تو تجھے طلاق ہے اور میرا غلام آزاد ہے۔ یا یوں کہا کہ "اگر تو مجھ سے محبت کرتی ہے تو تجھے اور اس عورت (اس کی سوتن) کو طلاق ہے"—— سوتن کو طلاق نہیں ہو گی اور غلام آزاد نہیں ہو گا اس کی وجہ ذکر کر دی گئی ہے۔

سوال: ہو سکتا ہے عورت جھوٹ بولتی ہو کیونکہ کوئی بھی شخص جہنم میں جانا پسند نہیں کرتا اور نہ کوئی عورت خاوند سے محبت کے باوجود اس سے طلاق چاہتی ہے۔

جواب: یہ بات یقینی نہیں کہ وہ جھوٹ بول رہی ہے کیونکہ جب عورت اپنے خاوند سے شدید نفرت کرتی ہو تو وہ اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے عذاب جہنم کو بھی قبول کرتی ہے اسی طرح ہو سکتا ہے کہ وہ خاوند سے محبت کے باوجود کسی وجہ سے اس سے طلاق چاہتی ہو لہٰذا جو کچھ اس نے جواب میں کہا اس کے حق میں حکم اس سے متعلق ہو گا یعنی طلاق ہو جائے گی اگرچہ وہ جھوٹ بول رہی ہو۔ اور دوسروں کے حق میں اصل پر حکم باقی رہے گا اور وہ محبت ہے یعنی جب وہ اس سے محبت کرتی ہے تو غلام آزاد نہیں ہو گا۔

حیض کی شرط کی تین صورتیں

(الف) اگر مرد نے کہا جب تجھے حیض آئے تو تجھے طلاق ہے تو محض خون دیکھنے سے طلاق نہیں ہو گی جب تک مسلسل تین دن خون نہ آئے کیونکہ کم از کم حیض کے تین دن ہوتے ہیں اس لئے اس سے کم دنوں میں خون آ کر ختم ہو جائے تو حیض نہیں ہو گا لہٰذا شرط نہیں پائی گئی۔

(ب) اگر تین دن پورے ہوجائیں تو طلاق ہوجائے گی کیونکہ خون کا بڑھنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ رحم سے آیا ہے لہٰذا حیض ہے اور طلاق کا آغاز اس وقت سے ہوگا جب حیض شروع ہوا۔

(ج) اگر حیض کی شرط کے ساتھ حیضۃ کا لفظ بھی استعمال کرے تو جب تک حیض سے پاک نہ ہو طلاق نہیں ہوگی کیونکہ حیضۃ کی ''تاء'' حیض کے کامل ہونے کے لئے ہے اسی لئے حدیث شریف میں جو استبراء کا ذکر ہے اس سے مراد بھی حیض کامل ہے۔ ❶

روزہ رکھنے کی شرط کی دوصورتیں

اگر عورت کی طلاق کو روزہ رکھنے کی شرط سے مشروط کیا تو دوصورتیں ہوں گی:

(الف) لفظ یوم بھی ذکر کیا یعنی یوں کہا کہ اگر تم ایک دن کا روزہ رکھو تو تمہیں طلاق ہے تو جس دن روزہ رکھے گی اس دن کے سورج غروب ہوتے وقت طلاق ہوگی۔

کیونکہ جب لفظ یوم ایسے فعل سے ملا ہو جو بڑھتا ہے تو دن مراد ہوتا ہے (محض وقت مراد نہیں ہوتا) اور روزہ بھی شام تک بڑھتا ہے لہٰذا پورا دن مراد ہوگا ——

(ب) اگر اس نے لفظ یوم ذکر نہ کیا بلکہ محض یہ کہا: ''اذا صمت'' جب تو روزہ رکھے تو تجھے طلاق ہے'' تو روزہ رکھتے ہی طلاق ہوجائے گی کیونکہ روزے کی شرط اور رکن پایا گیا یعنی حیض ونفاس سے پاک عورت نے روزے کی نیت کی (یہ شرط ہے) اور کھانے پینے سے رک گئی (یہ رکن ہے)

پہلی صورت میں یوم کا ذکر کیا جو معیار ہے یہاں معیار نہیں۔

نوٹ: اس سے پہلے یہ بات گزر چکی ہے کہ وقت کبھی معیار ہوتا ہے اور کبھی ظرف، جب فعل اور وقت برابر برابر ہوں جیسے روزہ اور دن تو دن معیار ہے اور جب فعل کم وقت میں ادا ہو اور کچھ وقت بچ جاتا ہو تو وقت ظرف ہوتا ہے جیسے نماز، کیونکہ نماز کا وقت زیادہ ہوتا ہے اور ادائیگی کم وقت میں ہوتی ہے۔

طلاق کو بچے کی پیدائش کے ساتھ مشروط کرنا

(۸۸): [وَمَنْ قَالَ لِامْرَاَتِهٖ: اِذَا وَلَدْتِ غُلَامًا فَاَنْتِ طَالِقٌ وَّاحِدَةً وَاِذَا وَلَدْتِ جَارِيَةً فَاَنْتِ طَالِقٌ ثِنْتَيْنِ فَوَلَدَتْ غُلَامًا وَجَارِيَةً وَلَا يَدْرِىْ اَيُّهُمَا اَوَّلُ لَزِمَهٗ فِى الْقَضَاءِ تَطْلِيْقَةٌ. وَفِى التَّنَزُّهِ تَطْلِيْقَتَانِ وَانْقَضَتِ الْعِدَّةُ بِوَضْعِ الْحَمْلِ] لِاَنَّهَا لَوْ وَلَدَتِ الْغُلَامَ اَوَّلًا وَقَعَتْ وَاحِدَةٌ وَّتَنْقَضِىْ

❶ استبراء برأت سے ہے یعنی عورت کے پیٹ کی حالت معلوم کرنا کہ وہ حاملہ تو نہیں۔ حدیث شریف غزوۂ اوطاس کی قیدی عورتوں کے بارے میں ہے آپ نے فرمایا: لَا تُوْطَأُ حَامِلٌ حَتّٰى تَضَعَ وَلَا غَيْرُ ذَاتِ حَمْلٍ حَتّٰى تَحِيْضَ ''حاملہ سے وطی نہ کی جائے حتیٰ کہ بچہ پیدا ہوجائے اور غیر حاملہ سے وطی نہ کی جائے جب تک حیض نہ آئے۔'' (سنن دارمی، جلد: ۲، ص: ۱۷۰، ۱۲ ہزار روی)

عِدَّتُهَا بِوَضْعِ الْجَارِيَةِ ثُمَّ لَا تَقَعُ أُخْرٰى بِهٖ لِأَنَّهٗ حَالُ انْقِضَاءِ الْعِدَّةِ. وَلَوْ وَلَدَتِ الْجَارِيَةَ أَوَّلًا وَقَعَتْ تَطْلِيْقَتَانِ وَانْقَضَتْ عِدَّتُهَا بِوَضْعِ الْغُلَامِ ثُمَّ لَا يَقَعُ شَيْءٌ اٰخَرُ بِهٖ لِمَا ذَكَرْنَا أَنَّهٗ حَالُ انْقِضَاءِ الْعِدَّةِ. فَإِذًا فِيْ حَالٍ تَقَعُ وَاحِدَةٌ وَّفِيْ حَالٍ تَقَعُ ثِنْتَانِ فَلَا تَقَعُ الثَّانِيَةُ بِالشَّكِّ وَالِاحْتِمَالِ. وَالْأَوْلٰى أَنْ يُّؤْخَذَ بِالثِّنْتَيْنِ تَنَزُّهًا وَّاحْتِيَاطًا. وَالْعِدَّةُ مُنْقَضِيَةٌ بِيَقِيْنٍ لِمَا بَيَّنَّا.

ترجمہ: [جس شخص نے اپنی بیوی سے کہا: "اگر تیرے ہاں بچہ پیدا ہو تو تجھے ایک طلاق ہے اور اگر لڑکی پیدا ہو تو دو طلاقیں ہیں" اب اس کے ہاں لڑکا اور لڑکی دونوں پیدا ہوئے اور یہ معلوم نہیں کہ ان میں سے پہلے کس کی پیدائش ہوئی تو بطور قضاء ایک طلاق لازم ہوگی اور بطور احتیاط دو طلاقیں ہوں گی اور جب (دوسرا) بچہ پیدا ہو گیا تو عدت ختم ہو جائے گی]۔

کیونکہ اگر لڑکا پہلے پیدا ہو تو ایک طلاق ہوگی اور عدت لڑکی کے پیدا ہونے پر ختم ہوگی پھر دوسری طلاق واقع نہیں ہو گی کیونکہ یہ عدت ختم ہونے کی حالت ہے۔

اور اگر لڑکی پہلے پیدا ہو تو دو طلاقیں ہوں گی اور لڑکے کے پیدا ہونے کے ساتھ ہی عدت ختم ہو جائے گی پھر اس کی وجہ سے کچھ بھی واقع نہیں ہوگا —— جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے کہ یہ عدت تم ہونے کی حالت ہے تو اب ایک حالت میں ایک طلاق واقع ہوگی اور ایک حالت میں دو طلاقیں ہوں گی لہٰذا شک اور احتمال کی وجہ سے دوسری طلاق واقع نہیں ہوگی۔

اور بہتر یہ ہے کہ تقویٰ اور احتیاط کے طور پر دونوں طلاقوں کا قول کیا جائے اور عدت یقینی طور پر ختم ہو جائے گی جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔

توضیح: جب کوئی شخص اپنی بیوی کی طلاق کو بچے کی ولادت سے اس طرح مشروط کرے کہ اگر لڑکا ہو تو ایک طلاق اور لڑکی ہو تو دو طلاقیں ہوں گی۔ اب اس کے ہاں لڑکا اور لڑکی دونوں پیدا ہوں اور یہ بات معلوم ہو کہ پہلے کس کی ولادت ہوئی ہے تو اس کے مطابق طلاق واقع ہوگی لیکن جب یہ معلوم نہ ہو کہ پہلے کس کی ولادت ہوئی ہے تو بطور قضاء ایک طلاق ہوگی لیکن احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ دو طلاقیں ہوں۔

چونکہ پہلے بچے کی ولادت سے طلاق ہو گئی لہٰذا دوسرا بچہ عدت کے دوران پیدا ہوا اس لئے اس کی پیدائش پر عدت ختم ہو جائے گی۔

صاحب ہدایہ اس کی دلیل یوں دیتے ہیں کہ اگر لڑکا پہلے پیدا ہو تو ایک طلاق ہوگی اور لڑکی کی پیدائش پر عدت ختم ہو جائے گی پھر کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ جب بچی پیدا ہوئی تو اس وقت عدت ختم ہو گئی (اور وہ اس کی ملک سے نکل گئی)۔

اور اگر لڑکی پہلے پیدا ہو تو دو طلاقیں ہوں گی اور بچے کے پیدا ہونے کے ساتھ ہی عدت ختم ہو جائے گی اور اب مزید طلاق واقع نہیں ہوگی جس طرح پہلے بیان ہوا کہ بچے کی پیدائش پر عدت ختم ہونے کی حالت میں ہوئی اور اب وہ اس کی

بیوی نہیں رہی۔

چونکہ یہ ایک حالت میں ایک اور دوسری حالت میں دو طلاقیں واقع ہوتی ہیں اور یہاں شک اور احتمال ہے کہ پہلے کس کی پیدائش ہوئی لہٰذا شک کی بنیاد پر دوسری طلاق نہیں ہوگی لیکن تقویٰ اور احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ دو طلاقوں کا قول اختیار کیا جائے۔ اور عدت کا ختم ہونا یقینی ہے کیونکہ پہلے بچے کی پیدائش پر طلاق ہوگئی اس کے بعد عدت شروع ہوئی اور وہ دوسرے بچے کے ساتھ حاملہ تھی اور حاملہ کی عدت بچے کی پیدائش پر ختم ہو جاتی ہے لہٰذا دوسرے بچے کی پیدائش پر عدت کا ختم ہونا یقینی ہوا۔

مشروط طلاق کے بعد غیر مشروط طلاق دینا وغیرہ

(٨٩): [وَاِنْ قَالَ لَهَا: اِنْ كَلَّمْتِ اَبَا عَمْرٍو وَاَبَا يُوْسُفَ فَاَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا ثُمَّ طَلَّقَهَا وَاحِدَةً فَبَانَتْ وَانْقَضَتْ عِدَّتُهَا فَكَلَّمَتْ اَبَا عَمْرٍو ثُمَّ تَزَوَّجَهَا فَكَلَّمَتْ اَبَا يُوْسُفَ فَهِيَ طَالِقٌ ثَلَاثًا مَعَ الْوَاحِدَةِ الْاُوْلٰى) وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللّٰهُ: لَا يَقَعُ. وَهٰذِهٖ عَلٰى وُجُوْهٍ: [اَمَّا اِنْ وُجِدَ الشَّرْطَانِ فِي الْمِلْكِ فَيَقَعُ الطَّلَاقُ وَهٰذَا ظَاهِرٌ. اَوْ وُجِدَا فِيْ غَيْرِ الْمِلْكِ فَلَا يَقَعُ. اَوْ وُجِدَ الْاَوَّلُ فِي الْمِلْكِ وَالثَّانِيْ فِيْ غَيْرِ الْمِلْكِ فَلَا يَقَعُ اَيْضًا لِاَنَّ الْجَزَاءَ لَا يَنْزِلُ فِيْ غَيْرِ الْمِلْكِ فَلَا يَقَعُ] اَوْ وُجِدَ الْاَوَّلُ فِيْ غَيْرِ الْمِلْكِ وَالثَّانِيْ فِي الْمِلْكِ وَهِيَ مَسْاَلَةُ الْكِتَابِ الْخِلَافِيَّةُ.

لَهٗ اعْتِبَارُ الْاَوَّلِ بِالثَّانِيْ اِذْ هُمَا فِيْ حُكْمِ الطَّلَاقِ كَشَيْءٍ وَاحِدٍ.

وَلَنَا اَنَّ صِحَّةَ الْكَلَامِ بِاَهْلِيَّةِ الْمُتَكَلِّمِ. اِلَّا اَنَّ الْمِلْكَ يُشْتَرَطُ حَالَةَ التَّعْلِيْقِ لِيَصِيْرَ الْجَزَاءُ غَالِبَ الْوُجُوْدِ لِاسْتِصْحَابِ الْحَالِ فَيَصِحُّ الْيَمِيْنُ وَعِنْدَ تَمَامِ الشَّرْطِ لِيَنْزِلَ الْجَزَاءُ لِاَنَّهٗ لَا يَنْزِلُ اِلَّا فِي الْمِلْكِ. وَفِيْمَا بَيْنَ ذٰلِكَ الْحَالُ حَالُ بَقَاءِ الْيَمِيْنِ فَيُسْتَغْنٰى عَنْ قِيَامِ الْمِلْكِ اِذْ بَقَاؤُهٗ بِمَحَلِّهٖ وَهُوَ الذِّمَّةُ.

ترجمہ: [اور اگر مرد نے عورت سے کہا اگر تو ابو عمرو اور ابو یوسف سے کلام کرے تو تجھے تین طلاقیں ہیں پھر اس نے اسے ایک طلاق دے دی اور وہ بائنہ ہوگئی اور اس کی عدت بھی ختم ہوگئی پھر اس نے ابو عمرو سے گفتگو کی اس کے بعد اس مرد نے اس سے دوبارہ نکاح کر لیا اس کے بعد اس نے ابو یوسف سے کلام کیا تو اسے پہلی طلاق کے ساتھ تین طلاقیں ہو جائیں گی]

حضرت امام زفر علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: طلاق نہیں ہوگی اور اس کی کئی وجوہ ہیں۔

[اگر دونوں شرطیں مِلک کے اندر پائی جائیں تو طلاق واقع ہو جائے گی اور یہ بات ظاہر ہے یا غیر ملک کے اندر پائی جائیں، تو طلاق واقع نہیں ہوگی ——— یا پہلی شرط ملک میں اور دوسری غیر ملک میں پائی جائے تو بھی طلاق واقع نہیں ہوگی

کیونکہ غیر ملک میں جزاء کا نفاذ نہیں ہوتا لہٰذا طلاق نہیں ہوگی]

یا پہلی غیر ملک میں اور دوسری ملک میں واقع ہوا اور یہی کتاب میں مذکور اختلافی مسئلہ ہے۔

حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ پہلی کو دوسری پر قیاس کرتے ہیں کیونکہ دونوں طلاق کے حکم میں ایک چیز کی ہیں اور ہماری دلیل یہ ہے کہ کلام کی صحت متکلم کی اہلیت کے ساتھ ہوتی ہے لیکن تعلیق کی صورت میں ملک شرط ہے تاکہ استصحاب حال کی وجہ سے جزاء کا پایا جانا غالب ہوتا کہ یمین (تعلیق) صحیح ہو اور شرط کے پائے جانے پر جزاء پائی جائے کیونکہ وہ ملک میں ہی پائی جاتی ہے اور اس کے درمیان والی حالت یمین کے بعد والی حالت ہے اس لئے وہ ملک کے قیام سے بے نیاز ہوگی کیونکہ وہ اپنے محل کے ساتھ باقی ہوتی ہے اور وہ (محل) ذمہ ہے۔

توضیح: مندرجہ بالا عبارت میں بیان کردہ مسئلہ اس طرح ہے کہ مرد نے اپنی بیوی کی تین طلاقوں کو دو شرطوں کے ساتھ مشروط کیا اور ان دونوں کو جمع کیا یعنی اگر عورت ابوعمرو اور ابو یوسف دونوں سے بات کرے تو اسے تین طلاقیں ہوں گی۔ اب دونوں شرطیں الگ الگ پائی گئیں اور عورت اس سے پہلے ایک غیر مشروط طلاق کے ساتھ اس سے بائنہ ہوگئی پھر ابوعمرو کے ساتھ کلام کیا پھر دوبارہ اسی سے نکاح کیا اس کے بعد ابو یوسف سے کلام کیا (اب شرط مکمل ہوگئی کیونکہ دونوں سے کلام ہو گیا) تو عورت کو تین طلاقیں ہو جائیں گی یعنی ایک پہلے والی اور تین مشروط میں سے دو طلاقیں ——

حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک طلاق نہیں ہوگی —— اس حالت کو مختلف صورتوں میں تقسیم کیا گیا:

① دونوں شرطیں ملک میں پائی جائیں یعنی عورت اس کے نکاح میں ہو اور وہ ابوعمرو اور ابو یوسف دونوں سے گفتگو کرے تو تینوں طلاقیں ہو جائیں گی یہ بات واضح ہے کیونکہ دونوں شرائط اس وقت پائی گئیں جب وہ اس کی ملک میں تھی۔

② دونوں شرائط اس وقت پائی گئیں جب وہ اس کی ملک میں نہیں تھی یعنی غیر مشروط طلاق کے بعد عدت گزرنے پر بائنہ ہوگئی تو اس صورت میں مشروط طلاقیں واقع نہیں ہوں گی کیونکہ شرائط پائے جانے کے وقت وہ اس کی ملک میں نہیں تھی۔

③ پہلی شرط (ابوعمرو سے کلام) ملک میں اور دوسری شرط ابو یوسف سے کلام غیر ملک میں پائی گئی تو بھی کوئی طلاق نہیں ہو گی کیونکہ جزاء غیر ملک میں واقع نہیں ہوئی اور جب شرط مکمل ہوئی تو وہ اس کی ملک میں نہیں تھی۔

④ پہلی شرط غیر ملک میں پائی گئی اور دوسری ملک میں پائی گئی یعنی جب ابوعمرو سے کلام کیا تو اس وقت وہ اس کے نکاح سے نکل چکی تھی اور جب ابو یوسف سے کلام کیا تو وہ دوبارہ اس کے نکاح میں آچکی تھی، اس صورت میں اختلاف ہے۔ ہمارے نزدیک پہلی طلاق ملا کر کل تین طلاقیں ہوں گی اور حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کوئی طلاق نہیں ہوگی۔

حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل

آپ فرماتے ہیں: چونکہ طلاق کے حکم میں دونوں شرائط ایک ہی حکم میں ہیں وہ پہلی طلاق کو دوسری پر قیاس کرتے ہیں۔

ہماری دلیل

کلام کا صحیح ہونا متکلم کی اہلیت کی بنیاد پر ہوتا ہے یعنی اگر متکلم کلام کا اہل ہے تو کلام درست ہوگا لیکن تعلیق کے وقت (عورت کا مرد کی) ملک میں ہونا شرط ہے تا کہ جزاء کا وجود غالب ہو کیونکہ اصل حالت یہی ہے پس یمین (تعلیق) صحیح ہوگی۔
اور شرط کے مکمل ہوتے وقت بھی ملک میں ہونا ضروری ہے تا کہ اس کی جزاء واقع ہو سکے کیونکہ جزاء ملک کے بغیر واقع نہیں ہوتی اور دونوں کے درمیان والی حالت یمین کے باقی رہنے والی حالت ہے اس لئے اس وقت ملک کے قیام کی حاجت نہیں کیونکہ وہ اپنے محل کے ساتھ باقی ہے اور وہ ذمہ ہے یعنی قسم اٹھانے والے کے ذمہ میں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ تین اوقات ہیں:

① تعلیق یعنی طلاق کو شرط کے ساتھ مشروط کرنے کا وقت، اور اس وقت عورت کا مرد کی ملک (یعنی نکاح میں ہونا) ضروری ہے اور جب مرد نے یہ شرط ذکر کی تو وہ اس کے نکاح میں تھی طلاق بعد میں دی۔
② جب شرط مکمل طور پر پائی جائے اس وقت بھی ملک میں ہونا ضروری ہے تا کہ اس پر جزاء مرتب ہو سکے اور یہاں یہی صورت پائی گئی کیونکہ ابو یوسف سے کلام پر شرط مکمل ہوگئی اور اس سے کلام کے وقت بھی وہ اس کے نکاح میں تھی۔
③ درمیان والے وقت یعنی تعلیق کے بعد اور جزاء سے پہلے ملک میں ہونا ضروری نہیں۔

لہٰذا جن دو وقتوں میں ملک میں ہونا ضروری تھا ان میں وہ ملک میں تھی اس لئے تین طلاقیں واقع ہو گئیں۔

نوٹ:

① استصحاب اصل حالت کو کہتے ہیں۔
② پہلی طلاق جو کسی شرط کے بغیر دی وہ اس لئے شمار کی گئی کہ عورت کسی دوسرے خاوند کے نکاح میں نہیں گئی لہٰذا دوسرے نکاح کو پہلی ملک کا تسلسل قرار دیا جائے گا۔

مشروط طلاق کے بعد طلاق دینا اور حلالہ کے بعد دوبارہ نکاح کرنا

(۹۰): [وَاِنْ قَالَ لَهَا: اِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَاَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا فَطَلَّقَهَا ثِنْتَيْنِ وَتَزَوَّجَتْ زَوْجًا اٰخَرَ وَدَخَلَ بِهَا ثُمَّ عَادَتْ اِلَى الْاَوَّلِ فَدَخَلَتْ الدَّارَ طَلُقَتْ ثَلَاثًا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَاَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى. وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلَيْهِ: هِيَ طَالِقٌ مَا بَقِيَ مِنَ الطَّلَاقِ]
وَهُوَ قَوْلُ زُفَرَ رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلَيْهِ. وَاَصْلُهُ اَنَّ الزَّوْجَ الثَّانِيَ يَهْدِمُ مَا دُوْنَ الثَّلَاثِ عِنْدَهُمَا فَتَعُوْدُ اِلَيْهِ بِالثَّلَاثِ.
وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ وَزُفَرَ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى لَا يَهْدِمُ مَا دُوْنَ الثَّلَاثِ فَتَعُوْدُ اِلَيْهِ بِمَا بَقِيَ.

وَسَنُبَيِّنُ مِنْ بَعْدُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى [وَاِنْ قَالَ لَهَا: اِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَاَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا ثُمَّ قَالَ لَهَا: اَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا فَتَزَوَّجَتْ غَيْرَهُ وَدَخَلَ بِهَا ثُمَّ رَجَعَتْ اِلَى الْاَوَّلِ فَدَخَلَتِ الدَّارَ لَمْ يَقَعْ شَيْءٌ] وَقَالَ زُفَرُ رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلَيْهِ: يَقَعُ الثَّلَاثُ لِاَنَّ الْجَزَائَ ثَلَاثٌ مُطْلَقٌ لِاِطْلَاقِ اللَّفْظِ، وَقَدْ بَقِيَ حَتّٰى وُقُوْعِهَا فَتَبْقَى الْيَمِيْنُ.

وَلَنَا اَنَّ الْجَزَائَ طَلَقَاتُ هٰذَا الْمِلْكِ لِاَنَّهَا هِيَ الْمَانِعَةُ لِاَنَّ الظَّاهِرَ عَدَمُ مَا يَحْدُثُ وَالْيَمِيْنُ تُعْقَدُ لِلْمَنْعِ اَوِ الْحَمْلِ، وَاِذَا كَانَ الْجَزَاءُ مَا ذَكَرْنَاهُ وَقَدْ فَاتَ بِتَنْجِيزِ الثَّلَاثِ الْمُبْطِلِ لِلْمَحَلِّيَّةِ فَلَا تَبْقَى الْيَمِيْنُ، بِخِلَافِ مَا اِذَا اَبَانَهَا لِاَنَّ الْجَزَائَ بَاقٍ لِبَقَاءِ مَحَلِّهِ

ترجمہ: [اور اگر مرد نے اپنی بیوی سے کہا اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے تین طلاقیں ہیں پھر اس نے دو طلاقیں دے دیں اور عورت نے (عدت کے بعد) دوسرے شخص سے نکاح کر لیا اور اس نے ہمبستری بھی کی پھر وہ عورت پہلے خاوند کی طرف لوٹ آئی اور گھر میں داخل ہوئی تو حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک اسے تین طلاقیں ہو جائیں گی۔ اور حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اسے صرف وہی (ایک) طلاق ہو گی جو باقی ہے]

اور حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔ اس کی اصل یہ ہے کہ شیخین کے نزدیک دوسرے خاوند سے نکاح، (پہلے دی گئی) دو طلاقوں کو ختم کر دیتا ہے لہٰذا وہ (دوبارہ) تین طلاقوں کے ساتھ واپس آئے گی

اور حضرت امام محمد اور حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک (دوسرا نکاح) تین سے کم طلاقوں کو ختم نہیں کرتا لہٰذا وہ باقی طلاقوں کے ساتھ واپس آئے گی اور ہم عنقریب اس مسئلہ کو وضاحت کے ساتھ بیان کریں گے۔

[اور اگر اس نے کہا: ''اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے تین طلاقیں ہیں'' پھر کہا: ''تجھے تین طلاقیں ہیں'' اس کے بعد عورت نے دوسرے خاوند سے نکاح کیا اور اس نے جماع بھی کیا۔ پھر یہ عورت پہلے خاوند کی طرف لوٹ آئی اور گھر میں داخل ہوئی تو کوئی طلاق واقع نہیں ہو گی]

حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: تین طلاقیں واقع ہوں گی کیونکہ جزاء مطلق تین طلاقیں ہیں اس لئے کہ لفظ مطلق ہے اور وہ وقوع تک باقی ہیں لہٰذا یمین بھی باقی ہے۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ طلاقیں اس (پہلی) ملک سے متعلق ہیں کیونکہ یہی رکاوٹ ہے کیونکہ ظاہر اس بات کا عدم ہے جو بعد میں پیدا ہو گی اور یمین رکاوٹ کے لئے یا ترغیب کے لئے ہوتی ہے اور جب جزاء وہ ہے جو ہم نے ذکر کی اور وہ فوری (غیر مشروط) تین طلاقوں کی وجہ سے ختم ہو گئی کیونکہ ان کی وجہ سے عورت محل نہ رہی لہٰذا تعلیق بھی باقی نہ رہی۔

بخلاف اس کے جب طلاق بائن دے کیونکہ محل کے باقی رہنے سے جزاء باقی رہے گی۔

توضیح: مندرجہ بالا عبارت میں جن مسائل کا ذکر ہے ان کو سمجھنے سے پہلے دو باتیں جاننا ضروری ہے:

ضابطہ:

پہلی بات: عورت جب تک مرد کے نکاح میں ہو تو یہ ملک ہے اور جب نکاح سے نکل جائے تو یہ غیر ملک ہے۔
دوسری بات: اگر ایک یا دو طلاقیں دیں پھر عورت نے دوسری جگہ نکاح نہیں کیا بلکہ اسی خاوند نے دوبارہ نکاح کیا تو یہ پہلے نکاح اور پہلی ملک کا تسلسل ہے لہٰذا یہ طلاقیں شمار ہوں گی۔
اور اگر دوسرے خاوند سے نکاح کیا پھر طلاق کے بعد پہلے خاوند سے نکاح کیا تو یہ نئی ملک ہے اس لئے پہلی ایک یا دو طلاقیں شمار نہیں ہوں گی اور نئے سرے سے تین طلاقوں کی ملکیت حاصل ہوگی۔
اس ضابطہ کو سمجھنے کے بعد اب زیر بحث مسئلہ کو سمجھا جائے:

مسئلہ نمبر ا:

مرد نے اپنی بیوی سے کہا: "اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے تین طلاقیں ہیں" پھر غیر مشروط دو طلاقیں دے دیں اور عورت نے دوسری جگہ نکاح کر لیا اس نے جماع کے بعد طلاق دی اور (عدت گزارنے کے بعد) اس عورت کا پہلے خاوند سے نکاح ہو گیا—— اب وہ گھر میں داخل ہوئی تو (شرط پائے جانے کی وجہ سے) حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک تین طلاقیں ہو جائیں گی۔
جبکہ حضرت امام محمد اور امام زفر رحمہما اللہ کے نزدیک اسے باقی ایک طلاق ہوگی۔

اس مسئلہ میں وجہ اختلاف

حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک دوسرے خاوند سے نکاح کی وجہ سے پہلے سے دی گئی دو طلاقیں کالعدم ہو گئیں لہٰذا وہ دوبارہ تین طلاقوں کے ساتھ اس کے نکاح میں آئی ہے۔
لیکن حضرت امام محمد اور حضرت امام زفر رحمہما اللہ کے نزدیک تین سے کم طلاقیں دوسرے خاوند کی وجہ سے کالعدم نہیں ہوتیں لہٰذا وہ باقی ایک طلاق کے ساتھ دوبارہ اس کے نکاح میں آئی ہے اور شرط پائے جانے سے پہلی دو اور نئی ایک مل کر تین ہوں گی۔

مسئلہ نمبر ۲:

اگر خاوند نے کہا: "اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے تین طلاقیں ہیں۔"
پھر اس نے تین طلاقیں دے دیں اس کے بعد عورت نے دوسری جگہ نکاح کیا اور اس نے جماع کے بعد طلاق دے دی عدت گزرنے کے بعد عورت نے پہلے خاوند سے دوبارہ نکاح کیا (اور وہ گھر میں داخل ہو تو کوئی طلاق نہیں ہوگی (یہ تینوں ائمہ کا مؤقف ہے)

امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ودلیل

جبکہ حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی کیونکہ اس نے مطلق لفظ بولا ہے (یعنی پہلے

یا دوسرے نکاح کا ذکر نہیں) لہٰذا جزاء بھی مطلق تین طلاقیں ہیں (چاہے جزاء پہلے نکاح میں پائی جائے یا دوسرے نکاح میں) اور جب تک شرط نہ پائی گئی جزاء بھی باقی ہوگی اور اس طرح تعلیق بھی باقی ہوگی اور چونکہ اب دوبارہ نکاح کے بعد شرط پائی گئی لہٰذا جزاء بھی اب مرتب ہوگی۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل

جزاء اس پہلی ملک کی تین طلاقیں ہیں کیونکہ یہی رکاوٹ ہیں کیونکہ شرط کا مقصد روکنا ہے تاکہ وہ اس گھر میں داخل نہ ہو کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ جو چیز بعد میں پیدا ہوگی ابھی وہ معدوم ہے یعنی ابھی تین طلاقیں نہیں ہیں اور تعلیق کا مقصد یہی ہے کہ اسے گھر میں داخل ہونے سے روکا جائے تو وہ طلاقوں کے ڈر سے داخل نہیں ہوگی یا اسے اس عمل کی ترغیب دی گئی کہ وہ داخل ہو اور اسے تین طلاقیں ہو جائیں۔

لہٰذا جب تین فوری غیر مشروط (تنجیز) طلاقیں دے دیں تو چونکہ وہ محل طلاق نہ رہی لہٰذا یمین باقی نہ رہی ——

بخلاف کے لفظ سے ایک سوال کا جواب دیا جا رہا ہے وہ یہ کہ اگر عورت کو ایک یا دو طلاقیں دیں پھر نکاح کیا اور شرط پائی گئی تو جزاء مرتب ہوگی۔ یہاں ایسا کیوں نہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ وہاں طلاق بائن کی وجہ سے ملک باقی تھی کیونکہ اس سے حلالہ کے بغیر نکاح کر سکتا تھا۔ یہاں طلاق مغلظہ کی وجہ سے پہلی ملک اور اس سے متعلق حکم ختم ہو گیا۔

طلاق کو صحبت کے ساتھ مشروط کرنا

(۹۱): [وَلَوْ قَالَ لِامْرَأَتِهِ: إِذَا جَامَعْتُكِ فَأَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا فَجَامَعَهَا فَلَمَّا الْتَقَى الْخِتَانَانِ طَلُقَتْ ثَلَاثًا، وَإِنْ لَبِثَ سَاعَةً لَمْ يَجِبْ عَلَيْهِ الْمَهْرُ. وَإِنْ أَخْرَجَهُ ثُمَّ أَدْخَلَهُ وَجَبَ عَلَيْهِ الْمَهْرُ] وَكَذَا إِذَا قَالَ لِأَمَتِهِ: إِذَا جَامَعْتُكِ فَأَنْتِ حُرَّةٌ [وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهِ تَعَالَى عَلَيْهِ أَنَّهُ أَوْجَبَ الْمَهْرَ فِي الْفَصْلِ الْأَوَّلِ أَيْضًا لِوُجُودِ الْجِمَاعِ بِالدَّوَامِ عَلَيْهِ إِلَّا أَنَّهُ لَا يَجِبُ عَلَيْهِ الْحَدُّ لِلِاتِّحَادِ] وَجْهُ الظَّاهِرِ أَنَّ الْجِمَاعَ إِدْخَالُ الْفَرْجِ فِي الْفَرْجِ وَلَا دَوَامَ لِلْإِدْخَالِ. بِخِلَافِ مَا إِذَا أَخْرَجَ ثُمَّ أَوْلَجَ لِأَنَّهُ وُجِدَ الْإِدْخَالُ بَعْدَ الطَّلَاقِ إِلَّا أَنَّ الْحَدَّ لَا يَجِبُ بِشُبْهَةِ الِاتِّحَادِ بِالنَّظَرِ إِلَى الْمَجْلِسِ وَالْمَقْصُودِ وَإِذَا لَمْ يَجِبِ الْحَدُّ وَجَبَ الْعُقْرُ إِذِ الْوَطْئُ لَا يَخْلُو عَنْ أَحَدِهِمَا. وَلَوْ كَانَ الطَّلَاقُ رَجْعِيًّا يَصِيرُ مُرَاجِعًا بِاللَّبَاثِ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللهُ لِوُجُودِ الْمَسَاسِ. وَلَوْ نَزَعَ ثُمَّ أَوْلَجَ صَارَ مُرَاجِعًا بِالْإِجْمَاعِ لِوُجُودِ الْجِمَاعِ. وَاللهُ تَعَالَى أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

ترجمہ: [اور اگر اپنی بیوی سے کہا ــــ ''جب میں تم سے جماع کروں تو تجھے تین طلاقیں ہیں'' پھر اس سے جماع کیا پس جب دونوں شرمگاہیں مل گئیں تو اسے تین طلاقیں ہو جائیں گی۔ اور اگر کچھ دیر (اسی حالت میں) ٹھہرا رہا تو اس پر مہر واجب نہیں ہوگا اور اگر عضو مخصوص کو نکالا پھر داخل کیا تو اس پر مہر واجب ہو جائے گا]

اور اسی طرح جب اپنی لونڈی سے کہا کہ ''جب میں تجھ سے جماع کروں تو تو آزاد ہے'' (یہی حکم ہوگا)

[اور حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ پہلی صورت میں بھی مہر واجب ہو] گا کیونکہ (جماع کا) دوام پایا گیا لیکن اتحاد کی وجہ سے حد واجب نہیں ہوگی) ظاہر الروایۃ کی وجہ یہ ہے کہ جماع، فرج کو فرج میں داخل کرنے کا نام ہے اور داخل کرنے میں دوام نہیں ہوتا بخلاف اس کے جب وہ نکالے پھر داخل کرے کیونکہ طلاق کے بعد داخل کرنا پایا گیا مگر یہ کہ شبہ اتحاد کی وجہ سے حد واجب نہیں ہوگی مجلس اور مقصود کے پیش نظر (اتحاد ہے)

اور جب حد واجب نہ ہوئی تو مہر واجب ہوگا کیونکہ وطی ان دو میں سے کسی ایک سے خالی نہیں ہوتی۔

اور اگر طلاق رجعی ہو تو جماع میں ٹھہرنے کی وجہ سے رجوع ہوگا یہ حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے اور حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا اس میں اختلاف ہے کیونکہ مساس (چھونا) موجود ہے۔

اور اگر آلۂ تناسل نکال کر دوبارہ داخل کیا تو بالاجماع وہ رجوع کرنے والا ہوگا کیونکہ جماع پایا گیا اور اللہ تعالیٰ بہتر بات کو خوب جانتا ہے۔

توضیح: اگر مرد نے اپنی بیوی کی طلاق کو اس سے جماع کے ساتھ مشروط کیا اور کہا: ''اگر میں تجھ سے جماع کروں تو تجھے تین طلاقیں ہیں'' تو یہاں تین باتیں ہیں:

① طلاق کا وقوع، ② مہر کا وجوب، ③ حد کا نفاذ

پہلا مسئلہ:

اگر اس نے جماع کیا اور دونوں کی شرمگاہیں مل گئیں تو تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی کیونکہ شرط پائی گئی۔

اگر کچھ دیر اسی حالت میں رہا تو مہر واجب نہیں ہوگا (کیونکہ یہ نیا جماع نہیں بلکہ پہلے جماع کا تسلسل ہے)

دوسرا مسئلہ:

اگر عضو مخصوص کو نکالا اور پھر داخل کیا تو اس پر مہر واجب ہوگا (کیونکہ یہ نئے سرے سے جماع ہے اور وہ تین طلاقوں کی وجہ سے اس پر حرام ہو گئی تھی)۔

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پہلی صورت میں بھی (یعنی جب آلۂ تناسل نکال کر دوبارہ داخل نہیں کیا) مہر واجب ہوگا۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل

وہ فرماتے ہیں: جب پہلے جماع کو دوام حاصل ہوا تو مہر واجب ہوگا (کیونکہ یہ نئے سرے سے جماع کی طرح ہے)

ظاہر الروایت کی وجہ

ظاہر الروایت کے مطابق پہلی صورت میں مہر واجب نہیں ہوگا کیونکہ جماع کا مفہوم یہ ہے کہ شرمگاہ کو شرمگاہ میں داخل کیا جائے اور جب ایک مرتبہ داخل کرنے کے بعد اسی حالت میں رہے جسے دوام کہا گیا، تو یہ جماع نہیں کیونکہ شرمگاہ میں شرمگاہ کو دوبارہ داخل نہیں کیا گیا۔

جبکہ نکالنے کے بعد دوبارہ داخل کرنے کی صورت میں طلاق کے بعد جماع ہوا لہٰذا اس صورت میں مہر واجب ہوگا۔

تیسرا مسئلہ:

جب تین طلاقیں واقع ہوگئیں تو وہ عورت اس مرد پر حرام ہوگئی لہٰذا دوبارہ جماع کی صورت میں زنا ہوگا اس لئے اس پر حد واجب ہونی چاہئے۔ لیکن حد واجب نہیں ہوگی کیونکہ (پہلے جماع اور دوسرے جماع کی) مجلس اور مقصود ایک ہونے کی وجہ سے دونوں بار کے جماع کے متحد ہونے کا شبہ پیدا ہوگیا اور شبہات کی وجہ سے حدود ساقط ہوجاتی ہیں۔

مہر کا وجوب کیوں ہوگا

جب ناجائز وطی پائی جائے تو حد اور مہر دونوں میں سے کوئی ایک واجب ہوجاتا ہے جس طرح وطی بالشبہ میں مہر واجب ہوتا ہے اور چونکہ یہاں شبہ کی وجہ سے حد ساقط ہوگئی لہٰذا مہر واجب ہوجائے گا۔

طلاق رجعی کو جماع سے مشروط کرنا

اگر مرد نے تین طلاقوں کی بجائے رجعی طلاق کو جماع سے مشروط کیا تو حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جماع کے بعد ٹھہرنا رجوع ہوگا کیونکہ آپ کے نزدیک ایک جماع کا دوام دوسرا جماع شمار ہوتا ہے لہٰذا شرمگاہوں کے ملنے سے طلاق رجعی واقع ہوئی اور جب کچھ دیر اسی حالت میں رہا تو یہ دوسرا جماع ہوا لہٰذا اس سے رجوع ثابت ہوگیا۔

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک رجوع نہیں ہوگا کیونکہ یہ مساس ہے یعنی پہلے جماع کا ہی حصہ ہے۔

البتہ آلہ تناسل کو نکالنے کے بعد دوبارہ داخل کیا تو یہ رجوع ہوگا کیونکہ یہ دوبارہ جماع ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

فَصْلٌ فِي الِاسْتِثْنَاءِ

فصل: استثناء کا بیان

طلاق دیتے وقت ان شاء اللہ کہنا

(٩٢): [وَإِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِامْرَأَتِهِ: أَنْتِ طَالِقٌ إِنْ شَاءَ اللهُ تَعَالَى مُتَّصِلًا لَمْ يَقَعْ الطَّلَاقُ] لِقَوْلِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «مَنْ حَلَفَ بِطَلَاقٍ أَوْ عَتَاقٍ وَقَالَ: إِنْ شَاءَ اللهُ تَعَالَى مُتَّصِلًا بِهِ فَلَا حِنْثَ عَلَيْهِ» وَلِأَنَّهُ أَتَى بِصُورَةِ الشَّرْطِ فَيَكُونُ تَعْلِيقًا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَإِنَّهُ إِعْدَامٌ قَبْلَ الشَّرْطِ وَالشَّرْطُ لَا يُعْلَمُ هَاهُنَا فَيَكُونُ إِعْدَامًا مِنَ الْأَصْلِ وَلِهٰذَا يُشْتَرَطُ أَنْ يَكُونَ مُتَّصِلًا بِهِ بِمَنْزِلَةِ سَائِرِ الشُّرُوطِ [وَلَوْ سَكَتَ ثَبَتَ حُكْمُ الْكَلَامِ الْأَوَّلِ] فَيَكُونُ الِاسْتِثْنَاءُ أَوْ ذِكْرُ الشَّرْطِ بَعْدَهُ رُجُوعًا عَنِ الْأَوَّلِ.

ترجمہ: [اور جب مرد نے اپنی بیوی سے کہا: ''تجھے طلاق ہے'' اور اس سے متصل ''ان شاء اللہ'' کہا تو طلاق واقع نہیں ہوگی]۔

کیونکہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ حَلَفَ بِطَلَاقٍ أَوْ عَتَاقٍ وَقَالَ: إِنْ شَاءَ اللهُ تَعَالَى مُتَّصِلًا بِهِ فَلَا حِنْثَ عَلَيْهِ

ترجمہ: جس نے طلاق یا عتاق (آزاد کرنے) کی قسم اٹھائی اور اس سے متصل ان شاء اللہ کہا تو وہ حانث نہیں ہوگا۔[1]

نیز وہ شرط کی صورت میں لایا ہے لہٰذا اس وجہ سے یہ تعلیق ہے اور اسے (جزاء کو) شرط (کے پائے جانے) سے معدوم کرنا ہے اور یہاں شرط کا علم نہیں لہٰذا یہ اصل سے ہی معدوم ہے اسی لئے اس (ان شاء اللہ) کا متصل ہونا شرط ہے جس طرح تمام شروط کا حکم ہے۔

[اور اگر وہ (أَنْتِ طَالِقٌ کہنے کے بعد) خاموش رہا تو پہلے کلام (أَنْتِ طَالِقٌ) کا حکم ثابت ہوجائے گا] پس یہ استثناء ہوگی یا اس کے بعد شرط کا ذکر رجوع ہوگا۔

---

[1] جامع ترمذی، کتاب النذور والایمان، باب ما جاء فی الاستثناء فی الیمین، حدیث: ١٥٣١

توضیح: اگر خاوند اپنی بیوی کو طلاق دیتے ہوئے "ان شاء اللہ" کا جملہ استعمال کرے مثلاً یوں کہے: "تجھے طلاق ہے اگر اللہ نے چاہا" تو اس کی دو صورتیں ہیں:

① ان شاء اللہ کے الفاظ اَنْتِ طَالِقٌ کے ساتھ ملا کر (یعنی متصل) کہے۔

② یہ الفاظ الگ کہے یعنی اَنْتِ طَالِقٌ کہہ کر خاموش ہو جائے اور پھر "ان شاء اللہ" کہے۔

پہلی صورت میں طلاق نہیں ہو گی۔

اس کی دو دلیلیں دی گئی ہیں: ① نقلی دلیل یعنی حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی کہ آپ نے فرمایا:

جو شخص طلاق یا عتاق (غلام کی آزادی) کی قسم کھائے اور اس سے متصل "ان شاء اللہ" کہے تو وہ حانث نہیں ہو گا۔

مثلاً وہ اپنی بیوی سے کہتا ہے "قسم ہے میں تجھے طلاق نہیں دوں گا ان شاء اللہ" پھر طلاق دے دیتا ہے تو طلاق نہیں ہو گی اور اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی، اسی طرح غلام سے کہتا ہے "قسم ہے میں تجھے آزاد نہیں کروں گا ان شاء اللہ" پھر آزاد کر دیتا ہے تو حانث نہیں ہو گا اور اس پر قسم کا کفارہ نہیں آئے گا۔

نقلی دلیل یہ ہے کہ اس نے ان شاء اللہ کہہ کر طلاق کو مشروط کیا اور یہ تعلیق ہے اور تعلیق کی صورت میں شرط کے پائے جانے سے پہلے طلاق نہیں ہوتی اور یہاں شرط کا علم نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے بندہ آگاہ نہیں ہوتا لہٰذا یہ طلاق اصل سے ہی نہیں ہو گی۔ اسی لئے یہ شرط ہے کہ ان شاء اللہ متصل کہا ہو جس طرح باقی شروط کا متصل ہونا شرط ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ان شاء اللہ کے الفاظ منفصل ہوں یعنی اَنْتِ طَالِقٌ کے ساتھ ملے ہوئے نہ ہوں تو اس صورت میں طلاق ہو جائے گی کیونکہ اَنْتِ طَالِقٌ والا حکم ثابت ہو گیا اب کچھ وقفہ کے بعد جب "ان شاء اللہ" کہے تو یہ استثناء ہے اور طلاق جب واقع ہو گئی تو استثناء کا عمل نہیں ہو گا یا یہ شرط پہلے کلام سے رجوع ہے اور طلاق دے کر اس طلاق سے رجوع نہیں ہو سکتا لہٰذا انفصال کی صورت میں طلاق ہو جائے گی۔

استثناء سے پہلے بیوی کا انتقال کر جانا

(۹۳): قَالَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ:

[وَكَذَا اِذَا مَاتَتْ قَبْلَ قَوْلِهِ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى] لِاَنَّ بِالْاِسْتِثْنَاءِ خَرَجَ الْكَلَامُ مِنْ اَنْ يَّكُوْنَ اِيْجَابًا وَالْمَوْتُ يُنَافِي الْمُوْجِبَ دُوْنَ الْمُبْطِلِ، بِخِلَافِ مَا اِذَا مَاتَ الزَّوْجُ لِاَنَّهُ لَمْ يَتَّصِلْ بِهِ الْاِسْتِثْنَاءُ

ترجمہ: اور فرماتے ہیں [اور اسی طرح جب مرد کے ان شاء اللہ کہنے سے پہلے عورت فوت ہو جائے] کیونکہ استثناء کی وجہ سے کلام، ایجاب ہونے سے خارج ہو گیا اور موت مُوْجِبْ (واجب کرنے والی بات) کے منافی ہے

مُبْطِلُ (باطل کرنے والی بات) کے منافی نہیں بخلاف اس کے جب خاوند فوت ہو جائے کیونکہ اس کے (کلام کے) ساتھ استثناء کا اتصال نہیں ہوا۔

توضیح: خاوند نے بیوی سے کہا: اَنْتِ طَالِقٌ اور ابھی ان شاء اللہ نہیں کہا تھا تو دونوں میں سے کوئی ایک فوت ہو گیا تو دونوں کا حکم الگ الگ ہے۔

اگر بیوی فوت ہو جائے تو طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ ان شاء اللہ (استثناء) کی وجہ سے مرد کا کلام (اَنْتِ طَالِقٌ) طلاق کو واجب کرنے سے نکل گیا کیونکہ موت ایجاب کے خلاف ہے ابطال کے خلاف نہیں مطلب یہ ہے کہ اگر ان شاء اللہ نہ کہتا تو طلاق ہو جاتی اور ان شاء اللہ کہنے سے استثناء ہو گیا اور طلاق واجب نہیں ہوگی کیونکہ استثناء سے پہلے عورت کے فوت ہونے سے فرق نہیں پڑتا البتہ ان شاء اللہ کہنے سے پہلے مرد فوت ہو جائے تو طلاق ہو جائے گی کیونکہ ان شاء اللہ کے الفاظ اَنْتِ طَالِقٌ کے ساتھ متصل نہیں ہوئے اور مرد کی موت ایجاب کے منافی نہیں بلکہ مبطل کے منافی ہے کیونکہ مبطل (طلاق کو باطل کرنے والی بات) استثناء ہے اور اس سے پہلے خاوند فوت ہو گیا لہٰذا مبطل نہ رہا۔

تین طلاقوں میں سے ایک یا دو طلاقوں کو مستثنیٰ کرنا

(۹۴): [وَاِنْ قَالَ: اَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا اِلَّا وَاحِدَةً طَلُقَتْ ثِنْتَيْنِ، وَاِنْ قَالَ: اَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا اِلَّا ثِنْتَيْنِ طَلُقَتْ وَاحِدَةً] وَالْاَصْلُ اَنَّ الْاِسْتِثْنَاءَ تَكَلُّمٌ بِالْحَاصِلِ بَعْدَ الثُّنْيَا هُوَ الصَّحِيْحُ، وَمَعْنَاهُ اَنَّهُ تَكَلَّمَ بِالْمُسْتَثْنٰى مِنْهُ، اِذْ لَا فَرْقَ بَيْنَ قَوْلِ الْقَائِلِ لِفُلَانٍ عَلَيَّ دِرْهَمٌ وَبَيْنَ قَوْلِهٖ عَشَرَةٌ اِلَّا تِسْعَةً فَيَصِحُّ اسْتِثْنَاءُ الْبَعْضِ مِنَ الْجُمْلَةِ لِاَنَّهُ يَبْقَى التَّكَلُّمُ بِالْبَعْضِ بَعْدَهٗ، وَلَا يَصِحُّ اسْتِثْنَاءُ الْكُلِّ مِنَ الْكُلِّ لِاَنَّهُ لَا يَبْقٰى بَعْدَهٗ شَيْئٌ لِيَصِيْرَ مُتَكَلِّمًا بِهٖ وَصَارِفًا لِلَّفْظِ اِلَيْهِ، وَاِنَّمَا يَصِحُّ الْاِسْتِثْنَاءُ اِذَا كَانَ مَوْصُوْلًا بِهٖ كَمَا ذَكَرْنَا مِنْ قَبْلُ، وَاِذَا ثَبَتَ هٰذَا فَفِي الْفَصْلِ الْاَوَّلِ الْمُسْتَثْنٰى مِنْهُ ثِنْتَانِ فَيَقَعَانِ وَفِي الثَّانِيْ وَاحِدَةٌ، فَتَقَعُ وَاحِدَةٌ وَلَوْ قَالَ: اِلَّا ثَلَاثًا يَقَعُ الثَّلَاثُ لِاَنَّهُ اسْتِثْنَاءُ الْكُلِّ مِنَ الْكُلِّ فَلَمْ يَصِحَّ الْاِسْتِثْنَاءُ، وَاللّٰهُ تَعَالٰى اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

ترجمہ: [اور اگر (مرد نے بیوی سے) کہا: ''تجھے تین طلاقیں ہیں سوائے ایک کے''، تو دو طلاقیں ہوں گی اور اگر کہا: ''تجھے تین طلاقیں ہیں سوائے دو کے'' تو ایک طلاق ہوگی]

کیونکہ اصل (قاعدہ) یہ ہے کہ استثناء کے بعد جو باقی رہتا ہے اس کے ساتھ کلام ہوتا ہے یہی صحیح بات ہے۔

اور اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اس نے ''مستثنیٰ منہ'' کے ساتھ کلام کیا۔

کیونکہ اس بات میں کوئی فرق نہیں کہ کوئی کہنے والا کہے: ''فلاں کا میرے ذمہ ایک درہم ہے'' یا کہے کہ ''فلاں کے

12

میرے ذمہ دس درہم ہیں سوائے نو کے'' لہٰذا کل میں سے بعض کا استثناء صحیح ہے کیونکہ کلام ان بعض کے ساتھ ہوتا ہے جو (استثناء کے) بعد باقی ہوتے ہیں۔

(لیکن) کل کا کل سے استثناء صحیح نہیں کیونکہ اس کے بعد کچھ بھی باقی نہیں رہتا کہ متکلم اس کے ساتھ کلام کرنے والا ہو اور لفظ کو اس کی طرف پھیرنے والا ہو۔

اور استثناء اس وقت صحیح ہوتی ہے جب (ماقبل کے ساتھ) متصل ہو جس طرح ہم نے پہلے ذکر کیا ہے—— پس جب یہ بات ثابت ہو گئی اور پہلی صورت میں مستثنیٰ منہ دو طلاقیں ہیں تو وہ دونوں واقع ہوں گی اور دوسری صورت میں مستثنیٰ منہ ایک طلاق ہے تو ایک واقع ہو گی۔

اور اگر وہ کہتا ''تجھے تین طلاقیں ہیں سوائے تین کے'' تو تین واقع ہوئیں کیونکہ یہ کل سے کل کا استثناء ہے پس استثناء درست نہیں اور اللہ تعالیٰ بہتر بات کو خوب جانتا ہے۔

توضیح: کل میں سے بعض کو حکم سے خارج کرنا استثنٰی ہے جس سے نکالیں وہ مستثنیٰ منہ اور جسے نکالا وہ مستثنیٰ ہے۔

لہٰذا جب کلام میں استثناء ہو تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ متکلم نے صرف مستثنیٰ منہ کے ساتھ کلام کیا ہے۔

مثلاً کوئی شخص کہے: ''فلاں کے میرے ذمہ دس درہم ہیں سوائے نو کے'' تو اس کا مطلب ہے ''فلاں کا میرے ذمہ ایک درہم ہے۔''

یعنی اس نے یوں کہا کہ فلاں کا میرے ذمہ ایک درہم ہے لہٰذا جب مرد کہے کہ ''تجھے تین طلاقیں ہیں سوائے ایک کے'' تو گویا اس نے کہا تجھے دو طلاقیں ہیں اور اگر کہا: ''تجھے تین طلاقیں ہیں سوائے دو کے'' تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تجھے ایک طلاق ہے لہٰذا کل میں سے بعض کی استثناء صحیح ہے کیونکہ متکلم باقی کے ساتھ کلام کر رہا ہے۔

لہٰذا کل کا کل سے استثناء درست نہیں کیونکہ جب کل کو مستثنیٰ کر دیا تو پیچھے کچھ بھی نہ رہا کہ اس کے ساتھ اس کو متکلم قرار دیا جاتا ہے اور اس کے کلام کو اس کی طرف پھیرا جاتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ استثناء ماقبل کلام کے ساتھ متصل ہو جس طرح گزشتہ مسئلہ میں ذکر کیا گیا۔

لہٰذا اگر وہ اَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا کہہ کر خاموش رہا اور بعد میں تاخیر کے ساتھ الا واحدۃ وغیرہ کہا تو تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور استثناء باطل ہو جائے گا۔

اسی طرح جب کل کا کل سے استثناء کیا تو استثناء باطل ہو جائے گی اور تینوں طلاق واقع ہو جائیں گی۔

12/12

بَابُ طَلَاقِ الْمَرِيْضِ
باب: مریض کی طلاق

مرض موت کی حالت میں بیوی کو طلاق بائن دینا

(۹۵): [وَاِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَاَتَهُ فِیْ مَرَضِ مَوْتِهٖ طَلَاقًا بَائِنًا فَمَاتَ وَهِیَ فِی الْعِدَّةِ وَرِثَتْهُ، وَاِنْ مَاتَ بَعْدَ انْقِضَاءِ الْعِدَّةِ فَلَا مِيْرَاثَ لَهَا] وَقَالَ الشَّافِعِیُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ: لَا تَرِثُ فِی الْوَجْهَيْنِ لِاَنَّ الزَّوْجِيَّةَ قَدْ بَطَلَتْ بِهٰذَا الْعَارِضِ وَهِیَ السَّبَبُ وَلِهٰذَا لَا يَرِثُهَا اِذَا مَاتَتْ.

وَلَنَا اَنَّ الزَّوْجِيَّةَ سَبَبُ اِرْثِهَا فِیْ مَرَضِ مَوْتِهٖ وَالزَّوْجُ قَصَدَ اِبْطَالَهٗ فَيُرَدُّ عَلَيْهِ قَصْدُهٗ بِتَأْخِيْرِ عَمَلِهٖ اِلٰى زَمَانِ انْقِضَاءِ الْعِدَّةِ دَفْعًا لِلضَّرَرِ عَنْهَا، وَقَدْ اَمْكَنَ لِاَنَّ النِّكَاحَ فِی الْعِدَّةِ يَبْقٰى فِیْ حَقِّ بَعْضِ الْاٰثَارِ فَجَازَ اَنْ يَّبْقٰى فِیْ حَقِّ اِرْثِهَا عَنْهُ. بِخِلَافِ مَا بَعْدَ الْاِنْقِضَاءِ لِاَنَّهٗ لَا اِمْكَانَ. وَالزَّوْجِيَّةُ فِیْ هٰذِهِ الْحَالَةِ لَيْسَتْ بِسَبَبٍ لِاِرْثِهٖ عَنْهَا فَتَبْطُلُ فِیْ حَقِّهٖ خُصُوْصًا اِذَا رَضِیَ بِهٖ.

[وَاِنْ طَلَّقَهَا ثَلَاثًا بِاَمْرِهَا اَوْ قَالَ لَهَا اخْتَارِیْ فَاخْتَارَتْ نَفْسَهَا اَوِ اخْتَلَعَتْ مِنْهُ ثُمَّ مَاتَ وَهِیَ فِی الْعِدَّةِ لَمْ تَرِثْهُ] لِاَنَّهَا رَضِيَتْ بِاِبْطَالِ حَقِّهَا وَالتَّأْخِيْرُ لِحَقِّهَا.

وَاِنْ قَالَتْ طَلِّقْنِیْ لِلرَّجْعَةِ فَطَلَّقَهَا ثَلَاثًا وَرِثَتْهُ لِاَنَّ الطَّلَاقَ الرَّجْعِیَّ لَا يُزِيْلُ النِّكَاحَ فَلَمْ تَكُنْ بِسُؤَالِهَا رَاضِيَةً بِبُطْلَانِ حَقِّهَا

ترجمہ: [جب کسی مرد نے مرض موت کی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق بائن دی پھر وہ مرگیا اور وہ عدت میں تھی تو وہ اس کی وارث ہوجائے گی۔ اور اگر وہ اس کی عدت ختم ہونے کے بعد فوت ہوا تو اس کے لئے وراثت نہیں ہوگی]

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: وہ دونوں صورتوں میں وارث نہیں ہوگی کیونکہ اس عارض (یعنی طلاق) کی وجہ سے زوجیت باطل ہوگئی اور یہی (زوجیت وراثت کا) سبب تھی یہی وجہ ہے کہ اگر (اس حالت میں) عورت فوت ہو جائے تو وہ شخص اس کا وارث نہیں ہوگا۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ مرد کی مرض موت میں زوجیت اس عورت کے وارث ہونے کا سبب تھی اور مرد نے اس کو باطل کرنے کا ارادہ کیا لہٰذا اس کے ارادے کو اس کی طرف اس طرح رد کر دیا جائے گا کہ عدت کا وقت ختم ہونے تک اس کے عمل کو مؤخر کیا جائے گا تا کہ عورت کو پہنچنے والے ضرر کو دور کیا جائے اور یہ بات ممکن ہے کیونکہ عدت کے دوران بعض احکام کے حق میں نکاح باقی رہتا ہے تو جائز ہے کہ عورت کے مرد کی وارث بننے کے حق میں بھی باقی رہے۔

بخلاف عدت کے ختم ہونے کے بعد کے کیونکہ اب ممکن نہیں۔ اور اس حالت میں زوجیت عورت کے مرد کی وارث بننے کا سبب نہیں لہٰذا اس (وراثت) کے حق میں زوجیت باطل ہو جائے گی خاص طور پر جب مرد اس پر راضی ہو۔

[اور اگر مرد عورت کے کہنے پر اسے تین طلاقیں دے یا اس سے کہے: "تجھے اختیار ہے" اور وہ اپنے آپ کو اختیار کر لے یا وہ مرد سے خلع کرے پھر مرد فوت ہو جائے اور ابھی وہ عدت گزار رہی ہو تو وہ اس کی وارث نہیں ہوگی]

کیونکہ وہ اپنے حق کو باطل کرنے پر راضی ہوئی اور تاخیر اس کے حق کی وجہ سے ہوئی ہے۔

اور اگر عورت نے کہا: "مجھے طلاق رجعی دے" اور اس نے اسے تین طلاقیں دے دیں تو وہ اس کی وارث ہوگی کیونکہ طلاق رجعی نکاح کو زائل نہیں کرتی پس وہ اس مطالبہ کی وجہ سے اپنے حق کو باطل کرنے پر راضی نہیں ہوگی۔

توضیح: خاوند جب ایسی بیماری کی حالت میں طلاق دے جس میں وہ فوت ہو جائے اور اسے مرض الموت کہتے ہیں تو اس کے احکام عام حالات میں طلاق دینے کے احکام سے الگ اس لئے بیان کئے گئے کہ اس صورت میں عورت کی وراثت کا تعلق طلاق سے قائم ہوتا ہے۔

اس کی تفصیل یوں ہے کہ اس نے مرض الموت کی حالت میں طلاق بائن یا تین طلاقیں دیں۔

اگر طلاق بائن دی تو خاوند اس عورت کی عدت کے دوران فوت ہوا یا عدت ختم ہونے کے بعد؟

اگر عدت کے دوران فوت ہو جائے تو عورت اس کی وراثت کی حق دار ہوگی اور عدت ختم ہونے کے بعد فوت ہوا تو وارث نہیں بنے گی۔

امام شافعی کا اختلاف اور دلیل

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: دونوں صورتوں میں یعنی اس کی عدت کے دوران خاوند فوت ہو یا عدت ختم ہونے کے بعد فوت ہو وہ وارث نہیں بنے گی۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ طلاق کی وجہ سے زوجیت باطل ہو گئی اور وراثت کا سبب یہی زوجیت تھی یعنی وہ بیوی ہونے کی وجہ سے وارث بنتی تھی جب وہ اس کی بیوی نہ رہی تو وارث بھی نہیں ہوگی جس طرح طلاق کے بعد عورت فوت ہو جائے تو مرد اس کا وارث نہیں بنتا۔

ہماری دلیل:

جب وہ شخص مرض الموت میں مبتلا تھا تو وہ اس کی بیوی ہونے کی وجہ سے اس کی وارث تھی اور خاوند نے قصداً اس

زوجیت کو باطل کیا (تاکہ وہ وارث نہ بن سکے حالانکہ ایسی حالت میں مرد کو عورت کی زیادہ حاجت ہوتی ہے) لہٰذا اس کے اس غلط ارادے کو یوں رد کیا جائے گا کہ طلاق کے عمل یعنی زوجیت کے انقطاع کو عدت کے ختم ہونے تک مؤخر کیا جائے گا تاکہ عورت کی وراثت سے محرومی کے نقصان کو دور کیا جا سکے۔

سوال: طلاق بائن میں عورت اور مرد کے درمیان فوری جدائی ہو جاتی ہے تو عدت کے ختم ہونے تک زوجیت کیسے باقی رہ سکتی ہے؟

جواب: یہ ممکن ہے کیونکہ بعض آثار (احکام) کے سلسلے میں نکاح حکمی طور پر باقی رہتا ہے جیسے وہ عدت کے دوران کسی اور سے شادی نہیں کر سکتی، مرد اس دوران اس کی بہن سے نکاح نہیں کر سکتا ورنہ دو بہنوں کا ایک نکاح میں ہونا لازم آئے گا اگر اس کی چار بیویاں ہوں تو اس دوران کسی اور عورت سے نکاح نہیں کر سکتا ورنہ بیک وقت پانچ عورتوں سے نکاح لازم آئے گا تو جس طرح عدت کے دوران یہ احکام باقی ہوتے ہیں وراثت کے حق میں زوجیت بھی حکماً باقی ہوگی۔

لیکن عدت ختم ہونے کے بعد زوجیت کا سلسلہ بالکل ختم ہو جاتا ہے اس لئے اس صورت میں وہ وارث نہیں ہوگی۔

خاوند وارث کیوں نہیں بنتا

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مؤقف پر یہ دلیل بھی پیش کی کہ اگر عورت عدت کے دوران فوت ہو جائے تو مرد اس کا وارث نہیں بنتا لہٰذا عورت بھی وارث نہیں ہونی چاہئے۔

اس کا جواب یوں دیا کہ اس حالت میں زوجیت مرد کے عورت کا وارث بننے کا سبب نہیں بنتی لہٰذا اس کا حق وراثت باطل ہو جائے گا بالخصوص جب وہ خود (طلاق دینے کے ذریعے) اس پر راضی ہو گیا۔

عورت کے مطالبہ پر تین طلاقیں دینا

اگر اس حالت یعنی مرض الموت میں عورت نے تین طلاقوں کا مطالبہ کیا یا مرد نے عورت کو اختیار دیا اور اس نے اپنے نفس کو اختیار کیا یا عورت نے مرد سے خلع کیا پھر وہ مر گیا جبکہ عورت عدت گزار رہی تھی تو وہ اس کی وارث نہیں ہوگی کیونکہ وہ اپنے حق کو باطل کرنے پر راضی ہوگئی اور عدت کے ختم ہونے تک جو تاخیر اختیار کی گئی تھی وہ عورت کے حق کی وجہ سے تھی۔

عورت کی مرضی کے خلاف طلاق

اگر مرد کی مرض الموت میں عورت نے طلاق رجعی کا مطالبہ کیا اور مرد نے تین طلاقیں دے دیں پھر وہ مر گیا تو وہ وارث ہوگی کیونکہ طلاق رجعی کی صورت میں (عدت کے دوران) نکاح زائل نہیں ہوتا اور عورت نے جب طلاق رجعی کا مطالبہ کیا تو وہ اپنے حق کو باطل کرنے پر راضی نہیں ہوئی۔

طلاق کے اقرار کے بعد قرض کا اقرار کرنا یا وصیت کرنا

(۹۶): [وَاِنْ قَالَ لَهَا فِيْ مَرَضِ مَوْتِهٖ كُنْتُ طَلَّقْتُكِ ثَلَاثًا فِيْ صِحَّتِيْ وَانْقَضَتْ عِدَّتُكِ فَصَدَّقَتْهُ، ثُمَّ اَقَرَّ لَهَا بِدَيْنٍ اَوْ اَوْصٰى لَهَا بِوَصِيَّةٍ فَلَهَا الْاَقَلُّ مِنْ ذٰلِكَ وَمِنَ الْمِيْرَاثِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ. وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ: يَجُوْزُ اِقْرَارُهٗ وَوَصِيَّتُهٗ.

وَاِنْ طَلَّقَهَا ثَلَاثًا فِيْ مَرَضِهٖ بِاَمْرِهَا ثُمَّ اَقَرَّ لَهَا بِدَيْنٍ اَوْ اَوْصٰى لَهَا بِوَصِيَّةٍ فَلَهَا الْاَقَلُّ مِنْ ذٰلِكَ وَمِنَ الْمِيْرَاثِ فِيْ قَوْلِهِمْ جَمِيْعًا] اِلَّا عَلٰى قَوْلِ زُفَرَ رَحِمَهُ اللّٰهُ فَاِنَّ لَهَا جَمِيْعَ مَا اَوْصٰى وَمَا اَقَرَّ بِهٖ، لِاَنَّ الْمِيْرَاثَ لَمَّا بَطَلَ بِسُؤَالِهَا زَالَ الْمَانِعُ مِنْ صِحَّةِ الْاِقْرَارِ وَالْوَصِيَّةِ.

وَجْهُ قَوْلِهِمَا فِي الْمَسْاَلَةِ الْاُوْلٰى اَنَّهُمَا لَمَّا تَصَادَقَا عَلَى الطَّلَاقِ وَانْقِضَاءِ الْعِدَّةِ صَارَتْ اَجْنَبِيَّةً عَنْهُ حَتّٰى جَازَ لَهٗ اَنْ يَّتَزَوَّجَ اُخْتَهَا فَانْعَدَمَتِ التُّهْمَةُ؛ اَلَا تَرٰى اَنَّهٗ تُقْبَلُ شَهَادَتُهٗ لَهَا وَيَجُوْزُ وَضْعُ الزَّكَاةِ فِيْهَا. بِخِلَافِ الْمَسْاَلَةِ الثَّانِيَةِ لِاَنَّ الْعِدَّةَ بَاقِيَةٌ وَّهِيَ سَبَبُ التُّهْمَةِ. وَالْحُكْمُ يُدَارُ عَلٰى دَلِيْلِ التُّهْمَةِ وَلِهٰذَا يُدَارُ عَلَى النِّكَاحِ وَالْقَرَابَةِ. وَلَا عِدَّةَ فِي الْمَسْاَلَةِ الْاُوْلٰى وَلِاَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ فِي الْمَسْاَلَتَيْنِ اَنَّ التُّهْمَةَ قَائِمَةٌ لِاَنَّ الْمَرْاَةَ قَدْ تَخْتَارُ الطَّلَاقَ لِيَنْفَتِحَ بَابُ الْاِقْرَارِ وَالْوَصِيَّةِ عَلَيْهَا فَيَزِيْدَ حَقُّهَا. وَالزَّوْجَانِ قَدْ يَتَوَاضَعَانِ عَلَى الْاِقْرَارِ بِالْفُرْقَةِ وَانْقِضَاءِ الْعِدَّةِ لِيَبَرَّهَا الزَّوْجُ بِمَالِهٖ زِيَادَةً عَلٰى مِيْرَاثِهَا وَهٰذِهِ التُّهْمَةُ فِي الزِّيَادَةِ فَرَدَدْنَاهَا. وَلَا تُهْمَةَ فِيْ قَدْرِ الْمِيْرَاثِ فَصَحَّحْنَاهُ. وَلَا مُوَاضَعَةَ عَادَةً فِيْ حَقِّ الزَّكَاةِ وَالتَّزَوُّجِ وَالشَّهَادَةِ. فَلَا تُهْمَةَ فِيْ حَقِّ هٰذِهِ الْاَحْكَامِ

ترجمہ: [اور اگر مرد نے اپنی مرض الموت میں عورت سے کہا کہ میں نے حالت صحت میں تجھے تین طلاقیں دیں اور تیری عدت ختم ہوگئی پھر اس کے لئے قرض کا اقرار کیا یا اس کے لئے کوئی وصیت کی تو اس عورت کے لئے اس (قرض یا وصیت) اور وراثت میں سے جو کم ہو وہ ہوگا۔ یہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ہے۔ حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد رحمہما اللہ فرماتے ہیں: اس کا اقرار اور وصیت دونوں جائز ہیں۔ اور اگر مرض الموت میں عورت کے مطالبہ پر تین طلاقیں دیں پھر اس کے لئے قرض کا اقرار کیا یا اس کے لئے وصیت کی تو اس عورت کے لئے ان میں اور وراثت میں سے جو کم ہو وہ ہوگا یہ ان سب ائمہ کا قول ہے]۔

البتہ حضرت امام زفر رحمہ اللہ کا قول یہ ہے کہ اس کے لئے تمام مال وصیت یا جو اس نے اقرار کیا وہ سب ہوگا کیونکہ

جب اس کے (طلاق کے) سوال سے میراث باطل ہوگئی تو اقرار کی صحت اور وصیت کے راستے سے رکاوٹ (یعنی میراث) زائل ہوگئی۔

پہلے مسئلہ میں صاحبین کے قول کی وجہ یہ ہے کہ جب وہ دونوں طلاق دینے اور عدت کے ختم ہونے پر ایک دوسرے کی تصدیق کر رہے ہیں تو عورت اس سے اجنبیہ ہوگئی حتیٰ کہ اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اس (عورت) کی بہن سے نکاح کرے لہٰذا تہمت کا امکان نہ رہا۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ اس عورت کے حق میں اس مرد کی گواہی قبول کی جاتی ہے اور وہ اسے زکوٰۃ دے سکتا ہے۔

بخلاف دوسرے مسئلہ کے کیونکہ عدت باقی ہے اور وہ تہمت کا سبب ہے اور حکم کا دارومدار دلیل تہمت پر ہے اسی لئے اس کا دارومدار نکاح اور قرابت پر ہوتا ہے اور پہلے مسئلہ میں عدت نہیں ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دونوں مسئلوں میں دلیل یہ ہے کہ تہمت (کا امکان) باقی ہے کیونکہ بعض اوقات عورت اس لئے طلاق کو اختیار کرتی ہے تاکہ اس کے لئے اقرار اور وصیت کا دروازہ کھل جائے اور اس کا حق زیادہ ہوجائے۔

اور بعض اوقات بیوی اور خاوند جدائی اور عدت کے ختم ہونے پر متفق ہوجاتے ہیں تاکہ مرد اس عورت سے وراثت سے زیادہ مال کے ساتھ حسن سلوک کرے اور یہ تہمت زیادہ مال کے سلسلے میں آتی ہے پس ہم نے اسے رد کردیا ——

لیکن میراث کی مقدار پر کوئی تہمت نہیں آتی پس ہم نے اسے صحیح قرار دیا اور زکوٰۃ کے حق میں اور (اس کی بہن سے) شادی کرنے نیز (اس کے حق میں) گواہی دینے کے سلسلے میں عام طور پر باہم متفق نہیں ہوتے لہٰذا ان احکام کے حق میں تہمت نہیں آتی۔

توضیح: جب مرد مرض الموت میں عورت سے کہے کہ میں نے حالت صحت میں تجھے طلاق دی تھی اور تمہاری عدت بھی گزر گئی ہے اور عورت بھی اس بات کی تصدیق کرے اور اس کے بعد مرد اقرار کرے کہ اس نے اس عورت کا قرض دینا ہے یا اس کے لئے وصیت کرے۔

تو بنیادی طور پر وہ ایسا کرسکتا ہے کیونکہ وہ عورت اب اس کے لئے اجنبی ہوگئی ہے لیکن یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ اس عورت کو وراثت سے زیادہ مال دینا چاہتا ہو اس لئے ان دونوں نے من گھڑت کہانی بنائی ہو۔

لہٰذا دیکھا جائے کہ قرض یا وصیت والا مال کم ہے یا وراثت میں کم مال ملتا ہے تو جو کم ہو وہ دیا جائے گا۔

یہ حکم حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے لیکن صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں: اس کا اقرار اور وصیت دونوں جائز ہیں لہٰذا جس قدر قرض کا وہ اقرار کرے یا جس قدر مال کی وصیت کرے وہ دینا ہوگا کم یا زیادہ کو نہیں دیکھا جائے گا۔

صاحبین کا قول اور دلیل

صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں: جب وہ دونوں طلاق دینے اور عدت پوری ہونے پر متفق ہوگئے تو عورت اس مرد کے لئے

اجنبی ہوگئی جس کی دلیل یہ ہے کہ وہ اب اس کی بہن سے نکاح کرسکتا ہے اسی طرح اس مرد کی اس عورت کے حق میں گواہی قبول کی جاتی ہے اور وہ اسے زکوٰۃ بھی دے سکتا ہے لہٰذا جب یہ اس کی بیوی نہ رہی بلکہ اجنبی ہوگئی تو اب مرد پر یہ تہمت نہیں آئے گی کہ اس نے اسے زیادہ مال دینے کے لئے یہ کہانی گھڑی ہے اور عورت نے اس کی تائید کی ہے لہٰذا وہ اس کے لئے قرض کا اقرار بھی کرسکتا ہے اور اس کے لئے وصیت بھی کرسکتا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: تہمت تو اس صورت میں بھی باقی ہے کیونکہ بعض اوقات عورت اس لئے طلاق کو اختیار کرتی ہے تاکہ خاوند اس کے لئے قرض کا اقرار کرسکے یا اس کے لئے وصیت کرسکے اور یوں اسے وراثت سے زیادہ مال ملے اور بعض اوقات خاوند اور بیوی باہم جدائی اور عدت کے ختم ہونے پر اس لئے متفق ہوتے ہیں تاکہ خاوند اسے وراثت سے زیادہ مال دے اس کے ساتھ بھلائی کرے اور چونکہ یہ تہمت صرف اس مال میں ہوتی ہے لہٰذا ہم نے اسے یوں رد کیا کہ اسے میراث سے زیادہ نہ دیا جائے۔

جہاں تک اس عورت کو زکوٰۃ دینے یا اس کی بہن کے ساتھ شادی کرنے اور اس کے حق میں گواہی دینے کا تعلق ہے تو عام طور پر ان امور کے لئے (طلاق دینے اور عدت کے ختم ہونے پر) باہم متفق نہیں ہوتے اور ایسی خفیہ تدبیر اختیار نہیں کرتے۔

دوسرا مسئلہ:

اگر عورت نے مرد کی مرض الموت میں طلاق کا مطالبہ کیا اور اس نے اسے تین طلاقیں دے دیں پھر قرض یا وصیت کا اقرار کیا تو تینوں ائمہ کے نزدیک جو مال کم ہوگا وراثت یا قرض اور وصیت وہ دیا جائے گا۔

اس سلسلے میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل وہی ہے جو پہلے مسئلہ میں بیان ہوئی۔

لیکن صاحبین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ عدت باقی ہے اور یہی تہمت کا سبب ہے اور حکم کا دارومدار تہمت کی دلیل پر ہے مطلب یہ ہے کہ عدت کی وجہ سے وہ مکمل طور پر اجنبی نہیں ہوتی لہٰذا اگرچہ ہم قطعی پر تہمت نہیں لگا سکتے لیکن اس کا یہ عمل تہمت کی دلیل ہوگا اور حکم اس دلیل پر لگے گا۔

اسی لئے یہ حکم نکاح اور قرابت کی وجہ سے لگتا ہے یعنی میاں بیوی ہوں یا قریبی رشتہ دار تو تہمت لگتی ہے اس لئے وہ ایک دوسرے کے حق میں گواہی نہیں دے سکتے۔ اور پہلے مسئلہ میں عدت مکمل ہو چکی ہے لہٰذا دونوں میں فرق ہے۔ اس دوسرے مسئلہ میں حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ اس عورت کے لئے جو اقرار کیا یا وصیت کی وہ سب کچھ اسے ملے گا کیونکہ جب اس نے طلاق کا سوال کیا تو میراث کا حق باطل ہوگیا اور یہی میراث کا حق اقرار اور وصیت کے راستے میں رکاوٹ تھا جب وہ زائل ہوگیا تو اب کوئی رکاوٹ باقی نہیں۔

محصور یا مجاہد طلاق دے تو وراثت کا حکم

(۹۷): قَالَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: [وَمَنْ كَانَ مَحْصُوْرًا اَوْ فِيْ صَفِّ الْقِتَالِ فَطَلَّقَ امْرَاَتَهُ ثَلاَثًا لَمْ تَرِثْهُ، وَاِنْ كَانَ قَدْ بَارَزَ رَجُلًا اَوْ قُدِّمَ لِيُقْتَلَ فِيْ قِصَاصٍ اَوْ رَجْمٍ وَرِثَتْ اِنْ مَاتَ فِيْ ذٰلِكَ الْوَجْهِ اَوْ قُتِلَ]

وَاَصْلُهُ مَا بَيَّنَّا اَنَّ امْرَاَةَ الْفَارِّ تَرِثُ اسْتِحْسَانًا. وَاِنَّمَا يَثْبُتُ حُكْمُ الْفِرَارِ بِتَعَلُّقِ حَقِّهَا بِمَالِهِ، وَاِنَّمَا يَتَعَلَّقُ بِمَرَضٍ يُخَافُ مِنْهُ الْهَلَاكُ غَالِبًا كَمَا اِذَا كَانَ صَاحِبَ الْفِرَاشِ وَهُوَ اَنْ يَّكُوْنَ بِحَالٍ لَا يَقُوْمُ بِحَوَائِجِهِ كَمَا يَعْتَادُهُ الْاَصِحَّاءُ. وَقَدْ يَثْبُتُ حُكْمُ الْفِرَارِ بِمَا هُوَ فِيْ مَعْنَى الْمَرَضِ فِيْ تَوَجُّهِ الْهَلَاكِ الْغَالِبِ.

وَمَا يَكُوْنُ الْغَالِبُ مِنْهُ السَّلَامَةَ لَا يَثْبُتُ بِهِ حُكْمُ الْفِرَارِ. فَالْمَحْصُوْرُ وَالَّذِيْ فِيْ صَفِّ الْقِتَالِ الْغَالِبُ مِنْهُ السَّلَامَةُ لِاَنَّ الْحِصْنَ لِدَفْعِ بَاْسِ الْعَدُوِّ وَكَذَا الْمَنَعَةُ فَلَا يَثْبُتُ بِهِ حُكْمُ الْفِرَارِ. وَالَّذِيْ بَارَزَ اَوْ قُدِّمَ لِيُقْتَلَ الْغَالِبُ مِنْهُ الْهَلَاكُ فَيَتَحَقَّقُ بِهِ الْفِرَارُ

وَلِهٰذَا اَخَوَاتٌ تَخْرُجُ عَلٰى هٰذَا الْحَرْفِ. وَقَوْلُهُ اِذَا مَاتَ فِيْ ذٰلِكَ الْوَجْهِ اَوْ قُتِلَ دَلِيْلٌ عَلٰى اَنَّهُ لَا فَرْقَ بَيْنَ مَا اِذَا مَاتَ بِذٰلِكَ السَّبَبِ اَوْ بِسَبَبٍ اٰخَرَ كَصَاحِبِ الْفِرَاشِ بِسَبَبِ الْمَرَضِ اِذَا قُتِلَ.

ترجمہ: فرماتے ہیں [اور جو شخص (دشمن کے) محاصرے میں ہو یا جنگ میں مصروف ہو اور وہ اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دے تو وہ اس کی وارث نہیں ہوگی اور اگر وہ جنگ میں کسی کے مدمقابل ہو یا اس کو قصاص میں یا رجم میں قتل کرنے کے لئے پیش کیا گیا ہو تو وہ وارث ہو جائے گی اگر وہ اس صورت میں مر جائے یا قتل کیا جائے]۔

اور اس کی اصل وہ ہے جو ہم نے بیان کی کہ (وراثت دینے سے) بھاگنے والے کی عورت بطور استحسان وارث ہوتی ہے اور فرار (بھاگنے) کا حکم اس وقت ثابت ہوتا ہے جب عورت کا حق اس کے مال سے متعلق ہو۔

اور وہ اس مرض کے ساتھ متعلق ہوتا ہے جس میں غالب طور پر ہلاکت کا خوف ہو جس طرح جب وہ بستر پر پڑا ہو (یعنی صاحب فراش ہو) اور یہ شخص ایسی حالت میں ہوتا ہے کہ وہ اپنی حاجتوں کو پورا نہیں کر سکتا جس طرح تندرست لوگوں کی عادت ہوتی ہے اور بعض اوقات فرار کا حکم اس بات سے بھی ثابت ہوتا ہے جو غالب ہلاکت کے سلسلے میں مرض کے حکم میں ہوتی ہے اور جس میں سلامتی غالب ہو وہ فرار کے حکم میں نہیں ہوتی۔

لہٰذا جو شخص دشمن کے محاصرے میں یا میدان جنگ میں ہے اس میں سلامتی غالب ہوتی ہے کیونکہ قلعہ بند شخص دشمن کی ضرر رسانی سے محفوظ رہتا ہے اور لشکر کے بارے میں بھی یہی خیال کیا جاتا ہے لہٰذا اس صورت میں فرار ثابت نہیں ہوگا لیکن جو دشمن کے مقابلے میں کھڑا ہے یا اسے قصاص کے لئے پیش کیا گیا تو اس سلسلے میں ہلاکت غالب ہوتی ہے پس اس کے ذریعے فرار ثابت ہو گیا۔

اس قسم کی کئی صورتیں ہیں جن کا حکم اس ضابطے کے مطابق ہوتا ہے۔

صاحب متن کا یہ کہنا کہ ''اگر وہ اس حالت میں فوت ہو جائے یا قتل کیا جائے'' یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس میں کوئی فرق نہیں کہ وہ اس سبب سے فوت ہو یا کسی اور سبب سے جیسے وہ شخص جو صاحب فراش ہو وہ بیماری سے فوت ہو یا قتل کیا جائے (دونوں صورتوں میں ایک ہی حکم ہوگا)

توضیح: مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں دو صورتیں بیان کی ہیں جن میں سے ایک میں طلاق دینے کے بعد وہ مر جائے تو بیوی وارث نہیں ہوگی اور دوسری صورت میں وارث ہو جائے گی۔

پہلی صورت یہ ہے کہ مرد دشمن کے محاصرے میں ہے یا دشمن کے مقابلے میں فوج میں موجود ہے اس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں پھر وہ مر گیا تو اس کی بیوی وارث نہیں ہوگی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اسے قصاص میں قتل کرنے کے لئے لے جایا گیا یا جنگ میں مخالف شخص کے بالمقابل کھڑا ہے یا زنا کی سزا کے طور پر رجم کرنے کے لئے لایا گیا اور اس نے تین طلاقیں دے دیں پھر وہ مر گیا تو عورت وارث ہو جائے گی۔ اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ

پہلی صورت میں عام طور پر ہلاکت نہیں ہوتی لہٰذا اس شخص کے طلاق دینے کو وراثت دینے سے فرار (بھاگنا) قرار نہیں دیا جائے گا اور چونکہ عورت کو طلاق مغلظہ ہو چکی ہے لہٰذا وہ اجنبیہ ہونے کی وجہ سے وراثت سے محروم ہوگی اور دوسری صورت میں ہلاکت غالب ہوتی ہے لہٰذا اس وقت طلاق دینا وراثت دینے سے بھاگنا ہے اس لئے عورت وارث ہو جائے گی اور یہ قیاس کے خلاف بطور استحسان ہے اور یہ اس بیمار کی طرح ہے جو بستر پر پڑا ہے اور اپنی حاجت کے لئے دوسروں کا محتاج ہے اس صورت میں جب وہ طلاق دیتا ہے تو عورت وارث ہو جائے گی۔

لہٰذا ضابطہ یہ ہوا کہ جس صورت میں سلامتی غالب ہے اس میں اس کا تین طلاقیں دینا وراثت سے فرار نہیں ہوگا لہٰذا وہ وارث نہیں ہوگی۔

اور جس صورت میں ہلاکت غالب ہو اس صورت میں تین طلاقیں دینا فرار ہوگا اور وہ وارث ہو جائے گی جب انسان قلعہ بند ہو یا لشکر کے اندر ہو تو وہ محفوظ ہوتا ہے اور جب اس کو قصاص یا رجم کے لئے لایا جائے یا دشمن کے مقابل لڑ رہا ہو تو ہلاکت کا خطرہ ہوتا ہے۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان حالتوں میں وہ کسی بھی سبب سے فوت ہو مثلاً قصاص میں قتل کیا جائے یا طبعی موت مر

جائے دونوں کا ایک ہی حکم ہوگا۔

علاوہ ازیں یہ جو ضابطہ بیان کیا گیا کہ ہلاکت کا خوف غالب ہو یا سلامتی غالب ہو اس کے مطابق دیگر اس قسم کے مسائل حل کئے جا سکتے ہیں مثلاً کشتی پر سوار ہو اور موجوں کا شکار ہو جس سے غرق ہونے کا ڈر ہو اور وہ اس حالت میں طلاق دے تو وہ بھی مرض الموت والے کی طرح راہ فرار اختیار کرنے والا ہوگا۔

صحت کی حالت میں مشروط طلاق کی شرط بیماری کی حالت میں پائی جائے

(۹۸): [وَاِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِامْرَاَتِهٖ وَهُوَ صَحِيْحٌ اِذَا جَاءَ رَأْسُ الشَّهْرِ اَوْ اِذَا دَخَلْتِ الدَّارَ اَوْ اِذَا صَلَّى فُلَانٌ الظُّهْرَ اَوْ اِذَا دَخَلَ فُلَانٌ الدَّارَ فَاَنْتِ طَالِقٌ فَكَانَتْ هٰذِهِ الْاَشْيَاءُ وَالزَّوْجُ مَرِيْضٌ لَّمْ تَرِثْ، وَاِنْ كَانَ الْقَوْلُ فِي الْمَرَضِ وَرِثَتْ اِلَّا فِيْ قَوْلِهٖ اِذَا دَخَلْتِ الدَّارَ]

وَهٰذَا عَلٰى وُجُوْهٍ: اِمَّا اَنْ يُعَلِّقَ الطَّلَاقَ بِمَجِيْئِ الْوَقْتِ اَوْ بِفِعْلِ الْاَجْنَبِيِّ اَوْ بِفِعْلِ نَفْسِهٖ اَوْ بِفِعْلِ الْمَرْاَةِ، وَكُلُّ وَجْهٍ عَلٰى وَجْهَيْنِ: اِمَّا اِنْ كَانَ التَّعْلِيْقُ فِي الصِّحَّةِ وَالشَّرْطُ فِي الْمَرَضِ اَوْ كِلَاهُمَا فِي الْمَرَضِ.

اَمَّا الْوَجْهَانِ الْاَوَّلَانِ وَهُوَ مَا اِذَا كَانَ التَّعْلِيْقُ بِمَجِيْئِ الْوَقْتِ بِاَنْ قَالَ اِذَا جَاءَ رَأْسُ الشَّهْرِ فَاَنْتِ طَالِقٌ اَوْ بِفِعْلِ الْاَجْنَبِيِّ بِاَنْ قَالَ اِذَا دَخَلَ فُلَانٌ الدَّارَ اَوْ صَلّٰى فُلَانٌ الظُّهْرَ. فَاِنْ كَانَ التَّعْلِيْقُ وَالشَّرْطُ فِي الْمَرَضِ فَلَهَا الْمِيْرَاثُ لِاَنَّ الْقَصْدَ اِلَى الْفِرَارِ قَدْ تَحَقَّقَ مِنْهُ بِمُبَاشَرَةِ التَّعْلِيْقِ فِيْ حَالِ تَعَلُّقِ حَقِّهَا بِمَالِهٖ. وَاِنْ كَانَ التَّعْلِيْقُ فِي الصِّحَّةِ وَالشَّرْطُ فِي الْمَرَضِ لَمْ تَرِثْ.

وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَرِثُ لِاَنَّ الْمُعَلَّقَ بِالشَّرْطِ يَنْزِلُ عِنْدَ وُجُوْدِ الشَّرْطِ كَالْمُنْجَزِ فَكَانَ اِيْقَاعًا فِي الْمَرَضِ.

وَلَنَا اَنَّ التَّعْلِيْقَ السَّابِقَ يَصِيْرُ تَطْلِيْقًا عِنْدَ الشَّرْطِ حُكْمًا لَا قَصْدًا وَلَا ظُلْمَ اِلَّا عَنْ قَصْدٍ فَلَا يُرَدُّ تَصَرُّفُهُ.

وَاَمَّا الْوَجْهُ الثَّالِثُ وَهُوَ مَا اِذَا عَلَّقَهُ بِفِعْلِ نَفْسِهٖ فَسَوَاءٌ كَانَ التَّعْلِيْقُ فِي الصِّحَّةِ وَالشَّرْطُ فِي الْمَرَضِ اَوْ كَانَا فِي الْمَرَضِ وَالْفِعْلُ مِمَّا لَهٗ مِنْهُ بُدٌّ اَوْ لَا بُدَّ لَهٗ مِنْهُ يَصِيْرُ فَارًّا لِوُجُوْدِ قَصْدِ الْاِبْطَالِ، اِمَّا بِالتَّعْلِيْقِ اَوْ بِمُبَاشَرَةِ الشَّرْطِ فِي الْمَرَضِ، وَاِنْ لَمْ يَكُنْ لَهٗ مِنْ فِعْلِ

الشَّرْطِ بُدٌّ فَلَهُ مِنَ التَّعْلِيْقِ أَلْفُ بُدٍّ فَيَرُدُّ تَصَرُّفُهُ دَفْعًا لِلضَّرَرِ عَنْهَا.

وَأَمَّا الْوَجْهُ الرَّابِعُ وَهُوَ مَا إِذَا عَلَّقَهُ بِفِعْلِهَا. فَإِنْ كَانَ التَّعْلِيْقُ وَالشَّرْطُ فِي الْمَرَضِ وَالْفِعْلُ مِمَّا لَهَا مِنْهُ بُدٌّ كَكَلَامِ زَيْدٍ وَنَحْوِهِ لَمْ تَرِثْ لِأَنَّهَا رَاضِيَةٌ بِذٰلِكَ. وَإِنْ كَانَ الْفِعْلُ مِمَّا لَا بُدَّ لَهَا مِنْهُ كَأَكْلِ الطَّعَامِ وَصَلَاةِ الظُّهْرِ وَكَلَامِ الْأَبَوَيْنِ تَرِثُ لِأَنَّهَا مُضْطَرَّةٌ فِي الْمُبَاشَرَةِ لِمَا لَهَا فِي الْإِمْتِنَاعِ مِنْ خَوْفِ الْهَلَاكِ فِي الدُّنْيَا أَوْ فِي الْعُقْبٰى وَلَا رِضَا مَعَ الْإِضْطِرَارِ.

وَأَمَّا إِذَا كَانَ التَّعْلِيْقُ فِي الصِّحَّةِ وَالشَّرْطُ فِي الْمَرَضِ. فَإِنْ كَانَ الْفِعْلُ مِمَّا لَهَا مِنْهُ بُدٌّ فَلَا إِشْكَالَ أَنَّهُ لَا مِيْرَاثَ لَهَا. وَإِنْ كَانَ مِمَّا لَا بُدَّ لَهَا مِنْهُ فَكَذٰلِكَ الْجَوَابُ عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَهُوَ قَوْلُ زُفَرَ لِأَنَّهُ لَمْ يُوجَدْ مِنَ الزَّوْجِ صُنْعٌ بَعْدَ مَا تَعَلَّقَ حَقُّهَا بِمَالِهِ.

وَعِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَ وَأَبِي يُوْسُفَ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَرِثُ لِأَنَّ الزَّوْجَ أَلْجَأَهَا إِلَى الْمُبَاشَرَةِ فَيَنْتَقِلُ الْفِعْلُ إِلَيْهِ كَأَنَّهَا آلَةٌ لَهُ كَمَا فِي الْإِكْرَاهِ.

ترجمہ: [اور جب مرد نے حالت صحت میں اپنی بیوی سے کہا کہ جب مہینے کی ابتداء ہو یا جب تو گھر میں داخل ہو یا جب فلاں شخص ظہر کی نماز پڑھے یا فلاں شخص گھر میں داخل ہو تو تجھے طلاق ہے۔ اور یہ شرائط اس وقت پائی گئیں جب خاوند مریض تھا تو وہ وارث نہیں ہوگی۔ اور اگر وہ مرض کی حالت میں یہ بات کہتا تو وہ وارث ہو جاتی سوائے اس کے اس قول کے کہ "اگر تو گھر میں داخل ہو" اور اس کی کئی صورتیں ہیں]۔

طلاق کو وقت کے آنے کے ساتھ مشروط کیا یا اجنبی کے فعل سے مشروط کیا یا اپنے فعل سے مشروط کیا یا عورت کے فعل سے مشروط کیا۔

پھر ان تمام وجوہ کی دو دو جہیں ہیں:

۱۔ تعلیق حالت صحت میں ہوئی اور شرط بیماری کی حالت میں پائی گئی۔

۲۔ یا دونوں بیماری کی حالت میں ہوئیں۔

جہاں تک پہلی دو وجہ کا تعلق ہے یعنی جب تعلیق وقت کے آنے کے ساتھ ہو جیسے اس نے کہا جب مہینے کا آغاز ہو تو تجھے طلاق ہے یا اجنبی کے فعل کے ساتھ مشروط ہو جیسے کہا جب فلاں شخص گھر میں داخل ہو یا فلاں شخص ظہر کی نماز پڑھے ۔۔۔۔

پس اگر تعلیق اور شرط دونوں مرض کی حالت میں ہوں تو اس کے لئے وراثت ہوگی کیونکہ ایسی حالت میں تعلیق یا جب اس کا حق مرد کے مال سے متعلق ہو چکا ہو فرار کا قصد ہے۔ اور اگر تعلیق صحت کی حالت میں ہو اور شرط مرض کی حالت میں پائی جائے تو وہ وارث نہیں ہوگی۔

حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وہ وارث ہوگی کیونکہ جو کام شرط سے مشروط ہو وہ شرط کے وقت پایا جاتا ہے جس طرح طلاق تنجیز (غیر مشروط طلاق) پس اس کا وقوع مرض کی حالت میں ہوا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ سابق تعلیق شرط پائے جانے کے وقت حکمی طور پر تطلیق ہوگی قصداً نہیں اور ظلم، قصد کی بنیاد پر ہوتا ہے لہٰذا مرد کے تصرف کو رد نہیں کیا جائے گا۔

اور تیسری صورت یہ ہے کہ جب اپنے ذاتی فعل سے مشروط کرے تو برابر ہے کہ تعلیق صحت کی حالت میں ہو اور شرط مرض کی حالت میں پائی جائے یا دونوں حالت مرض میں ہوں اور فعل ضروری ہو یا غیر ضروری وہ بھاگنے والا ہوگا کیونکہ (عورت کا حق وراثت) باطل کرنا پایا گیا یا تو یہ (باطل کرنا) تعلیق کے ساتھ یا شرط کے مرض کے دوران پائے جانے کی وجہ سے ہوا۔

اور اگر اسے فعل شرط سے چھٹکارا نہیں ہو سکتا تھا تو تعلیق کے فعل سے ہزار بار چھٹکارا ہو سکتا تھا لہٰذا عورت سے ضرر کو دور کرنے کے لئے اس کے تصرف کو رد کیا جائے گا۔

اور چوتھی صورت یہ ہے کہ جب طلاق کو عورت کے فعل سے مشروط کرے تو اگر تعلیق اور شرط دونوں مرض کی حالت میں ہوں اور فعل سے بچنا ممکن ہو جیسے زید سے کلام وغیرہ تو وہ وارث نہیں ہوگی کیونکہ عورت اس پر راضی ہوتی ہے اور اگر وہ فعل ایسا ہے کہ عورت کے لئے ضروری ہے جس طرح کھانا کھانا یا ظہر کی نماز پڑھنا یا ماں باپ سے کلام کرنا تو وہ وارث ہو جائے گی کیونکہ وہ اس عمل کو بجا لانے میں مجبور ہے کیونکہ اگر وہ یہ عمل نہ کرے تو دنیا یا آخرت میں ہلاکت کا خوف ہے اور مجبوری کے ساتھ رضامندی نہیں ہوتی۔

اور اگر تعلیق حالت صحت میں ہو اور شرط مرض کی حالت میں ہو تو (دیکھا جائے) اس فعل کا کرنا ضروری نہیں ہے تو اس میں کوئی اشکال نہیں کہ وہ وارث نہیں ہوگی اور اگر وہ فعل ضروری ہے تو حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہی پہلے والا حکم ہے۔ حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے کیونکہ جب عورت کا حق مرد کے مال سے متعلق ہو گیا تو اس کے بعد خاوند کی طرف سے کوئی عمل نہیں پایا گیا اور حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک وہ وارث ہوگی کیونکہ مرد نے اسے اس عمل پر مجبور کیا لہٰذا یہ فعل مرد کی طرف منتقل ہو جائے گا گویا وہ عورت اس مرد کے لئے آلہ تھی جس طرح کسی کو مجبور کیا جائے (تو وہ آلۂ کار ہوتا ہے اور اصل عمل کرنے والا وہ شخص ہوتا ہے جس نے مجبور کیا)

توضیح: اس سے پہلے یہ بات بیان ہوئی کہ جب کوئی شخص مرض الموت کی حالت میں بیوی کو طلاق دے تو گویا وہ اسے وراثت سے محروم کرنے کے لئے ایسا کرتا ہے اور اسے فار (بھاگنے والا) کہا جاتا ہے۔ اس حوالے سے احکام بیان ہوئے۔ اب اسی قسم کے چند دیگر احکام بیان ہو رہے ہیں لیکن فرق یہ ہے کہ ان آئندہ مذکورہ مسائل میں طلاق کو کچھ شرائط کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے اس سلسلے میں چند درج ذیل صورتیں ہیں:

① طلاق کو کسی آنے والے وقت کے ساتھ مشروط کیا جیسے یوں کہا: "جب آئندہ ماہ کا آغاز ہو تو تجھے طلاق ہے۔"

④ کسی دوسرے شخص (اجنبی) کے فعل سے طلاق کو مشروط کیا جیسے کہا: "جب فلاں شخص ظہر کی نماز پڑھے تو تجھے طلاق ہے" یا کہا: "جب فلاں شخص گھر میں داخل ہو تو تجھے طلاق ہے۔"

④ مرد اپنے کسی فعل کے ساتھ طلاق کو مشروط کرے مثلاً وہ کہے کہ "جب میں ظہر کی نماز پڑھوں تو تجھے طلاق ہے۔"

④ عورت کے کسی عمل کے ساتھ طلاق کو مشروط کرے مثلاً وہ کہے کہ "جب تو گھر میں داخل ہو تو تجھے طلاق ہے۔"

پہلی دو صورتوں میں دو صورتیں ہوں گی:

(الف) تعلیق (شرط کے ساتھ طلاق کو مشروط کرنا) اور شرط دونوں مرض کی حالت میں ہوں اور وہ اسی مرض میں فوت ہو جائے (اور عورت ابھی عدت گزار رہی ہو) تو وہ وارث ہوگی کیونکہ اس مرض کی حالت میں عورت کا مرد کے مال سے حق متعلق ہو گیا اور اس نے اس سے فرار کا قصد کیا لہٰذا اس کے قصد کو اختتام عدت تک رد کیا جائے گا۔

(ب) اگر تعلیق حالت صحت میں ہو اور شرط بیماری کی حالت میں پائی جائے تو وہ وارث نہیں ہوگی کیونکہ اس عورت کو وراثت سے محروم کرنے کا قصد کرنے والا نہیں ہے۔

امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف

حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس صورت میں بھی عورت وارث ہوگی کیونکہ جو کام کسی شرط کے ساتھ مشروط ہو وہ شرط پائے جانے کے وقت پایا جاتا ہے اور یہ اسی طرح ہے جیسے طلاق تنجیز یعنی کسی شرط کے بغیر فوری طلاق دے لہٰذا طلاق حالت مرض میں ہوئی (اور اس صورت میں وہ وارث ہوتی ہے)

ہماری دلیل

ہماری دلیل یہ ہے کہ جب شرط پائی جائے تو سابق تعلیق (مشروط کرنا) شرط کے وقت حکمی طور پر تطلیق ہوتی ہے قصداً نہیں اور عورت پر ظلم تب ہوتا جب وہ قصداً سے طلاق دیتا لہٰذا مرد کے تصرف کو رد نہیں کیا جائے گا۔

تیسری صورت: یعنی جب وہ طلاق کو اپنے ذاتی عمل سے مشروط کرے تو اس میں برابر ہے کہ تعلیق حالت صحت میں ہو اور شرط حالت مرض میں پائی جائے یا دونوں حالت مرض میں ہوں۔

پھر یہ کہ وہ فعل (جس کے ساتھ طلاق کو مشروط کیا) ضروری ہو یا ضروری نہ ہو (ضروری جیسے نماز پڑھنا اور غیر ضروری جیسے کسی کے ساتھ کلام کرنا) وہ وراثت دینے سے بھاگنے والا ہوگا کیونکہ اس نے عورت کے حق کو باطل کرنے کا قصد کیا یہ قصد یا تو تعلیق کے ذریعے ہوا یا حالت مرض میں شرط پائے جانے کی وجہ سے ہوا۔

رہا یہ سوال کہ یہ عمل ضروری تھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ عمل اگرچہ ضروری تھا لیکن تعلیق تو ضروری نہ تھی اس نے طلاق کو ایسے فعل سے کیوں مشروط کیا لہٰذا عورت کو نقصان سے بچانے کے لئے اس کے تصرف کو رد کیا جائے گا (اور وہ وارث قرار پائے گی)

چوتھی صورت: جب طلاق کو عورت کے فعل سے معلق ومشروط کیا جائے اس صورت میں دیکھا جائے اگر تعلیق اور شرط کا پایا جانا دونوں حالت مرض میں ہوں اور فعل ان کاموں میں سے ہو جو ضروری نہیں مثلاً زید سے کلام کرنا وغیرہ تو عورت وارث نہیں ہوگی کیونکہ وہ خود اس فعل پر راضی ہوئی ہے اور اگر وہ فعل ایسا ہے جس کا کرنا اس کے لئے ضروری ہے جیسے کھانا کھانا یا نماز ظہر ادا کرنا یا ماں باپ سے کلام کرنا تو وہ وارث ہو جائے گی کیونکہ وہ اس عمل کے لئے مجبور ہے کیونکہ اگر وہ یہ عمل نہیں کرتی تو دنیا یا آخرت میں ہلاکت کا خوف ہے مثلاً کھانا نہ کھانے سے دنیوی ہلاکت کا خطرہ اور نماز نہ پڑھنے اور ماں باپ سے کلام نہ کرنے سے گناہ کی وجہ سے آخرت کی ہلاکت ہوتی ہے اور جب وہ مجبور ہے تو اس عمل پر راضی نہ ہوئی۔ اور اگر تعلیق حالت صحت میں ہو اور شرط مرض کی حالت میں پائی جائے تو دیکھا جائے کہ وہ فعل ضروری ہے یا غیر ضروری؟ اگر غیر ضروری ہو تو اسے وراثت نہیں ملے گی اور اگر ضروری ہے تو اس میں اختلاف ہے۔

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہی حکم ہے یعنی وراثت نہیں ملے گی۔ حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ جب عورت کا حق مرد کے مال سے متعلق ہوا تو اس کے بعد مرد کی طرف سے کوئی عمل نہیں پایا گیا۔

حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک وہ وارث ہو جائے گی کیونکہ خاوند نے اسے اس عمل پر مجبور کیا لہٰذا یہ فعل خاوند کی طرف منسوب ہوگا گویا وہ عورت اس عمل کے لئے آلہ تھی جس طرح کسی شخص کو کسی کام کے لئے مجبور کیا جائے تو وہ آلہ ہوتا ہے اور جس نے مجبور کیا وہ اس عمل کا فاعل قرار پاتا ہے۔

بیماری کی حالت میں طلاق دی پھر تندرست ہو کر فوت ہوا

(۹۹): قَالَ [وَاِذَا طَلَّقَهَا ثَلَاثًا وَهُوَ مَرِيْضٌ ثُمَّ صَحَّ ثُمَّ مَاتَ لَمْ تَرِثْ] وَقَالَ زُفَرُ رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلَيْهِ: تَرِثُ لِاَنَّهُ قَصَدَ الْفِرَارَ حِيْنَ اَوْقَعَ فِي الْمَرَضِ وَقَدْ مَاتَ وَهِيَ فِي الْعِدَّةِ، وَلٰكِنَّا نَقُوْلُ: الْمَرَضُ اِذَا تَعَقَّبَهُ بُرْءٌ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الصِّحَّةِ لِاَنَّهُ يَنْعَدِمُ بِهِ مَرَضُ الْمَوْتِ فَتَبَيَّنَ اَنَّهُ لَا حَقَّ لَهَا يَتَعَلَّقُ بِمَالِهِ فَلَا يَصِيْرُ الزَّوْجُ فَارًّا

وَلَوْ طَلَّقَهَا فَارْتَدَّتْ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اَسْلَمَتْ ثُمَّ مَاتَ الزَّوْجُ مِنْ مَرَضِهِ وَهِيَ فِي الْعِدَّةِ لَمْ تَرِثْ، وَاِنْ لَمْ تَرْتَدَّ بَلْ طَاوَعَتْ ابْنَ زَوْجِهَا فِي الْجِمَاعِ وَرِثَتْ .

وَوَجْهُ الْفَرْقِ اَنَّهَا بِالرِّدَّةِ اَبْطَلَتْ اَهْلِيَّةَ الْاِرْثِ اِذِ الْمُرْتَدُّ لَا يَرِثُ اَحَدًا وَلَا بَقَاءَ لَهُ بِدُوْنِ الْاَهْلِيَّةِ، وَبِالْمُطَاوَعَةِ مَا اَبْطَلَتِ الْاَهْلِيَّةَ لِاَنَّ الْمَحْرَمِيَّةَ لَا تُنَافِي الْاِرْثَ وَهُوَ الْبَاقِي، بِخِلَافِ مَا اِذَا طَاوَعَتْ فِيْ حَالِ قِيَامِ النِّكَاحِ لِاَنَّهَا تُثْبِتُ الْفُرْقَةَ فَتَكُوْنُ رَاضِيَةً بِبُطْلَانِ السَّبَبِ، وَبَعْدَ الطَّلَقَاتِ الثَّلَاثِ لَا تَثْبُتُ الْحُرْمَةُ بِالْمُطَاوَعَةِ لِتَقَدُّمِهَا عَلَيْهَا فَافْتَرَقَا

ترجمہ: فرماتے ہیں [اور جب حالت مرض میں تین طلاقیں دیں پھر تندرست ہوا اور اس کے بعد فوت ہو گیا تو عورت وارث نہیں ہوگی]

حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وارث ہو جائے گی کیونکہ اس شخص نے فرار کا قصد کیا جب مرض کی حالت میں طلاق دی اور وہ اس وقت فوت ہوا جب وہ عدت میں تھی لیکن ہم کہتے ہیں کہ جس بیماری کے بعد ٹھیک ہو جائے وہ صحت کے قائم مقام ہوتی ہے کیونکہ اس کے ذریعے مرض الموت معدوم ہو جاتی ہے پس ظاہر ہوا کہ عورت کا حق اس کے مال سے متعلق نہیں ہوا تھا لہٰذا خاوند فرار اختیار کرنے والا نہیں ہوگا۔

اور اگر طلاق دینے کے بعد (معاذ اللہ) عورت مرتد ہو جائے پھر اسلام قبول کرے پھر خاوند اسی بیماری میں فوت ہو جائے اور وہ عدت گزار رہی ہو تو وارث نہیں ہوگی اور اگر وہ مرتد نہ ہو بلکہ خاوند کے بیٹے سے جماع کروائے تو وارث ہو جائے گی۔

(دونوں مسئلوں میں) فرق کی وجہ یہ ہے کہ اس نے مرتد ہو کر وراثت کی اہلیت باطل کر دی کیونکہ مرتد کسی کا وارث نہیں ہوتا اور اہلیت کے بغیر وراثت باقی نہیں رہتی۔ اور خاوند کے بیٹے کی بات ماننے سے اہلیت باطل نہیں ہوئی کیونکہ محرمیت (ایک دوسرے کا محرم ہونا) وراثت کے منافی نہیں اور وہ باقی ہے۔

بخلاف اس کے جب وہ نکاح قائم ہونے کی حالت میں اس کے بیٹے کی بات مانے کیونکہ اس سے فرقت ثابت ہو جاتی ہے لہٰذا وہ (وراثت کے) سبب کے باطل ہونے پر راضی ہوگئی۔

اور تین طلاقوں کے بعد اس کے بیٹے کی بات ماننے سے حرمت ثابت نہیں ہوگی کیونکہ وہ حرمت پہلے ہو چکی ہے لہٰذا دونوں مسئلوں میں فرق ہے۔

توضیح: یہاں تین مسائل بیان کئے گئے:

پہلا مسئلہ:

① مرد نے مرض کی حالت میں تین طلاقیں دیں پھر تندرست ہونے کے بعد فوت ہو گیا تو عورت وارث نہیں ہوگی۔

حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وہ وارث ہوگی۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ جب اس نے بیماری کی حالت میں طلاق دی تو اس نے وراثت دینے سے راہ فرار اختیار کی اور اس صورت میں عورت وارث ہوتی ہے۔

دیگر ائمہ کی دلیل یہ ہے کہ جب وہ اس بیماری میں فوت نہیں ہوا بلکہ تندرست ہونے کے بعد فوت ہوا تو وہ بیماری کالعدم ہو گئی یعنی مرض الموت نہ رہی اور عورت کا حق مرد کے مال کے ساتھ اس وقت متعلق ہوتا ہے جب مرض الموت ہو لہٰذا اب اس کا حق اس کے مال سے متعلق نہیں ہوا اس لئے خاوند کو وراثت دینے سے بھاگنے والا قرار نہیں دیا جائے گا۔

② **دوسرا مسئلہ:**

یہ ہے کہ مرد نے عورت کو تین طلاقیں دیں پھر وہ معاذ اللہ مرتد ہوگئی پھر اس نے اسلام قبول کیا اس کے بعد خاوند فوت ہوگیا اور وہ خاتون اس وقت عدت گزار رہی تھی تو وہ وارث نہیں ہوگی ——

③ تیسرا مسئلہ:

اگر خاوند نے حالت مرض میں تین طلاقیں دیں اس کے بعد عورت نے اپنے خاوند کے (دوسری بیوی سے) بیٹے کی بات مان کر اسے جماع کی اجازت دی اور اس نے جماع کیا تو وارث ہو جائے گی۔

دونوں صورتوں کے حکم میں فرق کی وجہ

مرتدہ ہونے کی صورت میں عورت اس لئے وارث نہیں ہوتی کہ اس کے وارث بننے کی اہلیت باطل ہوگئی کیونکہ مرتد کسی کا وارث نہیں ہوتا لہٰذا اہلیت کے بغیر وراثت کا حق باقی نہیں رہے گا اور جب اس نے اپنے خاوند کے بیٹے کی بات مان کر اسے جماع کی اجازت دی تو اس سے وہ اپنے خاوند کی محرم بن گئی اور محرمیت، وراثت کی اہلیت کے منافی نہیں لہٰذا حق وراثت باقی رہے گا۔

ایک اور صورت

اگر وہ خاتون اپنے خاوند کے نکاح میں ہو اور اس کے بیٹے کی بات مان لے تو اب اس کے مرنے پر اس کی وارث نہیں ہوگی کیونکہ اس صورت میں اس شخص اور اس کی بیوی کے درمیان فرقت (جدائی) ہو جاتی ہے لہٰذا وہ وراثت کے سبب کے باطل ہونے پر راضی ہوئی۔

جبکہ تین طلاقوں کے بعد اس کے بیٹے کی بات ماننے سے فرقت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ فرقت تو پہلے ہی (تین طلاقوں کی وجہ سے) ہو چکی ہے لہٰذا دونوں صورتوں میں فرق ہوا۔

تندرستی کی حالت میں الزام تراشی اور بیماری کی حالت میں لعان

(۱۰۰): [وَمَنْ قَذَفَ امْرَاَتَهُ وَهُوَ صَحِيْحٌ وَّلَاعَنَ فِي الْمَرَضِ وَرِثَتْ . وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَا تَرِثُ، وَاِنْ كَانَ الْقَذْفُ فِي الْمَرَضِ وَرِثَتْهُ فِيْ قَوْلِهِمْ جَمِيْعًا] وَهٰذَا مُلْحَقٌ بِالتَّعْلِيْقِ بِفِعْلٍ لَا بُدَّ لَهَا مِنْهُ اِذْ هِيَ مُلْجَاَةٌ اِلَى الْخُصُوْمَةِ لِدَفْعِ عَارِ الزِّنَا عَنْ نَفْسِهَا وَقَدْ بَيَّنَّا الْوَجْهَ فِيْهِ

[وَاِنْ اٰلٰى وَهُوَ صَحِيْحٌ ثُمَّ بَانَتْ بِالْاِيْلَاءِ وَهُوَ مَرِيْضٌ لَّمْ تَرِثْ. وَاِنْ كَانَ الْاِيْلَاءُ اَيْضًا فِي الْمَرَضِ وَرِثَتْ] لِاَنَّ الْاِيْلَاءَ فِيْ مَعْنَى تَعْلِيْقِ الطَّلَاقِ بِمُضِيِّ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ خَالِيَةٍ عَنِ الْوِقَاعِ فَيَكُوْنُ مُلْحَقًا بِالتَّعْلِيْقِ بِمَجِيْءِ الْوَقْتِ وَقَدْ ذَكَرْنَا وَجْهَهٗ

قَالَ [وَالطَّلَاقُ الَّذِيْ يَمْلِكُ فِيْهِ الرَّجْعَةَ تَرِثُ بِهٖ فِيْ جَمِيْعِ الْوُجُوْهِ] لِمَا بَيَّنَّا اَنَّهٗ لَا يُزِيْلُ

النِّكَاحَ حَتّٰى يَحِلَّ الْوَطْئُ فَكَانَ السَّبَبُ قَائِمًا.

قَالَ [وَكُلُّ مَا ذَكَرْنَا اَنَّهَا تَرِثُ اِنَّمَا تَرِثُ اِذَا مَاتَ وَهِيَ فِي الْعِدَّةِ] وَقَدْ بَيَّنَّاهُ. وَاللهُ تَعَالٰى اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

ترجمہ: [جس شخص نے حالت صحت میں اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگایا اور حالت مرض میں لعان کیا (اور مر گیا) تو وہ وارث ہو جائے گی۔ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وہ وارث نہیں ہوگی اور اگر الزام بیماری کی حالت میں ہو تو تمام (احناف ائمہ) کے نزدیک وارث ہو جائے گی]

یہ مسئلہ ایسے کام کے ساتھ طلاق کو معلق و مشروط کرنے کے ساتھ ملحق ہے جس کا کرنا ضروری ہو کیونکہ عورت اپنے آپ سے زنا کی تہمت کو دور کرنے کے لئے مقدمہ بازی پر مجبور ہے اور اس کی وجہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

[اور اگر حالت صحت میں ایلاء کیا پھر وہ ایلاء کی وجہ سے جدا ہو گئی اور اس وقت وہ شخص بیمار تھا تو وارث نہیں ہوگی اور اگر ایلاء بھی بیماری کی حالت میں تو وارث ہو جائے گی]

کیونکہ طلاق ایسے چار مہینوں کے گزرنے کے ساتھ مشروط ہے جو جماع سے خالی ہوں لہٰذا یہ اس مسئلہ کے ساتھ ملحق ہوگا جب طلاق کو وقت کے آنے کے ساتھ مشروط کیا جائے اور اس کی وجہ ہم ذکر کر چکے ہیں۔

فرماتے ہیں [وہ طلاق جس میں خاوند کو رجوع کا حق حاصل ہو اس میں وہ تمام صورتوں میں وارث ہوتی ہے]

جیسا کہ ہم نے بیان کیا کہ طلاق رجعی سے نکاح زائل نہیں ہوتا حتیٰ کہ (عدت کے دوران) اس سے وطی کرنا بھی جائز ہوتا ہے لہٰذا (وراثت کا) سبب قائم ہوتا ہے۔

فرماتے ہیں [اور وہ تمام باتیں جو ہم نے ذکر کی ہیں کہ وہ عورت وارث ہوگی وہ اس وقت وارث ہوگی جب وہ اس عورت کی عدت کے دوران فوت ہو جائے) اور یہ بات بھی ہم بیان کر چکے ہیں اور اللہ تعالیٰ درست بات کو خوب جانتا ہے]

توضیح: اگر کوئی شخص حالت صحت میں اپنی بیوی پر الزام لگائے اور مرض کی حالت میں لعان کرے تو وہ عورت وارث ہو جائے گی اس میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں: وہ وارث نہیں ہوگی اور اگر الزام مرض کی حالت میں ہو تو سب کے نزدیک وارث ہوگی۔

اس مسئلہ کو ایسے فعل کے ساتھ ملایا گیا جس کا کرنا عورت کے لئے ضروری ہے کیونکہ وہ اپنے نفس سے عار کو دور کرنے کے لئے مقدمہ بازی کے لئے مجبور ہوتی ہے۔

گویا خاوند وراثت سے بھاگنا چاہتا ہے لہٰذا عورت کو وراثت ملے گی۔

دوسرا مسئلہ:

ایلاء سے متعلق ہے وہ اس طرح کہ مرد نے حالت صحت میں ایلاء کیا پھر جب وہ ایلاء کی وجہ سے بائنہ ہو گئی تو اس

وقت وہ مریض تھا تو اب وارث نہیں ہوگی اور اگر ایلاء بھی مرض کی حالت میں ہو تو وارث ہو جائے گی۔

اس کی وجہ یہ بیان کی گئی کہ ایلاء چار مہینوں کے ساتھ طلاق کو معلق کرنے کی طرح ہے یعنی جب چار ماہ گزریں گے تو تجھے طلاق ہو جائے گی اور یہ چار مہینے جماع سے خالی ہوں گے گویا جس طرح وقت کے ساتھ مشروط طلاق کا حکم ہے اس کا بھی وہی حکم ہے۔

اور طلاق رجعی جس میں رجوع ہو سکتا ہے اس میں تمام صورتوں میں عورت وارث ہوگی اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں نکاح زائل نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ وہ عدت کے دوران اس سے جماع کر سکتا ہے لہذا (وراثت کا) سبب قائم ہے اور ان تمام مذکورہ صورتوں میں عورت اس صورت میں وارث ہوگی جب وہ عورت کی عدت کے دوران فوت ہو۔

بَابُ الرَّجْعَةِ

باب: رجوع کرنا

طلاق رجعی میں عدت کے دوران رجوع کا حق

(١٠١): [وَإِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ تَطْلِيْقَةً رَجْعِيَّةً أَوْ تَطْلِيْقَتَيْنِ فَلَهُ أَنْ يُرَاجِعَهَا فِيْ عِدَّتِهَا رَضِيَتْ بِذٰلِكَ أَوْ لَمْ تَرْضَ] لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى: ﴿فَأَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ﴾ مِنْ غَيْرِ فَصْلٍ وَلَا بُدَّ مِنْ قِيَامِ الْعِدَّةِ لِأَنَّ الرَّجْعَةَ اسْتِدَامَةُ الْمِلْكِ؛ أَلَا تَرٰى أَنَّهٗ سَمّٰى إِمْسَاكًا وَهُوَ الْإِبْقَاءُ وَإِنَّمَا يَتَحَقَّقُ الِاسْتِدَامَةُ فِي الْعِدَّةِ لِأَنَّهٗ لَا مِلْكَ بَعْدَ انْقِضَائِهَا

ترجمہ: [اور جب مرد اپنی بیوی کو ایک یا دو رجعی طلاقیں دے تو وہ اس کی عدت کے دوران رجوع کر سکتا ہے عورت اس پر راضی ہو یا نہ] کیونکہ ارشاد خداوندی ہے:

فَأَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ [1]

ترجمہ: پس ان کو اچھے طریقے سے روک لو۔

اور یہ بات کسی تفصیل کے بغیر مطلق طور پر فرمائی ہے اور عدت کا قیام ضروری ہے کیونکہ رجوع، ملک کو باقی رکھنا ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا نام اِمْسَاكْ رکھا ہے اور وہ باقی رکھنا ہے۔

اور ملک کا دوام و بقاء عدت کے اندر رہتا ہے کیونکہ اس کے جدا ہونے کے بعد ملک باقی نہیں رہتی۔

توضیح: نکاح کا انعقاد ہمیشہ کے لئے ہوتا ہے لیکن بعض اوقات انسانی فطرت کے مطابق انسان جذبات اور غصے کا شکار ہو کر طلاق دے بیٹھتا ہے اور جیسا کہ شروع میں بیان ہوا سنت طریقہ یہ ہے کہ ایک طلاق دے کر چھوڑ دے یا تین طہروں میں تین طلاقیں دے تاکہ جب غصہ ٹھنڈا ہو جائے تو رجوع کر سکے۔

رجوع ایک یا دو طلاقوں کے بعد ہو سکتا تین طلاقوں کے بعد نہیں ہو سکتا۔

اور دوسری بات یہ کہ عدت کے اندر ہو سکتا ہے۔ کیونکہ عدت کے ختم ہونے تک عورت اس کی ملکیت میں ہوتی ہے یعنی نکاح کے ذریعے جو ملکیت حاصل ہوئی تھی وہ برقرار ہوتی ہے عدت ختم ہونے پر مرد عورت کے درمیان جدائی ہو جاتی ہے

[1] سورہ بقرہ، آیت: ٢٣١

اس لئے ملک باقی نہیں رہتی اور جب ملک باقی نہیں رہتی تو رجوع بھی نہیں ہو سکتا۔

رجوع کے سلسلے میں عورت کی مرضی کو نہیں دیکھا جائے گا وہ راضی ہو یا نہ، رجوع ہو جائے گا کیونکہ مذکورہ بالا آیت میں مرد کو مطلق اختیار دیا گیا عورت کی رضا مندی کی قید نہیں لگائی گئی۔

رجوع کا طریقہ

(۱۰۲): [وَالرَّجْعَةُ اَنْ يَّقُوْلَ رَاجَعْتُكِ اَوْ رَاجَعْتُ امْرَاَتِيْ] وَهٰذَا صَرِيْحٌ فِي الرَّجْعَةِ وَلَا خِلَافَ فِيْهِ بَيْنَ الْاَئِمَّةِ.

قَالَ [اَوْ يَطَأَهَا اَوْ يُقَبِّلَهَا اَوْ يَلْمِسَهَا بِشَهْوَةٍ اَوْ يَنْظُرَ اِلٰى فَرْجِهَا بِشَهْوَةٍ] وَهٰذَا عِنْدَنَا وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰى عَلَيْهِ: لَا تَصِحُّ الرَّجْعَةُ اِلَّا بِالْقَوْلِ مَعَ الْقُدْرَةِ عَلَيْهِ لِاَنَّ الرَّجْعَةَ بِمَنْزِلَةِ ابْتِدَاءِ النِّكَاحِ حَتّٰى يَحْرُمَ وَطْؤُهَا. وَعِنْدَنَا هُوَ اسْتِدَامَةُ النِّكَاحِ عَلٰى مَا بَيَّنَّاهُ وَسَنُقَرِّرُهُ اِنْ شَاءَ اللهُ تَعَالٰى.

وَالْفِعْلُ قَدْ يَقَعُ دَلَالَةً عَلَى الِاسْتِدَامَةِ كَمَا فِيْ اِسْقَاطِ الْخِيَارِ. وَالدَّلَالَةُ فِعْلٌ يَخْتَصُّ بِالنِّكَاحِ وَهٰذِهِ الْاَفَاعِيلُ تَخْتَصُّ بِهٖ خُصُوْصًا فِي الْحُرَّةِ. بِخِلَافِ النَّظَرِ وَالْمَسِّ بِغَيْرِ شَهْوَةٍ لِاَنَّهٗ قَدْ يَحِلُّ بِدُوْنِ النِّكَاحِ كَمَا فِي الْقَابِلَةِ وَالطَّبِيْبِ وَغَيْرِهِمَا. وَالنَّظَرُ اِلٰى غَيْرِ الْفَرْجِ قَدْ يَقَعُ بَيْنَ الْمُسَاكِنَيْنِ وَالزَّوْجُ يُسَاكِنُهَا فِي الْعِدَّةِ. فَلَوْ كَانَ رَجْعَةً لَطَلَّقَهَا فَتَطُوْلُ الْعِدَّةُ عَلَيْهَا.

ترجمہ: [رجوع اس طرح ہے کہ وہ کہے: ''میں نے تجھ سے رجوع کرلیا'' یا (کہے) ''میں نے اپنی عورت سے رجوع کرلیا'']

رجوع میں یہ واضح طریقہ ہے اور ائمہ کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

فرماتے ہیں [یا اس سے جماع کرے یا شہوت کے ساتھ اس کا بوسہ لے یا ہاتھ لگائے یا شہوت کے ساتھ اس کی شرمگاہ کو دیکھے] یہ (طریقہ) ہمارے نزدیک ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: قول کے بغیر رجوع صحیح نہیں جب وہ بولنے پر قادر ہو، کیونکہ رجوع ابتداءِ نکاح کی طرح ہے حتیٰ کہ اس پر اس عورت سے جماع حرام ہو جاتا ہے۔

اور ہمارے نزدیک یہ نکاح کو باقی رکھنا ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا اور عنقریب وضاحت کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

اور فعل کبھی عمل کو برقرار رکھنے پر دلالت کرتا ہے جس طرح خیار کو ساقط کرنے میں ہوتا ہے۔

اور دلالت ایسا فعل ہو جو نکاح کے ساتھ خاص ہوتا ہے اور یہ (مذکورہ بالا) افعال اس (نکاح) کے ساتھ خاص ہیں بالخصوص آزاد عورت میں۔

بخلاف شہوت کے بغیر دیکھنے اور چھونے کے کیونکہ یہ بعض اوقات نکاح کے بغیر بھی جائز ہوتے ہیں جیسے دایہ اور طبیب وغیرہ اور شرمگاہ کے علاوہ اعضاء کی طرف نظر بعض اوقات اکٹھے رہنے والوں کے درمیان عدت کے دوران واقع ہو جاتی اور خاوند عدت کے دوران اس کے ساتھ رہتا ہے اگر اسے رجوع قرار دیا جائے تو وہ اسے (دوبارہ) طلاق دے گا اور عدت طویل ہو جائے گی۔

توضیح: رجوع کے دو طریقے ہیں: ① قولی ② فعلی

قولی طریقہ یہ ہے کہ مرد کہے میں نے تجھ سے رجوع کیا یا میں نے اپنی عورت سے رجوع کیا --- اس طریقے کے جواز پر تمام ائمہ متفق ہیں۔

فعلی طریقہ یہ ہے کہ اس سے جماع کرے یا شہوت کے ساتھ اس کا بوسہ لے یا اسے چھوئے یا شہوت کے ساتھ اس کی شرمگاہ کی طرف نظر کرے تو رجوع ہو جائے گا۔

اس صورت میں حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں: رجوع صرف کلام کے ذریعے ہو سکتا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ رجوع نئے سرے سے نکاح کے قائم مقام ہے اور نکاح سے پہلے وطی حرام ہوتی ہے لہٰذا رجوع سے پہلے بھی وطی (اور دیگر مذکورہ کام) امور حرام ہیں۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ عدت کے ختم ہونے سے پہلے نکاح کا دوام ہوتا ہے یعنی اس پہلے نکاح کا تسلسل ہوتا ہے اور عورت کی ملکیت مرد کو حاصل ہوتی ہے لہٰذا وہ جماع وغیرہ کر سکتا ہے اور بعض اوقات کوئی فعل پہلی حالت کے دوام اور جاری رہنے پر دلالت کرتا ہے اور جب ایسا فعل پایا جائے جو نکاح کے ساتھ خاص ہے جیسے جماع اور شہوت کے ساتھ چھونا وغیرہ (مذکورہ بالا امور) تو ان کاموں کا پایا جانا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ سابق نکاح کو باقی رکھنا چاہتا ہے۔

اس کی مثال اسقاط خیار ہے اسقاط خیار کی تفصیل اس طرح ہے کہ کسی شخص کی لونڈی ہو اور وہ اسے تین دن کے خیار (خیار شرط) کے ساتھ فروخت کرے پھر خیار کے دنوں میں اس سے وطی کرے تو یہ عمل اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اپنی پہلی ملک کو برقرار رکھنا چاہتا ہے اور خیار کو ساقط کرتا ہے۔

اسی طرح رجعی طلاق کے بعد عدت کے اندر وطی کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ پہلی ملکیت کو باقی رکھنا چاہتا ہے۔

شہوت کی قید سے اس بات کی وضاحت مطلوب ہے کہ شہوت کے ساتھ اسی عورت کو ہاتھ لگا سکتا ہے اور بوسہ لے سکتا ہے یا اس کی شرمگاہ کو دیکھ سکتا ہے جو اس کے نکاح میں ہو۔

شہوت کے بغیر بعض اوقات نکاح کے بغیر بھی ہاتھ لگایا جا سکتا ہے جیسے مرد ڈاکٹر اجنبی عورت کی نبض وغیرہ چیک کرے اور شرمگاہ کی قید اس لئے ہے کہ جو دو افراد ایک جگہ رہائش پذیر ہوں تو شرمگاہ کے علاوہ اعضاء پر نظر پڑتی ہے اور جب عدت کے دوران خاوند اس کے ساتھ رہتا ہے تو اگر شرمگاہ کے علاوہ دیکھنے سے رجوع ہو جائے تو اس سے یہ نقصان ہوگا کہ اس کے ارادے کے بغیر رجوع ہوگا اور اسے دوبارہ طلاق دینا پڑے گی جس سے عورت کی عدت طویل ہو جائے گی۔ اس

لئے رجوع کے لئے بوسہ لینے، ہاتھ لگانے اور شرمگاہ کی طرف شہوت کے ساتھ دیکھنا شرط ہے۔

رجوع پر گواہ بنانا مستحب ہے

(۱۰۳): قَالَ [وَيُسْتَحَبُّ اَنْ يُشْهِدَ عَلَى الرَّجْعَةِ شَاهِدَيْنِ، فَاِنْ لَمْ يُشْهِدْ صَحَّتِ الرَّجْعَةُ] وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ فِيْ اَحَدِ قَوْلَيْهِ لَا تَصِحُّ، وَهُوَ قَوْلُ مَالِكٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى: ﴿وَ اَشْهِدُوْا ذَوَىْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ﴾ وَالْاَمْرُ لِلْاِيْجَابِ.

وَلَنَا اِطْلَاقُ النُّصُوْصِ عَنْ قَيْدِ الْاِشْهَادِ، وَلِاَنَّهُ اسْتِدَامَةٌ لِلنِّكَاحِ، وَالشَّهَادَةُ لَيْسَتْ شَرْطًا فِيْهِ فِيْ حَالَةِ الْبَقَاءِ كَمَا فِي الْفَيْئِ فِي الْاِيْلَاءِ، اِلَّا اَنَّهَا تُسْتَحَبُّ لِزِيَادَةِ الْاِحْتِيَاطِ كَيْ لَا يَجْرِيَ التَّنَاكُرُ فِيْهَا، وَمَا تَلَاهُ مَحْمُوْلٌ عَلَيْهِ؛ اَلَا تَرٰى اَنَّهُ قَرَنَهَا بِالْمُفَارَقَةِ وَهُوَ فِيْهَا مُسْتَحَبٌّ وَّيُسْتَحَبُّ اَنْ يُعْلِمَهَا كَيْ لَا تَقَعَ فِي الْمَعْصِيَةِ [وَاِذَا انْقَضَتِ الْعِدَّةُ فَقَالَ كُنْتُ رَاجَعْتُهَا فِي الْعِدَّةِ فَصَدَّقَتْهُ فَهِيَ رَجْعَةٌ، وَاِنْ كَذَّبَتْهُ فَالْقَوْلُ قَوْلُهَا] لِاَنَّهُ اَخْبَرَ عَمَّا لَا يَمْلِكُ اِنْشَائَهُ فِي الْحَالِ فَكَانَ مُتَّهَمًا اِلَّا اَنَّ بِالتَّصْدِيْقِ تَرْتَفِعُ التُّهْمَةُ، وَلَا يَمِيْنَ عَلَيْهَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَهِيَ مَسْاَلَةُ الْاِسْتِحْلَافِ فِي الْاَشْيَاءِ السِّتَّةِ وَقَدْ مَرَّ فِيْ كِتَابِ النِّكَاحِ

ترجمہ: [اور مستحب ہے کہ رجوع پر دو گواہ بنائے اور اگر گواہ نہ بھی بنائے تو رجوع صحیح ہوگا]

اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے دوقولوں میں سے ایک قول میں (گواہی کے بغیر) رجوع صحیح نہیں ہوگا۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے کیونکہ ارشاد خداوندی ہے:

وَ اَشْهِدُوْا ذَوَىْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ [1]

ترجمہ: اور اپنے لوگوں (مسلمانوں) میں سے دو عادل آدمیوں کو گواہ بناؤ۔

اور امر کا صیغہ ایجاب کے لئے آتا ہے۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ نصوص میں گواہ بنانے کی قید نہیں ہے اور اس لئے بھی کہ یہ (رجوع) نکاح کو باقی رکھنا ہے (نیا نکاح نہیں) اور حالت بقاء میں گواہی شرط نہیں جس طرح ایلاء کی صورت میں رجوع کیا جائے تو گواہی شرط نہیں۔

البتہ زیادہ احتیاط کے لئے مستحب ہے تاکہ اس میں باہم انکار جاری نہ ہو۔

اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے جس آیت کا ذکر کیا ہے وہ اسی استحباب پر محمول ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ اسے مفارقت کے ساتھ ملایا اور وہ اس میں مستحب ہے۔ اور مستحب ہے کہ عورت کو اس (رجوع) سے آگاہ کرے تاکہ وہ کسی گناہ میں مبتلا نہ ہو۔

[1] سورہ طلاق، آیت: ۲

[اور جب عدت ختم ہو جائے اور مرد کہے میں نے عدت کے دوران اس سے رجوع کر لیا تھا اور عورت اس کی تصدیق کرے تو یہ رجوع ہو گا اور اگر عورت اسے جھٹلائے تو عورت کا قول معتبر ہو گا]

کیونکہ مرد نے اس بات کی خبر دی جس کو وجود میں لانے کا اس وقت مالک نہیں پس اس پر تہمت آئے گی مگر تصدیق کی وجہ سے تہمت ختم ہو جائے گی۔

اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عورت کے ذمہ قسم نہیں ہوگی اور یہ چھ باتوں میں قسم لینے کا مسئلہ اور کتاب النکاح میں بیان ہو چکا ہے۔

توضیح: یہاں دو مسئلوں کا ذکر ہے ایک یہ کہ کیا رجوع پر گواہ بنانا ضروری ہے یا یہ محض مستحب ہے اور گواہ قائم کئے بغیر رجوع ہو جاتا ہے ــــ

اور دوسرا مسئلہ عورت کی عدت ختم ہونے کے بعد مرد کا دعویٰ کرنا کہ اس نے عدت کے دوران رجوع کر لیا تھا۔

پہلا مسئلہ: ہمارے احناف کے نزدیک رجوع پر گواہ بنانا بطور احتیاط مستحب ہے واجب نہیں کیونکہ یہ نیا نکاح نہیں بلکہ پہلے نکاح کو باقی رکھنا ہے احناف نے ایلاء سے رجوع کو بھی دلیل بنایا کہ جب کوئی شخص قسم اٹھائے کہ وہ اپنی بیوی کے پاس نہیں جائے گا تو چار مہینے کے اندر اندر رجوع کرنا ہوگا (اسے ایلاء کہتے ہیں اور اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے)

(۲) رجوع پر گواہ قائم نہیں کئے جاتے کیونکہ یہ نکاح کا بقا اور استمرار ہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے وہ آیت پیش کی جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے اور اس بنیاد پر رجوع پر گواہ قائم کرنا واجب قرار دیا۔ وہ فرماتے ہیں: وَاَشْهِدُوْا امر کا صیغہ ہے اور امر کسی کام کو واجب کرنے کے لئے آتا ہے۔

ہمارے نزدیک یہ آیت استحباب پر محمول ہے یہی وجہ ہے کہ اسے عورت کو جدا کرنے کے ذکر کرنے کے ساتھ ملایا ہے یعنی اس سے پہلے فرمایا: ﴿ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ﴾ [1] (یا ان کو اچھے طریقے سے جدا کر دو) تو یہاں گواہ بنانا واجب نہیں نیز مرد کو چاہئے کہ وہ عورت کو رجوع سے آگاہ کرے کیونکہ بعض اوقات رجوع زبانی ہوتا ہے اور عورت کو علم نہیں ہوتا تو وہ گناہ میں مبتلا ہو جاتی ہے یعنی عدت گزر گئی اور اس نے دوسری جگہ نکاح کر لیا حالانکہ رجوع کی وجہ سے وہ پہلے شخص کی بیوی ہے اور یہ نکاح درست نہیں۔

دوسرا مسئلہ:

جس کا اجمالی ذکر پہلے ہو چکا ہے وہ یہ ہے کہ عورت کی عدت ختم ہوگئی اور مرد نے دعویٰ کیا کہ اس نے عدت کے دوران رجوع کر لیا تھا۔ تو یہ خبر ہے کیونکہ اب رجوع نہیں کر سکتا لہٰذا یہ انشاء نہیں ہوگی۔

تو اگر عورت اس کی تصدیق کرے کہ واقعی اس نے رجوع کیا تھا تو رجوع معتبر ہوگا لیکن اگر عورت اس کو جھٹلائے تو عورت کی بات معتبر ہوگی۔

---

[1] سورۃ الطلاق، آیت: ۲

چونکہ اس وقت رجوع نہیں ہوسکتا لہذا خاوند پر یہ تہمت آسکتی ہے کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے لیکن جب عورت تصدیق کر دے تو تہمت کا راستہ بند ہو جائے گا۔

چونکہ عورت مدعیٰ علیہا ہے اور مدعیٰ علیہا کی بات قسم کے ساتھ معتبر ہوتی ہے لیکن حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قسم نہیں لی جائے گی۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں: چند کام ایسے ہیں جن میں قسم نہیں لی جاتی اور ان کو کتاب النکاح میں بیان کیا گیا ہے۔

رجوع کے سلسلے میں بیوی خاوند کے درمیان اختلاف

(۱۰۴): [وَاِذَا قَالَ الزَّوْجُ قَدْ رَاجَعْتُكِ فَقَالَتْ مُجِيبَةً لَهُ قَدْ انْقَضَتْ عِدَّتِيْ لَمْ تَصِحَّ الرَّجْعَةُ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللهُ] وَقَالَا: تَصِحُّ الرَّجْعَةُ لِاَنَّهَا صَادَفَتْ الْعِدَّةَ اِذْ هِيَ بَاقِيَةٌ ظَاهِرًا اِلٰى اَنْ تُخْبِرَ وَقَدْ سَبَقَتْهُ الرَّجْعَةُ. وَلِهٰذَا لَوْ قَالَ لَهَا طَلَّقْتُكِ فَقَالَتْ مُجِيبَةً لَهُ قَدْ انْقَضَتْ عِدَّتِيْ يَقَعُ الطَّلَاقُ وَلِاَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللهُ اَنَّهَا صَادَفَتْ حَالَةَ الِانْقِضَاءِ لِاَنَّهَا اَمِيْنَةٌ فِي الْاِخْبَارِ عَنِ الِانْقِضَاءِ فَاِذَا اَخْبَرَتْ دَلَّ ذٰلِكَ عَلٰى سَبْقِ الِانْقِضَاءِ وَاَقْرَبُ اَحْوَالِهِ حَالُ قَوْلِ الزَّوْجِ وَمَسْاَلَةُ الطَّلَاقِ عَلَى الْخِلَافِ. وَلَوْ كَانَتْ عَلَى الِاتِّفَاقِ فَالطَّلَاقُ يَقَعُ بِاِقْرَارِهٖ بَعْدَ الِانْقِضَاءِ وَالْمُرَاجَعَةُ لَا تَثْبُتُ بِهٖ

ترجمہ: [اور جب خاوند کہے کہ میں نے تجھ سے رجوع کیا اور عورت کہے میری عدت ختم ہوگئی ہے اور رجوع صحیح نہیں ہوگا یہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے]

اور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں: رجوع صحیح ہوگا کیونکہ رجوع عدت کے ساتھ پایا گیا کیونکہ ظاہری طور پر عورت کے خبر دینے تک عدت باقی تھی اور رجوع اس سے پہلے ہوگیا۔

یہی وجہ ہے کہ اگر وہ کہے میں نے تجھ کو طلاق دی اور عورت جواب میں کہے میری عدت ختم ہوگئی تو طلاق واقع ہو جائے گی۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ رجوع عدت ختم ہونے کی حالت میں ہوا کیونکہ عدت ختم ہونے کی خبر دینے میں عورت امینہ ہے اور جب اس نے خبر دی تو یہ اس بات پر دلالت ہے کہ عدت پہلے ختم ہوگئی اور قریب ترین حالت، خاوند کے قول کی حالت ہے۔

اور طلاق کا مسئلہ اختلافی ہے اور اگر اس پر اتفاق بھی ہو تو طلاق عدت کے ختم ہونے کے بعد مرد کے اقرار سے واقع ہوگی اور اس سے رجوع ثابت نہیں ہوتا۔

توضیح: یہ بات واضح ہے کہ رجوع عدت کے دوران ہوسکتا ہے اب عدت ختم ہو رہی ہے اور مرد کہتا ہے: میں نے رجوع کیا اور عورت کہتی ہے کہ میری عدت ختم ہوگئی تو اس سلسلے میں امام اعظم اور صاحبین کے درمیان اختلاف ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک رجوع صحیح نہیں ہوگا اور صاحبین کے نزدیک رجوع صحیح ہے۔

اس اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ امام اعظم فرماتے ہیں: عدت کے ختم ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں عورت ہی بتاسکتی ہے اور وہ اس سلسلے میں امانت دار ہے جب وہ کہہ رہی کہ عدت ختم ہوگئی تو اس کی خبر کو صحیح مانا جائے گا اور اس کی خبر سے پہلے عدت ختم ہوچکی ہے لہٰذا رجوع صحیح نہیں ہے اگر وہ زیادہ وقت پہلے ختم نہ بھی ہوئی ہوتو مرد کے قول کے قریب ختم ہوگئی۔

صاحبین فرماتے ہیں: جب اس نے رجوع کا قول کیا اس وقت عدت باقی تھی کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ عورت کے قول کہ میری عدت ختم ہوگئی تک عدت باقی تھی اور مرد نے عورت کے قول سے پہلے رجوع کیا لہٰذا رجوع عدت کے دوران ہوا۔

صاحبین اس پر ایک اور بات سے استدلال کرتے ہیں کہ اگر خاوند اپنی بیوی سے کہے کہ میں نے تجھے طلاق دی اور عورت کہے میری عدت ختم ہوگئی تو یہ طلاق ہوجاتی ہے اسی طرح رجوع بھی ہوجانا چاہئے۔

حضرت امام ابوحنیفہ نے اس کا جواب یوں دیا کہ طلاق والے مسئلہ میں اختلاف ہے (اور جو اختلافی مسئلہ ہو اسے دلیل نہیں بنایا جاسکتا)

آپ فرماتے ہیں: اگر اس طلاق والے مسئلہ کو اتفاقی بھی مان لیا جائے تو عدت کے بعد مرد کے اقرار سے طلاق واقع ہوگی (گویا اس نے طلاق عدت کے دوران دی اور اب اقرار کر رہا ہے)

لیکن رجوع کرنا اس کے اقرار کے ساتھ ثابت نہیں ہوگا (کیونکہ اس کے ساتھ غیر (یعنی بیوی) کا حق متعلق ہے اور وہ غیر کے حق میں تصرف کر رہا ہے لہٰذا یہاں تہمت کا خدشہ ہے)

جب لونڈی رجوع کا انکار کرے

(۱۰۵): [وَإِذْ قَالَ زَوْجُ الْأَمَةِ بَعْدَ انْقِضَاءِ عِدَّتِهَا: قَدْ كُنْتُ رَاجَعْتُهَا وَصَدَّقَهُ الْمَوْلَى وَكَذَّبَتْهُ الْأَمَةُ فَالْقَوْلُ قَوْلُهَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَقَالَا: الْقَوْلُ قَوْلُ الْمَوْلَى] لِأَنَّ بُضْعَهَا مَمْلُوكٌ لَهُ. فَقَدْ أَقَرَّ بِمَا هُوَ خَالِصُ حَقِّهِ لِلزَّوْجِ فَشَابَهُ الْإِقْرَارَ عَلَيْهَا بِالنِّكَاحِ، وَهُوَ يَقُولُ حُكْمُ الرَّجْعَةِ يُبْتَنَى عَلَى الْعِدَّةِ وَالْقَوْلُ فِي الْعِدَّةِ قَوْلُهَا. فَكَذَا فِيمَا يُبْتَنَى عَلَيْهَا. وَلَوْ كَانَ عَلَى الْقَلْبِ فَعِنْدَهُمَا الْقَوْلُ قَوْلُ الْمَوْلَى. وَكَذَا عِنْدَهُ فِي الصَّحِيحِ لِأَنَّهَا مُنْقَضِيَةُ الْعِدَّةِ فِي

الْحَالِ، وَقَدْ ظَهَرَ مِلْكُ الْمُتْعَةِ لِلْمَوْلٰى فَلَا يُقْبَلُ قَوْلُهَا فِيْ إِبْطَالِهِ، بِخِلَافِ الْوَجْهِ الْأَوَّلِ لِأَنَّ الْمَوْلٰى بِالتَّصْدِيْقِ فِي الرَّجْعَةِ مُقِرٌّ بِقِيَامِ الْعِدَّةِ عِنْدَهَا وَلَا يَظْهَرُ مِلْكُهُ مَعَ الْعِدَّةِ

[وَإِنْ قَالَتْ قَدِ انْقَضَتْ عِدَّتِيْ وَقَالَ الزَّوْجُ وَالْمَوْلٰى لَمْ تَنْقَضِ عِدَّتُكِ فَالْقَوْلُ قَوْلُهَا] لِأَنَّهَا أَمِيْنَةٌ فِيْ ذٰلِكَ إِذْ هِيَ الْعَالِمَةُ بِهِ

ترجمہ: [اور جب لونڈی کا خاونداس کی عدت پوری ہونے کے بعد کہے میں نے رجوع کرلیا تھا اور لونڈی کا آقا اس کی تصدیق کرے اور لونڈی اسے جھٹلائے تو حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک لونڈی کا قول معتبر ہوگا اور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں: لونڈی کے آقا کا قول معتبر ہوگا]

کیونکہ اس کی شرمگاہ اس (آقا) کی ملکیت ہے اور اس نے اپنے خالص حق کا خاوند کے لئے اقرار کیا۔

تو یہ عورت کے نکاح کے اقرار کی طرح ہے۔

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: رجوع کے حکم کی بنیاد عدت ہے اور عدت کے بارے میں عورت کا قول معتبر ہوتا ہے تو جس چیز کی بنیاد عدت ہو اس میں بھی اسی طرح ہوگا اور اگر معاملہ الٹ ہو (یعنی لونڈی تصدیق کرے اور اس کا آقا جھٹلائے) تو صاحبین کے نزدیک مولیٰ (آقا) کا قول معتبر ہوگا اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی اسی طرح ہوگا، صحیح قول یہی ہے۔

کیونکہ لونڈی فی الحال عدت گزار چکی ہے اور ملک متعہ مولیٰ کے لئے ظاہر ہوگئی ہے لہٰذا اس کے باطل کرنے میں لونڈی کی بات قبول نہیں کی جائے گی ——

بخلاف پہلی صورت کے کیونکہ مولیٰ نے رجوع کی تصدیق کر کے اس بات کا اقرار کیا کہ رجوع کے وقت عدت باقی تھی اور عدت کے دوران مولیٰ کی ملک ظاہر نہیں ہوتی

[اور اگر لونڈی کہے کہ میری عدت ختم ہوگئی اور خاوند اور مولیٰ کہیں کہ تمہاری عدت ختم نہیں ہوئی تو لونڈی کا قول معتبر ہوگا] کیونکہ اس سلسلے میں وہ امینہ ہے اس لئے کہ اس کا علم صرف اسے ہی ہے۔

توضیح: لونڈی کا مالک کوئی اور ہو اور وہ کسی دوسرے آدمی کے نکاح میں ہو تو اصل مالک وہی شخص ہوتا ہے لیکن جب تک وہ دوسرے آدمی کے نکاح میں ہو وہ دوسرا شخص اس کی شرمگاہ کا مالک ہوتا ہے جسے ملک بضع یا ملک متعہ کہا جاتا ہے۔

گویا اس لونڈی پر ان دو آدمیوں کا حق ہوتا ہے اسی بنیاد پر مذکورہ مسئلہ میں حضرت امام ابوحنیفہ اور صاحبین رحمہم اللہ کے درمیان اختلاف ہے۔

مسئلہ یہ ہے کہ خاوند نے اس لونڈی کو طلاق دی اور عدت بھی ختم ہوگئی تو اس نے کہا کہ میں نے رجوع کرلیا تھا عورت کے مولیٰ (مالک) نے بھی اس کی تصدیق کردی لیکن لونڈی نے اسے جھٹلا دیا۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: لونڈی کی بات قبول کی جائے گی اور رجوع نہیں ہوگا۔

صاحبین رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں: مولیٰ کی بات مانی جائے گی اور رجوع ہو جائے گا۔

صاحبین کی دلیل

وہ فرماتے ہیں: عورت کی شرمگاہ مولیٰ کی ملکیت ہے اس لئے اس نے خاوند کے لئے خالص اپنے حق کا اقرار کیا ہے لہٰذا یہ اسی طرح ہے جیسے وہ اس کے نکاح کا اقرار کرے (اور وہ معتبر ہے)

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل

آپ فرماتے ہیں: رجوع کا حکم عدت پر مبنی ہوتا ہے اور عدت کے بارے میں عورت کا قول معتبر ہوتا ہے لہٰذا جو حکم اس پر مبنی ہے اس کے بارے میں بھی عورت کا قول معتبر ہوگا۔

دوسری صورت

اگر معاملہ اس کے برعکس ہو یعنی لونڈی اپنے خاوند کی تصدیق کرے کہ اس نے عدت کے دوران رجوع کر لیا تھا اور مولیٰ خاوند کی تکذیب کرے تو صاحبین کے مطابق اس صورت میں بھی مولیٰ کا قول معتبر ہوگا ان کی دلیل وہی ہے کہ یہ مولیٰ کا حق ہے۔

اور صحیح قول کے مطابق حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی مولیٰ کا قول مانا جائے گا اور رجوع ثابت نہیں ہوگا۔ آپ کی دلیل یہ ہے کہ اس وقت جب مرد نے دعویٰ کیا عدت ختم ہو چکی ہے اور اب ملک متعہ مولیٰ کو حاصل ہو چکی ہے لہٰذا مولیٰ کی اس ملک کو باطل کرنے میں لونڈی کا قول معتبر نہیں ہوگا۔

پہلی صورت کے حوالے سے حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مولیٰ نے جب رجوع کی تصدیق کر دی تو اس کے نزدیک رجوع کے وقت عدت قائم تھی اور عدت کی موجودگی میں مولیٰ کو ملک حاصل نہیں ہوئی۔

دوسرا مسئلہ:

عورت نے کہا میری عدت ختم ہو گئی ہے اور خاوند اور مولیٰ نے کہا کہ تیری عدت ختم نہیں ہوئی یعنی عدت کے ختم ہونے اور نہ ہونے کے بارے میں اختلاف ہے تو لونڈی کا قول معتبر ہوگا کیونکہ عدت کے بارے میں وہی جانتی ہے اور وہ اس سلسلے میں امینہ ہے۔

رجوع کا حق کب تک ہوتا ہے

(۱۰۶): [وَاِذَا انْقَطَعَ الدَّمُ مِنَ الْحَيْضَةِ الثَّالِثَةِ لِعَشَرَةِ اَيَّامٍ انْقَطَعَتِ الرَّجْعَةُ وَاِنْ لَمْ تَغْتَسِلْ، وَاِنِ انْقَطَعَ لِاَقَلَّ مِنْ عَشَرَةِ اَيَّامٍ لَمْ تَنْقَطِعِ الرَّجْعَةُ حَتّٰى تَغْتَسِلَ اَوْ يَمْضِيَ عَلَيْهَا

وَقْتُ صَلَاةٍ كَامِلٍ] لِاَنَّ الْحَيْضَ لَا مَزِيْدَ لَهُ عَلَى الْعَشَرَةِ، فَبِمُجَرَّدِ الْاِنْقِطَاعِ خَرَجَتْ مِنَ الْحَيْضِ فَانْقَضَتِ الْعِدَّةُ وَانْقَطَعَتِ الرَّجْعَةُ.

وَفِيْمَا دُوْنَ الْعَشَرَةِ يُحْتَمَلُ عَوْدُ الدَّمِ فَلَا بُدَّ اَنْ يَعْتَضِدَ الْاِنْقِطَاعُ بِحَقِيْقَةِ الْاِغْتِسَالِ اَوْ بِلُزُوْمِ حُكْمٍ مِنْ اَحْكَامِ الطَّاهِرَاتِ بِمُضِيِّ وَقْتِ الصَّلَاةِ، بِخِلَافِ مَا اِذَا كَانَتْ كِتَابِيَّةً لِاَنَّهُ لَا يُتَوَقَّعُ فِيْ حَقِّهَا اَمَارَةٌ زَائِدَةٌ فَاكْتَفَى بِالْاِنْقِطَاعِ، وَتَنْقَطِعُ اِذَا تَيَمَّمَتْ وَصَلَّتْ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَاَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ، وَهٰذَا اسْتِحْسَانٌ

وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ: اِذَا تَيَمَّمَتْ انْقَطَعَتْ، وَهٰذَا قِيَاسٌ لِاَنَّ التَّيَمُّمَ حَالَ عَدَمِ الْمَاءِ طَهَارَةٌ مُطْلَقَةٌ حَتّٰى يَثْبُتَ بِهٖ مِنَ الْاَحْكَامِ مَا يَثْبُتُ بِالْاِغْتِسَالِ فَكَانَ بِمَنْزِلَتِهٖ.

وَلَهُمَا اَنَّهُ مُلَوِّثٌ غَيْرُ مُطَهِّرٍ، وَاِنَّمَا اُعْتُبِرَ طَهَارَةً ضَرُوْرَةً اَنْ لَا تَتَضَاعَفَ الْوَاجِبَاتُ، وَهٰذِهِ الضَّرُوْرَةُ تَتَحَقَّقُ حَالَ اَدَاءِ الصَّلَاةِ لَا فِيْمَا قَبْلَهَا مِنَ الْاَوْقَاتِ، وَالْاَحْكَامُ الثَّابِتَةُ اَيْضًا ضَرُوْرِيَّةٌ اقْتِضَائِيَّةٌ. ثُمَّ قِيْلَ تَنْقَطِعُ بِنَفْسِ الشُّرُوْعِ عِنْدَهُمَا، وَقِيْلَ بَعْدَ الْفَرَاغِ لِيَتَقَرَّرَ حُكْمُ جَوَازِ الصَّلَاةِ

[وَاِذَا اغْتَسَلَتْ وَنَسِيَتْ شَيْئًا مِنْ بَدَنِهَا لَمْ يُصِبْهُ الْمَاءُ، فَاِنْ كَانَ عُضْوًا فَمَا فَوْقَهُ لَمْ تَنْقَطِعِ الرَّجْعَةُ، وَاِنْ كَانَ اَقَلَّ مِنْ عُضْوٍ انْقَطَعَتْ] قَالَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: وَهٰذَا اسْتِحْسَانٌ.

وَالْقِيَاسُ فِي الْعُضْوِ الْكَامِلِ اَنْ لَا تَبْقَى الرَّجْعَةُ لِاَنَّهَا غَسَلَتِ الْاَكْثَرَ.

وَالْقِيَاسُ فِيْمَا دُوْنَ الْعُضْوِ اَنْ تَبْقٰى لِاَنَّ حُكْمَ الْجَنَابَةِ وَالْحَيْضِ لَا يَتَجَزَّاُ.

وَوَجْهُ الْاِسْتِحْسَانِ وَهُوَ الْفَرْقُ اَنَّ مَا دُوْنَ الْعُضْوِ يَتَسَارَعُ اِلَيْهِ الْجَفَافُ لِقِلَّتِهٖ فَلَا يَتَيَقَّنُ بِعَدَمِ وُصُوْلِ الْمَاءِ اِلَيْهِ، فَقُلْنَا بِاَنَّهُ تَنْقَطِعُ الرَّجْعَةُ وَلَا يَحِلُّ لَهَا التَّزَوُّجُ اَخْذًا بِالْاِحْتِيَاطِ فِيْهِمَا، بِخِلَافِ الْعُضْوِ الْكَامِلِ لِاَنَّهُ لَا يَتَسَارَعُ اِلَيْهِ الْجَفَافُ وَلَا يُغْفَلُ عَنْهُ عَادَةً فَافْتَرَقَا.

وَعَنْ اَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى: اَنَّ تَرْكَ الْمَضْمَضَةِ وَالْاِسْتِنْشَاقِ كَتَرْكِ عُضْوٍ كَامِلٍ.

وَعَنْهُ وَهُوَ قَوْلُ مُحَمَّدٍ رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلَيْهِ: هُوَ بِمَنْزِلَةِ مَا دُوْنَ الْعُضْوِ لِاَنَّ فِيْ فَرْضِيَّتِهٖ اخْتِلَافًا بِخِلَافِ غَيْرِهٖ مِنَ الْاَعْضَاءِ.

ترجمہ: [اور جب تیسرے حیض کا خون، دس دن مکمل ہونے پر ختم ہو جائے تو رجوع (کا حق) ختم ہو جائے گا اگر چہ وہ غسل نہ کرے اور اگر دس دن سے کم پر ختم ہو تو رجوع (کا حق) ختم نہیں ہوگا جب تک غسل نہ کرے یا ایک نماز کا کامل وقت گزر جائے]

کیونکہ حیض دس دن سے زیادہ نہیں ہوتا پس وہ صرف حیض کے ختم ہونے سے حیض سے نکل جائے گی اور عدت ختم ہو جائے اور رجوع (کا حق) بھی ختم ہو جائے گا۔

اور جب دس دنوں سے کم پر ختم ہو تو خون کے دوبارہ آنے کا احتمال ہوتا ہے پس ضروری ہے کہ حیض کا ختم ہونا حقیقی غسل کے ساتھ یا پاک عورتوں کے احکام میں سے کسی ایک حکم کے لازم ہونے کے ساتھ مضبوط اور مؤکد ہو۔

بخلاف اس کے جب عورت اہل کتاب میں سے ہو کیونکہ اس کے حق میں کسی زائد علامت کی توقع نہیں ہوتی پس خون کے ختم ہونے پر ہی اکتفاء کیا جائے گا۔

اور جب تیمم کر کے نماز پڑھ لے تو بھی حیض ختم ہو جائے گا یہ حضرت امام ابوحنیفہ اور امام محمد علیہما الرحمہ کے نزدیک بطور استحسان ہے۔

جبکہ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جب تیمم کر لے تو حیض ختم ہو گیا اور یہ قیاس ہے کیونکہ پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمم طہارت مُطْلَقَۃ ہوتا ہے حتیٰ کہ اس کے ساتھ وہ احکام ثابت ہوتے ہیں جو غسل کے ساتھ ثابت ہوتے ہیں لہٰذا یہ غسل کے قائم مقام ہوگا۔

شیخین کی دلیل یہ ہے کہ تیمم آلودہ کرنے والا ہے پاک کرنے والا نہیں اور ضرورت کے تحت اسے طہارت قرار دیا جاتا ہے تاکہ (بندے کے ذمہ) واجبات بڑھ نہ جائیں اور یہ ضرورت نماز کی ادائیگی کی حالت میں متحقق ہوتی ہے اس سے پہلے اوقات میں نہیں۔ اور (اس کے ساتھ) جو احکام ثابت ہوتے ہیں وہ بھی ضرورت کے تقاضے کے تحت ثابت ہوتے ہیں۔

پھر کہا گیا کہ شیخین کے نزدیک نماز شروع کرتے ہی حیض ختم ہو جاتا ہے اور یہ بھی کہا گیا کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد ختم ہوتا ہے تاکہ نماز کے جواز کا حکم پکا ہو جائے (مراد یہ کہ حیض کا حکم ختم ہو جاتا ہے)

[اور جب عورت غسل کرتے ہوئے اپنے بدن کے کسی حصے کو بھول جائے اور اس تک پانی نہ پہنچے تو (دیکھا جائے) اگر وہ ایک عضو یا اس سے زیادہ ہے تو رجوع (کا حق) ختم نہیں ہوگا اور اگر ایک عضو سے کم ہو تو (رجوع کا حق) ختم ہو جائے گا] اور یہ استحسان ہے۔

اور کامل عضو کے بارے میں قیاس یہ ہے کہ رجوع کا حق باقی نہ رہے کیونکہ اس نے اکثر حصہ دھولیا۔

اور عضو سے کم میں قیاس یہ ہے کہ رجوع کا حق باقی رہے گا کیونکہ جنابت اور حیض کا حکم اجزاء میں تقسیم نہیں ہوتا اور استحسان کی وجہ یہ ہے اور یہی (دونوں حالتوں میں) فرق کی وجہ بھی ہے کہ عضو سے کم میں خشکی جلدی آتی ہے کیونکہ وہ قلیل

ہے پس اس تک پانی نہ پہنچنے کا یقین نہیں ہوگا ـــــ لہٰذا ہم نے کہا کہ رجوع کا حق ختم ہوگیا اور عورت کے لئے (آگے) نکاح کرنا جائز نہ ہوگا ان دونوں باتوں میں احتیاط کو اختیار کیا گیا۔

بخلاف کامل عضو کے کیونکہ وہ جلدی خشک نہیں ہوتا اور عام طور پر آدمی اس سے غافل نہیں ہوتا پس دونوں کا حکم جدا جدا ہوگا۔

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ کلی کرنے اور ناک میں پانی چڑھانے کو ترک کرنا کامل عضو کو چھوڑنے کی طرح ہے اور آپ سے یہ بھی مروی ہے اور وہ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا بھی قول ہے کہ یہ (کلی اور ناک میں پانی چڑھانے کا ترک) عضو سے کم کے حکم میں ہے کیونکہ ان کے فرض ہونے میں اختلاف ہے بخلاف دوسرے اعضاء کے (ان کی فرضیت میں اختلاف نہیں)

توضیح: طلاق رجعی کی صورت میں عدت کے دوران رجوع کا حق حاصل ہوتا ہے اور غیر حاملہ عورت کی عدت تین حیض ہیں اس لئے تین حیض مکمل ہونے سے پہلے پہلے رجوع ہوسکتا ہے۔

حیض کم از کم تین اور زیادہ سے زیادہ دس دنوں پر مشتمل ہوتا ہے اور بعض اوقات مکمل دس دن حیض آتا ہے اور کبھی اس سے کم دنوں میں ختم ہوجاتا ہے اس بنیاد پر رجوع کے حق کا حکم مختلف ہوتا ہے جس کی تفصیل اس طرح ہے:

(الف) اگر تیسرا حیض مکمل دس دن آیا تو حیض کا خون بند ہوتے ہی رجوع کا حق ختم ہوجائے گا اگرچہ اس نے غسل نہ کیا ہو۔

(ب) اگر تیسرا حیض دس دنوں سے کم دنوں پر مشتمل ہو تو اس کے غسل کرنے تک یا اگر غسل نہیں کیا تو ایک نماز کا کامل وقت گزرنے تک رجوع کا حق باقی رہے گا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ حیض دس دنوں سے زیادہ نہیں ہوتا لہٰذا جب حیض کا خون آنا بند ہوگیا تو عدت ختم ہوگئی اور رجوع کا حق بھی ختم ہوگیا۔

لیکن جب دس دنوں سے کم دنوں پر حیض کا خون آنا بند ہو تو دوبارہ خون آنے کا احتمال ہوتا ہے اس لئے حیض کے اختتام کو یقینی بنانے کے لئے غسل کرے یا ایک نماز کا مکمل وقت گزرنے تک عدت کو برقرار رکھا گیا اور جب عدت باقی ہو تو رجوع کا حق بھی باقی ہوگا۔

چونکہ ایک نماز کا وقت گزرنے سے اس عورت پر پاک عورتوں والا حکم لازم ہوجاتا ہے لہٰذا اب اس وقت کے گزرنے سے اسے حیض سے پاک شمار کیا جائے گا۔

نوٹ: کتابیہ عورت یعنی عیسائی یا یہودی عورت ہو تو اس کا خون بند ہوتے ہی رجوع کا حکم ختم ہوجائے گا چاہے دس دنوں سے کم پر ہو کیونکہ اس پر نماز فرض نہیں لہٰذا غسل بھی لازم نہیں اور اس کے بارے میں کسی علامت کی توقع نہیں۔

تیمم کر کے نماز پڑھنا

اگر طلاق یافتہ عورت کا تیسرا حیض دس دنوں سے کم پر ختم ہو اور وہ غسل کرنے کی بجائے تیمم کر کے نماز پڑھے تو اس کا

کیا حکم ہوگا؟ تو اس سلسلے میں شیخین (حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام ابو یوسف رحمہما اللہ) کے نزدیک عدت ختم ہو جائے گی اور یہ بطور استحسان ہے یعنی قیاس کے مطابق نہیں۔

اور حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تیمم کرتے ہی عدت ختم ہو جائے گی (اگرچہ نماز نہ پڑھے) اور یہ قیاس ہے۔ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ جب پانی نہ ہو تو تیمم طہارت مُطْلَقَۃ ہوتی ہے کیونکہ وہ پانی کے قائم مقام ہوتا ہے اور وہ تمام احکام جو غسل کے ساتھ ثابت ہوتے ہیں تیمم کے ساتھ بھی ثابت ہوتے ہیں لہٰذا یہ غسل کی جگہ ہے (اور جب محض غسل سے عدت ختم ہو جاتی ہے تو محض تیمم سے بھی ختم ہو جائے گی نماز پڑھے یا نہ)

شیخین کی دلیل یہ ہے کہ مٹی (بنیادی طور پر) جسم کو آلودہ کرتی ہے پاک نہیں کرتی اور اسے ضرورت کے تحت بطور طہارت معتبر مانا گیا ہے کہ واجبات کی تعداد میں اضافہ نہ ہو جائے یعنی جب تک پانی نہیں ملے گا تو نماز نہیں پڑھے گا اور یوں نمازی کے ذمے زیادہ نمازیں ہو جائیں گی اور یہ ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جب نماز ادا کرنا ہو اس لئے پہلے اوقات میں ضرورت نہیں ہوتی اور دوسرے احکام بھی ضرورت کا تقاضا ہوتے ہیں کہ جب تک پانی نہ ملے تیمم کے ذریعے ان کو پورا کیا جاتا ہے لہٰذا نماز کے بغیر تیمم سے عدت ختم نہیں ہوگی۔

پھر اس بارے میں اختلاف ہے کہ کیا شیخین کے نزدیک نماز شروع ہوتے ہی عدت ختم ہو جائے گی تو ایک قول یہی ہے اور دوسرے قول کے مطابق جب نماز سے فارغ ہوگی تو عدت ختم ہو جائے گی۔

غسل کے دوران کوئی عضو خشک رہ جائے

دوسرا مسئلہ:

یہ ہے کہ حیض ختم ہونے پر عورت نے غسل کیا لیکن جسم کا کچھ حصہ خشک رہ گیا تو کیا حکم ہوگا۔

اس سلسلے میں بتایا گیا کہ اگر پورا عضو یا اس سے زیادہ خشک رہ جائے تو رجعت کا حق باقی رہے گا (کیونکہ ابھی عدت باقی ہے) اور اگر ایک عضو سے کم خشک رہا تو رجوع کا حق ختم ہو گیا (کیونکہ عدت ختم ہو گئی)

اور یہ دونوں حکم بطور استحسان ہیں ورنہ کامل عضو کے بارے میں قیاس یہ ہے کہ رجوع کا حق باقی نہ رہے کیونکہ جسم کا اکثر حصہ دھل گیا تو گویا غسل ہو گیا کیونکہ اکثر کے لئے کل کا حکم ہوتا ہے۔

اور عضو سے کم کے بارے میں قیاس یہ ہے کہ رجوع کا حکم باقی رہے گا کیونکہ جنابت اور حیض حصوں میں تقسیم نہیں ہوتے یعنی ایسا نہیں ہوتا کہ جسم کا بعض حصہ ناپاک اور بعض پاک ہو جنبی ہوگا تو سارا جسم ناپاک ہوگا اسی طرح حیض کا بھی حکم ہے۔ قیاس یہ ہے استحسان کی وجہ یہ ہے کہ عضو سے کم حصہ جلدی خشک ہو جاتا ہے کیونکہ وہ تھوڑا ہوتا ہے لہٰذا اس بات کا یقین نہیں ہوتا کہ اس تک پانی نہیں پہنچا اس لئے رجوع کا حق ختم ہونے کا قول کیا گیا۔

لیکن بطور احتیاط عورت کے لئے کسی دوسرے سے نکاح کرنا بھی جائز نہیں ـــــ یعنی دونوں باتوں میں احتیاط کی راہ اختیار کی گئی رجوع کا حق اس لئے ختم ہوا کہ جگہ خشک رہنے کا یقین نہیں اور چونکہ خشک رہنے کا احتمال بھی ہے اس لئے

عورت کے آگے نکاح کرنے کے حق میں عدت کو بطور احتیاط باقی رکھا گیا۔

لیکن کامل عضو جلدی جلدی خشک نہیں ہوتا اور عام طور پر غسل کرنے والا اس سے غافل بھی نہیں ہوتا لہٰذا اس کا حکم الگ ہے یعنی عدت باقی رہے گی جب تک اسے دھویا نہ جائے اور رجوع کا حق بھی حاصل ہوگا۔

اگر کلی نہ کی اور ناک میں پانی نہ ڈالا تو کیا حکم ہوگا

چونکہ احناف کے نزدیک غسل میں کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا فرض ہے لہٰذا اگر غسل کرلیا اور کلی کرنا یا ناک میں پانی ڈالنا رہ گیا تو اس سلسلے میں حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول یہ ہے کہ یہ ایک کامل عضو کے خشک ہونے کی طرح ہے لیکن آپ کا دوسرا قول اور یہی حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی ہے کہ یہ عضو سے کم کی طرح ہے کیونکہ اس کی فرضیت میں اختلاف ہے جبکہ دیگر اعضاء کے بارے میں اختلاف نہیں۔

حاملہ عورت سے رجوع کا حکم

(۱۰۷): [وَمَنْ طَلَّقَ امْرَاَتَهُ وَهِيَ حَامِلٌ اَوْ وَلَدَتْ مِنْهُ وَقَالَ لَمْ اُجَامِعْهَا فَلَهُ الرَّجْعَةُ] لِاَنَّ الْحَبَلَ مَتَى ظَهَرَ فِيْ مُدَّةٍ يُتَصَوَّرُ اَنْ يَّكُوْنَ مِنْهُ جُعِلَ مِنْهُ لِقَوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " [اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ] وَذٰلِكَ دَلِيْلُ الْوَطْيِءِ مِنْهُ وَكَذَا اِذَا.

ثَبَتَ نَسَبُ الْوَلَدِ مِنْهُ جُعِلَ وَاطِئًا. وَاِذَا ثَبَتَ الْوَطْيءُ تَاَكَّدَ الْمِلْكُ وَالطَّلَاقُ فِيْ مِلْكٍ مُتَاَكِّدٍ يُعْقِبُ الرَّجْعَةَ وَيَبْطُلُ زَعْمُهُ بِتَكْذِيْبِ الشَّرْعِ. اَلَا تَرٰى اَنَّهُ يَثْبُتُ بِهٰذَا الْوَطْيِءِ الْاِحْصَانُ فَلِاَنْ تَثْبُتَ بِهِ الرَّجْعَةُ اَوْلٰى.

وَتَاْوِيْلُ مَسْاَلَةِ الْوِلَادَةِ اَنْ تَلِدَ قَبْلَ الطَّلَاقِ. لِاَنَّهَا لَوْ وَلَدَتْ بَعْدَهُ تَنْقَضِي الْعِدَّةُ بِالْوِلَادَةِ فَلَا تُتَصَوَّرُ الرَّجْعَةُ.

قَالَ: [فَاِنْ خَلَا بِهَا وَاَغْلَقَ بَابًا اَوْ اَرْخٰى سِتْرًا وَقَالَ لَمْ اُجَامِعْهَا ثُمَّ طَلَّقَهَا لَمْ يَمْلِكِ الرَّجْعَةَ] لِاَنَّ تَاَكُّدَ الْمِلْكِ بِالْوَطْيِءِ وَقَدْ اَقَرَّ بِعَدَمِهٖ فَيُصَدَّقُ فِيْ حَقِّ نَفْسِهٖ وَالرَّجْعَةُ حَقُّهُ وَلَمْ يَصِرْ مُكَذَّبًا شَرْعًا. بِخِلَافِ الْمَهْرِ لِاَنَّ تَاَكُّدَ الْمَهْرِ الْمُسَمّٰى يُبْتَنٰى عَلٰى تَسْلِيْمِ الْمُبْدَلِ لَا عَلَى الْقَبْضِ. بِخِلَافِ الْفَصْلِ الْاَوَّلِ.

ترجمہ: [اور جس شخص نے اپنی بیوی کو طلاق (رجعی) دی اور وہ حاملہ تھی یا اس کے ہاں اس مرد کا بچہ پیدا ہوا اور اس نے کہا میں نے اس سے جماع نہیں کیا تو وہ رجوع کرسکتا ہے]

کیونکہ جب حمل ایسی مدت میں ظاہر ہے جس کے بارے میں تصور کیا جاسکتا ہے کہ وہ اسی مرد سے ہے تو اسی کا ہی قرار

14

دیا جائے گا کیونکہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ [1]

ترجمہ: بچہ بستر والے (یعنی خاوند) کا ہے۔

اور یہ اس کی وطی کی دلیل ہے اسی طرح جب بچے کا نسب اس سے ثابت ہو جائے تو اسے وطی کرنے والا قرار دیا جائے گا اور جب وطی ثابت ہو گئی تو ملک مستحکم و مضبوط ہو گی اور مستحکم ملک میں طلاق کے بعد رجوع ہو سکتا ہے اور اس کا خیال شریعت کے جھٹلانے سے باطل ہو جائے گا۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ اس وطی سے اس کا محصن ہونا ثابت ہوتا ہے تو اس سے رجوع بدرجہ اولیٰ ثابت ہو گا۔

اور بچے کی ولادت کے مسئلہ کی تاویل یہ ہے کہ وہ طلاق سے پہلے پیدا ہو کیونکہ اگر وہ طلاق کے بعد پیدا ہوا تو ولادت سے عدت ختم ہو جائے گی اور رجوع کا تصور نہیں ہو سکے گا۔

فرماتے ہیں [اور اگر وہ اس کے ساتھ علیحدگی میں ہو اور دروازہ بند کر دے یا پردہ ڈال دے اور کہے کہ میں نے جماع نہیں کیا پھر طلاق دے تو رجوع کا حق نہیں ہو گا]

کیونکہ ملکیت کا پکا ہونا وطی کے ساتھ ہوتا ہے اور اس نے وطی نہ ہونے کا اقرار کیا ہے لہٰذا اس کے ذاتی حق میں اس کی تصدیق کی جائے گی اور رجوع اس کا اپنا حق ہے اور شرعی طور پر اسے جھٹلایا نہیں جائے گا بخلاف مہر کے کیونکہ جو مہر مقرر کیا گیا اس کی بنیاد اس چیز کا سپرد کرنا ہے جس کا یہ (مہر) بدل ہے اس کی بنیاد محض قبضہ نہیں ہے بخلاف پہلے حکم کے (یعنی ثبوت نسب کے سلسلے میں اسے جھٹلایا جائے گا)

توضیح: رجوع کے سلسلے میں ایسی دو صورتیں بیان کی جا رہی ہیں جن میں خاوند اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے لیکن جماع کا انکار کرتا ہے تو کیا اسے رجوع کا حق ہو گا یا نہیں؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ جماع کے بغیر عورت کو طلاق دی تو وہ طلاق بائن ہوتی ہے اور طلاق بائن میں رجوع نہیں ہوتا وہ دو صورتیں یہ ہیں:

(1) پہلی صورت جس میں خاوند نے طلاق دی اور عورت حاملہ تھی یا (طلاق سے پہلے) اس کے ہاں بچہ پیدا ہو گیا تھا لیکن خاوند جماع کا انکار کرتا ہے اور حمل اتنی مدت میں ظاہر ہوا کہ اس سے نکاح کے بعد حمل کا تصور ہو سکتا ہے تو اس کو رجوع کا حق ہو گا کیونکہ حمل یا بچے کی پیدائش ممکنہ مدت میں اس بات کی دلیل ہے کہ یہ اسی کا ہے۔

اس سلسلے میں رسول اکرم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی دلیل ہے آپ نے فرمایا:

اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ

ترجمہ: "بچہ بستر والے کا ہوتا ہے"

---

[1] صحیح بخاری کتاب الفرائض، باب الولد للفراش، حدیث: ۶۷۵۰

یعنی جب نکاح کے بعد اتنی مدت گزر جائے کہ یہ حمل یا پیدا ہونے والا بچہ اس کا تصور کیا جا سکتا ہو تو وہ اسی کا ہوگا اور اس سے وطی ثابت ہوگی اور جب وطی ثابت ہوگئی تو رجوع کا حق بھی ثابت ہوگیا یعنی نسب کا ثبوت وطی کا ثبوت ہے اور وطی سے مِلکِ نکاح مستحکم و مؤکد ہو جاتی ہے اور اس صورت میں دی گئی طلاق اپنے بعد رجوع کو چاہتی ہے اور چونکہ شریعت نے اس شخص کو جھوٹا قرار دیا لہٰذا اس کا وطی سے انکار کا دعویٰ باطل ہوگا۔

اس کی ایک اور دلیل ہے کہ اس (حمل یا بچے کی ولادت سے ثابت ہونے والی) وطی سے مرد اور عورت کا مُحصن ہونا ثابت ہوتا ہے (یعنی اگر اس صورت میں وہ زنا کے مرتکب ہوں تو رجم کیا جائے گا) اور رجم اسے کیا جاتا ہے جس سے نکاح صحیح کے ساتھ ایک بار وطی ثابت ہو لہٰذا اس سے وطی ثابت ہوگئی)

نوٹ: بچے کی ولادت طلاق سے پہلے ہوئی ہو ورنہ طلاق کے بعد بچے کی ولادت سے عدت ختم ہو جاتی ہے اور رجوع کا حق نہیں رہتا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ مرد نے طلاق دینے کے بعد جماع کا انکار کیا اور عورت حاملہ نہیں اور نہ ہی طلاق سے پہلے بچہ پیدا ہوا یعنی جماع کی کوئی علامت موجود نہیں البتہ نکاح کے بعد مرد اور عورت کو تنہائی حاصل ہوئی یعنی وہ دونوں ایک کمرے میں اکٹھے ہوئے اور دروازہ بند کر دیا یا پردہ ڈال دیا اسے خلوت صحیحہ کہتے ہیں اس صورت میں اگرچہ مرد نے جماع نہ کیا ہو عدت اور مہر کا حکم ثابت ہو جاتا ہے لیکن مرد کو رجوع کا حق نہیں ہوگا کیونکہ جب وہ جماع کا انکار کرتا ہے تو وہ خالص حق کا انکار کرتا ہے اس لئے شریعت اس کو جھٹلاتی نہیں لہٰذا جب اس نے جماع کا انکار کیا تو رجوع کا حق بھی ختم ہو گیا۔

لیکن عدت اور مہر دوسروں کا حق ہے اس لئے خلوت صحیحہ کی صورت میں دوسروں کے حق میں اسے جھٹلایا جائے گا اور عورت کی عدت اور کامل مہر دونوں ثابت ہوں گے۔

صاحب ہدایہ نے مہر کے لازم ہونے کی دلیل یہ دی ہے کہ مہر عورت کے اپنے آپ کو مرد کے سپرد کرنے اور وطی پر قادر کرنے کا بدل ہے لہٰذا اگر وطی نہ بھی کی ہو مہر واجب ہو جائے گا۔

عبارت بِخِلَافِ الْاَوَّلِ کا تعلق '' وَلَمْ يَصِرْ مُكَذَّبًا کے ساتھ ہے یعنی خلوت صحیحہ کی صورت میں مرد کو جھوٹا قرار نہیں دیا لیکن پہلی صورت میں جب حمل یا بچے کی ولادت پائی گئی تو وہ جھوٹا قرار دیا جائے گا کیونکہ ظاہری علامات اس کے دعویٰ کے خلاف ہیں۔

خلوت صحیحہ کے بعد رجوع کی ایک صورت

(۱۰۸): [فَإِنْ رَاجَعَهَا] مَعْنَاهُ بَعْدَمَا خَلَا بِهَا وَقَالَ لَمْ أُجَامِعْهَا [ثُمَّ جَاءَتْ بِوَلَدٍ لِأَقَلَّ مِنْ سَنَتَيْنِ بِيَوْمٍ صَحَّتْ تِلْكَ الرَّجْعَةُ] لِأَنَّهُ يَثْبُتُ النَّسَبُ مِنْهُ إِذْ هِيَ لَمْ تُقِرَّ بِانْقِضَاءِ الْعِدَّةِ وَالْوَلَدُ يَبْقَى فِي الْبَطْنِ هٰذِهِ الْمُدَّةَ فَأُنْزِلَ وَاطِئًا قَبْلَ الطَّلَاقِ دُوْنَ مَا بَعْدَهُ لِأَنَّ عَلَى اعْتِبَارِ الثَّانِيْ

يَزُولُ الْمِلْكُ بِنَفْسِ الطَّلَاقِ لِعَدَمِ الْوَطْيِئِ قَبْلَهُ فَيَحْرُمُ الْوَطْيئُ وَالْمُسْلِمُ لَا يَفْعَلُ الْحَرَامَ [فَإِنْ قَالَ لَهَا إِذَا وَلَدْتِ فَأَنْتِ طَالِقٌ فَوَلَدَتْ ثُمَّ أَتَتْ بِوَلَدٍ اٰخَرَ فَهِيَ رَجْعَةٌ] مَعْنَاهُ مِنْ بَطْنٍ اٰخَرَ وَهُوَ أَنْ يَكُونَ بَعْدَ سِتَّةِ أَشْهُرٍ وَإِنْ كَانَ أَكْثَرَ مِنْ سَنَتَيْنِ إِذَا لَمْ تُقِرَّ بِانْقِضَاءِ الْعِدَّةِ لِأَنَّهُ وَقَعَ الطَّلَاقُ عَلَيْهِ بِالْوَلَدِ الْأَوَّلِ وَوَجَبَتْ الْعِدَّةُ فَيَكُونُ الْوَلَدُ الثَّانِيْ مِنْ عُلُوقٍ حَادِثٍ مِنْهُ فِي الْعِدَّةِ لِأَنَّهَا لَمْ تُقِرَّ بِانْقِضَاءِ الْعِدَّةِ فَيَصِيرُ مُرَاجِعًا

ترجمہ: [پس اگر وہ اس سے رجوع کرے] اس کا مطلب یہ ہے کہ اس سے خلوت (صحیحہ) کے بعد (رجوع کرے) اور کہے کہ میں نے اس سے جماع نہیں کیا ۔

[پھر دو سال سے ایک دن کم مدت میں اس کے ہاں بچہ پیدا ہوتو یہ رجوع صحیح ہوگا] کیونکہ اس سے نسب ثابت ہو جاتا ہے اس لئے کہ عورت اپنی عدت ختم ہونے کا اقرار نہیں کرتی اور اس مدت میں بچہ عورت کے پیٹ میں رہ سکتا ہے تو اسے طلاق سے پہلے وطی کرنے والا اقرار دیا جائے گا طلاق کے بعد نہیں۔ کیونکہ دوسری صورت میں نفس طلاق کے ساتھ ملک زائل ہو جاتی ہے کیونکہ اس سے پہلے وطی نہیں پائی گئی لہٰذا وطی حرام ہوگئی اور مسلمان حرام کام نہیں کرتا۔

[اور اگر مرد نے عورت سے کہا کہ جب تیرے ہاں بچہ پیدا ہو تو تجھے طلاق ہے اس کے ہاں بچہ پیدا ہوا پھر دوسرا بچہ پیدا ہوتو یہ رجوع ہوگا]

اس کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے حمل سے (دوسرا بچہ) پیدا ہوا اور وہ اس طرح کہ چھ مہینے کے بعد پیدا ہوا اگرچہ دو سال کے بعد پیدا ہوا جب عورت عدت ختم ہونے کا اقرار نہ کرے کیونکہ پہلے بچہ کی ولادت سے اسے طلاق ہوگئی اور عدت واجب ہوگئی اور دوسرا بچہ نئے نطفہ سے عدت کے دوران پیدا ہوا کیونکہ اس نے عدت کے ختم ہونے کا اقرار نہیں کیا اس لئے وہ رجوع کرنے والا ہوگا۔

توضیح: مندرجہ بالا عبارت میں دو مسئلوں کا بیان ہے:

پہلا مسئلہ:

عورت سے خلوت صحیحہ ہوئی اس کے بعد رجوع کیا اور کہا کہ میں نے جماع نہیں کیا پھر ایک دن کم دو سال گزرنے پر اس عورت کے ہاں بچہ پیدا ہوا تو یہ رجوع صحیح ہوگا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت نے عدت ختم ہونے کا اقرار نہیں کیا اور بچہ اتنی مدت (جس کا ذکر ہوا) ماں کے پیٹ میں رہ سکتا ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ خاوند نے طلاق سے پہلے جماع کیا بعد میں نہیں کیونکہ طلاق کے بعد جماع ہوتا تو طلاق سے ملک نکاح زائل ہو جاتی کیونکہ جس طلاق سے پہلے وطی نہ کی گئی ہو (یعنی عورت غیر مدخول بہا ہو) تو طلاق بائن ہوتی ہے اور اس سے ملک زائل ہو جاتی ہے اور چونکہ اس صورت میں وطی حرام ہوتی ہے اور مسلمان حرام کام نہیں کرتا۔ لہٰذا وطی طلاق سے

پہلے ہوئی اور بچے کا نسب ثابت ہو گیا لہٰذا باوجود خلوت کے مرد کی یہ بات تسلیم نہیں کی جائے گی کہ اس نے جماع نہیں کیا اور اسے رجوع کا حق حاصل ہوگا۔

دوسرا مسئلہ:

مرد نے عورت کو مشروط طلاق دیتے ہوئے کہا کہ "اگر تمہارے ہاں بچہ پیدا ہوا تو تجھے طلاق ہے۔"

پھر عورت کے دو بچے پیدا ہوئے، پہلا بچہ ہوتے ہی اسے طلاق ہوگئی اور اب وہ عدت گزار رہی ہے پھر چھ مہینوں کے بعد دوسرا بچہ پیدا ہوا چاہے دو سال ہی گزر گئے ہوں لیکن چھ ماہ سے کم نہ ہوں تو چونکہ یہ بچہ دوسرے حمل کا ہے لہٰذا اس بچے کے پیدا ہونے پر عدت ختم ہو جائے گی گویا مرد نے پہلے بچے کی پیدائش کے بعد عدت کے دوران جماع کیا لہٰذا رجوع ہو گیا۔

علوق حادث کا مطلب یہ ہے دوبارہ جنسی تعلق قائم کرنا کیونکہ جب مادہ منویہ جما ہوا خون بن جاتا ہے تو اس کو علقہ یا علوق کہتے ہیں گویا شرط کے مطابق پہلے بچے کی پیدائش پر طلاق ہوئی پھر عدت کے دوران جماع کیا جس سے رجوع ثابت ہو گیا اس کے بعد دوسرا بچہ پیدا ہوا۔

بچے کی پیدائش سے مشروط طلاق اور تین بچوں کی پیدائش

(۱۰۹): [وَاِنْ قَالَ كُلَّمَا وَلَدْتِ وَلَدًا فَاَنْتِ طَالِقٌ فَوَلَدَتْ ثَلَاثَةَ اَوْلَادٍ فِيْ بُطُوْنٍ مُخْتَلِفَةٍ فَالْوَلَدُ الْاَوَّلُ طَلَاقٌ وَّالْوَلَدُ الثَّانِيْ رَجْعَةٌ وَّكَذَا الثَّالِثُ] لِاَنَّهَا اِذَا جَائَتْ بِالْاَوَّلِ وَقَعَ الطَّلَاقُ وَصَارَتْ مُعْتَدَّةً. وَبِالثَّانِيْ صَارَ مُرَاجِعًا لِمَا بَيَّنَّا اَنَّهٗ يَجْعَلُ الْعَلُوقَ بِوَطْيٍ حَادِثٍ فِي الْعِدَّةِ وَيَقَعُ الطَّلَاقُ الثَّانِيْ بِوِلَادَةِ الْوَلَدِ الثَّانِيْ لِاَنَّ الْيَمِيْنَ مَعْقُوْدَةٌ بِكَلِمَةِ كُلَّمَا وَوَجَبَتْ الْعِدَّةُ. وَبِالْوَلَدِ الثَّالِثِ صَارَ مُرَاجِعًا لِمَا ذَكَرْنَا. وَتَقَعُ الطَّلْقَةُ الثَّالِثَةُ بِوِلَادَةِ الثَّالِثِ وَوَجَبَتْ الْعِدَّةُ بِالْاَقْرَاءِ لِاَنَّهَا حَامِلٌ مِّنْ ذَوَاتِ الْحَيْضِ حِيْنَ وَقَعَ الطَّلَاقُ

ترجمہ: [اگر مرد نے کہا کہ جب بھی تیرے ہاں بچہ پیدا ہو تجھے طلاق ہے پھر اس کے تین مختلف بطون (حمل) میں تین بچے پیدا ہوئے تو پہلے بچے کی پیدائش سے طلاق ہو جائے گی دوسرے بچے کی پیدائش رجوع اور اسی طرح تیسرے بچے کی پیدائش بھی رجوع شمار ہوگی]

کیونکہ جب پہلا بچہ پیدا ہوا تو طلاق واقع ہوگئی اور وہ معتدہ (عدت گزارنے والی) ہوگئی اور دوسرے بچے کی ولادت سے رجوع ثابت ہو گیا اسی طرح تیسرے بچے کی ولادت سے بھی رجوع ثابت ہو گیا جس کی وجہ ہم نے بیان کی کہ یہ نیا (جنسی) تعلق ہے جو عدت کی حالت میں ہوا اور دوسرے بچے کی ولادت سے دوسری طلاق ہوگئی کیونکہ شرط میں

لفظ کُلَّمَا ہے (یعنی جب بھی) اب عدت واجب ہوگئی اور تیسرے بچے کی پیدائش سے اس کا رجوع ثابت ہو گیا جیسا کہ ہم نے ذکر کیا اور تیسرے بچے کی ولادت کے ساتھ ہی اسے تیسری طلاق ہوگئی اور اب حیض کی صورت میں عدت شروع ہو گئی کیونکہ وہ حمل والی ہونے کی وجہ سے حیض والی عورتوں میں تھی جب اسے طلاق ہوئی۔

توضیح: اگرچہ یہ مسئلہ واضح ہے پھر بھی اس کی مزید وضاحت کی جاتی ہے صورت حال یہ ہے کہ مرد نے اپنی بیوی کی طلاق کو بچے کی پیدائش سے مشروط کیا اور اس کے لئے کُلَّمَا کا کلمہ استعمال کیا یعنی جب بھی بچہ پیدا ہوا سے طلاق ہوگی۔

دوسری بات یہ کہ تین بچے ایک ہی حمل سے پیدا نہیں ہوئے بلکہ تین بطون یعنی تین حمل الگ الگ ہوئے اور اس کے لئے ضروری ہے کہ کم از کم چھ ماہ کا وقفہ ہوگا اس سے بڑھ بھی سکتا ہے۔

لہٰذا جب پہلا بچہ پیدا ہوا تو شرط کے مطابق طلاق ہوگئی اور عورت حالت عدت میں ہے جس میں رجوع ہو سکتا ہے۔

جب چھ ماہ بعد دوسرا بچہ پیدا ہوا تو معلوم ہوا کہ اس نے رجوع کیا تھا تو اس سے رجوع بھی ثابت ہو گیا اور کُلَّمَا کی وجہ سے طلاق بھی ہوگئی اور عورت عدت کی حالت میں ہوگئی۔

اب اس کے چھ ماہ بعد جب تیسرا بچہ پیدا ہوا تو اس سے بھی ثابت ہو گیا کہ اس نے رجوع کیا تھا اور اس کے ساتھ ہی تیسری طلاق ہوگئی کیونکہ شرط یہ تھی کہ جب بھی بچہ پیدا ہوا سے طلاق ہو جائے گی اور اب وہ تین حیض عدت گزارے گی کیونکہ بچے کی پیدائش اس بات کی دلیل ہے کہ وہ حیض والی عورتوں میں سے ہے لہٰذا جب طلاق کے وقت وہ حیض والی عورتوں میں سے ہے، تو عدت مہینوں کی بجائے حیض کی صورت میں ہوتی ہے۔

رجعی طلاق والی عورت کا زینت اختیار کرنا

(۱۱۰): [وَالْمُطَلَّقَةُ الرَّجْعِيَّةُ تَتَشَوَّفُ وَتَتَزَيَّنُ] لِاَنَّهَا حَلَالٌ لِلزَّوْجِ اِذِ النِّكَاحُ قَائِمٌ بَيْنَهُمَا. ثُمَّ الرَّجْعَةُ مُسْتَحَبَّةٌ وَّالتَّزَيُّنُ حَامِلٌ لَّهُ عَلَيْهَا فَيَكُوْنُ مَشْرُوْعًا [وَيُسْتَحَبُّ لِزَوْجِهَا اَنْ لَا يَدْخُلَ عَلَيْهَا حَتّٰى يُؤْذِنَهَا اَوْ يُسْمِعَهَا خَفْقَ نَعْلَيْهِ] مَعْنَاهُ اِذَا لَمْ يَكُنْ مِنْ قَصْدِهِ الْمُرَاجَعَةُ لِاَنَّهَا رُبَّمَا تَكُوْنُ مُتَجَرِّدَةً فَيَقَعُ بَصَرُهُ عَلٰى مَوْضِعٍ يَصِيْرُ بِهٖ مُرَاجِعًا ثُمَّ يُطَلِّقُهَا فَتَطُوْلُ الْعِدَّةُ عَلَيْهَا [وَلَيْسَ لَهٗ اَنْ يُسَافِرَ بِهَا حَتّٰى يُشْهِدَ عَلٰى رَجْعَتِهَا] وَقَالَ زُفَرُ رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلَيْهِ: لَهٗ ذٰلِكَ لِقِيَامِ النِّكَاحِ، وَلِهٰذَا لَهٗ اَنْ يَّغْشَاهَا عِنْدَنَا.

وَلَنَا قَوْلُهٗ تَعَالٰى: ﴿لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ﴾ الْاٰيَةَ. وَلِاَنَّ تَرَاخِيَ عَمَلِ الْمُبْطِلِ لِحَاجَتِهٖ اِلَى الْمُرَاجَعَةِ، فَاِذَا لَمْ يُرَاجِعْهَا حَتّٰى انْقَضَتِ الْعِدَّةُ ظَهَرَ اَنَّهٗ لَا حَاجَةَ لَهٗ فَتَبَيَّنَ اَنَّ الْمُبْطِلَ عَمِلَ عَمَلَهٗ مِنْ وَقْتِ وُجُوْدِهٖ وَلِهٰذَا تُحْتَسَبُ الْاَقْرَاءُ مِنَ الْعِدَّةِ فَلَمْ يَمْلِكِ الزَّوْجُ الْاِخْرَاجَ اِلَّا

اَنْ یُشْهِدَ عَلٰی رَجْعَتِهَا فَتَبْطُلُ الْعِدَّةُ وَيَتَقَرَّرُ مِلْكُ الزَّوْجِ.
وَقَوْلُهٗ حَتّٰی يُشْهِدَ عَلٰی رَجْعَتِهَا مَعْنَاهُ الِاسْتِحْبَابُ عَلٰی مَا قَدَّمْنَاهُ

ترجمہ: [اور رجعی طلاق والی عورت زیب وزینت اختیار کرسکتی ہے]
کیونکہ وہ اپنے خاوند کے لئے حلال ہے اس لئے کہ ان دونوں کے درمیان نکاح قائم ہے پھر (چونکہ) رجوع مستحب ہے اور زینت سے اس کی رغبت پیدا ہوتی ہے لہٰذا یہ جائز ہے۔
[اور مرد کے لئے مستحب ہے کہ اس کے پاس نہ جائے حتیٰ کہ اس کو خبردار کرے اور اپنے جوتوں کی آواز سنائے]
اس کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ رجوع کا ارادہ نہ رکھتا ہو کیونکہ بعض اوقات وہ برہنہ ہوتی ہے اور اس کی نگاہ ایسی جگہ پڑ سکتی ہے جس (کو دیکھنے) سے وہ رجوع کرنے والا ہوجائے گا۔ اور یوں اس کی عدت طویل ہوجائے گی۔
[اور مرد کے لئے جائز نہیں کہ اسے اپنے سفر پر لے جائے جب تک اس سے رجوع پر گواہ قائم نہ کرے]
حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اسے اس کا حق ہے کیونکہ نکاح قائم ہے اسی لئے ہمارے نزدیک وہ اس سے جماع کرسکتا ہے اور ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی ہے:
لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ [1]
ترجمہ: اور ان کو ان کے گھروں سے نہ نکالو۔
اور مبطل (نکاح کو باطل کرنے والے عمل یعنی طلاق) کے حکم کو مرد کی حاجت کے لئے مؤخر کیا گیا تاکہ وہ رجوع کر سکے۔ پس جب اس نے عدت کے اختتام تک رجوع نہ کیا تو ظاہر ہوا کہ اسے حاجت نہیں۔
پس ظاہر ہوگیا کہ مبطل (طلاق) نے اپنا عمل اس وقت سے کیا جب وہ وجود میں آئی تھی۔
یہی وجہ ہے کہ حیضوں کو عدت سے شمار کیا جاتا ہے پس خاوند اسے نکالنے کا اختیار نہیں رکھتا مگر جب وہ اس سے رجوع پر گواہ قائم کرے تو عدت باطل ہوجائے گی اور خاوند کی ملکیت مضبوط ہوجائے گی۔
اور یہ بات کہ حتیٰ کہ اس سے رجوع پر گواہ بنائے اس کا معنیٰ یہ ہے کہ یہ مستحب ہے جس طرح ہم پہلے بیان کرچکے ہیں۔

توضیح: مندرجہ بالا عبارت میں تین مسئلوں کا ذکر ہے۔

پہلا مسئلہ:
جس عورت کو طلاق رجعی دی گئی وہ عدت کے دوران زیب وزینت اختیار کرسکتی ہے۔
اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ عدت کے ختم ہونے تک اس کے نکاح میں ہے اور رجوع کرنا مستحب ہے اور زیبائش وآرائش سے رجوع کی طرف رغبت ہوتی ہے لہٰذا زینت اختیار کرنا جائز ہے۔

[1] سورہ طلاق، آیت:1

دوسرا مسئلہ:

جب مرد رجوع کرنے کا ارادہ نہ رکھتا ہو تو عدت کے دوران جب عورت کے کمرے میں جائے تو ایسا طریقہ اختیار کرے کہ عورت کو اس کے آنے کا علم ہو جائے مثلاً اسے اطلاع کر دے، جوتوں کی آواز سنا دے یا دروازہ کھٹکھٹائے وغیرہ وغیرہ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہو سکتا ہے وہ عورت ننگے جسم سے ہو۔ اور اس کی نگاہ اس کی شرمگاہ وغیرہ پر پڑ جائے اور رجوع ہو جائے حالانکہ وہ رجوع نہیں کرنا چاہتا لہٰذا اسے دوبارہ طلاق دینا پڑے گی اور یوں عورت کی عدت طویل ہو جائے گی۔

تیسرا مسئلہ:

عدت کے دوران اسے اپنے ساتھ سفر پر نہ لے جائے البتہ جب رجوع پر گواہ بنائے تو لے جا سکتا ہے اس مسئلہ میں حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے۔

وہ فرماتے ہیں: سفر میں ساتھ لے جا سکتا ہے کیونکہ نکاح قائم ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہمارے (احناف) کے نزدیک جماع کے ذریعے رجوع کر سکتا ہے۔

دوسرے ائمہ احناف کی دلیل قرآن پاک کی آیت کریمہ ہے کہ "ان کو ان کے گھروں سے نہ نکالو" یہ نقلی دلیل ہے۔

اور عقلی دلیل یہ ہے کہ نکاح کو باطل کرنے والی چیز یعنی طلاق پائی گئی لیکن اس کے عمل کو عدت تک مؤخر کیا گیا تا کہ مرد رجوع کے ذریعے اپنی حاجت کو پورا کر سکے اس مقصد کے تحت طلاق فوراً اپنا عمل نہیں کرتی یعنی ان میں جدائی نہیں ہوتی اور جب مرد نے عدت کے اختتام تک رجوع نہ کیا تو معلوم ہوا کہ مرد کو کوئی حاجت نہیں لہٰذا واضح ہو گیا کہ طلاق نے اپنا عمل اس وقت سے کیا جب طلاق پائی گئی۔

یہی وجہ ہے کہ اس دوران جو حیض آئے گا وہ عدت میں شمار ہو گا اس لئے خاوند اسے اپنے ساتھ سفر میں لے جانے کا اختیار نہیں رکھتا لیکن جب وہ رجوع کرنے پر گواہ بنائے گا تو عدت باطل ہو جائے گی اور اس کی ملک نکاح مضبوط ہو جائے گی یہ بات بھی یاد رہے کہ رجوع پر گواہ بنانا ضروری نہیں بلکہ محض مستحب ہے کیونکہ یہ نئے سرے سے نکاح نہیں ہوتا بلکہ پہلے نکاح کا تسلسل ہے۔

طلاق رجعی کے بعد صحبت حرام نہیں ہوتی

(۱۱۱): [وَالطَّلَاقُ الرَّجْعِيُّ لَا يُحَرِّمُ الْوَطْءَ] وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللهُ: يُحَرِّمُهُ لِاَنَّ الزَّوْجِيَّةَ زَائِلَةٌ لِوُجُوْدِ الْقَاطِعِ وَهُوَ الطَّلَاقُ.

وَلَنَا اَنَّهَا قَائِمَةٌ حَتّٰى يَمْلِكَ مُرَاجَعَتَهَا مِنْ غَيْرِ رِضَاهَا لِاَنَّ حَقَّ الرَّجْعَةِ ثَبَتَ نَظَرًا لِلزَّوْجِ لِيُمْكِنَهُ التَّدَارُكُ عِنْدَ اعْتِرَاضِ النَّدَمِ. وَهٰذَا الْمَعْنٰى يُوْجِبُ اسْتِبْدَادَهُ بِهِ. وَذٰلِكَ

يُؤْذِنُ بِكَوْنِهِ اسْتِدَامَةً لاَ إِنْشَائً إِذِ الدَّلِيْلُ يُنَافِيْهِ وَالْقَاطِعُ أَخَّرَ عملهُ إِلَى مُدَّةٍ إِجْمَاعًا أَوْ نَظَرًا لَهُ عَلَى مَا تَقَدَّمَ. وَاللهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

ترجمہ: [اور طلاق رجعی سے وطی حرام نہیں ہوتی] اور حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: طلاق رجعی سے وطی حرام ہو جاتی ہے کیونکہ (نکاح کو) ختم کرنے والی چیز سے زوجیت ختم ہو گئی اور وہ طلاق ہے۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ وہ (زوجیت) قائم ہے حتیٰ کہ وہ عورت کی مرضی کے بغیر اس سے رجوع کا مالک ہوتا ہے کیونکہ رجوع کا حق مرد پر شفقت کے طور پر ثابت ہے تا کہ جب وہ نادم ہو تو اس کا تدارک کر سکے۔

اور یہ مقصد مرد کے خود مختار ہونے کو واجب کرتا ہے اور اس سے پتہ چلتا ہے کہ رجوع پہلے نکاح کو باقی رکھنا ہے نیا نکاح نہیں کیونکہ دلیل اس کے خلاف ہے اور طلاق نے اپنا عمل ایک مدت تک مؤخر کیا اس پر اجماع ہے یا شوہر پر شفقت مطلوب ہوتی ہے جیسے پہلے گزر چکا ہے اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

توضیح: کیا طلاق رجعی کے بعد وطی کرنا حرام ہے؟

اس سلسلے میں احناف اور شوافع کے درمیان اختلاف ہے۔ احناف کے نزدیک حرام نہیں یہی وجہ ہے کہ وطی کے ذریعے رجوع ہو سکتا ہے۔ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک طلاق رجعی کے بعد وطی حرام ہے اسی لئے ان کے نزدیک رجوع صرف زبانی ہو سکتا ہے۔

ان کی دلیل یہ ہے: وہ فرماتے ہیں: جب طلاق دے دی تو ان کے درمیان زوجیت کا رشتہ طلاق کی وجہ سے ختم ہو گیا (اور زوجیت کے بغیر وطی حرام ہے)

احناف کی دلیل یہ ہے کہ

طلاق رجعی سے زوجیت ختم نہیں ہوتی یہی وجہ ہے کہ مرد عورت کی رضامندی کے بغیر رجوع کا مالک ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مرد جب طلاق دینے کے بعد اس عمل پر نادم ہوتا ہے تو شریعت نے اس کے علاج اور تدارک کے طور پر رجوع کا حق دیا ہے اور یہ مرد پر شفقت ہے کہ وہ اس طرح اپنی غلطی کا تدارک کر سکے۔

اسی وجہ سے وہ رجوع میں خود مختار ہوتا ہے عورت راضی ہو یا نہ۔ اور یہ اس بات کی علامت ہے کہ یہ پہلے نکاح کو باقی رکھنا ہے نیا نکاح نہیں ہے کیونکہ خاوند کے خود مختار ہونے کی دلیل نئے نکاح کے منافی ہے کیونکہ اگر یہ نیا نکاح ہوتا تو عورت کی مرضی کے بغیر درست نہ ہوتا۔

اور قاطع (نکاح کو ختم کرنے والی چیز یعنی طلاق) کا عمل بالاتفاق ایک وقت تک مؤخر ہوتا ہے لہٰذا اس وقت تک زوجیت زائل نہیں ہو گی۔

فَصْلٌ: فِيْمَا تَحِلُّ بِهِ الْمُطَلَّقَةُ

جن کاموں سے مُطَلَّقَۃ عورت حلال ہوتی ہے

(۱۱۲): [وَإِذَا كَانَ الطَّلَاقُ بَائِنًا دُونَ الثَّلَاثِ فَلَهُ أَنْ يَتَزَوَّجَهَا فِي الْعِدَّةِ وَبَعْدَ انْقِضَائِهَا] لِأَنَّ حِلَّ الْمَحَلِّيَّةِ بَاقٍ لِأَنَّ زَوَالَهُ مُعَلَّقٌ بِالطَّلْقَةِ الثَّالِثَةِ فَيَنْعَدِمُ قَبْلَهُ، وَمَنْعُ الْغَيْرِ فِي الْعِدَّةِ لِاشْتِبَاهِ النَّسَبِ وَلَا اشْتِبَاهَ فِي إِطْلَاقِهِ

ترجمہ: [اور جب طلاق بائن ہو اور تین سے کم تعداد ہو تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اس سے عدت کے دوران یا اس کے ختم ہونے کے بعد نکاح کرے]

کیونکہ (عورت کا) نکاح کا محل ہونا باقی ہے اس لئے کہ اس کا زوال تیسری طلاق سے مشروط ہے لہٰذا اس سے پہلے (یہ زوال) معدوم ہوگا اور عدت کے دوران دوسرے شخص کو اس سے نکاح کرنے سے منع کرنا اس لئے ہے تا کہ نسب مشتبہ نہ ہو جائے اور اس (پہلے خاوند) کو اجازت دینے کی صورت میں کوئی اشتباہ نہیں۔

توضیح: طلاق کی تین قسمیں ہیں: (۱) طلاق رجعی، (۲) طلاق بائن اور (۳) طلاق مغلظہ

اس سے پہلے طلاق رجعی کے احکام بیان ہوئے اب طلاق بائن کا حکم بیان ہو رہا ہے۔

طلاق بائن دی ہو اور تین طلاقیں نہ ہوں تو خاوند رجوع تو نہیں کر سکتا البتہ عدت کے اندر یا اس کے بعد اگر وہ چاہے تو اس سے دوبارہ نکاح کر سکتا ہے۔

کیونکہ پہلا نکاح ختم ہو گیا لیکن عورت ابھی بھی اس کے لئے محل نکاح ہے اور اس کے لئے حلال ہے کیونکہ یہ محلیت تیسری طلاق کے بعد زائل ہوتی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ جب اس پہلے مرد کو عدت کے اندر نکاح کا حق ہے تو کسی دوسرے شخص کو بھی یہ حق حاصل ہونا چاہئے——

تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ خاتون پہلے اس شخص کی بیوی رہ چکی ہے لہٰذا بچے کے نسب میں کوئی شبہ نہیں ہوگا اگر یہ دوبارہ نکاح کر کے ہمبستری کرے لیکن دوسرے شخص کے نکاح سے بچے کا نسب مشتبہ ہو جائے گا کہ وہ اس کا ہے یا پہلے خاوند کا——

عدت گزرنے کے بعد یہ خدشہ باقی نہیں رہتا لہٰذا عدت کے بعد دوسرے شخص کو بھی اس سے نکاح کا حق حاصل ہوگا

اگر پہلا خاوند دوبارہ نکاح نہ کرے۔

تین طلاقوں کے بعد پہلا خاوند اس عورت سے کب نکاح کرسکتا ہے؟

(۱۱۳): [وَاِنْ كَانَ الطَّلَاقُ ثَلَاثًا فِي الْحُرَّةِ اَوْ ثِنْتَيْنِ فِي الْاَمَةِ لَمْ تَحِلَّ لَهُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ نِكَاحًا صَحِيْحًا وَيَدْخُلَ بِهَا ثُمَّ يُطَلِّقَهَا اَوْ يَمُوْتَ عَنْهَا] وَالْاَصْلُ فِيْهِ قَوْلُه تَعَالٰى (فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ) فَالْمُرَادُ الطَّلْقَةُ الثَّالِثَةُ.

ترجمہ: [اور اگر آزاد عورت کو تین یا لونڈی کو دو طلاقیں دیں تو وہ اس کے لئے حلال نہیں ہوگی جب تک کسی دوسرے شخص سے صحیح نکاح نہ کرے اور وہ اس سے جماع بھی کرے پھر اس کو طلاق دے یا فوت ہو جائے]

اس سلسلے میں اصل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد پاک ہے:

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ ❶

ترجمہ: پس اگر وہ اسے طلاق دے تو وہ اس مرد کے لئے حلال نہیں ہوگی حتیٰ کہ وہ دوسرے خاوند سے نکاح کرے۔

تو یہاں تیسری طلاق مراد ہے۔

توضیح: اب تیسری قسم یعنی طلاق مغلظہ کا حکم بیان ہو رہا ہے یعنی جب تین طلاقیں دیں (چاہے اکٹھی دیں یا الگ الگ) تو اگر وہ شخص اس سے دوبارہ نکاح کرنا چاہتا ہے تو صرف نکاح سے کام نہیں چلے گا بلکہ حلالہ ضروری ہے۔

حلالہ یہ ہے کہ وہ عورت عدت گزرنے کے بعد دوسرے آدمی سے نکاح کرے اور وہ اس سے صحبت بھی کرے پھر اسے طلاق دے دے تو عدت گزرنے کے بعد پہلا خاوند اس سے نکاح کرسکتا ہے اور اس میں یہ بھی شرط ہے کہ وہ نکاح صحیح ہو فاسد نہ ہو۔

اس حکم کی اصل قرآن پاک میں بیان۔ ارشاد خداوندی ہے:

ترجمہ: طلاق دو مرتبہ تک ہے پس اچھے طریقے سے روکنا ہے یا اسے نیکی اور اچھائی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے پس اگر (تیسری) طلاق دی تو وہ عورت اس شخص کے لئے حلال نہیں ہوگی جب تک دوسرے خاوند سے نکاح نہ کرے۔ ❷

نکاح کے ساتھ ہمبستری کی شرط حدیث شریف سے ثابت ہے۔

نوٹ: تین طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں ان کو ایک قرار دینا غلط ہے تفصیل کے لئے دیکھئے راقم محمد صدیق ہزاروی کی کتاب "تین طلاقیں"۔

❶ سورہ بقرہ، آیت: ۲۳۰ ❷ سورہ بقرہ، آیت: ۲۲۹، ۲۳۰

لونڈی کی کل طلاقیں دو ہوتی ہیں

(۱۱۴): وَالثِّنْتَانِ فِیْ حَقِّ الْاَمَةِ کَالثَّلَاثِ فِیْ حَقِّ الْحُرَّةِ، لِاَنَّ الرِّقَّ مُنَصِّفٌ لِحِلِّ الْمَحَلِّیَّةِ عَلٰی مَا عُرِفَ

ترجمہ: اور لونڈی کے حق میں دو طلاقیں آزاد عورت کے حق میں تین طلاقوں کی طرح ہیں کیونکہ غلامی محل کے حلال ہونے کو نصف کر دیتی ہے جیسا کہ معروف ہے۔

توضیح: ضابطہ یہ ہے کہ غلامی کی وجہ سے نعمت اور سزا آزاد افراد کے مقابلے میں نصف ہوتی ہے اس اعتبار سے لونڈی کے حق میں ڈیڑھ طلاق ہونی چاہئے لیکن چونکہ طلاق کے اجزاء نہیں ہوتے اس لئے اس کے حق میں کل دو طلاقیں ہوتی ہیں لہٰذا جس طرح آزاد عورت تین طلاقوں سے مغلظہ ہو جاتی ہے اور حلالہ کے بغیر واپس نہیں آسکتی اسی طرح لونڈی کی دو طلاقیں مغلظہ ہوتی ہیں اور دو طلاقوں کے بعد حلالہ کے بغیر پہلا خاوند اس سے نکاح نہیں کر سکتا۔

حلالہ میں صحبت شرط ہے

(۱۱۵): ثُمَّ الْغَایَةُ نِکَاحُ الزَّوْجِ مُطْلَقًا، وَالزَّوْجِیَّةُ الْمُطْلَقَةُ اِنَّمَا تَثْبُتُ بِنِکَاحٍ صَحِیْحٍ. وَشَرْطُ الدُّخُوْلِ ثَبَتَ بِاِشَارَةِ النَّصِّ وَهُوَ اَنْ یُحْمَلَ النِّکَاحُ عَلَی الْوَطْیِ حَمْلًا لِلْکَلَامِ عَلَی الْاِفَادَةِ دُوْنَ الْاِعَادَةِ اِذِ الْعَقْدُ اُسْتُفِیْدَ بِاِطْلَاقِ اسْمِ الزَّوْجِ اَوْ یُزَادَ عَلَی النَّصِّ بِالْحَدِیْثِ الْمَشْهُوْرِ، وَهُوَ قَوْلُهٗ عَلَیْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ «لَا تَحِلُّ لِلْاَوَّلِ حَتّٰی تَذُوْقَ عُسَیْلَةَ الْاٰخَرِ» رُوِیَ بِرِوَایَاتٍ، وَلَا خِلَافَ لِاَحَدٍ

فِیْهِ سِوٰی سَعِیْدِ بْنِ الْمُسَیِّبِ.

وَقَوْلُهٗ غَیْرُ مُعْتَبَرٍ حَتّٰی لَوْ قَضٰی بِهِ الْقَاضِیْ لَا یَنْفُذُ. وَالشَّرْطُ الْاِیْلَاجُ دُوْنَ الْاِنْزَالِ لِاَنَّهٗ کَمَالٌ وَّمُبَالَغَةٌ فِیْهِ وَالْکَمَالُ قَیْدٌ زَائِدٌ

ترجمہ: پھر (پہلے خاوند پر حرام ہونے کی) انتہا (دوسرے) خاوند سے محض نکاح ہے اور مطلق زوجیت نکاح صحیح کے ساتھ ثابت ہو جاتی ہے اور جماع کی شرط اشارۃ النص سے ثابت ہے اور وہ نکاح کو وطی پر محمول کرنا ہے تاکہ کلام (نئے) فائدہ پر محمول ہو (پہلی بات کے) اعادہ پر محمول نہ ہو۔ کیونکہ عقد نکاح کا فائدہ زوج کا اسم استعمال کرنے سے ثابت ہوا ——

یا حدیث مشہور کے ذریعے نص پر اضافہ ہوگا اور وہ رسول اکرم ﷺ کا یہ ارشاد ہے:

لَا تَحِلُّ لِلْاَوَّلِ حَتّٰی تَذُوْقَ عُسَیْلَةَ الْاٰخَرِ [1]

ترجمہ: وہ عورت پہلے خاوند کے لئے اس وقت تک حلال نہیں ہوتی جب تک دوسرے کا ذائقہ چکھ نہ لے۔

یہ روایت مختلف طرق کے ساتھ مروی ہے اور اس میں حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی کا اختلاف نہیں لیکن آپ کا قول غیر معتبر ہے حتیٰ کہ اگر قاضی آپ کے اس قول کے ساتھ فیصلہ کرے تو وہ نافذ نہیں ہوگا۔

اور (حلالہ کے لئے عضو تناسل کو) داخل کرنا شرط ہے انزال شرط نہیں کیونکہ یہ (جماع کا) کامل ہونا ہے اور اس میں مبالغہ ہے اور کمال زائد قید ہے۔

توضیح: جیسا کہ پہلے بیان ہوا کہ تین طلاقوں کے بعد نہ تو رجوع ہو سکتا ہے اور نہ محض نکاح جدید کے ساتھ عورت پہلے خاوند کے پاس جا سکتی ہے بلکہ حلالہ ضروری ہے (حلالہ کی وضاحت پہلے ہو چکی ہے) اب یہ بتایا جا رہا ہے کہ دوسرے خاوند کا محض نکاح کافی نہیں بلکہ جماع بھی شرط ہے اگر پہلے خاوند نے دوبارہ نکاح کرنا ہو اس کا ثبوت دو طرح سے ہے:

(ا) اشارۃ النص کے ساتھ—— اس کی وضاحت اس طرح ہے کہ آیت کریمہ میں بتایا گیا کہ تیسری طلاق (یا تین طلاقوں) کے بعد وہ عورت اس کے لئے حلال نہیں ہوتی حتیٰ کہ دوسرے خاوند سے نکاح کرے تو نکاح صحیح کے ساتھ زوجیت ثابت ہو جائے گی اور اشارۃ النص سے جماع ثابت ہوگا یعنی نکاح سے مراد وطی اور لفظ زوج سے نکاح مراد لیں گے اگر دونوں سے نکاح مراد ہو تو یہ ایک ہی معنیٰ دوبار مراد لینا ہے جبکہ کلام کو نئے معنیٰ پر محمول کرنا بہتر ہے۔

کہا جاتا ہے اَلتَّاسِیْسُ اَوْلٰی مِنَ التَّاکِیْدِ دوسرے لفظ سے نیا معنیٰ مراد لینا پہلے معنیٰ کی تاکید سے بہتر ہے۔

جماع کے ثبوت کی دوسری صورت یہ کہ مشہور حدیث سے نص قرآنی پر اضافہ ہو سکتا ہے لہٰذا لفظ تَنْکِحَ سے نکاح مراد ہوگا اور مذکورہ بالا حدیث سے جماع مراد ہوگا۔ جماع کے حوالے سے یہ بتایا کہ صرف شرمگاہ کا دخول شرط ہے اگر انزال نہ بھی ہو تو عورت پہلے خاوند کے لئے حلال ہو جائے گی۔ کیونکہ اصل جماع تو دخول ہے انزال سے وہ کامل ہوتا ہے اور کمال ایک زائد صفت ہے لہٰذا اس کی شرط نہیں ہے۔

قریب البلوغ، حلالے میں بالغ مرد کی طرح ہے

(۱۱۶): [وَالصَّبِیُّ الْمُرَاهِقُ فِی التَّحْلِیْلِ كَالْبَالِغِ] لِوُجُوْدِ الدُّخُوْلِ فِیْ نِكَاحٍ صَحِیْحٍ وَهُوَ الشَّرْطُ بِالنَّصِّ، وَمَالِكٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ یُخَالِفُنَا فِیْهِ، وَالْحُجَّةُ عَلَیْهِ مَا بَیَّنَّاهُ.

وَفَسَّرَهٗ فِی الْجَامِعِ الصَّغِیْرِ وَقَالَ: غُلَامٌ لَّمْ یَبْلُغْ وَمِثْلُهٗ یُجَامِعُ جَامَعَ امْرَاَتَهٗ وَجَبَ عَلَیْهَا الْغُسْلُ وَاَحَلَّهَا عَلَی الزَّوْجِ الْاَوَّلِ، وَمَعْنٰی هٰذَا الْكَلَامِ اَنْ تَتَحَرَّكَ اٰلَتُهٗ وَیَشْتَهِیْ، وَاِنَّمَا

[1] صحیح بخاری کتاب الطلاق، باب من جوز الطلاق الثلاث، حدیث ۵۲۶۱۔ صحیح مسلم کتاب النکاح، باب لا یحل المطلقة ثلاثا، حدیث: ۱۱۵۵

وَجَبَ الْغُسْلُ عَلَيْهَا لِالْتِقَاءِ الْخِتَانَيْنِ وَهُوَ سَبَبٌ لِنُزُولِ مَائِهَا وَالْحَاجَةِ إِلَى الْإِيجَابِ فِي حَقِّهَا. أَمَّا لَا غُسْلَ عَلَى الصَّبِيِّ وَإِنْ كَانَ يُؤْمَرُ بِهِ تَخَلُّقًا

قَالَ [وَوَطْيءُ الْمَوْلَى أَمَتَهُ لَا يُحِلُّهَا] لِأَنَّ الْغَايَةَ نِكَاحُ الزَّوْجِ

ترجمہ: [وہ بچہ جو بالغ ہونے کے قریب ہو حلالہ کرنے میں بالغ مرد کی طرح ہے۔]

کیونکہ نکاح صحیح کی صورت میں دخول پایا گیا اور یہ دخول ہی شرط ہے جو نص سے ثابت ہے۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلہ میں ہمارے مخالف ہیں اور جو کچھ ہم نے بیان کیا وہ ان کے خلاف حجت ہے۔

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے ''جامع صغیر'' میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ لڑکا جو بالغ نہیں ہوا لیکن اس جیسے لڑکے جماع کر سکتے ہیں اگر اپنی بیوی سے جماع کرے تو اس عورت پر غسل واجب ہو جاتا ہے اور وہ اس عورت کو پہلے خاوند کے لئے حلال کر دیتا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا آلہ تناسل حرکت کرتا ہو اور اسے شہوت آتی ہو۔

اس پر غسل اس لئے واجب ہوتا ہے کہ دونوں شرمگاہیں مل گئیں اور یہ (ملنا) انزال کا سبب ہوتا ہے اور غسل واجب کرنا عورت کے حق میں ہے لڑکے پر غسل واجب نہیں ہوگا اگرچہ اسے عادی بنانے کے لئے غسل کا حکم دیا جائے گا۔

فرماتے ہیں: [مولیٰ کا اپنی لونڈی سے وطی کرنا اسے پہلے خاوند کے لئے حلال نہیں کرتا] کیونکہ نکاح نہیں پایا گیا

توضیح: تین طلاقوں کے بعد عورت اپنے خاوند پر حرام ہو جاتی ہے اور اس حرمت کی انتہاء حلالہ ہے۔

حلالہ میں دوسرے خاوند سے نکاح کرنا اور اس کا وطی کرنا شرط ہے لیکن اگر اس کا نکاح کسی ایسے لڑکے سے ہو جو ابھی بالغ نہیں ہوا لیکن اس جیسے لڑکے جماع کر سکتے ہیں۔

ایسے لڑکوں کا حکم یہ ہے کہ ان کے جماع سے عورت پر غسل واجب ہو جاتا ہے اور غسل واجب ہونے کی وجہ دونوں کی شرمگاہوں کا ملنا ہے اور یہ ملنا انزال کا سبب بنتا ہے۔

ایسے لڑکے کی علامت یہ ہے کہ اس کا عضو مخصوص حرکت کرتا ہو اور اسے شہوت بھی ہوتی ہو جہاں تک غسل کا تعلق ہے تو عورت چونکہ بالغہ ہے اس لئے اس پر غسل واجب ہوگا اور لڑکا نابالغ ہے اس پر غسل واجب نہیں ہوگا —— البتہ اسے عادت ڈالنے اور تربیت کی خاطر غسل کا حکم دیا جائے گا۔

اگر تین طلاقوں والی عورت لونڈی ہو اور اب اس کا آقا اس سے جماع کرے تو حلالہ نہیں ہوگا کیونکہ قرآن پاک میں حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ فرمایا یعنی نکاح شرط ہے اور مولیٰ کا اپنی لونڈی سے نکاح نہیں ہو سکتا بلکہ وہ اس سے نکاح کے بغیر جماع کرتا ہے۔

بچے والے مسئلہ میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے یعنی ان کے نزدیک نابالغ بچے کے ذریعے حلالہ نہیں ہو سکتا۔

حلالہ کی شرط پر نکاح کرنا

(۱۱۷): [وَإِذَا تَزَوَّجَهَا بِشَرْطِ التَّحْلِيلِ فَالنِّكَاحُ مَكْرُوهٌ] لِقَوْلِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «لَعَنَ اللهُ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهُ» وَهٰذَا هُوَ مَحْمَلُهُ [فَإِنْ طَلَّقَهَا بَعْدَمَا وَطِئَهَا حَلَّتْ لِلْأَوَّلِ] لِوُجُودِ الدُّخُولِ فِي نِكَاحٍ صَحِيحٍ إِذِ النِّكَاحُ لَا يَبْطُلُ بِالشَّرْطِ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ يُفْسِدُ النِّكَاحَ لِأَنَّهُ فِي مَعْنَى الْمُؤَقَّتِ فِيهِ وَلَا يُحِلُّهَا عَلَى الْأَوَّلِ لِفَسَادِهِ.

وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهُ يَصِحُّ النِّكَاحُ لِمَا بَيَّنَّا. وَلَا يُحِلُّهَا عَلَى الْأَوَّلِ لِأَنَّهُ اسْتَعْجَلَ مَا أَخَّرَهُ الشَّرْعُ فَيُجَازَى بِمَنْعِ مَقْصُودِهِ كَمَا فِي قَتْلِ الْمُوَرِّثِ

ترجمہ: [اور اگر دوسرا شوہر حلالہ کی شرط پر اس عورت سے نکاح کرے تو نکاح مکروہ ہوگا]

کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

لَعَنَ اللهُ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهُ [1]

اللہ تعالیٰ نے حلالہ کرنے والے اور جس کے لئے حلالہ کیا گیا (دونوں) پر لعنت فرمائی ہے۔

اور اس حدیث کو اسی (یعنی شرط) پر محمول کیا جائے گا۔

[پس اگر وہ اس سے وطی کے بعد طلاق دے تو پہلے (خاوند) کے لئے حلال ہو جائے گی]

کیونکہ صحیح نکاح میں دخول پایا گیا کیونکہ نکاح کسی شرط سے باطل نہیں ہوتا (بلکہ شرط باطل ہو جاتی ہے)

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ یہ شرط نکاح کو فاسد کر دیتی ہے کیونکہ یہ بوقت نکاح (خاص مدت کے لئے نکاح) کے معنیٰ میں ہے اور فاسد ہونے کی وجہ سے یہ نکاح پہلے خاوند کے لئے حلال ہونے کا سبب نہیں بنے گا۔

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ نکاح صحیح ہوگا جیسا کہ ہم نے بیان کیا لیکن وہ پہلے خاوند کے لئے حلال نہیں ہوگی کیونکہ اس نے اس کام کی جلدی کی جس کو شریعت نے مؤخر کیا تھا (یعنی نکاح کو دائمی نہ رہنے دیا)

پس اس کے مقصود کو روکنے کی وجہ سے اسے سزا دی جائے گی جس طرح کوئی وارث اپنے مورث کو قتل کرے (تو وہ وراثت سے محروم ہو جاتا ہے)

توضیح: حلالہ کی ایک صورت یہ ہے کہ تین طلاقوں والی عورت دوسرے شخص سے کسی شرط کے بغیر نکاح کرے اور وہ حقوق زوجیت ادا کرنے کے بعد اپنی مرضی سے طلاق دے اور عدت کے بعد یہ عورت پہلے خاوند سے نکاح کرے اس میں کوئی کراہت نہیں۔

---

[1] ترمذی کتاب النکاح، باب ما جاء فی المحل والمحلل، حدیث: ۱۱۲۰

دوسری صورت یہ ہے کہ نکاح کرنے والے سے یہ شرط رکھی جائے کہ تم حقوق زوجیت ادا کرنے کے بعد اسے طلاق دے دینا۔ یہ صورت مکروہ ہے جس کی دلیل مذکورہ بالا حدیث شریف ہے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا اس شرط کے باوجود دوسرے شخص سے نکاح ہو جائے گا؟ اور کیا اس کے طلاق دینے کے بعد وہ عورت پہلے خاوند کے لئے حلال ہو گی؟ تو اس سلسلے میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ نکاح (کراہت کے ساتھ) صحیح ہے اور حلالہ بھی ہو جائے گا۔

آپ کی دلیل یہ ہے کہ نکاح صحیح ہوا اور دخول بھی ہوا اور حلالہ کی شرط باطل ہو گئی کیونکہ نکاح شرطِ فاسد کے ساتھ فاسد نہیں ہوتا بلکہ شرط' فاسد ہو جاتی ہے۔

حضرت امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نکاح فاسد ہوگا کیونکہ یہ ایک مخصوص وقت کے لئے نکاح ہے اور جس طرح خاص وقت کے لئے نکاح کیا جائے تو وہ فاسد ہوتا ہے یہ بھی فاسد ہوگا اور اس فساد کی وجہ سے وہ عورت پہلے خاوند کے لئے حلال نہیں ہو گی۔

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نکاح صحیح ہوگا کیونکہ شرط فاسد سے نکاح فاسد نہیں ہوتا لیکن حلالہ نہیں ہوگا اس کی وجہ اس شخص کو سزا دینا ہے کیونکہ شرعی اعتبار سے نکاح دائمی ہوتا ہے خاص وقت کے لئے نہیں ہوتا تو گویا جو نکاح ایک عرصہ تک رہ سکتا تھا اس نے اسے جلدی ختم کرنے کی کوشش کی اور نکاح کا مقصود جو دائمی رشتہ تھا اس نے اسے روکا اور اس کی مثال اسی طرح ہے کہ مثلاً باپ فوت ہو جائے تو اس کی وراثت کا حق دار اس کا بیٹا بھی ہوتا ہے اور جب باپ (مورث) فوت ہوگا تو اسے وراثت ملے گی لیکن وہ جلدی کرتا ہے اور باپ کو قتل کرتا ہے تو اس وجہ سے اسے وراثت سے محروم کر دیا جاتا ہے۔

حلالہ کے ساتھ تین سے کم طلاقیں کالعدم ہو جاتی ہیں

(۱۱۸): [وَإِذَا طَلَّقَ الْحُرَّةَ تَطْلِيقَةً أَوْ تَطْلِيقَتَيْنِ وَانْقَضَتْ عِدَّتُهَا وَتَزَوَّجَتْ بِزَوْجٍ آخَرَ ثُمَّ عَادَتْ إِلَى الزَّوْجِ الْأَوَّلِ عَادَتْ بِثَلَاثِ تَطْلِيقَاتٍ وَيَهْدِمُ الزَّوْجُ الثَّانِي مَا دُونَ الثَّلَاثِ كَمَا يَهْدِمُ الثَّلَاثَ . وَهٰذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللهُ . وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللهُ: لَا يَهْدِمُ مَا دُونَ الثَّلَاثِ] لِأَنَّهُ غَايَةٌ لِلْحُرْمَةِ بِالنَّصِّ فَيَكُونُ مُنْهِيًا، وَلَا إِنْهَاءَ لِلْحُرْمَةِ قَبْلَ الثُّبُوتِ.

وَلَهُمَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ «لَعَنَ اللهُ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهُ» سَمَّاهُ مُحَلِّلًا وَهُوَ الْمُثْبِتُ لِلْحِلِّ

[وَإِذَا طَلَّقَهَا ثَلَاثًا فَقَالَتْ قَدْ انْقَضَتْ عِدَّتِيْ وَتَزَوَّجْتُ وَدَخَلَ بِيَ الزَّوْجُ وَطَلَّقَنِيْ وَانْقَضَتْ عِدَّتِيْ وَالْمُدَّةُ تَحْتَمِلُ ذٰلِكَ جَازَ لِلزَّوْجِ أَنْ يُصَدِّقَهَا إِذَا كَانَ فِيْ غَالِبِ ظَنِّهِ أَنَّهَا صَادِقَةٌ].

لِأَنَّهُ مُعَامَلَةٌ أَوْ أَمْرٌ دِيْنِيٌّ لِتَعَلُّقِ الْحِلِّ بِهِ، وَقَوْلُ الْوَاحِدِ فِيْهِمَا مَقْبُوْلٌ وَهُوَ غَيْرُ مُسْتَنْكَرٍ إِذَا كَانَتْ الْمُدَّةُ تَحْتَمِلُهُ.

وَاخْتَلَفُوْا فِيْ أَدْنٰى هٰذِهِ الْمُدَّةِ وَسَنُبَيِّنُهَا فِيْ بَابِ الْعِدَّةِ.

ترجمہ: [اور جب آزاد عورت کو ایک یا دو طلاقیں دیں اور عورت کی عدت ختم ہوگئی اور اس نے کسی دوسرے شخص سے نکاح کر لیا پھر پہلے خاوند کی طرف لوٹ آئی تو تین طلاقوں کے ساتھ لوٹ آئے گی اور دوسرے خاوند کی وجہ سے تین سے کم طلاقیں کالعدم ہو جائیں گی جس طرح تین طلاقیں معدوم ہو جاتی ہیں۔ یہ حضرت امام ابو حنیفہ اور حضرت امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک ہے۔ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تین سے کم طلاقیں معدوم نہیں ہوں گی]۔

کیونکہ (دوسرے شخص سے نکاح) حرمت کی انتہاء ہے اور نص (حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ) سے ثابت ہے لہٰذا یہ (نکاح) پہلی حرمت کو ختم کر دیتا ہے اور جب تک حرمت ثابت نہ ہو اس کی انتہاء نہیں ہو سکتی۔

شیخین کی دلیل حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد گرامی ہے:

لَعَنَ اللّٰهُ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهٗ۔

(ترجمہ وحوالہ گزر چکا ہے) اس (دوسرے خاوند) کو محلل قرار دیا اور وہ محلل وہ ہوتا ہے جس کے ذریعے حلت ثابت ہو۔

[اور جب عورت کو تین طلاقیں دے پھر عورت کہے کہ میری عدت ختم ہوگئی اور میں نے (دوسرے آدمی سے) نکاح کیا اور اس خاوند نے مجھ سے جماع کیا اور پھر طلاق دے دی اور یہ عدت بھی پوری ہوگئی اور وقت میں ان تمام باتوں کا احتمال ہے تو (پہلے) خاوند کے لئے اس کی تصدیق کرنا جائز ہے جب اسے غالب گمان ہو کہ یہ سچ کہہ رہی ہے]

کیونکہ یہ معاملہ ہے یا دینی بات ہے جس کے ساتھ حلت متعلق ہے اور ان دونوں صورتوں میں ایک آدمی کا قول معتبر ہے اور اس کا انکار بھی نہیں کیا جا سکتا جب مدت میں اس کا احتمال ہو۔

اس کی کم از کم مدت میں اختلاف ہے اور ہم عنقریب عدت کے باب میں اس کی وضاحت کریں گے۔

توضیح: مندرجہ بالا عبارت میں دو مسئلوں کا ذکر ہے۔

پہلا مسئلہ یہ کہ جب ایک یا دو طلاقوں کے بعد عورت دوسری جگہ نکاح کرے پھر اس سے طلاق حاصل ہونے کے بعد پہلے خاوند سے نکاح کرے تو پہلا خاوند نئے سرے سے تین طلاقوں کا مالک ہوگا اور یہ طلاقیں جو پہلے دی گئیں کالعدم ہو جائیں گی جس طرح تین طلاقوں کے بعد حلالہ ہو تو پہلی تین معدوم ہو جاتی ہیں۔

نوٹ: یہ بات یاد رہے کہ اگر طلاق رجعی کے بعد رجوع ہو یا طلاق بائن کے بعد دوبارہ اسی مرد سے نکاح ہو تو پہلے دی گئی طلاقیں شمار ہوں گی اور آئندہ باقی ماندہ ایک یا دو طلاقوں کا مالک ہوگا لیکن جب دوسرے خاوند کے بعد پہلے خاوند سے دوبارہ نکاح ہو تو پہلے دی گئی طلاقیں اب آئندہ شمار نہیں ہوں گی۔

یہ شیخین حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام ابو یوسف علیہما الرحمۃ کا موقف ہے۔ حضرت امام محمد علیہ الرحمۃ کے نزدیک پہلی طلاقیں باقی رہیں گی۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ قرآن پاک نے تین طلاقوں کے بعد پیدا ہونے والی حرمت کو دوسرے شخص کے ساتھ نکاح کے ذریعے ختم کرنے کا ذکر کیا——

مطلب یہ ہے کہ تین طلاقوں کے بعد عورت حرام ہوتی ہے گویا ایک اور دو طلاقوں سے وہ حرمت ثابت نہیں ہوتی جس کی انتہاء دوسرے شخص سے نکاح کرنا ہے تو جب حرمت ثابت نہ ہوئی تو وہ دوسرے نکاح سے ختم کیسے ہوگی، لہٰذا وہ طلاقیں باقی رہیں گی اور آئندہ وہ باقی ماندہ طلاقوں کا مالک ہوگا۔

شیخین کی دلیل

یہ دونوں حضرات فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی حدیث لَعَنَ اللّٰهُ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهٗ میں دوسرے خاوند کو محلِل قرار دیا گیا گویا وہ حرمت کو ختم کر کے عورت کو پہلے شخص کے لئے حلال کرتا ہے یعنی طلاقیں جتنی بھی ہوں حرمت ثابت ہوگی جس کی انتہاء دوسرے آدمی سے نکاح ہے اور اس نکاح سے حلت ثابت ہوتی ہے اور حرمت ختم ہوتی ہے۔

دوسرا مسئلہ:

اگر عورت کہے کہ اس نے حلالے کے تمام مراحل طے کر لئے (ترجمہ میں تفصیل ہے) تو دیکھا جائے کہ پہلے شخص کے طلاق دینے کے بعد اتنا وقت گزر چکا ہے جس میں یہ تمام مراحل طے ہو سکتے ہیں تو اگر پہلے خاوند کا غالب گمان یہ ہو کہ وہ سچی عورت ہے تو اس کی بات تسلیم کر لے کیونکہ یہ (حلالہ) مرد عورت کے درمیان معاملہ ہے یا ایک دینی بات ہے کیونکہ اس کے ساتھ عورت کے ساتھ نکاح کے جائز ہونے کا تعلق ہے اور ان دونوں صورتوں یعنی معاملہ یا امر دینی میں ایک شخص کا قول مقبول ہوتا ہے اور جب وقت میں گنجائش بھی موجود ہے تو عورت کی بات کا انکار بھی نہیں کیا جا سکتا۔

اب یہ بات کہ وہ مدت کتنی ہونی چاہیے تو اس سلسلے میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے اور اس کا بیان عدت کی بحث میں ہوگا۔

بَابُ الْاِیلَاءِ

باب: ایلاء کے احکام

ایلاء کے الفاظ اور احکام

(۱۱۹): [وَاِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِامْرَاَتِهٖ وَاللهِ لَا اَقْرَبُكِ اَوْ قَالَ وَاللهِ لَا اَقْرَبُكِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ فَهُوَ مُولٍ] لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى ﴿لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ﴾ الْاٰيَةُ [فَاِنْ وَطِئَهَا فِي الْاَرْبَعَةِ الْاَشْهُرِ حَنِثَ فِيْ يَمِيْنِهٖ وَلَزِمَتْهُ الْكَفَّارَةُ] لِاَنَّ الْكَفَّارَةَ مُوْجِبُ الْحِنْثِ [وَسَقَطَ الْاِيْلَاءُ] لِاَنَّ الْيَمِيْنَ تَرْتَفِعُ بِالْحِنْثِ

[وَاِنْ لَمْ يَقْرَبْهَا حَتّٰى مَضَتْ اَرْبَعَةُ اَشْهُرٍ بَانَتْ مِنْهُ بِتَطْلِيْقَةٍ] وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: تَبِيْنُ بِتَفْرِيْقِ الْقَاضِيْ لِاَنَّهٗ مَانِعٌ حَقَّهَا فِي الْجِمَاعِ فَيَنُوْبُ الْقَاضِيْ مَنَابَهٗ فِي التَّسْرِيْحِ كَمَا فِي الْجُبِّ وَالْعُنَّةِ.

وَلَنَا اَنَّهٗ ظَلَمَهَا بِمَنْعِ حَقِّهَا فَجَازَاهُ الشَّرْعُ بِزَوَالِ نِعْمَةِ النِّكَاحِ عِنْدَ مُضِيِّ هٰذِهِ الْمُدَّةِ وَهُوَ الْمَاْثُوْرُ عَنْ عُثْمَانَ وَعَلِيٍّ وَالْعَبَادِلَةِ الثَّلَاثَةِ وَزَيْدِ ابْنِ ثَابِتٍ رِضْوَانُ اللهِ عَلَيْهِمْ اَجْمَعِيْنَ، وَكَفٰى بِهِمْ قُدْوَةً. وَلِاَنَّهٗ كَانَ طَلَاقًا فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَحَكَمَ الشَّرْعُ بِتَاْجِيْلِهٖ اِلَى انْقِضَاءِ الْمُدَّةِ

ترجمہ: [اور جب مرد اپنی بیوی سے کہے اللہ کی قسم میں تیرے قریب نہیں جاؤں گا یا کہے اللہ کی قسم میں چار مہینے تیرے قریب نہیں جاؤں گا تو وہ ایلاء کرنے والا ہوگا]

کیونکہ ارشاد خداوندی ہے:

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ❶

ترجمہ: وہ لوگ جو اپنی عورتوں کے پاس نہ جانے کی قسم کھاتے ہیں ان کے لئے چار مہینے ٹھہرنا ہے۔

❶ سورہ بقرہ، آیت: ۲۲۶

[پس اگر وہ چار مہینوں کے دوران اس سے جماع کرے تو اپنی قسم میں حانث ہو جائے گا اور اس پر کفارہ لازم ہوگا)
(کیونکہ کفارہ قسم توڑنے سے لازم آتا ہے [اور ایلاء (قسم) ساقط ہو جائے گا] کیونکہ جب قسم توڑ دی تو وہ ختم ہو جاتی ہے۔
[اور اگر وہ اس کے قریب نہ گیا حتیٰ کہ چار مہینے گزر گئے تو وہ ایک طلاق کے ساتھ اس سے بائنہ ہو جائے گی]
حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: قاضی کے تفریق کرنے سے بائنہ (جدا) ہوگی، کیونکہ مرد نے عورت کے حق جماع میں رکاوٹ ڈالی ہے لہٰذا اس کو چھوڑنے میں قاضی اس کے قائم مقام ہوگا جس طرح مجبوب اور عِنِّیْن کے حق میں یہی حکم ہے۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ مرد نے عورت کا حق روک کر اس پر ظلم کیا ہے پس شریعت نے اسے اس مدت کے گزرنے پر نعمت نکاح کے زائل ہونے کے ساتھ سزا دی ہے اور یہی بات حضرت عثمان، حضرت علی اور عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عباس (عبداللہ نام کی تین شخصیات) اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم سے منقول ہے اور ان لوگوں کی پیشوائی کافی ہے۔

دوسری بات یہ کہ یہ (ایلاء) دور جاہلیت میں طلاق ہوتی تھی پس شریعت نے اسے ایک مدت (چار ماہ) کے اختتام تک مؤخر کر دیا۔

توضیح: ایلاء قسم کو کہتے ہیں اگر کوئی شخص چار ماہ تک اپنی بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کھائے، یا مدت کا ذکر نہ کرے مطلقاً قسم کھائے تو بھی چار مہینے متعین ہو جاتے ہیں۔

ایلاء کا ثبوت مندرجہ بالا آیت کریمہ سے ہوتا ہے۔

اب اس شخص کے سامنے دو راستے ہیں:

① چار مہینے گزرنے سے پہلے اپنی بیوی سے صحبت کر لے اور چونکہ قسم ٹوٹ گئی لہٰذا وہ قسم کا کفارہ ادا کرے اور اب قسم ختم ہو جائے گی آئندہ بیوی کے پاس جانے سے کچھ بھی لازم نہیں ہوگا۔

② اگر چار ماہ کے اندر اندر بیوی کے پاس نہیں جاتا تو عورت کو ایک بائن طلاق خود بخود ہو جائے گی۔۔۔

(نوٹ) شریعت نے چار ماہ کی مدت مقرر کی اگرچہ خاوند مطلق قسم کھائے تاکہ عورت پر ظلم نہ ہو اور اسے انتظار کی زحمت نہ اٹھانا پڑے کہ کب یہ قسم توڑتا ہے یا کب مجھے اس سے فراغت ملے گی۔ (۱۲ ہزاروی)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عورت کو طلاق بائن خود بخود نہیں ہوگی بلکہ قاضی کے جدا کرنے سے وہ جدا ہو گی۔ وہ فرماتے ہیں: اس کی وجہ یہ ہے کہ مرد نے عورت کو حاصل ہونے والے حق جماع کو روکا ہے لہٰذا قاضی اس کے قائم مقام ہوگا اور اسے جدا کرے گا (تسریح کا معنیٰ چھوڑنا جدا کرنا) جس طرح وہ شخص جس کا عضو مخصوص کاٹا گیا (الجب) اور

نامرد (عِنِّیْن) کا حکم ہے کہ قاضی اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی کرتا ہے۔
ہماری دلیل یہ ہے کہ مرد نے ایلاء کے ذریعے عورت کا حق (جماع کا حق) روک کر اس پر ظلم کیا تو شریعت نے اسے یوں سزا دی کہ اس مدت کے گزرتے ہی ان کے درمیان جدائی ہوگئی۔
احناف کے اس موقف کو حضرت عثمان غنی، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم سے مروی روایات سے تائید حاصل ہے اور ان حضرات کی اقتداء کافی ہے۔
دوسری دلیل یہ ہے کہ دور جاہلیت میں ایلاء طلاق ہوتی تھی شریعت نے اس کے فوری حکم کو ایک خاص مدت تک مؤخر کیا اور وہ چار ماہ ہیں (تاکہ اگر خاوند قسم توڑنا چاہے تو اسے موقع مل سکے)
نوٹ: عبادلہ ثلاثہ سے وہ تین شخصیات مراد ہیں جن کے اسماء مبارکہ عبداللہ ہیں جب فقہ میں عبادلہ ثلاثہ کہا جاتا ہے تو حضرت عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم اجمعین مراد ہوتے ہیں اور جب محدثین عبادلہ کہتے ہیں تو ان سے یہ چار صحابی مراد ہوتے ہیں عبداللہ بن عمرو، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن زبیر اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم۔ [1]

ایلاء میں قسم کب ختم ہوگی اور دیگر مسائل

(۱۲۰): [فَإِنْ كَانَ حَلَفَ عَلٰى اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ فَقَدْ سَقَطَتِ الْيَمِيْنُ] لِاَنَّهَا كَانَتْ مُؤَقَّتَةً بِهٖ [وَاِنْ كَانَ حَلَفَ عَلَى الْاَبَدِ فَالْيَمِيْنُ بَاقِيَةٌ] لِاَنَّهَا مُطْلَقَةٌ وَّلَمْ يُوْجَدِ الْحِنْثُ لِتَرْتَفِعَ بِهٖ اِلَّا اَنَّهٗ لَا يَتَكَرَّرُ الطَّلَاقُ قَبْلَ التَّزَوُّجِ لِاَنَّهٗ لَمْ يُوْجَدْ مَنْعُ الْحَقِّ بَعْدَ الْبَيْنُوْنَةِ [فَاِنْ عَادَ فَتَزَوَّجَهَا عَادَ الْاِيْلَاءُ، فَاِنْ وَطِئَهَا وَاِلَّا وَقَعَتْ بِمُضِيِّ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ تَطْلِيْقَةٌ اُخْرٰى] لِاَنَّ الْيَمِيْنَ بَاقِيَةٌ لِاِطْلَاقِهَا. وَبِالتَّزَوُّجِ ثَبَتَ حَقُّهَا فَيَتَحَقَّقُ الظُّلْمُ وَيُعْتَبَرُ ابْتِدَاءُ هٰذَا الْاِيْلَاءِ مِنْ وَقْتِ التَّزَوُّجِ.

[فَاِنْ تَزَوَّجَهَا ثَالِثًا عَادَ الْاِيْلَاءُ وَوَقَعَتْ بِمُضِيِّ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ اُخْرٰى اِنْ لَمْ يَقْرَبْهَا] لِمَا بَيَّنَّاهُ [فَاِنْ تَزَوَّجَهَا بَعْدَ زَوْجٍ اٰخَرَ لَمْ يَقَعْ بِذٰلِكَ الْاِيْلَاءِ طَلَاقٌ] لِتَقَيُّدِهٖ بِطَلَاقِ هٰذَا الْمِلْكِ وَهِيَ فَرْعُ مَسْاَلَةِ التَّنْجِيْزِ الْخِلَافِيَّةِ وَقَدْ مَرَّ مِنْ قَبْلُ [وَالْيَمِيْنُ بَاقِيَةٌ] لِاِطْلَاقِهَا وَعَدَمِ الْحِنْثِ [فَاِنْ وَطِئَهَا كَفَّرَ عَنْ يَمِيْنِهٖ] لِوُجُوْدِ الْحِنْثِ

[فَاِنْ حَلَفَ عَلٰى اَقَلَّ مِنْ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ لَمْ يَكُنْ مُوْلِيًا] لِقَوْلِ ابْنِ عَبَّاسٍ: لَا اِيْلَاءَ فِيْمَا دُوْنَ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ، وَلِاَنَّ الْاِمْتِنَاعَ عَنْ قُرْبَانِهَا فِيْ اَكْثَرِ الْمُدَّةِ بِلَا مَانِعٍ وَبِمِثْلِهٖ لَا يَثْبُتُ

[1] عینی شرح ہدایہ، جلد: ۲: ص: ۵۴۴۔ ۱۲ ہزاروی

حُكْمُ الطَّلَاقِ فِيهِ [وَلَوْ قَالَ وَاللهِ لَا اَقْرَبُكِ شَهْرَيْنِ وَشَهْرَيْنِ بَعْدَ هٰذَيْنِ الشَّهْرَيْنِ فَهُوَ مُولٍ] لِاَنَّهُ جَمَعَ بَيْنَهُمَا بِحَرْفِ الْجَمْعِ فَصَارَ كَجَمْعِهٖ بِلَفْظِ الْجَمْعِ [وَلَوْ مَكَثَ يَوْمًا ثُمَّ قَالَ وَاللهِ لَا اَقْرَبُكِ شَهْرَيْنِ بَعْدَ الشَّهْرَيْنِ الْاَوَّلَيْنِ لَمْ يَكُنْ مُولِيًا] لِاَنَّ الثَّانِيَ اِيجَابٌ مُبْتَدَاٌ وَقَدْ صَارَ مَمْنُوْعًا بَعْدَ الْيَمِيْنِ الْاُوْلٰى شَهْرَيْنِ وَبَعْدَ الثَّانِيَةِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ اِلَّا يَوْمًا مَكَثَ فِيهِ فَلَمْ تَتَكَامَلْ مُدَّةُ الْمَنْعِ.

ترجمہ: [پس اگر چار مہینے کے لئے قسم کھائی تو قسم ختم ہو گئی] کیونکہ اس کا یہی وقت مقرر تھا۔

[اور اگر ہمیشہ کے لئے قسم کھائی تو قسم باقی رہے گی] کیونکہ مطلق ہے اور قسم کا توڑنا نہیں پایا گیا کہ قسم ختم ہو جاتی لیکن دوبارہ نکاح سے پہلے طلاق کا تکرار نہیں ہوتا کیونکہ جدائی کے بعد حق کا رو کنا نہیں پایا گیا۔

[پس اگر وہ دوبارہ اس سے نکاح کرے تو ایلاء یعنی قسم دوبارہ لوٹ آئے گی اس کے بعد اگر وطی کرے (تو قسم ٹوٹ جائے گی) ورنہ چار ماہ گزرنے کے بعد دوسری طلاق واقع ہوگی]

کیونکہ قسم مطلق ہونے کی وجہ سے باقی ہے اور نکاح کرنے سے عورت کا حق ثابت ہو گیا لہٰذا (قسم کی وجہ سے) ظلم متحقق ہو گیا اور اس ایلاء کا اعتبار نکاح کرنے کے وقت سے ہوگا۔

[پس اگر تیسری مرتبہ نکاح کرے تو ایلاء لوٹ آئے گا اور چار ماہ گزرنے پر ایک اور طلاق واقع ہو گی اگر (اس دوران) اس نے صحبت نہ کی] جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔

[اگر دوسرے خاوند سے نکاح کے بعد اس سے نکاح کرے تو اس ایلاء سے طلاق واقع نہیں ہوگی] کیونکہ وہ اس (پہلی) ملک کے ساتھ مقید تھی۔ اور یہ مسئلہ تنجیز جس میں اختلاف ہے کی فرع ہے اور یہ بات پہلے گزر چکی ہے۔

[اور قسم (اب بھی) باقی ہوگی] کیونکہ وہ مطلق ہے اور اس کا توڑنا (حنث) نہیں پایا گیا۔

[پس اگر وہ وطی کرے گا تو قسم کا کفارہ لازم ہو جائے گا] کیونکہ حنث (قسم کا توڑنا) پایا گیا۔

[پس اگر چار ماہ سے کم کی قسم کھائے تو وہ ایلاء والا نہیں ہوگا]

کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

لَا اِيْلَاءَ فِيْمَا دُوْنَ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ [1]

ترجمہ: چار ماہ سے کم کا ایلاء نہیں ہوتا۔

اور اس لئے بھی کہ اکثر مدت سے کسی رکاوٹ کے بغیر عورت کے قرب سے رک جانا ہے اور اس قسم کی صورت میں طلاق کا حکم ثابت نہیں ہوتا۔

[1] مصنف ابن ابی شیبہ

[اور اگر کہا کہ میں دو مہینے اور ان دو کے بعد دو مہینے تیرے قریب نہیں جاؤں گا تو وہ ایلاء والا ہو جائے گا] کیونکہ اس نے ان دونوں کو حرف جمع (واؤ) کے ساتھ جمع کیا پس یہ لفظ جمع (یعنی چار ماہ) کی طرح ہو گیا۔

[اور اگر وہ ایک دن ٹھہرے پھر کہے میں پہلے دو مہینوں کے بعد دو مہینے تیرے قریب نہیں جاؤں گا تو ایلاء والا نہیں ہو گا] کیونکہ دوسرے دو مہینوں کو نئے سرے سے واجب کرنا ہے اور پہلی قسم کے بعد وہ دو مہینے کے لئے ممنوع ہو گیا اور دوسری قسم کے بعد چار مہینوں میں سے ایک دن کم کی قسم ہوئی لہٰذا رکاوٹ کی مدت کامل نہ ہوئی۔

توضیح: اس سے پہلے یہ بات بتائی گئی کہ اگر چار مہینے کے لئے قسم ہو تو دو صورتیں ہوں گی یا تو چار ماہ کے اندر عورت سے صحبت کر لی اور قسم ٹوٹنے کی وجہ سے کفارہ دے دیا یا چار ماہ گزرنے پر طلاق بائن ہو گئی اور قسم ختم ہو گئی کیونکہ اس کے لئے وقت مقرر تھا وہ پورا ہو گیا اب یہ بتایا جا رہا ہے کہ اگر قسم ہمیشہ کے لئے ہو تو کیا ہو گا؟

اس صورت میں اگر وہ قسم توڑ دیتا ہے اور عورت کے قریب چلا جاتا ہے تو بھی قسم ختم ہو گئی اور وہ کفارہ ادا کر دے لیکن اگر وہ چار ماہ کے اندر اندر عورت سے صحبت نہیں کرتا تو اس کی تفصیل اس طرح ہے:

(الف) چار ماہ گزر گئے عورت سے صحبت نہیں کی تو عورت کو طلاق بائن ہو جائے گی اور قسم برقرار رہے گی اور دوسری طلاق بھی واقع نہیں ہو گی جب تک دوبارہ نکاح نہ کرے کیونکہ جدائی کے بعد مرد کی طرف سے عورت کا حق جماع روکا نہیں جا رہا۔

(ب) اگر دوبارہ نکاح کر لے تو ایلاء دوبارہ ہو گا اگر چار مہینے گزرنے سے پہلے صحبت کر لے تو قسم ختم ہو جائے گی اور اگر صحبت نہ کرے تو چار ماہ بعد طلاق بائنہ ہو جائے گی اور قسم باقی رہے گی کیونکہ اس میں وقت کی قید نہیں بلکہ مطلق ہے اور دوبارہ نکاح کرنے سے عورت کا حق دوبارہ ثابت ہو گیا اور ایلاء کی وجہ سے ظلم ثابت ہو گیا۔

نوٹ: اس ایلاء کا آغاز اس دوبارہ نکاح سے ہو گا یعنی اس کے بعد چار ماہ کا حساب لگایا جائے گا۔

(ج) اب اس نے پھر نکاح کر لیا تو یہی صورت ہو گی اگر چار مہینے گزرنے سے پہلے صحبت کے ذریعے قسم توڑ دے تو قسم ختم ہو جائے گی اور اسے کفارہ ادا کرنا ہو گا اور اگر وہ صحبت نہیں کرتا تو تیسری طلاق واقع ہو جائے گی۔

(د) اب چونکہ اس عورت سے حلالہ کے بغیر نکاح نہیں کر سکتا لیکن اگر حلالہ کے بعد اس سے نکاح کرتا ہے تو اب اس ایلاء کی وجہ سے طلاق نہیں ہو گی کیونکہ اس ایلاء یعنی قسم کا تعلق اس پہلی ملکیت سے تھا جو تین طلاقوں کے بعد ختم ہو گئی لیکن قسم باقی رہے گی کیونکہ اس میں وقت کی قید نہیں اور اسے توڑا بھی نہیں۔

اب حلالہ کے بعد نکاح کی صورت میں جب بھی اس سے وطی کرے گا، قسم ٹوٹ جائے گی اور کفارہ لازم ہو گا۔

وَهِيَ فَرْعُ مَسْئَلَةِ التَّنْجِيْزِ الْخِلَافِيَّةِ —— اس میں اس مسئلہ کی طرف اشارہ ہے جو کتاب الایمان فی الطلاق میں گزر چکا ہے اس کی تفصیل یوں ہے کہ کسی شخص نے کہا اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے تین طلاقیں ہیں پھر کہا تجھے تین طلاقیں ہیں (یہ طلاق تنجیز ہے) عورت نے دوسرے شخص سے نکاح کیا پھر حلالہ کے بعد پہلے خاوند نے نکاح کیا اور وہ گھر میں داخل ہوئی تو کوئی طلاق واقع نہیں ہو گی کیونکہ پہلی ملک میں مشروط تھی وہ ملک ختم ہو گئی اس میں امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا

اختلاف ہے، یہاں ایلاء بھی ایک قسم کی مشروط طلاق ہوتی ہے لہٰذا یہ اسی پہلے مسئلہ کی فرع ہے۔ ۱۲ ہزاروی

چار ماہ سے کم مدت کے لئے قسم

اگر مرد نے چار ماہ سے کم مدت کے لئے قسم کھائی کہ وہ اتنی مدت میں عورت کے پاس نہیں جائے گا تو اس سے ایلاء نہیں ہوگا۔ کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ارشاد فرمایا:

لَا اِیْلَاءَ فِیْمَا دُوْنَ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ۔

ترجمہ: چار ماہ سے کم کا ایلاء نہیں ہوتا۔

اور اس لئے بھی کہ بعض اوقات زیادہ مدت تک مرد اپنی عورت کے پاس نہیں جاتا اور اس قسم کی صورت میں طلاق واقع نہیں ہوتی۔

متفرق طور پر چار ماہ

اگر اکٹھے چار ماہ کا ذکر نہ کرے بلکہ دو، دو ماہ کو جمع کرے مثلاً یوں کہے کہ "میں دو مہینے تیرے پاس نہیں جاؤں گا اور ان دو مہینوں کے بعد دو مہینے تیرے پاس نہیں جاؤں گا"

تو یہ اسی طرح ہے جیسے چار ماہ کا اکٹھا ذکر کرے کہ چار ماہ تیرے قریب نہیں جاؤں گا اس لئے اس صورت میں بھی وہ ایلاء والا ہو جائے گا۔

لیکن اگر وہ دو مہینوں کا ذکر کرے پھر ایک دن ٹھہر کر کہے کہ ان دو کے بعد دو مہینے تیرے پاس نہیں جاؤں گا اور ان صورتوں میں اللہ کی قسم بھی اٹھائے تو اس دوسری صورت میں ایلاء نہیں ہوگا کیونکہ دوسرے دو مہینوں کا الگ نئے سرے سے بیان کیا اور اب اگرچہ کل چار مہینے ہو گئے پس چونکہ پہلی قسم سے عورت کا قرب ممنوع ہو گیا تھا اور اب چار ماہ سے ایک دن کم ہے جس میں اس نے آئندہ دو مہینوں کا ذکر نہیں کیا اس لئے چار ماہ کامل نہ ہونے کی وجہ سے ایلاء نہیں ہوگا۔

ایلاء میں استثناء کا حکم

(۱۲۱): [وَلَوْ قَالَ وَاللّٰهِ لَا اَقْرَبُكِ سَنَةً اِلَّا يَوْمًا لَمْ يَكُنْ مُوْلِيًا] خِلَافًا لِزُفَرَ. هُوَ يَصْرِفُ الِاسْتِثْنَاءَ اِلٰى آخِرِهَا اعْتِبَارًا بِالْاِجَارَةِ فَتَمَّتْ مُدَّةُ الْمَنْعِ.

وَلَنَا اَنَّ الْمُوْلِيَ مَنْ لَا يُمْكِنُهُ الْقُرْبَانُ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ اِلَّا بِشَيْئٍ يَلْزَمُهُ وَهَاهُنَا يُمْكِنُهُ لِاَنَّ الْمُسْتَثْنٰى يَوْمٌ مُنَكَّرٌ. بِخِلَافِ الْاِجَارَةِ لِاَنَّ الصَّرْفَ اِلَى الْاٰخِرِ لِتَصْحِيْحِهَا فَاِنَّهَا لَا تَصِحُّ مَعَ التَّنْكِيْرِ وَلَا كَذٰلِكَ الْيَمِيْنُ [وَلَوْ قَرِبَهَا فِيْ يَوْمٍ وَالْبَاقِيْ اَرْبَعَةُ اَشْهُرٍ اَوْ اَكْثَرُ صَارَ مُوْلِيًا] لِسُقُوْطِ الِاسْتِثْنَاءِ.

[وَلَوْ قَالَ وَهُوَ بِالْبَصْرَةِ وَاللّٰهِ لَا اَدْخُلُ الْكُوْفَةَ وَامْرَاَتُهٗ بِهَا لَمْ يَكُنْ مُوْلِيًا] لِاَنَّهٗ يُمْكِنُهُ الْقُرْبَانُ مِنْ غَيْرِ شَيْئٍ يَلْزَمُهٗ بِالْاِخْرَاجِ مِنَ الْكُوْفَةِ [قَالَ: وَلَوْ حَلَفَ بِحَجٍّ اَوْ بِصَوْمٍ اَوْ بِصَدَقَةٍ اَوْ عِتْقٍ اَوْ طَلَاقٍ فَهُوَ مُوْلٍ] لِتَحَقُّقِ الْمَنْعِ بِالْيَمِيْنِ وَهُوَ ذِكْرُ الشَّرْطِ وَالْجَزَاءِ. وَهٰذِهِ الْاَجْزِيَةُ مَانِعَةٌ لِمَا فِيْهَا مِنَ الْمَشَقَّةِ.

وَصُوْرَةُ الْحَلِفِ بِالْعِتْقِ اَنْ يُعَلِّقَ بِقُرْبَانِهَا عِتْقَ عَبْدِهِ. وَفِيْهِ خِلَافُ اَبِيْ يُوْسُفَ فَاِنَّهٗ يَقُوْلُ: يُمْكِنُهُ الْبَيْعُ ثُمَّ الْقُرْبَانُ فَلَا يَلْزَمُهٗ شَيْئٌ وَهُمَا يَقُوْلَانِ الْبَيْعُ مَوْهُوْمٌ فَلَا يَمْنَعُ الْمَانِعِيَّةَ فِيْهِ. وَالْحَلِفُ بِالطَّلَاقِ اَنْ يُعَلِّقَ بِقُرْبَانِهَا طَلَاقَهَا اَوْ طَلَاقَ صَاحِبَتِهَا وَكُلُّ ذٰلِكَ مَانِعٌ.

ترجمہ: [اور اگر کہا اللہ کی قسم میں ایک دن کے علاوہ ایک سال تیرے قریب نہیں جاؤں گا تو وہ ایلاء والا نہیں ہوگا] اس میں امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے وہ استثناء کو آخر کی طرف پھیرتے ہیں اور اسے اجارہ پر قیاس کرتے ہیں لہٰذا منع کی مدت پوری ہوگئی۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ مُوْلی (ایلاء والا شخص) وہ ہوتا ہے جس کے لئے چار ماہ عورت کا قرب ممکن نہ ہو مگر کسی چیز (یعنی کفارہ) کے لازم ہونے کے ساتھ۔

اور یہاں ممکن ہے کیونکہ وہ دن (جسے مستثنیٰ کیا) غیر متعین ہے بخلاف اجارہ کے، کیونکہ اس آخر کی طرف پھیرنا اجارہ کو صحیح کرنے کے لئے ہوتا ہے کیونکہ غیر معین (مجہول) کے ساتھ اجارہ صحیح نہیں ہوتا لیکن قسم کا معاملہ اس طرح نہیں ہے۔

[اور اگر وہ ایک دن اس کے قریب جائے (صحبت کرے) اور چار مہینے یا زیادہ مدت باقی ہو تو وہ ایلاء والا ہو جائے گا] کیونکہ استثناء ساقط ہوگئی۔

[اور اگر مرد بصرہ میں ہو اور کہے کہ میں کوفہ میں داخل نہیں ہوں گا اور اس کی بیوی کوفہ میں ہو تو اس سے وہ ایلاء والا نہیں ہوگا] کیونکہ اس کے لئے کسی چیز کے لازم ہونے کے بغیر عورت سے صحبت ممکن ہے وہ اس طرح کہ اسے کوفہ سے باہر لایا جائے [اور اگر اس نے حج یا روزے یا صدقہ یا آزاد کرنے یا طلاق کی قسم کھائی تو وہ ایلاء والا ہو جائے گا]

کیونکہ قسم کی وجہ سے (جماع میں) رکاوٹ ثابت ہوگئی اور وہ شرط اور جزاء کا ذکر کرنا ہے اور یہ جزائیں (جماع میں) رکاوٹ ہیں کیونکہ ان میں مشقت ہے۔

آزادی کی قسم کی صورت یہ ہے کہ عورت کے جماع کے ساتھ اپنے غلام کی آزادی کو مشروط کرے اور اس میں حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں: ممکن ہے کہ وہ غلام کو فروخت کر دے پھر بیوی کے قریب جائے تو اس پر کچھ بھی لازم نہیں ہوگا۔ طرفین (حضرت امام ابو حنیفہ اور حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہما) فرماتے ہیں کہ فروخت کرنا ایک موہوم امر ہے (قطعی نہیں) لہٰذا اس سلسلے میں جو مانعیت ہے وہ اس میں رکاوٹ نہیں بنے گا۔

اور طلاق کی قسم اس طرح ہے کہ وہ اس کے قرب سے طلاق کو مشروط کرے یا اس کی سوتن کی طلاق کو مشروط کرے اور یہ تمام باتیں جماع میں رکاوٹ ہیں (ہمارے ہاں سوکن کہا جاتا ہے صحیح لفظ سوتن ہے)

توضیح: ایک ایسی صورت بیان کی جارہی ہے جس میں ایلاء ثابت نہیں ہوتا اگرچہ مدت چار ماہ سے زیادہ ہو یعنی مرد نے عورت کے پاس ایک سال تک نہ جانے کی قسم کھائی لیکن ایک دن مستثنیٰ کیا چونکہ وہ ایک دن غیر معین اور مجہول ہے اس لئے ایلاء نہیں ہوگا یعنی یہ بھی احتمال ہے کہ وہ مستثنیٰ دن پہلے چار ماہ کے اندر ہو تو چار ماہ مکمل نہیں ہوں گے، اور ایلاء کرنے والا وہ ہوتا ہے جس کے لئے چار مہینے بیوی کے پاس جانا ممکن نہ ہو جب تک وہ قسم نہ توڑے اور اس پر کفارہ لازم نہ آئے اور یہاں ممکن ہے کہ اس مدت میں سے کسی ایک دن جماع کر سکتا ہے اور اس پر کفارہ لازم نہیں آئے گا۔

اس میں امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں: اس صورت میں ایلاء ہو جائے گا اور استثناء والے دن کو آخر کی طرف پھیرا جائے گا یعنی آخری دن مستثنیٰ ہوگا اس لئے ایلاء کی مدت پوری ہے وہ اسے اجارہ پر قیاس کرتے ہیں کہ مثلاً کوئی شخص ایک سال یا ایک ماہ کا اجارہ کرتے ہوئے ایک دن کی استثناء کرے تو آخری دن اجارہ سے نکل جائے گا۔

اس کا جواب یہ دیا گیا کہ اسے اجارے پر قیاس کرنا صحیح نہیں کیونکہ اجارہ میں آخر کی طرف اس لئے پھیرا جاتا ہے کہ اجارہ صحیح ہو سکے کیونکہ غیر متعین دنوں کا اجارہ صحیح نہیں ہوتا لیکن قسم کا معاملہ اس طرح نہیں کیونکہ قسم جہالت کے ساتھ بھی صحیح ہو جاتی ہے۔

البتہ یہ ہے کہ اگر وہ کسی ایک دن عورت سے صحبت کرے اور اس کے بعد چار مہینے یا زیادہ وقت ہو تو اب ایلاء درست ہوگا کیونکہ ان ایام میں کوئی دن مستثنیٰ نہیں اور ایلاء کی مدت بھی پوری ہے۔

ایک اور مسئلہ:

مرد بصرہ میں تھا اور بیوی کوفہ میں تھی اور اس نے قسم کھائی کہ وہ کوفہ میں نہیں جائے گا تو اس سے ایلاء نہیں ہوگا کیونکہ وہ اپنی بیوی سے اس طرح جماع کر سکتا ہے کہ اس پر کفارہ لازم نہ آئے وہ یوں کہ عورت کو کوفہ سے باہر لایا جائے۔

ایلاء کی ایک اور صورت

مرد نے کہا اگر وہ اپنی بیوی کے قریب جائے تو اس پر حج لازم ہوگا یا روزہ یا صدقہ یا غلام آزاد کرنا یا بیوی کی طلاق لازم ہوگی تو ان تمام صورتوں میں ایلاء ہوگا ———

کیونکہ ایلاء میں مرد عورت کے قریب جانے سے رک جاتا ہے اور ان کاموں میں مشقت ہے مثلاً اگر عورت کے قریب جاتا ہے تو حج یا روزہ یا صدقہ ہو جائے گا یا غلام آزاد کرنا پڑے گا یا اس عورت یا اس کی سوتن (مرد کی دوسری بیوی) کو طلاق ہو جائے گی اگر اس نے کہا کہ اگر میں تیرے قریب جاؤں تو تجھے یا کہا میری دوسری بیوی کو طلاق ہے تو قسم کے ذریعے ان کاموں سے رکتا ہے اور ایلاء میں بھی یہی ہوتا ہے کیونکہ یہاں شرط اور جزاء کا ذکر ہے اور یہ جزائیں (حج وغیرہ)

جماع سے رکاوٹ ہیں کیونکہ ان میں مشقت ہے۔

لہٰذا یا توقسم توڑے گا ورنہ چار ماہ بعد طلاق بائن ہو جائے گی۔ غلام کی آزادی کی قسم کی صورت یہ ہے کہ وہ کہے اگر میں تیرے قریب گیا تو میرا غلام آزاد ہے ——

اس مسئلہ میں حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ اس کے لئے عورت کا قرب اس طرح ممکن ہے کہ پہلے غلام کو فروخت کر دے پھر صحبت کرے تو اس پر کچھ بھی لازم نہیں آئے گا۔ طرفین رحمہما اللہ فرماتے ہیں: بیع کا معاملہ محض ایک وہم لہٰذا اس سے جماع کی ممانعت ختم نہیں ہو گی۔

اور طلاق کی قسم کا مطلب یہ ہے کہ وہ کہے اگر میں تیرے قریب گیا تو تجھے طلاق ہے یا کہے تیری سوتن کو طلاق ہے ان تمام صورتوں میں جماع سے رکاوٹ ہو جاتی ہے اور ایلاء میں بھی یہی ہوتا ہے۔

رجعی طلاق یا بائنہ طلاق والی عورت سے ایلاء کا حکم

(۱۲۲): [وَاِنْ آلٰی مِنَ الْمُطَلَّقَةِ الرَّجْعِيَّةِ كَانَ مُولِيًا. وَاِنْ آلٰی مِنَ الْبَائِنَةِ لَمْ يَكُنْ مُولِيًا] لِاَنَّ الزَّوْجِيَّةَ قَائِمَةٌ فِي الْاُولٰى دُوْنَ الثَّانِيَةِ. وَمَحَلُّ الْاِيلَاءِ مَنْ تَكُوْنُ مِنْ نِسَائِنَا بِالنَّصِّ. فَلَوْ انْقَضَتِ الْعِدَّةُ قَبْلَ انْقِضَاءِ مُدَّةِ الْاِيلَاءِ سَقَطَ الْاِيلَاءُ لِفَوَاتِ الْمَحَلِّيَّةِ

[وَلَوْ قَالَ لِاَجْنَبِيَّةٍ وَاللهِ لَا اَقْرَبُكِ اَوْ اَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ اُمِّي ثُمَّ تَزَوَّجَهَا لَمْ يَكُنْ مُولِيًا وَلَا مُظَاهِرًا] لِاَنَّ الْكَلَامَ فِي مَخْرَجِهِ وَقَعَ بَاطِلًا لِانْعِدَامِ الْمَحَلِّيَّةِ فَلَا يَنْقَلِبُ صَحِيحًا بَعْدَ ذٰلِكَ [وَاِنْ قَرِبَهَا كَفَّرَ] لِتَحَقُّقِ الْحِنْثِ اِذِ الْيَمِيْنُ مُنْعَقِدَةٌ فِي حَقِّهِ

[وَمُدَّةُ اِيلَاءِ الْاَمَةِ شَهْرَانِ] لِاَنَّ هٰذِهِ مُدَّةٌ ضُرِبَتْ اَجَلًا لِلْبَيْنُوْنَةِ فَتَتَنَصَّفُ بِالرِّقِّ كَمُدَّةِ الْعِدَّةِ.

ترجمہ: [اگر طلاق رجعی دی گئی عورت سے ایلاء کیا تو ایلاء والا ہو جائے گا اور اگر مُطَلَّقَة بائنہ سے ایلاء کیا تو ایلاء والا نہیں ہو گا]۔ کیونکہ پہلی صورت میں زوجیت قائم ہوتی ہے دوسری صورت میں نہیں ——

اور ایلاء کا محل جو ہماری عورتیں ہیں (یعنی ایلاء کرنے والے کی بیوی) یہ نص سے ثابت ہے۔

اور اگر مدت ایلاء ختم ہونے سے پہلے عدت ختم ہو جائے تو ایلاء ساقط ہو جائے گا کیونکہ اب وہ محل نہیں رہی۔

[اور اگر کسی اجنبیہ عورت سے کہا اللہ کی قسم میں تیرے قریب نہیں آؤں گا یا کہا کہ تو مجھ پر میری ماں کی طرح ہے پھر اس سے نکاح کیا تو نہ ایلاء والا ہو گا نہ ظہار والا] کیونکہ کلام اپنے مقام پر باطل واقع ہوا ہے اس لئے کہ محلیت نہیں تھی لہٰذا اس کے بعد وہ صحت کی طرف نہیں لوٹے گا۔

[اور اگر وہ اس کے قریب گیا تو کفارہ ادا کرے] کیونکہ اس کے حق میں قسم منعقد ہونے کی وجہ سے حنث (قسم کا ٹوٹنا) پایا گیا۔

[اور لونڈی کے حق میں ایلاء کی مدت دو مہینے ہے] کیونکہ یہ مدت جدائی کے لئے تو رکھی گئی ہے پس وہ غلامی کی وجہ سے نصف ہو گی جس طرح عدت کی مدت (نصف ہوتی ہے)

توضیح: ایلاء کے لئے ضروری ہے کہ وہ عورت اس کے نکاح میں ہو ورنہ ایلاء کا محل نہیں ہو گی اور چونکہ طلاق رجعی کی صورت میں عدت ختم ہونے تک عورت اس کے نکاح میں ہوتی ہے اسی لئے وہ رجوع بھی کر سکتا ہے لہٰذا طلاق رجعی کے بعد عدت کے اندر ایلاء ہو سکتا ہے۔

لیکن بائن طلاق میں عورت نکاح سے نکل جاتی ہے لہٰذا اس سے ایلاء نہیں ہو سکتا۔ قرآن پاک میں فرمایا ہے:
﴿لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ﴾ [1] اور نساء سے مراد بیوی ہونا ہے لہٰذا طلاق بائن کے بعد وہ محل ایلاء نہ رہی، چونکہ طلاق رجعی میں رجوع نہیں ہوا اور ایلاء ہوا لہٰذا اگر ایلاء کی مدت ختم ہونے سے پہلے عدت ختم ہو جائے تو ایلاء ساقط ہو جائے گا کیونکہ عورت بائنہ ہونے کی وجہ سے ایلاء کا محل نہ رہی۔

دوسرا مسئلہ:

یہ ہے کہ اپنی بیوی کے علاوہ کسی خاتون سے ایلاء یا ظہار کیا اور کہا اللہ کی قسم میں تمہارے قریب نہیں جاؤں گا یا کہا تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے —

پھر اس سے نکاح کیا تو ایلاء بھی نہیں ہو گا اور ظہار بھی نہیں ہو گا اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اس نے یہ کلام کیا تو وہ عورت اس کا محل نہیں تھی لہٰذا یہ کلام باطل ہو گیا اور اب نکاح کے بعد وہ صحت میں نہیں بدلے گا۔

لیکن چونکہ اس نے قسم کھائی کہ اس کے قریب نہیں جائے گا اس لئے اگر وہ اس کے قریب جائے تو حانث ہو جائے گا اور کفارہ لازم ہو گا۔

تیسرا مسئلہ:

یہ ہے کہ چونکہ غلامی نعمت اور سزا دونوں کو نصف کر دیتی ہے جیسے آزاد عورت کی عدت تین حیض ہیں اور لونڈی کی عدت دو حیض ہیں (قیاس کے مطابق ڈیڑھ حیض ہونا چاہئے لیکن حیض اجزاء میں تقسیم نہیں ہوتا اس لئے دو حیض مقرر ہوئے) اسی طرح ایلاء کی مدت لونڈی کے حق میں دو مہینے ہوں گے کیونکہ آزاد کے حق میں چار ماہ ہیں۔

ایلاء کرنے والا مرد یا اس کی بیوی بیمار ہوں تو کیا حکم ہوگا

(۱۲۳): [وَاِنْ كَانَ الْمُوْلِيْ مَرِيْضًا لَا يَقْدِرُ عَلَى الْجِمَاعِ اَوْ كَانَتْ مَرِيْضَةً اَوْ رَتْقَاءَ اَوْ صَغِيْرَةً

[1] سورۃ البقرۃ، آیت: ۲۲۶

لَا تُجَامَعُ اَوْ کَانَتْ بَیْنَهُمَا مَسَافَةٌ لَا یَقْدِرُ اَنْ یَّصِلَ اِلَیْهَا فِیْ مُدَّةِ الْاِیْلَاءِ فَفَیْؤُهٗ اَنْ یَّقُوْلَ بِلِسَانِهٖ فِئْتُ اِلَیْهَا فِیْ مُدَّةِ الْاِیْلَاءِ. فَاِنْ قَالَ ذٰلِكَ سَقَطَ الْاِیْلَاءُ] وَقَالَ الشَّافِعِیُّ: لَا فَیْئَ اِلَّا بِالْجِمَاعِ وَاِلَیْهِ ذَهَبَ الطَّحَاوِیُّ. لِاَنَّهٗ لَوْ کَانَ فَیْئًا لَکَانَ حِنْثًا.

وَلَنَا اَنَّهٗ آذَاهَا بِذِکْرِ الْمَنْعِ فَیَکُوْنُ اِرْضَاؤُهَا بِالْوَعْدِ بِاللِّسَانِ. وَاِذَا ارْتَفَعَ الظُّلْمُ لَا یُجَازٰی بِالطَّلَاقِ [وَلَوْ قَدَرَ عَلَی الْجِمَاعِ فِی الْمُدَّةِ بَطَلَ ذٰلِكَ الْفَیْئُ وَصَارَ فَیْؤُهٗ بِالْجِمَاعِ] لِاَنَّهٗ قَدَرَ عَلَی الْاَصْلِ قَبْلَ حُصُوْلِ الْمَقْصُوْدِ بِالْخَلَفِ.

ترجمہ: [اور اگر ایلاء کرنے والا مرد ایسا بیمار ہو کہ جماع پر قادر نہ ہو یا عورت بیمار ہو یا اس کی شرمگاہ ملی ہوئی ہو یا اتنی چھوٹی ہو کہ اس سے جماع نہ ہو سکے یا دونوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہو کہ وہ ایلاء کی مدت (چار ماہ) میں اس (عورت) تک نہ پہنچ سکے تو اس کا قسم سے رجوع اس طرح ہوگا کہ وہ مدت ایلاء میں زبان سے کہے میں نے اس عورت کی طرف رجوع کیا اگر وہ یہ لفظ کہہ دے تو ایلاء ختم ہو جائے گا]۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جماع کے بغیر رجوع نہیں ہو سکتا۔ حضرت امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی طرف گئے ہیں کیونکہ اگر یہ رجوع ہوتا تو حنث (قسم کا ٹوٹنا) ہوتا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ اس نے جماع سے منع کا ذکر کر کے عورت کو اذیت دی لہٰذا اس کو راضی کرنا زبان سے وعدہ کرنے کے ساتھ ہوگا پس جب ظلم اٹھ گیا تو طلاق کے ذریعے بدلہ نہیں دیا جائے گا۔

[اور اگر اس مدت میں وہ جماع پر قادر ہو جائے تو یہ رجوع باطل ہو جائے گا اور اب اس کا رجوع جماع کے ذریعے ہو گا] کیونکہ وہ قسم کے ذریعے مقصود کے حاصل ہونے سے پہلے اصل (جماع) پر قادر ہو گیا۔

نوٹ: رتقاء کا لفظ استعمال ہوا یعنی عورت کا صرف پیشاب کا راستہ ہے جماع کے لئے گنجائش نہیں۔

توضیح: ایلاء میں مرد قسم کھاتا ہے کہ وہ عورت کے قریب نہیں جائے گا تو اس قسم کو توڑنا جماع کے ذریعے ہوگا۔ لیکن اگر مرد یا عورت دونوں میں سے کوئی ایک بھی جماع پر قادر نہ ہو تو عورت کو پہنچنے والی اذیت کو زبان کے ذریعے دور کیا جائے۔ اور مرد کہہ دے کہ میں نے رجوع کیا بشرط کہ ایلاء کی مدت یعنی چار مہینے گزرنے سے پہلے کہے تو ایلاء ختم ہو جائے گا۔

حضرت امام شافعی اور امام ابوجعفر طحاوی (حنفی) رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں: جماع کے بغیر رجوع نہیں ہو سکتا اگر رجوع ہوتا تو قسم بھی ٹوٹ جاتی (حالانکہ قسم باقی ہے)

ہماری دلیل یہ ہے کہ جب مرد نے زبان سے کہا کہ وہ اس کے قریب نہیں جائے گا تو اس نے زبان سے عورت کو اذیت پہنچائی اب زبان سے رجوع کر کے اسے راضی کر رہا ہے (اور وہ یہی کر سکتا ہے کیونکہ جماع ممکن نہیں) تو جب ظلم ختم ہو گیا (اگرچہ زبانی وعدہ کے ذریعے ہوا) تو اب طلاق کے ذریعے بدلہ نہیں دیا جائے گا (یعنی چار ماہ گزرنے پر طلاق نہیں ہوگی)

اور اگر مدت ایلاء کے دوران جماع پر قادر ہو جائے تو زبانی رجوع باطل ہو جائے گا اور جماع کے ذریعے رجوع ہو گا کیونکہ مقصود کے حاصل ہونے سے پہلے وہ اصل پر قادر ہو گیا۔ یعنی زبانی رجوع کے ذریعے مقصود حاصل کرنے سے پہلے جماع پر قادر ہو گیا تو جس طرح پانی مل جانے پر تیمم ٹوٹ جاتا ہے کیونکہ پانی اصل ہے اسی طرح جماع اصل ہے اور زبانی رجوع اس کا نائب ہے۔

بیوی کو اپنے اوپر حرام قرار دینا

(۱۲۴): [وَاِذَا قَالَ لِامْرَاَتِهٖ اَنْتِ عَلَيَّ حَرَامٌ سُئِلَ عَنْ نِيَّتِهٖ]. فَاِنْ قَالَ اَرَدْتُ الْكَذِبَ فَهُوَ كَمَا قَالَ لِاَنَّهٗ نَوٰى حَقِيقَةَ كَلَامِهٖ. وَقِيلَ لَا يُصَدَّقُ فِي الْقَضَاءِ لِاَنَّهٗ يَمِينٌ ظَاهِرًا [وَاِنْ قَالَ اَرَدْتُّ الطَّلَاقَ فَهِيَ تَطْلِيقَةٌ بَائِنَةٌ اِلَّا اَنْ يَّنْوِيَ الثَّلَاثَ] وَقَدْ ذَكَرْنَاهُ فِي الْكِنَايَاتِ [وَاِنْ قَالَ اَرَدْتُّ الظِّهَارَ فَهُوَ ظِهَارٌ] وَهٰذَا عِنْدَ اَبِي حَنِيفَةَ وَاَبِي يُوسُفَ.

وَقَالَ مُحَمَّدٌ: لَيْسَ بِظِهَارٍ لِانْعِدَامِ التَّشْبِيهِ بِالْمُحَرَّمَةِ وَهُوَ الرُّكْنُ فِيهِ.

وَلَهُمَا اَنَّهٗ اَطْلَقَ الْحُرْمَةَ وَفِي الظِّهَارِ نَوْعُ حُرْمَةٍ وَالْمُطْلَقُ يَحْتَمِلُ الْمُقَيَّدَ [وَاِنْ قَالَ اَرَدْتُ التَّحْرِيمَ اَوْ لَمْ اُرِدْ بِهٖ شَيْئًا فَهُوَ يَمِينٌ يَصِيرُ بِهٖ مُولِيًا] لِاَنَّ الْاَصْلَ فِيْ تَحْرِيمِ الْحَلَالِ اِنَّمَا هُوَ يَمِينٌ عِنْدَنَا وَسَنَذْكُرُهُ فِي الْاَيْمَانِ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ.

وَمِنَ الْمَشَايِخِ مَنْ يَّصْرِفُ لَفْظَةَ التَّحْرِيمِ اِلَى الطَّلَاقِ مِنْ غَيْرِ نِيَّةٍ بِحُكْمِ الْعُرْفِ. وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

ترجمہ: [اور جب اپنی بیوی سے کہا کہ تو مجھ پر حرام ہے تو اس کی نیت کے بارے میں پوچھا جائے] اگر وہ کہے کہ میں نے جھوٹ کا ارادہ کیا تو وہ اسی طرح ہو گا جس طرح اس نے کہا کیونکہ اس نے اپنے کلام کی حقیقت کی نیت کی۔ اور کہا گیا ہے کہ قاضی کے ہاں اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی کیونکہ ظاہر میں یہ الفاظ قسم پر دلالت کرتے ہیں۔

[اور اگر وہ کہے کہ میں نے طلاق کا ارادہ کیا تو ایک طلاق بائن ہو جائے گی مگر یہ کہ تین کی نیت کرے] اور ہم نے یہ بات کنایات کے باب میں ذکر کی ہے۔

[اور اگر کہے کہ میں نے ظہار کی نیت کی ہے تو وہ ظہار ہو گا]

یہ حضرت امام ابو حنیفہ اور حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک ہے۔

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ظہار نہیں ہو گا کیونکہ تشبیہ نہیں پائی گئی اور وہ اس (ظہار) میں رکن ہے۔

شیخین کی دلیل یہ ہے کہ اس نے حرمت کا مطلق ذکر کیا اور ظہار میں ایک قسم کی حرمت ہوتی ہے اور مطلق میں مقید کا

احتمال ہوتا ہے۔

[اور اگر وہ کہے کہ میں نے حرام کرنے کا ارادہ کیا یا کسی چیز کا ارادہ نہیں کیا تو وہ یمین ہوگی اور اس کے ساتھ وہ ایلاء والا ہو جائے گا]

کیونکہ حلال کو حرام قرار دینے میں ہمارے نزدیک اصل یمین ہے اور عنقریب اس کے بعد ہم ذکر کریں گے ان شاء اللہ اور بعض مشائخ نیت کے بغیر لفظ تحریم کو طلاق کی طرف پھیرتے ہیں کیونکہ عرف یہی ہے اور اللہ تعالیٰ درست بات کو خوب جانتا ہے۔

توضیح: اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ تو مجھ پر حرام ہے تو اس سے اس کی نیت کے بارے میں پوچھا جائے ـــ اس بنیاد پر چند صورتیں ہوں گی:

﴿1﴾ اگر وہ کہے کہ میں نے محض جھوٹ بولا ہے تو اسی طرح ہوگا کیونکہ حقیقت یہی ہے کہ یہ جھوٹ ہے (اور نیت سے اس کو تائید حاصل ہوگئی)

نوٹ: یہاں ایک ضعیف قول یہ ہے کہ قاضی کے ہاں اس کی بات کو قبول نہیں کیا جائے گا کیونکہ ظاہر میں یہ یمین ہے۔

﴿2﴾ اگر اس نے کہا کہ میں نے طلاق کی نیت کی ہے تو ایک بائن طلاق ہو جائے گی البتہ تین کی نیت کرے تو تین ہوں گی۔

کیونکہ لفظ طلاق مصدر ہونے کی وجہ سے اسم جنس ہے نیت کے بغیر اس سے فرد واحد مراد ہوتا ہے اور کل افراد کی نیت کریں تو کل مراد ہوتے ہیں اور طلاق کے کل افراد تین ہیں۔

﴿3﴾ اگر وہ کہے کہ میں نے ظہار کا ارادہ کیا ہے تو حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک ظہار ہی ہوگا جبکہ حضرت امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ظہار نہیں ہوگا ان کی دلیل یہ ہے کہ ظہار کا رکن تشبیہ دینا ہے اور وہ یہاں نہیں ہے۔

شیخین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ اس نے مطلق حرمت کا ذکر کیا (کہ تو مجھ پر حرام ہے) اور ظہار میں بھی ایک قسم کی حرمت ہوتی ہے اور مطلق میں مقید کا احتمال ہوتا ہے۔

﴿4﴾ اگر کہے کہ میں نے اس کے حرام ہونے کا ارادہ کیا ہے یا کہے کہ میں نے کوئی ارادہ نہیں کیا تو وہ ایلاء والا ہو جائے گا کیونکہ یہ یمین ہے کیونکہ ہمارے نزدیک قاعدہ یہ ہے کہ حلال کو حرام قرار دینا یمین ہوتی ہے۔

نوٹ: بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ اگر مرد کی کوئی نیت نہ ہو تو لفظ تحریم کو طلاق کی طرف پھیرا جائے گا کیونکہ عرف یہی ہے۔

بَابُ الْخُلْعِ

باب: خلع کے احکام

میاں بیوی کا اکٹھا رہنا مشکل ہو تو خلع میں کوئی حرج نہیں

(۱۲۵): [وَإِذَا تَشَاقَّ الزَّوْجَانِ وَخَافَا أَنْ لَا يُقِيمَا حُدُودَ اللهِ فَلَا بَأْسَ بِأَنْ تَفْتَدِيَ نَفْسَهَا مِنْهُ بِمَالٍ يَخْلَعُهَا بِهِ] لِقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ﴾[1] [فَإِذَا فَعَلَا ذٰلِكَ وَقَعَ بِالْخُلْعِ تَطْلِيقَةٌ بَائِنَةٌ وَلَزِمَهَا الْمَالُ] لِقَوْلِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «اَلْخُلْعُ تَطْلِيقَةٌ بَائِنَةٌ» وَلِأَنَّهُ يَحْتَمِلُ الطَّلَاقَ حَتّٰى صَارَ مِنَ الْكِنَايَاتِ. وَالْوَاقِعُ بِالْكِنَايَةِ بَائِنٌ إِلَّا أَنَّ ذِكْرَ الْمَالِ أَغْنٰى عَنِ النِّيَّةِ هُنَا. وَلِأَنَّهَا لَا تُسَلِّمُ الْمَالَ إِلَّا لِتَسْلَمَ لَهَا نَفْسُهَا وَذٰلِكَ بِالْبَيْنُونَةِ.

ترجمہ: [اور جب مرد اور عورت کے درمیان اختلاف ہو جائے اور انہیں ڈر ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حدود کو قائم نہیں رکھ سکیں گے تو اس بات میں کوئی حرج نہیں کہ عورت کچھ مال دے کر مرد سے بطور خلع اپنی جان چھڑائے]

کیونکہ ارشاد خداوندی ہے:

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ[1]

ترجمہ: اور مرد پر اس (مال) میں کوئی حرج نہیں جس کے ذریعے عورت اپنی جان چھڑائے۔

[پس اگر وہ ایسا کریں تو خلع کے ذریعے ایک بائن طلاق واقع ہو جائے گی اور اس عورت پر مال لازم ہو جائے گا]۔

کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

اَلْخُلْعُ تَطْلِيقَةٌ بَائِنَةٌ۔[2]

ترجمہ: خلع طلاق بائن ہے۔

نیز اس میں طلاق کا احتمال ہوتا ہے حتیٰ کہ یہ کنایات میں سے ہو گیا۔ اور کنایہ (الفاظ) سے بائن طلاق ہوتی ہے مگر جب مال کا ذکر کر دیا جائے تو یہاں نیت کی ضرورت نہیں رہتی اور دوسری بات یہ ہے کہ عورت اسی لئے مال اس کے سپرد

[1] سورہ بقرہ، آیت: ۲۲۹

[2] بیہقی، کتاب الخلع، والطلاق هل هو فسخ او طلاق، حدیث: ۱۴۸۶۵

کرتی ہے تا کہ اس کا نفس اس کے سپرد ہوجائے اور یہ طلاق بائن میں ہوتا ہے۔

توضیح: لفظ خلع، خَلَعَ یَخْلَعُ سے بنا ہے جس کا معنیٰ اتارنا یعنی الگ کرنا فارغ کرنا ہے۔
اگر مرد اور عورت کے درمیان ناچاقی ہو اور ان کا اکٹھے رہنا مشکل ہو اور عورت الگ ہونا چاہے لیکن مرد طلاق نہ دے تو خلع کا راستہ اختیار کیا جاتا ہے اور عورت کچھ مال دے کر اپنی جان چھڑاتی ہے اس پر مندرجہ بالا آیت کریمہ دلیل ہے کہ اس رقم کو لینے اور طلاق دینے میں کوئی حرج نہیں۔
خلع کے نتیجے میں طلاق بائن واقع ہوتی ہے جس پر مندرجہ بالا حدیث پاک دلیل ہے نیز لفظ خلع کنایہ الفاظ میں سے ہے۔
نوٹ: کنایہ الفاظ کی صورت میں مرد کا نیت کرنا شرط ہے لیکن چونکہ خلع میں وہ مال لیتا ہے لہٰذا نیت کی ضرورت نہیں مال لینا ہی نیت کے قائم مقام ہے۔
اور دوسری بات یہ ہے کہ جب عورت مال دیتی ہے تو اس کا مقصد یہ ہوتا کہ اس کا تعلق مرد سے ختم ہوجائے اور اگر طلاق رجعی ہو تو اس میں عورت کو جدائی حاصل نہیں ہوتی بلکہ مرد کو رجوع کا حق حاصل ہوتا ہے اور جدائی طلاق بائن میں ہوتی ہے اس لئے طلاق بائن ہوگی۔
نوٹ: چونکہ خلع طلاق بائن ہے اور طلاق کا اختیار خاوند کو ہوتا ہے اس لئے خلع کی درخواست پر عدالت کا ازخود طلاق دینا درست نہیں جب تک خاوند طلاق نہ دے کیونکہ طلاق کا حق خاوند کو حاصل ہوتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے: بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ نکاح کی گرہ مرد کے ہاتھ میں ہے۔ (حوالہ گزر چکا ہے)
اور سرکار دو عالم ﷺ نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی زوجہ کے خلع کے مطالبہ اور خلع میں باغ پیش کرنے پر حضرت ثابت رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

اِقْبَلِ الْحَدِيْقَةَ طَلِّقْهَا۔

ترجمہ: باغ قبول کرو اور طلاق دو۔

اور اگر مرد طلاق نہ دے یا عدالت میں حاضر نہ ہو تو عدالت نکاح کو فسخ کر سکتی ہے طلاق نہیں دے سکتی۔ (۱۲ ہزاروی)
نوٹ: اس مسئلہ پر رسالہ عدالتی خلع ادارہ سے طلب فرمائیں۔

اگر شوہر کی طرف سے زیادتی ہو تو اس کے لئے عوض لینا مکروہ ہے

(۱۲۶): [وَاِنْ كَانَ النُّشُوْزُ مِنْ قِبَلِهٖ يُكْرَهُ لَهٗ اَنْ يَّاْخُذَ مِنْهَا عِوَضًا] لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى: ﴿وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَّ اٰتَيْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا﴾ وَلِاَنَّهٗ اَوْحَشَهَا بِالِاسْتِبْدَالِ فَلَا يَزِيْدُ فِيْ وَحْشَتِهَا بِاَخْذِ الْمَالِ

[وَاِنْ كَانَ النُّشُوْزُ مِنْهَا كَرِهْنَا لَهُ اَنْ يَّاْخُذَ مِنْهَا اَكْثَرَ مِمَّا اَعْطَاهَا] وَفِيْ رِوَايَةِ الْجَامِعِ الصَّغِيْرِ طَابَ الْفَضْلُ اَيْضًا لِاِطْلَاقِ مَا تَلَوْنَا بَدْءًا.

وَوَجْهُ الْاُخْرٰى قَوْلُهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ امْرَاَةِ ثَابِتِ بْنِ قَيْسِ بْنِ شِمَاسٍ [اَمَّا الزِّيَادَةُ فَلَا] وَقَدْ كَانَ النُّشُوْزُ مِنْهَا

[وَلَوْ اَخَذَ الزِّيَادَةَ جَازَ فِي الْقَضَاءِ] وَكَذٰلِكَ اِذَا اَخَذَ وَالنُّشُوْزُ مِنْهُ لِاَنَّ مُقْتَضٰى مَا تَلَوْنَا شَيْئَانِ الْجَوَازُ حُكْمًا وَالْاِبَاحَةُ. وَقَدْ تُرِكَ الْعَمَلُ فِيْ حَقِّ الْاِبَاحَةِ لِمُعَارِضٍ فَبَقِيَ مَعْمُوْلًا فِي الْبَاقِيْ.

ترجمہ: [اور اگر زیادتی مرد کی طرف سے ہو تو اس کے لئے عورت سے عوض لینا مکروہ ہے] کیونکہ ارشاد خداوندی ہے:

وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا ❶

ترجمہ: اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی لانا چاہو تو اگر چہ تم نے ان کو ڈھیر کے برابر مال دیا تو پھر بھی اس سے کچھ نہ لو۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس نے اس کی جگہ دوسری بیوی لا کر اس کو پریشان کیا لہٰذا مال لے کر اس کی پریشانی میں اضافہ نہ کرے۔

[اور اگر نافرمانی عورت کی طرف سے ہو تو ہمیں یہ بات پسند نہیں کہ جتنا مال دیا ہے اس سے زیادہ لے]

اور جامع صغیر کی روایت میں ہے کہ زیادہ لینا بھی جائز ہے کیونکہ آیت کریمہ مطلق ہے اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کی زوجہ کے بارے میں فرمایا ❷ (اس کے دیئے گئے مال سے) زیادہ نہ لو) اور نافرمانی خاتون کی جانب سے تھی۔

[اور اگر زیادہ لے تو قضا کے طور پر جائز ہے] اسی طرح اگر وہ (مال) لے اور زیادتی اسی (مرد) کی ہو کیونکہ جو آیت ہم نے ذکر کی ہے اس کا تقاضا دو چیزیں ہیں: ① بطور حکم (اور فتویٰ) جواز اور ② اباحت۔

اور اباحت کے حق میں عمل کو چھوڑ دیا گیا کیونکہ اس کا معارض (مقابل) موجود ہے پس باقی پر عمل باقی رہ گیا۔

توضیح: خلع کی صورت میں مرد کی طرف سے بھی زیادتی ہو سکتی ہے اور عورت کی طرف سے نافرمانی بھی ہو سکتی ہے۔

اگر مرد کی طرف سے زیادتی ہو تو اس کے لئے عورت سے مال لینا مکروہ ہے کیونکہ قرآن پاک کی مندرجہ بالا آیت میں منع کیا گیا ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ جب وہ اس عورت کو طلاق دے کر دوسری عورت لانا چاہتا ہے تو اس طرح وہ اسے پریشان کر رہا ہے لہٰذا مال لے کر مزید پریشان نہ کرے۔

---

❶ سورہ نساء، آیت: ۲۰ ❷ دار قطنی، حدیث: ۳۶۷۱

دوسری صورت جب عورت نافرمانی کرے تو جس قدر مہر دیا ہے اسی قدر لے اس سے زیادہ نہ لے اگرچہ نصقرآنی کے مطابق لے سکتا ہے کیونکہ قرآن پاک نے مطلق ذکر کیا کم یا زیادہ کی قید نہیں لگائی۔ لیکن حضور علیہ السلام نے حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کے مقدمہ میں فرمایا تھا: زیادہ نہ لو۔

لیکن یہ اخلاقیات کا تقاضا ہے۔ شرعی فتویٰ کی رو سے اگر زیادہ لیتا ہے تو عدالت میں بھی اسے جائز قرار دیا جائے گا۔

اسی طرح اگر مرد کی طرف سے زیادتی ہو تو بھی اس کے لئے لینا جائز ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ آیت کریمہ میں دو باتیں ہیں۔

پہلی بات جواز کا حکم اور دوسری بات مباح — اور مباح پر عمل نہیں ہوگا کیونکہ ایک اور دلیل اس سے ٹکراتی ہے اور وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ زیادہ نہ لو۔

جب اباحت ختم ہوگئی تو جواز باقی رہ گیا لہٰذا اس پر عمل ہوگا۔ کیونکہ اباحت کی نفی سے جواز کی نفی لازم نہیں آتی اس لئے کہ یہ دونوں الگ الگ ہیں کیونکہ اباحت کی ضد کراہت اور جواز کی ضد حرمت ہے۔ (عینی شرح ہدایہ، جلد: ۲، ص: ۳۶۰)

مال پر طلاق کو عورت قبول کرے تو اس پر مال لازم ہو جائے گا

(۱۲۷): [وَإِنْ طَلَّقَهَا عَلَى مَالٍ فَقَبِلَتْ وَقَعَ الطَّلَاقُ وَلَزِمَهَا الْمَالُ] لِأَنَّ الزَّوْجَ يَسْتَبِدُّ بِالطَّلَاقِ تَنْجِيزًا وَتَعْلِيقًا وَقَدْ عَلَّقَهُ بِقَبُوْلِهَا. وَالْمَرْأَةُ تَمْلِكُ الْتِزَامَ الْمَالِ لِوِلَايَتِهَا عَلَى نَفْسِهَا، وَمِلْكُ النِّكَاحِ مِمَّا يَجُوْزُ الِاعْتِيَاضُ عَنْهُ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ مَالًا كَالْقِصَاصِ [وَكَانَ الطَّلَاقُ بَائِنًا] لِمَا بَيَّنَّا وَلِأَنَّهُ مُعَاوَضَةُ الْمَالِ بِالنَّفْسِ وَقَدْ مَلَكَ الزَّوْجُ أَحَدَ الْبَدَلَيْنِ فَتَمْلِكُ هِيَ الْآخَرَ وَهِيَ النَّفْسُ تَحْقِيقًا لِلْمُسَاوَاةِ.

ترجمہ: [اور اگر وہ مال کی شرط پر طلاق دے اور عورت قبول کرلے تو طلاق واقع ہو جائے گی اور عورت پر مال لازم ہو جائے گا] کیونکہ خاوند فوری طلاق دے یا مشروط طلاق ہو، خود مختار ہوتا ہے اور اس نے اسے عورت کی قبولیت سے مشروط کیا ہے اور عورت مال کو اپنے اوپر لازم کرنے کی مالک ہے کیونکہ اسے نفس پر ولایت حاصل ہے اور ملک نکاح ان چیزوں میں سے ہے جن کا عوض جائز ہے اگرچہ وہ (جس کا عوض ہے) مال نہ ہو جیسے قصاص،

[اور یہ طلاق بائن ہوگی] جیسا کہ ہم نے بیان کیا نیز یہ مال کا معاوضہ نفس کے ساتھ ہے اور خاوند دو میں سے ایک بدل کا مالک ہو گیا تو عورت دوسرے کی مالک ہوگی اور وہ نفس ہے تا کہ مساوات ثابت ہو جائے۔

توضیح: اگر خاوند اپنی بیوی کی طلاق کو مال کے ساتھ مشروط کرے کہ میں نے تجھے اتنی رقم کے بدلے میں طلاق دی تو اس کا دارومدار بیوی کی قبولیت پر ہے اگر وہ قبول کرلے تو طلاق ہو جائے گی اور عورت پر لازم ہو جائے گا۔

اس سلسلے میں تین باتیں ہیں:

① مرد کو اختیار ہے کہ کسی شرط کے بغیر فوری طور پر طلاق (طلاق تنجیز) دے یا کسی شرط سے معلق کرے لہٰذا اس کا مال کے ساتھ مشروط طلاق کو عورت کی قبولیت سے معلق کرنا جائز ہے۔

② عورت چونکہ اپنے نفس پر ولایت رکھتی ہے لہٰذا اسے بھی اختیار ہے کہ وہ قبول کرے یا نہ کرے لیکن جب اس نے قبول کر لیا تو طلاق واقع ہوگئی کیونکہ شرط پائی گئی تو جزاء لازم ہوگئی لہٰذا اب عورت پر مال بھی لازم ہوگیا۔

③ ملک نکاح کو عوض کے بدلے میں زائل کیا جا سکتا ہے اگرچہ ملک نکاح مال نہیں جس طرح مقتول کا ولی قصاص کے عوض میں رقم لے سکتا ہے حالانکہ قصاص بھی مال نہیں اس لئے جب عورت اپنے نفس کو حاصل کرنے کے لئے مال دینا جو اس کا عوض ہے قبول کرے تو طلاق ہو جائے گی اور عورت پر مہر واپس کرنا لازم ہوگا۔

اس صورت میں طلاق بائن واقع ہوگی کیونکہ مال دے کر عورت اپنی جان چھڑانا چاہتی ہے اور اس مقصد کا حصول طلاق بائن کے ذریعے ہوتا ہے کیونکہ طلاق رجعی میں رجوع کا حق ہوتا ہے اور عورت کو چھٹکارا حاصل نہیں ہوتا اس لئے ایک طرف عورت کی آزادی ہے اور دوسری طرف مال ہے جب خاوند مال کا مالک ہوگیا تو عورت اپنے نفس کی مالک ہو جائے گی اور ایسا اس وقت ہوگا جب طلاق بائن ہو جس میں فوری جدائی ہوتی ہے اور یوں مساوات قائم ہوگئی۔

خلع اور طلاق میں عوض کے بطلان کا حکم

(۱۲۸): قَالَ [وَاِنْ بَطَلَ الْعِوَضُ فِي الْخُلْعِ مِثْلَ اَنْ يُّخَالِعَ الْمُسْلِمُ عَلٰى خَمْرٍ اَوْ خِنْزِيْرٍ اَوْ مَيْتَةٍ فَلَا شَيْئَ لِلزَّوْجِ وَالْفُرْقَةُ بَائِنَةٌ. وَاِنْ بَطَلَ الْعِوَضُ فِي الطَّلَاقِ كَانَ رَجْعِيًّا]

فَوُقُوْعُ الطَّلَاقِ فِي الْوَجْهَيْنِ لِلتَّعْلِيْقِ بِالْقَبُوْلِ وَافْتِرَاقُهُمَا فِي الْحُكْمِ لِاَنَّهٗ لَمَّا بَطَلَ الْعِوَضُ كَانَ الْعَامِلُ فِي الْاَوَّلِ لَفْظُ الْخُلْعِ وَهُوَ كِنَايَةٌ. وَفِي الثَّانِي الصَّرِيْحُ وَهُوَ يُعْقِبُ الرَّجْعَةَ وَاِنَّمَا لَمْ يَجِبْ لِلزَّوْجِ شَيْئٌ عَلَيْهَا لِاَنَّهَا مَا سَمَّتْ مَالًا مُتَقَوِّمًا حَتّٰى تَصِيْرَ غَارَّةً لَهٗ. وَلِاَنَّهٗ لَا وَجْهَ اِلٰى اِيْجَابِ الْمُسَمّٰى لِلْاِسْلَامِ وَلَا اِلٰى اِيْجَابِ غَيْرِهٖ لِعَدَمِ الْاِلْتِزَامِ. بِخِلَافِ مَا اِذَا خَالَعَ عَلٰى خَلٍّ بِعَيْنِهٖ فَظَهَرَ اَنَّهٗ خَمْرٌ لِاَنَّهَا سَمَّتْ مَالًا فَصَارَ مَغْرُوْرًا. وَبِخِلَافِ مَا اِذَا كَاتَبَ اَوْ اَعْتَقَ عَلٰى خَمْرٍ حَيْثُ تَجِبُ قِيْمَةُ الْعَبْدِ لِاَنَّ مِلْكَ الْمَوْلٰى فِيْهِ مُتَقَوِّمٌ وَّمَا رَضِيَ بِزَوَالِهٖ مَجَّانًا. اَمَّا مِلْكُ الْبِضْعِ فِيْ حَالَةِ الْخُرُوْجِ غَيْرُ مُتَقَوِّمٍ عَلٰى مَا نَذْكُرُ. وَبِخِلَافِ النِّكَاحِ لِاَنَّ الْبِضْعَ فِيْ حَالَةِ الدُّخُوْلِ مُتَقَوِّمٌ. وَالْفِقْهُ اَنَّهٗ شَرِيْفٌ فَلَمْ يَشْرَعْ تَمَلُّكَهٗ اِلَّا بِعِوَضٍ اِظْهَارًا لِشَرَفِهٖ. فَاَمَّا الْاِسْقَاطُ فَنَفْسُهٗ شَرَفٌ فَلَا حَاجَةَ اِلٰى اِيْجَابِ الْمَالِ.

قَالَ [وَمَا جَازَ اَنْ يَّكُوْنَ مَهْرًا جَازَ اَنْ يَّكُوْنَ بَدَلًا فِي الْخُلْعِ] لِاَنَّ مَا يَصْلُحُ عِوَضًا

لِلْمُتَقَوِّمِ اَوْلٰی اَنْ یَّصْلُحَ عِوَضًا لِغَیْرِ الْمُتَقَوِّمِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں [اور اگر خلع میں عوض باطل ہو جائے مثلاً مسلمان شراب یا خنزیر یا مردار پر صلح کرے تو خاوند کے لئے کچھ نہیں ہوگا اور طلاق بائن کے طور پر تفریق ہو جائے گی۔ اور اگر طلاق میں عوض باطل ہو تو طلاق رجعی ہوگی]

دونوں صورتوں میں طلاق کا وقوع اس لئے ہے کہ وہ قبولیت کے ساتھ مشروط تھی اور دونوں کا حکم اس لئے مختلف ہے کہ جب عوض باطل ہو گیا تو پہلی صورت میں لفظ خلع کا عمل ہوگا اور وہ کنایہ ہے اور دوسری صورت میں صریح لفظ (یعنی طلاق) ہے اور وہ اپنے بعد رجوع کو چاہتی ہے۔

اور خاوند پر کوئی چیز اس لئے واجب نہیں ہوگی کہ اس نے مال متقوم کا نام نہیں لیا (مقرر نہیں کیا) کہ عورت اس کے لئے دھوکہ دینے والی ہو۔

اور اسلام کی وجہ سے مقرر مال کو واجب کرنے کی کوئی وجہ نہیں اور کوئی دوسرا مال اس لئے واجب نہیں کیا جا سکتا کہ اس نے اس کا التزام نہیں کیا۔

بخلاف اس کے جب معین سرکہ پر خلع کرے پھر ظاہر ہو کہ وہ شراب ہے کیونکہ اس نے مال کا ذکر کیا پس اس سے دھوکہ ہو گیا اور بخلاف اس کے جب کوئی شخص شراب کے عوض غلام کو مکاتب بنائے یا آزاد کرے وہاں غلام کی قیمت واجب ہوگی کیونکہ اس میں مولیٰ کی ملک متقوم ہے اور وہ مفت میں غلامی کے ازالہ پر راضی نہیں۔

اور شرمگاہ کی ملک خروج کے وقت متقوم نہیں ہوتی جس طرح ہم ذکر کریں گے۔

اور بخلاف نکاح کے کہ حالت دخول میں شرمگاہ متقوم ہوتی ہے سمجھنے والی بات یہ ہے کہ شرمگاہ کو شرف حاصل ہے لہٰذا اس کا مالک بننا عوض کے ساتھ ہوتا ہے تاکہ اس کا شرف ظاہر ہو اور اس کی ملک کو ساقط کرنا تو یہ سقوط ہی شرف کا باعث ہے لہٰذا مال واجب کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

فرماتے ہیں [اور جس چیز کا مہر قرار پانا جائز ہے اس کا خلع کا بدل بننا بھی جائز ہے]

کیونکہ جو چیز مال متقوم کا عوض ہو سکتی ہے اس کا غیر متقوم کا عوض بننا بدرجہ اولیٰ جائز ہے۔

توضیح: سب سے پہلے مال متقوم کو جاننا ضروری ہے تو جس مال کو شرعی طور پر قیمتی قرار دیا جائے وہ مال متقوم ہے۔

اب مسئلہ یہ بیان ہو رہا ہے کہ اگر عورت خلع یا مال پر طلاق کے عوض میں ایسا مال دے جو متقوم نہیں جیسے شراب، خنزیر اور مردار وغیرہ ـــــ تو خاوند کو کچھ نہیں ملے گا اور طلاق واقع ہو جائے گی البتہ خلع کی صورت میں طلاق بائن ہوگی اور مال کی شرط پر طلاق رجعی ہوگی۔

دونوں میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ خلع کنایہ الفاظ میں سے ہے اور کنایات کے استعمال سے طلاق بائن ہوتی ہے۔

اور دوسری صورت میں لفظ طلاق ہے جو صریح ہے اور صریح لفظ استعمال کرنے سے طلاق رجعی ہوتی ہے جس کے بعد

رجوع ہوسکتا ہے۔

رہا یہ سوال کہ طلاق کیوں واقع ہوتی ہے جبکہ عوض باطل ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ طلاق مال کی قبولیت سے مشروط تھی اور شرط پائی گئی یعنی عورت نے مال دینا قبول کرلیا۔

سوال: خاوند کے لئے مال کیوں واجب نہیں یعنی جب یہ عوض باطل ہے تو دوسرے مال سے ادائیگی ہوجائے؟

جواب: اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت نے مال متقوم کا ذکر نہیں کیا اور مرد کو بھی یہ معلوم تھا اس لئے عورت کو دھوکہ دینے والی قرار نہیں دیا جائے گا اور چونکہ وہ مسلمان ہے لہٰذا جو مال ذکر کیا گیا وہ واجب نہیں کیا جاسکتا اور اس کے غیر کا عورت نے التزام نہیں کیا۔

سوال: اگر عورت نے سرکہ دینے کا التزام کیا اور بعد میں وہ شراب نکلی تو کیا حکم ہوگا۔

جواب: چونکہ اس صورت میں عورت نے دھوکہ کیا لہٰذا اسے سرکہ دینا پڑے گا اور اس نے اس کا التزام بھی کیا تھا اور مسلمان کے لئے سرکے کالین دین ممنوع نہیں۔

سوال: اگر شراب کے بدلے میں غلام کو آزاد کرنا یا مکاتب بنانا قرار پایا تو کیا حکم ہوگا۔

جواب: اس صورت میں غلام کی قیمت دینا ہوگی کیونکہ غلام جو مولیٰ کی ملک ہے وہ مال متقوم ہے اور وہ اس ملک کو مفت میں زائل کرنے پر راضی نہیں ہوتا۔

سوال: عورت کی ملک بضع مرد کو حاصل ہوتی ہے تو اسے کس طرح مفت زائل کیا جاسکتا ہے۔

جواب: عورت کی بضع (شرمگاہ) کی دو صورتیں ہیں:

① نکاح کی صورت یعنی حصول ملک، تو اس صورت میں اس کے شرف و احترام کی وجہ سے عوض ضروری ہوتا ہے اور وہ مہر کی صورت میں ہوتا ہے۔

② طلاق کی صورت یعنی ملک زائل کرنا تو اس صورت میں وہ متقوم نہیں ہوتی بلکہ خود اس کا زائل ہونا ہی اس کے لئے شرف ہے لہٰذا یہاں بنیادی طور پر عوض نہیں ہوتا۔

بدل خلع:

یہ ضابطہ بیان کیا گیا کہ جو چیز مہر بن سکتی ہے وہ خلع کا بدل بھی ہوسکتی ہے اس لئے کہ جو چیز متقوم (بضع کی ملک) کا عوض ہوسکتی ہے وہ غیر متقوم (بضع کی ملک کا زوال) کا عوض بدرجہ اولیٰ ہوسکتی ہے۔

خلع کے عوض سے متعلق احکام

(۱۲۹): [فَاِنْ قَالَتْ لَهُ خَالِعْنِيْ عَلٰى مَا فِيْ يَدِيْ فَخَالَعَهَا فَلَمْ يَكُنْ فِيْ يَدِهَا شَيْءٌ فَلَا شَيْءَ لَهُ عَلَيْهَا] لِاَنَّهَا لَمْ تَغُرَّهُ بِتَسْمِيَةِ الْمَالِ [وَاِنْ قَالَتْ خَالِعْنِيْ عَلٰى مَا فِيْ يَدِيْ مِنْ مَالٍ فَخَالَعَهَا

فَلَمْ يَكُنْ فِيْ يَدِهَا شَيْئٌ رَدَّتْ عَلَيْهِ مَهْرَهَا] لِاَنَّهَا لَمَّا سَمَّتْ مَالًا لَمْ يَكُنِ الزَّوْجُ رَاضِيًا بِالزَّوَالِ اِلَّا بِعِوَضٍ، وَلَا وَجْهَ اِلٰى اِيْجَابِ الْمُسَمّٰى وَقِيْمَتِهٖ لِلْجَهَالَةِ وَلَا اِلٰى قِيْمَةِ الْبُضْعِ: اَعْنِيْ مَهْرَ الْمِثْلِ لِاَنَّهٗ غَيْرُ مُتَقَوَّمٍ حَالَةَ الْخُرُوْجِ فَتَعَيَّنَ اِيْجَابُ مَا قَامَ بِهٖ عَلَى الزَّوْجِ دَفْعًا لِلضَّرَرِ عَنْهُ [وَلَوْ قَالَتْ خَالِعْنِيْ عَلٰى مَا فِيْ يَدِيْ مِنْ دَرَاهِمَ اَوْ مِنَ الدَّرَاهِمِ فَفَعَلَ فَلَمْ يَكُنْ فِيْ يَدِهَا شَيْئٌ فَعَلَيْهَا ثَلَاثَةُ دَرَاهِمَ] لِاَنَّهَا سَمَّتِ الْجَمْعَ وَاَقَلُّهٗ ثَلَاثَةٌ. وَكَلِمَةُ مِنْ هٰهُنَا لِلصِّلَةِ دُوْنَ التَّبْعِيْضِ لِاَنَّ الْكَلَامَ يَخْتَلُّ بِدُوْنِهٖ.

ترجمہ: [پس اگر عورت اپنے خاوند سے کہے اس چیز پر مجھ سے خلع کرو جو میرے ہاتھ میں ہے اور اس کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں تھا تو خاوند کے لئے عورت کے ذمہ کچھ نہیں ہوگا] کیونکہ اس نے مال کا ذکر کرنے کے ذریعے مرد کو دھوکہ نہیں دیا [اور اگر کہا کہ مجھ سے اس مال پر خلع کرو جو میرے ہاتھ میں ہے اس نے اس سے خلع کر لیا اور عورت کے ہاتھ میں کچھ نہیں تھا تو وہ اپنا مہر مرد کی طرف لوٹائے]

کیونکہ جب اس نے مال کا ذکر کیا تو خاوند عوض کے بغیر (ملک بضع کے) زوال پر راضی نہ ہوا اور جس مال کا ذکر کیا اسے یا اس کی قیمت کو واجب کرنے کی کوئی صورت نہیں کیونکہ وہ مجہول ہے اور شرمگاہ کی قیمت یعنی مہر مثل بھی واجب نہیں کیا جا سکتا حالانکہ زوال ملک کی صورت میں شرمگاہ غیر متقوم ہے لہٰذا مرد سے نقصان کو دور کرنے کے لئے وہ مال (یعنی مہر) متعین ہو گیا جس کے ذریعے مرد نے اسے حاصل کیا تھا۔

[اور اگر وہ کہے کہ میرے ہاتھ میں جو دراہم میں سے ہیں ان پر مجھ سے خلع کرو اس نے خلع کر دیا اور عورت کے ہاتھ میں کچھ بھی نہ تھا تو اس پر تین درہم لازم ہوں گے] کیونکہ اس نے جمع کا لفظ ذکر کیا اور کم از کم جمع تین کا عدد ہوتا ہے اور یہاں کلمہ من صلہ کے لئے ہے بعض کے بیان کے لئے نہیں کیونکہ اس کے بغیر کلام میں خلل واقع ہوتا ہے۔

توضیح: اگر عورت اپنے خاوند سے خلع کا مطالبہ کرتے ہوئے خلع کا عوض یوں بتائے کہ جو کچھ میرے ہاتھ میں ہے اور مرد خلع کرلے تو اس کی تین صورتیں بیان کی گئی ہیں:

پہلی صورت: عورت کے ہاتھ میں کچھ نہ ہو تو طلاق ہو جائے گی۔

اور عورت کے لئے مرد کے ذمہ کچھ نہ ہوگا کیونکہ عورت نے مال کا ذکر نہیں کیا کہ اسے دھوکہ دینے والی قرار دی جائے۔

دوسری صورت: میں وہ مال کا بھی ذکر کرے کہ جو مال میرے ہاتھ میں ہے مرد نے خلع کر لیا اور عورت کا ہاتھ خالی ہے تو جو مہر لیا تھا وہ واپس کرے۔

کیونکہ جب عورت نے مال کا ذکر کیا تو مرد مال کے بغیر خلع پر راضی نہیں ہوا اور مقرر شدہ مال یا اس کی قیمت بھی واجب نہیں کی جا سکتی کیونکہ یہ مجہول ہے عورت کی شرمگاہ کی قیمت بھی نہیں دی جا سکتی کیونکہ زوال ملک کی صورت میں وہ

(شرمگاہ) بے قیمت ہوتی ہے۔
نوٹ: شرمگاہ کی قیمت سے مراد مہر مثل ہے ——
لہٰذا مرد کو نقصان سے بچانے کے لئے وہ مال متعین ہو جائے گا جو مرد نے بطور مہر دیا تھا۔
تیسری صورت: عورت نے کہا اس پر خلع کرو جو دراہم میرے ہاتھ میں ہیں الف لام کے بغیر دراہم کہا یا الف لام کے ساتھ الدراھم کہا تو چونکہ یہ جمع کا عدد ہے اور جمع کا اطلاق کم از کم تین پر ہوتا ہے لہٰذا تین درہم لازم ہوں گے۔
رہا مسئلہ کلمہ مِنْ کا تو مِنْ کبھی تبعیض کے لئے آتا ہے یعنی کل میں سے بعض کو نکالنے کے لئے اور کبھی صلہ یعنی بیان کے لئے آتا ہے۔
چونکہ مَا فِیْ یَدِیْ میں ما اسم موصول مبہم ہے تو اس کی وضاحت کے لئے مِنْ لایا گیا یعنی جو کچھ میرے ہاتھ میں ہے اور وہ دراہم ہیں کیونکہ لفظ مِنْ کے بغیر کلام میں خلل آئے گا۔ کیونکہ دراھم یا الدراھم مجہول ہے اور مجہول میں بعض کیسے متعین ہوں گے۔

مفرور غلام کے عوض خلع

(۱۳۰): [فَإِنْ اخْتَلَعَتْ عَلٰى عَبْدٍ لَهَا آبِقٍ عَلٰى أَنَّهَا بَرِيئَةٌ مِّنْ ضَمَانِهٖ لَمْ تَبْرَأْ وَعَلَيْهَا تَسْلِيْمُ عَيْنِهٖ إِنْ قَدَرَتْ وَتَسْلِيْمُ قِيْمَتِهٖ إِنْ عَجَزَتْ] لِأَنَّهُ عَقْدُ الْمُعَاوَضَةِ فَيَقْتَضِيْ سَلَامَةَ الْعِوَضِ، وَاشْتِرَاطُ الْبَرَاءَةِ عَنْهُ شَرْطٌ فَاسِدٌ فَيَبْطُلُ إِلَّا أَنَّ الْخُلْعَ لَا يَبْطُلُ بِالشُّرُوْطِ الْفَاسِدَةِ، وَعَلٰى هٰذَا النِّكَاحُ

ترجمہ: [اگر عورت ایسے غلام کے عوض خلع چاہے جو بھاگا ہوا ہے اور وہ کہے کہ وہ اس کی ضمان (تاوان) سے بری الذمہ ہے تو وہ بریٔ الذمہ نہیں ہوگی اور اگر وہ اسے سونپنے پر قادر ہو تو اس غلام کو اس کے حوالے کرے اور اگر عاجز ہو تو اس کی قیمت ادا کرے]
کیونکہ یہ عقد معاوضہ ہے لہٰذا وہ عوض کی سلامتی کا تقاضا کرتا ہے اور اس کی طرف سے بریٔ الذمہ ہونے کی شرط، شرط فاسد ہے اس لئے وہ باطل ہو جائے گی اور خلع فاسد شرائط سے باطل نہیں ہوتا (لہٰذا خلع باقی رہے گا) اور نکاح کا بھی یہی حکم ہے۔

توضیح: خلع کے عوض کی ایک اور صورت بیان ہو رہی ہے کہ اس نے خلع کے عوض غلام دینا اختیار کیا اور غلام بھاگا ہوا تھا اور عورت یہ بھی شرط رکھتی ہے کہ وہ غلام مرد کے حوالے کرنے سے بریٔ الذمہ ہے تو یہ شرط فاسد ہوگی اور اس پر لازم ہے کہ وہ غلام اس مرد کے حوالے کرے اگر اس سے عاجز ہو تو اس کی قیمت دے کیونکہ عقد معاوضہ میں معاوضہ کی سلامتی ضروری ہے چونکہ خلع اور نکاح وغیرہ میں شرط فاسد خود باطل ہو جاتی ہے اور وہ عمل باقی رہتا ہے لہٰذا خلع باقی رہے گا۔

نوٹ: آج کل غلامی کا زمانہ نہیں لہٰذا اگر کوئی جانور وغیرہ بدل خلع ہو اور وہ بھاگ جائے تو یہی مندرجہ بالا حکم ہو گا۔ (۱۲ ہزاروی)

طلاق کے عوض پر کلمہ باء اور کلمہ علیٰ داخل کرنے کا حکم

(۱۳۱): [وَإِذَا قَالَتْ طَلِّقْنِيْ ثَلَاثًا بِأَلْفٍ فَطَلَّقَهَا وَاحِدَةً فَعَلَيْهَا ثُلُثُ الْأَلْفِ] لِأَنَّهَا لَمَّا طَلَبَتْ الثَّلَاثَ بِأَلْفٍ فَقَدْ طَلَبَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ بِثُلُثِ الْأَلْفِ، وَهٰذَا لِأَنَّ حَرْفَ الْبَاءِ يَصْحَبُ الْأَعْوَاضَ وَالْعِوَضُ يَنْقَسِمُ عَلَى الْمُعَوَّضِ وَالطَّلَاقُ بَائِنٌ لِوُجُوْبِ الْمَالِ [وَإِنْ قَالَتْ طَلِّقْنِيْ ثَلَاثًا عَلٰى أَلْفٍ فَطَلَّقَهَا وَاحِدَةً فَلَا شَيْئَ عَلَيْهَا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَيَمْلِكُ الرَّجْعَةَ. وَقَالَا هِيَ وَاحِدَةٌ بَائِنَةٌ بِثُلُثِ الْأَلْفِ] لِأَنَّ كَلِمَةَ عَلٰى بِمَنْزِلَةِ الْبَاءِ فِي الْمُعَاوَضَاتِ، حَتّٰى إِنَّ قَوْلَهُمْ احْمِلْ هٰذَا الطَّعَامَ بِدِرْهَمٍ أَوْ عَلٰى دِرْهَمٍ سَوَاءٌ.

وَلَهُ أَنَّ كَلِمَةَ عَلٰى لِلشَّرْطِ، قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿يُبَايِعْنَكَ عَلٰى أَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا﴾ وَمَنْ قَالَ لِامْرَأَتِهِ أَنْتِ طَالِقٌ عَلٰى أَنْ تَدْخُلِي الدَّارَ كَانَ شَرْطًا، وَهٰذَا لِأَنَّهُ لِلُّزُوْمِ حَقِيْقَةً، وَاسْتُعِيْرَ لِلشَّرْطِ لِأَنَّهُ يُلَازِمُ الْجَزَاءَ، وَإِذْ كَانَ لِلشَّرْطِ فَالْمَشْرُوْطُ لَا يَتَوَزَّعُ عَلٰى أَجْزَاءِ الشَّرْطِ، بِخِلَافِ الْبَاءِ لِأَنَّهُ لِلْعِوَضِ عَلٰى مَا مَرَّ، وَإِذَا لَمْ يَجِبِ الْمَالُ كَانَ مُبْتَدَأً فَوَقَعَ الطَّلَاقُ وَيَمْلِكُ الرَّجْعَةَ

ترجمہ: [اور جب عورت نے کہا مجھے ایک ہزار (روپے) کے بدلے میں تین طلاقیں دے اس نے اسے ایک طلاق دی تو اس عورت پر ایک ہزار کا تہائی لازم ہوگا]

کیونکہ جب اس نے ایک ہزار کے بدلے میں تین طلاقوں کا مطالبہ کیا تو ہر طلاق کا مطالبہ ایک ہزار کے تہائی کے ساتھ ہوا اور یہ اس لئے کہ لفظ باء عوضوں کے ساتھ ملتا ہے اور عوض، معوض (جس کا عوض ہے) پر تقسیم ہوتا ہے اور طلاق بائن ہوگی کیونکہ مال واجب ہوا۔

[اور اگر کہا کہ مجھے ایک ہزار کی شرط پر تین طلاقیں دے اور اس نے ایک طلاق دی تو کچھ بھی واجب نہیں ہوگا اور طلاق رجعی ہوگی یہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ہے اور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں: ایک ہزار کے تہائی کے بدلے میں ایک طلاق واقع ہو جائے گی]

کیونکہ کلمہ علیٰ کلمہ باء کی طرح ہوتا جب معاوضوں پر داخل ہو حتیٰ کہ ان کا یہ قول کہ یہ طعام ایک درہم کے بدلے میں اٹھا لے یا ایک درہم پر اٹھا لے تو ایک ہی حکم ہوگا (یعنی باء اور علیٰ دونوں کا استعمال)

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ کلمہ "علیٰ" شرط کے لئے ہے ارشاد خداوندی ہے:

يُبَايِعْنَكَ عَلَىٰٓ اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا ❶

ترجمہ: وہ (خواتین) اس شرط پر آپ کے دست مبارک پر بیعت کرتی ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہرائیں گی۔

اور جو شخص اپنی عورت سے کہے تجھے اس بات پر طلاق ہے کہ تو گھر میں داخل ہو (کلمہ علیٰ استعمال کرے) تو یہ شرط ہوگی یہ اس لئے کہ کلمہ علیٰ حقیقت میں لزوم کے لئے ہے اور شرط کے لئے بطور مجاز استعمال ہوتا ہے کیونکہ یہ (شرط) بھی جزاء کو لازم ہوتی ہے۔

اور جب یہ شرط کے لئے ہے تو مشروط، شرط کے اجزاء پر تقسیم نہیں ہوتا۔

بخلاف باء کے کہ وہ عوض کے لئے ہے جیسا کہ گزر گیا تو جب (علیٰ کی صورت میں) مال واجب نہیں ہوگا تو یہاں سے ابتداء ہوگی اور طلاق واقع ہوجائے گی اور وہ رجوع کا مالک ہوگا۔

توضیح: اگر مرد اپنی بیوی کو مال کی ادائیگی پر طلاق دے جس کا عورت نے مطالبہ کیا تو اس میں دو صورتیں ہوں گی۔

عورت نے کلمہ باء استعمال کیا یعنی بِاَلْفٍ کہا یا کلمہ علیٰ استعمال کیا اور عَلٰی اَلْفٍ کہا۔

تو اس بات پر اتفاق ہے کہ باء عوض کے لئے آتا ہے اور عوض اپنے معوض پر تقسیم ہوتا ہے یعنی اسی قدر عوض ہوگا جس قدر وہ چیز ہو جس کا عوض ہے چونکہ عورت نے تین طلاقوں کا ایک ہزار روپے کے بدلے میں مطالبہ کیا اب اگر مرد ایک طلاق دیتا ہے تو چونکہ یہ تین طلاقوں کا تہائی ہے لہٰذا عوض بھی تیسرا حصہ (یعنی تین سو تینتیس روپے تینتیس پیسے) لازم ہوں گے۔

اور اگر باء کی جگہ علیٰ استعمال کرے اور تین طلاقوں کا مطالبہ کرے لیکن مرد ایک طلاق دے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک رجعی طلاق واقع ہوگی اور عورت پر کچھ بھی لازم نہیں ہوگا اور مرد کو رجوع کا حق ہوگا جبکہ صاحبین کے نزدیک ایک ہزار کی تہائی رقم کے بدلے ایک بائن طلاق واقع ہوگی۔

فرق کی وجہ یہ ہے کہ صاحبین کے نزدیک کلمہ باء اور کلمہ علیٰ ایک ہی معنی میں ہیں یعنی جب عوض پر داخل ہوں تو دونوں ایک ہی عمل کرتے ہیں۔ وہ مثال دیتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کہے یہ غلہ اٹھاؤ اس کا عوض ایک درہم ہوگا تو اگر وہ بِدِرْهَمٍ کی جگہ عَلٰی دِرْهَمٍ ہے تو بھی وہی حکم ہوگا۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کلمہ علیٰ بنیادی طور پر یعنی حقیقی معنیٰ کے اعتبار سے کسی چیز کو لازم کرنے کے لئے آتا ہے (جیسے: لَهٗ عَلٰی زَيْدٍ اَلْفُ دِرْهَمٍ تو زید پر اس فلاں کے ایک ہزار درہم لازم ہوں گے)

اور اسے بطور مجاز شرط کے لئے استعمال کیا جاتا ہے کیونکہ شرط اپنی جزاء کو لازم ہوتی ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن پاک کی مندرجہ بالا آیت سے استدلال کیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے خواتین سے

---

❶ سورۂ ممتحنہ، آیت: ۱۲

بیعت لیتے وقت یہ شرط رکھی کہ وہ شرک نہیں کریں گی وغیرہ وغیرہ تو وہاں کلمہ عَلیٰ استعمال ہوا۔

دوسری مثال یہ کہ مرد نے عورت سے کہا اَنْتِ طَالِقٌ عَلٰی اَنْ تَدْخُلِیَ الدَّارَ (تجھے اس شرط پر طلاق ہے کہ تو گھر میں داخل ہو) یہاں بھی عَلٰی شرط کے لئے ہے۔

لہٰذا جب یہ شرط کے لئے ہے تو شرط، مشروط کے اجزاء پر تقسیم نہیں ہوتی (اور مرد نے شرط پر عمل نہیں کیا تو گویا مرد کی شرط کے بغیر طلاق دے اور جب مال لازم نہ ہو تو طلاق رجعی ہوگی اور مرد کو رجوع کا حق حاصل ہوگا۔

مال پر طلاق کی کچھ اور صورتیں

(۱۳۲): [وَلَوْ قَالَ الزَّوْجُ طَلِّقِیْ نَفْسَكِ ثَلَاثًا بِاَلْفٍ اَوْ عَلٰی اَلْفٍ فَطَلَّقَتْ نَفْسَهَا وَاحِدَةً لَمْ یَقَعْ شَیْئٌ] لِاَنَّ الزَّوْجَ مَا رَضِیَ بِالْبَیْنُوْنَةِ اِلَّا لِتُسْلِمَ لَهُ الْاَلْفُ كُلُّهَا. بِخِلَافِ قَوْلِهَا طَلِّقْنِیْ ثَلَاثًا بِاَلْفٍ لِاَنَّهَا لَمَّا رَضِیَتْ بِالْبَیْنُوْنَةِ بِاَلْفٍ كَانَتْ بِبَعْضِهَا اَرْضٰی [وَلَوْ قَالَ اَنْتِ طَالِقٌ عَلٰی اَلْفٍ فَقَبِلَتْ طَلُقَتْ وَعَلَیْهَا الْاَلْفُ وَهُوَ كَقَوْلِهٖ اَنْتِ طَالِقٌ بِاَلْفٍ] وَلَا بُدَّ مِنَ الْقَبُوْلِ فِی الْوَجْهَیْنِ لِاَنَّ مَعْنٰی قَوْلِهٖ بِاَلْفٍ بِعِوَضِ اَلْفٍ یَجِبُ لِیْ عَلَیْكِ. وَمَعْنٰی قَوْلِهٖ عَلٰی اَلْفٍ عَلٰی شَرْطِ اَلْفٍ یَكُوْنُ لِیْ عَلَیْكِ. وَالْعِوَضُ لَا یَجِبُ بِدُوْنِ قَبُوْلِهٖ. وَالْمُعَلَّقُ بِالشَّرْطِ لَا یَنْزِلُ قَبْلَ وُجُوْدِهٖ.

وَالطَّلَاقُ بَائِنٌ لِمَا قُلْنَا.

ترجمہ: [اور اگر خاوند نے بیوی سے کہا کہ ایک ہزار کے بدلے میں اپنے آپ کو تین طلاقیں دے (بِاَلْفٍ کہا یا عَلٰی اَلْفٍ کہا] اس نے اپنے آپ کو ایک طلاق دی تو کچھ بھی واقع نہیں ہوگا) کیونکہ خاوند اس کی جدائی پر اسی صورت میں راضی ہوگا جب وہ پورا ایک ہزار اس کے حوالے کرے۔

بخلاف عورت کے قول کے کہ مجھے ایک ہزار کے عوض تین طلاقیں دے کیونکہ جب وہ ایک ہزار کے بدلے میں جدائی پر راضی ہے تو ایک ہزار کے بعض پر زیادہ راضی ہوگی۔

[اور اگر کہا تجھے ایک ہزار پر طلاق ہے اور عورت نے قبول کرلیا تو اسے طلاق ہوجائے گی اور اس پر ایک ہزار لازم ہو جائے گا اور وہ اس کے اس قول کی طرح ہے اَنْتِ طَالِقٌ بِاَلْفٍ تجھے ایک ہزار کے بدلے میں طلاق ہے (یعنی کلمہ یاء کے استعمال کی طرح ہوگا) اور دونوں صورتوں میں عورت کا قبول کرنا ضروری ہے کیونکہ خاوند کے قول بِاَلْفٍ کا معنیٰ بِعِوَضِ اَلْفٍ ہے یعنی ایک ہزار کے عوض جو میرے لئے تجھ پر واجب ہے۔

اور عَلٰی اَلْفٍ کا معنیٰ ہوگا عَلٰی شَرْطِ اَلْفٍ ایک ہزار کی شرط پر جو میرے لئے تجھ پر واجب ہے۔

اور عوض قبولیت کے بغیر واجب نہیں ہوتا اور جو چیز شرط کے ساتھ مشروط ہو وہ شرط کے پائے جانے سے پہلے نہیں ہوتی اور طلاق بائن واقع ہوگی جس طرح ہم نے کہا (کہ یہ مال کے بدلے میں ہے)

توضیح: مندرجہ بالا عبارت میں مال کے عوض طلاق کے سلسلے میں دو مسئلوں کا بیان ہے۔

پہلے مسئلہ میں مرد نے عورت کو ایک ہزار کے عوض یا ایک ہزار کی شرط پر تین طلاقوں کا اختیار دیا لیکن عورت نے تین کی بجائے ایک طلاق دی تو اس کا حکم یہ ہے کہ ایک طلاق بھی واقع نہیں ہوگی۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ مرد اسے اس صورت میں جدا کرنے پر راضی ہوا کہ وہ اسے پورا ایک ہزار دے جبکہ ایک طلاق کی صورت میں ایک ہزار کا تہائی ادا کرنا ہوتا ہے لہٰذا خاوند اس پر راضی نہیں ہوا۔

لیکن جب عورت کہے کہ مجھے ایک ہزار کے عوض تین طلاقیں دے اور خاوند ایک طلاق دے تو یہ نافذ ہو جائے گی کیونکہ مال کی صورت میں طلاق بائن واقع ہوتی ہے اور عورت فوراً جدا ہو جاتی ہے تو جب وہ ایک ہزار دینے کے لئے تیار ہے تو اس کی تہائی پر زیادہ راضی ہوگی کیونکہ اس کا مقصد تھوڑی رقم میں حاصل ہو رہا ہے۔

دوسرا مسئلہ:

مرد کے خود طلاق دینے سے متعلق ہے عورت کو اختیار نہیں دیا بلکہ مرد نے کہا: ''تجھے ایک ہزار کے بدلے میں طلاق ہے'' (تین کا ذکر نہیں) عورت قبول کرلے تو طلاق ہو جائے گی اور اس پر ایک ہزار لازم ہو جائے گا یہاں مرد نے عَلٰی اَلْفٍ کہا تو یہ بِاَلْفٍ کی طرح ہے یعنی ہزار روپے یا تو عوض بنیں گے اگر باء کے ساتھ ذکر کیا اور علٰی کے ساتھ کہا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شرط ہوگی اور دونوں صورتوں میں عورت کا قبول کرنا شرط ہے ورنہ طلاق نہیں ہوگی۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ عوض قبولیت کے بغیر واجب نہیں ہوتا اور شرط کی صورت میں شرط کے بغیر جزاء واقع نہیں ہوتی لہٰذا ہزار روپے کی قبولیت ہوگی تو طلاق واقع ہوگی۔

نوٹ: چونکہ دونوں صورتوں میں یعنی ہزار روپیہ عوض ہو یا شرط مال پر طلاق ہو رہی ہے اس لئے یہ طلاق بائن ہوگی۔

بیوی کی طلاق اور غلام کی آزادی کو مال کے ساتھ مشروط کرنا

(۱۳۳): [وَلَوْ قَالَ لِامْرَاَتِهٖ اَنْتِ طَالِقٌ وَّعَلَيْكِ اَلْفٌ فَقَبِلَتْ، وَقَالَ لِعَبْدِهٖ اَنْتَ حُرٌّ وَّعَلَيْكَ اَلْفٌ فَقَبِلَ عَتَقَ الْعَبْدُ وَطَلُقَتِ الْمَرْاَةُ، وَلَا شَيْئَ عَلَيْهِمَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ] وَكَذَا اِذَا لَمْ يَقْبَلَا [وَقَالَا عَلٰى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا الْاَلْفُ اِذَا قَبِلَ] وَاِذَا لَمْ يَقْبَلْ لَا يَقَعُ الطَّلَاقُ وَالْعَتَاقُ.

لَهُمَا اَنَّ هٰذَا الْكَلَامَ يُسْتَعْمَلُ لِلْمُعَاوَضَةِ، فَاِنَّ قَوْلَهُمْ اِحْمِلْ هٰذَا الْمَتَاعَ وَلَكَ دِرْهَمٌ بِمَنْزِلَةِ قَوْلِهِمْ بِدِرْهَمٍ.

وَلَهُ أَنَّهُ جُمْلَةٌ تَامَّةٌ فَلَا تَرْتَبِطُ بِمَا قَبْلَهُ إِلَّا بِدَلَالَةٍ، إِذِ الْأَصْلُ فِيهَا الْإِسْتِقْلَالُ وَلَا دَلَالَةَ. لِأَنَّ الطَّلَاقَ وَالْعِتَاقَ يَنْفَكَّانِ عَنِ الْمَالِ. بِخِلَافِ الْبَيْعِ وَالْإِجَارَةِ لِأَنَّهُمَا لَا يُوجَدَانِ دُونَهُ.

ترجمہ: [اور اگر مرد نے اپنی بیوی سے کہا تجھے طلاق ہے اور تجھ پر ایک ہزار (روپیہ) ہے اس نے قبول کیا اور اپنے غلام سے کہا تو آزاد ہے اور تیرے ذمہ ایک ہزار ہے۔ اس نے قبول کرلیا تو غلام آزاد ہو جائے گا اور عورت کو طلاق ہو جائے گی اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ان (دونوں) پر کچھ بھی لازم نہیں ہوگا]۔

اسی طرح اگر قبول نہ کریں (تو بھی ان کے ذمہ کچھ نہ ہوگا)

[اور صاحبین فرماتے ہیں کہ قبولیت کی صورت میں دونوں کے ذمہ ایک ایک ہزار ہوگا] اور قبول نہ کرنے کی صورت میں طلاق بھی واقع نہیں ہوگی اور آزادی بھی نہیں ہوگی۔ صاحبین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ کلام معاوضہ کے لئے استعمال ہوتا ہے کیونکہ ان (اہل عرب) کا یہ کلام کہ یہ سامان اٹھاؤ اور تمہارے لئے ایک درہم ہے تو یہ ان کے اس قول کی طرح ہے جس میں بِدِرْهَمٍ کہا۔

اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ جملہ مکمل ہے لہٰذا کسی دلالت کے بغیر پہلے کے ساتھ اس کا تعلق نہیں ہوگا کیونکہ یہ مستقل ہے اور یہاں دلالت بھی نہیں کیونکہ طلاق اور آزادی مال سے جدا ہوتے ہیں بخلاف بیع اور اجارہ کے کیونکہ وہ اس (مال) کے بغیر نہیں پائے جاتے۔

توضیح: یہاں ایک خاص عبارت ہے جس میں دو مستقل جملے ہیں وہ یہ کہ مرد نے بیوی سے کہا تجھے طلاق ہے اور تیرے ذمہ ایک ہزار ہیں اور غلام سے کہا تو آزاد ہے اور تیرے ذمہ ایک ہزار ہیں۔ وہ قبول کریں یا نہ کریں حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک عورت کو طلاق ہو جائے گی اور غلام آزاد ہو جائے گا اور ان دونوں کے ذمہ کچھ بھی لازم نہیں ہوگا۔

جبکہ صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں: اگر قبول کریں تو ان کے ذمہ ایک ایک ہزار ہوگا اور قبول نہ کریں تو طلاق اور آزادی نہیں ہوگی۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ کلام معاوضہ کے طور پر استعمال ہوتا ہے جیسا کہ پہلے گزر گیا صاحبین کے نزدیک معاوضوں میں کلمہ ''علی'' کلمہ باء کی طرح ہوتا ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ اہل عرب جب کہتے ہیں: اِحْمِلْ هٰذَا الْمَتَاعَ وَلَكَ دِرْهَمٌ تو یہ اسی طرح ہے کہ اِحْمِلْ هٰذَا الْمَتَاعَ بِدِرْهَمٍ۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

جب دو جملے مکمل ہوں تو دوسرے جملے کا پہلے جملہ سے ربط اور تعلق کسی دلالت کے بغیر نہیں ہوتا اور یہاں دونوں جملے اَنْتِ طَالِقٌ اور وَعَلَيْكَ اَلْفٌ مستقل ہیں اور دونوں کے درمیان ربط کے لئے دلیل موجود نہیں کیونکہ طلاق اور آزادی کا

مال کے ساتھ کوئی تعلق نہیں کیونکہ (حقیقتاً) یہ دونوں کام مال کے بغیر ہوتے ہیں اور صاحبین نے جو مثال پیش کی ہے وہ اجارہ کی مثال ہے اور بیع اور اجارہ مال کے بغیر نہیں ہوتے لہٰذا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ پہلے جملہ اِحْمِلْ هٰذَا الْمَتَاعَ اور دوسرے جملہ وَلَكَ دِرْهَمٌ کا باہم تعلق ہوگا (اس لئے طلاق اور عتاق کو اس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا)۔

مال پر طلاق اور مرد کا اختیار کی شرط رکھنا

(۱۳۴): [وَلَوْ قَالَ اَنْتِ طَالِقٌ عَلٰی اَلْفٍ عَلٰی اَنِّیْ بِالْخِیَارِ اَوْ عَلٰی اَنَّكِ بِالْخِیَارِ ثَلَاثَةَ اَیَّامٍ فَقَبِلَتْ فَالْخِیَارُ بَاطِلٌ اِذَا كَانَ لِلزَّوْجِ. وَهُوَ جَائِزٌ اِذَا كَانَ لِلْمَرْاَةِ. فَاِنْ رَدَّتِ الْخِیَارَ فِی الثَّلَاثِ بَطَلَ. وَاِنْ لَمْ تَرُدَّ طَلُقَتْ وَلَزِمَهَا الْاَلْفُ] وَهٰذَا عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ [وَقَالَا: الْخِیَارُ بَاطِلٌ فِی الْوَجْهَیْنِ. وَالطَّلَاقُ وَاقِعٌ وَّعَلَیْهَا اَلْفُ دِرْهَمٍ] لِاَنَّ الْخِیَارَ لِلْفَسْخِ بَعْدَ الِانْعِقَادِ لَا لِلْمَنْعِ مِنَ الِانْعِقَادِ. وَالتَّصَرُّفَانِ لَا یَحْتَمِلَانِ الْفَسْخَ مِنَ الْجَانِبَیْنِ لِاَنَّهٗ فِیْ جَانِبِهٖ یَمِیْنٌ وَّمِنْ جَانِبِهَا شَرْطُهَا.

وَلِاَبِیْ حَنِیْفَةَ اَنَّ الْخُلْعَ فِیْ جَانِبِهَا بِمَنْزِلَةِ الْبَیْعِ حَتّٰی یَصِحَّ رُجُوْعُهَا. وَلَا یَتَوَقَّفُ عَلٰی مَا وَرَاءَ الْمَجْلِسِ فَیَصِحُّ اشْتِرَاطُ الْخِیَارِ فِیْهِ. اَمَّا فِیْ جَانِبِهٖ یَمِیْنٌ حَتّٰی لَا یَصِحَّ رُجُوْعُهٗ وَیَتَوَقَّفُ عَلٰی مَا وَرَاءِ الْمَجْلِسِ. وَلَا خِیَارَ فِی الْاَیْمَانِ. وَجَانِبُ الْعَبْدِ فِی الْعِتَاقِ مِثْلُ جَانِبِهَا فِی الطَّلَاقِ.

ترجمہ: [اگر مرد نے کہا کہ تجھے ایک ہزار کے عوض طلاق ہے اس شرط پر کہ مجھے تین دن کا اختیار ہے یا یہ کہ تجھے اختیار ہے عورت نے قبول کرلیا تو اگر مرد کے لئے خیار ہے تو وہ باطل ہوجائے گا اور اگر عورت کے لئے ہے تو جائز ہے پس اگر وہ تین دن کے اندر خیار کو رد کردے تو وہ باطل ہوجائے گا اور اگر رد نہ کرے تو اسے طلاق ہوجائے گی اور اس پر ایک ہزار لازم ہوں گے]

یہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔

[اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں: دونوں صورتوں میں خیار باطل ہوگا طلاق ہوجائے گی اور ایک ہزار عورت کے ذمہ لازم ہوجائیں گے]

کیونکہ خیار، انعقاد کے بعد فسخ کے لئے ہوتا ہے انعقاد سے منع کے لئے نہیں ہوتا اور دونوں تصرف دونوں طرف سے فسخ کا احتمال نہیں رکھتے کیونکہ مرد کی طرف سے یہ یمین (مشروط کرنا) ہے اور عورت کی جانب سے شرط ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ عورت کی جانب سے خلع، بیع کی طرح ہے حتیٰ کہ اس کا رجوع صحیح ہے اور یہ مجلس کے علاوہ پر موقوف نہیں ہوتا لہٰذا اس میں خیار کی شرط صحیح ہے اور مرد کی جانب سے یمین ہے حتیٰ کہ اس کا رجوع صحیح

نہیں اور یہ مجلس کے علاوہ پر موقوف ہے اور یمین میں خیار نہیں ہوتا۔

اور عتاق (آزاد کرنے) میں غلام کی جانب سے اسی طرح ہے جیسے طلاق میں عورت کی جانب سے ہے (یعنی دونوں کا حکم ایک جیسا ہے)

توضیح: اصل مسائل کو سمجھنے سے پہلے چند امور کو جاننا ضروری ہے۔

① یمین:

جب کسی کام کو کسی شرط سے مشروط کیا جاتا ہے تو اس عمل کو تعلیق یا یمین کہتے ہیں —— مثلاً: اِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَاَنْتِ طَالِقٌ یہ جملہ یمین ہے۔

② شرط:

جس کام کے ساتھ دوسرے کام کو معلق یا مشروط کیا جائے اسے شرط کہتے ہیں جیسے اوپر والی مثال میں گھر میں داخل ہونا شرط اور طلاق اس کی جزاء ہے۔

③ خیار:

خیار کا معنیٰ اختیار ہے جب کوئی عقد ہوجاتا ہے جیسے سودا ہوجاتا ہے تو اس کے بعد تین دن اختیار رکھنا کہ ان دنوں میں یا تو بیع کی توثیق کردے گا یا اسے فسخ کردے گا۔

اب مسئلہ کی جانب آتے ہیں تو مسئلہ یوں ہے:

مرد نے اپنی بیوی سے کہا تجھے ایک ہزار (روپے) کے بدلے میں طلاق ہے لیکن مجھے اختیار ہے (یعنی میں یہ فیصلہ فسخ بھی کرسکتا ہوں اور نافذ بھی کرسکتا ہوں) یا وہ کہتا ہے تجھے خیار (اختیار) ہے اور خیار کی مدت تین دن ہے۔

مسئلہ خیار میں اختلاف ائمہ

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اگر وہ عورت خیار کو قبول کرلے تو خیار باطل ہوجائے گا اگر مرد نے اپنے لئے خیار رکھا اور اگر عورت کے لئے خیار ہو تو جائز ہے۔

اب عورت اس خیار کو استعمال کرتے ہوئے تین دن کے اندر خیار کو رد کردے تو خیار باطل ہوجائے گا (اور طلاق نہیں ہوگی) اور اگر رد نہ کرے تو اسے طلاق ہوجائے گی اور اس پر ایک ہزار لازم ہوجائیں گے۔

صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں: دونوں صورتوں میں خیار باطل ہوگا اور طلاق واقع ہوجائے گی اور عورت پر ایک ہزار لازم ہوجائیں گے۔

دلائل

صاحبین کے نزدیک عقد کے انعقاد کے بعد خیار ہوتا ہے جو عقد کو فسخ کرنے کے لئے ہوتا ہے کہ اگر وہ چاہے تو عقد کو

فسخ کر دے انعقاد کو روکنے کے لئے نہیں ہوتا۔

اور مرد و عورت دونوں کا تصرف فسخ کا احتمال نہیں رکھتے کیونکہ مرد کی جانب سے یمین (تعلیق یعنی شرط کے ساتھ مشروط کرنا) ہے اور یمین کو فسخ نہیں کیا جا سکتا نہ اس سے رجوع ہو سکتا۔ اور عورت کی جانب سے شرط ہے کیونکہ مرد کی یمین کے لئے عورت کی قبولیت شرط ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ عورت کی طرف سے خلع، بیع کی طرح ہے (یعنی وہ عوض دے کر اپنے آپ کو گویا خرید رہی ہے) یہی وجہ ہے کہ عورت خلع سے رجوع کر سکتی ہے اور مجلس کے علاوہ پر موقوف بھی نہیں اگر وہ مجلس سے اٹھ جائے تو خلع باطل ہو جائے گا لہٰذا اس خلع میں اس کا خیار صحیح ہے۔

لیکن خاوند کی طرف سے یمین ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ وہ رجوع بھی نہیں کر سکتا اور وہ مجلس پر موقوف بھی نہیں اور یمین میں خیار نہیں ہوتا۔

نوٹ: اگر غلام کو مال کے بدلے آزاد کرتے ہوئے خیار دیا جائے تو اس کا حکم وہی ہے جو عورت کی طرف سے خلع کا ہے یعنی اس کا خیار صحیح ہوگا۔

خلع قبول کرنے یا نہ کرنے میں اختلاف

(۱۳۵): [وَمَنْ قَالَ لِامْرَاَتِهٖ طَلَّقْتُكِ اَمْسِ عَلٰى اَلْفِ دِرْهَمٍ فَلَمْ تَقْبَلِيْ فَقَالَتْ قَبِلْتُ فَالْقَوْلُ قَوْلُ الزَّوْجِ. وَمَنْ قَالَ لِغَيْرِهٖ بِعْتُ مِنْكَ هٰذَا الْعَبْدَ بِاَلْفِ دِرْهَمٍ اَمْسِ فَلَمْ تَقْبَلْ فَقَالَ: قَبِلْتُ فَالْقَوْلُ قَوْلُ الْمُشْتَرِيْ] وَوَجْهُ الْفَرْقِ اَنَّ الطَّلَاقَ بِالْمَالِ يَمِيْنٌ مِّنْ جَانِبِهٖ فَالْاِقْرَارُ بِهٖ لَايَكُوْنُ اِقْرَارًا بِالشَّرْطِ لِصِحَّتِهٖ بِدُوْنِهٖ. اَمَّا الْبَيْعُ فَلَا يَتِمُّ اِلَّا بِالْقَبُوْلِ وَالْاِقْرَارُ بِهٖ اِقْرَارٌ بِمَا لَا يَتِمُّ اِلَّا بِهٖ فَاِنْكَارُهُ الْقَبُوْلَ رُجُوْعٌ مِّنْهُ.

ترجمہ: [اور جس شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں نے تجھے کل ایک ہزار کے بدلے میں طلاق دی تھی اور تم نے قبول نہیں کی — بیوی نے کہا میں نے قبول کی تھی تو خاوند کا قول معتبر ہوگا اور جس شخص نے دوسرے آدمی سے کہا کہ میں نے کل یہ غلام تجھ پر ایک ہزار درہم کے بدلے میں فروخت کیا تھا اور تو نے قبول نہیں کیا اس نے کہا میں نے قبول کیا تھا تو مشتری کا قول معتبر ہوگا]

فرق کی وجہ یہ ہے کہ مال کے بدلے میں طلاق مرد کی جانب سے یمین ہوتی ہے پس یمین کا اقرار شرط کا اقرار نہیں ہو گا۔ کیونکہ یمین شرط کے بغیر بھی صحیح ہوتی ہے۔

اور بیع قبول کرنے کے بغیر مکمل نہیں ہوتی اور اس کا اقرار ایسی بات کا اقرار ہے جس کے بغیر وہ صحیح نہیں ہوتی لہٰذا اس کا

قبولیت سے انکار اس سے رجوع ہے۔

توضیح: یہاں ایک جیسے دو مسئلوں کے حکم میں اختلاف اور اس اختلاف کی وجہ بیان کی گئی۔

پہلا مسئلہ طلاق سے متعلق ہے جس میں خاوند یہ کہتا ہے کہ کل میں نے تجھے ایک ہزار کے بدلے میں طلاق دی اور تو نے قبول نہیں کی جبکہ عورت کہتی ہے کہ میں نے قبول کی تو یہاں خاوند کا قول معتبر ہے۔

جبکہ دوسرا مسئلہ بیع سے متعلق ہے اور وہ بعینہ اس جیسا ہے اس طرح کہ بائع نے کہا میں نے یہ غلام کل تجھ پر ایک ہزار کے بدلے میں فروخت کیا اور تو نے قبول نہیں کیا مشتری کہتا ہے کہ میں نے قبول کیا تھا تو یہاں مشتری کا قول معتبر ہوگا۔۔۔ حالانکہ پہلے مسئلہ پر قیاس کیا جائے تو بائع کا قول معتبر ہونا چاہئے۔۔۔

تو صاحب ہدایہ اس فرق کی وجہ یوں بیان کرتے ہیں کہ مال کے بدلے طلاق خاوند کی طرف سے یمین ہے کیونکہ وہ عورت کی قبولیت سے مشروط ہے اور چونکہ یمین، یمین والی (حالت) پر مکمل ہو جاتی ہے جو شرط کی محتاج نہیں ہوتی لہٰذا یمین کا اقرار شرط کے وجود کا اقرار نہیں ہوگا لہٰذا مرد کی بات قبول ہوگی۔

لیکن بیع قبولیت کے بغیر مکمل نہیں ہوتی اس لئے بیع کا اقرار قبولیت کا اقرار ہوگا یعنی جب بائع بیع کا اقرار کر رہا ہے تو وہ مشتری کی طرف سے قبولیت کا اقرار بھی کر رہا ہے تو اب اس کا انکار گویا اس سے رجوع ہے لہٰذا اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی اور مشتری کی بات قبول ہوگی۔

مبارات خلع کی طرح ہے

(۱۳۶): قَالَ [وَالْمُبَارَاَۃُ کَالْخُلْعِ کِلَاھُمَا یُسْقِطَانِ کُلَّ حَقٍّ لِکُلِّ وَاحِدٍ مِنَ الزَّوْجَیْنِ عَلَی الْاٰخَرِ مِمَّا یَتَعَلَّقُ بِالنِّکَاحِ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ] وَقَالَ مُحَمَّدٌ: لَا یَسْقُطُ فِیْھِمَا اِلَّا مَا سَمَّیَاہُ. وَاَبُوْ یُوْسُفَ مَعَہٗ فِی الْخُلْعِ وَمَعَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ فِی الْمُبَارَاَۃِ.

لِمُحَمَّدٍ اَنَّ ھٰذِہٖ مُعَاوَضَۃٌ وَّفِی الْمُعَاوَضَاتِ یُعْتَبَرُ الْمَشْرُوْطُ لَا غَیْرُہٗ.

وَلِاَبِیْ یُوْسُفَ اَنَّ الْمُبَارَاَۃَ مُفَاعَلَۃٌ مِّنَ الْبَرَاءَۃِ فَتَقْتَضِیْھَا مِنَ الْجَانِبَیْنِ وَاَنَّہٗ مُطْلَقٌ قَیَّدْنَاہُ بِحُقُوْقِ النِّکَاحِ لِدَلَالَۃِ الْغَرَضِ اَمَّا الْخُلْعُ فَمُقْتَضَاہُ الْاِنْخِلَاعُ وَقَدْ حَصَلَ فِیْ نَقْضِ النِّکَاحِ وَلَا ضَرُوْرَۃَ اِلَی انْقِطَاعِ الْاَحْکَامِ. وَلِاَبِیْ حَنِیْفَۃَ اَنَّ الْخُلْعَ یُنَبِّئُ عَنِ الْفَصْلِ وَمِنْہُ خَلَعَ النَّعْلَ وَخَلَعَ الْعَمَلَ وَھُوَ مُطْلَقٌ کَالْمُبَارَاَۃِ فَیُعْمَلُ بِاِطْلَاقِھِمَا فِی النِّکَاحِ وَاَحْکَامِہٖ وَحُقُوْقِہٖ.

ترجمہ: امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: [اور مبارات خلع کی طرح ہے دونوں (میاں بیوی) اس حق کو ساقط کر سکتے ہیں جو ایک دوسرے پر نکاح کی وجہ سے لازم ہوتا ہے یہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے]۔ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں: وہی حق ساقط ہوگا جس کا وہ ذکر کریں گے اور حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ خلع کے معاملے میں ان کے ساتھ ہیں اور مبارات کے کل معاملے میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہیں۔

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ معاوضہ ہے اور معاوضوں میں وہی بات معتبر ہوتی ہے جس کی شرط رکھی گئی اس کے علاوہ نہیں۔

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ لفظ مبارات، براۃ سے باب مفاعلہ ہے لہٰذا یہ دونوں طرف سے بری ہونے کا تقاضا کرتا ہے اور وہ مطلق ہے ہم نے اسے نکاح کے حقوق کے ساتھ مقید کیا کیونکہ یہ غرض پر دلالت ہے اور اس کا مقتضی علیحدگی ہے اور نکاح کو توڑنے سے یہ بات حاصل ہوگئی لہٰذا احکام کو توڑنے کی حاجت نہیں۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ خلع، جدائی کی خبر دیتا ہے اسی سے ہے ''خَلَعَ النَّعْلَ'' اس نے جوتا اتارا (الگ کیا) اور عمل کو چھوڑ دیا اور وہ مبارات کی طرح مطلق ہے پس نکاح، اس کے احکام اور اس کے حقوق میں ان دونوں مبارات اور خلع پر مطلقاً عمل ہوگا۔

توضیح: یہاں خلع اور مبارات کی مساوات بیان کی جاتی ہے مبارات کا مطلب یہ ہے کہ نکاح کی وجہ سے مرد اور عورت کے ایک دوسرے پر جو حقوق لازم ہوتے ہیں وہ دونوں ان حقوق سے ایک دوسرے کو بری الذمہ قرار دے دیں۔

اگر وہ مبارات والا عمل کریں تو وہ تمام حقوق ساقط ہوں گے جو نکاح کی وجہ سے لازم ہوئے مثلاً مہر اور گزشتہ دور کا نفقہ (اگر نہیں دیا) تو اس میں ائمہ احناف کے درمیان اختلاف ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مبارات اور خلع دونوں کا ایک ہی حکم ہے اور ان دونوں کی وجہ سے وہ تمام حقوق ساقط ہو جائیں گے جو نکاح کی وجہ سے لازم ہوئے وہ ان کا ذکر کریں یا نہ کریں۔

نوٹ: عدت کا نفقہ اور سکنیٰ (رہائش) اور جو چیز نکاح کے بغیر لازم ہوتی ہے جیسے قرض وغیرہ وہ ذکر کئے بغیر ساقط نہیں ہوں گے۔

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مبارات اور خلع دونوں میں وہی حقوق ساقط ہوں گے جن کا وہ ذکر کریں تمام حقوق ساقط نہیں ہوں گے (حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی موقف ہے)

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ خلع میں حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہیں کہ خلع میں وہی حق ساقط ہوگا جس کا ذکر کیا جائے اور مبارات میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہیں کہ مبارات کی وجہ نکاح سے متعلق تمام حقوق ساقط ہو جائیں گے۔

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مبارات اور خلع معاوضہ ہے اور معاوضوں میں وہی معتبر ہوتا ہے جس کی شرط رکھی جائے۔ حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ مبارات، براءت سے ''باب مفاعلہ'' (کا مصدر) ہے اور وہ مطلق ہے لہٰذا اس میں دو باتیں ہوں گی ایک تو دونوں کی طرف سے فعل ہو کیونکہ ''باب مفاعلہ'' میں فعل دونوں جانبوں سے ہوتا ہے اور مطلق ہونے کی وجہ سے کسی چیز کے ساتھ مختص نہیں ہوگا۔

سوال: جب یہ مطلق ہے تو اسے نکاح کے ساتھ خاص کیوں کیا گیا؟

جواب: چونکہ یہاں مرد اور عورت کے درمیان نزاع ہوا اور اس کے خاتمہ کے لئے یہ راستہ اختیار کیا گیا اور یہی ہماری غرض ہے اور اس کا تعلق نکاح سے ہے اس لئے اس کے ساتھ خاص کیا گیا۔

جہاں تک خلع کا تعلق ہے تو اس کا مقتضی جدائی اور علیحدگی ہے اور جب نکاح ختم ہو گیا تو مقصود حاصل ہو گیا لہٰذا باقی احکام کو ختم کرنے کی ضرورت نہیں۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ خلع کا معنی علیحدگی اور جدائی ہے جیسے کہا جاتا "خَلَعَ النَّعْلَ" (جوتا اتارا) خَلَعَ الْعَمَلَ (عمل چھوڑ دیا) اور یہ بھی مبارات کی طرح مطلق ہے لہٰذا مبارات اور خلع دونوں کے اطلاق پر عمل ہوگا اور ان تمام حقوق سے علیحدگی ہوگی جن کا تعلق نکاح سے ہے۔

نابالغ بچی کی طرف سے باپ کا خلع کرنا

(۱۳۷): قَالَ [وَمَنْ خَلَعَ ابْنَتَهُ وَهِيَ صَغِيْرَةٌ بِمَالِهَا لَمْ يَجُزْ عَلَيْهَا) لِاَنَّهُ لَا نَظَرَ لَهَا فِيْهِ اِذَا الْبِضْعُ فِيْ حَالَةِ الْخُرُوْجِ غَيْرُ مُتَقَوِّمٍ، وَالْبَدَلُ مُتَقَوِّمٌ بِخِلَافِ النِّكَاحِ لِاَنَّ الْبِضْعَ مُتَقَوِّمٌ عِنْدَ الدُّخُوْلِ وَلِهٰذَا يُعْتَبَرُ خَلْعُ الْمَرِيْضَةِ مِنَ الثُّلُثِ وَنِكَاحُ الْمَرِيْضِ بِمَهْرِ الْمِثْلِ مِنْ جَمِيْعِ الْمَالِ، وَاِذَا لَمْ يَجُزْ لَا يَسْقُطُ الْمَهْرُ وَلَا يَسْتَحِقُّ مَالَهَا. ثُمَّ يَقَعُ الطَّلَاقُ فِيْ رِوَايَةٍ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَا يَقَعُ وَالْاَوَّلُ اَصَحُّ لِاَنَّهُ تَعْلِيْقٌ بِشَرْطِ قَبُوْلِهٖ فَيُعْتَبَرُ بِالتَّعْلِيْقِ بِسَائِرِ الشُّرُوْطِ

[وَاِنْ خَالَعَهَا عَلٰى اَلْفٍ عَلٰى اَنَّهُ ضَامِنٌ فَالْخُلْعُ وَاقِعٌ وَّالْاَلْفُ عَلَى الْاَبِ] لِاَنَّ اشْتِرَاطَ بَدَلِ الْخُلْعِ عَلَى الْاَجْنَبِيِّ صَحِيْحٌ فَعَلَى الْاَبِ اَوْلٰى.

وَلَا يَسْقُطُ مَهْرُهَا لِاَنَّهُ لَمْ يَدْخُلْ تَحْتَ وِلَايَةِ الْاَبِ [وَاِنْ شَرَطَ الْاَلْفَ عَلَيْهَا تَوَقَّفَ عَلٰى قَبُوْلِهَا اِنْ كَانَتْ مِنْ اَهْلِ الْقَبُوْلِ. فَاِنْ قَبِلَتْ وَقَعَ الطَّلَاقُ لِوُجُوْدِ الشَّرْطِ

[وَلَا يَجِبُ الْمَالُ] لِاَنَّهَا لَيْسَتْ مِنْ اَهْلِ الْغَرَامَةِ فَاِنْ قَبِلَهُ الْاَبُ عَنْهَا فَفِيْهِ رِوَايَتَانِ (وَكَذَا اِنْ خَالَعَهَا عَلٰى مَهْرِهَا وَلَمْ يَضْمَنِ الْاَبُ الْمَهْرَ تَوَقَّفَ عَلٰى قَبُوْلِهَا. فَاِنْ قَبِلَتْ طَلُقَتْ وَلَا يَسْقُطُ الْمَهْرُ) وَاِنْ قَبِلَ الْاَبُ عَنْهَا فَعَلَى الرِّوَايَتَيْنِ [وَاِنْ ضَمِنَ الْاَبُ الْمَهْرَ وَهُوَ اَلْفُ دِرْهَمٍ طَلُقَتْ] لِوُجُوْدِ قَبُوْلِهٖ وَهُوَ الشَّرْطُ وَيَلْزَمُهُ خَمْسُمِائَةٍ اسْتِحْسَانًا.

وَفِي الْقِيَاسِ يَلْزَمُهُ الْاَلْفُ، وَاَصْلُهُ فِي الْكَبِيْرَةِ اِذَا اخْتَلَعَتْ قَبْلَ الدُّخُوْلِ عَلٰى اَلْفٍ

وَمَهْرُهَا اَلْفٌ فَفِي الْقِيَاسِ عَلَيْهَا خَمْسُمِائَةٍ زَائِدَةٌ. وَفِي الِاسْتِحْسَانِ لَا شَيْئَ عَلَيْهَا لِاَنَّهُ يُرَادُ بِهٖ عَادَةً حَاصِلُ مَا يَلْزَمُ لَهَا.

ترجمہ: [اور جس کسی شخص نے اپنی نابالغہ بچی کا خلع اس کے مال کے ذریعے کیا تو لڑکی کی طرف سے جائز نہیں ہوگا] کیونکہ اس میں اس بچی پر شفقت نہیں کیونکہ شرمگاہ، حالت خروج (طلاق) میں بے قیمت ہوتی ہے اور بدل (یعنی مال) متقوم (قیمتی) ہے، بخلاف نکاح کے کیونکہ دخول (یعنی نکاح) کی صورت میں بضع (شرمگاہ) متقوم ہوتی ہے۔
اسی لئے مریضہ عورت کا خلع اس کے تہائی مال سے معتبر ہوتا ہے اور مریض کا نکاح تمام مال میں سے مہر مثل کے ساتھ ہوتا ہے۔
پس جب یہ جائز نہیں تو مہر ساقط نہیں ہوگا اور مرد اس کے مال کا مستحق نہیں ہوگا —— پھر ایک روایت کے مطابق طلاق واقع ہوجائے گی اور ایک روایت کے مطابق واقع نہیں ہوگی۔
پہلا قول زیادہ صحیح ہے، کیونکہ یہ مرد کی قبولیت کی شرط سے معلّق (مشروط) ہے لہٰذا تمام شرائط کے ساتھ تعلیق پر قیاس کیا جائے گا۔
[اور اگر عورت سے ایک ہزار پر خلع اس شرط پر کرے کہ باپ ضامن ہوگا تو خلع واقع ہوجائے گا اور ایک ہزار باپ پر لازم ہوجائیں گے] کیونکہ اجنبی پر بدل خلع کی شرط صحیح ہے تو باپ پر بدرجۂ اولیٰ صحیح ہوگی —— اور لڑکی کا مہر ساقط نہیں ہوگا کیونکہ یہ (مہر) باپ کی ولایت کے تحت داخل نہیں۔
[اور اگر ایک ہزار کی شرط عورت (کی طرف سے ادائیگی) پر رکھے تو اس کی قبولیت پر موقوف ہوگا اور اگر وہ قبول کرنے کی اہل ہو پس اگر وہ قبول کرلے تو طلاق ہوجائے گی] کیونکہ شرط پائی گئی
[اور مال واجب نہیں ہوگا] کیونکہ وہ چٹی بھرنے کے اہل لوگوں میں سے نہیں اور اگر اس کی طرف سے باپ قبول کرے تو اس میں دو روایتیں ہیں۔
[اور اسی طرح اگر اس سے اس کے مہر پر خلع کرے اور باپ اس کے مہر کا ضامن نہ بنے تو اس لڑکی کے قبول کرنے پر موقوف ہوگا اگر وہ قبول کرلے تو طلاق ہوجائے گی اور مہر ساقط نہیں ہوگا]
اور اگر اس کی طرف سے باپ قبول کرے تو اس میں بھی دو روایتیں ہیں ——
[اور اگر باپ مہر کا ضامن بنے اور وہ ایک ہزار درہم ہے تو طلاق ہوجائے گی]
کیونکہ اس (باپ) کا قبول کرنا پایا گیا اور یہی شرط ہے اور بطور استحسان پانچ سو درہم اس پر لازم ہوں گے اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ ایک ہزار لازم ہوں۔
اس مسئلہ کی اصل بالغہ عورت کا حکم ہے کہ جب وہ جماع سے پہلے ایک ہزار پر خلع کرے اور اس کا مہر ایک ہزار ہو تو قیاس یہ ہے کہ اس پر پانچ سو زائد ہوں گے اور استحسان یہ ہے کہ اس کے ذمہ کچھ نہ ہو کیونکہ عرف یہی ہے کہ اس سے مراد

وہی مال واپس کرنا ہوتا ہے جو عورت کے لئے مرد پر لازم ہوا۔

توضیح: اگر بیوی نابالغہ ہو اور خلع کا معاملہ ہو اور اس کی طرف سے باپ خلع کرے تو اس سلسلے میں مال کس کے ذمہ ہو گا، طلاق کی کیا صورت ہوگی اور نابالغہ کے ذمہ مال ہوگا یا نہیں۔

صورت مسئلہ یہ ہے کہ باپ نے اپنی نابالغہ بیٹی کا خلع کیا اور اسی لڑکی کے مال سے کیا یا خلع کیا لیکن مال کا ضامن خود بنا۔۔۔۔ پہلی صورت میں اس طرح کا خلع کہ لڑکی کے مال سے بدل خلع دیا جائے جائز نہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ والد اپنی اولاد پر شفقت کرتا ہے اور جب عورت کو طلاق ہوتی ہے تو اس وقت شرمگاہ بے قیمت ہوتی ہے لہٰذا اسی صورت میں باپ کا اپنی بیٹی کے مال سے بدل خلع دینا شفقت کے خلاف ہے کیونکہ مال متقوم ہے اور شرمگاہ غیر متقوم ہے۔

البتہ نکاح کی صورت میں بضع (شرمگاہ) متقوم ہوتی ہے اس لئے جب باپ اپنے بیٹے کے نکاح میں اس کے مال سے مہر دیتا ہے تو یہ جائز ہے کیونکہ متقوم کے عوض متقوم دیا جا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب عورت (مرض الموت کی حالت میں) مریضہ ہو تو اس کا خلع مال کے تہائی حصے سے ہوگا کیونکہ باقی مال وارثوں کا ہے اور اس حالت میں بضع غیر متقوم ہے لیکن جب مریض کا نکاح ہو تو یہ بضع کے حصول کا موقعہ ہے اور اس صورت میں بضع متقوم ہے لہٰذا کل مال سے مہر مثل دیا جائے گا نتیجہ یہ ہوا کہ جب باپ اپنی نابالغہ بیٹی کا بدل خلع اس کے مال سے نہیں دے سکتا تو مہر ساقط نہیں ہوگا مرد کے ذمہ ہوگا اور مرد اس لڑکی کے مال کا مستحق نہیں ہوگا۔

البتہ طلاق کے بارے میں دو روایتیں ہیں ایک روایت کے مطابق طلاق ہو جائے گی اور دوسری روایت کے مطابق نہیں ہوگی پہلی روایت زیادہ صحیح ہے۔

کیونکہ یہ تعلیق ہے جس میں قبولیت شرط ہے لہٰذا اسے باقی شرائط پر قیاس کیا جائے گا اور چونکہ یہاں باپ نے مال دینے کی شرط کو قبول کیا لہٰذا طلاق ہو جائے گی۔

جب باپ ضامن ہو

البتہ اس مندرجہ بالا صورت میں بدل خلع باپ اپنے ذمہ لے تو طلاق ہو جائے گی اور مال باپ پر لازم ہو جائے گا اس کے جواز کی وجہ یہ ہے کہ اگر بدل خلع کی شرط اجنبی پر ہو یعنی وہ کہے کہ یہ رقم فلاں شخص دے گا اور وہ اسے قبول کرے تو یہ صحیح ہے تو جب اجنبی کی ضمان صحیح ہے تو باپ کی ضمان بدرجہ اولیٰ صحیح ہوگی۔

البتہ اس صورت میں عورت کا مہر خاوند کے ذمہ باقی رہے گا کیونکہ باپ کو اس کے ساقط کرنے کا اختیار نہیں اگر مرد نے جماع کیا تو پورا مہر ورنہ نصف مہر دینا پڑے گا۔

دوسرا مسئلہ:

اگر مرد نے عورت پر بدل خلع کے طور پر ایک ہزار کی شرط رکھی تو یہ عورت کی قبولیت پر موقوف ہے اگر وہ قبول کرنے کی

اہل ہو یعنی عقلمند اور باشعور ہو اب اگر وہ قبول کرلے تو طلاق ہو جائے گی کیونکہ شرط (یعنی قبولیت) پائی گئی لیکن مال واجب نہیں ہوگا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ عورت تاوان بھرنے کی اہل نہیں البتہ اگر اس کا باپ یہ مال اس کی طرف سے قبول کرے تو اس قبولیت کے سلسلے میں دو روایتیں ہیں (ایک کے مطابق صحیح ہے اور دوسری کے مطابق صحیح نہیں صحیح ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ محض نفع ہے کیونکہ نابالغہ لڑکی بغیر مال کے اپنی جان چھڑا سکتی ہے تو اس صورت میں بدرجہ اولیٰ صحیح ہوگا اور صحیح نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ یمین ہے اور یمین میں نیابت نہیں ہوتی۔ [1]

مہر پر خلع

اگر نابالغہ لڑکی سے خلع اس کے مہر پر ہوا اور باپ نے بدل خلع اپنے ذمہ نہ لیا تو لڑکی کی قبولیت پر موقوف ہوگا اور اگر قبول کرلے تو طلاق ہو جائے گی لیکن مہر ساقط نہیں ہوگا اور اگر اس کی طرف سے باپ قبول کرلے تو (گزشتہ کی طرح) دو روایتیں ہیں۔

اور اگر باپ نے مہر کی ضمان دی اور مہر ایک ہزار تھا تو لڑکی کو طلاق ہوگئی کیونکہ شرط یعنی قبولیت پائی گئی اور بطور استحسان اس کے باپ پر پانچ سو لازم ہوں گے۔ استحسان کی وجہ یہ ہے کہ جس عورت سے وطی نہ ہوئی ہو اسے جب طلاق دی جائے تو خاوند پر نصف مہر لازم ہوتا ہے۔

اور خلع کی اضافت مہر کی طرف کی گئی تو گویا مرد نے عورت کو پانچ سو روپے مہر میں دیئے اور وہی مرد کو واپس ملیں گے۔

قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ پورے ہزار روپے لازم ہوں کیونکہ باپ نے ایک ہزار کی ضمان دی تھی۔

اس مسئلہ کی بنیاد بالغہ عورت کا مسئلہ ہے کہ جب بالغہ عورت سے وطی سے پہلے ایک ہزار پر خلع ہوا اور اس کا مہر بھی ایک ہزار ہو تو قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ پورے ایک ہزار ہوں کیونکہ جس مہر پر ابھی قبضہ نہیں ہوا تو قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ پورے ایک ہزار ہوں کیونکہ خلع میں ان کو قبول کیا گیا اور عورت کے مرد کے ذمہ صرف پانچ سو تھے کیونکہ وطی سے پہلے طلاق ہوئی اب گویا مرد نے پانچ سو دیئے ہیں کیونکہ یہ غیر مدخول بہا ہے اور خلع میں ایک ہزار مقرر ہوئے تو پانچ سو جو مرد نے دیئے ہیں وہ ان ہزار میں سے جو عورت نے دینے ہیں پانچ سو کے بدلے میں ہو گئے اس لئے باقی پانچ سو مرد کو دیئے جائیں گے لیکن استحسان کا تقاضا یہ ہے کہ عورت کے ذمہ کچھ نہ ہو کیونکہ عرف یہی ہے کہ خلع میں وہی رقم واپس دی جاتی ہے جو لی ہے اور چونکہ مرد نے ابھی کچھ نہیں دیا لہٰذا وہ کچھ بھی لینے کا حقدار نہیں گویا یہ پانچ سو بدل خلع قیاس کے طور پر ہے۔

---

[1] عینی شرح ہدایہ، جلد: ۲، ص: ۴۰۷

بَابُ الظِّهَارِ

باب: ظہار کے احکام

ظہار کے الفاظ اور احکام

(١٣٨): [وَإِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِامْرَأَتِهِ أَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ أُمِّي فَقَدْ حُرِّمَتْ عَلَيْهِ لَا يَحِلُّ لَهُ وَطْؤُهَا وَلَا مَسُّهَا وَلَا تَقْبِيلُهَا حَتّٰى يُكَفِّرَ عَنْ ظِهَارِهِ] لِقَوْلِهِ تَعَالٰى: ﴿وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا﴾

وَالظِّهَارُ كَانَ طَلَاقًا فِي الْجَاهِلِيَّةِ. فَقَرَّرَ الشَّرْعُ أَصْلَهُ وَنَقَلَ حُكْمَهُ إِلٰى تَحْرِيْمٍ مُوَقَّتٍ بِالْكَفَّارَةِ غَيْرِ مُزِيْلٍ لِلنِّكَاحِ. وَهٰذَا لِأَنَّهُ جِنَايَةٌ لِكَوْنِهِ مُنْكَرًا مِنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا فَيُنَاسِبُ الْمُجَازَاةَ عَلَيْهَا بِالْحُرْمَةِ. وَارْتِفَاعُهَا بِالْكَفَّارَةِ.

ثُمَّ الْوَطْيُ إِذَا حُرِّمَ حُرِّمَ بِدَوَاعِيْهِ كَيْ لَا يَقَعَ فِيْهِ كَمَا فِي الْإِحْرَامِ. بِخِلَافِ الْحَائِضِ وَالصَّائِمِ لِأَنَّهُ يَكْثُرُ وُجُوْدُهُمَا. فَلَوْ حَرُمَ الدَّوَاعِيْ يُفْضِيْ إِلَى الْحَرَجِ وَلَا كَذٰلِكَ الظِّهَارُ وَالْإِحْرَامُ.

[فَإِنْ وَطِئَهَا قَبْلَ أَنْ يُكَفِّرَ اسْتَغْفَرَ اللّٰهَ تَعَالٰى وَلَا شَيْئَ عَلَيْهِ غَيْرُ الْكَفَّارَةِ الْأُوْلٰى وَلَا يَعُوْدُ حَتّٰى يُكَفِّرَ] لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ «لِلَّذِيْ وَاقَعَ فِيْ ظِهَارِهِ قَبْلَ الْكَفَّارَةِ اسْتَغْفِرِ اللّٰهَ وَلَا تَعُدْ حَتّٰى تُكَفِّرَ» وَلَوْ كَانَ شَيْئٌ اٰخَرُ وَاجِبًا لَنَبَّهَ عَلَيْهِ.

قَالَ: وَهٰذَا اللَّفْظُ لَا يَكُوْنُ إِلَّا ظِهَارًا لِأَنَّهُ صَرِيْحٌ فِيْهِ [وَلَوْ نَوٰى بِهِ الطَّلَاقَ لَا يَصِحُّ] لِأَنَّهُ مَنْسُوْخٌ فَلَا يَتَمَكَّنُ مِنَ الْإِتْيَانِ بِهِ

ترجمہ: [اور جب مرد اپنی بیوی سے کہے کہ تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے تو وہ اس پر حرام ہو جائے گی اس کے لئے اس سے وطی کرنا، ہاتھ لگانا اور اس کا بوسہ لینا جائز نہیں حتیٰ کہ اپنے ظہار کا کفارہ ادا کرے]

کیونکہ ارشاد خداوندی ہے:

وَالَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا ❶

ترجمہ: اور وہ لوگ جو اپنی عورتوں سے ظہار کرتے وہ ان کی مائیں نہیں ان کی مائیں وہی ہیں جنہوں نے ان کو جنا ہے اور بیشک وہ بری اور جھوٹی بات کہتے ہیں۔ بے شک اللہ ضرور بہت معاف کرنے والا ہے اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں پھر اس بات سے لوٹنا چاہتے ہیں وہ کہہ چکے ہیں تو ان پر ایک غلام آزاد کرنا ہے اس سے پہلے کہ وہ ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں۔

دورِ جاہلیت میں ظہار، طلاق ہوتی تھی پس شریعت نے اس کی اصل کو برقرار رکھا اور اس کے حکم کو اس وقت تک حرام ہونے کی طرف منتقل کیا جب تک کفارہ ادا نہ کرے اور یہ نکاح کو زائل نہیں کرتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ جرم ہے کیونکہ یہ ناپسندیدہ بات اور جھوٹ ہے لہٰذا حرمت کے ساتھ اس کا بدلہ دینا مناسب ہے اور اس (حرمت) کا خاتمہ کفارے کے ساتھ رکھا۔

پھر جب وطی حرام ہے تو اس کی طرف بلانے والے کام بھی حرام ہوں گے تاکہ وہ حرام کام میں نہ پڑے جس طرح حالت احرام میں ہوتا ہے۔

بخلاف حیض والی اور روزہ دار عورت کے کیونکہ ان دونوں کا وجود زیادہ ہوتا ہے لہٰذا اگر دواعی (وطی کی طرف لے جانے والے) امور کو حرام کیا جائے تو حرج پیدا ہوگا لیکن ظہار اور احرام کا معاملہ اس طرح نہیں۔

[پس اگر وہ کفارہ ادا کرنے سے پہلے اس سے جماع کرے تو اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرے اور اس پہلے کفارہ کے علاوہ اس پر کچھ بھی لازم نہیں ہوگا لیکن اب کفارہ ادا کرنے تک دوبارہ یہ کام نہ کرے]

کیونکہ حضور علیہ السلام نے اس شخص سے فرمایا جس نے ظہار کی صورت میں کفارہ ادا کرنے سے پہلے جماع کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرو اور کفارہ ادا کرنے تک دوبارہ یہ کام (جماع) نہ کرنا۔ ❷

اور اگر اس کے علاوہ بھی کوئی چیز لازم ہوتی تو حضور علیہ السلام اس سے آگاہ فرماتے۔

مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ لفظ (کہ تم مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہو) صرف ظہار کے لئے ہے کیونکہ اس میں یہ صریح الفاظ ہیں۔

[اور اگر وہ ان الفاظ کے ساتھ طلاق کی نیت کرے تو یہ صحیح نہیں کیونکہ یہ (طلاق والا حکم) منسوخ ہو چکا ہے لہٰذا وہ ان الفاظ کے ساتھ طلاق نہیں دے سکتا]

توضیح: ظہار کا لفظ **ظَهر** سے بنا ہے اور **ظہر** پیٹھ کو کہتے ہیں اور اس سلسلے میں جو الفاظ استعمال ہوتے ہیں ان میں **ظہر** (پیٹھ) کا لفظ ہے جیسے ذکر ہو چکا ہے۔

---

❶ سورہ مجادلہ، آیت: ۲ ❷ ابن ماجہ کتاب الطلاق، باب المظاھر بجامع قبل أن یکفر، حدیث: ۲۰۶۵

ظہار سے عورت ہمیشہ کے لئے حرام نہیں ہوتی بلکہ اس وقت تک حرام رہتی ہے جب تک کفارہ ادا نہ کیا جائے۔
یہی وجہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے: "تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے" تو جب تک وہ ظہار کا کفارہ نہ دے اس عورت سے جماع کرنا، اسے چھونا اور اس کا بوسہ لینا حرام ہوگا۔
بوسہ لینا یا چھونا اس لئے حرام قرار دیا گیا کہ ان کاموں کی وجہ سے جماع کا خطرہ ہوتا ہے لہٰذا جب ان سے بچے گا تو جماع سے محفوظ رہے گا۔
سوال: حیض کی حالت میں یا جب مرد یا عورت روزہ دار ہوں تو جماع حرام ہے تو جماع کی دواعی (بوسہ لینا اور چھونا) کیوں حرام نہیں؟
جواب: چونکہ حیض اور روزے کی حالت اکثر ہوتی ہے اس لئے اگر ان حالتوں میں ان امور کو حرام قرار دیا جائے تو حرج لازم لاتا ہے۔
نوٹ: حیض یا روزے کی حالت میں بھی بوسہ وغیرہ لینے کی اجازت ان ہی لوگوں کو ہے جو اپنے نفس پر کنٹرول رکھتے ہیں۔ ۱۲ ہزاروی

ظہار کا کفارہ

ظہار کا کفارہ قرآن پاک کی مندرجہ بالا آیت سے ثابت ہے اور مزید تفصیل آگے آرہی ہے اور وہ تین چیزیں ہیں غلام آزاد کرنا اگر نہ ہو سکے (جس طرح آج کل غلامی کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے) تو مسلسل ساٹھ روزے رکھے اور یہ نہ ہو سکے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔

زمانہ جاہلیت کے ظہار اور اسلام میں ظہار کے احکام

دور جاہلیت میں ظہار طلاق ہوتی تھی لیکن اسلام نے اس کی اصل (یعنی عورت کے حرام ہونے) کو برقرار رکھا البتہ حرمت مؤبدہ (ہمیشہ کی حرمت) کو حرمت موقتہ میں بدل دیا یعنی کفارہ ادا کرنے تک وہ حرام رہے گی اور نکاح برقرار رہے گا زائل نہیں ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ظہار کرنے والے (مظاہر) نے جو لفظ استعمال کئے وہ ناپسندیدہ بھی ہیں اور جھوٹ بھی لہٰذا اس کے مناسب سزا دی گئی یعنی اسے کچھ وقت کے لئے حرام بھی کیا گیا اور کفارہ بھی لازم کیا گیا۔

کفارہ ادا کرنے سے پہلے جماع کرنا

اگر کوئی مظاہر کفارہ ادا کرنے سے پہلے جماع کرے تو اسے توبہ کرنی چاہئے لیکن اس پہلے کفارہ کے علاوہ مزید کوئی چیز اس پر لازم نہیں ہوگی اس کی دلیل رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے جو متن اور ترجمہ میں گزر چکا ہے۔
چونکہ یہ الفاظ (مذکورہ بالا) ظہار کے لئے صریح ہیں اس لئے ان سے صرف ظہار ہوگا اور طلاق کی نیت کرنے سے بھی طلاق نہیں ہوگی کیونکہ طلاق دور جاہلیت میں ہوتی تھی یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے اور منسوخ حکم کو عمل میں لانا ممکن نہیں۔

ماں اور کسی بھی محرم عورت کے ستر والے اعضاء سے تشبیہ دینا

(۱۳۹): [وَاِذَا قَالَ اَنْتِ عَلَیَّ کَبَطْنِ اُمِّی اَوْ کَفَخِذِهَا اَوْ کَفَرْجِهَا فَهُوَ مُظَاهِرٌ] لِاَنَّ الظِّهَارَ لَيْسَ اِلَّا تَشْبِيهُ الْمُحَلَّلَةِ بِالْمُحَرَّمَةِ. وَهٰذَا الْمَعْنٰی يَتَحَقَّقُ فِیْ عُضْوٍ لَا يَجُوْزُ النَّظَرُ اِلَيْهِ

[وَكَذَا اِذَا شَبَّهَهَا بِمَنْ لَا يَحِلُّ لَهُ النَّظَرُ اِلَيْهَا عَلَی التَّاْبِيدِ مِنْ مَحَارِمِهِ مِثْلُ اُخْتِهِ اَوْ عَمَّتِهِ اَوْ اُمِّهِ مِنَ الرَّضَاعَةِ] لِاَنَّهُنَّ فِي التَّحْرِيمِ الْمُؤَبَّدِ كَالْاُمِّ

[وَكَذٰلِكَ اِذَا قَالَ رَاْسُكِ عَلَیَّ كَظَهْرِ اُمِّی اَوْ فَرْجُكِ اَوْ وَجْهُكِ اَوْ رَقَبَتُكِ اَوْ نِصْفُكِ اَوْ ثُلُثُكِ اَوْ بَدَنُكِ] لِاَنَّهُ يُعَبَّرُ بِهَا عَنْ جَمِيعِ الْبَدَنِ. وَيَثْبُتُ الْحُكْمُ فِي الشَّائِعِ ثُمَّ يَتَعَدّٰی كَمَا بَيَّنَّاهُ فِي الطَّلَاقِ

ترجمہ: [اور جب مرد اپنی بیوی سے کہے کہ "تو مجھ پر میری ماں کے پیٹ یا (کہے) اس کی ران یا (کہے) شرمگاہ کی طرح ہے" تو وہ مظاہر ہوگا]۔ کیونکہ ظہار کا مطلب حلال کو حرام سے تشبیہ دینا ہے اور یہ معنی ہر اس عضو میں ثابت ہوتا ہے جس کی طرف دیکھنا جائز نہیں۔

[اور اسی طرح جب وہ اپنی محرم خواتین کے ان اعضاء کے ساتھ تشبیہ دے جن کی طرف دیکھنا ہمیشہ کے لئے جائز نہیں جیسے اس کی بہن یا پھوپھی یا رضاعی ماں]

کیونکہ یہ خواتین دائمی حرمت کے معاملے میں ماں کی طرح ہیں [اور اسی طرح اگر وہ کہے کہ تیرا سر مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے یا کہے تیری شرمگاہ یا تیرا چہرہ یا تیری گردن یا تیرا نصف یا تیرا تہائی یا تیرا بدن مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے] اس لئے کہ ان اعضاء سے پورا بدن مراد لیا جاتا ہے اور شائع (غیر منقسم پھیلے ہوئے حصے) میں حکم ثابت ہوتا ہے پھر متعدی ہوتا ہے جیسا کہ ہم نے طلاق کے بیان میں اسے بیان کیا ہے۔

توضیح: بنیادی طور پر ظہار، بیوی کو اپنی ماں کی پیٹھ سے مشابہت دینا ہے لیکن اس کے علاوہ ماں کے ان اعضاء کے ساتھ تشبیہ دینا بھی ظہار ہے جن کی طرف دیکھنا حرام ہے کیونکہ ان میں بھی وہی معنیٰ پایا جاتا ہے جو پیٹھ سے مشابہت میں پایا جاتا ہے یعنی حلال کو حرام سے تشبیہ دینا (بیوی حلال ہے اور ماں کے ان اعضاء کو دیکھنا حرام ہے)

علاوہ ازیں اگر اُن خواتین کے ان اعضاء کے ساتھ تشبیہ دے جو اس کی محارم ہیں اور وہ اس پر ہمیشہ کے لئے حرام ہیں جیسے بہن، پھوپھی اور رضاعی ماں وغیرہ وغیرہ تو بھی ظہار ہوگا کیونکہ جس طرح ماں کے ساتھ نکاح حرام ہے ان خواتین سے بھی نکاح حرام ہے اور یہ حرمت دائمی ہے۔

اگر عورت کے سر یا شرمگاہ، یا چہرے یا گردن یا نصف یا تہائی یا بدن کو ماں کی پیٹھ کے ساتھ تشبیہ دے مثلاً وہ کہے:

رَأْسُكِ عَلَيَّ كَظَهْرِ أُمِّيْ تیرا سر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے، تو بھی ظہار ہو جائے گا۔
اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اعضاء بول کر پورا انسان مراد لیا جاتا ہے اور نصف یا تہائی جسم کے جزء شائع ہوتے ہیں یعنی ایک ایسی جزء جو تمام جسم میں پھیلی ہوئی اور جسم کا تہائی متعین نہیں کیا گیا کہ کہاں سے کہاں تک ہے تو ایسی صورت میں پہلے اس حصے پر حکم ثابت ہوگا پھر وہ حکم پورے جسم کی طرف متعدی ہوگا۔
جیسے عورت سے کہے کہ تیرے نصف کو طلاق ہے تو وہ طلاق پورے جسم کو ہوگی۔

اگر ماں کی مثل کہا تو کیا حکم ہے؟

(۱۴۰): [وَلَوْ قَالَ أَنْتِ عَلَيَّ مِثْلُ أُمِّي أَوْ كَأُمِّي يَرْجِعُ إِلَى نِيَّتِهِ] لِيَنْكَشِفَ حُكْمُهُ [فَإِنْ قَالَ أَرَدْتُّ الْكَرَامَةَ فَهُوَ كَمَا قَالَ] لِأَنَّ التَّكْرِيمَ بِالتَّشْبِيهِ فَاشٍ فِي الْكَلَامِ [وَإِنْ قَالَ أَرَدْتُّ الظِّهَارَ فَهُوَ ظِهَارٌ] لِأَنَّهُ تَشْبِيهٌ بِجَمِيعِهَا. وَفِيهِ تَشْبِيهٌ بِالْعُضْوِ لٰكِنَّهُ لَيْسَ بِصَرِيحٍ فَيَفْتَقِرُ إِلَى النِّيَّةِ [وَإِنْ قَالَ أَرَدْتُّ الطَّلَاقَ فَهُوَ طَلَاقٌ بَائِنٌ] لِأَنَّهُ تَشْبِيهٌ بِالْأُمِّ فِي الْحُرْمَةِ فَكَأَنَّهُ قَالَ أَنْتِ عَلَيَّ حَرَامٌ وَنَوَى الطَّلَاقَ، وَإِنْ لَمْ تَكُنْ لَهُ نِيَّةٌ فَلَيْسَ بِشَيْءٍ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ لِاحْتِمَالِ الْحَمْلِ عَلَى الْكَرَامَةِ

وَقَالَ مُحَمَّدٌ يَكُونُ ظِهَارًا لِأَنَّ التَّشْبِيهَ بِعُضْوٍ مِنْهَا لَمَّا كَانَ ظِهَارًا فَالتَّشْبِيهُ بِجَمِيعِهَا أَوْلٰى.

وَإِنْ عَنٰى بِهِ التَّحْرِيمَ لَا غَيْرُ؛ فَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ هُوَ إِيلَاءٌ لِيَكُونَ الثَّابِتُ بِهِ أَدْنَى الْحُرْمَتَيْنِ.
وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ ظِهَارٌ لِأَنَّ كَافَ التَّشْبِيهِ تَخْتَصُّ بِهِ.

ترجمہ: [اور اگر کہا تو مجھ پر میری ماں کی مثل ہے (مثل کا لفظ استعمال کیا یا کاف تشبیہ استعمال کیا) تو اس کی نیت کی طرف رجوع کیا جائے گا] تا کہ اس کا حکم ظاہر ہو سکے۔
[پس اگر وہ کہے کہ میں نے عزت و احترام کا ارادہ کیا ہے تو وہ اسی طرح ہوگا جو اس نے کہا ہے] کیونکہ تشبیہ کے ذریعے کسی کی عزت و احترام کلام میں عام ہے۔
[اور اگر کہا کہ میں نے ظہار کا ارادہ کیا ہے تو وہ ظہار ہوگا] کیونکہ یہ اس کے تمام جسم کو تشبیہ دی ہے اور اس کے ضمن میں عضو کے ساتھ تشبیہ بھی ہے لیکن یہ صراحتاً نہیں ہے لہٰذا اس میں نیت کی حاجت ہے۔

[اور اگر اس نے کہا کہ میں نے طلاق کا ارادہ کیا ہے تو طلاق بائن ہوگی] کیونکہ یہ حرمت میں ماں کے ساتھ تشبیہ ہے گویا اس نے کہا کہ تو مجھ پر حرام ہے اور طلاق کی نیت کی۔

اور اگر اس نے کہا کہ میری کوئی نیت نہیں تھی تو حضرت امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک کوئی چیز واقع نہیں ہوگی کیونکہ اس میں احترام اور عزت کا احتمال ہے۔

حضرت امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک یہ ظہار ہوگا کیونکہ جب کسی عضو سے تشبیہ دینا ظہار ہے تو تمام جسم کے ساتھ تشبیہ دینا بدرجہ اولیٰ ظہار ہوگا۔

اور اگر اس نے صرف حرمت مراد لی اور کچھ نہیں تو حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک یہ ایلاء ہوگا تا کہ اس کے ذریعے دو میں سے ادنیٰ حرمت ثابت ہو اور حضرت امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک ظہار ہوگا کیونکہ کاف تشبیہ (اسی طرح لفظ مثل) اس (ظہار) کے ساتھ خاص ہے۔

توضیح: اگر مرد نے اپنی بیوی سے کہا کہ تو مجھ پر میری ماں کی مثل ہے اس میں لفظ مثل استعمال کیا یا کاف تشبیہ استعمال کیا تو مرد کی نیت کو دیکھا جائے گا اور یہ چار صورتیں بنتی ہیں:

(۱) عورت کی عزت مراد لی کہ تو میرے لئے میری ماں کی طرح معزز ہے۔

(۲) ظہار کی نیت کی۔ (۳) طلاق کی نیت کی۔ (۴) کوئی نیت نہیں کی۔

پہلی صورت میں یہی بات مراد لی جائے گی کہ وہ اس کی عزت کرتا ہے لہٰذا نہ طلاق ہوگی نہ ظہار وغیرہ کیونکہ عام طور پر لوگ عزت میں تشبیہ کے لئے ایسے الفاظ بولتے ہیں جیسے کوئی نوجوان کسی بزرگ سے کہے کہ آپ تو میرے باپ کی طرح ہیں یعنی میرے لئے میرے باپ کی طرح معزز ہیں۔

دوسری صورت میں جب ظہار کی نیت کی تو ظہار ہی ہوگا کیونکہ جب ماں کے مکمل جسم کے ساتھ تشبیہ دی تو اس کی جزء یعنی پیٹھ کے ساتھ بھی تشبیہ ہوگئی لیکن چونکہ یہ صریح نہیں اس لئے نیت کی ضرورت ہوگی تو جب ظہار کی نیت کی تو ظہار ہوگا۔

تیسری صورت یہ ہے کہ طلاق کی نیت کی تو طلاق بائن ہو جائے گی کیونکہ حرمت میں ماں کے ساتھ تشبیہ دی تو گویا اس نے کہا کہ تو مجھ پر حرام ہے اور اس صورت میں طلاق کی نیت سے طلاق بائن واقع ہوتی ہے۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ اس نے کوئی نیت نہیں کی تو حضرت امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک کچھ بھی نہیں ہوگا اور کلام لغو ہو جائے گا کیونکہ اس جملہ کو عزت پر محمول کرنے کا احتمال موجود ہے۔

لیکن اس صورت میں حضرت امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک ظہار ہوگا وہ فرماتے ہیں: جب ایک عضو کے ساتھ تشبیہ سے ظہار ہوتا ہے تو پوری خاتون کے ساتھ تشبیہ دینے سے بدرجۂ اولیٰ ظہار ہوگا۔

نوٹ: اگر مرد نے ان الفاظ سے عورت کا حرام ہونا ہی مراد لیا اور کچھ مراد نہیں لیا تو اس کی کیا صورت ہوگی تو حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک ایلاء ہوگا کیونکہ اس سے دو حرمتوں میں سے ادنیٰ حرمت ثابت ہوتی ہے کیونکہ اس

کا دورانیہ چار ماہ ہے اور صرف قسم کا کفارہ دینا ہوتا ہے اگر قسم توڑ دے اور ظہار میں جب تک کفارہ ادا نہ کرے عورت حرام رہتی ہے اور اس کا کفارہ بھی زیادہ ہے لیکن حضرت امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک ظہار ہوگا کیونکہ کاف (اور لفظ مثل) تشبیہ کے لئے ہیں اور تشبیہ ظہار میں ہوتی ہے۔

''ماں کی طرح حرام ہے'' کے الفاظ اور ان کا حکم

(۱۴۱): [وَلَوْ قَالَ اَنْتِ عَلَيَّ حَرَامٌ كَاُمِّي وَنَوٰى ظِهَارًا اَوْ طَلَاقًا فَهُوَ عَلٰى مَا نَوٰى] لِاَنَّهٗ يَحْتَمِلُ الْوَجْهَيْنِ.

اَلظِّهَارُ لِمَكَانِ التَّشْبِيهِ وَالطَّلَاقُ لِمَكَانِ التَّحْرِيمِ وَالتَّشْبِيهُ تَاْكِيدٌ لَّهٗ وَاِنْ لَمْ تَكُنْ لَهٗ نِيَّةٌ. فَعَلٰى قَوْلِ اَبِيْ يُوسُفَ اِيلَاءٌ، وَعَلٰى قَوْلِ مُحَمَّدٍ ظِهَارٌ. وَالْوَجْهَانِ بَيَّنَّاهُمَا

[وَاِنْ قَالَ اَنْتِ عَلَيَّ حَرَامٌ كَظَهْرِ اُمِّي وَنَوٰى بِهٖ طَلَاقًا اَوْ اِيلَاءً لَمْ يَكُنْ اِلَّا ظِهَارًا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيفَةَ. وَقَالَا: هُوَ عَلٰى مَا نَوٰى] لِاَنَّ التَّحْرِيمَ يَحْتَمِلُ كُلَّ ذٰلِكَ عَلٰى مَا بَيَّنَّا. غَيْرَ اَنَّ عِنْدَ مُحَمَّدٍ اِذَا نَوَى الطَّلَاقَ لَا يَكُونُ ظِهَارًا. وَعِنْدَ اَبِيْ يُوسُفَ يَكُونَانِ جَمِيعًا وَقَدْ عُرِفَ مَوْضِعُهٗ.

وَلِاَبِيْ حَنِيفَةَ اَنَّهٗ صَرِيحٌ فِي الظِّهَارِ فَلَا يُحْتَمَلُ غَيْرُهٗ. ثُمَّ هُوَ مُحْكَمٌ فَيُرَدُّ التَّحْرِيمُ اِلَيْهِ.

ترجمہ: [اگر مرد کہے کہ تو مجھ پر میری ماں کی طرح حرام ہے اور ظہار یا طلاق کی نیت کرے تو اسی طرح ہوگا جس طرح اس نے نیت کی] کیونکہ دونوں وجہوں کا احتمال ہے۔

ظہار اس لئے کہ تشبیہ پائی گئی اور طلاق اس لئے کہ حرام کا لفظ بولا اس صورت میں تشبیہ تاکید کے لئے ہوگی۔

اور اگر اس کی کوئی نیت نہ ہو تو حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک ایلاء ہوگی اور حضرت امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک ظہار ہوگا اور دونوں (ایلاء اور ظہار) کی وجہ ہم نے بیان کردی ہے۔

[اور اگر وہ کہے کہ تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح حرام ہے اور اس سے طلاق یا ایلاء کی نیت کرے تو حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک صرف ظہار ہوگا اور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں: جس کی نیت کرے گا وہی ہوگا]

کیونکہ لفظ تحریم میں سب کا احتمال ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا البتہ حضرت امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک جب طلاق کی نیت کرے تو ظہار نہیں ہوگا اور حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: دونوں ہوں گے اور اپنے مقام پر یہ بات جانی جاچکی ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ ظہار میں صریح ہے پس اس کے غیر کا احتمال نہیں ہوگا پھر یہ محکم ہے (اس میں کسی اور کا احتمال نہیں) لہٰذا حرام کے لفظ کو اسی کی طرف پھیرا جائے گا۔

توضیح: خاوند نے اپنی بیوی سے کہا کہ "تو مجھ پر میری ماں کی طرح حرام ہے" اور ظہار کی نیت کی تو ظہار ہوگا اور طلاق کی نیت کی تو طلاق ہوگی کیونکہ دونوں صورتوں میں عورت حرام ہو جاتی ہے اگر چہ ظہار کی صورت میں ایک خاص مدت تک حرام ہوتی ہے اور وہ کفارہ کی ادائیگی تک ہے۔

کَاُمِّیْ میں کاف تشبیہ کا ہے تو لفظ حرام سے جب طلاق مراد لی تو تشبیہ تاکید کے لئے ہو جائے گی۔

اس مسئلہ میں کہ یہ حرمت ایلاء ہے یا ظہار، حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد رحمہما اللہ کا اختلاف مع دلائل گزشتہ مسئلہ میں بیان ہو چکا ہے۔

دوسرا مسئلہ: یہ کہ اس نے "میری ماں کی طرح" کی بجائے یہ کہا کہ "تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح حرام ہے" تو اس صورت میں حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ظہار ہی ہوگا اگر چہ وہ ایلاء یا طلاق کی نیت کرے۔

صاحبین فرماتے ہیں: جس کی نیت کرے گا وہی ہوگا ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ اس میں ان سب یعنی ظہار، ایلاء اور طلاق کا احتمال ہے لہٰذا کسی کی بھی نیت کر سکتا ہے البتہ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جب طلاق کی نیت کی تو ظہار نہیں ہوگا۔

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دونوں باتیں ہو سکتی ہیں یعنی ظہار بھی اور طلاق بھی ——

(نوٹ: اس مسئلہ پر عینی شرح ہدایہ میں تفصیلی بحث کی گئی اور اسے ضعیف قول قرار دیا گیا اور یہ کہ یہ حضرت امام یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت ہے —— صاحب ہدایہ کا یہ قول کہ یہ بات اپنی جگہ پر جانی گئی ہے، سے مراد کافی کی شرح ہے اور الاترازی نے فرمایا کہ الکاکی نے اپنی مبسوط میں یہ بات ذکر کی ہے۔ ۱۲ ہزاروی)

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ الفاظ ظہار میں صریح ہیں لہٰذا ان میں غیر کا احتمال نہیں اور غیر کا احتمال نہ ہونے کی وجہ سے یہ محکم ہے لہٰذا یہاں تحریم سے مراد ظہار ہی ہوگا یعنی حرام سے مراد بطور ظہار حرمت ہے۔

ظہار صرف بیوی سے ہوسکتا ہے لونڈی سے نہیں

(۱۴۲): قَالَ: [وَلَا يَكُونُ الظِّهَارُ اِلَّا مِنَ الزَّوْجَةِ. حَتّٰى لَوْ ظَاهَرَ مِنْ اَمَتِهٖ لَمْ يَكُنْ مُظَاهِرًا] لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى ﴿مِنْ نِّسَآئِكُمْ﴾ وَلِاَنَّ الْحِلَّ فِي الْاَمَةِ تَابِعٌ فَلَا تُلْحَقُ بِالْمَنْكُوحَةِ. وَلِاَنَّ الظِّهَارَ مَنْقُولٌ عَنِ الطَّلَاقِ وَلَا طَلَاقَ فِي الْمَمْلُوكَةِ.

[فَاِنْ تَزَوَّجَ امْرَاَةً بِغَيْرِ اَمْرِهَا ثُمَّ ظَاهَرَ مِنْهَا ثُمَّ اَجَازَتِ النِّكَاحَ فَالظِّهَارُ بَاطِلٌ] لِاَنَّهٗ صَادِقٌ فِي التَّشْبِيهِ وَقْتَ التَّصَرُّفِ فَلَمْ يَكُنْ مُنْكَرًا مِنَ الْقَوْلِ. وَالظِّهَارُ لَيْسَ بِحَقٍّ مِنْ حُقُوقِهٖ حَتّٰى يَتَوَقَّفَ. بِخِلَافِ اِعْتَاقِ الْمُشْتَرِي مِنَ الْغَاصِبِ لِاَنَّهٗ مِنْ حُقُوقِ الْمِلْكِ.

[وَمَنْ قَالَ لِنِسَائِهِ اَنْتُنَّ عَلَيَّ كَظَهْرِ اُمِّي كَانَ مُظَاهِرًا مِنْهُنَّ جَمِيْعًا] لِاَنَّهُ اَضَافَ الظِّهَارَ اِلَيْهِنَّ فَصَارَ كَمَا اِذَا اَضَافَ الطَّلَاقَ

[وَعَلَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدَةٍ كَفَّارَةٌ] لِاَنَّ الْحُرْمَةَ تَثْبُتُ فِيْ حَقِّ كُلِّ وَاحِدَةٍ وَّالْكَفَّارَةُ لِاِنْهَاءِ الْحُرْمَةِ فَتَتَعَدَّدُ بِتَعَدُّدِهَا. بِخِلَافِ الْاِيْلَاءِ مِنْهُنَّ لِاَنَّ الْكَفَّارَةَ فِيْهِ لِصِيَانَةِ حُرْمَةِ الْاِسْمِ وَلَمْ يَتَعَدَّدْ ذِكْرُ الْاِسْمِ

ترجمہ: حضرت امام محمد رحمہ اللہ ''جامع صغیر'' میں فرماتے ہیں [کہ ظہار صرف بیوی سے ہوسکتا ہے حتیٰ کہ اگر اس نے اپنی لونڈی سے ظہار کیا تو وہ مظاہر نہیں ہوگا] کیونکہ ارشاد خداوندی ہے:

مِنْ نِّسَآئِكُمْ [1] (اپنی عورتوں سے) نیز لونڈی کا حلال ہونا تابع ہے لہٰذا وہ منکوحہ کے ساتھ نہیں ملے گی۔

اور اس لئے بھی کہ ظہار، طلاق سے منتقل ہوا اور لونڈی کو طلاق نہیں ہوتی۔

[اور اگر اس نے کسی عورت کی اجازت کے بغیر اس سے نکاح کیا پھر اس سے ظہار کیا پھر اس نے نکاح کی اجازت دے دی تو ظہار باطل ہوگا]

کیونکہ تصرف کے وقت وہ تشبیہ دینے میں سچا ہے لہٰذا یہ برا قول نہیں ہوگا اور ظہار مرد کے حقوق میں سے کوئی حق نہیں کہ وہ موقوف ہو بخلاف غاصب سے خریدنے والے مشتری کا (غلام کو) آزاد کرنا کیونکہ وہ ملک کے حقوق سے ہے۔

[اور جس شخص نے اپنی بیویوں سے کہا کہ تم سب مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہو تو وہ ان سے ظہار کرنے والا ہوگا] کیونکہ اس نے ظہار کی اضافت ان سب کی طرف کی ہے) تو یہ اسی طرح ہے جیسے طلاق کی اضافت (ان سب کی طرف) کرے۔ [اور اس پر ہر ایک کے لئے الگ کفارہ ہوگا] کیونکہ حرمت ان سب کے حق میں ثابت ہوتی ہے اور کفارہ حرمت کو ختم کرنے کے لئے ہوتا ہے لہٰذا ان کے متعدد ہونے کی وجہ سے (کفارہ بھی) متعدد ہوگا۔

بخلاف ان سے ایلاء کرنے کے، کیونکہ اس صورت میں کفارہ (اللہ تعالیٰ کے) اسم مبارک کو محفوظ رکھنے کے لئے ہوتا ہے اور اسم مبارک کا ذکر متعدد نہیں (لہٰذا ایک ہی کفارہ ہوگا)

توضیح: چونکہ قرآن پاک میں ظہار کے سلسلے میں مِنْ نِّسَآئِكُمْ کے الفاظ آئے ہیں یعنی وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ اور نساء سے مراد بیویاں ہیں لہٰذا بیوی سے ہی ظہار ہوسکتا ہے لونڈی سے نہیں۔

اس سلسلے میں تین دلائل دیئے گئے ہیں:

① یہی قرآنی الفاظ مِنْ نِّسَآئِكُمْ۔

② لونڈی کا حلال ہونا بالتبع ہے کیونکہ اصل مقصود ملک یمین ہے یعنی لونڈی کے پورے جسم کا مالک ہونا۔

③ زمانہ جاہلیت میں ظہار طلاق ہوتی تھی اسلام میں اسے ظہار کی طرف منتقل کیا گیا تو جب یہ طلاق سے منتقل ہوا اور

چونکہ لونڈی میں طلاق نہیں ہوتی لہٰذا اس میں ظہار بھی نہیں ہوگا۔

دوسرا مسئلہ:

اگر کسی عورت کی اجازت کے بغیر اس سے نکاح کیا پھر اس سے ظہار کیا اس کے بعد عورت نے نکاح کی اجازت دی تو ظہار باطل ہو جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ظہار کیا اس وقت وہ اس کی بیوی نہیں تھی لہٰذا اس عورت کو تشبیہ دینا صحیح تھا اس لئے اس کا کلام ناپسندیدہ بھی نہیں اور جھوٹ بھی نہیں۔

سوال: ظہار کو عورت کی اجازت پر موقوف قرار دینا چاہئے کیونکہ ظہار مِلک پر موقوف ہوتا ہے اور مِلک اجازت پر موقوف ہوتی ہے۔

جواب: چونکہ ظہار حقوق نکاح میں سے نہیں کیونکہ نکاح ایک جائز کام ہے اور ظہار بری اور جھوٹی بات ہے اس لئے یہ نکاح پر موقوف نہیں کہ اجازت پر موقوف ہو کیونکہ ایک ممنوع کام جائز کام پر موقوف نہیں ہوتا۔

سوال: اگر کسی شخص نے کسی کا غلام غصب کیا اور خریدار نے اس غاصب سے خریدا اور آزاد کر دیا تو مالک کی اجازت پر موقوف ہوگا تو یہاں ایسا کیوں نہیں؟

جواب: اس کی وجہ یہ ہے کہ غلام کو آزاد کرنا اس کی ملک پر موقوف ہے اور ملک کے حصول کے لئے مالک کی اجازت ضروری ہے لہٰذا دونوں مسئلوں میں فرق ہے۔

تیسرا مسئلہ:

اگر تمام بیویوں سے ظہار کرے تو تمام سے ظہار ہو جائے گا جس طرح ایک ہی جملہ میں تمام بیویوں کو طلاق دے تو سب کو طلاق ہو جاتی ہے اور چونکہ ہر ایک سے ظہار ہوا لہٰذا ہر ایک کے لئے الگ کفارہ دینا ہوگا کیونکہ کفارہ اس حرمت کو ختم کرنے کے لئے ہوتا ہے جو ظہار کی وجہ سے لازم آئی ہے تو جس طرح بیویوں کے متعدد ہونے کی وجہ سے ظہار متعدد ہوں گے اسی طرح کفارے بھی متعدد ہوں گے۔

سوال: ایلاء کی صورت میں ایک ہی کفارہ لازم آتا ہے اگرچہ متعدد بیویوں سے ایلاء کرے اور یہاں متعدد کفارے لازم آتے ہیں فرق کی وجہ کیا ہے؟

جواب: چونکہ ایلاء میں اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم کھائی جاتی ہے اور جب قسم توڑتا ہے تو اسم خداوندی کی حرمت کو محفوظ نہیں رکھتا اور چونکہ وہ اسم مبارک ایک ہی ہے لہٰذا ایک ہی کفارہ لازم آتا ہے۔
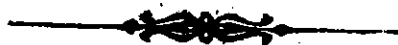
فَصْلٌ فِي الْكَفَّارَةِ

فصل: ظہار کے کفارہ کا بیان

ظہار کا کفارہ کیا ہے

(۱۴۳): قَالَ [وَكَفَّارَةُ الظِّهَارِ عِتْقُ رَقَبَةٍ] فَإِنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ. [فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَإِطْعَامُ سِتِّينَ مِسْكِينًا] لِلنَّصِّ الْوَارِدِ فِيهِ فَإِنَّهُ يُفِيدُ الْكَفَّارَةَ عَلَى هٰذَا التَّرْتِيبِ. قَالَ (وَكُلُّ ذٰلِكَ قَبْلَ الْمَسِيسِ) وَهٰذَا فِي الْإِعْتَاقِ، وَالصَّوْمُ ظَاهِرٌ لِلتَّنْصِيصِ عَلَيْهِ. وَكَذَا فِي الْإِطْعَامِ لِأَنَّ الْكَفَّارَةَ فِيهِ مُنْهِيَةٌ لِلْحُرْمَةِ فَلَا بُدَّ مِنْ تَقْدِيمِهَا عَلَى الْوَطْيِ لِيَكُونَ الْوَطْيُ حَلَالًا قَالَ [وَتُجْزِئُ فِي الْعِتْقِ الرَّقَبَةُ الْكَافِرَةُ وَالْمُسْلِمَةُ وَالذَّكَرُ وَالْأُنْثَى وَالصَّغِيرُ وَالْكَبِيرُ] لِأَنَّ اسْمَ الرَّقَبَةِ يُطْلَقُ عَلَى هٰؤُلَاءِ إِذْ هِيَ عِبَارَةٌ عَنِ الذَّاتِ الْمَرْقُوقِ الْمَمْلُوكِ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ، وَالشَّافِعِيُّ يُخَالِفُنَا فِي الْكَافِرَةِ وَيَقُولُ: الْكَفَّارَةُ حَقُّ اللهِ تَعَالٰى فَلَا يَجُوزُ صَرْفُهُ إِلٰى عَدُوِّ اللهِ كَالزَّكَاةِ. وَنَحْنُ نَقُولُ: الْمَنْصُوصُ عَلَيْهِ إِعْتَاقُ الرَّقَبَةِ وَقَدْ تَحَقَّقَ. وَقَصْدُهُ مِنَ الْإِعْتَاقِ التَّمَكُّنُ مِنَ الطَّاعَةِ ثُمَّ مُقَارَنَةُ الْمَعْصِيَةِ يُحَالُ بِهِ إِلٰى سُوءِ اخْتِيَارِهِ

امام قدوری رحمۃ اللہ نے فرمایا [اور ظہار کا کفارہ ایک غلام آزاد کرنا ہے اور اگر (غلام) نہ پائے تو دو مہینوں کے مسلسل روزے رکھنا ہے اور اگر اس کی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے]

اس کی دلیل وہ نص ہے جو اس سلسلے میں وارد ہوئی ہے اس بات سے کفارہ کی یہی ترتیب ثابت ہے۔ [1]

امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: [یہ تمام کام جماع سے پہلے ہونا ضروری ہے] یہ بات غلام آزاد کرنے اور روزے رکھنے میں ظاہر ہے کیونکہ قرآنی نص میں مذکور ہے اور کھانا کھلانے میں بھی اسی طرح ہوگا کیونکہ کفارہ حرمت کو ختم کرنے کے لئے ہے لہٰذا اس کا وطی سے پہلے ہونا ضروری ہے تاکہ وطی حلال ہو جائے۔

[1] آیت مع حوالہ گزر چکی ہے۔ ۱۲ ہزاروی

امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: [کہ غلام آزاد کرنے میں کافر، مسلمان، مرد، عورت، چھوٹا اور بڑا جائز ہیں]
کیونکہ رقبہ کا اطلاق ان سب پر ہوتا ہے اس لئے کہ اس سے وہ ذات مراد ہے جو مکمل طور پر غلامی میں ہے اور کسی کی ملک ہے۔ کافر غلام یا لونڈی کے بارے میں حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ہم سے اختلاف کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: کفارہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے لہٰذا اسے اللہ تعالیٰ کے دشمن کی طرف پھیرنا جائز نہیں جس طرح زکوٰۃ (کفار کو دینا جائز نہیں)
اور ہم کہتے ہیں کہ قرآنی نص میں رقبہ کو آزاد کرنے کا حکم ہے اور (کافر میں بھی) یہ ثابت ہے اور کفارہ دینے والے کا قصد یہ ہے کہ وہ (غلامی سے نکل کر) عبادت پر قادر ہو۔
پھر اس کا کفر کے ساتھ جڑے رہنا اس کے برے اختیار کی طرف پھیرا جائے گا۔

توضیح: قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیت کی روشنی میں ظہار کا کفارہ اور ترتیب اس طرح ہے کہ سب سے پہلے غلام آزاد کرے چاہے وہ مرد ہو یا عورت، مسلمان ہو یا کافر، چھوٹا ہو یا بڑا کیونکہ قرآن پاک میں لفظ رقبہ (گردن) کا لفظ آیا جس سے مراد غلامی ہے اور اس کا اطلاق ان سب پر ہوتا ہے کیونکہ رقبہ اسے کہتے ہیں جو کسی کی غلامی اور ملک میں ہو۔
اگر غلام میسر نہ ہو (جیسے آج کل غلامی کا سلسلہ منقطع ہے) تو ساٹھ روزے مسلسل رکھے اگر یہ نہ ہو سکے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔

نوٹ: جب تک کفارہ ادا نہ ہو جائے عورت کے قریب نہ جائے کیونکہ کفارہ اس حرمت کی انتہاء ہے جو ظہار کی وجہ سے پیدا ہوئی لہٰذا کفارہ، وطی سے پہلے ہونا چاہئے تاکہ اس کے لئے وطی حلال ہو سکے۔

(۲) غلام آزاد کرنے اور روزے رکھنے کے بارے میں تو قرآن پاک میں اس بات کا ذکر ہے البتہ کھانا کھلانے کے سلسلے میں وہی دلیل جو ابھی ذکر کی گئی کہ کفارہ پہلے ہو ورنہ وطی جائز نہیں ہوگی۔

کافر غلام کے بارے میں اختلاف

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کفارے میں کافر غلام آزاد نہیں کیا جا سکتا ان کی دلیل یہ ہے کہ کفارہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے اس لئے اسے کفار کی طرف پھیرنا جائز نہیں جس طرح زکوٰۃ کافر کو دینا جائز نہیں۔
احناف کی دلیل یہ ہے کہ قرآن پاک میں "رقبہ" کا ذکر ہے اور یہ معنیٰ کافر میں بھی ثابت ہے اور غلام آزاد کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اسے آزادی حاصل ہو اور وہ عبادت کر سکے۔
لہٰذا کافر پر یہ احسان ہے کہ اسلام نے اسے آزادی کی دولت سے مالا مال کیا لہٰذا اب اسے دامن اسلام سے وابستہ ہونے کا موقعہ ملے گا لیکن جب وہ کفر پر ہی قائم رہتا ہے تو گویا وہ اپنے برے اختیار کو استعمال کر رہا ہے۔

عیب والے غلام کو آزاد کرنا

(۱۴۴): [وَلَا تُجْزِءُ الْعَمْيَاءُ وَلَا الْمَقْطُوعَةُ الْيَدَيْنِ اَوِ الرِّجْلَيْنِ] لِاَنَّ الْفَائِتَ جِنْسُ

8/8

الْمَنْفَعَةِ وَهُوَ الْبَصَرُ اَوِ الْبَطْشُ اَوِ الْمَشْیُ وَهُوَ الْمَانِعُ. اَمَّا اِذَا اخْتَلَّتِ الْمَنْفَعَةُ فَهُوَ غَيْرُ مَانِعٍ، حَتّٰى يَجُوْزَ الْعَوْرَاءُ وَمَقْطُوعَةُ اِحْدَى الْيَدَيْنِ وَاِحْدَى الرِّجْلَيْنِ مِنْ خِلَافٍ لِاَنَّهٗ مَا فَاتَ جِنْسُ الْمَنْفَعَةِ بَلْ اخْتَلَّتْ. بِخِلَافِ مَا اِذَا كَانَتَا مَقْطُوعَتَيْنِ مِنْ جَانِبٍ وَاحِدٍ حَيْثُ لَا يَجُوْزُ لِفَوَاتِ جِنْسِ مَنْفَعَةِ الْمَشْيِ اِذْ هُوَ عَلَيْهِ مُتَعَذِّرٌ. وَيَجُوْزُ الْاَصَمُّ.

وَالْقِيَاسُ اَنْ لَا يَجُوْزَ وَهُوَ رِوَايَةُ النَّوَادِرِ. لِاَنَّ الْفَائِتَ جِنْسُ الْمَنْفَعَةِ. اِلَّا اَنَّا اسْتَحْسَنَّا الْجَوَازَ لِاَنَّ اَصْلَ الْمَنْفَعَةِ بَاقٍ. فَاِنَّهٗ اِذَا صِيحَ عَلَيْهِ سَمِعَ حَتّٰى لَوْ كَانَ بِحَالٍ لَا يَسْمَعُ اَصْلًا بِاَنْ وُلِدَ اَصَمَّ وَهُوَ الْاَخْرَسُ لَا يُجْزِيْهِ

[وَلَا يَجُوْزُ مَقْطُوْعُ اِبْهَامَيِ الْيَدَيْنِ] لِاَنَّ قُوَّةَ الْبَطْشِ بِهِمَا فَبِفَوَاتِهِمَا يَفُوْتُ جِنْسُ الْمَنْفَعَةِ [وَلَا يَجُوْزُ الْمَجْنُوْنُ الَّذِي لَا يَعْقِلُ] لِاَنَّ الْاِنْتِفَاعَ بِالْجَوَارِحِ لَا يَكُوْنُ اِلَّا بِالْعَقْلِ فَكَانَ فَائِتَ الْمَنَافِعِ [وَالَّذِي يُجَنُّ وَيُفِيْقُ يُجْزِيْهِ] لِاَنَّ الْاِخْتِلَالَ غَيْرُ مَانِعٍ. وَلَا يُجْزِءُ عِتْقُ الْمُدَبَّرِ وَاُمِّ الْوَلَدِ لِاسْتِحْقَاقِهِمَا الْحُرِّيَّةَ بِجِهَةٍ فَكَانَ الرِّقُّ فِيْهِمَا نَاقِصًا. وَكَذَا الْمُكَاتَبُ الَّذِي اَدّٰى بَعْضَ الْمَالِ لِاَنَّ اِعْتَاقَهٗ يَكُوْنُ بِبَدَلٍ.

وَعَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ اَنَّهٗ يُجْزِيْهِ لِقِيَامِ الرِّقِّ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ. وَلِهٰذَا تَقْبَلُ الْكِتَابَةُ الْاِنْفِسَاخَ. بِخِلَافِ اُمُوْمِيَّةِ الْوَلَدِ وَالتَّدْبِيْرِ لِاَنَّهُمَا لَا يَحْتَمِلَانِ الْاِنْفِسَاخَ.

ترجمہ: [اندھے غلام اور جس کے ہاتھ یا پاؤں کٹے ہوئے ہوں کو آزاد کرنا کافی نہیں] کیونکہ (ان میں) منفعت کی جنس فوت ہے اور وہ دیکھنا، پکڑنا اور چلنا ہے اور یہی (عیب کفارے کی راہ میں) رکاوٹ ہے۔ اگر نفع میں محض خلل ہو تو وہ مانع نہیں۔ حتیٰ کہ بھینگے اور ایک ہاتھ اور ایک پاؤں الٹ کٹے ہوئے غلام کو کفارہ میں دینا جائز ہے کیونکہ جنس منفعت فوت نہیں ہوئی بلکہ اس میں خلل آیا۔

بخلاف اس کے جب (ہاتھ اور پاؤں) ایک ہی طرف سے کٹے ہوئے ہوں تو جائز نہیں کیونکہ چلنے کی جنس منفعت فوت ہوگئی اس لئے کہ اس کے لئے (چلنا) مشکل ہے اور بہرہ غلام کفارے میں آزاد کرنا جائز ہے قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ جائز نہ ہو۔ نوادر کی روایت اسی طرح ہے کیونکہ یہاں جنس منفعت فوت ہوئی ہے لیکن ہم نے بطور استحسان جواز کا قول کیا کیونکہ اصل منفعت باقی ہے جب اسے زور زور سے پکارا جائے تو سن لیتا ہے حتیٰ کہ اگر وہ بالکل نہ سن سکے اس طرح کہ پیدائشی بہرہ ہو جس کو اخرس کہا جاتا ہے تو وہ کفایت نہیں کرے گا۔

[اور جس کے دونوں ہاتھوں کے انگوٹھے کٹے ہوئے ہوں اسے کفارے میں آزاد کرنا جائز نہیں]

کیونکہ پکڑنے کی قوت ان دونوں کے ساتھ ہوتی ہے لہٰذا ان کے نہ ہونے سے جنس منفعت فوت ہو جاتی ہے۔

[اور مجنون جس کی عقل کام نہ کرتی ہو، اسے کفارے میں آزاد کرنا بھی جائز نہیں]

کیونکہ اعضاء سے نفع حاصل کرنا عقل کے ذریعے ہوتا ہے لہٰذا منافع فوت ہو گئے۔

[اور وہ (غلام) جو کبھی پاگل ہو جاتا ہے اور کبھی اسے افاقہ ہو جاتا ہے اسے کفارے میں آزاد کرنا جائز ہے]

کیونکہ (نفع میں) خلل رکاوٹ نہیں بنتا اور مدبر اور اُمّ ولد کو آزاد کرنا جائز نہیں کیونکہ وہ ایک جہت سے آزادی کے مستحق ہو گئے ہیں لہٰذا ان میں غلامی ناقص ہے اسی طرح وہ مکاتب جو کچھ مال ادا کر چکا ہے کیونکہ اس کی آزادی عوض کے ساتھ ہوتی ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے ایک روایت میں ہے کہ اس (مکاتب) میں غلامی ہر اعتبار سے موجود ہے لہٰذا اس کو آزاد کرنا جائز ہے یہی وجہ ہے کہ کتابت فسخ کو قبول کرتی ہے البتہ اُمّ ولد اور مدبر ہونا اس کے خلاف ہے کیونکہ ان دونوں میں فسخ کا احتمال نہیں۔

توضیح: جس جگہ کفارے میں غلام آزاد کرنا ہو تو چند امور کا خیال رکھنا ضروری ہے اور چونکہ ظہار کے کفارے میں بھی سب سے پہلے غلام آزاد کرنے کا حکم ہے لہٰذا یہاں بھی ان باتوں کا خیال رکھنا ہوگا۔

① غلام میں ایسا عیب ہو کہ اس سے بالکل نفع نہ لیا جا سکے جسے جنس منفعت کا فوت ہونا کہا گیا تو اسے کفارے میں آزاد کرنا جائز نہیں۔

(الف) جیسے اندھا اور جس کے دونوں ہاتھ یا دونوں پاؤں کٹے ہوں کیونکہ وہ دیکھ نہیں سکتا نہ پکڑ سکتا ہے اور نہ چل سکتا ہے۔

(ب) اگر ایک ہاتھ اور ایک پاؤں ایک ہی طرف سے کٹے ہوئے ہوں تو یہ بھی جائز نہیں کیونکہ اس سے نفع نہیں اٹھایا جا سکتا۔

(ج) اخرس جو پیدائشی طور پر بہرہ ہو اور وہ جس کے دونوں ہاتھوں کے انگوٹھے کٹے ہوئے ہوں کیونکہ جو بالکل نہیں سن سکتا اس سے نفع لینا ممکن نہیں اور چونکہ پکڑنے کی قوت انگوٹھے سے حاصل ہوتی ہے اس لئے جس کے دونوں انگوٹھے کٹے ہوں اس کو کفارے میں آزاد کرنا جائز نہیں۔

(د) جو مجنون بالکل سمجھ نہ رکھتا ہو اس کو آزاد کرنا بھی جائز نہیں کیونکہ اعضاء سے کام لینا عقل کے بغیر نہیں ہو سکتا۔

② جس میں غلامی ناقص ہو اسے بھی ظہار کے کفارے میں آزاد کرنا جائز نہیں جیسے مدبر (جسے مالک نے کہا میرے مرنے کے بعد تو آزاد ہے) اُمّ ولد (وہ لونڈی جس کے ہاں مالک کا کوئی بچہ پیدا ہوا) وہ مکاتب جس نے بدل کتابت کا کچھ حصہ ادا کر دیا وہ چونکہ مال دے کر آزاد ہو رہا ہے لہٰذا اس کو بھی کفارے میں آزاد کرنا جائز نہیں۔

اس میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے ایک قول اس طرح منقول ہے کہ مکاتب کو آزاد کیا جا سکتا ہے کیونکہ وہ ہر اعتبار سے غلامی میں ہے یہی وجہ ہے کہ کتابت کو منسوخ کیا جا سکتا ہے جبکہ مدبر اور اُمّ ولد کا حکم منسوخ نہیں ہو سکتا۔

③ جس غلام میں ایسا عیب ہو جس سے جنس منفعت ختم نہیں ہوتی بلکہ اس میں کچھ خلل آتا ہے اسے ظہار کے کفارے

میں آزاد کیا جا سکتا ہے۔

وہ غلام یا لونڈی جو بھینگے ہوں، ایک ہاتھ اور ایک پاؤں مختلف اطراف سے کٹے ہوئے ہوں جو پیدائشی بہرہ نہ ہو کیونکہ وہ بلند آواز کو سن لیتا ہے۔ وہ مجنوں جو کبھی ٹھیک ہو جاتا ہو کیونکہ یہاں نفع کا حصول ہو سکتا ہے صرف خلل ہے۔

کفارۂ ظہار میں مکاتب غلام آزاد کرنا

(۱۴۵): فَإِنْ أَعْتَقَ مُكَاتَبًا لَمْ يُؤَدِّ شَيْئًا جَازَ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ.

لَهُ أَنَّهُ اسْتَحَقَّ الْحُرِّيَّةَ بِجِهَةِ الْكِتَابَةِ فَأَشْبَهَ الْمُدَبَّرَ.

وَلَنَا أَنَّ الرِّقَّ قَائِمٌ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ عَلَى مَا بَيَّنَّا. وَلِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "اَلْمُكَاتَبُ عَبْدٌ مَا بَقِيَ عَلَيْهِ دِرْهَمٌ" وَالْكِتَابَةُ لَا تُنَافِيهِ فَإِنَّهُ فَكُّ الْحَجْرِ بِمَنْزِلَةِ الْإِذْنِ فِي التِّجَارَةِ إِلَّا أَنَّهُ بِعِوَضٍ فَيَلْزَمُ مِنْ جَانِبِهِ. وَلَوْ كَانَ مَانِعًا يَنْفَسِخُ مُقْتَضَى الْإِعْتَاقِ إِذْ هُوَ يَحْتَمِلُهُ، إِلَّا أَنَّهُ تَسْلَمُ لَهُ الْأَكْسَابُ وَالْأَوْلَادُ لِأَنَّ الْعِتْقَ فِي حَقِّ الْمَحَلِّ بِجِهَةِ الْكِتَابَةِ. أَوْ لِأَنَّ الْفَسْخَ ضَرُورِيٌّ لَا يَظْهَرُ فِي حَقِّ الْوَلَدِ وَالْكَسْبِ

ترجمہ: اور اگر ایسا مکاتب آزاد کیا جس نے کچھ بھی ادائیگی نہیں کی تو جائز ہے اس میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ وہ کتابت کی وجہ سے آزادی کا مستحق ہو چکا ہے لہٰذا یہ مدبر کے مشابہ ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ (مکاتب میں) ہر اعتبار سے غلامی قائم ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ اور حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے:

اَلْمُكَاتَبُ عَبْدٌ مَا بَقِيَ عَلَيْهِ دِرْهَمٌ[1]

ترجمہ: مکاتب اس وقت تک غلام ہے جب تک اس پر ایک درہم بھی باقی ہے۔''

اور کتابت اس (غلامی کے) منافی نہیں یہ پابندی کو اٹھانا ہے یہ (غلام کو) تجارت کی اجازت دینے کی طرح ہے لیکن چونکہ اس میں عوض ہوتا ہے لہٰذا اس (غلام) کی طرف سے یہ لازم ہوتی ہے۔

اگر یہ (کتابت) آزادی کے منافی ہو تو آزادی کے تقاضا کے مطابق فسخ ہو جائے گی کیونکہ اس میں فسخ کا احتمال ہے، مگر اس کی اولاد اور کمایا ہوا مال سلامت رہیں گے کیونکہ آزادی اپنی جگہ پر کتابت کی وجہ سے ہے۔

یا اس لئے کہ فسخ ضرورت کے تحت ہے اور وہ اولاد اور کمائی کے حق میں ظاہر نہیں ہوتا۔

توضیح: جس غلام کو مالک نے کہا کہ تم اتنی رقم ادا کرو اور آزاد ہو جاؤ اسے مکاتب کہتے ہیں اس معاہدے کو کتابت یا مکاتبت کہا جاتا ہے اور جو مال دیا جاتا ہے اسے بدل کتابت کہتے ہیں۔

[1] سنن ابی داؤد، کتاب العتق، باب فی المکاتب یوزی بعض کتابتہ، حدیث: حدیث: ۳۹۲۶

یہاں یہ مسئلہ بیان ہو رہا ہے کہ اگر مکاتب نے ابھی تک بدل کتابت بالکل ادا نہ کیا ہو تو کیا اسے ظہار کے کفارے میں آزاد کیا جا سکتا ہے تو احناف کے نزدیک جائز ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جائز نہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ کتابت کی وجہ سے وہ آزادی کا مستحق ہو گیا اس لئے وہ مدبر کی طرح ہے لہٰذا اسے کفارے میں آزاد نہیں کر سکتے۔

احناف کی دلیل یہ ہے کہ (مکاتب میں) غلامی ہر اعتبار سے قائم ہے دوسری دلیل وہ حدیث شریف ہے جو پہلے گزر چکی ہے رہی یہ بات کہ کتابت غلامی کے منافی ہے، تو ایسا نہیں بلکہ غلام پر جو تجارت وغیرہ کی پابندی ہوتی ہے وہ تجارت کی اجازت سے ختم ہو جاتی ہے اس کے باوجود وہ غلام ہی رہتا ہے تو جس طرح عبد ماذون کی غلامی ختم نہیں ہوتی اسی طرح مکاتب سے بھی تجارت وغیرہ کی پابندی ختم ہو جاتی ہے لہٰذا وہ اس کے باوجود غلام ہی رہے گا (جس غلام کو اس کے آقا نے تجارت کی اجازت دی اسے ماذون فی التجارۃ کہتے ہیں) البتہ ماذون فی التجارۃ اور مکاتب میں یہ فرق ہے کہ اسے کسی عوض کے بغیر اجازت دی جاتی ہے اور مکاتب کو اس کا عوض ادا کرنا پڑتا ہے لہٰذا مولیٰ کی طرف سے عقد کتابت لازم ہو گا۔

اور اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ مکاتب غلام کو کفارے میں آزاد کیا جا سکتا ہے اور کتابت اس میں رکاوٹ نہیں تو آزادی کے معاملے کو درست کرنے کے لئے بطور اقتضاء کتابت منسوخ ہو جائے گی کیونکہ کتابت میں فسخ ہونے کا احتمال ہوتا ہے۔

سوال: جب عقد کتابت منسوخ ہو گیا تو چاہئے کہ اس کی کمائی اور اولاد اس کے مولیٰ کے لئے ہو۔

جواب: اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ مکاتب کی اولاد اور اس کی کمائی اس کے لئے سلامت رہے گی کیونکہ آزادی کے محل میں کتابت کی وجہ سے آزادی ہوئی ہے۔ اور مولیٰ کے حق میں کفارہ کے حق میں آزادی ہوئی تاکہ دونوں طرفوں کی رعایت ہو جائے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ فسخ کتابت ضرورت کے تحت ہوئی ہے تاکہ کفارہ ادا ہو سکے اور یہ فسخ اس کی اولاد اور کمائی کے حق میں ظاہر نہیں ہو گا کیونکہ جو چیز ضرورت کے تحت ثابت ہو وہ اپنے مقام سے تجاوز نہیں کرتی۔

کفارہ کی نیت سے اپنے غلام باپ یا بیٹے کو خریدنا

(۱۴۶): [وَإِنْ اشْتَرٰى اَبَاهُ اَوْ ابْنَهُ يَنْوِي بِالشِّرَاءِ الْكَفَّارَةَ جَازَ عَنْهَا] وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: لَا يَجُوْزُ وَعَلٰى هٰذَا الْخِلَافِ كَفَّارَةُ الْيَمِيْنِ وَالْمَسْأَلَةُ تَأْتِيكَ فِيْ كِتَابِ الْاَيْمَانِ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ

[اور اگر ظہار والا شخص اپنے باپ یا بیٹے کو خریدے (جو کسی کے پاس غلام ہوں) اور کفارے کی نیت کرے تو یہ کفارہ میں جائز ہے]

اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ جائز نہیں، قسم کے کفارہ میں اسی طرح اختلاف ہے اور یہ مسئلہ قسموں کے بیان میں عنقریب ذکر کیا جائے گا۔

توضیح: جب کوئی شخص اپنے باپ یا بیٹے کو جو کسی کے غلام ہوں، خریدتا ہے تو وہ خریدنے کے ساتھ ہی آزاد ہو جاتے ہیں۔

اور جب اس نے خریدتے وقت کفارہ کی نیت کی تو یہ آزادی کفارہ میں ہو جائے گی۔
اسی طرح اگر وہ اپنے کسی ذی رحم محرم کو خریدے تو یہی حکم ہوگا۔
نوٹ: قسم اور قتل کے کفارہ میں بھی یہی حکم ہے البتہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ جائز نہیں شروع شروع میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا بھی یہی موقف تھا بعد میں آپ نے رجوع کیا اسی طرح امام شافعی رحمہ اللہ کے بعض شاگردوں کا بھی وہی موقف ہے جواب احناف کا ہے۔

مشترک غلام کا نصف حصہ آزاد کرنا

(۱۴۷): وَاِنْ اَعْتَقَ نِصْفَ عَبْدٍ مُشْتَرَكٍ وَهُوَ مُوسِرٌ وَّضَمِنَ قِيمَةَ بَاقِيهِ لَمْ يَجُزْ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَيَجُوْزُ عِنْدَهُمَا لِاَنَّهُ يَمْلِكُ نَصِيْبَ صَاحِبِهِ بِالضَّمَانِ فَصَارَ مُعْتِقًا كُلَّ الْعَبْدِ عَنِ الْكَفَّارَةِ وَهُوَ مِلْكُهُ. بِخِلَافِ مَا اِذَا كَانَ الْمُعْتِقُ مُعْسِرًا لِاَنَّهُ وَجَبَ عَلَيْهِ السِّعَايَةُ فِيْ نَصِيْبِ الشَّرِيْكِ فَيَكُوْنُ اِعْتَاقًا بِعِوَضٍ.

وَلِاَبِيْ حَنِيْفَةَ اَنَّ نَصِيْبَ صَاحِبِهِ يَنْتَقِصُ عَلٰى مِلْكِهِ ثُمَّ يَتَحَوَّلُ اِلَيْهِ بِالضَّمَانِ وَمِثْلُهُ يَمْنَعُ الْكَفَّارَةَ

[فَاِنْ اَعْتَقَ نِصْفَ عَبْدِهٖ عَنْ كَفَّارَتِهٖ ثُمَّ اَعْتَقَ بَاقِيهِ عَنْهَا جَازَ] لِاَنَّهُ اَعْتَقَهُ بِكَلَامَيْنِ وَالنُّقْصَانُ مُتَمَكِّنٌ عَلٰى مِلْكِهٖ بِسَبَبِ الْاِعْتَاقِ بِجِهَةِ الْكَفَّارَةِ وَمِثْلُهُ غَيْرُ مَانِعٍ. كَمَنْ اَضْجَعَ شَاةً لِلْاُضْحِيَّةِ فَاَصَابَ السِّكِّيْنُ عَيْنَهَا. بِخِلَافِ مَا تَقَدَّمَ لِاَنَّ النُّقْصَانَ تَمَكَّنَ عَلٰى مِلْكِ الشَّرِيْكِ وَهٰذَا عَلٰى اَصْلِ اَبِيْ حَنِيْفَةَ.

اَمَّا عِنْدَهُمَا فَالْاِعْتَاقُ لَا يَتَجَزَّاُ. فَاِعْتَاقُ النِّصْفِ اِعْتَاقُ الْكُلِّ فَلَا يَكُوْنُ اِعْتَاقًا بِكَلَامَيْنِ.

ترجمہ: اور اگر مشترک غلام کا نصف آزاد کیا اور وہ (آزاد کرنے والا) کشادہ حال ہو اور باقی قیمت کا وہ ضامن بنے تو حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک (یہ کفارہ) جائز نہیں۔
جبکہ صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک جائز ہے کیونکہ وہ اپنے شریک کے حصے کا ضمان کی وجہ سے مالک بن گیا لہٰذا وہ کفارے میں تمام غلاموں کو آزاد کرنے والا ہو گیا اور وہ اس کی ملک ہے بخلاف اس کے جب آزاد کرنے والا تنگدست ہو کیونکہ (اس صورت میں) شریک کے حصے کے لئے غلام کو محنت و مشقت کرنی پڑے گی لہٰذا وہ عوض کے ساتھ آزاد ہوگا۔
حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ اس کے شریک ساتھی کا حصہ اس کی ملک پر کم ہو جائے گا پھر وہ ضمان کے

ذریعہ اس (مظاہر) کی طرف پھر جائے گا اور اس کی مثل کفارہ کو منع کرتی ہے۔

[اور اگر اپنے غلام کے نصف کو کفارہ کے سلسلے میں آزاد کیا پھر باقی حصہ کفارے میں آزاد کیا تو جائز ہے]

کیونکہ اس نے دو مرتبہ کلام کے ساتھ آزاد کیا اور نقصان اس کی اپنی ملک میں کفارے کے طور پر آزاد کرنے کے سبب ہوا اور اس قسم سے وہ کفارے میں رکاوٹ نہیں بنتا۔

جس طرح کسی شخص نے قربانی کے لئے بکری کو لٹایا اور چھری اس کی آنکھ میں لگ گئی (تو یہ عیب نقصان دہ نہیں)

بخلاف اس کے جو پہلے بیان ہوا کیونکہ نقصان اس کے شریک کی ملک میں ہوا اور یہ مسئلہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ضابطہ کے مطابق ہے۔

صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک اعتاق (آزاد کرنے) میں اجزاء میں تقسیم نہیں ہوتی لہٰذا نصف کو آزاد کرنا پورے کو آزاد کرنا ہے اس لئے یہ دو کلاموں کے ساتھ آزادی نہیں ہوگی۔

توضیح: اگر غلام دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہو اور ظہار کرنے والا اپنا حصہ آزاد کرے تو اس کی دو صورتیں ہیں:

پہلی صورت: مظاہر مالی طور پر آسودہ حال ہے اور وہ اپنے شریک سے کہتا ہے کہ میں تمہارے حصے کی قیمت ادا کروں گا۔ اس صورت میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس غلام کو ظہار کے کفارے میں آزاد کرنا جائز نہیں۔ جبکہ صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک جائز ہے۔

دلائل:

صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ جب اس نے اپنے شریک ساتھی کے حصے کی ضمان دے دی تو وہ اس کے حصے کا بھی مالک ہو گیا اب جب اسے آزاد کرے تو اپنے غلام کو آزاد کرنے والا ہوا۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب غلام آزاد کیا تو شریک کی ملک ناقص ہو گئی کیونکہ غلام آزادی کا مستحق ہو گیا اور اب اسے ہمیشہ کے لئے اپنی ملک میں رکھنا مشکل ہو گیا پھر ضمان کی وجہ سے باقی حصہ اس کی ملک میں آ گیا اور ایسی صورت میں کفارہ ادا نہیں ہو سکتا کیونکہ اس میں نقصان آ گیا اب وہ ناقص غلام کو آزاد کرنے والا ہو جائے گا۔

دوسری صورت: مظاہر تنگدست ہو تو سب کے نزدیک نصف غلام آزاد کرنا جائز نہیں کیونکہ اب شریک کے حصے کے لئے غلام کو مال کمانا ہوگا لہٰذا یہ آزادی عوض کے ساتھ ہوئی جو جائز نہیں۔

دوسرا مسئلہ:

اگر غلام مظاہر کا اپنا ہو اور ظہار کے کفارے میں اس کا نصف آزاد کرے پھر دوسرا نصف آزاد کرے تو جائز ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے ایک ہی غلام کو دو کلاموں کے ساتھ آزاد کیا اور پہلے نصف کو آزاد کرنے سے اس کی ملک میں جو نقصان آیا وہ کفارے کے طور پر اس کی آزادی کے سبب سے آیا اور یہ کفارے میں رکاوٹ نہیں ہے اس کی مثال یہ ہے کہ

قربانی کا جانور عیب سے خالی ہونا ضروری ہے لیکن جب ذبح کے وقت کوئی عیب پیدا ہو جائے تو وہ قربانی میں رکاوٹ نہیں جیسے قربانی کی بکری کو لٹایا پھر چھری اس بکری کی آنکھ میں لگ گئی تو یہ عیب مانع نہیں ہے۔

لیکن اس مسئلہ میں جو نقصان ہوا کہ جب مظاہر نے غلام میں اپنا نصف آزاد کیا تو وہ اس لئے رکاوٹ ہے کہ وہ شریک کے حصے میں نقصان ہے۔

یہ حکم حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ضابطہ کے مطابق ہے کہ آپ کے نزدیک آزادی قسطوں میں ہو سکتی ہے لیکن صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک آزادی اجزاء (قسطوں) میں تقسیم نہیں ہو سکتی اس لئے جب پہلا نصف آزاد کیا تو پورا غلام آزاد ہو گیا لہٰذا وہ دو کلاموں کے ساتھ آزاد نہیں ہوا۔

نصف غلام آزاد کرنے کے بعد جماع کرنا

(۱۴۸): [وَإِنْ أَعْتَقَ نِصْفَ عَبْدِهِ عَنْ كَفَّارَتِهِ ثُمَّ جَامَعَ الَّتِي ظَاهَرَ مِنْهَا ثُمَّ أَعْتَقَ بَاقِيَه لَمْ يَجُزْ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ] لِأَنَّ الْإِعْتَاقَ يَتَجَزَّأُ عِنْدَهُ، وَشَرْطُ الْإِعْتَاقِ أَنْ يَكُوْنَ قَبْلَ الْمَسِيْسِ بِالنَّصِّ، وَإِعْتَاقُ النِّصْفِ حَصَلَ بَعْدَهُ، وَعِنْدَهُمَا إِعْتَاقُ النِّصْفِ إِعْتَاقُ الْكُلِّ فَحَصَلَ الْكُلُّ قَبْلَ الْمَسِيْسِ.

[وَإِذَا لَمْ يَجِدِ الْمُظَاهِرُ مَا يَعْتِقُ فَكَفَّارَتُهُ صَوْمُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ لَيْسَ فِيْهِمَا شَهْرُ رَمَضَانَ وَلَا يَوْمُ الْفِطْرِ وَلَا يَوْمُ النَّحْرِ وَلَا أَيَّامُ التَّشْرِيْقِ] أَمَّا التَّتَابُعُ فَلِأَنَّهُ مَنْصُوْصٌ عَلَيْهِ وَشَهْرُ رَمَضَانَ لَا يَقَعُ عَنِ الظِّهَارِ لِمَا فِيْهِ مِنْ إِبْطَالِ مَا أَوْجَبَهُ اللهُ وَالصَّوْمُ فِيْ هٰذِهِ الْأَيَّامِ مَنْهِيٌّ عَنْهُ فَلَا يَنُوْبُ عَنِ الْوَاجِبِ الْكَامِلِ.

ترجمہ: [اور اگر نصف غلام کفارے میں آزاد کیا پھر اس خاتون سے جماع کیا جس سے ظہار کیا ہے پھر غلام کا باقی حصہ آزاد کیا تو حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز نہیں] کیونکہ آپ کے نزدیک آزادی قسط وار (ایک ایک جزء کی) ہو سکتی ہے اور آزادی کے لئے شرط ہے کہ وہ جماع سے پہلے ہو اور یہ نص سے ثابت ہے اور نصف کی آزادی اس کے بعد ہوئی۔ صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں: نصف کو آزاد کرنا کل کی آزادی ہے لہٰذا جماع سے پہلے پورا غلام آزاد ہو گیا۔

[اور جب مظاہر آزاد کرنے کے لئے غلام نہ پائے تو اس کا کفارہ دو مہینوں کے مسلسل روزے رکھنا ہے جن میں ماہ رمضان بھی نہ ہو عید الفطر، قربانی کا دن (عید الاضحیٰ) اور ایام تشریق بھی نہ ہوں۔]

تسلسل کی شرط اس لئے ہے کہ یہ قرآن میں مذکور ہے اور رمضان المبارک کے روزے کفارے کی طرف سے نہیں ہو سکتے کیونکہ اس میں اس کو بدلنا ہے جو اللہ تعالیٰ نے واجب کیا اور باقی دنوں (عیدین اور ایام تشریق) میں روزہ رکھنا منع کیا۔

گیا ہے لہٰذا یہ کامل واجب کے قائم مقام نہیں ہو سکتے۔

توضیح: اس مسئلہ کی بنیاد اس بات پر ہے کہ کیا نصف غلام آزاد کرنے سے پورا غلام آزاد ہو جاتا ہے؟

تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک چونکہ نصف غلام آزاد کرنے سے نصف ہی آزاد ہو گا لہٰذا کفارہ کامل طور پر ادا نہ ہوا اس لئے اس کے بعد جماع جائز نہیں کیونکہ شرط یہ ہے کہ جماع سے قبل مکمل کفارہ ادا ہو۔

جبکہ صاحبین کے نزدیک اگر غلام کا کچھ حصہ آزاد کیا تو پورا غلام آزاد ہو جائے گا لہٰذا نصف غلام آزاد کرنا پورا غلام آزاد کرنا ہے اور اب جماع کامل کفارہ کے بعد ہوا لہٰذا جائز ہے۔

دوسرا مسئلہ:

اگر غلام آزاد نہ کر سکے تو ساٹھ دنوں کے مسلسل روزے رکھنا ہوں گے جس طرح قرآن پاک کا حوالہ گزر چکا ہے۔

روزوں کا تسلسل اس لئے ضروری ہے کہ قرآن پاک مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا (جماع سے پہلے) کا حکم ہے اور رمضان المبارک کے روزے چونکہ خود سے فرض ہیں لہٰذا کسی دوسرے واجب کی جگہ نہیں ہو سکتے۔ عید الفطر، عید الاضحیٰ اور ایام تشریق (۱۱، ۱۲، ۱۳ ذوالحجہ) میں روزہ رکھنا شرعاً منع ہے لہٰذا یہ روزے کامل واجب کے قائم مقام نہیں ہو سکتے۔

نوٹ: مسلسل کا مطلب یہ ہے کہ درمیان میں کوئی روزہ نہ چھوٹے ——

اسی لئے مندرجہ بالا پانچ دنوں کے روزے درمیان میں آنے سے تسلسل ختم ہو جاتا ہے اور کفارہ ادا نہیں ہوتا ——

کفارے کے روزوں کے درمیان جماع کرنا

(۱۴۹): [فَاِنْ جَامَعَ الَّتِيْ ظَاهَرَ مِنْهَا فِيْ خِلَالِ الشَّهْرَيْنِ لَيْلًا عَامِدًا اَوْ نَهَارًا نَاسِيًا اسْتَأْنَفَ الصَّوْمَ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ] وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ: لَا يَسْتَأْنِفُ لِاَنَّهٗ لَا يَمْنَعُ التَّتَابُعَ. اِذْ لَا يَفْسُدُ بِهِ الصَّوْمُ وَهُوَ الشَّرْطُ. وَاِنْ كَانَ تَقْدِيْمُهٗ عَلَى الْمَسِيْسِ شَرْطًا فَفِيْمَا ذَهَبْنَا اِلَيْهِ تَقْدِيْمُ الْبَعْضِ وَفِيْمَا قُلْتُمْ تَأْخِيْرُ الْكُلِّ عَنْهُ.

وَلَهُمَا اَنَّ الشَّرْطَ فِي الصَّوْمِ اَنْ يَّكُوْنَ قَبْلَ الْمَسِيْسِ وَاَنْ يَّكُوْنَ خَالِيًا عَنْهُ ضَرُوْرَةً بِالنَّصِّ. وَهٰذَا الشَّرْطُ يَنْعَدِمُ بِهٖ فَيَسْتَأْنِفُ [وَاِنْ اَفْطَرَ مِنْهَا يَوْمًا بِعُذْرٍ اَوْ بِغَيْرِ عُذْرٍ اسْتَأْنَفَ] لِفَوَاتِ التَّتَابُعِ وَهُوَ قَادِرٌ عَلَيْهِ عَادَةً

[وَاِنْ ظَاهَرَ الْعَبْدُ لَمْ يَجُزْ فِي الْكَفَّارَةِ اِلَّا الصَّوْمُ] لِاَنَّهٗ لَا مِلْكَ لَهٗ فَلَمْ يَكُنْ مِنْ اَهْلِ التَّكْفِيْرِ بِالْمَالِ [وَاِنْ اَعْتَقَ الْمَوْلٰى اَوْ اَطْعَمَ عَنْهُ لَمْ يُجْزِهٖ] لِاَنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِ الْمِلْكِ فَلَا يَصِيْرُ مَالِكًا بِتَمْلِيْكِهٖ.

ترجمہ: [پس اگر ان دو مہینوں کے درمیان اس عورت سے جس سے ظہار کیا ہے جان بوجھ کر رات کے وقت یا دن کے وقت بھول کر جماع کیا تو حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک نئے سرے سے روزے شروع کرے]۔ حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: نئے سرے سے نہ شروع کرے کیونکہ یہ تسلسل میں رکاوٹ نہیں کیونکہ اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا اور وہ (روزے کا نہ ٹوٹنا) شرط ہے۔ اور اگر اس (کفارے) کا جماع سے پہلے ہونا شرط ہے تو جو کچھ ہم نے کہا اس میں بعض مقدم ہے اور جو کچھ آپ نے کہا اس میں پورا کفارہ جماع کے بعد ہے۔

طرفین کی دلیل یہ ہے کہ روزے رکھنے میں شرط یہ ہے کہ جماع سے پہلے ہوں اور وہ روزے جماع سے خالی ہوں یہ بات نص سے لازم آتی ہے اور اس صورت میں (جب درمیان میں جماع پایا جائے) شرط معدوم ہے لہٰذا نئے سرے سے شروع کرے۔

[اور اگر ان دنوں میں سے کسی دن کسی عذر کی وجہ سے یا عذر کے بغیر روزہ نہ رکھا تو نئے سرے سے شروع کرے] کیونکہ تسلسل نہ رہا اور عام طور پر وہ اس پر قادر ہوتا ہے۔

[اور اگر غلام ظہار کرے تو کفارہ میں صرف روزے رکھنا ہوں گے] کیونکہ وہ کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا لہٰذا مال کے ساتھ کفارہ دینے کے اہل لوگوں میں سے نہیں ہوگا۔

[اور اگر اس کی طرف سے اس کا مولیٰ غلام آزاد کرے یا کھانا کھلائے تو جائز نہیں] کیونکہ غلام ملک والوں میں سے نہیں پس مولیٰ کے مالک بنانے سے بھی مالک نہیں ہوگا۔

توضیح: مندرجہ بالا عبارت میں تین مسئلوں کا بیان ہے:

1. جب ظہار کے کفارے میں دو ماہ کے روزے رکھے جائیں تو کیا ان روزوں کے درمیان اس عورت سے جماع ہو سکتا ہے جس سے ظہار کیا، وہ رات کے وقت جان بوجھ کر ہو یا دن کو (روزے کی حالت میں) بھول کر ہو۔

اس سلسلے میں طرفین (حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام محمد رحمہما اللہ) اور حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان اختلاف ہے۔ طرفین فرماتے ہیں: یہ جائز نہیں اگر ایسا کیا تو دوبارہ نئے سرے سے روزے رکھنا شروع کرے۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ روزے جماع سے پہلے مکمل ہونا ضروری ہیں اور نص سے یہ لازم آتا ہے کہ ان روزوں کا دور جماع سے خالی ہو اور جب درمیان میں جماع ہوا تو شرط نہ پائی گئی لہٰذا دوبارہ روزے رکھنا شروع کرے۔

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: نئے سرے سے شروع کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ جماع تسلسل میں رکاوٹ نہیں کیونکہ مذکورہ بالا صورت میں جماع سے روزہ نہیں ٹوٹتا کیونکہ اگر رات کو ہوا تو وہ روزے کے منافی نہیں اور دن کو بھول کر ہوا تو بھی اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا تو اگر یہ شرط ہے کہ کفارہ جماع سے پہلے ہو تو ہمارے مؤقف کے مطابق کفارے کا کچھ حصہ مقدم ہے اور جو کچھ آپ فرما رہے ہیں اس میں تمام روزے جماع سے مؤخر ہیں۔

2. کفارے کے ایام میں اگر کسی دن روزہ نہ رکھا چاہے کوئی عذر تھا یا نہ تھا نئے سرے سے روزے رکھنے پڑیں گے

کیونکہ تسلسل شرط ہے اور وہ شخص اس پر قادر بھی ہے۔

③ اگر غلام نے ظہار کیا تو نہ وہ غلام آزاد کر سکتا ہے اور نہ ہی کھانا کھلا سکتا ہے کہ وہ کسی چیز کا مالک نہیں اگر اس کا مالک اس کی طرف سے آزاد کرے یا کھانا کھلائے تو بھی صحیح نہیں کیونکہ غلام ملک کا اہل نہیں ہو سکتا اس لئے اس کے مالک بنانے سے بھی مالک نہیں بنے گا لہٰذا وہ صرف روزوں کے ذریعے ہی کفارہ ادا کر سکتا ہے۔

کفارہ میں ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا

(١٥٠): [وَاِذَا لَمْ يَسْتَطِعِ الْمُظَاهِرُ الصِّيَامَ اَطْعَمَ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا] لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى: ﴿فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا﴾ ◆ [وَيُطْعِمُ كُلَّ مِسْكِيْنٍ نِصْفَ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ اَوْ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ اَوْ شَعِيْرٍ اَوْ قِيْمَةَ ذٰلِكَ) لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فِيْ حَدِيْثِ اَوْسِ بْنِ الصَّامِتِ وَسَهْلِ بْنِ صَخْرٍ: (لِكُلِّ مِسْكِيْنٍ نِصْفُ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ) وَلِاَنَّ الْمُعْتَبَرَ دَفْعُ حَاجَةِ الْيَوْمِ لِكُلِّ مِسْكِيْنٍ فَيُعْتَبَرُ بِصَدَقَةِ الْفِطْرِ. وَقَوْلُهٗ اَوْ قِيْمَةَ ذٰلِكَ مَذْهَبُنَا وَقَدْ ذَكَرْنَاهُ فِي الزَّكَاةِ

ترجمہ: [اور جب مظاہر روزے نہ رکھ سکے تو وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے]

کیونکہ ارشاد خداوندی ہے:

وَيُطْعِمُ كُلَّ مِسْكِيْنٍ نِصْفَ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ اَوْ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ اَوْ شَعِيْرٍ اَوْ قِيْمَةَ ذٰلِكَ ◆

ترجمہ: (اور جو شخص (روزہ رکھنے کی) طاقت نہ رکھتا ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے)

[اور ہر مسکین کو گندم کا نصف صاع یا کھجور یا جو سے ایک صاع دے یا اس کی قیمت دے]

کیونکہ سرکار دو عالم ﷺ نے حضرت اوس بن صامت اور حضرت سہل بن صخر (رضی اللہ عنہما) سے متعلق حدیث میں فرمایا:

لِكُلِّ مِسْكِيْنٍ نِصْفُ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ۔ ◆

ترجمہ: ہر مسکین کے لئے گندم سے نصف صاع ہے۔

اور دوسری دلیل یہ ہے کہ ہر مسکین کی ایک دن کی حاجت کو پورا کرنا ہے لہٰذا اسے صدقہ فطر پر قیاس کیا گیا اور قیمت کی

---

❶ سورہ مجادلہ، آیت: ۴ ❷ (اجمل بھائی حوالہ نہیں ملا قرآن سے)

❸ حضرت اوس بن صامت، حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہما کے بھائی تھے ان کی زوجہ خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا نے حضور علیہ السلام سے شکایت کی کہ انہوں نے مجھ سے ظہار کیا ہے حضور علیہ السلام نے حضرت اوس رضی اللہ عنہ کو غلام آزاد کرنے کا حکم دیا انہوں نے نہ پایا تو دو ماہ کے مسلسل روزے رکھنے کا حکم دیا کہا گیا وہ بہت بوڑھے ہیں روزے نہیں رکھ سکتے آپ نے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کا حکم دیا کہا گیا ان کے پاس صدقہ کرنے کے لئے کچھ نہیں تھا پھر حضور علیہ السلام کے پاس کھجوروں کا ٹوکرا آیا تو آپ نے حکم دیا کہ ساٹھ مسکینوں کو کھلایا جائے اسی طرح سہل بن صخر (کہا گیا ہے کہ وہ سلمہ بن صخر ہیں) انہوں نے اپنی بیوی سے ظہار کے دوران جماع کیا تو حضور علیہ السلام نے ان کو حکم دیا کہ وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائیں۔ (تلخیص از عینی شرح ہدایہ، جلد دوم، ص: ۳۸۶، ۱۲ ہزار دی)

ادائیگی ہمارا مذہب ہے اور زکوٰۃ کے بیان میں ہم ذکر کر چکے ہیں۔

توضیح: مظاہر اگر غلام آزاد نہ کر سکے اور نہ روزے رکھ سکے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے سے کفارہ ادا ہوگا۔
اس کی مختلف صورتیں ہیں:

① ساٹھ مسکینوں میں سے ہر ایک کو نصف صاع گندم یا ایک صاع جو یا کھجوریں دے۔

② یا ان کی قیمت دے۔

③ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ساٹھ مسکینوں کو دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلائے۔

اصل بات مسکین کی ایک دن کی حاجت کو پورا کرنا ہے اسی لئے اسے فطرانہ پر قیاس کیا گیا۔

اس سلسلے میں قرآن وسنت سے ثبوت دیا گیا۔

صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ ساٹھ مسکینوں کو غلہ دیا جائے یا اس کی قیمت یہ احناف کے نزدیک ہے اس سلسلے میں انہوں نے کتاب الزکوٰۃ کا حوالہ دیا۔ ہدایہ میں اس طرح ہے:

(اور زکوٰۃ میں قیمتوں کا دینا ہمارے نزدیک ہے) اسی طرح کفاروں اور صدقہ فطر اور عشر اور نذر میں بھی (غلے کی جگہ قیمت دے سکتے ہیں)

اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں (قیمت دینا) جائز نہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ قربانی میں قیمت نہیں دے سکتے اسی طرح یہاں بھی نہیں دے سکتے۔ احناف کی طرف سے جواب دیا گیا کہ اس میں اصل مقصد فقیر تک رزق پہنچانا ہے اور وہ قیمت سے حاصل ہو جاتا ہے۔ ①

مسکینوں کو کفارے کی ادائیگی کس طرح کی جائے

(۱۵۱): [فَإِنْ أَعْطَى مَنًّا مِنْ بُرٍّ وَمَنَوَيْنِ مِنْ تَمْرٍ أَوْ شَعِيْرٍ جَازَ] لِحُصُوْلِ الْمَقْصُوْدِ إِذْ الْجِنْسُ مُتَّحِدٌ [وَإِنْ أَمَرَ غَيْرَهٗ أَنْ يُّطْعِمَ عَنْهُ مِنْ ظِهَارِهٖ فَفَعَلَ أَجْزَأَهٗ] لِأَنَّهٗ اسْتِقْرَاضٌ مَعْنًى وَالْفَقِيْرُ قَابِضٌ لَّهٗ أَوَّلًا ثُمَّ لِنَفْسِهٖ فَتَحَقَّقَ تَمَلُّكُهٗ ثُمَّ تَمْلِيْكُهٗ

[فَإِنْ غَدَّاهُمْ وَعَشَّاهُمْ جَازَ قَلِيْلًا كَانَ مَا أَكَلُوْا أَوْ كَثِيْرًا] وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: لَا يُجْزِئُهٗ إِلَّا التَّمْلِيْكُ اعْتِبَارًا بِالزَّكَاةِ وَصَدَقَةِ الْفِطْرِ. وَهٰذَا لِأَنَّ التَّمْلِيْكَ أَدْفَعُ لِلْحَاجَةِ فَلَا يَنُوْبُ مَنَابَهُ الْإِبَاحَةُ.

وَلَنَا أَنَّ الْمَنْصُوْصَ عَلَيْهِ هُوَ الْإِطْعَامُ وَهُوَ حَقِيْقَةٌ فِي التَّمْكِيْنِ مِنَ الطُّعْمِ وَفِي الْإِبَاحَةِ

① تفصیل ہدایہ اولین، ص: ۱۷۲ مکتبہ امدادیہ ملتان میں دیکھیں) ۱۲ ہزاروی

ذٰلِكَ كَمَا فِي التَّمْلِيْكِ. اَمَّا الْوَاجِبُ فِي الزَّكَاةِ الْاِيْتَاءُ وَفِيْ صَدَقَةِ الْفِطْرِ الْاَدَاءُ وَهُمَا لِلتَّمْلِيْكِ حَقِيقَةً

[وَلَوْ كَانَ فِيْمَنْ عَشَّاهُمْ صَبِيٌّ فَطِيْمٌ لَّا يُجْزِئُهُ] لِاَنَّهٗ لَا يَسْتَوْفِيْ كَامِلًا. وَلَابُدَّ مِنَ الْاِدَامِ فِيْ خُبْزِ الشَّعِيْرِ لِيُمْكِنَهُ الْاِسْتِيْفَاءُ اِلَى الشِّبَعِ. وَفِيْ خُبْزِ الْحِنْطَةِ لَا يُشْتَرَطُ الْاِدَامُ.

ترجمہ: [اور اگر وہ گندم کا ایک کلو اور کھجور یا جو کے دو کلو دے تو جائز ہے] کیونکہ مقصود حاصل ہو گیا اس لئے کہ جنس ایک ہے۔

[اور اگر کسی دوسرے آدمی کو حکم دے کہ وہ اس کی طرف سے اس کے ظہار کا کھانا کھلائے اس نے ایسا کیا تو کافی (جائز) ہے]۔ کیونکہ معنوی طور پر قرض لینا ہے اور فقیر پہلے اس کے لئے قابض ہوتا ہے پھر اپنے لئے قبضہ کرتا ہے لہٰذا اس کا مالک بننا پھر مالک بنانا صحیح ہے۔

[اور اگر وہ ان کو صبح و شام کھانا کھلائے تو بھی جائز ہے وہ کم کھائیں یا زیادہ]

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس کے لئے (کھلانا) جائز نہیں بلکہ مالک بنانا ضروری ہے (اور یہ اباحت ہے)۔ وہ زکوٰۃ اور صدقہ فطر پر قیاس کرتے ہیں۔

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مالک بنانے میں حاجت زیادہ پوری ہو سکتی ہے لہٰذا اباحت اس کے قائم مقام نہیں ہو سکتی۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ نص میں کھانا کھلانے کا ذکر ہے اور کھانے پر قادر کرنا یہ حقیقی مفہوم ہے اور اباحت میں بھی یہی ہوتا ہے جس طرح تملیک میں ہوتا ہے۔

جبکہ زکوٰۃ میں دینے کا حکم ہے اور صدقہ فطر میں ادائیگی کا حکم ہے اور یہ دونوں الفاظ حقیقت میں تملیک کے لئے آتے ہیں۔

[اور اگر کھانا کھلانے (کی صورت میں کھانے والا) میں کوئی بچہ بھی ہو جس کا دودھ چھڑایا گیا ہو تو یہ جائز نہیں] کیونکہ وہ مکمل طور پر کھانا نہیں کھا سکتا —— اور جو کی روٹی کے ساتھ سالن کا ہونا ضروری ہے تاکہ وہ سیر ہو کر کھا سکے اور گندم کی روٹی کے ساتھ سالن کا ہونا ضروری نہیں۔

توضیح: جب ظہار کا کفارہ کھانا کھلانے کی صورت میں ہو تو اس سے متعلق چند امور ہیں جو درج ذیل ہیں:

پہلا مسئلہ:

① اگر کھانا غلے کی صورت میں ہو تو ایک فقیر کو ایک کلو گندم دے اور اگر کھجوریں یا جو دے تو دو کلو ہونا ضروری ہے۔ (لفظ مَن کا معنی ایک سیر یا آج کے دور میں ایک کلو ہے) کیونکہ اس سے مقصود حاصل ہو جاتا ہے اور وہ کفارہ ادا کرنا ہے اور

دوسرا مسئلہ:

کفارہ ادا کرنے میں کسی کو وکیل بھی بنایا جا سکتا ہے کہ وہ کسی دوسرے شخص سے کہے کہ میری طرف سے کفارہ ادا کرو

کیونکہ معنوی طور پر وہ گویا کہ اس شخص سے قرض لے رہا ہے اور جب وہ دوسرا شخص اس کی طرف سے فقیر کو دے گا تو گویا فقیر اس مظاہر کی طرف سے قبضہ کر کے پھر اپنے لئے قبضہ کرے گا اس طرح اس کا مالک بننا اور مالک بنانا ثابت ہو جائے گا۔

یعنی جب فقیر نے اس کے لئے لیا تو وہ مظاہر خود مالک بن گیا پھر جب فقیر اپنے لئے وصول کرے گا تو گویا مظاہر کی طرف سے اس فقیر کو مالک بنایا گیا۔

تیسرا مسئلہ:

اگر ظہار کے کفارہ میں دیا جانے والا غلہ کھانے کی صورت میں کھلایا جائے تو یہ بھی جائز ہے البتہ اس میں حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے۔

نوٹ: کھانا کھلانے کو اباحت کہتے ہیں اس میں کسی مقدار کی پابندی نہیں ہوتی البتہ کھانے والا مالک نہیں ہوتا کہ وہ اس میں سے کچھ یا تمام کھانا ساتھ لے جائے۔

اور تملیک کا مطلب یہ ہے کہ اسے دے کر اس کو مالک بنا دے اب وہ جس طرح چاہے استعمال کرے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کھانا کھلانے کی صورت میں کفارہ ادا نہیں ہوگا۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ اس کا حکم زکوٰۃ اور فطرانہ کی طرح ہے جس طرح زکوٰۃ اور صدقہ فطر کا فقیر کو مالک بنانا ضروری ہے اس مال سے کھانا کھلانا جائز نہیں اسی طرح یہاں بھی جائز نہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ تملیک کے ذریعے حاجت زیادہ پوری ہوتی ہے لہٰذا اباحت اس کے قائم مقام نہیں ہو سکتی۔

نوٹ: حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مقصود یہ ہے کہ غلہ فروخت کر کے وہ اپنی اہم ضرورت کو پورا کر سکتا ہے۔ احناف کی دلیل یہ ہے کہ قرآن پاک میں کھانا کھلانے کا ذکر ہے اور اس کا حقیقی معنیٰ یہ ہے کہ فقیر کو کھانے پر قدرت حاصل ہو جائے اور وہ اباحت کی صورت میں ہوتا ہے کہ کھانا اس کے سامنے رکھ کر اجازت دی جائے وہ تھوڑا کھائے یا زیادہ اور تملیک میں اسے اختیار ہوتا ہے لیکن زکوٰۃ کے بارے میں دینے کا حکم ہے (وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ فرمایا) اور فطرانہ میں ادا کرنے کا حکم ہے یعنی اَدُّوْا کا لفظ ہے اور ان دونوں کا حقیقی معنیٰ مالک بنانا ہے۔

چوتھا مسئلہ:

یہ بیان کیا کہ اگر ان کھانا کھانے والوں میں اتنا چھوٹا بچہ ہو جس کا ابھی ابھی دودھ چھڑایا گیا اور کھانا کھانے لگا ہے تو یہ جائز نہیں کیونکہ وہ مکمل طور پر کھانا نہیں کھا سکتا۔

پانچواں مسئلہ:

چونکہ جو کی روٹی سالن کے بغیر نہیں کھائی جا سکتی ہے لہٰذا اس کے ساتھ سالن کا ہونا ضروری ہے تا کہ سیر ہو کر کھائے لیکن گندم کی روٹی سالن کے بغیر بھی کھائی جا سکتی ہے اس لئے اس میں سالن کی شرط نہیں۔

ایک مسکین کو ساٹھ دن کھانا کھلانا

(۱۵۴): [وَاِنْ اَطْعَمَ مِسْكِيْنًا وَّاحِدًا سِتِّيْنَ يَوْمًا اَجْزَاَهُ. وَاِنْ اَعْطَاهُ فِيْ يَوْمٍ وَاحِدٍ لَمْ يُجْزِهِ اِلَّا عَنْ يَوْمِهٖ] لِاَنَّ الْمَقْصُوْدَ سَدُّ خَلَّةِ الْمُحْتَاجِ وَالْحَاجَةُ تَتَجَدَّدُ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ. فَالدَّفْعُ اِلَيْهِ فِي الْيَوْمِ الثَّانِيْ كَالدَّفْعِ اِلٰى غَيْرِهٖ، وَهٰذَا فِي الْاِبَاحَةِ مِنْ غَيْرِ خِلَافٍ.

وَاَمَّا التَّمْلِيْكُ مِنْ مِسْكِيْنٍ وَاحِدٍ فِيْ يَوْمٍ وَاحِدٍ بِدَفَعَاتٍ. فَقَدْ قِيْلَ لَا يُجْزِئُهٗ. وَقَدْ قِيْلَ يُجْزِئُهٗ لِاَنَّ الْحَاجَةَ اِلَى التَّمْلِيْكِ تَتَجَدَّدُ فِيْ يَوْمٍ وَاحِدٍ. بِخِلَافِ مَا اِذَا دَفَعَ بِدَفْعَةٍ وَاحِدَةٍ. لِاَنَّ التَّفْرِيْقَ وَاجِبٌ بِالنَّصِّ. [وَاِنْ قَرُبَ الَّتِيْ ظَاهَرَ مِنْهَا فِيْ خِلَالِ الْاِطْعَامِ لَمْ يَسْتَاْنِفْ] لِاَنَّهٗ تَعَالٰى مَا شَرَطَ فِي الْاِطْعَامِ اَنْ يَّكُوْنَ قَبْلَ الْمَسِيْسِ. اِلَّا اَنَّهٗ يُمْنَعُ مِنَ الْمَسِيْسِ قَبْلَهٗ لِاَنَّهٗ رُبَّمَا يَقْدِرُ عَلَى الْاِعْتَاقِ اَوِ الصَّوْمِ فَيَقَعَانِ بَعْدَ الْمَسِيْسِ. وَالْمَنْعُ لِمَعْنًى فِيْ غَيْرِهٖ لَا يَعْدَمُ الْمَشْرُوْعِيَّةَ فِيْ نَفْسِهٖ.

ترجمہ: [اگر ایک مسکین کو ساٹھ دن کھانا کھلائے تو جائز ہے اور اگر اسے ایک ہی دن دے دے تو صرف ایک دن کا جائز ہوگا] کیونکہ مقصود، محتاج کی حاجت کو پورا کرنا ہے اور حاجت روزانہ کی بنیاد پر ہوتی ہے اس لئے دوسرے دن اسے دینا اسی طرح ہے جس طرح کسی دوسرے کو دیا ہو اور یہ صورت اباحت میں کسی اختلاف کے بغیر جائز ہے۔

اور کسی ایک مسکین کو ایک دن میں کئی بار دینے کے ساتھ مالک بنانا ہے تو کہا گیا ہے کہ یہ جائز نہیں اور یہ بھی کہا گیا کہ یہ جائز ہے اور کفایت کرتا ہے کیونکہ ایک دن میں مالک بنانے کی حاجت بار بار ہوتی ہے۔

بخلاف اس کے جب ایک ہی مرتبہ دے کیونکہ نص سے تفریق کا وجوب ثابت ہے۔۔۔

[اور اگر کھانا کھلانے کے دوران اس عورت کے قریب جائے جس سے ظہار کیا ہے تو نئے سرے سے کھلانا شروع نہ کرے] کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کھانا کھلانے کے بارے میں جماع سے پہلے ہونے کی شرط ذکر نہیں کی البتہ اس کو جماع سے منع کیا جائے گا کیونکہ بعض اوقات وہ غلام آزاد کرنے اور روزے رکھنے پر قادر ہو جاتا ہے تو یہ دونوں عمل جماع کے بعد ہو جائیں گے۔ اور جو منع غیر کی وجہ سے ہو وہ ذاتی طور پر مشروعیت (جواز) کو ختم نہیں کرتا۔

توضیح: پہلا مسئلہ: ظہار کے کفارے کی تیسری صورت ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے اس حوالے سے چند صورتیں ہیں:

(۱) ایک ہی مسکین کو ساٹھ دن کھانا کھلانا تو یہ جائز ہے کیونکہ یہ ساٹھ مسکینوں کے قائم مقام ہو جائے گا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ مسکین کی حاجت کو پورا کرنا مقصود ہے اور چونکہ ہر دن نئی حاجت ہوتی ہے لہٰذا یہ جب دوسرے دن دیا تو یہ اسی طرح ہے جیسے دوسرے آدمی کو دیا اور کھانا کھلانے (اباحت) میں اس پر سب کا اتفاق ہے۔

⌘ اگر ایک مسکین کو ایک ہی دن ساٹھ مسکینوں کا کھانا دیا تو صرف اسی دن کا جائز ہوگا کیونکہ اس دن کی حاجت پوری ہو گئی اور آئندہ کی ابھی حاجت نہیں۔

⌘ اگر ایک مسکین کو ایک دن میں بار بار دے کر مالک بنایا تو اس میں دو قول ہیں ایک قول کے مطابق جائز نہیں اور دوسرے قول کے مطابق جائز ہے کیونکہ ایک دن میں حاجت بار بار ہو سکتی ہے مثلاً پہلا مال خرچ کر دیا پھر ضرورت پڑ گئی۔

⌘ ایک دن میں ایک ہی بار دینا جائز نہیں کیونکہ نص میں تفریق کا ذکر ہے یعنی ساٹھ مسکینوں کو دینے کا حکم ہے اور ایک ہی مسکین کو دینے میں تفریق اس طرح ہوگی کہ بار بار دے ایک ہی بار نہ دے۔

دوسرا مسئلہ:

کفارۂ ظہار میں جب کھانا کھلایا جائے تو درمیان میں اگرچہ جماع سے بچنا چاہئے تاکہ مکمل کفارہ جماع سے پہلے ہو لیکن اگر جماع کر لیا تو نئے سرے سے کھانا کھلانے کی ضرورت نہیں--- کیونکہ قرآن پاک میں کھانا کھلانے میں یہ شرط نہیں رکھی گئی البتہ اس سے منع اس لئے کیا جاتا ہے کہ ہو سکتا ہے وہ غلام آزاد کرے یا روزے رکھنے پر قادر ہو جائے اور ان دونوں میں شرط ہے کہ کفارے کی ادائیگی سے پہلے جماع نہ ہو لہٰذا منع کیا جاتا ہے اور جو کہ کھانے کے دوران جماع کی ممانعت غیر کی وجہ سے ہوتی ہے لہٰذا اس سے جواز ختم نہیں ہوتا کیونکہ غیر کی وجہ سے ممانعت ذاتی طور پر جواز کے خلاف نہیں۔

دو ظہاروں کے کفارے میں ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا

(۱۵۳): [وَاِذَا اَطْعَمَ عَنْ ظِهَارَيْنِ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا كُلَّ مِسْكِيْنٍ صَاعًا مِنْ بُرٍّ لَمْ يُجْزِهٖ اِلَّا عَنْ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَاَبِيْ يُوْسُفَ . وَقَالَ مُحَمَّدٌ يُّجْزِئُهٗ عَنْهُمَا. وَاِنْ اَطْعَمَ ذٰلِكَ عَنْ اِفْطَارٍ وَظِهَارٍ اَجْزَاَهُ عَنْهُمَا] لَهٗ اَنَّ بِالْمُؤَدّٰى وَفَاءٌ بِهِمَا وَالْمَصْرُوْفُ اِلَيْهِ مَحَلٌّ لَّهُمَا فَيَقَعُ عَنْهُمَا كَمَا لَوِ اخْتَلَفَ السَّبَبُ اَوْ فَرَّقَ فِي الدَّفْعِ .

وَلَهُمَا اَنَّ النِّيَّةَ فِي الْجِنْسِ الْوَاحِدِ لَغْوٌ وَّفِي الْجِنْسَيْنِ مُعْتَبَرَةٌ. وَاِذَا لَغَتِ النِّيَّةُ وَالْمُؤَدّٰى يَصْلُحُ كَفَّارَةً وَّاحِدَةً لِاَنَّ نِصْفَ الصَّاعِ اَدْنَى الْمَقَادِيْرِ فَيَمْنَعُ النُّقْصَانَ دُوْنَ الزِّيَادَةِ فَيَقَعُ عَنْهَا كَمَا اِذَا نَوٰى اَصْلَ الْكَفَّارَةِ بِخِلَافِ مَا اِذَا فَرَّقَ فِي الدَّفْعِ لِاَنَّهٗ فِي الدَّفْعَةِ الثَّانِيَةِ فِيْ حُكْمِ مِسْكِيْنٍ اٰخَرَ

ترجمہ: [اور جب دو ظہاروں سے ساٹھ مسکینوں کو کھانا دے یعنی ہر مسکین کو ایک صاع گندم دے تو ان میں سے ایک ظہار سے جائز ہوگا یہ حضرت امام ابو حنیفہ اور حضرت امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک ہے۔ اور حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دونوں کفاروں کی طرف سے کفایت کرے گا۔ اور اگر یہ کھانا ظہار اور روزہ توڑنے کے کفارہ سے دے تو دونوں کی

طرف سے جائز ہوگا]

حضرت امام محمد ﷫ کی دلیل یہ ہے کہ جو کچھ ادا کیا گیا وہ ان کے لئے پورا ہے اور جہاں خرچ کیا گیا وہ اس کا محل ہے لہٰذا دونوں کی طرف سے واقع ہوگا جس طرح سبب مختلف ہو (جیسے ظہار اور روزہ توڑنا) یا متفرق طور پر دے تو جائز ہے۔

شیخین کی دلیل یہ ہے کہ ایک جنس میں نیت لغو ہے اور دو جنسوں میں معتبر ہے اور جب نیت لغو ہو گئی اور جس کی ادائیگی ہوئی وہ ایک کفارہ کی صلاحیت رکھتا ہے کیونکہ نصف صاع ادنیٰ مقدار ہے تو کمی منع ہوگی زیادتی نہیں لہٰذا اس ایک کی طرف سے ادا ہوگا جس طرح اصل کفارہ کی نیت کرے بخلاف اس کے جب متفرق طور پر ادا کرے کیونکہ دوسری مرتبہ دینا دوسرے مسکین کے حکم میں ہے۔

توضیح: کسی شخص کے ذمے ظہار کے دو کفارے ہوں مثلاً دو بیویوں سے ظہار کیا اب وہ ان دونوں کی طرف سے بطور کفارہ ساٹھ مسکینوں کو اس طرح کھانا دیتا ہے کہ ہر مسکین کو ایک صاع گندم دیتا ہے (کیونکہ ایک کفارہ میں نصف صاع ہے) تو حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام ابو یوسف ﷭ کے نزدیک صرف ایک کفارے کی طرف سے ادائیگی ہوگی۔

حضرت امام محمد ﷫ فرماتے ہیں: دونوں ظہاروں کا کفارہ ادا ہو جائے گا۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ جو کچھ ادا کیا وہ دونوں کے لئے پورا ہوتا ہے اور جس کو دیا یعنی مسکین کو دیا تو وہ دونوں کفاروں کا محل اور مصرف ہے لہٰذا دونوں کی طرف سے ادا ہوگا۔

جس طرح دونوں کفاروں کا سبب مختلف ہو جیسے ظہار کا کفارہ اور روزہ توڑنے کا کفارہ تو اس طریقے پر دیا گیا غلہ دونوں کی طرف سے ادا ہو جاتا ہے۔ اور دو مختلف کفاروں کی ادائیگی پر سب کا اتفاق ہے اسی طرح اگر متفرق طور پر دے اکٹھا ایک صاع نہ دے تو بھی ادا ہو جاتا ہے۔

شیخین ﷮ فرماتے ہیں: ایک جنس میں نیت غیر معتبر ہے کیونکہ دو جنسوں کو ایک دوسرے کو ممتاز کرنے کے لئے ہوتی ہے اور یہاں ایک ہی جنس یعنی ظہار کا کفارہ ہے لہٰذا نیت لغو ہو جائے گی جب نیت لغو ہو گئی تو جو کچھ ادا کیا وہ ایک کفارے کی بھی صلاحیت رکھتا ہے کیونکہ نصف صاع ادنیٰ مقدار ہے اس سے کم ادا کرنا جائز نہیں زیادہ ادا کرنے میں کوئی حرج نہیں گویا ایک مسکین کو نصف کی بجائے ایک صاع ایک کفارے میں دیا۔ اس لئے وہ ایک ظہار سے ہوگا جس طرح محض کفارے کی نیت کرے تو ایک سے ہی ادا ہوتا ہے۔

جہاں تک ادائیگی میں تفریق کا تعلق ہے یعنی ایک صاع تقسیم کر کے دو مرتبہ دیا تو یہ جائز ہے کیونکہ دوسری مرتبہ دینا گویا دوسرے مسکین کو دینا ہے۔

ظہار کے دو کفاروں میں غیر متعین ادائیگی

(۱۵۴): [وَمَنْ وَجَبَتْ عَلَيْهِ كَفَّارَتَا ظِهَارٍ فَأَعْتَقَ رَقَبَتَيْنِ لَا يَنْوِي عَنْ إِحْدَاهُمَا بِعَيْنِهَا

جَازَ عَنْهُمَا. وَكَذَا إِذَا صَامَ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ أَوْ أَطْعَمَ مِائَةً وَعِشْرِينَ مِسْكِينًا جَازَ] لِأَنَّ الْجِنْسَ مُتَّحِدٌ فَلَا حَاجَةَ إِلَى نِيَّةٍ مُعَيَّنَةٍ [وَإِنْ أَعْتَقَ عَنْهُمَا رَقَبَةً وَاحِدَةً أَوْ صَامَ شَهْرَيْنِ كَانَ لَهُ أَنْ يَجْعَلَ ذٰلِكَ عَنْ أَيِّهِمَا شَاءَ. وَإِنْ أَعْتَقَ عَنْ ظِهَارٍ وَقَتْلٍ لَمْ يَجُزْ عَنْ وَاحِدٍ مِنْهُمَا] وَقَالَ زُفَرُ: لَا يُجْزِيهِ عَنْ أَحَدِهِمَا فِي الْفَصْلَيْنِ.

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: لَهُ أَنْ يَجْعَلَ ذٰلِكَ عَنْ أَحَدِهِمَا فِي الْفَصْلَيْنِ لِأَنَّ الْكَفَّارَاتِ كُلَّهَا بِاعْتِبَارِ اتِّحَادِ الْمَقْصُودِ جِنْسٌ وَاحِدٌ.

وَجْهُ قَوْلِ زُفَرَ أَنَّهُ أَعْتَقَ عَنْ كُلِّ ظِهَارٍ نِصْفَ الْعَبْدِ، وَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَجْعَلَ عَنْ أَحَدِهِمَا بَعْدَمَا أَعْتَقَ عَنْهُمَا لِخُرُوجِ الْأَمْرِ مِنْ يَدِهِ.

وَلَنَا أَنَّ نِيَّةَ التَّعْيِينِ فِي الْجِنْسِ الْمُتَّحِدِ غَيْرُ مُفِيدٍ فَتَلْغُو. وَفِي الْجِنْسِ الْمُخْتَلِفِ مُفِيدَةٌ. وَاخْتِلَافُ الْجِنْسِ فِي الْحُكْمِ وَهُوَ الْكَفَّارَةُ هَاهُنَا بِاخْتِلَافِ السَّبَبِ.

نَظِيرُ الْأَوَّلِ إِذَا صَامَ يَوْمًا فِي قَضَاءِ رَمَضَانَ عَنْ يَوْمَيْنِ يُجْزِيهِ عَنْ قَضَاءِ يَوْمٍ وَاحِدٍ وَنَظِيرُ الثَّانِي إِذَا كَانَ عَلَيْهِ صَوْمُ الْقَضَاءِ وَالنَّذْرِ فَإِنَّهُ لَا بُدَّ فِيهِ مِنَ التَّمْيِيزِ. وَاللّٰهُ أَعْلَمُ

ترجمہ: [اور جس شخص پر ظہار کے دو کفارے واجب ہوں پس وہ دو غلام آزاد کرے اور ان میں سے کسی ایک کو معین کر کے اس کی نیت نہ کرے تو دونوں کی طرف سے جائز ہے ـــ اور اسی طرح جب چار مہینوں کے روزے رکھے یا ایک سو بیس مسکینوں کو کھانا کھلائے تو جائز ہے] کیونکہ جنس متحد ہے لہٰذا معین کرنے کی نیت ضروری نہیں۔

[اور اگر ان دونوں کی طرف سے ایک غلام آزاد کرے یا دو مہینے روزہ رکھے تو اس کے لئے جائز ہے کہ ان میں سے کسی ایک کے لئے قرار دے جس کے لئے چاہے۔ اور اگر ظہار اور قتل کا کفارہ دے تو ان میں سے ایک کی طرف سے بھی نہیں ہوگا]

حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: دونوں صورتوں میں کسی ایک کی طرف سے بھی نہیں ہوگا۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس کے لئے جائز ہے کہ وہ دونوں صورتوں میں اسے جس کے لئے چاہے متعین کرے کیونکہ مقصود کے اتحاد کی وجہ سے تمام کفارے ایک ہی جنس ہیں۔

حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ اس نے ہر ظہار کی طرف سے نصف غلام آزاد کیا اور جب اس نے دونوں کی طرف سے ادا کر دیا تو اب وہ ان تین سے کسی ایک کی طرف سے قرار نہیں دے سکتا۔ کیونکہ معاملہ اس کے ہاتھ سے نکل گیا ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ جنس متحد میں تعین کی نیت غیر مفید ہے لہٰذا لغو ہو جائے گی اور مختلف جنسوں میں مفید

ہے ——اور یہاں حکم میں جنس یعنی کفارہ کا اختلاف سبب کے اختلاف سے ہے ——

پہلے مسئلہ کی نظیر اس طرح ہے کہ جب ماہ رمضان کے دوروزوں کی قضا کے لئے ایک دن روزہ رکھے تو وہ ایک ہی دن کی قضا ہوگی۔ اور دوسرے مسئلہ کی مثال اس طرح ہے کہ جب اس کے ذمے قضا اور نذر کا روزہ ہو تو اس کے لئے تمیز کرنا ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔

توضیح: کسی شخص پر ظہار کے دو کفارے واجب ہو گئے اس نے دو غلام آزاد کئے یا چار ماہ کے روزے رکھے یا ایک سو بیس مسکینوں کو کھانا کھلایا لیکن ان میں تعین نہیں کیا کہ یہ غلام یا یہ دو مہینے یا یہ ساٹھ مسکین فلاں کفارے کی طرف سے اور دوسرے فلاں کفارے کی طرف سے ہیں تو دونوں ظہاروں کا کفارہ ادا ہو جائے گا کیونکہ دونوں ایک ہی جنس سے ہیں یعنی دونوں ظہار کے کفارے ہیں اس لئے متعین کرنے کی ضرورت نہیں۔

اگر دو کفاروں کی طرف سے ایک غلام آزاد کرے یا دو مہینوں کے روزے رکھے (یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے) تو چونکہ یہ صرف ظہار کا کفارہ ہے تو اسے اختیار ہے کہ وہ اسے جس ظہار کے لئے چاہے اس کی طرف سے کر دے —— کیونکہ دونوں کفاروں کی جنس متحد ہے اور کفارہ صرف ایک ہی ظہار کا ہے۔

اور اگر غلام کی آزادی ظہار کے کفارہ اور قتل کے کفارہ سے ہو تو کسی ایک کی طرف سے بھی نہیں ہوگا —— اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلی صورت میں جنس متحد ہے لہٰذا نیت کی ضرورت نہیں جبکہ دوسری صورت میں دونوں کفاروں کی جنس مختلف ہے کیونکہ ان کا سبب مختلف ہے ایک ظہار کا کفارہ ہے اور دوسرا قتل کا کفارہ ہے لہٰذا یہاں متعین کرنا ضروری ہے جب اس نے کسی ایک کی نیت نہ کی تو ایک کی ادائیگی بھی نہیں ہوگی اس کی مثال یوں ہے کہ ایک شخص پر ماہ رمضان کے دوروزوں کی قضا تھی اس نے ایک روزہ رکھا تو ایک دن کی قضاء ہوگئی وہ جس دن کی طرف سے چاہے کر سکتا ہے۔

اور اگر رمضان کی قضاء اور نذر کا روزہ ہو تو اس میں امتیاز کرنا ضروری ہے اس مسئلہ میں حضرت امام زفر اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما کا دیگر ائمہ سے اختلاف ہے۔

امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: دونوں مسئلوں میں کسی ایک کی طرف سے ادائیگی نہیں ہوگی ان کی دلیل یہ ہے کہ اس نے ہر ظہار سے نصف غلام آزاد کیا اور اب آزاد کرنے کے بعد اسے متعین کرنے کا اختیار نہیں۔

نوٹ: یہ اس مسئلہ میں ہے جب دو ظہاروں یا ایک ظہار اور ایک قتل کا ایک ہی کفارہ ادا کرے ——

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: دونوں صورتوں میں یعنی جنس ایک ہو (دونوں ظہار کے کفارے ہوں) یا جنس مختلف ہو (ایک ظہار کا اور دوسرا قتل کا کفارہ ہو) اور ایک کفارہ ادا کرے تو وہ اسے جس کی طرف سے چاہے متعین کر سکتا ہے کیونکہ تمام کفارات ایک ہی جنس ہیں کیونکہ ان کا مقصود ایک ہی ہے۔

بَابُ اللِّعَانِ

باب: لعان کا بیان

لعان کب ہوگا؟

(۱۵۵): قَالَ [اِذَا قَذَفَ الرَّجُلُ امْرَاَتَهُ بِالزِّنَا وَهُمَا مِنْ اَهْلِ الشَّهَادَةِ وَالْمَرْاَةُ مِمَّنْ يُحَدُّ قَاذِفُهَا اَوْ نَفَى نَسَبَ وَلَدِهَا وَطَالَبَتْهُ بِمُوْجِبِ الْقَذْفِ فَعَلَيْهِ اللِّعَانُ] وَالْاَصْلُ اَنَّ اللِّعَانَ عِنْدَنَا شَهَادَاتٌ مُؤَكَّدَاتٌ بِالْاَيْمَانِ مَقْرُوْنَةٌ بِاللَّعْنِ قَائِمَةٌ مَقَامَ حَدِّ الْقَذْفِ فِيْ حَقِّهٖ وَمَقَامَ حَدِّ الزِّنَا فِيْ حَقِّهَا لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى: ﴿وَ لَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ﴾ وَالِاسْتِثْنَاءُ اِنَّمَا يَكُوْنُ مِنَ الْجِنْسِ. وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ﴾ (فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللّٰهِ) نَصٌّ عَلَى الشَّهَادَةِ وَالْيَمِيْنِ فَقُلْنَا الرُّكْنُ هُوَ الشَّهَادَةُ الْمُؤَكَّدَةُ بِالْيَمِيْنِ. ثُمَّ قَرَنَ الرُّكْنَ فِيْ جَانِبِهٖ بِاللَّعْنِ لَوْ كَانَ كَاذِبًا وَهُوَ قَائِمٌ مَقَامَ حَدِّ الْقَذْفِ وَفِيْ جَانِبِهَا بِالْغَضَبِ وَهُوَ قَائِمٌ مَقَامَ حَدِّ الزِّنَا. اِذَا ثَبَتَ هٰذَا نَقُوْلُ لَا بُدَّ اَنْ يَّكُوْنَا مِنْ اَهْلِ الشَّهَادَةِ لِاَنَّ الرُّكْنَ فِيْهِ الشَّهَادَةُ وَلَا بُدَّ اَنْ تَكُوْنَ هِيَ مِمَّنْ يُحَدُّ قَاذِفُهَا لِاَنَّهٗ قَائِمٌ فِيْ حَقِّهٖ مَقَامَ حَدِّ الْقَذْفِ فَلَا بُدَّ مِنْ اِحْصَانِهَا. وَيَجِبُ بِنَفْيِ الْوَلَدِ لِاَنَّهٗ لَمَّا نَفَى وَلَدَهَا صَارَ قَاذِفًا لَهَا ظَاهِرًا وَلَا يُعْتَبَرُ اِحْتِمَالُ اَنْ يَّكُوْنَ الْوَلَدُ مِنْ غَيْرِهٖ بِالْوَطْيِ مِنْ شُبْهَةٍ. كَمَا اِذَا نَفَى اَجْنَبِيٌّ نَسَبَهٗ عَنْ اَبِيْهِ الْمَعْرُوْفِ. وَهٰذَا لِاَنَّ الْاَصْلَ فِي النَّسَبِ الْفِرَاشُ الصَّحِيْحُ وَالْفَاسِدُ مُلْحَقٌ بِهٖ.
فَنَفْيُهٗ عَنِ الْفِرَاشِ الصَّحِيْحِ قَذْفٌ حَتّٰى يَظْهَرَ الْمُلْحَقُ بِهٖ

ترجمہ: امام قدوری رحمہ اللہ نے فرمایا [اور جب کوئی شخص اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگائے اور وہ دونوں گواہی دینے کے اہل ہوں اور عورت ان لوگوں میں سے ہو جس پر الزام لگانے والے کو حد لگائی جاسکتی ہے یا مرد اس کے بچے کے نسب کی نفی کرے اور عورت اس سے قذف کی موجب (قذف کی سزا) کا مطالبہ کرے تو اس پر لعان لازم ہوگا]

اس سلسلے میں اصل یہ ہے کہ ہمارے نزدیک لعان ایسی گواہیاں ہیں جو قسم کے ساتھ مؤکد ہیں اور ان کے ساتھ لفظ لعنت ملا ہوا ہوتا ہے یہ مرد کے حق میں قذف کی حد کے قائم مقام اور عورت کے حق میں حد زنا کے قائم مقام ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے:

وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ ❶

ترجمہ: اور ان کے پاس ان کی ذات کے علاوہ کوئی گواہ نہ ہوں)

اور استثناء جنس سے ہوتی ہے اور ارشاد خداوندی ہے:

فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ ❷

ترجمہ: پس ان میں سے ایک کی گواہی چار مرتبہ اللہ کے نام کے ساتھ گواہی ہے۔

تو شہادت اور قسم نص قرآنی سے ثابت ہے لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ (لعان کا) رکن ایسی شہادت ہے جس کی تاکید قسم کے ساتھ کی گئی پھر اس رکن کو مرد کی جانب لعنت کے ساتھ ملایا گیا اگر وہ جھوٹا ہو اور یہ حد قذف کے قائم مقام ہے۔

اور عورت کی جانب غضب کے ساتھ ملایا گیا اور یہ حد زنا کے قائم مقام ہے۔

پس جب یہ بات ثابت ہوگئی تو ہم کہتے ہیں کہ ان دونوں (مرد و عورت) کا اہل شہادت سے ہونا ضروری ہے کیونکہ اس میں شہادت رکن ہے اور ضروری ہے کہ عورت ایسی عورتوں میں سے ہو جن کے قذف کرنے والے کو حد لگائی جاتی ہے کیونکہ مرد کے حق میں یہ (لعان) حد قذف کے قائم مقام ہے اور عورت کا محصنہ ہونا ضروری ہے اور (بچے کی نفی کی وجہ لعان واجب ہے، کیونکہ جب اس عورت کے بچے کی نفی کی تو ظاہری طور پر وہ قاذف ہوگیا اور محض احتمال کافی نہیں کہ یہ بچہ وطی بالشبہ کے ذریعے کسی اور کا ہو جس طرح کوئی اجنبی شخص اپنے معروف باپ سے اپنے نسب کی نفی کرے۔

اور یہ اس لئے کہ نسب میں اصل یہ ہے کہ فراش صحیح ہو اور فاسد فراش (جیسے وطی بالشبہ) کو اس کے ساتھ ملایا گیا۔

توضیح: اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے علاوہ کسی عورت پر زنا کا الزام لگائے تو دو صورتیں ہیں اگر وہ چار گواہوں کی گواہی سے یہ الزام ثابت کر دے تو عورت کو حد زنا لگائی جائے گی اور اگر ثابت نہ کر سکے تو الزام لگانے والے پر حد قذف نافذ کی جائے گی، لیکن اگر یہ معاملہ میاں بیوی کا ہو تو نہ حد قذف ہوتی ہے نہ حد زنا بلکہ لعان ہوتا ہے۔

لعان، لَاعَنَ يُلَاعِنُ سے مصدر ہے جس کا معنی دور کرنا اسی لئے لعنت کرنا رحمت سے دوری کی بددعا دینا ہے۔

اور شرعی طور پر ایسی عبارت جو میاں بیوی کے درمیان چار مرتبہ شہادت اور لعنت اور غضب کے الفاظ کے ساتھ جاری ہوتی ہے اسے لعان کہتے ہیں لعان کب ہوتا ہے تو اس سلسلے میں درج ذیل امور کو پیش نظر رکھا جاتا ہے:

1. مرد اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگائے یا اس سے پیدا ہونے والے بچے کو اپنا بچہ ماننے سے انکار کرے۔
2. مرد اور عورت دونوں اہل شہادت سے ہوں یعنی عدالت میں ان کی گواہی قبول کی جاتی ہو۔

---

❶ سورہ نور، آیت: ٦ ❷ ایضاً

۳ اور عورت مطالبہ کرے کہ اس کے خاوند پر وہ بات لازم کی جائے جو جھوٹا الزام لگانے سے لازم آتی ہے۔
تو اب مرد پر لعان کرنا لازم ہو جائے گا۔

نوٹ: جیسے پہلے بیان ہوا مرد اور عورت چار چار مرتبہ لفظ شہادت استعمال کریں اور پانچویں مرتبہ مرد کہے کہ اگر وہ جھوٹا ہے تو اس پر لعنت ہو اور عورت پانچویں مرتبہ کہے اگر وہ مرد سچا ہے تو اس یعنی عورت پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہو۔

لعان مرد کے حق میں حد قذف کے قائم مقام ہوتا ہے یعنی اگر یہ اس عورت کا خاوند نہ ہوتا تو اس پر حد قذف نافذ ہوتی اور عورت کے حق میں حد زنا ہے یعنی اگر یہ اس کی بیوی نہ ہوتی تو ثبوت زنا کی صورت میں اس پر زنا کی حد نافذ کی جاتی۔

اس کی دلیل قرآن پاک کی یہ آیت ہے ارشاد خداوندی ہے:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ[1]

اور وہ لوگ جو اپنی بیویوں پر الزام لگاتے ہیں اور اس پر صرف وہ خود ہی گواہ ہیں اور کوئی گواہ نہیں تو ان میں سے ایک کی شہادت چار شہادتیں ہیں اور استثناء مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہوتی ہے مقصد یہ ہے کہ اس صورت میں چار گواہ چاہتے تھے اور جب نہیں تو مرد خود چار مرتبہ گواہی دے کہ وہ سچا ہے اور چونکہ تہمت کا خطرہ ہوتا ہے لہٰذا تہمت کو دور کرنے کے لئے اس شہادت کی قسموں کے ذریعے تاکید کی گئی ــــ

لہٰذا لعان کا رکن قسم کے ساتھ مؤکد شہادت ہے اسی لئے مرد اور عورت کے لئے شہادت کا اہل ہونا ضروری قرار دیا گیا اور چونکہ لعان مرد کے لئے حد قذف کے قائم مقام ہے لہٰذا اس کے لئے ضروری ہے کہ پانچویں مرتبہ وہ کہے کہ اگر وہ جھوٹا ہے تو اس پر لعنت ہو۔

اسی طرح لعان عورت کے لئے حد زنا کے قائم مقام ہے اس لئے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ پانچویں مرتبہ وہ کہے کہ اگر وہ مرد سچا ہے تو اس پر (یعنی اپنے بارے میں کہے) اللہ تعالیٰ کا غضب ہو۔

عورت کا اس حالت میں ہونا بھی لعان کے لئے ضروری ہے کہ اس کے قاذف کو حد لگائی جا سکتی ہو کیونکہ مرد کے حق میں لعان حد قذف کے قائم مقام ہے یعنی عورت پاکدامن ہو۔

یہ بھی ضروری ہے کہ جب بچے کے نسب کی نفی کرے تو صریح الفاظ میں کہے محض احتمال نہ ہو جیسے کسی عورت سے شبہ میں وطی کی گئی اور بچہ پیدا ہوا یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی اجنبی آدمی کسی بچے کے معروف باپ سے اس کے نسب کی نفی کرے تو یہ نفی قطعی اور صریح نہیں۔

کیونکہ ضابطہ یہ ہے کہ بچہ اسی کا ہوتا ہے وہ عورت جس کی منکوحہ ہوتی ہے اور نکاح صحیح ہوا ہوتا ہے اس کو فراش صحیح کہتے ہیں اور نکاح فاسد کا اس کے ساتھ الحاق ہوتا ہے۔

لہٰذا صحیح نکاح سے بچے کی نفی سے بعض اوقات نکاح فاسد کے ساتھ اس کا ثبوت ہوتا ہے۔

مبسوط میں ہے کہ وطی بالشبہ سے پیدا ہونے والے بچے کا نسب (باپ سے) ثابت ہوتا ہے لہٰذا یہ زنا نہیں جب نسب

ثابت نہ ہوتو وہ زنا کہلائے گا۔ اس لئے جب خاوند اس بچے کی نفی کرتا ہے تو یہ قذف ہوگا۔

لعان کے لئے عورت کا مطالبہ شرط ہے

(۱۵۶): وَيُشْتَرَطُ طَلَبُهَا لِاَنَّهُ حَقُّهَا فَلَا بُدَّ مِنْ طَلَبِهَا كَسَائِرِ الْحُقُوْقِ [فَاِنِ امْتَنَعَ مِنْهُ حَبَسَهُ الْحَاكِمُ حَتّٰى يُلَاعِنَ اَوْ يُكَذِّبَ نَفْسَهُ] لِاَنَّهُ حَقٌّ مُسْتَحَقٌّ عَلَيْهِ وَهُوَ قَادِرٌ عَلٰى اِيْفَائِهِ فَيُحْبَسُ بِهِ حَتّٰى يَأْتِيَ بِمَا هُوَ عَلَيْهِ اَوْ يُكَذِّبَ نَفْسَهُ لِيَرْتَفِعَ السَّبَبُ [وَلَوْ لَاعَنَ وَجَبَ عَلَيْهَا اللِّعَانُ] لِمَا تَلَوْنَا مِنَ النَّصِّ اِلَّا اَنَّهُ يُبْتَدَاُ بِالزَّوْجِ لِاَنَّهُ هُوَ الْمُدَّعِيْ [فَاِنِ امْتَنَعَتْ حَبَسَهَا الْحَاكِمُ حَتّٰى تُلَاعِنَ اَوْ تُصَدِّقَهُ] لِاَنَّهُ حَقٌّ مُسْتَحَقٌّ عَلَيْهَا وَهِيَ قَادِرَةٌ عَلٰى اِيْفَائِهِ فَتُحْبَسُ فِيْهِ.

ترجمہ: اور (لعان کے لئے) عورت کا مطالبہ شرط ہے کیونکہ وہ اس کا حق ہے اس لئے باقی تمام حقوق کی طرح اس کا مطالبہ بھی ضروری ہے [پس اگر خاوند اس پر آمادہ نہ ہو تو حاکم اسے قید کردے حتیٰ کہ وہ لعان کرے یا اپنے آپ کو جھوٹا قرار دے]

کیونکہ یہ ایسا حق ہے جو اس کے ذمہ ہے اور وہ اسے پورا کرنے پر قادر بھی ہے لہٰذا اس وجہ سے اسے قید کیا جائے حتیٰ کہ وہ اپنی ذمہ داری کو پورا کرے یا اپنے آپ کو جھٹلائے تاکہ (لعان کا) سبب ختم ہو جائے۔

[اور اگر مرد لعان کرے تو عورت پر بھی لعان واجب ہو جائے گا]

جس طرح ہم نے آیت قرآنی ذکر کی ہے مگر یہ کہ ابتداء خاوند سے کی جائے کیونکہ دعویٰ کرنے والا وہی ہے۔

[اور اگر عورت رک جائے تو حاکم اسے قید کرے حتیٰ کہ وہ لعان کرے یا مرد کی تصدیق کرے] کیونکہ یہ مرد کا عورت کے ذمے حق ہے اور وہ اس کو پورا کرنے پر قادر بھی ہے۔

توضیح: مسئلہ واضح ہے اس میں تین باتیں ہیں:

ایک یہ کہ عورت کے مطالبہ پر لعان ہوگا اگر وہ نہیں چاہتی تو نہیں ہوگا دوسری بات یہ کہ لعان کے مطالبہ کے بعد مرد یا عورت جو بھی لعان سے انکار کرے اسے حاکم قید کرے کیونکہ وہ دوسرے فریق کا حق دینے سے انکار کر رہا ہے یا وہ اپنے آپ کو جھوٹا قرار دیں ـــــ کیونکہ وہ لعان پر قادر ہونے کے باوجود (لعان نہیں) کر رہے۔ لعان میں مرد کی طرف سے ابتدا ہوتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مدعی وہی ہے اور دعویٰ پہلے ہوتا ہے۔

جب لعان کی جگہ حد نافذ ہو

(۱۵۷): [وَاِذَا كَانَ الزَّوْجُ عَبْدًا اَوْ كَافِرًا اَوْ مَحْدُوْدًا فِيْ قَذْفٍ فَقَذَفَ امْرَاَتَهُ فَعَلَيْهِ الْحَدُّ]

لِاَنَّهُ تَعَذَّرَ اللِّعَانُ لِمَعْنًى مِنْ جِهَتِهٖ فَيُصَارُ اِلَى الْمُوْجَبِ الْاَصْلِيِّ وَهُوَ الثَّابِتُ بِقَوْلِهٖ تَعَالٰى: ﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ﴾ الْاٰيَةَ. وَاللِّعَانُ خَلَفٌ عَنْهُ

ترجمہ: [اور جب خاوند غلام یا کافر ہو یا اسے حد قذف لگائی گئی ہو اور وہ اپنی بیوی پر جھوٹا الزام لگائے تو اس (مرد) پر حد ہوگی] کیونکہ مرد کی جہت سے لعان متعذر ہو گیا تو موجب اصلی کی طرف لوٹنا ہوگا اور وہ اس ارشاد خداوندی سے ثابت ہے:

وَ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّ لَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ [1]

ترجمہ: اور وہ لوگ جو پاکدامن عورتوں پر الزام لگاتے ہیں اور ان کے پاس گواہ نہ ہوں تو انہیں اسی کوڑے لگائے جائیں اور ان کی گواہی کبھی بھی قبول نہ کی جائے۔

اور لعان اس کا (یعنی حد قذف کا) نائب ہے۔

توضیح: چونکہ لعان کے لئے ضروری ہے کہ عورت اور مرد شہادت یعنی گواہی دینے کے اہل ہوں یہ تینوں شہادت کے اہل نہیں کافر اور غلام تو کفر اور غلامی کی وجہ سے اور جس کو پہلے قذف کی حد لگ چکی ہو قرآنی فیصلے کے مطابق وہ ہمیشہ کے لئے شہادت کے معاملے میں نااہل ہو گیا۔

لہٰذا جب ان لوگوں میں سے کوئی اپنی بیوی پر الزام لگائے تو لعان نہیں ہوگا اور اصل سزا یعنی حد قذف نافذ ہوگی کیونکہ لعان اس کا نائب ہے۔

نوٹ: خاوند جب عورت کا گناہ ثابت نہ کر سکے تو حد نافذ ہوگی اور وہ اسی کوڑے ہیں۔

مرد اہل شہادت ہو اور بیوی اہل شہادت نہ ہو

(۱۵۸): [وَاِنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ الشَّهَادَةِ وَهِيَ اَمَةٌ اَوْ كَافِرَةٌ اَوْ مَحْدُوْدَةٌ فِيْ قَذْفٍ اَوْ كَانَتْ مِمَّنْ لَا يُحَدُّ قَاذِفُهَا] بِاَنْ كَانَتْ صَبِيَّةً اَوْ مَجْنُوْنَةً اَوْ زَانِيَةً [فَلَا حَدَّ عَلَيْهِ وَلَا لِعَانَ] لِانْعِدَامِ اَهْلِيَّةِ الشَّهَادَةِ وَعَدَمِ الْاِحْصَانِ فِيْ جَانِبِهَا وَامْتِنَاعِ اللِّعَانِ لِمَعْنًى مِنْ جِهَتِهَا فَيَسْقُطُ الْحَدُّ كَمَا اِذَا صَدَّقَتْهُ. وَالْاَصْلُ فِيْ ذٰلِكَ قَوْلُهٗ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ

«اَرْبَعَةٌ لَا لِعَانَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ اَزْوَاجِهِمْ: اَلْيَهُوْدِيَّةُ وَالنَّصْرَانِيَّةُ تَحْتَ الْمُسْلِمِ، وَالْمَمْلُوْكَةُ تَحْتَ الْحُرِّ. وَالْحُرَّةُ تَحْتَ الْمَمْلُوْكِ» وَلَوْ كَانَا مَحْدُوْدَيْنِ فِيْ قَذْفٍ فَعَلَيْهِ الْحَدُّ لِاَنَّ امْتِنَاعَ اللِّعَانِ بِمَعْنًى مِنْ جِهَتِهٖ اِذْ هُوَ لَيْسَ مِنْ اَهْلِهٖ

---

[1] سورۂ نور، آیت: ۴

ترجمہ: [اور اگر مرد اہل شہادت لوگوں میں سے ہو اور بیوی لونڈی یا کافرہ ہو یا اسے قذف کی حد لگ چکی ہو یا وہ ایسی عورت ہو جس کے قاذف کو حد نہیں لگائی جاتی] مثلاً وہ بچی ہو یا مجنون یا زانیہ ہو ـــــ [تو مرد پر حد بھی نافذ نہیں ہوگی اور لعان بھی نہیں ہوگا]

کیونکہ عورت اہل شہادت میں سے بھی نہیں اور **محصنہ** (پاکدامن) بھی نہیں اور عورت کی وجہ سے لعان میں رکاوٹ ہے لہٰذا حد ساقط ہو جائے گی جس طرح اگر عورت مرد کی تصدیق کرے (تو حد ساقط ہو جاتی ہے)

اس سلسلے میں ضابطہ رسول اکرم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے:

أَرْبَعَةٌ لَّا لِعَانَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ أَزْوَاجِهِمْ: الْيَهُودِيَّةُ وَالنَّصْرَانِيَّةُ تَحْتَ الْمُسْلِمِ. وَالْمَمْلُوكَةُ تَحْتَ الْحُرِّ. وَالْحُرَّةُ تَحْتَ الْمَمْلُوكِ [1]

ترجمہ: چار لوگ ایسے ہیں کہ ان کے اور ان کی بیویوں کے درمیان لعان نہیں ہوتا، یہودی اور نصرانی عورت جو کسی مسلمان کے نکاح میں ہوں اور لونڈی جو کسی آزاد آدمی کے نکاح میں ہو، اور آزاد عورت جو غلام کے نکاح میں ہو۔"

اور اگر مرد اور عورت دونوں کو قذف کی حد لگ چکی ہو تو اب مرد کو حد لگے گی کیونکہ لعان میں رکاوٹ مرد کی جانب سے ہے کیونکہ وہ اس کا اہل نہیں ہے۔"

توضیح: اگر مرد اہل شہادت سے ہے لیکن بیوی اہل شہادت سے نہیں مثلاً وہ لونڈی یا کافرہ ہے یا اسے پہلے حد قذف لگ چکی ہے یا وہ ایسی عورت ہے کہ اس کے قاذف کو حد نہیں لگائی جا سکتی مثلاً وہ نابالغہ ہے یا پاگل ہے یا زانیہ ہے۔

تو اس صورت میں حد اور لعان دونوں ساقط ہو جائیں گے کیونکہ اب لعان میں رکاوٹ عورت کی طرف سے ہے کیونکہ وہ اہل شہادت سے بھی نہیں اور اس کی حالت ایسی ہے کہ اس کے قاذف کو حد نہیں لگائی جا سکتی تو یہ اسی طرح ہے جیسے وہ مرد کی طرف سے لگائے گئے الزام کی تصدیق کرے۔

اس کی دلیل سرکار دو عالم ﷺ کا ارشاد گرامی چند سطور پہلے گزر چکا ہے۔

دوسرا مسئلہ:

یہ ہے کہ مرد اور عورت دونوں کو پہلے کسی مرحلے پر حد قذف لگائی گئی ہے تو اب مرد اگر عورت پر الزام لگاتا ہے اور ثابت نہیں کر سکتا تو اس پر حد قذف ہوگی کیونکہ لعان میں رکاوٹ مرد کی جانب سے ہے کہ وہ اس کا اہل نہیں اس کی گواہی ہمیشہ کے لئے ناقابل قبول ہے۔

---

[1] ابن ماجہ کتاب الطلاق، باب اللعان، حدیث: ۲۰۷۱

لعان کا طریقہ

(۱۵۹): [وَصِفَةُ اللِّعَانِ اَنْ يَّبْتَدِئَ الْقَاضِىْ بِالزَّوْجِ فَيَشْهَدُ اَرْبَعَ مَرَّاتٍ يَقُوْلُ فِىْ كُلِّ مَرَّةٍ اَشْهَدُ بِاللّٰهِ اِنِّىْ لَمِنَ الصَّادِقِيْنَ فِيْمَا رَمَيْتُهَا بِهٖ مِنَ الزِّنَا. وَيَقُوْلُ فِى الْخَامِسَةِ لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكَاذِبِيْنَ فِيْمَا رَمَاهَا بِهٖ مِنَ الزِّنَا. يُشِيْرُ اِلَيْهَا فِىْ جَمِيْعِ ذٰلِكَ ثُمَّ تَشْهَدُ الْمَرْاَةُ اَرْبَعَ مَرَّاتٍ تَقُوْلُ فِىْ كُلِّ مَرَّةٍ اَشْهَدُ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكَاذِبِيْنَ فِيْمَا رَمَانِىْ بِهٖ مِنَ الزِّنَا. وَتَقُوْلُ فِى الْخَامِسَةِ اِنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَا اِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِيْنَ فِيْمَا رَمَانِىْ بِهٖ مِنَ الزِّنَا] وَالْاَصْلُ فِىْ مَا تَلَوْنَاهُ مِنَ النَّصِّ.

وَرَوَى الْحَسَنُ عَنْ اَبِىْ حَنِيْفَةَ اَنَّهٗ يَاْتِىْ بِلَفْظَةِ الْمُوَاجَهَةِ يَقُوْلُ فِيْمَا رَمَيْتُكِ بِهٖ مِنَ الزِّنَا لِاَنَّهٗ اَقْطَعُ لِلْاِحْتِمَالِ.

وَجْهُ مَا ذُكِرَ فِى الْكِتَابِ اَنَّ لَفْظَةَ الْمُغَايَبَةِ اِذَا انْضَمَّتْ اِلَيْهَا الْاِشَارَةُ انْقَطَعَ الْاِحْتِمَالُ

ترجمہ: [لعان کا طریقہ یہ ہے کہ قاضی، خاوند سے ابتداء کرے اور وہ چار مرتبہ گواہی دیتے ہوئے ہر بار کہے: میں اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم اٹھاتے ہوئے کہتا ہوں کہ بے شک میں سچے لوگوں میں سے ہوں اس بات میں جو میں نے اس عورت پر زنا کا الزام لگایا ہے۔ اور پانچویں مرتبہ کہے اس پر (اپنے بارے میں کہے) اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اگر وہ بیوی پر زنا کے الزام میں جھوٹا ہے۔ ان تمام باتوں کے وقت وہ عورت کی طرف اشارہ کرے پھر عورت چار مرتبہ گواہی دے اور ہر مرتبہ یوں کہے: میں اللہ کے نام کی قسم کے ساتھ گواہی دیتی ہوں کہ اس شخص نے مجھ پر جو زنا کا الزام لگایا ہے یہ اس میں جھوٹا ہے اور پانچویں بار کہے اس پر (اپنے بارے میں کہے) اللہ تعالیٰ کا غضب ہو اگر وہ (مرد) مجھ پر لگائے گئے زنا کے الزام میں سچا ہے (وہ بھی ہر بار خاوند کی طرف اشارہ کرے)

اس مسئلہ کی دلیل وہ آیت کریمہ ہے جو پہلے ذکر ہو چکی ہے۔

حضرت امام حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ وہ خطاب کے صیغہ کے ساتھ یوں کہے کہ میں نے جو تجھ پر زنا کا الزام لگایا ہے (اس میں میں سچا ہوں) کیونکہ اس طرح ہر قسم کا احتمال ختم ہوگا۔

اور جو کتاب میں ذکر کیا گیا (یعنی غائب کا صیغہ) تو اس کی وجہ یہ ہے کہ غائب کے صیغہ کے ساتھ اشارہ مل جائے تو احتمال ختم ہو جاتا ہے (کہ شاید کوئی اور مراد ہو)

توضیح: ترجمہ سے بات واضح ہوگئی ہے اس لئے مزید توضیح کی ضرورت نہیں ہے البتہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول جو حضرت امام حسن بن زید رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا اس میں یہ بتایا گیا کہ جب مرد شہادت دیتے ہوئے زنا کا ذکر کرے تو

عورت کو مخاطب کرے کہ میں نے تیرے بارے میں جو کہا ہے میں اس میں سچا ہوں۔
خطاب کا فائدہ یہ ہوگا کہ کسی اور کو مراد لینے کا احتمال نہیں رہے گا لیکن کتاب میں جو غائب کی ضمیر کا ذکر ہے تو اس کی وضاحت کرتے ہوئے صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ جب غائب کے صیغہ کے ساتھ اشارہ بھی ہو تو مشارہ الیہ ہی مراد ہوتا ہے کسی اور کا احتمال نہیں رہتا۔

ایک نکتہ

عورت چار مرتبہ شہادت کے بعد غضب کا لفظ استعمال کرے گی جس طرح قرآن مجید میں ہے علماء کرام نے اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ چونکہ عورتیں لعنت کا لفظ گھروں میں اکثر استعمال کرتی رہتی ہیں جس طرح حدیث شریف میں بھی ہے کہ عورتیں زیادہ لعن طعن کرتی اور خاوند کی نافرمانی کرتی ہیں لہٰذا ان کے نزدیک اس لفظ کی کوئی حیثیت نہیں اس لئے اس سے سخت لفظ یعنی غضب کا حکم دیا گیا۔ [1]

لعان کے بعد حاکم ان میں تفریق کردے

(۱۶۰): قَالَ [وَإِذَا الْتَعَنَا لَا تَقَعُ الْفُرْقَةُ حَتّٰى يُفَرِّقَ الْحَاكِمُ بَيْنَهُمَا] وَقَالَ زُفَرُ: تَقَعُ بِتَلَاعُنِهِمَا لِاَنَّهُ تَثْبُتُ الْحُرْمَةُ الْمُؤَبَّدَةُ بِالْحَدِيْثِ.

وَلَنَا اَنَّ ثُبُوتَ الْحُرْمَةِ يُفَوِّتُ الْإِمْسَاكَ بِالْمَعْرُوْفِ فَيَلْزَمُهُ التَّسْرِيْحُ بِالْإِحْسَانِ. فَإِذَا امْتَنَعَ نَابَ الْقَاضِيْ مَنَابَهُ دَفْعًا لِلظُّلْمِ. دَلَّ عَلَيْهِ قَوْلُ ذٰلِكَ الْمُلَاعِنِ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كَذَبْتُ عَلَيْهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنْ اَمْسَكْتُهَا. هِيَ طَالِقٌ ثَلَاثًا. قَالَهُ بَعْدَ اللِّعَانِ [وَتَكُوْنُ الْفُرْقَةُ تَطْلِيْقَةً بَائِنَةً عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ] رَحِمَهُمَا اللّٰهُ لِاَنَّ فِعْلَ الْقَاضِيْ انْتَسَبَ إِلَيْهِ كَمَا فِي الْعِنِّيْنِ [وَهُوَ خَاطِبٌ إِذَا اَكْذَبَ نَفْسَهُ] عِنْدَهُمَا.

وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ: هُوَ تَحْرِيْمٌ مُؤَبَّدٌ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ «الْمُتَلَاعِنَانِ لَا يَجْتَمِعَانِ اَبَدًا» نَصَّ عَلَى التَّأْبِيْدِ.

وَلَهُمَا اَنَّ الْإِكْذَابَ رُجُوْعٌ وَالشَّهَادَةُ بَعْدَ الرُّجُوْعِ لَا حُكْمَ لَهَا. لَا يَجْتَمِعَانِ مَا دَامَا مُتَلَاعِنَيْنِ، وَلَمْ يَبْقَ التَّلَاعُنُ وَلَا حُكْمُهُ بَعْدَ الْإِكْذَابِ فَيَجْتَمِعَانِ.

ترجمہ: امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں [اور جب وہ دونوں لعان کرلیں تو ان کے درمیان تفریق نہیں ہوگی یہاں تک

[1] عینی شرح ہدایہ، جلد: ۲، ص: ۳۹۳

حاکم (قاضی) ان کے درمیان تفریق کردے]

حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ان کے لعان کرنے سے ہی جدائی ہوجائے گی کیونکہ حدیث پاک کی روشنی میں ان کے درمیان دائمی حرمت ثابت ہوجاتی ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ حرمت کا ثبوت، "اچھے طریقے سے روکنے" (کے حکم) کو ختم کردیتا ہے پس "اچھے طریقہ سے چھوڑنا" لازم ہوگیا تو جب خاوند اس سے انکار کرے تو ظلم کو دور کرنے کے لئے قاضی اس کے قائم مقام ہوگا۔

اس پر ایک لعان کرنے والے کا قول جو اس نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کہا تھا، دلالت کرتا ہے (اس نے کہا:) یارسول اللہ! اگر میں اس کو روکوں تو (گویا) میں نے اس کے بارے میں جھوٹ کہا اسے تین طلاقیں ہیں۔ اور یہ بات اس نے لعان کے بعد کہی تھی۔ ❶

[اور یہ جدائی حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک طلاق بائن ہوگی] کیونکہ قاضی کا فعل اس (خاوند) کی طرف منسوب ہوتا ہے، جیسا کہ عِنِّیْن کی صورت میں ہوتا ہے (عِنِّیْن کی بحث آگے آرہی ہے)

[اور اگر لعان کرنے والا اپنے آپ کو جھٹلا دے تو دوبارہ اس سے نکاح کرسکتا ہے]۔ خاطب منگنی کا پیغام دینے والے کو کہا جاتا)

حضرت امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ دائمی حرمت ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

اَلْمُتَلَاعِنَانِ لَا يَجْتَمِعَانِ اَبَدًا۔ ❷

ترجمہ: دو لعان کرنے والے کبھی اکٹھے نہیں ہوسکتے۔

یہ دوام پر نص ہے۔

طرفین کی دلیل یہ ہے کہ (اپنے آپ کو) جھٹلانا رجوع ہے اور رجوع کے بعد شہادت کا حکم باقی نہیں رہتا اور وہ دونوں اس وقت تک اکٹھے نہیں رہ سکتے جب تک لعان کی حالت میں ہوں اور لعان باقی نہ رہا لہٰذا جھٹلانے کے بعد اس کا حکم بھی ختم ہوگیا اس لئے وہ اکٹھے ہوسکتے ہیں۔

توضیح: یہاں تین مسائل ذکر کئے گئے:

پہلا مسئلہ:

لعان کے بعد خود بخود جدائی ہوجائے گی یا قاضی کی طرف سے تفریق ضروری ہے۔

ہمارے نزدیک اپنے آپ تفریق نہیں ہوگی بلکہ قاضی کا تفریق کرنا ضروری ہوتا ہے جبکہ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے وہ کہتے ہیں: حدیث شریف کی بنیاد پر لعان سے دائمی حرمت ثابت ہوجاتی ہے اس لئے قاضی کے تفریق کرنے کی ضرورت نہیں۔

❶ حضور علیہ السلام نے فرمایا: دو لعان والے کبھی جمع نہیں ہوسکتے۔ (سنن دار قطنی، جلد: ۲، ص: ۴۰۶)۔

❷ ابوداؤد، کتاب الطلاق، باب لعان، حدیث: ۲۲۵ سنن دار قطنی جلد ۲، ص ۴۰۶

دیگر ائمہ کی دلیل یہ ہے کہ جب طلاق ہوتی ہے تو قرآن پاک کی آیت کے مطابق یا تو اسے اچھے طریقے سے روک لینا ہے (یعنی رجوع کرنا ہے) یا اچھے طریقے سے چھوڑ دینا ہے۔

چونکہ لعان میں حرمت ثابت ہوگئی لہٰذا روکنا ممکن نہیں اس لئے چھوڑنا لازم ہے اور جب خاوند اس پر تیار نہ ہو تو ظلم کے خاتمے کے لئے قاضی اس کے قائم مقام ہو کر تفریق کرے گا۔

اور جو حدیث شریف ذکر کی گئی اس سے بھی تفریق کرنا ثابت ہے کہ صحابی رضی اللہ عنہ نے تین طلاقیں دیں اور یہ عمل لعان کے بعد ہوا (حضور علیہ السلام) کے سامنے تین طلاقیں دینا اور آپ کا یہ نہ فرمانا کہ اس کی ضرورت نہیں فرقت ہو چکی ہے اس بات کی دلیل ہے کہ لعان کے بعد تفریق کی جائے گی۔

دوسرا مسئلہ:

لعان کے بعد تفریق طلاق بائن ہوتی ہے یہ حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہما کا موقف ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ قاضی کا فعل خاوند کی طرف منسوب ہوتا ہے گویا خاوند نے طلاق دی اور اس صورت میں طلاق بائن ہوتی ہے جس طرح عِنِّیْن (نامرد) اور اس کی بیوی کے درمیان قاضی کا تفریق کرنا طلاق بائن ہوتی ہے۔

حضرت امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ دونوں ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے پر حرام ہو جاتے ہیں۔ حضرت امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مؤقف پر (گزشتہ) حدیث پیش کی اور اس حدیث سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ وہ ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے پر حرام ہو گئے۔

تیسرا مسئلہ:

اگر مرد اپنے آپ کو جھٹلا دے تو وہ دوبارہ اس سے نکاح کر سکتا ہے کیونکہ جھٹلانا اپنے قول سے رجوع کرنا ہے اور رجوع کے بعد شہادت پر حکم نہیں لگایا جاتا۔

جہاں تک حدیث شریف کا تعلق ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک وہ حالت لعان میں رہتے ہیں اکٹھے نہیں ہو سکتے اور جب اپنے آپ کو جھٹلا دیا تو لعان کا حکم باقی نہ رہا لہٰذا وہ بذریعہ نکاح اکٹھے ہو سکتے ہیں۔

بچے کے نسب کی نفی کی صورت میں لعان کا طریقہ

(۱۶۱): [وَلَوْ كَانَ الْقَذْفُ بِوَلَدٍ نَفَى الْقَاضِيْ نَسَبَهُ وَأَلْحَقَهُ بِأُمِّهِ] وَصُورَةُ اللِّعَانِ اَنْ يَّأْمُرَ الْحَاكِمُ الرَّجُلَ فَيَقُوْلُ: اَشْهَدُ بِاللهِ اِنِّيْ لَمِنَ الصَّادِقِيْنَ فِيْمَا رَمَيْتُكِ بِهٖ مِنْ نَفْيِ الْوَلَدِ. وَكَذَا فِيْ جَانِبِ الْمَرْاَةِ [وَلَوْ قَذَفَهَا بِالزِّنَا وَنَفَى الْوَلَدَ ذَكَرَ فِي اللِّعَانِ الْاَمْرَيْنِ ثُمَّ يَنْفِي الْقَاضِيْ نَسَبَ الْوَلَدِ وَيُلْحِقُهُ بِاُمِّهٖ] لِمَا رُوِيَ «اَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ نَفَى وَلَدَ امْرَاَةِ هِلَالٍ

بْنِ اُمَيَّةَ عَنْ هِلَالٍ وَاَلْحَقَهُ بِهَا » وَلِاَنَّ الْمَقْصُوْدَ مِنْ هٰذَا اللِّعَانِ نَفْيُ الْوَلَدِ فَيُوَفَّرُ عَلَيْهِ مَقْصُوْدَهُ. فَيَتَضَمَّنُهُ الْقَضَاءُ بِالتَّفْرِيْقِ.

وَعَنْ اَبِيْ يُوْسُفَ اَنَّ الْقَاضِيَ يُفَرِّقُ وَيَقُوْلُ: قَدْ اَلْزَمْته اُمَّهُ وَاَخْرَجْتُهُ مِنْ نَسَبِ الْاَبِ لِاَنَّهُ يَنْفَكُّ عَنْهُ فَلَا بُدَّ مِنْ ذِكْرِهِ

[فَاِنْ عَادَ الزَّوْجُ وَاَكْذَبَ نَفْسَهُ حَدَّهُ الْقَاضِيْ] لِاِقْرَارِهِ بِوُجُوْبِ الْحَدِّ عَلَيْهِ [وَحَلَّ لَهُ اَنْ يَتَزَوَّجَهَا] وَهٰذَا عِنْدَهُمَا لِاَنَّهُ لَمَّا حُدَّ لَمْ يَبْقَ اَهْلًا لِلِّعَانِ فَارْتَفَعَ حُكْمُهُ الْمَنُوْطُ بِهِ وَهُوَ التَّحْرِيْمُ [وَكَذٰلِكَ اِنْ قَذَفَ غَيْرَهَا فَحُدَّ بِهِ] لِمَا بَيَّنَّا [وَكَذَا اِذَا زَنَتْ فَحُدَّتْ] لِانْتِفَاءِ اَهْلِيَّةِ اللِّعَانِ مِنْ جَانِبِهَا

ترجمہ: [اور اگر قذف بچے (کی نفی) کے ساتھ ہو تو قاضی اس کے نسب کی نفی کر کے بچے کو ماں کے ساتھ ملا دے]

لعان کا طریقہ یہ ہوگا کہ حاکم اس مرد کو حکم دے اور وہ کہے میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک میں نے جو اس عورت پر بچے کی نفی کے ذریعے الزام لگایا ہے میں اس میں سچا ہوں۔

عورت کی طرف سے بھی اسی طرح کہا جائے ——(تفصیل پہلے گزر چکی ہے)

[اور اگر وہ زنا اور بچے کی نفی دونوں کے ذریعے قذف کرے تو لعان میں دونوں کا ذکر کرے پھر قاضی بچے کے نسب کی نفی کر کے اسے اس کی ماں کے ساتھ ملا دے] ''کیونکہ رسول اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے ہلال بن امیہ کی بیوی کے بیٹے کی ہلال بن امیہ سے نفی کر کے اس کو اس کی ماں سے ملا دیا''۔ [1]

دوسری بات یہ ہے کہ اس لعان سے مقصود بچے کی نفی ہے لہٰذا اس پر اس کا مقصود پورا کیا جائے گا اور اس کے ضمن میں تفریق ہوگی۔

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ قاضی ان کے درمیان تفریق کرتے ہوئے کہے کہ میں نے اس بچے کو اس کی ماں سے ملا دیا اور اس کو باپ کے نسب سے نکال دیا کیونکہ وہ اس سے جدا ہو رہا ہے لہٰذا اس بات کا ذکر ضروری ہے۔

[پس اگر خاوند اپنی بات سے رجوع کرے اور اپنے آپ کو جھٹلائے تو قاضی اسے حد لگائے]

کیونکہ وہ اس بات کا اقرار کر چکا ہے کہ اس پر حد نافذ ہوتی ہے [اور اس کے لئے اس عورت سے نکاح کرنا جائز ہوگا] یہ طرفین کے نزدیک ہے کیونکہ جب اسے حد لگائی گئی تو وہ لعان کا اہل نہ رہا تو اس پر جس حکم کا دارومدار تھا وہ حکم ختم ہو گیا اور وہ (ہمیشہ کے لئے) حرام ہونا ہے۔

[اور اسی طرح اگر وہ اس عورت کے علاوہ کسی پر زنا کا الزام لگائے تو اسے حد لگائی جائے گی] جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔

[1] ابوداؤد، کتاب الطلاق، باب اللعان، حدیث: ۲۲۵۶

[اور اسی طرح جب عورت زنا کا ارتکاب کرے اور اسے حد لگائی جائے] کیونکہ عورت کی جانب سے احصان کی نفی ہو گئی۔

توضیح: مرد کا اپنی بیوی پر الزام لگانا مختلف طریقوں سے ہو سکتا ہے:

① زنا کا الزام، ② اس کے پیدا ہونے والے بچے کی اپنے آپ سے نفی، ③ اور یہ دونوں الزام پہلی صورت یعنی صرف زنا کے الزام کی صورت میں لعان کا طریقہ اور حکم بیان ہو چکا ہے۔ اب دوسری اور تیسری صورت کے حوالے سے اس طریقے میں جزوی تبدیلی بیان ہو رہی ہے۔

وہ اس طرح کہ جب صرف بچے کی نفی ہو تو مرد شہادت دیتے ہوئے زنا کی بجائے بچے کی نفی کا ذکر کرے کہ میں نے جو اس پر بچے کی نفی کا الزام لگایا کہ میرا نہیں میں اس میں سچا ہوں۔

عورت بھی اپنی شہادت میں اسی بات کا ذکر کرے زنا کا ذکر نہ کرے۔

اور اگر زنا اور بچے کی نفی دونوں کے حوالے سے الزام ہو تو مرد و عورت دونوں کا ذکر کریں کہ زنا اور بچے کی نفی کا جو الزام لگایا ہے اس کے بعد قاضی مرد سے بچے کی نفی کرے گا اور بچہ اس کی ماں کے حوالے کر دے گا۔

اس پر صاحب ہدایہ نے بطور دلیل وہ حدیث پیش کی جو متن اور ترجمہ میں ذکر کی گئی ہے یہ نقلی دلیل ہے ——

اور عقلی دلیل یہ ہے کہ مرد کا مقصود تو یہی تھا کہ وہ بچہ اس کا نہیں لہٰذا جب قاضی نے اس سے بچے کے نسب کی نفی کر کے اس کی ماں کو دے دیا تو مرد کا مقصود حاصل ہو گیا۔

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول یہ ہے کہ قاضی اس بات کا ذکر کرے اور یوں کہے کہ میں نے اس بچے کو اس کی ماں کے ساتھ ملا دیا اور باپ کے نسب سے نکال دیا کیونکہ جب وہ اس سے اس کو جدا کر رہا ہے تو اس کا ذکر بھی ضروری ہے۔

اگر مرد اپنے الزام سے رجوع کر لے اور خود کو جھوٹا قرار دے تو قاضی اس کو حد قذف لگائے کیونکہ اس نے اقرار کر لیا کہ اس پر حد قذف نافذ و واجب ہوتی ہے اور (جس طرح پہلے گزر گیا ہے) اب وہ اس سے دوبارہ نکاح کر سکتا ہے۔

یہ طرفین کا مؤقف ہے وہ فرماتے ہیں: جب اسے حد قذف لگائی گئی تو وہ لعان کا اہل نہ رہا اور لعان کا حکم یعنی عورت کا حرام ہونا ختم ہو گیا کیونکہ اس کا دارومدار لعان پر تھا اسی طرح اگر مرد نے بیوی کے علاوہ کسی پر زنا کا الزام لگایا اور گواہ ثابت نہ ہونے پر اسے حد قذف لگائی گئی تو وہ اہل شہادت سے نہ رہا (پہلے بیان ہو چکا ہے) لہٰذا اب لعان نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح اگر عورت سے زنا کا ارتکاب ہوا اور اسے حد لگائی گئی تو اب لعان نہیں ہو سکتا کیونکہ عورت اہل شہادت میں سے نہ ہونے کی وجہ سے لعان کی اہلیت کھو بیٹھی ہے۔

عورت نابالغ یا مجنون ہو تو لعان نہیں ہوگا

(۱۶۲): [وَاِذَا قَذَفَ امْرَاَتَهُ وَهِيَ صَغِيْرَةٌ اَوْ مَجْنُوْنَةٌ فَلَا لِعَانَ بَيْنَهُمَا] لِاَنَّهُ لَا يُحَدُّ قَاذِفُهَا لَوْ كَانَ اَجْنَبِيًّا. فَكَذَا لَا يُلَاعِنُ الزَّوْجُ لِقِيَامِهِ مَقَامَهُ [وَكَذَا اِذَا كَانَ الزَّوْجُ صَغِيْرًا اَوْ مَجْنُوْنًا]

لِعَدَمِ اَہْلِیَّةِ الشَّہَادَةِ [وَقَذْفُ الْاَخْرَسِ لَا یَتَعَلَّقُ بِهِ اللِّعَانُ] لِاَنَّهُ یَتَعَلَّقُ بِالصَّرِیْحِ کَحَدِّ الْقَذْفِ، وَفِیْهِ خِلَافُ الشَّافِعِیِّ، وَهٰذَا لِاَنَّهُ لَا یَعْرٰی عَنِ الشُّبْهَةِ وَالْحُدُوْدُ تَنْدَرِءُ بِهَا

ترجمہ: [اور جب مرد اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگائے اور وہ نابالغہ یا پاگل ہو تو ان کے درمیان لعان نہیں ہوگا] کیونکہ ایسی عورت کے قاذف کو حد نہیں لگائی جاتی اگر وہ اجنبی ہو (یعنی قاذف کی بیوی نہ ہو) تو اسی طرح خاوند لعان بھی نہیں کر سکتا کیونکہ لعان حد کے قائم مقام ہے (اور اسی طرح جب خاوند نابالغ یا پاگل ہو) کیونکہ اس میں شہادت کی اہلیت نہیں۔

[اور گونگے کے قذف کے ساتھ لعان متعلق نہیں ہوتا) کیونکہ لعان صریح الفاظ کے ساتھ متعلق ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ شبہ سے خالی نہیں اور حدود شبہات کی بنیاد پر ساقط ہو جاتی ہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔

توضیح: اگر خاوند یا عورت میں سے کوئی ایک نابالغ یا مجنون ہو تو لعان نہیں ہوگا۔۔۔۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بیوی جب ایسی حالت میں ہو جس کے قاذف کو حد نہیں لگائی جاتی تو لعان نہیں ہوتا اور نابالغہ اور مجنون عورت کے قاذف کو حد نہیں لگائی جاتی اور مرد جب اہل شہادت سے ہو تو لعان ہوتا ہے اور بچہ اور مجنون اہل شہادت سے نہیں لہٰذا اس صورت میں لعان نہیں ہوگا۔

دوسرا مسئلہ:

یہ ہے کہ ایسا شخص جو گونگا ہو وہ کسی کو قذف کرے تو لعان نہیں ہوگا کیونکہ لعان، حد کی جگہ اور قائم مقام ہے اور حدود، شبہات کی وجہ سے ساقط ہو جاتی ہیں اور چونکہ گونگے کا کلام شبہ سے خالی نہیں ہوتا اس لئے لعان نہیں ہوگا لعان کا تعلق صریح الفاظ کے ساتھ ہوتا ہے۔

لیکن امام شافعی رحمہ اللہ کا اس میں اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں: گونگے شخص کا کلام اشارے کے ساتھ معتبر ہوتا ہے اور یوں شبہ نہیں رہتا۔

محض حمل کی نفی سے لعان نہیں ہوتا

(۱۶۳): [وَاِذَا قَالَ الزَّوْجُ لَیْسَ حَمْلُكِ مِنِّیْ فَلَا لِعَانَ بَیْنَهُمَا] وَهٰذَا قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَةَ وَزُفَرَ لِاَنَّهُ لَا یَتَیَقَّنُ بِقِیَامِ الْحَمْلِ فَلَمْ یَصِرْ قَاذِفًا.

وَقَالَ اَبُوْ یُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ: اللِّعَانُ یَجِبُ بِنَفْیِ الْحَمْلِ اِذَا جَاءَتْ بِهِ لِاَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ اَشْهُرٍ وَهُوَ مَعْنٰی مَا ذُکِرَ فِی الْاَصْلِ، لِاَنَّا تَیَقَّنَّا بِقِیَامِ الْحَمْلِ عِنْدَهُ فَیَتَحَقَّقُ الْقَذْفُ۔

قُلْنَا: اِذَا لَمْ یَکُنْ قَذْفًا فِی الْحَالِ یَصِیْرُ کَالْمُعَلَّقِ بِالشَّرْطِ فَیَصِیْرُ کَاَنَّهُ قَالَ: اِنْ کَانَ بِكِ حَمْلٌ فَلَیْسَ مِنِّیْ.

وَالْقَذْفُ لَا يَصِحُّ تَعْلِيقُهُ بِالشَّرْطِ [وَإِنْ قَالَ لَهَا زَنَيْت وَهٰذَا الْحَمْلُ مِنَ الزِّنَا تَلَاعَنَا] لِوُجُودِ الْقَذْفِ حَيْثُ ذَكَرَ الزِّنَا صَرِيحًا [وَلَمْ يَنْفِ الْقَاضِي الْحَمْلَ] وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: يَنْفِيهِ لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ نَفَى الْوَلَدَ عَنْ هِلَالٍ وَقَدْ قَذَفَهَا حَامِلًا. ❶

وَلَنَا أَنَّ الْأَحْكَامَ لَا تَتَرَتَّبُ عَلَيْهِ إِلَّا بَعْدَ الْوِلَادَةِ لِتَمَكُّنِ الِاحْتِمَالِ قَبْلَهُ. وَالْحَدِيثُ مَحْمُولٌ عَلَى أَنَّهُ عَرَفَ قِيَامَ الْحَبَلِ بِطَرِيقِ الْوَحْيِ

ترجمہ: [اور جب خاوند کہے کہ تیرا حمل مجھ سے نہیں تو ان کے درمیان لعان نہیں ہوگا]

یہ حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہما کا قول ہے کیونکہ حمل کے ہونے کا یقین نہیں لہٰذا وہ قاذف نہیں ہوگا۔

حضرت امام ابویوسف اور حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں: حمل کی نفی سے لعان واجب ہوگا۔ جب چھ ماہ سے کم مدت میں بچہ پیدا ہوجائے مبسوط میں جو کچھ ذکر کیا گیا اس سے یہی مراد ہے کیونکہ اس وقت (جب بچہ پیدا ہوا) ہمیں حمل کا یقین ہو گیا لہٰذا قذف (الزام) ثابت ہوگیا۔ ہم کہتے ہیں کہ جب فی الحال وہ قذف نہیں تو یہ کسی شرط کے ساتھ معلق کی طرح ہوگیا تو یہ اس طرح ہوجائے گا جیسے اس نے کہا اگر تجھے حمل ہے تو وہ میرا نہیں۔ اور قذف کا شرط سے معلق ہونا درست نہیں۔

[اور اگر اس نے کہا کہ تو نے زنا کروایا اور یہ حمل اس سے ہے تو لعان کریں] کیونکہ زنا کے صریح ذکر سے قذف ثابت ہوگیا [اور قاضی حمل کی نفی نہ کرے]

اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وہ اس کی نفی کرے کیونکہ حضور علیہ السلام نے ہلال سے بیٹے کی نفی فرمائی تھی اور اس نے اپنی بیوی پر حمل کی حالت میں الزام لگایا تھا۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ اس پر احکام بچے کی پیدائش کے بعد مرتب ہوتے ہیں کیونکہ اس سے پہلے احتمال ہوتا ہے۔

اور حدیث شریف اس بات پر محمول ہوگی کہ وحی کے ذریعے حمل کی موجودگی کا علم ہوا۔

توضیح: یہاں دو مسئلوں کا بیان ہے:

① خاوند نے بیوی کے حمل کی اپنے آپ سے نفی کی کہ تیرا یہ حمل مجھ سے نہیں۔

② حمل کی نفی کے ساتھ زنا کا بھی ذکر کیا کہ تو نے زنا کا ارتکاب کیا اور یہ حمل اس سے ہے۔

پہلی صورت میں امام ابوحنیفہ اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک لعان نہیں ہوگا۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ حمل یقینی نہیں (ہوسکتا ہے ویسے ہی عورت کا پیٹ پھولا ہوا ہو) لہٰذا وہ قاذف شمار نہیں ہوگا۔

حضرت امام ابویوسف اور حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک حمل کی نفی سے لعان واجب ہوگا لیکن فوری طور پر نہیں بلکہ اگر (نکاح کے بعد) چھ مہینے گزرنے سے پہلے بچہ پیدا ہوجائے تو لعان ہوگا کیونکہ ثابت ہوگیا کہ یہ حمل اس شخص سے نہیں تھا۔

❶ صحیح بخاری، کتاب الطلاق، باب للحق الولد بالملاعنہ، حدیث: ۵۳۱۵ معناه

وہ فرماتے ہیں: مبسوط میں جو لکھا ہے اس کا مفہوم بھی یہی ہے۔

مبسوط میں چھ ماہ سے پہلے پیدا ہونے کی قید ذکر کی گئی مطلق نہیں ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام زفر رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ جب فی الحال قذف نہیں تو شرط کے ساتھ معلق کی طرح ہو گیا گویا اس نے کہا اگر تجھے حمل ہو تو وہ میرا نہیں ہے اور قذف کا تعلق کسی شرط کے ساتھ نہیں ہوتا۔

دوسری صورت میں چونکہ زنا کا بھی ذکر ہے لہٰذا ان کے درمیان لعان ہوگا کیونکہ زنا کا صریح ذکر قذف ہے لیکن قاضی خاوند سے حمل کی نفی نہیں کرے گا اس کی وجہ یہ ہے کہ احکام بچے کی ولادت کے بعد مرتب ہوتے ہیں اس سے پہلے یہ احتمال ہے کہ ہو سکتا ہے حمل نہ ہو۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: قاضی اس مرد سے حمل کی نفی کرے گا یعنی اس بچے کا نسب اس سے ثابت نہیں ہوگا۔ ان کی دلیل وہ حدیث ہے جو پہلے گزر گئی کہ حضور علیہ السلام نے حضرت ہلال سے بچے کی نفی فرمائی تھی حالانکہ انہوں نے جب قذف کیا تو ان کی بیوی حاملہ تھی۔

احناف کی طرف سے اس کا جواب یوں دیا گیا کہ حضور علیہ السلام کو وحی کے ذریعے بتایا گیا تھا کہ حمل موجود ہے۔

بچے کی نفی کس وقت معتبر ہوگی

(۱۶۴): [وَاِذَا نَفَى الرَّجُلُ وَلَدَ امْرَاَتِهٖ عَقِيبَ الْوِلَادَةِ اَوْ فِي الْحَالَةِ الَّتِيْ تُقْبَلُ التَّهْنِئَةُ وَتُبْتَاعُ آلَةُ الْوِلَادَةِ صَحَّ نَفْيُهُ وَلَاعَنَ بِهٖ وَاِنْ نَفَاهُ بَعْدَ ذٰلِكَ لَاعَنَ. وَيَثْبُتُ النَّسَبُ هٰذَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيفَةَ. وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ: يَصِحُّ نَفْيُهُ فِيْ مُدَّةِ النِّفَاسِ]

لِاَنَّ النَّفْيَ يَصِحُّ فِيْ مُدَّةٍ قَصِيْرَةٍ وَلَا يَصِحُّ فِيْ مُدَّةٍ طَوِيْلَةٍ فَفَصَلْنَا بَيْنَهُمَا بِمُدَّةِ النِّفَاسِ لِاَنَّهٗ اَثَرُ الْوِلَادَةِ.

وَلَهٗ اَنَّهٗ لَا مَعْنٰى لِلتَّقْدِيْرِ لِاَنَّ الزَّمَانَ لِلتَّاَمُّلِ وَاَحْوَالُ النَّاسِ فِيْهِ مُخْتَلِفَةٌ فَاعْتَبَرْنَا مَا يَدُلُّ عَلَيْهِ وَهُوَ قَبُوْلُهُ التَّهْنِئَةَ اَوْ سُكُوْتُهٗ عِنْدَ التَّهْنِئَةِ اَوْ ابْتِيَاعُهٗ مَتَاعَ الْوِلَادَةِ اَوْ مُضِيُّ ذٰلِكَ الْوَقْتِ فَهُوَ مُمْتَنِعٌ عَنِ النَّفْيِ.

وَلَوْ كَانَ غَائِبًا وَلَمْ يَعْلَمْ بِالْوِلَادَةِ ثُمَّ قَدِمَ تُعْتَبَرُ الْمُدَّةُ الَّتِيْ ذَكَرْنَاهَا عَلَى الْاَصْلَيْنِ۔

قَالَ [وَاِذَا وَلَدَتْ وَلَدَيْنِ فِيْ بَطْنٍ وَاحِدٍ فَنَفَى الْاَوَّلَ وَاعْتَرَفَ بِالثَّانِيْ يَثْبُتُ نَسَبُهُمَا] لِاَنَّهُمَا تَوْاَمَانِ خُلِقَا مِنْ مَاءٍ وَاحِدٍ [وَحُدَّ الزَّوْجُ] لِاَنَّهٗ اَكْذَبَ نَفْسَهٗ بِدَعْوَى الثَّانِيْ. وَاِنْ اعْتَرَفَ بِالْاَوَّلِ وَنَفَى الثَّانِيَ يَثْبُتُ نَسَبُهُمَا لِمَا ذَكَرْنَا وَلَاعَنَ لِاَنَّهٗ قَاذِفٌ بِنَفْيِ الثَّانِيْ وَلَمْ يَرْجِعْ عَنْهُ. وَالْاِقْرَارُ بِالْعِفَّةِ سَابِقٌ عَلَى الْقَذْفِ فَصَارَ كَمَا اِذَا قَالَ اِنَّهَا عَفِيفَةٌ ثُمَّ قَالَ هِيَ

زَانِيَةٌ، وَفِيْ ذٰلِكَ التَّلَاعُنُ كَذَا هٰذَا.

ترجمہ: [اور جب مرد بچے کی پیدائش کے بعد بیوی کے بچے کی اپنے آپ سے نفی کرے یا اس حالت میں نفی کرے جب مبارک باد قبول کی جاتی ہے اور پیدائش سے متعلق سامان خریدا جاتا ہے تو اس کی نفی صحیح ہے اور وہ لعان کر سکتا ہے اور اگر اس کے بعد نفی کرے تو لعان کرے اور نسب ثابت ہو جائے گا یہ حضرت امام ابوحنیفہ ﷫ کے نزدیک ہے۔ اور حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد ﷫ فرماتے ہیں: مدت نفاس میں اس کی نفی صحیح ہے]

کیونکہ مختصر مدت میں نفی صحیح ہے اور طویل مدت میں صحیح نہیں پس ہم نے ان دونوں (مختصر اور طویل مدت) کے درمیان مدت نفاس کے ساتھ امتیاز کیا، کیونکہ یہ ولادت کا اثر ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ ﷫ کی دلیل یہ ہے کہ وقت کا اندازہ مقرر کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ وقت سوچ و بچار کے لئے ہوتا ہے اور اس سلسلے میں لوگوں کے حالات مختلف ہوتے ہیں پس ہم نے اس چیز کا اعتبار کیا جو اس پر دلالت کرے اور وہ مرد کا مبارک باد قبول کرنا یا مبارک باد کے وقت خاموش رہنا ہے یا اس کا پیدائش سے متعلق سامان خریدنا ہے یا اتنی مدت گزر جائے اور وہ نفی کرنے سے خاموش رہے۔

اور اگر وہ غائب ہو اور اسے بچے کی پیدائش کا علم نہ ہو پھر وہ آئے تو دونوں ضابطوں پر وہی مدت معتبر ہوگی۔

امام قدوری ﷫ فرماتے ہیں [اور جب ایک ہی حمل سے دو بچے پیدا ہوں اور وہ پہلے بچے کی نفی کرے اور دوسرے کا اعتراف کرے تو دونوں کا نسب ثابت ہوگا] کیونکہ وہ جڑواں ہیں ایک ہی پانی (مادہ منویہ) سے پیدا ہوئے ہیں۔

[اور خاوند کو حد قذف لگائی جائے] کیونکہ اس نے دوسرے بچے کا دعویٰ کر کے اپنے آپ کو جھٹلایا ہے اور اگر وہ پہلے کا اعتراف کرے اور دوسرے کی نفی کرے تو دونوں کا نسب ثابت ہوگا جیسا کہ ہم نے ذکر کیا (کہ ایک ہی پانی سے ہیں) اور لعان کرے کیونکہ وہ دوسرے کی نفی کر کے الزام لگا رہا ہے اور اس نے رجوع نہیں کیا اور (بیوی کی) پاکدامنی کا اقرار قذف سے پہلے ہوا تو یہ اس طرح ہو گیا گویا جب وہ کہے کہ یہ پاکدامن ہے پھر کہے کہ زانیہ ہے اور اس صورت میں لعان ہوتا ہے تو اسی طرح یہاں بھی ہوگا۔

توضیح: کسی شخص کی بیوی کے ہاں بچہ پیدا ہوا اور وہ کہتا ہے کہ یہ میرا بچہ نہیں تو اس کی نفی کس وقت معتبر ہوگی۔

اس سلسلے میں حضرت امام ابوحنیفہ اور صاحبین ﷭ کے درمیان اختلاف ہے۔

حضرت امام اعظم ﷫ فرماتے ہیں: جب لوگ مبارک باد دے رہے ہوں اور ولادت سے متعلق سامان خریدا جا رہا ہو تو اس کا نفی کرنا درست ہے اور وہ لعان کرے گا اور اگر اس دوران وہ خاموش رہا تو بچے کا نسب اس سے ثابت ہو جائے گا۔

صاحبین ﷭ فرماتے ہیں: ولادت کے بعد جب تک عورت کو نفاس کا خون آتا ہے اس دوران وہ نفی کرے تو معتبر ہے

کیونکہ نفاس ولادت کا اثر ہے کیونکہ تھوڑی مدت میں نفی صحیح ہے زیادہ مدت میں صحیح نہیں اور دونوں مدتوں کے درمیان فیصلہ نفاس کے ساتھ ہوگا۔

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مدت مقرر کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ لوگوں کے حالات مختلف ہوتے ہیں بلکہ جب وہ مبارک باد قبول کرتا ہے یا خاموش رہتا ہے یا بازار سے ولادت سے متعلق سامان خرید کرلاتا ہے یا اتنی مدت خاموش رہتا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ نفی نہیں کررہا لہٰذا اس کے بعد اس کا نفی کرنا معتبر نہیں ہوگا۔

اگر بچے کی پیدائش کے وقت غائب ہو اور اسے اس کا علم نہ ہو سکے تو جب آئے اس وقت سے مدت کا آغاز ہوگا۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ضابطہ کے مطابق بھی اور صاحبین کے قول کے مطابق بھی۔

اگر ایک ہی حمل سے دو بچے آگے پیچھے پیدا ہوں اور وہ ان میں سے پہلے کی نفی کرے اور دوسرے کا اعتراف کرے تو دونوں کا نسب ثابت ہوگا کیونکہ ایک ہی نطفہ سے ہونے کی وجہ سے جڑواں ہیں۔ لہٰذا جب دوسرے کا نسب اس سے ثابت ہوا تو لازماً پہلے کا بھی ثابت ہوگا۔

اگر دوسرے کی نفی کرے اور پہلے کا اعتراف کرے تو بھی یہی حکم ہے البتہ پہلی صورت میں اس شخص پر حد قذف ہوگی کیونکہ جب دوسرے بچے کا اقرار کر کے اس نے اپنے آپ کو جھٹلایا ہے لیکن جب دوسرے کی نفی کی اور پہلے کا اعتراف کیا تو لعان ہوگا کیونکہ دوسرے کی نفی کر کے اس نے قذف کیا اور اس سے رجوع بھی نہیں کیا اور چونکہ پہلے کا اقرار کیا لہٰذا عورت کی پاکدامنی کا اقرار قذف سے پہلے ہے (اس لئے حد نہیں لگے گی) گویا اس نے یوں کہا کہ یہ پاکدامن ہے پھر کہا یہ زانیہ ہے تو اس صورت میں لعان ہوتا ہے اور یہ صورت بھی اسی طرح ہے لہٰذا لعان ہوگا۔

بَابُ الْعِنِّيْنِ وَغَيْرِهٖ

باب: عِنّیْن وغیرہ کا بیان

نوٹ: عِنّیْن، لفظ عن سے بنا ہے جس کا معنی منہ پھیرنا ہے اور اصطلاحاً عِنّیْن ایسے شخص کو کہتے ہیں جو عورتوں سے جماع پر قادر نہ ہو ایسے شخص کو نامرد کہا جاتا ہے۔ (۱۲ ہزاروی)

عِنّیْن کو دی جانے والی مہلت

(۱۶۵): [وَإِذَا كَانَ الزَّوْجُ عِنِّينًا أَجَّلَهُ الْحَاكِمُ سَنَةً. فَإِنْ وَصَلَ إِلَيْهَا وَإِلَّا فَرَّقَ بَيْنَهُمَا إِذَا طَلَبَتِ الْمَرْأَةُ ذٰلِكَ] هٰكَذَا رُوِيَ عَنْ عُمَرَ وَعَلِيٍّ وَابْنِ مَسْعُوْدٍ. وَلِأَنَّ الْحَقَّ ثَابِتٌ لَّهَا فِي الْوَطْيِءِ. وَيَحْتَمِلُ أَنْ يَّكُوْنَ الِامْتِنَاعُ لِعِلَّةٍ مُعْتَرِضَةٍ. وَيَحْتَمِلُ لِآفَةٍ أَصْلِيَّةٍ فَلَا بُدَّ مِنْ مُدَّةٍ مَعْرِفَةِ ذٰلِكَ. وَقَدَّرْنَاهَا بِالسَّنَةِ لِاشْتِمَالِهَا عَلَى الْفُصُوْلِ الْأَرْبَعَةِ

ترجمہ: [اور جب خاوند عِنّیْن (نامرد) ہو تو حاکم اسے ایک سال کی مہلت دے پس اگر وہ عورت تک پہنچ جائے (صحبت کر لے تو ٹھیک ہے) ورنہ ان کے درمیان تفریق کر دے اگر عورت اس کا مطالبہ کرے]

حضرت عمر فاروق، حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم سے اسی طرح مروی ہے—— اور چونکہ جماع کے سلسلے میں عورت کا حق ثابت ہے اور اس بات کا احتمال ہے کہ مرد کا رک جانا کسی پیش آنے والی بیماری کی وجہ سے ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ کسی اصلی آفت کی وجہ سے ہے لہٰذا اس کی معرفت ضروری ہے۔

اور ہم نے اس کا اندازہ ایک سال کے ساتھ لگایا کیونکہ وہ چار موسموں پر مشتمل ہوتا ہے۔

توضیح: چونکہ عِنّیْن نامرد عورت سے صحبت نہیں کر سکتا اور یوں وہ اس کے حق کی ادائیگی سے قاصر ہے اس لئے اس کا علاج ضروری ہے اور ہو سکتا ہے وہ خود تیار نہ ہو لہٰذا حاکم اسے پابند کرے کہ وہ ایک سال تک علاج کرائے۔

سال کی قید اس لئے ہے کہ اس میں چار موسم ہوتے ہیں اور ہر موسم کے اپنے اثرات ہوتے ہیں اس لئے ہو سکتا ہے کہ کسی موسم کی آب و ہوا علاج میں معاون ثابت ہو۔

عورت کا مطالبہ اس لئے شرط ہے کہ اس کا حق ہے۔ علاج اس لئے ضروری ہے کہ ممکن ہے کوئی بنیادی خرابی نہ ہو بلکہ

عارضی بیماری ہو اور وہ علاج سے ٹھیک ہو جائے۔ مذکورہ بالا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی یہی فیصلہ فرمایا تھا۔

مدت مہلت کے بعد قدرت حاصل نہ ہو تو کیا حکم ہوگا

(۱۶۶): فَإِذَا مَضَتِ الْمُدَّةُ وَلَمْ يَصِلْ إِلَيْهَا تَبَيَّنَ أَنَّ الْعَجْزَ بِآفَةٍ أَصْلِيَّةٍ فَفَاتَ الْإِمْسَاكُ بِالْمَعْرُوفِ وَوَجَبَ عَلَيْهِ التَّسْرِيحُ بِالْإِحْسَانِ. فَإِذَا امْتَنَعَ نَابَ الْقَاضِي مَنَابَهُ فَفَرَّقَ بَيْنَهُمَا وَلَا بُدَّ مِنْ طَلَبِهَا لِأَنَّ التَّفْرِيقَ حَقُّهَا [وَتِلْكَ الْفُرْقَةُ تَطْلِيقَةٌ بَائِنَةٌ] لِأَنَّ فِعْلَ الْقَاضِي أُضِيفَ إِلَى الزَّوْجِ فَكَأَنَّهُ طَلَّقَهَا بِنَفْسِهِ.

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: هُوَ فَسْخٌ لَكِنَّ النِّكَاحَ لَا يَقْبَلُ الْفَسْخَ عِنْدَنَا. وَإِنَّمَا تَقَعُ بَائِنَةً لِأَنَّ الْمَقْصُودَ وَهُوَ دَفْعُ الظُّلْمِ عَنْهَا لَا يَحْصُلُ إِلَّا بِهَا لِأَنَّهَا لَوْ لَمْ تَكُنْ بَائِنَةً تَعُودُ مُعَلَّقَةً بِالْمُرَاجَعَةِ.

ترجمہ: اور جب مدت گزر جائے اور وہ عورت تک نہ پہنچ سکے [جماع پر قادر نہ ہو] تو ظاہر ہوگا کہ یہ عجز کسی اصلی آفت کی وجہ سے ہے اب اسے اچھے طریقے سے روکنا باقی نہ رہا اور نیکی کے ساتھ چھوڑنا واجب ہو گیا۔ اب اگر خاوند اس سے رکتا ہے تو قاضی اس کے قائم مقام ہوگا اور ان کے درمیان تفریق کر دے گا۔

اور عورت کا مطالبہ ضروری ہے کیونکہ تفریق اس کا حق ہے (اور یہ فرقت طلاق بائن ہوگی) کیونکہ قاضی کا فعل خاوند کی طرف منسوب ہوگا گویا اس نے خود طلاق دی ہے۔

اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ فسخ نکاح ہے لیکن ہمارے نزدیک نکاح فسخ کو قبول نہیں کرتا ــــ

اور طلاق بائن اس لئے ہوگی کہ مقصود ظلم کو دور کرتا ہے اور وہ طلاق بائن کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ کیونکہ اگر بائن طلاق نہ ہو تو عورت کا معاملہ رجوع کے ساتھ لٹکا رہے گا (کہ کہیں خاوند رجوع نہ کر لے)

توضیح: جب عِنّین ایک سال تک علاج کرانے کے بعد ٹھیک ہو جائے تو معاملہ درست ہو جائے گا اور وہ اس کی بیوی ہی رہے گی لیکن اگر وہ ٹھیک نہیں ہوتا اور بیوی کے حقوق زوجیت ادا نہیں کر سکتا تو واضح ہو گیا کہ یہ کوئی عارضی بیماری نہیں بلکہ پیدائشی اور اصلی آفت ہے ــــ

قرآن پاک نے دو راستے بتائے ایک یہ کہ عورت کو اچھے طریقے سے رکھا جائے ورنہ احسان اور نیکی کے ساتھ چھوڑ دے۔ پہلی صورت ممکن نہ رہی تو اب اسے چھوڑنا ہوگا اور جب خاوند اس پر آمادہ نہ ہو تو قاضی اس کے قائم مقام ہو کر ان کے درمیان جدائی کر دے گا۔

لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ عورت اس کا مطالبہ کرے کیونکہ تفریق اس کا حق ہے۔

رہا یہ مسئلہ کہ کیا یہ تفریق ہمیشہ کے لئے ہوگی یا طلاق بائن ہوگی تو ہمارے نزدیک یہ طلاق بائن ہوگی گویا خود خاوند طلاق بائن دے رہا ہے' کیونکہ اگر یہ بائن نہ ہوتو فوری تفریق نہ ہوگی اور خاوند کی طرف سے رجوع کا خطرہ باقی رہے گا اور یہ عورت پر ظلم ہوگا کیونکہ نہ تو وہ اس کی بیوی ہوگی نہ اس کے نکاح سے خارج ہوگی۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ فسخ نکاح ہے لیکن ہمارے نزدیک نکاح، فسخ کو قبول نہیں کرتا۔

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس کا مطلب یہ ہے کہ جب نکاح منعقد ہوگیا تو اسے فسخ نہیں کیا جاسکتا یعنی توڑا نہیں جا سکتا البتہ عقد کے مکمل ہونے سے پہلے فسخ ہوسکتا ہے۔ (عینی شرح ہدایہ، جلد: ۲، ص: ۴۰۸)

نوٹ: احناف کے نزدیک بعض اوقات ضرورت کے تحت دوسری فقہ پر عمل ہوسکتا ہے اسی لئے اگر عورت خلع کا دعویٰ کرے اور خاوند طلاق نہ دے یا عدالت میں حاضر نہ ہوتو عدالت فسخ نکاح کرسکتی ہے۔ ۱۲ ہزاروی

عِنّین اور اس کی بیوی سے متعلق کچھ احکام

(۱۶۷) : [وَلَهَا كَمَالُ مَهْرِهَا اِنْ كَانَ خَلَا بِهَا] فَاِنَّ خَلْوَةَ الْعِنِّيْنِ صَحِيْحَةٌ [وَيَجِبُ الْعِدَّةُ] لِمَا بَيَّنَّا مِنْ قَبْلِ هٰذَا اِذَا اَقَرَّ الزَّوْجُ اَنَّهُ لَمْ يَصِلْ اِلَيْهَا [وَلَوِ اخْتَلَفَ الزَّوْجُ وَالْمَرْاَةُ فِي الْوُصُوْلِ اِلَيْهَا فَاِنْ كَانَتْ ثَيِّبًا فَالْقَوْلُ قَوْلُهُ ثُمَّ يَمِيْنُهُ] لِاَنَّهُ يُنْكِرُ اسْتِحْقَاقَ حَقِّ الْفُرْقَةِ وَالْاَصْلُ هُوَ السَّلَامَةُ فِي الْجِبِلَّةِ [ثُمَّ اِنْ حَلَفَ بَطَلَ حَقُّهَا. وَاِنْ نَكَلَ يُؤَجَّلُ سَنَةً. وَاِنْ كَانَتْ بِكْرًا نَظَرَ اِلَيْهَا النِّسَاءُ. فَاِنْ قُلْنَ هِيَ بِكْرٌ اُجِّلَ سَنَةً] لِظُهُوْرِ كَذِبِهِ [وَاِنْ قُلْنَ هِيَ ثَيِّبٌ يَحْلِفُ الزَّوْجُ. فَاِنْ حَلَفَ لَا حَقَّ لَهَا. وَاِنْ نَكَلَ يُؤَجَّلُ سَنَةً. وَاِنْ كَانَ مَجْبُوْبًا فُرِّقَ بَيْنَهُمَا فِي الْحَالِ اِنْ طَلَبَتْ] لِاَنَّهُ لَا فَائِدَةَ فِي التَّاْجِيْلِ [وَالْخَصِيُّ يُؤَجَّلُ كَمَا يُؤَجَّلُ الْعِنِّيْنُ] لِاَنَّ وَطْاَهُ مَرْجُوٌّ

[وَاِذَا اُجِّلَ الْعِنِّيْنُ سَنَةً وَقَالَ قَدْ جَامَعْتُهَا وَاَنْكَرَتْ نَظَرَ اِلَيْهَا النِّسَاءُ.

فَاِنْ قُلْنَ: هِيَ بِكْرٌ خُيِّرَتْ] لِاَنَّ شَهَادَتَهُنَّ تَاَيَّدَتْ بِمُؤَيِّدٍ وَهِيَ الْبَكَارَةُ [وَاِنْ قُلْنَ: هِيَ ثَيِّبٌ حَلَفَ الزَّوْجُ. فَاِنْ نَكَلَ خُيِّرَتْ] لِتَاَيُّدِهَا بِالنُّكُوْلِ. وَاِنْ حَلَفَ لَا تُخَيَّرُ. وَاِنْ كَانَتْ ثَيِّبًا فِي الْاَصْلِ فَالْقَوْلُ قَوْلُهُ مَعَ يَمِيْنِهِ وَقَدْ ذَكَرْنَاهُ [فَاِنِ اخْتَارَتْ زَوْجَهَا لَمْ يَكُنْ لَهَا بَعْدَ ذٰلِكَ خِيَارٌ] لِاَنَّهَا رَضِيَتْ بِبُطْلَانِ حَقِّهَا

ترجمہ: [اور اس عورت کے لئے پورا مہر ہوگا اگر اس کے ساتھ خلوت اختیار کی] کیونکہ عِنّین کی خلوت صحیح ہے۔

[اور عدت واجب ہوگی] جیسا کہ ہم نے اس سے پہلے بیان کیا۔ اور یہ اس وقت ہے جب خاوند اقرار کرے کہ اس نے اس سے جماع نہیں کیا۔

[اور اگر عورت اور مرد میں جماع کرنے کے سلسلے میں اختلاف ہو جائے تو (دیکھا جائے) اگر وہ ثَیِّبَہْ ہے تو مرد کا قول معتبر ہوگا پھر اس سے قسم لی جائے گی] کیونکہ وہ (عورت کے) فرقت کے حق کا انکار کر رہا ہے —— اور اصل یہ ہے کہ فطری طور پر (عضو) صحیح سلامت ہوتا ہے

[پھر اگر وہ قسم اٹھالے تو عورت کا حق باطل ہو جائے گا اور اگر وہ انکار کرے تو مرد کو ایک سال کی مہلت دی جائے۔ اور اگر وہ کنواری تھی تو عورتیں اسے دیکھیں اگر وہ کہیں کہ یہ (ابھی بھی) کنواری ہے تو مرد کو ایک سال کی مہلت دی جائے] کیونکہ اس کا جھوٹ واضح ہو گیا۔ اور اگر وہ کہیں کہ ثَیِّبَہْ ہے تو مرد قسم اٹھائے اگر وہ قسم اٹھائے تو عورت کا حق نہیں ہوگا اور اگر وہ انکار کرے تو اسے ایک سال کی مہلت دی جائے [اور اگر اس کا عضو مخصوص کٹا ہوا ہو (جسے مجبوب کہتے ہیں) تو ان کے درمیان فوری طور پر تفریق کی جائے اگر عورت مطالبہ کرے] کیونکہ مہلت دینے کا فائدہ نہیں۔

اور خصی [جس کی اعضاء مخصوصہ کوٹ کر قوت مردانگی ختم کی جائے] کو وقت دیا جائے جس طرح عِنِّین کو دیا جاتا ہے کیونکہ اس سے وطی کی امید ہوتی ہے۔

(اور جب عِنِّین کو ایک سال کی مہلت دی جائے اور وہ کہے میں نے اس سے جماع کیا ہے اور عورت انکار کرے تو عورتیں اس کا جائزہ لیں اگر وہ کہیں کہ یہ کنواری ہے تو اس کو اختیار دیا جائے) کیونکہ ان خواتین کی گواہی کو اس کے کنوارہ پن سے تائید حاصل ہو گئی (اور اگر وہ کہیں کہ وہ ثَیِّبَہْ ہے تو خاوند قسم اٹھائے اور اگر وہ انکار کر دے تو عورت کو اختیار دیا جائے) کیونکہ اس کے انکار سے عورت کی تائید ہو گئی اور اگر وہ قسم اٹھائے تو عورت کو اختیار نہ دیا جائے اور اگر وہ بنیادی طور پر ثَیِّبَہْ ہے تو مرد کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا اور یہ بات ہم ذکر کر چکے ہیں۔

(پس اگر عورت اپنے خاوند کو اختیار کرے تو اس کے بعد اسے اختیار نہیں ہوگا) کیونکہ وہ اپنے حق کو باطل کرنے پر راضی ہو گئی۔

توضیح: پہلا مسئلہ:

جب قاضی نے عِنِّین اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق کر دی تو مہر اور عدت کا کیا حکم ہوگا؟

تو اگر خلوت صحیحہ پائی گئی یعنی مرد و عورت تنہائی میں اکٹھے ہوئے ماہ رمضان کا دن کا وقت بھی نہیں تھا عورت حائضہ بھی نہیں تھی یعنی جماع میں کوئی شرعی یا طبعی رکاوٹ نہ تھی تو یہ خلوت صحیحہ ہے جو جماع کے قائم مقام ہے لہٰذا اب عورت کو پورا مہر دیا جائے گا اور عورت پر عدت بھی واجب ہوگی۔

دوسرا مسئلہ:

جماع کے ہونے نہ ہونے میں مرد و عورت میں اختلاف ہو جائے۔ مرد کہتا ہے میں نے جماع کیا عورت اس کی نفی کرتی ہے اور عورت پہلے سے ثَیِّبَہْ ہے تو خاوند کی بات قسم کے ساتھ قبول ہوگی قسم لینے کی وجہ یہ ہے کہ وہ عورت کے استحقاق تفریق کا انکار کرتا اور اصل یہ ہے کہ مرد فطری طور پر جماع کر سکتا ہے پھر جب خاوند نے قسم اٹھائی تو عورت کا حق باطل

ہو جائے گا۔ اور اگر قسم سے انکار کرے تو قاضی اسے ایک سال کی مہلت دے لیکن اگر عورت کنواری تھی تو عورتیں چیک کریں یا اس کا میڈیکل ٹیسٹ لیا جائے اگر ثابت ہو جائے کہ وہ اب بھی کنواری ہے تو خاوند کو ایک سال کی مہلت دی جائے تاکہ وہ اپنا علاج کرائے کیونکہ اس کا جھوٹ ظاہر ہو گیا اور اگر عورتوں نے کہا کہ اس کا کنوارہ پن ختم ہو گیا ہے اور یہ ثَیِّبَہْ ہے تو خاوند کو قسم دی جائے اگر قسم کھائے تو عورت کا حق ختم ہو گیا اور اگر انکار کرے تو مرد کو ایک سال کی مہلت دی جائے۔

مہلت کے اختتام کے بعد

مرد کو جب قاضی نے علاج کے لئے ایک سال کی مہلت دی پھر اس نے کہا میں نے جماع کیا ہے لیکن عورت انکار کرتی ہے تو عورتیں دیکھیں (یا میڈیکل ٹیسٹ کرایا جائے) اگر وہ کہیں کہ عورت کنواری ہے تو اب اس عورت کو اختیار ہو گا کیونکہ اس کا کنوارہ پن زائل نہ ہونا عورتوں کی گواہی کی تائید ہے۔

اور اگر کہیں کہ یہ ثَیِّبَہْ ہے تو مرد کو قسم دی جائے اگر وہ قسم سے انکار کرے تو عورت کو اختیار دیا جائے کیونکہ مرد کا انکار عورت کی بات کی تائید ہے۔ اور اگر وہ قسم اٹھائے تو عورت کو اختیار نہ دیا جائے۔

نوٹ: اگر عورت تفریق کی بجائے خاوند کے ساتھ رہنے کی راہ اختیار کرے اور بعد میں جدا ہونے کا مطالبہ کرے تو اسے یہ اختیار حاصل نہیں ہو گا کیونکہ وہ اپنے حق کو باطل کرنے پر راضی ہو گئی۔

مجبوب اور خصی کا حکم

اگر مرد مجبوب ہو تو عورت کے مطالبہ پر قاضی فوراً تفریق کر دے کیونکہ اسے سال بھر کی مہلت دینے کا فائدہ نہیں اس لئے کہ وہ علاج سے ٹھیک نہیں ہو سکتا۔

اور خصی کو عِنِّین کی طرح مہلت دی جائے کیونکہ اس کے جماع کرنے کی امید ہو سکتی ہے۔

نوٹ: جس کا عضو مخصوص کٹا ہوا ہو وہ مجبوب کہلاتا ہے اور جس کے خصیتین کوٹ کر مردانہ قوت ختم کی گئی وہ خصی ہے (انسان ہو یا جانور)

مہلت میں قمری سال معتبر ہو گا

(۱۶۸): وَفِي التَّأْجِيلِ تُعْتَبَرُ السَّنَةُ الْقَمَرِيَّةُ هُوَ الصَّحِيحُ وَيُحْتَسَبُ بِأَيَّامِ الْحَيْضِ وَبِشَهْرِ رَمَضَانَ لِوُجُودِ ذٰلِكَ فِي السَّنَةِ وَلَا يُحْتَسَبُ بِمَرَضِهِ وَمَرَضِهَا لِأَنَّ السَّنَةَ قَدْ تَخْلُو عَنْهُ.

ترجمہ: اور مہلت دینے میں قمری سال کا اعتبار ہو گا یہی صحیح ہے اور حیض کے دنوں اور ماہ رمضان کو بھی اس میں شمار کیا جائے گا کیونکہ سال میں یہ دن بھی شامل ہیں لیکن مرد یا عورت کی بیماری کے دن شمار نہیں کئے جائیں گے کیونکہ سال بعض اوقات ان سے خالی ہوتے ہیں۔

توضیح: سال کی دوصورتیں ہیں: ① قمری، ② شمسی

قمری سے مراد چاند کے حساب سے اور شمسی سے عیسوی سال مراد ہے تو جب قاضی مہلت دے تو قمری سال معتبر ہوگا اور اس کا طریقہ یہ ہوگا کہ مثلاً ربیع الاول شریف کی پندرہ تاریخ کو مہلت دی تو آئندہ ربیع الاول سمیت گیارہ ماہ اور آئندہ سال کے ربیع الثانی کے پندرہ دن ملا کر ایک ماہ پورا کیا جائے گا اگر پہلے ربیع الاول کے انتیس دن ہوتے تو آخر مہینے یعنی ربیع الثانی کے سولہ دن لئے جائیں گے تا کہ تیس دن پورے ہو جائیں درمیان والے مہینوں کے دنوں کا اعتبار نہیں ہوگا۔

سال میں کون سے دن شمار ہوں گے اور کون سے نہیں؟ اس سلسلے میں ضابطہ بتا دیا کہ جن دنوں سے سال خالی نہیں ہوتا وہ شمار ہوں گے جیسے ماہ رمضان اور عورت کے حیض کے دن ——

اور جو سال میں کبھی ہوتے ہیں کبھی نہیں جیسے بیماری کے دن تو وہ شمار نہیں ہوں گے کیونکہ بعض اوقات آدمی سال بھر بیمار نہیں ہوتا لہٰذا اگر مہلت کی مدت یعنی سال کے دوران مرد یا عورت بیمار ہو جائیں تو ان دنوں کو شمار نہیں کیا جائے گا اور اتنے دن بعد کے دنوں میں شامل کیے جائیں گے۔

بہتر یہ ہے کہ قاضی اسے کسی مہینے کے شروع سے سال کی مہلت دے اس طرح پورے بارہ مہینے مکمل ہو جائیں گے۔

بیوی کے عیب کی وجہ سے خاوند کو فسخ کا اختیار نہیں ہوگا

(۱۶۹) : [وَاِذَا كَانَ بِالزَّوْجَةِ عَيْبٌ فَلاَ خِيَارَ لِلزَّوْجِ] وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: تُرَدُّ بِالْعُيُوبِ الْخَمْسَةِ وَهِيَ: الْجُذَامُ وَالْبَرَصُ وَالْجُنُونُ وَالرَّتْقُ وَالْقَرْنُ لِاَنَّهَا تَمْنَعُ الِاسْتِيفَاءَ حِسًّا اَوْ طَبْعًا وَالطَّبْعُ مُؤَيَّدٌ بِالشَّرْعِ.

قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ [فِرَّ مِنَ الْمَجْذُوْمِ فِرَارَكَ مِنَ الْاَسَدِ] وَلَنَا اَنَّ فَوْتَ الِاسْتِيفَاءِ اَصْلًا بِالْمَوْتِ لَا يُوجِبُ الْفَسْخَ فَاخْتِلَالُهُ بِهٰذِهِ الْعُيُوبِ اَوْلٰى. وَهٰذَا لِاَنَّ الِاسْتِيفَاءَ مِنَ الثَّمَرَاتِ وَالْمُسْتَحَقُّ هُوَ التَّمَكُّنُ وَهُوَ حَاصِلٌ.

ترجمہ: [اور جب عورت میں کوئی عیب ہو تو خاوند کو (فسخ کا) اختیار نہیں ہوگا]

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: پانچ عیبوں کی وجہ سے عورت کو رد کر دیا جائے:

① کوڑھ کا مرض، ② برص (سفید داغ ہوں)، ③ پاگل ہو، ④ جماع کا راستہ نہ ہو، ⑤ شرمگاہ جڑی ہوئی یعنی تنگ ہو۔

کیونکہ ان عیبوں کی وجہ سے حسی یا طبعی طور پر عورت سے فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا اور طبعی کی تائید شریعت سے ہوتی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فِرَّ مِنَ الْمَجْذُوْمِ فِرَارَكَ مِنَ الْأَسَدِ۔◆

ترجمہ: کوڑھ والے سے اس طرح بھاگو جس طرح شیر سے بھاگتے ہو۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ بنیادی طور پر عورت سے نفع حاصل کرنا اس کی موت کی وجہ سے ختم ہوتا ہے اور اس سے بھی فسخ نہیں ہوسکتا پس ان عیبوں کی وجہ سے پیدا ہونے والے خلل سے بدرجہ اولیٰ فسخ نہیں ہوگا کیونکہ اس (نکاح) کے ثمرات سے فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے اور مرد کا استحقاق عورت پر قادر ہونا ہے اور وہ حاصل ہے۔

توضیح: مرد میں پائے جانے والے عیب کی وجہ سے عورت کو نکاح کے فسخ کرانے کا حق ہے جیسے عِنِّین کا حکم گزر چکا ہے۔

لیکن اگر عورت میں عیب ہو تو مرد کو فسخ نکاح کا اختیار نہیں ہوگا اس میں امام شافعی رحمہ اللہ کا اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں:

پانچ عیب ایسے ہیں جن کی وجہ سے مرد نکاح کو فسخ کرسکتا ہے (ان عیبوں کا ذکر ترجمہ میں گزر چکا ہے)

پہلا عیب کوڑھ کا مرض ہے تو فطری اور طبعی طور پر انسان اس سے نفرت کرتا ہے اور حضور علیہ السلام نے بھی کوڑھی سے دور رہنے کا حکم دیا جیسا کہ حدیث شریف گزر چکی ہے —— اس لئے عورت سے فائدہ حاصل نہیں ہوسکتا۔

اسی طرح برص کا حکم ہے جس میں عورت کے جسم پر سفید داغ ہوتے ہیں اور مرد طبعاً اسے پسند نہیں کرتا۔

عورت کی شرمگاہ پیشاب کے لئے الگ اور جماع کے لئے الگ ہوتی ہے تو جس عورت کی صرف پیشاب کی شرمگاہ (سوراخ) ہو دوسری نہ ہو تو جنسی طور پر اس سے نفع نہیں ہوسکتا کیونکہ جماع ممکن نہیں (اسے رتق کہتے ہیں)

ایک عیب "قرن" ہے جس کا معنیٰ ملنا ہے یعنی شرمگاہ تو ہے لیکن اس کے اندر کوئی ہڈی وغیرہ ہو اور سوراخ تنگ ہو اس لئے جنسی طور پر اس سے جماع کا فائدہ حاصل کرنا ممکن نہیں۔

پاگل کے ساتھ ویسے رہنا مشکل ہوتا ہے۔

لہٰذا ان عیبوں کی وجہ سے امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مرد نکاح کو فسخ کرسکتا ہے۔

ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ جب عورت فوت ہوجائے تو اس سے نفع حاصل کرنا بالکل ختم ہوجاتا ہے تو ایسی صورت میں بھی نکاح فسخ نہیں ہوتا اور ان عیبوں کی وجہ سے نفع حاصل کرنے میں محض خلل ہوتا ہے تو بدرجہ اولیٰ فسخ کا حق نہیں ہوگا۔

مقصد یہ ہے کہ ان عیبوں کی بنیاد پر عورت سے کسی نہ کسی صورت میں نفع حاصل کرسکتا ہے جس کے لئے عورت پر مرد کا قادر ہونا ضروری ہے اور وہ قادر ہے اور مرد کا حق یہی ہے۔

نوٹ: احناف کے ہاں فسخ جائز نہیں البتہ ضرورت کے تحت کسی دوسری فقہ کے مطابق فسخ کا فتویٰ دیا جاسکتا ہے جس طرح خلع کی صورت میں جب خاوند طلاق نہ دے تو عدالت فسخ نکاح کرسکتی ہے۔

لیکن یہاں تو مرد کا مسئلہ ہے اور اسے طلاق دینے کا اختیار ہے لہٰذا اگر وہ ایسی عورت کو نہ رکھنا چاہے تو طلاق دے سکتا ہے۔ (۱۲ ہزاروی)

◆ مصنف ابن ابی شیبہ، باب من کان یتقی المجذوم، حدیث: ۲۴۵۴۳

مرد کے عیوب اور عورت کا اختیار

(۱۷۱) : [وَاِذَا كَانَ بِالزَّوْجِ جُنُوْنٌ اَوْ بَرَصٌ اَوْ جُذَامٌ فَلاَ خِيَارَ لَهَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَاَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ، وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ: لَهَا الْخِيَارُ] دَفْعًا لِلضَّرَرِ عَنْهَا كَمَا فِي الْجَبِّ وَالْعُنَّةِ، بِخِلاَفِ جَانِبِهٖ لِاَنَّهٗ مُتَمَكِّنٌ مِنْ دَفْعِ الضَّرَرِ بِالطَّلاَقِ.

وَلَهُمَا اَنَّ الْاَصْلَ عَدَمُ الْخِيَارِ لِمَا فِيْهِ مِنْ اِبْطَالِ حَقِّ الزَّوْجِ، وَاِنَّمَا يَثْبُتُ فِي الْجَبِّ وَالْعُنَّةِ لِاَنَّهُمَا يُخِلَّانِ بِالْمَقْصُوْدِ الْمَشْرُوْعِ لَهُ النِّكَاحُ، وَهٰذِهِ الْعُيُوْبُ غَيْرُ مُخِلَّةٍ بِهٖ فَافْتَرَقَا. وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

ترجمہ: [اور جب خاوند پاگل ہو یا وہ برص یا کوڑھ کا مریض ہو تو حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک عورت کو علیحدگی کا اختیار نہیں۔ اور حضرت امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک اختیار ہے]

(وہ فرماتے ہیں) عورت سے ضرر دور کرنے کے لئے (اختیار ہوگا) جیسے عِنِّیْن اور مجبوب کا حکم ہے۔

بخلاف مرد کی جانب کے کیونکہ وہ طلاق کے ذریعے ضرر کو دور کر سکتا ہے۔

شیخین کی دلیل یہ ہے کہ اصل، اختیار کا نہ ہونا ہے کیونکہ اس میں خاوند کے حق کو باطل کرنا ہے اور مجبوب اور عِنِّیْن میں اختیار اس لئے ثابت ہے کہ جس مقصد کے لئے نکاح جائز ہوا ہے یہ دونوں عیب اس میں خلل ڈالتے ہیں۔

اور مذکورہ بالا عیب اس مقصد میں خلل نہیں ڈالتے لہٰذا دونوں مسئلوں میں فرق ہوا اور اللہ تعالیٰ بہتر بات کو خوب جانتا ہے۔

توضیح: اگر مرد میں یہ تین عیب پائے جائیں کہ وہ پاگل ہو یا اسے کوڑھ یا برص کا مرض لاحق ہو تو عورت کو علیحدگی کا اختیار ہوگا یا نہیں؟ اس سلسلے میں شیخین اور حضرت امام محمد (رحمہم اللہ) کے درمیان اختلاف ہے۔

حضرت امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: چونکہ ایسے مرد کی زوجیت میں عورت کو نقصان ہوتا ہے لہٰذا اسے علیحدگی حاصل کرنے کا اختیار ہوگا جس طرح وہ شخص جس کا عضو مخصوص کٹا ہوا یا وہ نامرد ہو (مجبوب یا عِنِّیْن ہو) تو عورت کو اختیار ہوتا ہے۔

مرد کو علیحدگی کا اختیار اس لئے نہیں کہ وہ طلاق کے ذریعے اس نقصان کو دور کر سکتا ہے (جب عورت میں یہ عیب ہو)

شیخین رحمہما اللہ فرماتے ہیں: اصل یہ ہے کہ عورت کو اختیار نہ ہو کیونکہ اس طرح مرد کا حق باطل ہوتا ہے البتہ مجبوب اور عِنِّیْن کا معاملہ الگ ہے کیونکہ ان کا یہ عیب نکاح کے مقصود (یعنی جماع) میں مخل ہوتا ہے۔

اور یہ عیوب جن کا اوپر ذکر ہوا مقصود میں خلل نہیں ڈالتے کیونکہ ان کی وجہ سے جماع میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی لہٰذا دونوں قسم کے عیبوں میں فرق ہے اللہ تعالیٰ بہتر بات کو خوب جانتا ہے۔

بَابُ الْعِدَّةِ

باب: عدت کا بیان

آزاد عورت کی عدت تین حیض

(۱۷۱) : [وَاِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَاَتَهُ طَلَاقًا بَائِنًا اَوْ رَجْعِيًّا اَوْ وَقَعَتِ الْفُرْقَةُ بَيْنَهُمَا بِغَيْرِ طَلَاقٍ وَهِيَ حُرَّةٌ مِمَّنْ تَحِيْضُ فَعِدَّتُهَا ثَلَاثَةُ اَقْرَاءٍ] لِقَوْلِهٖ تَعَالٰی: ﴿وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ﴾ وَالْفُرْقَةُ اِذَا كَانَتْ بِغَيْرِ طَلَاقٍ فَهِيَ فِيْ مَعْنَى الطَّلَاقِ لِاَنَّ الْعِدَّةَ وَجَبَتْ لِلتَّعَرُّفِ عَنْ بَرَائَةِ الرَّحِمِ فِي الْفُرْقَةِ الطَّارِئَةِ عَلَى النِّكَاحِ، وَهٰذَا يَتَحَقَّقُ فِيْهَا.

ترجمہ: [اور جب مرد اپنی بیوی کو طلاق بائن یا طلاق رجعی دے یا ان کے درمیان طلاق کے بغیر تفریق ہو جائے اور وہ آزاد ہو اور اسے حیض آتا ہو تو اس کی عدت تین حیض ہے]

کیونکہ ارشاد خداوندی ہے:

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ [1]

ترجمہ: اور طلاق والی عورتیں اپنے آپ کو تین حیض ٹھہرائیں۔

اور اگر طلاق کے بغیر تفریق ہو جائے تو یہ بھی طلاق کے معنیٰ میں ہے کیونکہ عدت اس لئے واجب ہوئی ہے کہ نکاح پر جو جدائی طاری ہوئی اس میں عورت کے رحم کا (حمل سے) خالی ہونا معلوم ہو جائے اور یہ بات ان (تین حیضوں میں متحقق ہو جاتی ہے)

توضیح: جب عورت کو طلاق ہو جائے بائن ہو یا رجعی یا طلاق کے بغیر تفریق ہو گئی تو ضروری ہے کہ وہ عورت کسی دوسرے شخص سے اس وقت تک نکاح نہ کرے جب تک اس کے پیٹ کی حالت معلوم نہ ہوتا کہ بچے کا نسب خلط ملط نہ ہو جائے۔

قرآن پاک میں تین قروء کا ذکر ہے اور یہ لفظ حیض اور طہر میں مشترک ہے احناف نے اس سے حیض مراد لیا ہے

[1] سورہ بقرہ، آیت: ۲۲۸

اور تین حیضوں کے دوران برأت رحم (یعنی عورت کی بچہ دانی) کا حال معلوم ہو جاتا ہے۔

اور جس طرح یہ بات طلاق کی صورت میں ضروری ہے طلاق کے بغیر تفریق میں بھی ضروری ہے کیونکہ دونوں کا مقصود ایک ہی ہے۔

قروء سے کیا مراد ہے؟

(۱۷۲) : وَالْاَقْرَاءُ الْحِيَضُ عِنْدَنَا .وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: اَلْاَطْهَارُ وَاللَّفْظُ حَقِيقَةٌ فِيهِمَا إِذْ هُوَ مِنَ الْاَضْدَادِ، كَذَا قَالَهُ ابْنُ السِّكِّيتِ وَلَا يَنْتَظِمُهُمَا جُمْلَةً لِلاشْتِرَاكِ وَالْحَمْلُ عَلَى الْحَيْضِ اَوْلٰى. اِمَّا عَمَلًا بِلَفْظِ الْجَمْعِ. لِاَنَّهُ لَوْ حُمِلَ عَلَى الْاَطْهَارِ وَالطَّلَاقُ يُوْقَعُ فِي طُهْرٍ لَمْ يَبْقَ جَمْعًا. اَوْ لِاَنَّهُ مُعَرِّفٌ لِبَرَائَةِ الرَّحِمِ وَهُوَ الْمَقْصُوْدُ. اَوْ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ «وَعِدَّةُ الْاَمَةِ حَيْضَتَانِ» فَيَلْتَحِقُ بَيَانًا بِهِ۔

ترجمہ: اور ہمارے نزدیک اقراء سے مراد حیض ہے ـــــ

اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: طہر مراد ہیں اور لفظ قروء دونوں میں حقیقت ہے کیونکہ یہ ان الفاظ میں سے ہے جن سے باہم مخالف معانی مراد ہوتے ہیں۔ ابن السکیت نے اسی طرح کہا ہے اور مشترک ہونے کی وجہ سے دونوں معنی بیک وقت مراد نہیں ہو سکتے اور حیض پر محمول کرنا زیادہ بہتر ہے یا تو لفظ جمع پر عمل کرتے ہوئے کیونکہ اگر اسے طہر پر محمول کیا جائے اور طلاق طہر کی حالت میں ہو تو جمع پر عمل نہ ہوگا یا اس لئے کہ اس کے ذریعے رحم کی برأت کا پتہ چلتا ہے اور وہی مقصود ہے یا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کی وجہ سے، آپ نے فرمایا:

وَعِدَّةُ الْاَمَةِ حَيْضَتَانِ۔ ◆

ترجمہ: ''لونڈی کی عدت دو حیض ہیں۔''

تو اسے بطور بیان اس میں شامل کیا گیا۔

توضیح: لفظ قروء، قرء کی جمع ہے اور یہ لفظ دو معنوں میں مشترک ہے:

① حیض، ② طہر ـــــ اور دونوں اس کے حقیقی معانی ہیں۔

مشترک کا ایک معنیٰ جب مراد لیا جائے تو دوسرا معنیٰ مراد نہیں لے سکتے۔ احناف نے اس سے حیض مراد لیا اور شافعی مسلک والوں نے طہر مراد لیا ہے۔

◆ ابوداؤد، کتاب الطلاق، باب فی سنۃ طلاق العبد، حدیث: ۲۱۸۹۔ ترمذی، کتاب الطلاق، باب ما جاء أن طلاق الامۃ تطلیقتان، حدیث: ۱۱۸۲

اب احناف طہر مراد نہیں لے سکتے اور شوافع حیض مراد نہیں لے سکتے اس لفظ کو اضداد میں شمار کیا گیا یعنی اس کے دو معنیٰ ایک دوسرے کی ضد ہیں جیسے تعزیر کا لفظ اضداد میں سے ہے اس کا معنیٰ تعظیم بھی ہے اور سزا دینا بھی ہے جو ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔

اہل لغت میں سے ایک امام ابن السکیت ہیں انہوں نے اور الجوہری نے بھی یہ بات کہی ہے۔

احناف کا مؤقف تین وجہ سے اولیٰ (بہتر) ہے۔

① حضور ﷺ نے فرمایا: لونڈی کی عدت دو حیض ہے تو ظاہر ہے کہ آزاد عورت کی عدت بھی حیض ہوگی کیونکہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ کسی عورت کی عدت حیض ہو اور کسی کی عدت طہر ہو —— قیاس کے مطابق لونڈی کی عدت ڈیڑھ حیض ہونا چاہئے لیکن حیض کے اجزاء نہیں ہوتے اس لئے پورے دو حیض ہیں۔

② لفظ جمع پر عمل کیا گیا یعنی قرآن پاک میں تین قروء بیان ہوئے جب طہر میں طلاق دینا سنت ہے تو اس طہر کا کچھ حصہ اور اگلے دو طہر ملائیں تو تین پورے نہیں ہوتے جبکہ تین حیض پورے ہو جاتے ہیں۔

③ عدت کا مقصد برأت رحم ہے اور وہ حیض کے ذریعے معلوم ہو سکتا ہے کیونکہ جب حمل ٹھہرے تو حیض نہیں آتا اس لئے حیض کے ذریعے عدت زیادہ مناسب ہے۔

حیض نہ آتا ہو تو عدت تین مہینے ہوگی

(۱۷۳): [وَاِنْ كَانَتْ لَا تَحِيْضُ مِنْ صِغَرٍ اَوْ كِبَرٍ فَعِدَّتُهَا ثَلَاثَةُ اَشْهُرٍ] لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى: ﴿وَالّٰٓئِیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ﴾ ❶ الْاٰيَةَ [وَكَذَا الَّتِيْ بَلَغَتْ بِالسِّنِّ وَلَمْ تَحِضْ] بِاٰخِرِ الْاٰيَةِ.

ترجمہ: [اور اگر عورت کو نابالغ ہونے یا بڑھاپے کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو تو اس کی عدت تین مہینے ہوگی] کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَالّٰٓئِیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ

ترجمہ: اور تمہاری وہ عورتیں جو حیض سے مایوس ہو جائیں۔

[اور اسی طرح وہ لڑکی جو عمر کے اعتبار سے بالغ ہو جائے اور اسے حیض نہ آئے]، آیت کے آخر سے یہ بات ثابت ہے۔

توضیح: سنت طلاق کے باب میں یہ بات وضاحت کے ساتھ بیان ہوئی ہے کہ جب عورت کو حیض نہ آتا ہو تو مہینہ، حیض کے قائم مقام ہوگا —— صاحب ہدایہ نے اس پر مندرجہ بالا آیت بطور دلیل ذکر فرمائی۔

عورت یا تو علامات کے ذریعے بالغ ہوتی ہے یعنی اسے حیض آئے تو یہ بلوغت کی علامت ہوتی ہے اور اگر حیض نہ

❶ سورہ طلاق، آیت: ۴

یہ کہ عورت حاملہ ہوتو اس کی عدت بچے کی پیدائش پر ختم ہوگی اس کی دلیل قرآن پاک کی آیت ذکر کی گئی۔

دوسرا مسئلہ:

اگر مُطَلَّقَة عورت لونڈی ہوتو اس کی عدت (تین کی بجائے) دوحیض ہوں گے اور اگر اسے حیض نہ آتا ہوتو ڈیڑھ مہینہ ہوگا اس کی نقلی دلیل رسول اکرم ﷺ کی حدیث ذکر کی گئی کہ لونڈی کی طلاقیں دو اور عدت دوحیض ہیں۔

عقلی دلیل یہ ہے کہ آزاد کے مقابلے میں غلام کی نعمت یا سزا وغیرہ نصف ہوتی ہے اور چونکہ حیض کا نصف نہیں ہوتا ہے اسی طرح طلاق کا بھی نصف نہیں ہوتا لہٰذا دوطلاقیں اور دوحیض کامل ہوں گے۔

لیکن چونکہ مہینہ تقسیم ہوسکتا ہے لہٰذا اگر اسے حیض نہ آتا ہوتو عدت ڈیڑھ مہینہ ہوگی۔

عدت وفات چار مہینے دس دن ہے

(۱۷۵) : [وَعِدَّةُ الْحُرَّةِ فِي الْوَفَاةِ اَرْبَعَةُ اَشْهُرٍ وَعَشْرٍ] لِقَوْلِهِ تَعَالٰى: ﴿وَ يَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ عَشْرًا﴾ ❶ [وَعِدَّةُ الْاَمَةِ شَهْرَانِ وَخَمْسَةُ اَيَّامٍ] لِاَنَّ الرِّقَّ مُنَصِّفٌ.

ترجمہ: خاوند کی وفات پر آزاد عورت کی عدت چار مہینے دس دن ہوں گے کیونکہ ارشاد خداوندی ہے:

وَ يَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ عَشْرًا

ترجمہ: اور تم میں وہ لوگ جو فوت ہو جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ (عورتیں) اپنے آپ کو چار مہینے دس دن روکیں۔

[اور لونڈی کی عدت دو مہینے پانچ دن ہوگی] کیونکہ غلامی نصف کرنے والی ہے۔

توضیح: بیوہ خاتون کی یہ عدت، سوگ کی عدت ہے اور قرآن پاک میں اس کا ذکر چار مہینے دس دن کے ساتھ ہے لونڈی کے سلسلے میں ضابطہ پہلے بھی بیان ہوا کہ غلامی ان امور کو نصف کر دیتی ہے لہٰذا بیوہ لونڈی کی عدت دو ماہ پانچ دن ہوگی۔

بیوہ حاملہ کی عدت

(۱۷۶) : [وَاِنْ كَانَتْ حَامِلًا فَعِدَّتُهَا اَنْ تَضَعَ حَمْلَهَا] لِاِطْلَاقِ قَوْلِهِ تَعَالٰى: ﴿وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ ❷ وَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ: مَنْ شَاءَ بَاهَلْتُهُ اَنَّ سُوْرَةَ النِّسَاءِ الْقُصْرٰى نَزَلَتْ بَعْدَ الْاٰيَةِ الَّتِيْ فِيْ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ.

❶ سورۃ البقرۃ، آیت: ۲۳۴ ❷ سورۃ الطلاق، آیت: ۴

21/21

وَقَالَ عُمَرُ: لَوْ وَضَعَتْ وَزَوْجُهَا عَلٰی سَرِیْرِہٖ لَانْقَضَتْ عِدَّتُهَا وَحَلَّ لَهَا اَنْ تَتَزَوَّجَ۔

ترجمہ: [اور اگر بیوہ حاملہ ہو تو اس کی عدت بچے کا پیدا ہونا ہے]

کیونکہ ارشاد خداوندی:

وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ

ترجمہ: اور حمل والی عورتوں کی مدت بچے کا پیدا ہونا ہے۔

یہ مطلق ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جو چاہے مجھ سے، مباہلہ کر لے کہ چھوٹی سورۂ نساء اس آیت کے بعد نازل ہوئی جو سورۂ بقرہ میں ہے۔ (حوالہ گزر گیا)

اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر عورت کے ہاں بچہ پیدا ہوا اور اس کا خاوند چارپائی پر ہو تو اس کی عدت ختم ہو جائے گی اور اس کے لئے نکاح کرنا جائز ہوگا۔ ❶

توضیح: بیوہ عورت کی عدت چار مہینے دس دن بیان کی گئی تھی لیکن اگر وہ حاملہ بھی ہو تو بچہ پیدا ہوتے ہی اس کی عدت ختم ہو جائے گی اس کی دلیل مذکورہ بالا آیت ہے جو مطلق ہے یعنی اس میں ایسی قید نہیں ہے جس سے بیوہ عورت کو نکالا جا سکتا بلکہ جو بھی حاملہ ہو وہ بیوہ ہو یا کوئی اور اس کی عدت بچے کے پیدا ہونے پر ختم ہو جاتی ہے۔

اس سلسلے میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا گیا اس کو سمجھنے سے پہلے چند باتیں سمجھنا ضروری ہیں:

① مباہلہ کا مطلب یہ ہے کہ جب دو آدمی باہم اختلاف کریں اور کہیں کہ جھوٹے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو تو اسے مباہلہ کہا جاتا ہے۔

② سورۂ نساء قصریٰ (چھوٹی سورۂ نساء سے مراد سورۂ طلاق ہے جو ۶۵ نمبر سورۂ ہے اس میں آیت نمبر ۴ اس طرح ہے:

وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ

اور حمل والی عورتوں کی عدت بچے کی پیدائش تک ہے۔

③ سورۂ نساء طولیٰ یا کبریٰ سے مراد سورۂ نساء ہے جو سورۂ آل عمران کے بعد ہے۔

سورۂ بقرہ میں یوں ارشاد ہے:

وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا یَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ❷

ترجمہ: اور تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ خواتین چار مہینے دس دن عدت گزاریں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: سورۂ بقرہ کی یہ آیت پہلے کی ہے اور سورۂ طلاق کی آیت جس میں حاملہ

❶ مؤطا امام مالک ❷ سورہ بقرہ، آیت: ۲۳۴

عورتوں کا ذکر ہے وہ بعد کی ہے۔

لہٰذا بعد والی آیت سے بیوہ حاملہ کا وہ حکم ہے جو سورۂ بقرہ والی آیت میں چار مہینے دس دن کا ہے، منسوخ ہو گیا یعنی اب مہینوں کے حساب سے عدت صرف اس بیوہ کے لئے ہے جو حاملہ نہ ہو اگر بیوہ حاملہ ہو تو اس کی عدت بچے کی پیدائش تک ہے کیونکہ یہ حکم مؤخر اور ناسخ ہے اور مطلق ہے بیوہ اور غیر بیوہ سب کو شامل ہے۔

اسی بات پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مباہلہ کا چیلنج دے رہے ہیں۔

اس کی تائید میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول ذکر کیا کہ اگر ابھی میت چارپائی پر ہو دفن نہ کیا گیا ہو اور عورت کے ہاں بچہ پیدا ہو تو اس کی عدت ختم ہو گئی اور وہ دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔

مُطَلَّقَة بیوہ عورت کی عدت

(۱۷۷) [وَإِذَا وَرِثَتْ الْمُطَلَّقَةُ فِي الْمَرَضِ فَعِدَّتُهَا أَبْعَدُ الْأَجَلَيْنِ] وَهٰذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ: وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ: ثَلَاثُ حِيَضٍ. وَمَعْنَاهُ إِذَا كَانَ الطَّلَاقُ بَائِنًا أَوْ ثَلَاثًا. أَمَّا إِذَا كَانَ رَجْعِيًّا فَعَلَيْهَا عِدَّةُ الْوَفَاةِ بِالْإِجْمَاعِ.

لِأَبِي يُوسُفَ أَنَّ النِّكَاحَ قَدْ انْقَطَعَ قَبْلَ الْمَوْتِ بِالطَّلَاقِ وَلَزِمَتْهَا ثَلَاثُ حِيَضٍ. وَإِنَّمَا تَجِبُ عِدَّةُ الْوَفَاةِ إِذَا زَالَ النِّكَاحُ فِي الْوَفَاةِ إِلَّا أَنَّهُ بَقِيَ فِي حَقِّ الْإِرْثِ لَا فِي حَقِّ تَغَيُّرِ الْعِدَّةِ، بِخِلَافِ الرَّجْعِيِّ لِأَنَّ النِّكَاحَ بَاقٍ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ.

وَلَهُمَا أَنَّهُ لَمَّا بَقِيَ فِي حَقِّ الْإِرْثِ يُجْعَلُ بَاقِيًا فِي حَقِّ الْعِدَّةِ احْتِيَاطًا فَيُجْمَعُ بَيْنَهُمَا.

ترجمہ: [اور جس عورت کو خاوند نے مرض الموت کی حالت میں طلاق دی اور (وہ مر گیا اور) وہ اس کی وارث بن گئی تو اس کی عدت دو وقتوں میں سے دور کا وقت ہے]۔

یہ حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک ہے۔ حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں (اس کی عدت) تین حیض ہیں اور اس کا مطلب یہ ہے کہ جب طلاق بائن یا تین طلاقیں دی ہوں اور اگر رجعی طلاق دی تو سب کے نزدیک عدت وفات ہوگی۔

حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ نکاح موت سے پہلے طلاق کے ذریعے ختم ہو چکا ہے اور اس پر (بطور عدت) تین حیض لازم ہو گئے ہیں اور عدت وفات اس وقت واجب ہوتی ہے جب نکاح وفات کی وجہ سے زائل ہو لیکن وراثت کے حق میں نکاح باقی ہے عدت کی تبدیلی کے حق میں (باقی) نہیں بخلاف رجعی طلاق کے، کیونکہ (اس صورت میں) نکاح ہر اعتبار سے باقی ہے۔

طرفین رحمہم اللہ کی دلیل یہ ہے کہ جب نکاح وراثت کے حق میں باقی ہے تو احتیاطاً اسے عدت کے حق میں بھی باقی قرار دیا جائے گا لہٰذا دونوں کو جمع کیا جائے گا۔

توضیح: جب کوئی شخص بستر مرگ پر ہو اور اپنی بیوی کو طلاق دے تو اسے وراثت سے بھاگنے والا قرار دیا جاتا ہے تو اگر عورت کی عدت کے دوران وہ فوت ہو جائے تو شریعت اس مرد کے ارادے کو رد کرتے ہوئے عورت کو وارث قرار دیتی ہے۔

''مریض کی طلاق'' میں یہ مسئلہ تفصیل سے گزر چکا ہے۔

اب چونکہ وہ طلاق کی عدت گزار رہی ہے اور خاوند کے مرنے سے اس پر عدت وفات بھی لازم ہوتی ہے تو کیا صورت ہوگی؟

حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام محمد رحمہما اللہ فرماتے ہیں: ان میں سے جس کی مدت زیادہ ہو وہ عدت گزارے یعنی اگر طلاق کی عدت یعنی تین حیض، عدت وفات یعنی چار ماہ دس دن گزرنے سے پہلے ختم ہو جائیں تو وہ عدت وفات پوری کرے اور اگر تین حیض کی مدت بڑھ جائے تو وہ چار ماہ دس دن سے زیادہ اس وقت تک عدت گزارے جب تک تین حیض مکمل نہیں ہوتے۔

اس کو ابعد الاجلین کہا جاتا ہے یعنی دو وقتوں میں سے جو زیادہ دور کا وقت ہو۔

حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب اسے طلاق ہوگئی تو تین حیض بطور عدت گزارنا لازم ہو گئے اور اس کا نکاح ختم ہو گیا لہٰذا خاوند کے فوت ہونے سے یہ عدت تبدیل نہیں ہوگی کیونکہ وفات کے وقت وہ اس کے نکاح میں نہیں تھی۔

سوال: اگر وہ اس کے نکاح سے نکل گئی تو وراثت کی حق دار کیسے ہوگی؟

جواب: چونکہ مرد نے اسے وراثت سے محروم کرنے کے لئے مرض الموت میں طلاق دی اس لئے مرد کے اس غیر اخلاقی رویہ کا رد کرنے کے لئے شریعت نے عدت کے دوران صرف وراثت کے حق میں نکاح کو باقی رکھا عدت کی تبدیلی کے حق میں نہیں۔

نوٹ: چونکہ طلاق رجعی میں عدت کے اختتام تک نکاح باقی رہتا ہے اسی لئے جماع کے ذریعے رجوع ہو سکتا ہے لہٰذا اس صورت میں سب کا اتفاق ہے کہ عدت ابعد الاجلین ہوگی۔

طرفین نے حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے جواب میں فرمایا کہ جب وراثت کے حق میں نکاح باقی ہے تو احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ عدت وفات کے حق میں بھی اسے برقرار رکھا جائے۔ یاد رہے کہ یہ اختلاف طلاق بائن اور طلاق مغلظہ کے بارے میں ہے کیونکہ ان دونوں صورتوں میں طلاق کے ساتھ ہی عورت اور مرد کے درمیان جدائی ہو جاتی ہے۔

مرد کے مرتد ہونے کی وجہ سے مقتول کی بیوی کی عدت

(۱۷۸): وَلَوْ قُتِلَ عَلٰی رِدَّتِهٖ حَتّٰی وَرِثَتْهُ امْرَاَتُهٗ فَعِدَّتُهَا عَلٰی هٰذَا الْاِخْتِلَافِ

وَقِيْلَ عِدَّتُهَا بِالْحَيْضِ بِالْاِجْمَاعِ لِاَنَّ النِّكَاحَ حِيْنَئِذٍ مَا اُعْتُبِرَ بَاقِيًا اِلٰى وَقْتِ الْمَوْتِ فِيْ حَقِّ الْاِرْثِ لِاَنَّ الْمُسْلِمَةَ لَا تَرِثُ مِنَ الْكَافِرِ [فَاِذَا عَتَقَتِ الْاَمَةُ فِيْ عِدَّتِهَا مِنْ طَلَاقٍ رَجْعِيٍّ انْتَقَلَتْ عِدَّتُهَا اِلٰى عِدَّةِ الْحَرَائِرِ] لِقِيَامِ النِّكَاحِ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ [وَاِنْ اُعْتِقَتْ وَهِيَ مَبْتُوْتَةٌ اَوْ مُتَوَفًّى عَنْهَا زَوْجُهَا لَمْ تَنْتَقِلْ عِدَّتُهَا اِلٰى عِدَّةِ الْحَرَائِرِ] لِزَوَالِ النِّكَاحِ بِالْبَيْنُوْنَةِ اَوِ الْمَوْتِ.

ترجمہ: اگر کوئی شخص مرتد ہونے کی وجہ سے قتل کیا گیا حتی کہ اس کی بیوی اس کی وارث قرار پائی تو اس کی عدت میں بھی یہی اختلاف ہے اور کہا گیا ہے کہ اس کی عدت حیض ہے اس پر اتفاق ہے کیونکہ وراثت کے حق میں اس کی موت تک نکاح کا اعتبار باقی نہ رہا اس لئے کہ مسلمان عورت، کافر مرد کی وارث نہیں ہوتی۔

(پس جب لونڈی کو طلاق رجعی کی عدت کے دوران آزاد کیا گیا تو اس کی عدت آزاد عورتوں کی عدت کی طرف منتقل ہو جائے گی) کیونکہ نکاح ہر اعتبار سے قائم ہے۔

(اور اگر اسے اس حالت میں آزاد کیا گیا کہ وہ طلاق بائن کی عدت گزار رہی تھی یا اس کا خاوند فوت ہوا تھا تو اس کی عدت، آزاد عورتوں کی عدت کی طرف منتقل نہیں ہوگی) کیونکہ طلاق بائن یا (خاوند کی) وفات کی وجہ سے نکاح ختم ہو گیا۔

توضیح: یہاں تین مسائل ذکر کئے گئے ہیں:

پہلا مسئلہ:

مرتد شخص کی بیوی کی عدت کیا ہوگی جب اس مرتد کو قتل کیا گیا۔

دوسرا مسئلہ:

لونڈی کو طلاق رجعی دی اور عدت کے دوران اسے آزاد کر دیا گیا تو اس کی عدت کیا ہوگی۔

تیسرا مسئلہ:

لونڈی کو طلاق بائن دی گئی یا اس کا خاوند فوت ہوا اور عدت کے دوران اسے آزاد کیا گیا تو اس کی عدت کا حکم کیا ہوگا۔

پہلے مسئلہ میں ایک قول تو وہی اختلافی ہے جو گزشتہ مسئلہ میں گزر چکا ہے یعنی حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک تین حیض ہوں گے اور طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک ابعد الاجلین ہوگی لیکن صاحب ہدایہ فرماتے ہیں: یہاں ایک اور قول ہے اور اس پر اتفاق ہے وہ یہ کہ اسے تین حیض گزارنا ہوں گے کیونکہ یہاں وراثت کے حق میں اس کے نکاح کو باقی قرار نہیں دیا جائے گا کیونکہ مسلمان عورت، کافر مرد کی وارث نہیں ہوتی۔

جبکہ گزشتہ مسئلہ میں وراثت کے حق میں اس کے نکاح کو باقی قرار دیا گیا تھا۔

دوسرا مسئلہ:

اس لونڈی سے متعلق ہے کہ جب اسے طلاق رجعی دی اور اس صورت میں اس کی عدت دو حیض تھی لیکن اس دوران

اسے آزاد کر دیا گیا اور چونکہ ابھی وہ عدت گزار رہی ہے اور طلاق رجعی میں عدت کے اختتام تک نکاح باقی ہوتا ہے لہٰذا اب اس کی عدت آزاد عورتوں کی عدت کی طرف منتقل ہو جائے گی اور وہ تین حیض گزارے گی۔

تیسرا مسئلہ:

بھی لونڈی سے متعلق ہے جسے عدت کے دوران آزاد کیا گیا لیکن اسے طلاق بائن دی گئی یا خاوند کی وفات ہوئی تھی تو اس صورت میں چونکہ نکاح ختم ہو جاتا ہے لہٰذا اس کی عدت وہی لونڈی والی ہوگی۔

آئسہ عورت کی عدت میں تبدیلی

(۱۷۹) : [وَاِنْ كَانَتْ آيِسَةً فَاعْتَدَّتْ بِالشُّهُورِ ثُمَّ رَاَتْ الدَّمَ انْتَقَضَ مَا مَضٰى مِنْ عِدَّتِهَا وَعَلَيْهَا اَنْ تَسْتَاْنِفَ الْعِدَّةَ بِالْحَيْضِ] وَمَعْنَاهُ اِذَا رَاَتْ الدَّمَ عَلَى الْعَادَةِ لِاَنَّ عَوْدَهَا يُبْطِلُ الْاِيَاسَ هُوَ الصَّحِيحُ. فَظَهَرَ اَنَّهُ لَمْ يَكُنْ خَلَفًا وَهٰذَا لِاَنَّ شَرْطَ الْخَلْفِيَّةِ تَحَقُّقُ الْيَاْسِ وَذٰلِكَ بِاسْتِدَامَةِ الْعَجْزِ اِلَى الْمَمَاتِ كَالْفِدْيَةِ فِيْ حَقِّ الشَّيْخِ الْفَانِيْ

[وَلَوْ حَاضَتْ حَيْضَتَيْنِ ثُمَّ اَيِسَتْ تَعْتَدُّ بِالشُّهُوْرِ] تَحَرُّزًا عَنِ الْجَمْعِ بَيْنَ الْبَدَلِ وَالْمُبْدَلِ.

ترجمہ: [اور اگر عورت آئسہ ہو (حیض سے ناامید ہوگئی) اور وہ مہینوں کے حساب سے عدت گزار رہی تھی پھر اس نے خون دیکھا تو جس قدر عدت گزاری ہے وہ ٹوٹ جائے گی اور اس پر لازم ہے کہ نئے سرے سے حیض کے ساتھ عدت گزارے] اس کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ (عدت کے دوران) عادت کے مطابق خون دیکھے کیونکہ خون کے لوٹنے سے اس کی ناامیدی باطل ہو جاتی ہے یہی صحیح قول ہے——

پس اس سے ظاہر ہو گیا کہ وہ (مہینوں کے ذریعے عدت) نائب نہیں کیونکہ نائب ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ ناامیدی ثابت ہو جائے اور اس کا ثبوت مرتے دم تک اس کا عاجز ہونا باقی ہو جس طرح شیخ فانی کے حق میں فدیہ کا حکم ہے۔

[اور اگر اسے دو حیض آئیں پھر آئسہ ہو جائے تو مہینوں کے ذریعے عدت گزارے] تا کہ وہ بدل اور مبدل منہ کو جمع کرنے سے بچے۔

توضیح: عورت جب پچاس پچپن سال کی عمر کو پہنچ جائے تو اسے حیض آنا بند ہو جاتا ہے اور اسے آئسہ (ناامید) کہتے ہیں۔ اس حالت میں عدت مہینوں کے حساب سے ہوتی ہے جیسا کہ تفصیلی طور پر گزر چکا ہے۔

اس لئے جب ایسی عورت کو طلاق ہوئی اور وہ مہینوں کے حساب سے عدت گزار رہی تھی کہ اسے خون آ گیا اور وہ عادت کے مطابق آیا تو اب وہ آئسہ نہیں رہی کیونکہ آئسہ وہ عورت ہوتی ہے جسے آپ مرتے دم تک خون نہ آئے اور مہینوں

کے حساب سے عدت، حیض والی عدت کی نائب ہوتی ہے جب اصل حالت لوٹ آئی تو اسے اب تین حیض عدت گزارنا ہو گی اور جس قدر عدت گزری ہے وہ کالعدم ہو جائے گی۔

اب اگر ایک یا دو حیض آنے کے بعد خون بند ہو جائے تو پھر نئے سرے سے مہینوں کے حساب سے عدت گزارے گی۔

سوال: جس قدر عدت گزر گئی وہ شمار کیوں نہیں کی جاتی۔

جواب: چونکہ بدل اور مبدل منہ اکٹھے نہیں ہو سکتے اور مہینوں کے حساب سے عدت، حیض والی عدت کا بدل ہے اس لئے ایک ہی انداز کی عدت گزارنا ہو گی۔

فاسد نکاح اور موطوۂ بالشبہ کی عدت

(۱۸۰) : [وَالْمَنْكُوحَةُ نِكَاحًا فَاسِدًا وَالْمَوْطُوئَةُ بِشُبْهَةٍ عِدَّتُهُمَا الْحَيْضُ فِي الْفُرْقَةِ وَالْمَوْتِ] لِاَنَّهَا لِلتَّعَرُّفِ عَنْ بَرَائَةِ الرَّحِمِ لَا لِقَضَاءِ حَقِّ النِّكَاحِ. وَالْحَيْضُ هُوَ الْمُعَرِّفُ.

[وَاِذَا مَاتَ مَوْلٰى اُمِّ الْوَلَدِ عَنْهَا اَوْ اَعْتَقَهَا فَعِدَّتُهَا ثَلَاثُ حِيَضٍ. وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: حَيْضَةٌ وَّاحِدَةٌ] لِاَنَّهَا تَجِبُ بِزَوَالِ مِلْكِ الْيَمِيْنِ فَشَابَهَتْ الِاسْتِبْرَاءَ

وَلَنَا اَنَّهَا وَجَبَتْ بِزَوَالِ الْفِرَاشِ فَاَشْبَهَ عِدَّةَ النِّكَاحِ ثُمَّ اِمَامُنَا فِيْهِ عُمَرُ فَاِنَّهُ قَالَ: عِدَّةُ اُمِّ الْوَلَدِ ثَلَاثُ حِيَضٍ [وَلَوْ كَانَتْ مِمَّنْ لَا تَحِيْضُ فَعِدَّتُهَا ثَلَاثَةُ اَشْهُرٍ] كَمَا فِي النِّكَاحِ.

ترجمہ: [اور جس عورت سے نکاح فاسد ہوا اور جس عورت سے شبہ سے وطی کی گئی ان کے درمیان تفریق ہو یا مرد کا انتقال ہو جائے، (دونوں صورتوں میں) ان کی عدت حیض کے ساتھ ہو گی] کیونکہ عدت اس لئے ہے کہ عورت کے رحم کی برأت معلوم ہو۔ حق نکاح کو پورا کرنے کے لئے نہیں اور حیض کے ذریعے ہی اس کی پہچان ہوتی ہے۔

[اور جب اُمّ ولد کا مولیٰ فوت ہو جائے یا اسے آزاد کر دے تو اس کی عدت تین حیض ہیں —— اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ایک حیض عدت ہو گی]

کیونکہ یہ عدت ملک یمین کے زوال کی وجہ سے واجب ہوئی ہے پس یہ استبراء کی طرح ہو گی۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ عدت اس کے ہم بستر نہ رہنے کی وجہ سے لہٰذا عدت نکاح کے مشابہ ہے۔

پھر اس مسئلہ میں ہمارے مقتدا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں آپ نے فرمایا: ام ولد کی عدت تین حیض ہیں۔ ❶

[اور اگر وہ (اُمّ ولد) ان عورتوں میں سے ہو جن کو حیض نہیں آتا تو اس کی عدت تین مہینے ہوں گے] جس طرح نکاح میں ہوتا ہے۔

❶ نصب الرایہ، جلد: ۲، ص: ۲۵۸

توضیح: یہاں دو مسئلوں کا بیان ہے:
جس عورت سے نکاح فاسد ہوا یا شبہ میں وطی ہوئی اس کی عدت کا حکم ——

دوسرا مسئلہ:
اُمّ ولد سے متعلق ہے جس کا مولی مرجائے یا اسے آزاد کرے تو اس کی عدت کیا ہوگی۔

① نکاح فاسد کی مثال جیسے گواہوں کے بغیر نکاح کرنا یا مُطَلَّقَہ بیوی کی عدت کے دوران اس کی بہن سے نکاح کرنا، یا چار بیویوں میں سے ایک کو طلاق دی اور اس کی عدت کے دوران پانچویں عورت سے نکاح کرنا یہ نکاح فاسد ہے۔

وطی بالشبہ کی مثال اس طرح ہے کہ مرد کے پاس بیوی کے شبہ میں کوئی دوسری عورت بھیج دی گئی اور اس نے اپنی بیوی سمجھ کر اس سے جماع کرلیا تو اگر وہ مرد فوت ہوجائے یا ان کے درمیان تفریق ہوجائے تو ان کی عدت تین حیض ہوں گے۔
اس کی وجہ یہ ہے کہ عدت کا مقصد عورت کے رحم کی حالت معلوم کرنا ہوتا ہے کہ حاملہ تو نہیں تو اس بات کا علم حیض کے ذریعے ہی ہوتا ہے کیونکہ حمل کی صورت میں حیض آنا بند ہوجاتا ہے یہ عدت حق نکاح کو پورا کرنے کے لئے نہیں ہوتی۔
اُمِّ ولد اس لونڈی کو کہتے ہیں جس سے اس کے مولیٰ کا کوئی بچہ پیدا ہوا ہو۔
اگر لونڈی کا مولیٰ فوت ہوجائے یا وہ اسے آزاد کردے تو چونکہ اب وہ آزاد ہوچکی ہے لہٰذا اس کی عدت آزاد عورتوں کی طرح تین حیض ہوں گے اور اگر اسے حیض نہ آتا ہو تو تین مہینے ہوں گے یعنی اس کا وہی حکم ہوگا جو نکاح والی عورت (کی عدت) کا ہوتا ہے۔
نوٹ: لونڈی سے اس کا مولیٰ نکاح نہیں کرسکتا بلکہ اس کے بغیر ہی اس سے نفع اٹھاتا ہے۔
ام ولد کی عدت کے بارے میں امام شافعی رحمہ اللہ کا اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں: اس کی عدت ایک حیض ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ چونکہ یہ عدت ملک یمین کے زوال کی وجہ سے واجب ہوئی ہے لہٰذا یہ استبراء کی طرح ہے اور وہ ایک حیض سے ہوجاتا ہے۔
نوٹ: غلام یا لونڈی کی ملکیت جو ان کے مولیٰ کو حاصل ہوتی ہے، اسے ملک یمین کہتے ہیں۔
② استبراء عورت کے پیٹ (رحم) کی حالت معلوم کرنا کہ وہ حمل سے خالی ہے یا نہیں۔
حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے جواب میں احناف کی دلیل یہ ہے کہ یہ عدت اس لئے واجب ہوتی ہے کہ اُمّ ولد اپنے مولیٰ کی ہم بستر رہی ہے اور اب اس کا زوال ہوگیا لہٰذا یہ نکاح کے زوال کی طرح ہے اس لئے اس کی عدت وہی ہوگی جو نکاح کے زوال (یعنی طلاق) کی صورت میں ہوتی ہے۔
اور اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد گرامی بھی دلیل ہے کہ آپ نے فرمایا:
ام ولد کی عدت تین حیض ہیں ——

نابالغ کی حاملہ بیوی کی عدت وفات

(۱۸۱) : [وَاِذَا مَاتَ الصَّغِيْرُ عَنْ امْرَاَتِهٖ وَبِهَا حَبَلٌ فَعِدَّتُهَا اَنْ تَضَعَ حَمْلَهَا] وَهٰذَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ. وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ: عِدَّتُهَا اَرْبَعَةُ اَشْهُرٍ وَعَشْرٍ. وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ لِاَنَّ الْحَمْلَ لَيْسَ بِثَابِتِ النَّسَبِ مِنْهُ فَصَارَ كَالْحَادِثِ بَعْدَ الْمَوْتِ.

وَلَهُمَا اِطْلَاقُ قَوْله تَعَالٰى: ﴿وَ اُوْلَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ[1]﴾ (وَاُوْلَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ) وَلِاَنَّهَا مُقَدَّرَةٌ بِمُدَّةِ وَضْعِ الْحَمْلِ فِيْ اُوْلَاتِ الْاَحْمَالِ قَصُرَتِ الْمُدَّةُ اَوْ طَالَتْ لَا لِلتَّعَرُّفِ عَنْ فَرَاغِ الرَّحِمِ لِشَرْعِهَا بِالْاَشْهُرِ مَعَ وُجُوْدِ الْاَقْرَاءِ. لٰكِنْ لِقَضَاءِ حَقِّ النِّكَاحِ. وَهٰذَا الْمَعْنٰى يَتَحَقَّقُ فِي الصَّبِيِّ وَاِنْ لَمْ يَكُنْ الْحَمْلُ مِنْهُ. بِخِلَافِ الْحَمْلِ الْحَادِثِ لِاَنَّهٗ وَجَبَتْ الْعِدَّةُ بِالشُّهُوْرِ فَلَا تَتَغَيَّرُ بِحُدُوْثِ الْحَمْلِ. وَفِيْمَا نَحْنُ فِيْهِ كَمَا وَجَبَتْ وَجَبَتْ مُقَدَّرَةً بِمُدَّةِ الْحَمْلِ فَافْتَرَقَا.

ترجمہ: [اور جب نابالغ (شوہر) اپنی حاملہ بیوی کو چھوڑ کر فوت ہو جائے تو اس کی عدت بچہ پیدا ہونے تک ہے]

یہ حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ حضرت امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس پر چار مہینے دس دن عدت گزارنا لازم ہے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔ کیونکہ اس سے حمل ثابت نہیں گویا یہ موت کے بعد ظاہر ہوا طرفین کی دلیل ارشاد خداوندی ہے:

وَ اُوْلَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ[1]

ترجمہ: اور حمل والی عورتوں کی عدت بچہ پیدا ہونے تک ہے۔

اور چونکہ حمل والی عورتوں میں اس کا اندازہ بچے کی پیدائش کے ساتھ لگایا گیا ہے مدت کم ہو یا زیادہ، یہ عورت کے رحم کی حالت معلوم کرنے کے لئے نہیں (وہ تو معلوم ہے) کیونکہ یہ حیض کے باوجود مہینوں کے حساب سے ہے لیکن یہ حق نکاح کو پورا کرنے کے لئے ہے۔

اور بچے کے بارے میں یہ معنیٰ ثابت ہوتا ہے اگرچہ حمل اس سے نہ ہو۔

بخلاف اس حمل کے جو (موت کے بعد) پیدا ہوا کیونکہ اس میں عدت مہینوں کے حساب سے ہے لہٰذا یہ نئے حمل کی وجہ سے تبدیل نہیں ہوگی اور جس مسئلہ میں ہم گفتگو کر رہے ہیں اس میں واجب ہی حمل کی مدت کے ساتھ ہوتی ہے لہٰذا دونوں مسئلوں میں فرق ہے۔

---

[1] سورہ طلاق، آیت: ۴

توضیح: یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ بیوہ عورت حاملہ ہو تو اس کی عدت بچے کی پیدائش تک ہے۔
لیکن جب اس کا خاوند جو فوت ہوا نابالغ ہو تو کیا اب بھی اس کی عدت یہی ہوگی تو اس سلسلے میں طرفین اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک یہی عدت ہوگئی کیونکہ قرآن پاک کی (مذکورہ بالا) آیت میں حمل والی عورتوں کی عدت یہی بیان کی گئی اور وہ مطلق ہے خاوند نابالغ ہو یا بالغ ——

اس آیت کے علاوہ ان کی عقلی دلیل یہ ہے کہ یہ عدت عورت کے رحم کی حالت معلوم کرنے کے لئے نہیں بلکہ اس کی مدت بچے کی پیدائش تک مقرر ہے وہ مدت کم ہو یا زیادہ، کیونکہ یہ حق نکاح کے لئے مقرر ہے اور بچے میں یہ معنیٰ پایا جاتا ہے اگرچہ بچے سے حمل ممکن نہیں۔

حضرت امام ابو یوسف اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک اس کی عدت چار مہینے دس دن ہوگی کیونکہ اس حمل سے نسب ثابت نہیں ہوتا (کیونکہ بچے سے یہ ممکن نہیں) گویا یہ حمل بچے کی وفات کے بعد ہوا ہے (پہلے سے نہیں ہے)

امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ نے اپنی عقلی دلیل میں یہ بھی فرمایا کہ جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے اگر اسے حیض آتا بھی ہو تو اس کی عدت مہینوں کے حساب سے ہوتی ہے (جبکہ حیض والی عورت کی عدت مہینوں کے حساب سے نہیں ہوتی)
جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ جب نیا حمل ہو جو وفات کے بعد ہوا تو مہینوں کے حساب سے عدت ہوتی ہے لیکن اس مسئلہ میں عدت کا آغاز اسی طرح ہوا کہ بچے کی پیدائش پر مکمل ہوگی۔

اس لئے موت کے وقت قائم حمل اور بعد میں پیدا ہونے والے حمل کا حکم الگ الگ ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر وفات سے پہلے حمل نہ ہو بلکہ بعد میں ہوا تو عدت مہینوں کے حساب سے شروع ہوئی تھی اب وہ نہیں بدلے گی لیکن جب حمل پہلے سے ہو تو وہ شروع سے ہی بچے کی پیدائش سے متعلق ہے۔ مہینوں کا اعتبار نہیں ہوگا۔

بڑی عمر کے خاوند کی وفات کے بعد عورت کا حمل

(۱۸۲): وَلَا يَلْزَمُ امْرَأَةُ الْكَبِيْرِ إِذَا حَدَثَ لَهَا الْحَبَلُ بَعْدَ الْمَوْتِ لِأَنَّ النَّسَبَ يَثْبُتُ مِنْهُ فَكَانَ كَالْقَائِمِ عِنْدَ الْمَوْتِ حُكْمًا [وَلَا يَثْبُتُ نَسَبُ الْوَلَدِ فِي الْوَجْهَيْنِ] لِأَنَّ الصَّبِيَّ لَا مَاءَ لَهُ فَلَا يُتَصَوَّرُ مِنْهُ الْعُلُوقُ. وَالنِّكَاحُ يَقُوْمُ مَقَامَهُ فِيْ مَوْضِعِ التَّصَوُّرِ

ترجمہ: اور بالغ مرد کی بیوی کے ہاں خاوند کے فوت ہونے کے بعد ٹھہرنے والے حمل کی وجہ سے اعتراض نہیں ہوگا کیونکہ اس سے نسب ثابت ہے گویا وہ حکمی طور پر موت کے وقت موجود تھا۔

[اور دونوں صورتوں میں بچے کا نسب ثابت نہیں ہوگا] کیونکہ بچے کا مادہ منویہ نہیں ہوتا لہٰذا اس سے علوق کا تصور نہیں ہوتا اور نکاح اس کے قائم مقام وہاں ہوتا ہے جہاں اس کا تصور ہو سکے۔

توضیح: اس سے پہلے اس حاملہ بیوہ کا ذکر ہوا جس کا خاوند نابالغ تھا اور فوت ہو گیا اس کی عدت کا بیان ہو۔

اس مسئلہ میں حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ اس عورت کی عدت وضع حمل نہیں بلکہ چار ماہ دس دن ہوگی کیونکہ اس کے خاوند سے حمل ثابت نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ بچہ ہے لہٰذا یوں سمجھا جائے گا کہ گویا حمل اس کی موت کے بعد ہوا۔

اب ایک اعتراض کا جواب دیا جا رہا ہے کہ اگر مرد بالغ ہو اور اس کی وفات کے بعد اس کی بیوی کو حمل ٹھہرے تو یہاں اس کی عدت وضع حمل کیوں ہے؟

اس کا جواب دیا گیا کہ چونکہ مرد بالغ تھا اور اس سے نسب ثابت ہوتا ہے اس لئے اس کی وفات کے بعد وفات حکمی طور پر حمل کو قائم مانا جائے گا اور اس خاتون کی عدت بچے کی پیدائش تک ہوگی۔

دوسرا مسئلہ:

یہ ہے کہ ان دونوں صورتوں میں بچے کا نسب اس مرد سے ثابت نہیں ہوگا اس لئے کہ خاوند نابالغ ہے جو مادیہ منویہ سے خالی ہے لہٰذا اسے علوق نہیں ہوتا۔

نوٹ: مادہ منویہ عورت کے رحم میں جب جمے ہوئے خون کی شکل اختیار کرتا ہے تو اس کو علوق کہتے ہیں۔

اگر کہا جائے کہ نکاح کو اس کے قائم مقام قرار دیا جائے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اس صورت میں ہوتا ہے جہاں اس خاوند سے عورت کے حمل کا تصور ہو سکے اور بچے سے یہ بات متصور نہیں ہوتی۔

دونوں صورتوں سے مراد یہ ہے کہ اگر اس نابالغ خاوند کے فوت ہوتے وقت عورت کو حمل ہو یا اس کی موت کے بعد پیدا ہو دونوں صورتوں میں بچے کا نسب اس سے ثابت نہیں ہوگا۔

جس حیض میں طلاق دی وہ عدت میں شمار نہیں ہوگا

(۱۸۳) : [وَاِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَاَتَهُ فِیْ حَالَةِ الْحَيْضِ لَمْ تَعْتَدَّ بِالْحَيْضَةِ الَّتِیْ وَقَعَ فِيْهَا الطَّلَاقُ] لِاَنَّ الْعِدَّةَ مُقَدَّرَةٌ بِثَلَاثِ حِيَضٍ كَوَامِلَ فَلَا يَنْقُصُ عَنْهَا.

ترجمہ: [اور جب مرد اپنی عورت کو حالت حیض میں طلاق دے تو جس حیض میں طلاق ہوئی وہ عدت میں شمار نہیں ہو گا] کیونکہ عدت کا اندازہ تین کامل حیضوں کے ساتھ لگایا گیا لہٰذا اس سے کم نہیں ہوگا۔

توضیح: اگرچہ حیض کی حالت میں طلاق دینا بدعت ہے لیکن طلاق واقع ہو جاتی ہے اور یہ بات واضح ہے کہ طلاق کے بعد وہ حیض کامل نہیں ہوتا بلکہ اس کا کچھ حصہ پہلے گزر چکا ہوتا ہے جبکہ قرآن پاک میں "ثلاثۃ قروء" فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ تین حیض پورے ہوں اور یہاں تین سے کم ہیں لہٰذا اس حیض کے بعد آنے والے تین حیض عدت میں شمار ہوں گے۔

دو عدتوں میں تداخل

(۱۸۴) : [وَإِذَا وُطِئَتِ الْمُعْتَدَّةُ بِشُبْهَةٍ فَعَلَيْهَا عِدَّةٌ أُخْرٰى وَتَدَاخَلَتِ الْعِدَّتَانِ، وَيَكُوْنُ مَا تَرَاهُ الْمَرْأَةُ مِنَ الْحَيْضِ مُحْتَسَبًا مِنْهُمَا جَمِيْعًا، وَإِذَا انْقَضَتِ الْعِدَّةُ الْأُوْلٰى وَلَمْ تُكْمِلِ الثَّانِيَةَ فَعَلَيْهَا تَمَامُ الْعِدَّةِ الثَّانِيَةِ] وَهٰذَا عِنْدَنَا.

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: لَا تَتَدَاخَلَانِ لِأَنَّ الْمَقْصُوْدَ هُوَ الْعِبَادَةُ فَإِنَّهَا عِبَادَةُ كَفٍّ عَنِ التَّزَوُّجِ وَالْخُرُوْجِ فَلَا تَتَدَاخَلَانِ كَالصَّوْمَيْنِ فِيْ يَوْمٍ وَاحِدٍ وَلَنَا أَنَّ الْمَقْصُوْدَ التَّعَرُّفُ عَنْ فَرَاغِ الرَّحِمِ وَقَدْ حَصَلَ بِالْوَاحِدَةِ فَتَتَدَاخَلَانِ، وَمَعْنَى الْعِبَادَةِ تَابِعٌ. أَلَا تَرٰى أَنَّهَا تَنْقَضِيْ بِدُوْنِ عِلْمِهَا وَمَعَ تَرْكِهَا الْكَفَّ.

[وَالْمُعْتَدَّةُ عَنْ وَفَاةٍ إِذَا وُطِئَتْ بِشُبْهَةٍ تَعْتَدُّ بِالشُّهُوْرِ وَتَحْتَسِبُ بِمَا تَرَاهُ مِنَ الْحَيْضِ فِيْهَا] تَحْقِيْقًا لِلتَّدَاخُلِ بِقَدْرِ الْإِمْكَانِ.

ترجمہ: [اور جب عدت گزارنے والی عورت سے شبہ کے ساتھ وطی کی جائے تو اس پر دوسری عدت لازم ہوگی اور دونوں عدتوں میں تداخل ہوگا اور جو حیض عورت دیکھ چکی ہے وہ ان دونوں حیضوں میں شمار ہوگا اور جب پہلی عدت پوری ہو جائے اور دوسری پوری نہ ہو تو اس پر دوسری عدت پورا کرنا لازم ہے] اور یہ ہمارے نزدیک ہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ان میں تداخل نہیں ہوگا کیونکہ مقصود عبادت ہے کیونکہ یہ نکاح کرنے اور باہر جانے سے رکنے والی عبادت ہے لہٰذا ان میں تداخل نہیں ہوگا جس طرح ایک دن میں دو روزے نہیں رکھ سکتے۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ مقصود عورت کے رحم کے حمل سے فارغ ہونے کی پہچان ہے اور وہ ایک حیض سے بھی معلوم ہو جاتا ہے لہٰذا تداخل ہوگا اور عبادت کا مفہوم اس کے تابع ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ بعض اوقات عورت کے علم اور اس کے اپنے آپ کو نہ روکنے کے بغیر بھی عدت ختم ہو جاتی ہے (عورت کو عدت کے ختم ہونے کا علم نہ ہوا یا وہ عدت کے دوران گھر سے باہر گئی تو یہ عدت میں رکاوٹ نہیں بلکہ عدت اس کے باوجود مکمل ہو جاتی ہے)

[اور جو عورت عدت وفات گزار رہی ہو جب اس سے شبہ کے ساتھ وطی کی گئی تو وہ مہینوں کے حساب سے عدت گزارے اور جو حیض وہ دیکھ چکی ہے اسے اس میں شمار کرے] تاکہ ممکن حد تک تداخل ہو جائے۔

توضیح: جب مُطلّقہ عورت عدت گزار رہی ہو اور کسی نے شبہ میں اس سے وطی کر لی تو اب اس پر ایک اور عدت لازم ہو جائے گی۔ اور چونکہ وہ پہلے سے عدت گزار رہی ہے لہٰذا دونوں عدتوں میں تداخل ہو جائے گا۔

تداخل کا مطلب یہ ہے کہ دونوں کے لئے الگ الگ عدت نہیں ہوگی کہ چھ حیض عدت ہو۔ وطی بالشبہ کا ذکر کیا اس کی

ایک صورت یہ ہوسکتی ہے کہ کسی دوسرے شخص نے اندھیرے میں اسے اپنی بیوی سمجھ کر اس سے جماع کر لیا یا اس خاتون کی عدت ختم ہوگئی تھی اور یہ شبہ ہوا کہ ابھی اس کی عدت باقی ہے اور طلاق رجعی تھی۔

تو ان صورتوں میں دو عدتیں لازم ہوگئیں لیکن ان میں تداخل ہوگا مثلاً مطلقہ عورت کو ایک حیض آ چکا تھا اس کے بعد وطی بالشبہ ہوئی تو یہ حیض بھی عدت میں شمار ہوگا آئندہ آنے والے دو حیض دونوں عدتوں میں شمار ہوں گے اب پہلی عدت ختم ہوگئی کیونکہ اس کے لئے تین حیض مکمل ہوگئے لیکن دوسری عدت کے ابھی دو حیض گزرے لہٰذا ایک اور حیض گزارنا ہوگا۔

یوں چار حیضوں میں دونوں عدتیں مکمل ہو جائیں گی۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اس میں اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں: تداخل نہیں ہوگا کیونکہ عدت گزارنا شرعی حکم ہونے کی وجہ سے عبادت ہے۔ عورت دوسری جگہ نکاح کرنے اور گھر سے باہر جانے سے شرعی حکم کے تحت رک جاتی ہے۔

اور ایک وقت میں دو عبادتیں اکٹھی نہیں ہوسکتیں جس طرح ایک دن میں دو روزے نہیں رکھ سکتے۔

احناف کی دلیل یہ ہے کہ اصل مقصود یہ بات معلوم کرنا ہے کہ اس کے پیٹ میں بچہ تو نہیں ہے اور یہ بات ایک حیض سے بھی معلوم ہوسکتی ہے لہٰذا عدت میں تداخل ہوگا جہاں تک عبادت کا تعلق ہے تو وہ ضمنی طور پر ہے وہ فرماتے ہیں: عورت کو علم نہ ہونے کے باوجود عدت ختم ہو جاتی ہے (وضاحت ترجمہ میں کردی گئی) اور اگر وہ گھر سے باہر نکلے تو بھی عدت باطل نہیں ہوتی اور گزر جاتی ہے (لہٰذا بنیادی طور پر وہ عبادت نہیں)۔

دوسرا مسئلہ:

اس عورت سے متعلق ہے جو عدت وفات گزار رہی تھی اور اس سے شبہ میں وطی ہوگئی تو وہ مہینوں کے اعتبار سے عدت گزارے گی اور جو حیض اسے آ چکا ہے اسے بھی شمار کرے گی ——

یعنی پہلی عدت چار مہینے دس دن ہے اب جب دوسری جگہ نکاح کر لیا یا کسی اور شبہ کی صورت میں وطی ہوئی تو نکاح کی صورت میں فوراً تفریق ہو جائے گی اور اس پر عدت لازم ہوگی اور یہ عدت تین حیض ہوں گے اب چار مہینے دس دن تک پہلی عدت ہوگی اور تفریق کے بعد دوسری عدت حیض کے ساتھ شروع ہوگی اور اس دوران جو حیض آئے گا وہ دونوں میں شمار ہوگا۔ یعنی چار مہینے دس دن گزرنے کے بعد دوسری عدت شروع نہیں ہوگی بلکہ ممکن حد تک تداخل ہوگا۔

عدت کب شروع ہوگی

(۱۸۵) : [وَابْتِدَاءُ الْعِدَّةِ فِي الطَّلَاقِ عَقِيبَ الطَّلَاقِ وَفِي الْوَفَاةِ عَقِيبَ الْوَفَاةِ. فَإِنْ لَمْ تَعْلَمْ بِالطَّلَاقِ أَوْ الْوَفَاةِ حَتّٰى مَضَتْ مُدَّةُ الْعِدَّةِ فَقَدْ انْقَضَتْ عِدَّتُهَا] لِأَنَّ سَبَبَ وُجُوبِ الْعِدَّةِ الطَّلَاقُ أَوْ الْوَفَاةُ فَيُعْتَبَرُ ابْتِدَاؤُهَا مِنْ وَقْتِ وُجُودِ السَّبَبِ. وَمَشَايِخُنَا يُفْتُونَ فِي الطَّلَاقِ أَنَّ

ابْتِدَائَ هَا مِنْ وَقْتِ الْإِقْرَارِ نَفْيًا لِتُهْمَةِ الْمُوَاضَعَةِ.

[وَالْعِدَّةُ فِي النِّكَاحِ الْفَاسِدِ عَقِيبَ التَّفْرِيقِ أَوْ عَزْمِ الْوَاطِئِ عَلَى تَرْكِ وَطْئِهَا] وَقَالَ زُفَرُ: مِنْ آخِرِ الْوَطَآتِ لِأَنَّ الْوَطْئَ هُوَ السَّبَبُ الْمُوْجِبُ.

وَلَنَا أَنَّ كُلَّ وَطْئٍ وُجِدَ فِي الْعَقْدِ الْفَاسِدِ يَجْرِيْ مَجْرَى الْوَطْأَةِ الْوَاحِدَةِ لِاسْتِنَادِ الْكُلِّ إِلَى حُكْمِ عَقْدٍ وَاحِدٍ، وَلِهٰذَا يُكْتَفَى فِي الْكُلِّ بِمَهْرٍ وَاحِدٍ. فَقِيْلَ: الْمُتَارَكَةُ أَوِ الْعَزْمُ لَا تُثْبِتُ الْعِدَّةَ مَعَ جَوَازِ وُجُوْدِ غَيْرِهٖ وَلِأَنَّ التَّمَكُّنَ عَلَى وَجْهِ الشُّبْهَةِ أُقِيمَ مَقَامَ حَقِيقَةِ الْوَطْئِ لِخَفَائِهٖ وَمَسَاسِ الْحَاجَةِ إِلَى مَعْرِفَةِ الْحُكْمِ فِي حَقِّ غَيْرِهٖ.

ترجمہ: [اور طلاق کی صورت میں عدت کا آغاز طلاق کے بعد ہوگا اور وفات کی صورت میں وفات کے بعد شروع ہو گی اور اگر طلاق یا وفات کا علم نہ ہو حتیٰ کہ عدت کی مدت گزر جائے تو اس کی عدت ختم ہو جائے گی]

کیونکہ وجوب عدت کا سبب طلاق یا وفات ہے لہٰذا اس کی ابتداء کا اعتبار سبب کے پائے جانے کے وقت سے ہوگا اور ہمارے مشائخ طلاق کے سلسلے میں اقرار کے وقت سے آغاز کرتے ہیں تا کہ (مرد عورت کے) باہمی اتفاق کی تہمت نہ آئے۔

[اور نکاح فاسد کی عدت تفریق یا وطی کرنے والے کے وطی نہ کرنے کے عزم سے شروع ہوگی]

اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: آخری وطی سے شروع ہوگی کیونکہ وطی ہی عدت کا سبب ہے جو اسے واجب کرتی ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ عقد فاسد میں جس قدر وطی پائی گئی وہ ایک وطی کے قائم مقام ہوگی کیونکہ ان سب کی نسبت ایک عقد کی طرف ہوتی ہے اسی لئے ان سب کے لئے ایک مہر کافی ہوتا ہے لہٰذا متارکہ یا وطی کو ترک کرنے کے عزم سے پہلے عدت واجب نہیں ہوتی کیونکہ اس کے علاوہ وطی پائی جا سکتی ہے نیز شبہ کے سبب پر قادر ہونا حقیقت وطی کے قائم مقام ہے کیونکہ وہ مخفی ہے اور حکم کی معرفت کی حاجت دوسرے شخص کے حق کی وجہ سے ہے۔

توضیح: عدت کے سلسلے میں ایک اور مسئلہ اس کے آغاز کا ہے تو اس سلسلے میں تین صورتیں ہوں گی:

① طلاق کے بعد عدت، ② وفات کے بعد (جبکہ نکاح صحیح ہوا) ③ نکاح فاسد کی عدت۔

اگر طلاق دی تو طلاق کے بعد عدت شروع ہو جائے گی اسی طرح اگر مرد فوت ہو گیا تو اس کے فوت ہوتے ہی عدت شروع ہو جائے گی۔

طلاق یا وفات کا علم نہ ہوا؟

اگر عورت کو مرد کے طلاق دینے یا اس کی وفات کا علم نہ ہوا اور عدت کی مدت گزر گئی تو اس کی عدت ختم ہو جائے گی اس کی وجہ یہ ہے کہ عدت کے وجوب کا سبب طلاق یا وفات ہے اس لئے اس کا آغاز طلاق یا وفات سے ہوا اور جب عورت کو

اس کا علم ہوا اس وقت عدت کی مدت گزر چکی تھی لہٰذا عدت مکمل ہو گئی کیونکہ اس کا آغاز سبب کے پائے جانے کے وقت سے ہوا تھا۔

مشائخ کا فتویٰ

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ بخارا اور سمرقند کے علماء کرام (مشائخ سے مراد علماء ہیں) فرماتے ہیں: اس وقت سے عدت شروع ہو گی جب مرد اقرار کرے کہ اس نے طلاق دی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس طرح وہ تہمت سے محفوظ ہو جائیں گے۔ اس کی تفصیل یوں ہے کہ بعض اوقات مرد جو بیمار ہوتا ہے وہ اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ میں نے اسے طلاق دی تھی اور اس کی عدت بھی ختم ہو گئی ہے۔

اس سے وہ عورت کو فائدہ پہنچانا چاہتا ہے کہ میں نے اس کا قرض دینا ہے اور اس کا یہ اقرار درست سمجھا جاتا ہے کہ اس طرح وہ اس کے نکاح سے نکلنے کی وجہ سے وارث نہیں رہی کیونکہ اگر وہ وارث ہو تو اس کے لئے اقرار نہیں کر سکتا۔

یا وہ اس کی بہن سے یا اس کے علاوہ چار عورتوں سے نکاح کرنا چاہتا ہے ـــــ

تو اس تہمت سے بچنے کے لئے عدت اس وقت شروع ہو گی جب وہ اقرار کرے ـــــ

مواضعت کا مطلب کسی بات پر باہم اتفاق کرنا ہے۔

نکاح فاسد کی عدت؟

نکاح فاسد جیسے گواہوں کے بغیر نکاح کرنا مطلقہ عورت کی عدت کے دوران اس کی بہن سے نکاح کرنا وغیرہ۔

نکاح فاسد کی صورت میں ان کے درمیان تفریق ضروری ہوتی ہے لیکن چونکہ وطی کر چکا ہے لہٰذا عدت ضروری ہے۔

اور اس عدت کا وقت تفریق کے بعد یا جب مرد یہ ارادہ کر لے کہ اب وہ اس سے وطی نہیں کرے گا اس وقت سے شروع ہو گا۔

امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف

اس مسئلہ میں حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب وہ آخری بار اس سے وطی کرے اس وقت عدت شروع ہو جائے گی کیونکہ عدت کے وجوب کا سبب وطی ہی ہے۔ دیگر ائمہ کی دلیل یہ ہے کہ عقد فاسد کے دوران جتنی مرتبہ وطی ہوئی وہ ایک وطی شمار ہوتی ہے کیونکہ ان تمام کی نسبت ایک ہی عقد کی طرف ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ وہ جتنی مرتبہ وطی کرے گا ایک ہی مہر واجب ہو گا۔ لہٰذا متارکہ (اسے چھوڑ دینا) یا وطی ترک کرنے کے عزم سے پہلے عدت واجب نہیں ہو گی کیونکہ ممکن ہے وہ پھر وطی کرے تو پہلے والی وطی آخری وطی نہیں ہو گی۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ شبہ کے طور پر وطی پر قادر ہونا حقیقت وطی کے قائم مقام ہے کیونکہ وطی تو پوشیدہ ہے کیونکہ وہ دوسرے شخص کے حق کے لئے ہے جو اس سے نکاح کرے گا اور وہ اس سے مخفی ہے اگرچہ ان دونوں بیوی خاوند سے مخفی نہیں

ہے۔اس لئے اس تیسرے شخص کی ضرورت ہے کہ وہ وقت عدت سے آگاہ ہو۔

عدت ختم ہونے کے بارے میں عورت کا قول معتبر ہوگا

(۱۸۶) : [وَاِذَا قَالَتِ الْمُعْتَدَّةُ انْقَضَتْ عِدَّتِیْ وَکَذَّبَهَا الزَّوْجُ کَانَ الْقَوْلُ قَوْلَهَا مَعَ الْیَمِیْنِ] لِاَنَّهَا اَمِیْنَةٌ فِیْ ذٰلِكَ وَقَدْ اُتُّهِمَتْ بِالْکَذِبِ فَتَحْلِفُ کَالْمُوْدَعِ.

[وَاِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَاَتَهُ طَلَاقًا بَائِنًا ثُمَّ تَزَوَّجَهَا فِیْ عِدَّتِهَا وَطَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُوْلِ بِهَا فَعَلَیْهِ مَهْرٌ کَامِلٌ وَّعَلَیْهَا عِدَّةٌ مُّسْتَقْبَلَةٌ. وَهٰذَا عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ وَاَبِیْ یُوْسُفَ. وَقَالَ مُحَمَّدٌ: عَلَیْهِ نِصْفُ الْمَهْرِ وَعَلَیْهِ اِتْمَامُ الْعِدَّةِ الْاُوْلٰی] لِاَنَّ هٰذَا طَلَاقٌ قَبْلَ الْمَسِیْسِ فَلَا یُوْجِبُ کَمَالَ الْمَهْرِ وَلَا اسْتِئْنَافَ الْعِدَّةِ. وَاِکْمَالُ الْعِدَّةِ الْاُوْلٰی اِنَّمَا یَجِبُ بِالطَّلَاقِ الْاَوَّلِ. اِلَّا اَنَّهُ لَمْ یَظْهَرْ حَالَ التَّزَوُّجِ الثَّانِیْ. فَاِذَا ارْتَفَعَ بِالطَّلَاقِ الثَّانِیْ ظَهَرَ حُکْمُهُ. کَمَا لَوِ اشْتَرٰی اُمَّ وَلَدِهٖ ثُمَّ اَعْتَقَهَا.

وَلَهُمَا اَنَّهَا مَقْبُوْضَةٌ فِیْ یَدِهٖ حَقِیْقَةً بِالْوَطْاَةِ الْاُوْلٰی وَبَقِیَ اَثَرُهٗ وَهُوَ الْعِدَّةُ. فَاِذَا جَدَّدَ النِّکَاحَ وَهِیَ مَقْبُوْضَةٌ نَابَ ذٰلِكَ الْقَبْضُ عَنِ الْقَبْضِ الْمُسْتَحَقِّ فِیْ هٰذَا النِّکَاحِ کَالْغَاصِبِ یَشْتَرِی الْمَغْصُوْبَ الَّذِیْ فِیْ یَدِهٖ یَصِیْرُ قَابِضًا بِمُجَرَّدِ الْعَقْدِ. فَوَضَحَ بِهٰذَا اَنَّهُ طَلَاقٌ بَعْدَ الدُّخُوْلِ.

وَقَالَ زُفَرُ: لَا عِدَّةَ عَلَیْهَا اَصْلًا ؛ لِاَنَّ الْاُوْلٰی قَدْ سَقَطَتْ بِالتَّزَوُّجِ فَلَا تَعُوْدُ. وَالثَّانِیَةُ لَمْ تَجِبْ وَجَوَابُهٗ مَا قُلْنَا.

ترجمہ: [اور اگر عورت کہے کہ میری عدت ختم ہوگئی ہے اور خاوند اسے جھٹلائے تو عورت کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا] کیونکہ وہ اس سلسلے میں امانت دار ہے اور اس پر جھوٹ کی تہمت لگائی گئی پس اسے قسم دی جائے جس طرح وہ شخص جس کے پاس امانت رکھی گئی۔

[اور جب خاوند اپنی بیوی کو طلاق بائن دے پھر عدت کے دوران اس سے نکاح کرے اور جماع سے پہلے طلاق دے تو اس کے ذمے پورا مہر ہوگا اور وہ نئی عدت گزارے گی اور یہ حکم حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک ہے اور حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس (مرد) کے ذمے نصف مہر ہوگا اور عورت پر پہلی عدت کو پورا کرنا لازم ہے]

کیونکہ یہ طلاق جماع سے پہلے دی گئی اس لئے نہ تو اس سے پورا مہر لازم ہوگا اور نہ ہی نئے سرے سے طلاق ہوگی۔

اور پہلی عدت کو پورا کرنا پہلی طلاق کی وجہ سے ہے لیکن دوسرے نکاح کی حالت میں (اس کا پورا کرنا) ظاہر نہ تھا تو جب دوسرا نکاح دوسری طلاق کی وجہ سے ختم ہو گیا تو اس کا حکم ظاہر ہو گیا۔

جس طرح کوئی شخص اُمّ ولد کو خرید ے پھر اس کو آزاد کر دے۔

شیخین کی دلیل یہ ہے کہ وہ (ام ولد) پہلی وطی کے ساتھ اپنے مولیٰ کے قبضہ میں آ گئی اور اس وطی کا اثر یعنی عدت باقی ہے۔ پھر جب نکاح اس وقت پایا گیا جب وہ اس کے قبضہ میں تھی تو یہ قبضہ اس قبضہ کے قائم مقام ہو گیا جس کا وہ اس نکاح کی وجہ سے مستحق ہوا۔

جس طرح غاصب اس مغصوب چیز کو خرید لے جو اس کے قبضہ میں ہے تو محض عقد سے وہ قابض قرار پائے گا تو اس سے واضح ہوا کہ طلاق جماع کے بعد ہوئی۔

حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس عورت پر عدت بالکل نہیں ہو گی کیونکہ (دوسرے) نکاح کی وجہ سے پہلی عدت ساقط ہو گئی اور دوسری عدت واجب ہی نہیں ہوئی۔ ان کا جواب وہی ہے جو ہم نے کہا ہے۔

توضیح: اگر عدت کے ختم ہونے کے بارے میں مرد اور عورت کے درمیان اختلاف ہو جائے عورت کہے کہ عدت ختم ہو گئی ہے اور مرد اس کی بات کو جھٹلائے تو عورت کی بات قسم کے ساتھ معتبر ہو گی اس کی وجہ یہ ہے کہ عدت کا اختتام تین حیض گزرنے پر ہوتا ہے اور حیض کا تعلق عورت کے ساتھ ہے اس لئے وہ اس میں امین ہو گی لیکن چونکہ اس پر جھوٹ کی تہمت آ سکتی ہے اس لئے اسے قسم دی جائے گی یہ اسی طرح ہے جیسے کسی شخص کے پاس امانت رکھی جائے پھر وہ کہے کہ میں نے امانت واپس کر دی ہے جبکہ امانت رکھنے والا انکار کر دے تو امانت دار کی بات قسم کے ساتھ معتبر ہو گی کیونکہ وہی امین ہے۔

دوسرا مسئلہ:

طلاق بائن کی عدت کے دوران خاوند کا دوبارہ نکاح کرنے پھر اسے طلاق دینے سے متعلق ہے کہ عدت کی کیا صورت ہو گی۔

صورت مسئلہ یہ ہے کہ مثلاً زید نے اپنی بیوی کو طلاق بائن دی اور عدت کے دوران دوبارہ اس سے نکاح کیا لیکن جماع سے پہلے دوبارہ طلاق دے دی۔

تو اس سلسلے میں شیخین کا مؤقف یہ ہے کہ اس کے ذمے پورا مہر ہو گا اور عورت نئے سرے سے عدت گزارے گی یعنی جس قدر عدت گزر گئی وہ اس میں شمار نہیں ہو گی۔

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: چونکہ جماع سے پہلے طلاق دی ہے لہٰذا نصف مہر ہو گا اور عورت پہلی عدت پوری کرے گی دوسری طلاق کی عدت نہیں ہو گی کیونکہ ایسی صورت میں عدت نہیں ہو گی۔

چونکہ مرد نے دوبارہ نکاح کیا لہٰذا یہ بات ظاہر نہ تھی کہ دوسرے نکاح کی کیا صورت بنتی ہے جب طلاق دے دی تو صورت حال واضح ہو گئی لہٰذا وہ پہلی عدت کو مکمل کر لے۔

انہوں نے اُمّ ولد کی مثال دی ہے کہ کسی شخص نے دوسرے آدمی کی لونڈی سے نکاح کیا اور اس کے ہاں اس شخص کی اولاد پیدا ہوئی اور وہ اُمّ ولد بن گئی۔ اب اس نے اسے خرید لیا اور خریداری کی وجہ سے نکاح ختم ہو گیا کیونکہ اپنی لونڈی سے نکاح نہیں ہوتا لہٰذا عورت پر عدت گزارنا لازم ہے اور چونکہ اسے آزاد کر دیا گیا لہٰذا وہ تین حیض عدت گزارے گی۔

لیکن جب تک مالک نے اسے آزاد نہیں کیا تھا اس کی حالت واضح نہیں تھی کہ اس نے کون سی عدت گزارنا ہے جب آزاد کر دیا تو ظاہر ہو گیا کہ وہ آزاد والی عدت گزارے گی۔

لہٰذا یہاں بھی یہی صورت ہے۔

شیخین رحمہما اللہ فرماتے ہیں: وہ عورت پہلی وطی اور عدت کے باقی رہنے کی وجہ سے حقیقتاً مرد کے قبضہ میں ہے اور اس کا اثر یعنی عدت باقی ہے تو جب اس نے نیا نکاح کیا اور وہ اس وقت اس کے قبضہ میں تھی تو وہی قبضہ اس قبضہ کے قائم مقام قرار پایا جس کا استحقاق اس نکاح کی وجہ سے حاصل ہوا۔

اس کی مثال اس طرح ہے کہ کسی شخص نے کوئی مال غصب کیا اور وہ مال اس غاصب کے پاس تھا کہ اس نے مغصوب منہ سے اسے خرید لیا تو صرف اس عقد بیع سے ہی وہ قابض ہو جائے گا تو واضح ہوا کہ دوسری مرتبہ طلاق جماع کے بعد ہوئی اس لئے پورا مہر بھی دینا ہو گا اور عدت بھی گزارنا ہو گی۔

حضرت امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عورت بالکل عدت نہیں گزارے گی ان کی دلیل یہ ہے کہ دوسرے نکاح کی وجہ سے پہلی عدت ساقط ہو گئی اور دوسری اس لئے واجب نہیں ہوئی کہ اس نے جماع نہیں کیا۔

اس کا جواب وہی ہے جو پہلے ذکر ہوا کہ چونکہ عورت اس کے قبضہ میں ہے لہٰذا دوسرے نکاح کے بعد کی طلاق کو وطی کے بعد شمار کیا جائے گا۔

ذمی مرد، ذمیہ عورت کو طلاق دے تو عدت نہیں ہو گی

(۱۸۷) : قَالَ [وَاِذَا طَلَّقَ الذِّمِّيُّ الذِّمِّيَّةَ فَلاَ عِدَّةَ عَلَيْهَا وَكَذَا اِذَا خَرَجَتْ الْحَرْبِيَّةُ اِلَيْنَا مُسْلِمَةً، فَاِنْ تَزَوَّجَتْ جَازَ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ حَامِلًا. وَهٰذَا كُلُّهُ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ. وَقَالَا: عَلَيْهَا وَعَلَى الذِّمِّيَّةِ الْعِدَّةُ] اَمَّا الذِّمِّيَّةُ فَالِاخْتِلَافُ فِيْهَا نَظِيْرُ الِاخْتِلَافِ فِيْ نِكَاحِهِمْ مَحَارِمَهُمْ. وَقَدْ بَيَّنَّاهُ فِيْ كِتَابِ النِّكَاحِ. وَقَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ فِيْمَا اِذَا كَانَ مُعْتَقَدُهُمْ اَنَّهُ لَا عِدَّةَ عَلَيْهَا. وَاَمَّا الْمُهَاجِرَةُ فَوَجْهُ قَوْلِهِمَا اَنَّ الْفُرْقَةَ لَوْ وَقَعَتْ بِسَبَبٍ اٰخَرَ وَجَبَتْ الْعِدَّةُ فَكَذَا بِسَبَبِ التَّبَايُنِ، بِخِلَافِ مَا اِذَا هَاجَرَ الرَّجُلُ وَتَرَكَهَا لِعَدَمِ التَّبْلِيْغِ.

وَلَهُ قَوْلُهُ تَعَالٰى: [لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ] وَلِاَنَّ الْعِدَّةَ حَيْثُ وَجَبَتْ كَانَ فِيْهَا

حَقُّ بَنِیْ آدَمَ وَالْحَرْبِیُّ مُلْحَقٌ بِالْجَمَادِ حَتّٰی کَانَ مَحَلًّا لِلتَّمَلُّكِ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ حَامِلًا لِاَنَّ فِیْ بَطْنِهَا وَلَدًا ثَابِتَ النَّسَبِ.

وَعَنْ اَبِیْ حَنِیْفَةَ اَنَّهٗ یَجُوْزُ نِكَاحُهَا وَلَا یَطَؤُهَا كَالْحُبْلٰی مِنَ الزِّنَا وَالْاَوَّلُ اَصَحُّ.

ترجمہ: امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں [اور جب ذمی شوہر نے ذمیہ بیوی کو طلاق دی تو اس عورت پر عدت لازم نہیں، اور اسی طرح جب حربیہ عورت مسلمان ہو کر ہماری طرف آجائے، پس اگر وہ نکاح کرے تو جائز ہے مگر یہ کہ حاملہ ہو اور یہ تمام احکام حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہیں اور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں: ذمیہ عورت پر عدت لازم ہے]

ذمیہ عورت کے بارے میں اختلاف اسی طرح ہے جس طرح ان لوگوں کے محرم سے نکاح کے بارے میں اختلاف ہے۔ اور یہ بات ہم کتاب النکاح میں ذکر کر چکے ہیں۔

اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول اس صورت سے متعلق ہے جب ان لوگوں کے اعتقاد کے مطابق عدت نہ ہو اور جو عورت (دارالحرب سے) ہجرت کر کے آئی اس کے بارے میں صاحبین کے قول کی وجہ یہ ہے کہ اگر کسی اور وجہ سے ان کے درمیان تفریق ہوتی تو عدت واجب ہوتی تو اسی طرح وطن کے اختلاف کے سبب سے بھی واجب ہوتی ہے بخلاف اس کے جب مرد (وہاں سے) ہجرت کرے اور عورت کو چھوڑے کہ اس تک احکام شریعت نہیں پہنچے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ارشاد خداوندی ہے:

وَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ [1]

ترجمہ: ''اور تم پر کوئی حرج نہیں یہ کہ تم ان سے نکاح کرو۔''

دوسری دلیل یہ ہے کہ عدت کا وجوب انسان کے حق کے طور پر ہے اور حربی کو جمادات سے ملایا گیا یہی وجہ ہے کہ وہ مملوک ہونے کا محل ہے مگر یہ کہ عورت حاملہ ہو کیونکہ اس کے پیٹ میں بچہ ہے جس کا نسب ثابت ہے۔

توضیح: اگر ذمی (یعنی وہ غیر مسلم جو مسلمان ملک کا باشندہ ہے) اپنی ذمیہ بیوی کو طلاق دے تو اس کی عدت میں اختلاف ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس پر عدت لازم نہیں اسی طرح اگر کوئی عورت مسلمان ہو کر دارالحرب سے ہجرت کر کے دارالاسلام میں آجائے اور وہ حاملہ نہ ہو تو اس پر بھی عدت لازم نہیں۔

نوٹ: حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ذمیہ کی عدت کے بارے میں یہ مؤقف اس صورت میں ہے جب خود ان لوگوں کے نزدیک اس پر عدت واجب نہ ہو۔

اور دارالحرب سے ہجرت کرنے والی عورت کی عدت نہ ہونے پر آپ نے قرآن پاک سے استدلال کیا کہ ان عورتوں سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں اور یہ اجازت مطلق ہے اس لئے اس قید کا اضافہ کرنا کہ عدت کے بعد اس سے

[1] سورۂ ممتحنہ، آیت: ۱۰

نکاح ہوسکتا ہے قرآن پاک کے مطلق کو مقید کرنا ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ عدت انسانی حق کی وجہ سے واجب ہے اور حربی تو جمادات کی طرح ہے یہی وجہ ہے کہ وہ کسی کی ملک میں آسکتا ہے اور غلامی کی صورت میں اس کی خرید وفروخت ہوسکتی ہے۔

البتہ اگر ہجرت کرنے والی عورت حاملہ ہو تو عدت ضروری ہے کیونکہ اس بچے کا نسب ثابت ہے ——لہٰذا جب تک بچہ پیدا نہ ہو وہ دوسرے آدمی سے نکاح نہیں کرسکتی۔

صاحبین کا مؤقف یہ ہے کہ دونوں پر عدت لازم ہے۔

ذمیہ عورت کی عدت کے بارے میں اختلاف اسی طرح ہے جس طرح ان لوگوں کے محارم سے نکاح کے بارے میں اختلاف ہے۔

ہدایہ میں کتاب النکاح کے بَابُ نِكَاحِ اهلِ الشِّرْكِ میں یہ اختلاف ذکر کیا گیا ہے وہ اس طرح ہے کہ صاحبین کے نزدیک ان لوگوں کا (کفار کا) محارم سے نکاح درست نہیں اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک درست ہے۔ (تفصیل وہاں دیکھیں)

دارالحرب سے ہجرت کر کے آنے والی مسلمان عورت کے بارے میں کہ اس پر عدت لازم ہے (اگرچہ حاملہ نہ ہو) صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ اگر کسی اور وجہ سے ان کے درمیان تفریق واقع ہوتی جیسے طلاق دی تو بھی عدت واجب ہوتی تو دونوں کے ملک مختلف ہونے کی وجہ سے بھی عدت واجب ہوگی۔

جبکہ مرد کا معاملہ مختلف ہے کہ اگر وہ دارالاسلام کی طرف ہجرت کرے اور عورت کو دارالحرب میں چھوڑ دے تو سب کے نزدیک عورت پر عدت واجب نہیں ہوگی کیونکہ اس تک احکام شریعت نہیں پہنچے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت اس طرح ہے کہ اس حاملہ عورت سے نکاح جائز ہے لیکن وضع حمل تک وطی نہ کرے جس طرح وہ عورت جو زنا کی وجہ سے حاملہ ہو جائے تو یہی حکم ہے لیکن پہلا قول کہ حاملہ سے نکاح جائز نہیں، زیادہ صحیح ہے۔

فصل: مسلمان بالغہ بیوہ اور مطلقہ بائنہ پر سوگ لازم ہے

(۱۸۸) : قَالَ [وَعَلَى الْمَبْتُوتَةِ وَالْمُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَا إِذَا كَانَتْ بَالِغَةً مُسْلِمَةً الْحِدَادُ] أَمَّا الْمُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَا فَلِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ [لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُحِدَّ عَلَى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ إِلَّا عَلَى زَوْجِهَا أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا] وَأَمَّا الْمَبْتُوتَةُ فَمَذْهَبُنَا.

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: لَا حِدَادَ عَلَيْهَا لِأَنَّهُ وَجَبَ إِظْهَارًا لِلتَّأَسُّفِ عَلَى فَوْتِ زَوْجٍ وَفَى بِعَهْدِهَا إِلَى مَمَاتِهِ وَقَدْ أَوْحَشَهَا بِالْإِبَانَةِ فَلَا تَأَسُّفَ بِفَوْتِهِ.

وَلَنَا مَا رُوِيَ «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى الْمُعْتَدَّةَ أَنْ تَخْتَضِبَ بِالْحِنَّاءِ».

وَقَالَ «الْحِنَّاءُ طِيبٌ» وَلِأَنَّهُ يَجِبُ إِظْهَارًا لِلتَّأَسُّفِ عَلَى فَوْتِ نِعْمَةِ النِّكَاحِ الَّذِي هُوَ سَبَبٌ لِصَوْنِهَا وَكِفَايَةُ مُؤَنِهَا. وَالْإِبَانَةُ أَقْطَعُ لَهَا مِنَ الْمَوْتِ حَتَّى كَانَ لَهَا أَنْ تُغَسِّلَهُ مَيِّتًا قَبْلَ الْإِبَانَةِ لَا بَعْدَهَا (وَالْحِدَادُ) وَيُقَالُ الْإِحْدَادُ وَهُمَا لُغَتَانِ (أَنْ

تَتْرُكَ الطِّيبَ وَالزِّينَةَ وَالْكُحْلَ وَالدُّهْنَ الْمُطَيَّبَ وَغَيْرَ الْمُطَيَّبِ إِلَّا مِنْ عُذْرٍ، وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ إِلَّا مِنْ وَجَعٍ) وَالْمَعْنَى فِيهِ وَجْهَانِ: أَحَدُهُمَا مَا ذَكَرْنَاهُ مِنْ إِظْهَارِ التَّأَسُّفِ.

وَالثَّانِي: أَنَّ هٰذِهِ الْأَشْيَاءَ دَوَاعِي الرَّغْبَةِ فِيهَا وَهِيَ مَمْنُوعَةٌ عَنِ النِّكَاحِ فَتَجْتَنِبُهَا كَيْ لَا تَصِيرَ ذَرِيعَةً إِلَى الْوُقُوعِ فِي الْمُحَرَّمِ. وَقَدْ صَحَّ أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لَمْ يَأْذَنْ لِلْمُعْتَدَّةِ فِي الْاِكْتِحَالِ.

وَالدُّهْنُ لَا يَعْرِى عَنْ نَوْعِ طِيبٍ وَفِيهِ زِينَةُ الشَّعْرِ. وَلِهٰذَا يُمْنَعُ الْمُحْرِمُ عَنْهُ قَالَ: إِلَّا مِنْ عُذْرٍ لِأَنَّ فِيهِ ضَرُورَةً. وَالْمُرَادُ الدَّوَاءُ. لَا الزِّينَةُ.

امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں [جس عورت کو طلاق بتہ دی گئی اور وہ عورت جس کا خاوند فوت ہو گیا اگر بالغہ ہوں اور مسلمان ہوں تو ان پر سوگ لازم ہے]

بیوہ عورت پر اس لئے کہ سرکار دوعالم ﷺ نے فرمایا:

لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُحِدَّ عَلَى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ إِلَّا عَلَى زَوْجِهَا أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا

ترجمہ: ''جو عورت اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہے اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے مگر اپنے خاوند پر چار مہینے دس دن سوگ کرنے۔'' [1]

اور جسے طلاق بتّہ دی گئی اس کے بارے میں یہ حکم ہمارے (یعنی احناف) کے نزدیک ہے۔

اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس پر سوگ نہیں کیونکہ سوگ خاوند کے فوت ہونے پر اظہار افسوس کے لئے ہوتا ہے اور اس لئے کہ خاوند جو معاشرتی ذمہ داریاں نبھاتا تھا وہ اب خود اس عورت کو اٹھانا پڑتی ہیں۔

اور طلاق دینے والے نے اسے اپنے آپ سے جدا کر کے وحشت میں ڈالا لہٰذا اس سے علیحدگی پر کوئی افسوس نہیں۔

اور ہماری دلیل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہے کہ آپ نے عدت گزارنے والی خاتون کو مہندی لگانے سے منع فرمایا۔

اور ارشاد فرمایا کہ اَلْحِنَّاءُ طِیْبٌ ''مہندی خوشبو ہے۔'' [2]

اور دوسری بات یہ ہے کہ نکاح کی نعمت فوت ہونے پر افسوس کا اظہار کیا جاتا ہے جو اس کی حفاظت اور اس کی حاجات اور ذمہ داریوں کی کفایت کا سبب تھا۔

اور (طلاق کی صورت میں) جدائی، اس کے لئے موت سے زیادہ قطع تعلق کا باعث ہے حتیٰ کہ وہ جدائی سے پہلے خاوند کی میت کو غسل دے سکتی ہے جدائی کے بعد نہیں۔

[اور حِدَاد یا اِحْدَاد (یعنی سوگ) یہ ہے کہ خوشبو، زیب وزینت، سرمہ لگانا اور تیل لگانا خوشبودار ہو یا خوشبو کے بغیر ہو چھوڑ دینا (سوگ ہے) البتہ عذر کی وجہ سے لگا سکتی ہے اور جامع صغیر میں ہے کہ کسی درد کی وجہ سے لگا سکتی ہے]

عدت والی عورت میں سوگ کی دو وجہ ہیں ایک وہی جو ہم نے ذکر کی کہ افسوس کا اظہار ہے۔

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ کام (خوشبو وغیرہ) عورت کی طرف دعوت دینے والے امور ہیں اور اس سے نکاح منع ہے پس وہ ان سے بچے تاکہ حرام کام میں پڑنے کا ذریعہ نہ بنیں اور صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ حضور علیہ السلام نے عدت والی عورت کو سرمہ لگانے سے منع فرمایا۔ [3]

اور تیل کسی نہ کسی قسم کی خوشبو سے خالی نہیں ہوتا اور اس میں بالوں کی زینت بھی ہے اسی لئے محرم کو (حالت احرام میں) اس سے منع کیا گیا۔

عذر کی حالت کو مستثنیٰ کیا کیونکہ اس میں ضرورت ہے اور اس سے مراد بطور دواء (استعمال کرنا) ہے زینت نہیں۔

توضیح: اگر کسی عورت کا خاوند فوت ہو جائے یا اسے طلاق بتّہ دی جائے تو اس پر سوگ لازم ہے۔

مطلقہ مبتوتہ سے مراد وہ عورت ہے جسے طلاق بائن دی گئی یا تین طلاقیں دی گئیں یا خلع ہوا، طلاق رجعی میں سوگ نہیں

[1] صحیح بخاری کتاب الجنائز، باب احداد المرأۃ علی غیر زوجھا، حدیث: ۱۲۸۱، ۱۲۸۰۔

[2] سنن ابوداؤد، کتاب الطلاق باب فیما تجتنب المعتدہ فی عدتھا، حدیث: ۲۳۰۵، ۲۳۰۲۔

[3] صحیح بخاری کتاب الطلاق، باب الکحل للحادہ، حدیث: ۵۳۳۸ معناہ

ہے اس سلسلے میں یہ بھی شرط ہے کہ وہ عورت بالغ بھی ہو اور مسلمان بھی۔

بیوہ عورت کے سوگ پر حدیث شریف سے استدلال کیا گیا جس کا متن اور ترجمہ گزر چکا ہے اس حدیث میں جہاں بیوہ عورت کے سوگ کا بیان ہے وہاں کسی دوسرے قریبی وفات پانے والے میت پر سوگ کی وضاحت بھی ہے کہ وہ صرف تین دن ہے۔ مطلقہ مبتوتہ کا سوگ صرف احناف کے نزدیک ہے اور اس کی دلیل حدیث شریف ہے کہ حضور علیہ السلام نے مطلقہ معتدہ عورت کو مہندی لگانے سے منع فرمایا اور یہ بھی بتایا کہ مہندی خوشبو ہے۔

احناف کی طرف سے عقلی دلیل اس طرح پیش کی گئی کہ نکاح اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اس کے ذریعے عورت کو تحفظ بھی حاصل ہوتا اور اس کی دیگر ضروریات کا بندوبست بھی ہوتا ہے اور جب خاوند طلاق دیتا ہے تو وہ اپنی تمام ذمہ داریوں کے بوجھ کے نیچے دب جاتی ہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مبتوتہ معتدہ پر سوگ نہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ بیوہ عورت کو خاوند کے فوت ہونے کا افسوس ہوتا ہے اب وہ بے سہارا ہو گئی لیکن طلاق کی صورت میں افسوس نہیں ہوتا کیونکہ خاوند نے اسے پریشانی میں مبتلا کیا لہٰذا اس کی جدائی کا افسوس نہیں ہوتا۔

احناف کی طرف سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو یوں جواب دیا گیا کہ خاوند کی موت کی صورت میں تعلق اس قدر منقطع نہیں ہوتا جس قدر طلاق کی صورت میں ہوتا ہے حتیٰ کہ عورت جدائی سے پہلے میت خاوند کو غسل دے سکتی ہے لیکن جب ان کے درمیان جدائی ہو جائے تو غسل نہیں دے سکتی۔

سوگ کیا ہے؟

سوگ کے لئے عربی میں حداد اور احداد دونوں قسم کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں اور اس کا مطلب زیب و زینت کو ترک کرنا ہے یعنی اس دوران عورت خوشبو نہ لگائے، سرمہ اور کسی قسم کا تیل خوشبودار ہو یا نہ، وہ بھی نہ لگائے۔

لیکن چونکہ اسلام میں سختی نہیں لہٰذا کسی عذر اور درد وغیرہ کی وجہ سے تیل لگا سکتی ہے۔

عدت کے دوران زینت کیوں منع ہے؟

اس کی دو وجہ ہیں:

① اظہار افسوس ہے (اور زینت افسوس کے خلاف ہے)

② دوسری وجہ یہ ہے کہ عدت کے دوران عورت دوسری جگہ نکاح نہیں کر سکتی اور مندرجہ بالا امور نکاح کو دعوت دینے والے ہیں لہٰذا ان سے بچنا ضروری ہے تاکہ حرام کام (عدت کے دوران نکاح) سے محفوظ رہے۔

اس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بھی گواہ ہے کہ آپ نے معتدہ عورت کو سرمہ لگانے سے منع فرمایا۔

تیل لگانے سے ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ اس میں کسی نہ کسی قسم کی خوشبو ہوتی ہے اور یہ بالوں کی زینت ہے اسی لئے

محرم کو حالت احرام میں تیل لگانے سے منع کیا گیا۔
جہاں تک عذر کا تعلق ہے تو اس میں بھی بطور دوا استعمال کرے زینت کے طور پر نہیں اور عذر میں ضرورت کے تحت اجازت دی گئی ہے۔

تیل لگانے کی عادت ہو تو کیا حکم ہوگا

(۱۸۹) : وَلَوْ اعْتَادَتِ الدُّهْنَ فَخَافَتْ وَجَعًا. فَإِنْ كَانَ ذٰلِكَ أَمْرًا ظَاهِرًا يُبَاحُ لَهَا لِأَنَّ الْغَالِبَ كَالْوَاقِعِ. وَكَذَا لُبْسُ الْحَرِيرِ إِذَا احْتَاجَتْ إِلَيْهِ لِعُذْرٍ لَا بَأْسَ بِهِ.
[وَلَا تَخْتَضِبُ بِالْحِنَّاءِ] لِمَا رَوَيْنَا [وَلَا تَلْبَسُ ثَوْبًا مَصْبُوغًا بِعُصْفُرٍ وَلَا بِزَعْفَرَانٍ] لِأَنَّهُ يَفُوحُ مِنْهُ رَائِحَةُ الطِّيبِ.

ترجمہ: اور اگر عورت کو تیل لگانے کی عادت ہو اور اسے تکلیف کا ڈر ہو تو اگر یہ معاملہ واضح اور ظاہر ہو تو اس کے لئے (تیل لگانا) جائز ہے کیونکہ جو چیز غالب ہو وہ واقع ہونے کی طرح ہے اسی طرح ریشمی لباس پہننا جب کسی عذر کی وجہ سے اسے حاجت ہو تو کوئی حرج نہیں۔ [اور مہندی نہ لگائے] جس طرح ہم نے حدیث ذکر کی ہے۔
[اور جس کپڑے کو عصفر بوٹی یا زعفران سے رنگا گیا ہو اسے بھی نہ پہنے] کیونکہ اس سے خوشبو مہکتی ہے۔

توضیح: چونکہ سوگ کے دوران زینت اختیار کرنا منع ہے اس لئے تیل وغیرہ لگانا منع کیا گیا لیکن بعض لوگوں کو تیل لگانے کی اس طرح عادت پڑ جاتی ہے کہ اگر نہ لگائیں تو تکلیف کا خوف ہوتا ہے اس لئے شریعت اسلامیہ جو سراپا رحمت ہے، اس عذر کی بنیاد پر اجازت دیتی ہے مہندی کے حوالے سے حدیث شریف گزر چکی ہے کہ سوگ کے درمیان منع ہے۔
اور ایسا لباس جس سے خوشبو آتی ہو جس طرح لوگ عصفر بوٹی سے یا زعفران سے کپڑوں کو رنگ لگاتے تھے اور ان سے خوشبو آتی تھی تو یہ بھی منع ہے ریشمی کپڑا بھی زینت کے لئے استعمال ہوتا ہے اس لئے اس دوران اس سے بھی اجتناب ضروری ہے۔

کافرہ عورت پر سوگ نہیں

(۱۹۰): قَالَ [وَلَا حِدَادَ عَلَى كَافِرَةٍ] لِأَنَّهَا غَيْرُ مُخَاطَبَةٍ بِحُقُوقِ الشَّرْعِ [وَلَا عَلَى صَغِيرَةٍ] لِأَنَّ الْخِطَابَ مَوْضُوعٌ عَنْهَا [وَعَلَى الْأَمَةِ الْإِحْدَادُ] لِأَنَّهَا مُخَاطَبَةٌ بِحُقُوقِ اللّٰهِ تَعَالٰى فِيمَا لَيْسَ فِيهِ إِبْطَالُ حَقِّ الْمَوْلٰى. بِخِلَافِ الْمَنْعِ مِنَ الْخُرُوجِ لِأَنَّ فِيهِ إِبْطَالَ حَقِّهِ وَحَقُّ الْعَبْدِ مُقَدَّمٌ لِحَاجَتِهِ.
قَالَ [وَلَيْسَ فِي عِدَّةِ أُمِّ الْوَلَدِ وَلَا فِي عِدَّةِ النِّكَاحِ الْفَاسِدِ إِحْدَادٌ] لِأَنَّهَا مَا فَاتَهَا نِعْمَةُ

النِّكَاحِ لِتُظْهِرَ التَّأَسُّفَ، وَالْإِبَاحَةُ أَصْلٌ.

ترجمہ: امام قدوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں [اور کافرہ عورت پر سوگ نہیں] کیونکہ اسے شرعی حقوق کا خطاب نہیں۔

[اور نابالغہ پر بھی (سوگ) نہیں] کیونکہ اس سے بھی شرعی خطاب کو اٹھالیا گیا [اور لونڈی پر سوگ لازم ہے] کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ان حقوق کی مخاطبہ ہے جن میں اس کے مولیٰ کے حقوق باطل نہ ہوں بخلاف اس کے کہ اسے باہر جانے سے منع کیا جائے کیونکہ اس میں اس (مولیٰ) کا حق باطل ہوتا ہے اور بندے کی حاجت کی وجہ سے اس کا حق مقدم ہے۔

امام قدوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں [ام ولد کی عدت اور نکاح فاسد کی عدت میں سوگ نہیں] کیونکہ ان سے نکاح کی نعمت فوت نہیں ہوئی کہ وہ افسوس کا اظہار کریں اور (زیب وزینت کا) مباح ہونا اصل ہے۔

توضیح: اس عبارت میں پانچ قسم کی عورتوں کا ذکر فرمایا جن میں سے چار کی عدت میں سوگ نہیں اور ایک کی عدت میں سوگ ہے۔

کافرہ عورت، نابالغہ عورت، اُمّ ولد اور جس سے نکاح فاسد ہوا ان پر سوگ نہیں چونکہ سوگ شرعی حکم ہے اور کافرہ عورت شرعی احکام کی مخاطب نہیں کیونکہ اس کے لئے ایمان شرط ہے۔

نابالغہ لڑکی سے شرعی احکام اٹھادیئے گئے کیونکہ شرعی احکام بلوغت کے بعد لازم ہوتے ہیں۔

اُمّ ولد وہ لونڈی جس کے ہاں اس کے آقا سے اولاد پیدا ہوئی اگر اس کا مولیٰ فوت ہوجائے تو اس پر سوگ نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اس شخص کے نکاح میں نہیں تھی کہ اس نعمت کے ختم ہونے پر افسوس کرے۔

اسی طرح اگر نکاح فاسد کے بعد تفریق کی گئی تو یہاں بھی افسوس والی کیفیت نہیں ہوتی اس لئے سوگ نہیں ہوتا۔

البتہ اگر کوئی لونڈی کسی شخص کے نکاح میں ہو اور اس کا خاوند فوت ہوجائے یا طلاق دے تو عدت کے دوران وہ سوگ اختیار کرے گی کیونکہ وہ شرعی حقوق کی مخاطبہ ہے البتہ جن حقوق سے اس کے مولیٰ کے حقوق متاثر ہوں اس میں مولیٰ کے حقوق مقدم ہوں گے کیونکہ بندے کی حاجت کی وجہ سے اس کے حقوق مقدم ہوں گے اس لئے سوگ کے دوران اسے باہر جانے سے منع نہیں کیا جائے گا اور یہ بات یاد رہے کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے یعنی جائز ہے جب تک اس سے منع نہ کیا جائے اور زیب وزینت عورتوں کے لئے اصلاً جائز ہے اور اسی وقت ناجائز یا حرام ہوگی جب شریعت اس سے منع کرے۔

عدت کے دوران نکاح کا پیغام دینا جائز نہیں

(۱۹۱) : [وَلَا يَنْبَغِي أَنْ تُخْطَبَ الْمُعْتَدَّةُ وَلَا بَأْسَ بِالتَّعْرِيضِ فِي الْخِطْبَةِ] لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى: ﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ﴾ إِلٰى أَنْ قَالَ (وَلٰكِنْ لَا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا إِلَّا أَنْ تَقُولُوا قَوْلًا مَعْرُوفًا) وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ «اَلسِّرُّ النِّكَاحُ» وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ

اللهُ عَنْهُمَا: التَّعْرِيضُ أَنْ يَّقُوْلَ: إِنِّي أُرِيْدُ أَنْ أَتَزَوَّجَ.

وَعَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فِي الْقَوْلِ الْمَعْرُوْفِ: إِنِّيْ فِيْكِ لَرَاغِبٌ وَّإِنِّي أُرِيْدُ أَنْ نَجْتَمِعَ.

ترجمہ: [اور عدت گزارنے والی عورت کو نکاح کا پیغام دینا مناسب نہیں البتہ اشاروں کنایوں سے منگنی کا اظہار کرنے میں کوئی حرج نہیں]

کیونکہ ارشاد خداوندی ہے:

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ [1]

ترجمہ: اور تم پر اس بات میں کوئی حرج نہیں جو تم عورتوں کو منگنی کا اشارہ دو۔

یہاں تک کہ ارشاد فرمایا:

وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا [2]

ترجمہ: اور لیکن ان سے پوشیدہ وعدہ نہ لو مگر یہ کہ اچھی بات کہو۔

اور سرکار دوعالم ﷺ نے فرمایا:

السِّرُّ النِّكَاحُ [3]

ترجمہ: پوشیدہ بات چیت بھی نکاح ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

تعریض یہ ہے کہ وہ کہے میں شادی کا ارادہ کرتا ہوں۔ [4]

اور حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے قرآن مجید کے الفاظ **قولا معروفا** کی تفسیر میں مروی ہے کہ میں تم سے رغبت رکھتا ہوں اور میں چاہتا ہوں کہ ہم اکٹھے ہوں۔

توضیح: چونکہ عدت کے دوران عورت سے نکاح کرنا حرام ہے لہٰذا اسے نکاح کا پیغام دینا مناسب نہیں لفظ مناسب سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حرام نہیں لیکن بچنا بہتر ہے البتہ اشاروں کنایوں میں اسے آگاہ کرنے میں کوئی حرج نہیں جس طرح حضرت ابن عباس اور حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہم کے ارشادات میں بتایا گیا۔

رسول اکرم ﷺ نے یہ فرما کر کہ پوشیدہ وعدہ نکاح ہے، اس طرف اشارہ کیا کہ جس طرح عدت کے دوران نکاح سے بچنا ضروری ہے اسے پیغام بھی نہ دیا جائے باقی باتیں ترجمہ سے واضح ہیں۔

---

[1] سورہ بقرہ، آیت: ۲۳۵
[2] سورہ بقرہ، آیت: ۲۳۵
[3] صحیح بخاری حدیث: ۵۱۲۴، نصب الرایۃ: ۳/ ۲۶۲،
[4] سنن کبریٰ بیہقی: ۷/ ۱۷۹

طلاق یافتہ اور بیوہ عورت کا گھر سے باہر جانا

(۱۹۲) : [وَلَا يَجُوْزُ لِلْمُطَلَّقَةِ الرَّجْعِيَّةِ وَالْمَبْتُوْتَةِ الْخُرُوْجُ مِنْ بَيْتِهَا لَيْلًا وَلَا نَهَارًا، وَالْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا تَخْرُجُ نَهَارًا وَبَعْضَ اللَّيْلِ وَلَا تَبِيْتُ فِيْ غَيْرِ مَنْزِلِهَا] اَمَّا الْمُطَلَّقَةُ فَلِقَوْلِهٖ تَعَالٰى: ﴿لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ﴾[1] قِيْلَ الْفَاحِشَةُ نَفْسُ الْخُرُوْجِ، وَقِيْلَ الزِّنَا، وَيَخْرُجْنَ لِاِقَامَةِ الْحَدِّ. وَاَمَّا الْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا فَلِاَنَّهٗ لَا نَفَقَةَ لَهَا فَتَحْتَاجُ اِلَى الْخُرُوْجِ نَهَارًا لِطَلَبِ الْمَعَاشِ، وَقَدْ يَمْتَدُّ اِلٰى اَنْ يَّهْجُمَ اللَّيْلُ. وَلَا كَذٰلِكَ الْمُطَلَّقَةُ لِاَنَّ النَّفَقَةَ دَارَّةٌ عَلَيْهَا مِنْ مَالِ زَوْجِهَا. حَتّٰى لَوِ اخْتَلَعَتْ عَلٰى نَفَقَةِ عِدَّتِهَا قِيْلَ: اِنَّهَا تَخْرُجُ نَهَارًا، وَقِيْلَ لَا تَخْرُجُ لِاَنَّهَا اَسْقَطَتْ حَقَّهَا فَلَا يَبْطُلُ بِهٖ حَقٌّ عَلَيْهَا.

ترجمہ: [اور جس عورت کو طلاق رجعی ہوئی یا قطعی طلاق (بائنہ یا مغلظہ) ہوئی اس کے لئے رات اور دن میں کسی بھی وقت گھر سے باہر جانا جائز نہیں اور جس کا خاوند فوت ہوا وہ دن کے وقت یا رات کے کچھ حصے میں باہر جا سکتی ہے لیکن اپنے گھر کے علاوہ رات نہیں گزار سکتی]

مطلقہ کے بارے میں قرآن پاک میں ارشاد فرمایا:

لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ[1] ◆

''اور تم ان کو ان کے گھروں سے نہ نکالو اور وہ خود بھی نہ نکلیں مگر یہ کہ وہ واضح طور پر بے حیائی کا ارتکاب کریں۔''

کہا گیا کہ فاحشہ سے مراد محض نکلنا ہے اور یہ بھی کہا گیا کہ اس سے زنا مراد ہے اور حد قائم کرنے کے لئے وہ نکل سکتی ہیں (یعنی اسے لے جایا جا سکتا ہے)

اور جہاں تک بیوہ عورت کا تعلق ہے تو اس لئے کہ اس کے لئے نفقہ نہیں ہوتا پس وہ دن کے وقت ذریعہ معاش کی طلب میں نکلنے کی محتاج ہوتی ہے اور بعض اوقات رات گئے تک کام طویل ہو جاتا ہے۔

اور مطلقہ کا معاملہ اس طرح نہیں ہوتا کیونکہ اس کا نفقہ اس کے خاوند کے مال میں دیا جاتا ہے۔

حتیٰ کہ اگر وہ عورت عدت کے نفقہ کے بدلے میں خلع کرے تو کہا گیا ہے کہ وہ دن کے وقت باہر جا سکتی ہے اور یہ بھی کہا گیا کہ وہ نہ نکلے کیونکہ اس نے اپنا حق ساقط کر دیا تو اس کے ذریعے وہ حق ساقط نہیں ہوگا جو اس کے ذمہ ہے۔

توضیح: مطلقہ عورت یا بیوہ عورت عدت کے دوران گھر سے باہر جا سکتی ہے یا نہیں؟ مطلقہ سے مراد ہر قسم کی مطلقہ ہے

[1] سورہ طلاق، آیت:۱

طلاق رجعی ہو یا طلاق بائن یا طلاق مغلظہ (طلاق بائن اور مغلظہ والی عورت کو مبتوتہ کہا گیا۔ مطلقہ عورت کے اخراجات نفقہ وغیرہ عدت کے دوران اس کے شوہر کے ذمہ ہوتا ہے اس لئے وہ رات اور دن کسی بھی وقت گھر سے باہر نہیں جاسکتی۔

اس کی دلیل قرآن پاک کی وہ آیت ہے جو عربی عبارت میں گزر چکی ہے اور اس کا ترجمہ مع حوالہ گزر چکا ہے۔

البتہ اس میں آیت کریمہ میں کچھ استثناء ہے وہ یہ کہ وہ زبردستی خود چلی جائے یا زنا کی وجہ سے اسے حد نافذ کرنے کے لئے باہر لے جایا جائے۔

یعنی فاحشہ سے مراد نکلنا ہے یا زنا ہے——

اور بیوہ عورت کا خاوند فوت ہو چکا ہے لہٰذا وہ نفقہ کی حاجت رکھتی ہے تو اس مجبوری کے تحت وہ دن کو رزق حلال کی تلاش میں باہر جاسکتی ہے لیکن بعض اوقات کام میں تاخیر یا طوالت ہو جاتی ہے لہٰذا رات کا کچھ حصہ بھی باہر گزر جاتا ہے اس لئے اسے اس قدر اجازت ہے لیکن رات کا باقی حصہ گھر میں گزارنا ہوگا۔

جس عورت نے اس شرط پر خلع کیا کہ وہ عدت کے ایام کا نفقہ نہیں لے گی تو اس کے بارے میں دو قول ہیں: ایک یہ کہ وہ بھی دن کو باہر جاسکتی ہے کیونکہ اس نے رزق حلال تلاش کرنا ہے لیکن ایک قول یہ ہے کہ اس نے خود اپنا حق ساقط کیا اور گھر سے باہر نہ جانا اس پر لازم ہے وہ ساقط نہیں ہوگا۔

نوٹ: اگر اس کے سسرال والے اسے وہاں رہنے نہ دیں یا اس طرح کی کوئی بات پیدا ہو تو بیوہ عورت دوسری جگہ منتقل ہوسکتی ہے آج کل ایسی عورتیں بلا عذر دوسری جگہ منتقل ہونا چاہتی ہیں یہ غلط ہے۔ ۱۲ ہزاروی

معتدہ عورت کس گھر میں عدت گزارے

(۱۹۳): [وَعَلَى الْمُعْتَدَّةِ اَنْ تَعْتَدَّ فِي الْمَنْزِلِ الَّذِي يُضَافُ اِلَيْهَا بِالسُّكْنٰى حَالَ وُقُوْعِ الْفُرْقَةِ وَالْمَوْتِ] لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى: ﴿لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ﴾ وَالْبَيْتُ الْمُضَافُ اِلَيْهَا هُوَ الْبَيْتُ الَّذِي تَسْكُنُهٗ، وَلِهٰذَا لَوْ زَارَتْ اَهْلَهَا وَطَلَّقَهَا زَوْجُهَا كَانَ عَلَيْهَا اَنْ تَعُوْدَ اِلٰى مَنْزِلِهَا فَتَعْتَدَّ فِيْهِ وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لِلَّتِيْ قُتِلَ زَوْجُهَا [اُسْكُنِيْ فِيْ بَيْتِكِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتَابُ اَجَلَهٗ] [وَاِنْ كَانَ نَصِيْبُهَا مِنْ دَارِ الْمَيِّتِ لَا يَكْفِيْهَا فَاَخْرَجَهَا الْوَرَثَةُ مِنْ نَصِيْبِهِمْ] انْتَقَلَتْ. لِاَنَّ هٰذَا انْتِقَالٌ بِعُذْرٍ، وَالْعِبَادَاتُ تُؤَثِّرُ فِيْهَا الْاَعْذَارُ فَصَارَ كَمَا اِذَا خَافَتْ عَلٰى مَتَاعِهَا اَوْ خَافَتْ سُقُوْطَ الْمَنْزِلِ اَوْ كَانَتْ فِيْمَا بِاَجْرٍ وَلَا تَجِدُ مَا تُؤَدِّيْهِ.

ترجمہ: [اور عدت والی عورت پر لازم ہے کہ وہ اس گھر میں عدت گزارے جہاں وہ تفریق یا (خاوند کی) موت کے وقت رہائش پذیر تھی] ارشاد خداوندی ہے:

لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ [1] ترجمہ: ''اوران کوان گھروں سے نہ نکالو۔

اور بیت (گھر) سے مراد وہ گھر ہے جس میں وہ رہائش پذیر ہو یہی وجہ ہے کہ اگر وہ اپنے گھر والوں (ماں باپ) سے ملاقات کے لئے گئی ہوئی ہو اور اس دوران اس کا خاوند فوت ہو جائے تو اس پر لازم ہے کہ اپنے گھر واپس آئے اور اس میں عدت گزارے اور نبی اکرم ﷺ نے اس عورت سے جس کا خاوند شہید ہوا، فرمایا:

اُسْكُنِيْ فِيْ بَيْتِكِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتَابُ اَجَلَهٗ۔ [2]

ترجمہ: اپنے گھر میں ٹھہرو حتیٰ کہ مدت پوری ہو جائے۔

[اور اگر خاوند کے گھر میں سے اس کا حصہ اس کے لئے کافی نہ ہو اور دیگر وارث اسے اپنے حصے سے نکال دیں تو (دوسری جگہ) منتقل ہو جائے) کیونکہ یہ منتقلی عذر کی وجہ سے ہے اور عذر، عبادات میں مؤثر ہوتے ہیں پس یہ اس طرح ہو گیا جس طرح اسے اپنے سامان کا ڈر ہو یا مکان کے گرنے کا خوف ہو یا وہ کرائے پر ہو اور اس کی ادائیگی کے لئے اس کے پاس کچھ نہ ہو (تو وہ دوسری جگہ منتقل ہو سکتی ہے]

توضیح: قرآن پاک نے معتدہ عورت کے ذمہ داران حضرات سے فرمایا کہ ان کو ان کے گھروں سے نہ نکالو—— تو اس ارشاد خداوندی کی روشنی میں معتدہ عورت کو اپنے اس گھر میں عدت گزارنے کا پابند بنایا گیا جو اس کا رہائشی گھر ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے بھی ایک شہید کی بیوی سے فرمایا: جب تک عدت ختم نہ ہو اپنے گھر میں ٹھہرو——

یہی وجہ ہے کہ اگر عورت اپنے ماں باپ یا کسی عزیز رشتہ دار کے ہاں ملاقات کے لئے گئی ہو اور خاوند فوت ہو جائے تو اسے واپسی آ کر اسی گھر میں عدت گزارنا ہو گی۔

بیوہ عورت کب دوسرے گھر میں منتقل ہو سکتی ہے؟

اگر بیوہ عورت کو وراثت میں ملنے والے گھر کا حصہ چھوٹا ہو جو اس کے لئے ناکافی ہو اور دوسرے ورثاء اسے اپنے حصے کے مکان میں بے دخل کر دیں تو وہ دوسری جگہ منتقل ہو سکتی ہے کیونکہ یہ عذر ہے اور عبادت میں عذر مؤثر ہوتے ہیں۔

یہ اسی طرح ہے جیسے اپنے سامان کے ضائع ہونے کا ڈر ہو یا مکان کے گرنے کا خدشہ ہو یا کرائے پر ہو اور کرائے کی ادائیگی کے لئے اس کے پاس کچھ نہ ہو تو دوسری جگہ منتقل ہو سکتی ہے۔

طلاق بائن اور تین طلاقوں کی صورت میں عدت کے دوران مرد اور عورت کے درمیان پردہ ہوگا

(۱۹۴): [ثُمَّ اِنْ وَقَعَتِ الْفُرْقَةُ بِطَلَاقٍ بَائِنٍ اَوْ ثَلَاثٍ لَا بُدَّ مِنْ سُتْرَةٍ بَيْنَهُمَا ثُمَّ لَا بَأْسَ

[1] سورۃ الطلاق، آیت: ۱ [2] ترمذی، کتاب الطلاق، باب ان تعتد المتوفی عنہا زوجہا، حدیث: ۱۲۰۴

بِهٖ] لِاَنَّهٗ مُعْتَرِفٌ بِالْحُرْمَةِ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ فَاسِقًا يُخَافُ عَلَيْهَا مِنْهُ فَحِيْنَئِذٍ تَخْرُجُ لِاَنَّهٗ عُذْرٌ، وَلَا تَخْرُجُ عَمَّا انْتَقَلَتْ اِلَيْهِ، وَالْاَوْلٰى اَنْ يَّخْرُجَ هُوَ وَيَتْرُكَهَا [وَاِنْ جَعَلَا بَيْنَهُمَا امْرَاَةً ثِقَةً تَقْدِرُ عَلَى الْحَيْلُوْلَةِ فَحَسَنٌ، وَاِنْ ضَاقَ عَلَيْهِمَا الْمَنْزِلُ فَلْتَخْرُجْ، وَالْاَوْلٰى خُرُوْجُهٗ)].

ترجمہ: [پھر اگر طلاق بائن یا تین طلاقوں کی وجہ سے تفریق ہو تو (عدت کے دوران) ان دونوں کے درمیان پردہ ہوگا پھر (ایک مکان میں رہنے میں) کوئی حرج نہیں]

کیونکہ وہ (مرد) حرمت کا اعتراف کرنے والا ہے مگر یہ کہ وہ فاسق ہو جس سے عورت کو خوف ہو اس وقت عورت وہاں سے جا سکتی ہے کیونکہ یہ عذر ہے۔

لیکن جس جگہ منتقل ہوئی ہے وہاں سے نہ نکلے اور بہتر یہ ہے کہ مرد وہاں سے چلا جائے اور عورت کو وہاں چھوڑ دے۔

[اور اگر ان کے درمیان کوئی قابل اعتماد عورت ہو جو ان کے درمیان حائل ہونے پر قادر ہو تو اچھی بات ہے۔ اور اگر ان دونوں کے لئے مکان تنگ ہو تو عورت وہاں سے نکل سکتی ہے لیکن مرد کا نکلنا زیادہ بہتر ہے]۔

توضیح: چونکہ طلاق بائن اور تین طلاقوں کی وجہ سے مرد اور عورت کے درمیان فوراً جدائی ہو جاتی ہے جبکہ طلاق رجعی میں ایسا نہیں ہوتا لہٰذا طلاق بائن اور تین طلاقوں کی صورت میں مرد اور عورت کے درمیان پردہ ہو تو عدت کے دوران وہاں رہنے میں کوئی حرج نہیں۔

کیونکہ عدت خاوند کے گھر میں گزارنا ہوتی ہے اور خاوند اس بات کا معترف ہے کہ عورت اس پر حرام ہو چکی ہے اگر وہاں کوئی بزرگ با اعتماد عورت ہو اور وہ ان کو ملنے سے روکنے پر قادر ہو تو بھی وہ ایک مکان میں رہ سکتے ہیں۔ لیکن عذر کی وجہ سے عورت دوسری جگہ منتقل ہو سکتی ہے مثلاً مرد فاسق ہے اور عورت کو ڈر ہے کہ گناہ کا ارتکاب ہو جائے گا۔

اسی طرح اگر مکان تنگ ہو اور دونوں کے لئے الگ الگ رہنا ممکن نہ ہو تو بھی منتقل ہو سکتی ہے لیکن جس جگہ منتقل ہو وہاں سے کسی اور جگہ نہ جائے۔

لیکن ان صورتوں میں زیادہ مناسب یہی ہے کہ مرد کسی اور جگہ منتقل ہو جائے تا کہ عورت اسی گھر میں عدت گزار سکے۔

نوٹ: طلاق رجعی میں چونکہ رجوع کا حق ہوتا ہے لہٰذا ان کے درمیان کسی پردے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ۱۲ ہزاروی

سفر کے دوران طلاق دے یا فوت ہو جائے تو عدت کا حکم

(۱۹۵): [وَاِذَا خَرَجَتِ الْمَرْاَةُ مَعَ زَوْجِهَا اِلٰى مَكَّةَ فَطَلَّقَهَا ثَلَاثًا اَوْ مَاتَ عَنْهَا فِيْ غَيْرِ مِصْرٍ، فَاِنْ كَانَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ مِصْرِهَا اَقَلُّ مِنْ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ رَجَعَتْ اِلٰى مِصْرِهَا] لِاَنَّهٗ لَيْسَ بِابْتِدَاءِ الْخُرُوْجِ مَعْنًى بَلْ هُوَ بِنَاءٌ [وَاِنْ كَانَتْ مَسِيْرَةَ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ اِنْ شَاءَتْ رَجَعَتْ وَاِنْ شَاءَتْ

مَضَتْ سَوَاء ٌ کَانَ مَعَھَا وَلِیٌّ اَوْ لَمْ یَکُنْ] مَعْنَاہُ اِذَا کَانَ اِلَی الْمَقْصِدِ ثَلَاثَۃُ اَیَّامٍ اَیْضًا لِاَنَّ الْمُکْثَ فِیْ ذٰلِکَ الْمَکَانِ اَخْوَفُ عَلَیْھَا مِنَ الْخُرُوْجِ. اِلَّا اَنَّ الرُّجُوْعَ اَوْلٰی لِیَکُوْنَ الْاِعْتِدَادُ فِیْ مَنْزِلِ الزَّوْجِ.

قَالَ [اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ طَلَّقَھَا اَوْ مَاتَ عَنْھَا زَوْجُھَا فِیْ مِصْرٍ فَاِنَّھَا لَا تَخْرُجُ حَتّٰی تَعْتَدَّ ثُمَّ تَخْرُجَ اِنْ کَانَ لَھَا مَحْرَمٌ] وَھٰذَا عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ [وَقَالَ اَبُوْ یُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ: اِنْ کَانَ مَعَھَا مَحْرَمٌ فَلَا بَأْسَ بِاَنْ تَخْرُجَ مِنَ الْمِصْرِ قَبْلَ اَنْ تَعْتَدَّ] لَھُمَا اَنَّ نَفْسَ الْخُرُوْجِ مُبَاحٌ دَفْعًا لِاَذَی الْغُرْبَۃِ وَوَحْشَۃِ الْوَحْدَۃِ فَھٰذَا عُذْرٌ. وَاِنَّمَا الْحُرْمَۃُ لِلسَّفَرِ وَقَدِ ارْتَفَعَتْ بِالْمُحْرِمِ.

وَلَہٗ اَنَّ الْعِدَّۃَ اَمْنَعُ مِنَ الْخُرُوْجِ مِنْ عَدَمِ الْمُحْرِمِ. فَاِنَّ لِلْمَرْاَۃِ اَنْ تَخْرُجَ اِلٰی مَا دُوْنَ السَّفَرِ بِغَیْرِ مُحْرِمٍ وَلَیْسَ لِلْمُعْتَدَّۃِ ذٰلِکَ. فَلَمَّا حُرِّمَ عَلَیْھَا الْخُرُوْجُ اِلَی السَّفَرِ بِغَیْرِ الْمُحْرِمِ فَفِی الْعِدَّۃِ اَوْلٰی.

ترجمہ: [اور جب عورت اپنے خاوند کے ساتھ مکہ مکرمہ (یا کسی اور جگہ) کی طرف جائے اور وہ اسے تین طلاقیں دے یا وہ کسی دوسرے شہر میں فوت ہوجائے تو اگر اس کے اور اس کے شہر کے درمیان تین دن کی مسافت سے کم ہو تو عورت اپنے شہر کی طرف لوٹ آئے] کیونکہ یہ (واپسی) نکلنے کا آغاز نہیں بلکہ معنوی طور پر بناء ہے

[اور اگر تین دن کی مسافت ہو تو اگر چاہے تو واپس آجائے اور اگر چاہے تو سفر کو جاری رکھے چاہے اس کے ساتھ اس کا ولی ہو یا نہ]۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جدھر وہ جارہی ہے ادھر بھی تین دن کی مسافت ہو کیونکہ اس جگہ ٹھہرنا، نکلنے کے مقابلے میں اس کے لئے زیادہ خطرناک ہے البتہ واپس آنا بہتر ہے تاکہ خاوند کے گھر میں عدت گزارے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ جامع صغیر میں فرماتے ہیں [مگر یہ کہ وہ اسے شہر میں طلاق دے یا فوت ہوجائے تو وہ عدت گزرنے تک باہر نہ جائے پھر جاسکتی ہے اگر اس کے ساتھ محرم ہو]

اور یہ بات حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔

[اور حضرت امام ابویوسف اور حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عدت گزرنے سے پہلے شہر سے نکلنے میں کوئی حرج نہیں]۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ اجنبیت اور تنہائی کی وحشت کو دور کرنے کے لئے اس کا نکلنا جائز ہے پس یہ عذر ہے اور سفر کی وجہ سے حرام ہے اور یہ حرمت، محرم کی وجہ سے ختم ہوگئی۔

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ محرم کے نہ ہونے کے مقابلے میں نکلنا زیادہ منع ہے کیونکہ عورت کے لئے جائز ہے کہ سفر کی مسافت سے کم مسافت کی طرف محرم کے بغیر بھی جاسکتی ہے لیکن عدت والی عورت ایسا نہیں کرسکتی تو جب

اس کے لئے محرم کے بغیر نکلنا حرام ہے تو عدت کے دوران بدرجہ اولیٰ منع ہے۔

توضیح: یہ مسئلہ گزر چکا ہے کہ بیوہ عورت ہو یا مطلقہ وہ اپنے خاوند کے گھر میں عدت گزارے گی اور کسی عذر کے بغیر وہ دوسری جگہ منتقل نہیں ہو سکتی۔ لیکن جب خاوند سفر میں ہو اور بیوی اس کے ساتھ ہو اور سفر کے دوران اسے تین طلاقیں دے دیں یا وہ فوت ہو گیا اور وہ جگہ شہر بھی نہیں تو عورت کیا کرے؟

تو اس سلسلے میں دیکھا جائے کہ عورت کے اپنے شہر اور اس جگہ کے درمیان کتنی مسافت ہے اگر تین دن کی مسافت (یعنی ۹۲ کلومیٹر) سے کم ہے تو واپس اپنے شہر میں آئے اور اگر تین دن یا اس سے زائد کی مسافت ہے تو عورت کو اختیار ہے چاہے تو واپس آجائے اور چاہے تو سفر جاری رکھے۔

سوال: عدت کے دوران عورت سفر نہیں کر سکتی تو یہ کس طرح سفر کو جاری رکھ سکتی ہے یا گھر کی طرف سفر کر سکتی ہے۔

جواب: وہ سفر شروع نہیں کر رہی بلکہ پہلے سفر کو ہی جاری رکھ رہی ہے لہٰذا اس صورت میں ممانعت نہیں ہے۔

اس سلسلے میں کہ سفر جاری یا گھر کی طرف سفر کرے اس کی وضاحت اس طرح ہے کہ جدھر سفر کر رہی ہے اس طرف بھی تین دن کی مسافت ہو یعنی دونوں طرف مسافت برابر ہو کیونکہ اس جگہ ٹھہرنا وہاں سے جانے کے مقابلے میں زیادہ خطرناک ہے البتہ اولیٰ یہ ہے کہ گھر کی طرف واپس آئے تاکہ عدت خاوند کے گھر میں گزارے۔

یاد رہے کہ اس سفر میں اگر اس کے ساتھ ولی نہ بھی ہو تو یہ سفر جائز ہوگا کیونکہ سفر ضروری ہے اور ولی کا نہ ہونا عذر ہے۔ اور ولی کا سفر میں ساتھ نہ ہونا اتنا پریشان کن نہیں جتنا وہاں ٹھہرنا خطرناک ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگر عورت کسی شہر میں ہو اور خاوند طلاق دے یا فوت ہو جائے تو وہ اسی شہر میں عدت گزارے پھر محرم کے ساتھ وہاں سے جائے یہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

جبکہ صاحبین کا قول یہ ہے کہ اگر اس کے ساتھ محرم ہو تو وہ عدت گزارنے سے پہلے بھی اس شہر سے جا سکتی ہے۔
(جیسے خاوند کسی شہر میں ملازم ہو اور فوت ہو جائے تو عورت اپنے محرم کے ساتھ اپنے شہر میں جا سکتی ہے)

صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ عورت کسی عذر کی وجہ سے عدت کے دوران باہر جا سکتی ہے اور یہاں بھی عذر ہے کہ وہ اجنبیت کی وجہ سے وحشت محسوس کرتی ہے البتہ سفر حرام ہوتا ہے لیکن جب اس کے ساتھ محرم ہوگا تو سفر بھی حرام نہیں ہوگا۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ محرم کے بغیر نکلنے کے مقابلے میں عدت میں نکلنا زیادہ حرام ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت سفر کی مسافت سے کم مسافت پر محرم کے بغیر بھی جا سکتی ہے لیکن عدت کے دوران عورت ایسا نہیں کر سکتی تو جب محرم کے بغیر اس کے لئے سفر حرام ہے تو عدت کے دوران زیادہ حرام ہوگا۔

بَابُ ثُبُوتِ النَّسَبِ

باب: ثبوت نسب کا بیان

ثبوت نسب کی مختلف صورتیں

(۱۹۶) : [وَمَنْ قَالَ اِنْ تَزَوَّجْتُ فلاَنَةَ فَهِيَ طَالِقٌ فَتَزَوَّجَهَا فَوَلَدَتْ وَلَدًا لِسِتَّةِ اَشْهُرٍ مِنْ يَوْمِ تَزَوَّجَهَا فَهُوَ ابْنُهُ وَعَلَيْهِ الْمَهْرُ] اَمَّا النَّسَبُ فَلِاَنَّهَا فِرَاشُهُ. لِاَنَّهَا لَمَّا جَاءَتْ بِالْوَلَدِ لِسِتَّةِ اَشْهُرٍ مِنْ وَقْتِ النِّكَاحِ فَقَدْ جَاءَتْ بِهِ لِاَقَلَّ مِنْهَا مِنْ وَقْتِ الطَّلَاقِ فَكَانَ الْعُلُوقُ قَبْلَهُ فِيْ حَالَةِ النِّكَاحِ وَالتَّصَوُّرُ ثَابِتٌ بِاَنْ تَزَوَّجَهَا وَهُوَ يُخَالِطُهَا فَوَافَقَ الْاِنْزَالُ النِّكَاحَ وَالنَّسَبُ يُحْتَاطُ فِيْ اِثْبَاتِهِ. وَاَمَّا الْمَهْرُ فَلِاَنَّهُ لَمَّا ثَبَتَ النَّسَبُ مِنْهُ جُعِلَ وَاطِئًا حُكْمًا فَتَاَكَّدَ الْمَهْرُ بِهِ [وَيَثْبُتُ نَسَبُ وَلَدِ الْمُطَلَّقَةِ الرَّجْعِيَّةِ اِذَا جَاءَتْ بِهِ لِسَنَتَيْنِ اَوْ اَكْثَرَ مَا لَمْ تُقِرَّ بِانْقِضَاءِ عِدَّتِهَا] لِاحْتِمَالِ الْعُلُوْقِ فِيْ حَالَةِ الْعِدَّةِ لِجَوَازِ اَنَّهَا تَكُوْنُ مُمْتَدَّةَ الطُّهْرِ

[وَاِنْ جَاءَتْ بِهِ لِاَقَلَّ مِنْ سَنَتَيْنِ بَانَتْ مِنْ زَوْجِهَا بِانْقِضَاءِ الْعِدَّةِ] وَثَبَتَ نَسَبُهُ لِوُجُوْدِ الْعُلُوْقِ فِي النِّكَاحِ اَوْ فِي الْعِدَّةِ فَلَا يَصِيْرُ مُرَاجِعًا لِاَنَّهُ يَحْتَمِلُ الْعُلُوْقَ قَبْلَ الطَّلَاقِ وَيَحْتَمِلُ بَعْدَهُ فَلَا يَصِيْرُ مُرَاجِعًا بِالشَّكِّ [وَاِنْ جَاءَتْ بِهِ لِاَكْثَرَ مِنْ سَنَتَيْنِ كَانَتْ رَجْعَةً] لِاَنَّ الْعُلُوْقَ بَعْدَ الطَّلَاقِ. وَالظَّاهِرُ اَنَّهُ مِنْهُ لِانْتِفَاءِ الزِّنَا مِنْهَا فَيَصِيْرُ بِالْوَطْيِ مُرَاجِعًا.

ترجمہ: [اور جس شخص نے کہا کہ اگر میں نے فلاں عورت سے نکاح کیا تو اسے طلاق ہے پھر اس نے اس سے نکاح کیا اور نکاح کے دن سے چھ ماہ بعد اس عورت کے ہاں بچہ پیدا ہو گیا تو وہ اسی شخص کا ہوگا اور اس کے ذمہ مہر ہوگا]

نسب اس لئے کہ وہ اس کی بیوی ہے کیونکہ جب نکاح کے بعد چھ ماہ گزرنے پر اس عورت کے ہاں بچہ پیدا ہوا تو اس بچے کی پیدائش طلاق کے وقت سے کم مدت میں ہوئی لہٰذا علوق طلاق سے پہلے حالت نکاح میں ہوا اور اس کا تصور ثابت ہے کہ اس نے اس سے صحبت کی حالت میں نکاح کیا تو نکاح کے ساتھ ہی انزال ہو گیا اور نسب کو ثابت کرنے میں احتیاط سے کام لیا جاتا ہے۔ اور مہر اس لئے (واجب ہوگا) کہ جب اس مرد سے نسب ثابت ہو گیا، تو حکمی طور پر اسے وطی کرنے والا

قرار دیا گیا لہٰذا اس سے مہر پکا ہو گیا۔

[اور جس عورت کو طلاق رجعی دی گئی تو اس کے بچے کا نسب ثابت ہو گا جب وہ دو سال یا اس کے بعد پیدا ہو جب تک عورت عدت ختم ہونے کا اقرار نہ کرے] کیونکہ ہو سکتا ہے کہ عدت کی حالت میں حمل ٹھہرا ہو کیونکہ اس کا طہر طویل بھی ہو سکتا ہے۔

[اور اگر اس کا بچہ دو سال سے کم مدت میں پیدا ہوا تو عدت کے ختم ہونے کی وجہ سے وہ اپنے خاوند سے جدا ہو جائے گی] اور اس بچے کا نسب ثابت ہو گا کیونکہ نکاح کی حالت میں یا عدت کے دوران نطفہ ٹھہرا پس وہ رجوع کرنے والا نہیں ہو گا کیونکہ نطفہ طلاق سے پہلے یا نکاح کے بعد ٹھہرنے کا احتمال ہے تو شک کی وجہ سے وہ رجوع کرنے والا قرار نہیں پائے گا۔

[اور اگر بچہ دو سال سے زیادہ مدت کے بعد پیدا ہوا تو رجوع ہو گا] کیونکہ نطفہ طلاق کے بعد ٹھہرا اور ظاہر ہے کہ وہ اسی کا ہے کیونکہ عورت سے زنا کی نفی کی جائے گی لہٰذا وطی کی وجہ سے وہ رجوع کرنے والا ہو جائے گا

توضیح: بچے کا اپنے باپ سے نسب ثابت ہونے کے سلسلے میں ایک مسئلہ بیان کیا گیا جس کی چار صورتیں ذکر کی گئی ہیں۔

نوٹ: یہ بات یاد رہے کہ حمل کی کم از کم مدت چھ مہینے اور زیادہ سے زیادہ مدت دو سال ہے۔

مسئلہ یوں ہے کہ کسی شخص نے کہا اگر میں فلاں عورت سے نکاح کروں تو اسے طلاق ہے گویا طلاق نکاح سے مشروط ہے اور جب نکاح کرے گا تو طلاق ہو جائے گی لیکن اس کے ساتھ دو باتیں مزید متعلق ہیں ایک یہ کہ اگر بچہ پیدا ہوا تو اس کے نسب کا کیا حکم ہو گا اور عورت کا مہر مرد پر لازم ہو گا یا نہیں۔

پہلی صورت:

مذکورہ بالا عورت سے نکاح کیا اور نکاح کے چھ ماہ بعد بچہ پیدا ہو گیا تو وہ بچہ اسی شخص کا ہو گا اور اس پر مہر بھی لازم ہو گا۔

سوال: جب نکاح کے ساتھ ہی طلاق ہو گئی تو گویا یہ عورت غیر مدخولہ ہے اس صورت میں ثبوت نسب اور مہر کا لزوم کیسے ہو گا۔

جواب: نسب اس لئے ثابت ہو گا کہ وہ اس کی فراش (منکوحہ) ہے کیونکہ جب نکاح کے چھ ماہ بعد بچے کی پیدائش ہو گئی تو بچے کی پیدائش اس وقت ہوئی جب طلاق کے بعد چھ ماہ سے کم وقت تھا (کیونکہ نکاح پہلے اور طلاق بعد میں ہوئی) لہٰذا معلوم ہوا کہ طلاق سے پہلے اور نکاح کے وقت نطفہ موجود تھا ظاہر میں اگرچہ یہ بات انوکھی معلوم ہوتی ہے لیکن بچے کے نسب کو ثابت کرنے میں احتیاط کو ملحوظ رکھا جاتا ہے اور اب یہ تصور ہو گا کہ مرد نے حالت صحبت میں نکاح کیا گویا جب نکاح کیا تو وہ اس عورت کے پیٹ پر تھا اور اس وقت انزال ہو گیا اور لوگ ان کی بات سن رہے تھے یعنی نکاح کی شہادت بھی ہو گئی تو نکاح اور انزال ایک ہی وقت میں ہوا اس لئے بچے کا نسب ثابت ہو جائے گا اور مہر اس لئے ثابت ہو گا کہ جب اس سے بچے کا نسب ثابت ہو گیا تو حکمی طور پر وہ وطی کرنے والا قرار پایا اور اس سے مہر پکا ہو گیا۔

دوسری صورت:

اگر عورت کو طلاق رجعی دی پھر طلاق کے دو سال بعد یا اس سے زیادہ وقت کے بعد بچہ پیدا ہوا اور عورت نے عدت کے ختم ہونے کا اقرار بھی نہیں کیا تو بچے کا نسب ثابت ہو جائے گا۔

کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس کا طہر لمبا ہو جائے اور عدت کے دوران اسے حمل ٹھہرا ہو اور ثبوت نسب سے جو وطی لازم ہوئی وہ عدت میں ہوئی یعنی مرد نے رجوع کر لیا ہو۔

تیسری صورت:

اگر دو سال سے کم مدت میں بچہ پیدا ہوا تو عدت ختم ہو گئی اور عورت مرد سے جدا ہو جائے گی لیکن بچے کا نسب اس شخص سے ثابت ہو جائے گا کیونکہ نطفہ نکاح یا عدت کے دوران ٹھہرا اور مرد رجوع کرنے والا نہیں ہو گا اس لئے کہ یہاں دو احتمال ہیں ہو سکتا ہے نطفہ طلاق سے پہلے ٹھہرا ہو یا طلاق کے بعد ٹھہرا لہٰذا شک کی وجہ سے رجوع کرنے والا نہیں ہو گا۔

چوتھی صورت:

اور اگر دو سال سے زیادہ عرصہ گزرنے کے بعد بچہ پیدا ہوا تو یہ رجوع ہو گا (اور نسب بھی ثابت ہو گا) کیونکہ طلاق کے بعد نطفہ ٹھہرا اور ظاہر یہی ہے کہ یہ بچہ اسی کا ہے کیونکہ عورت سے زنا کی نفی ہو گی اس لئے کہ اس کا کوئی ثبوت نہیں پس وہ وطی کے ذریعے رجوع کرنے والا ہو گا۔

طلاق بتہ والی عورت کے بچے کا نسب اور اس کا ثبوت

(۱۹۸) : [وَالْمَبْتُوْتَةُ يَثْبُتُ نَسَبُ وَلَدِهَا اِذَا جَائَتْ بِهٖ لِاَقَلَّ مِنْ سَنَتَيْنِ] لِاَنَّهٗ يَحْتَمِلُ اَنْ يَكُوْنَ الْوَلَدُ قَائِمًا وَقْتَ الطَّلَاقِ فلاَ يَتَيَقَّنُ بِزَوَالِ الْفِرَاشِ قَبْلَ الْعُلُوْقِ فَيَثْبُتُ النَّسَبُ احْتِيَاطًا. [فَاِنْ جَائَتْ بِهٖ لِتَمَامِ سَنَتَيْنِ مِنْ وَقْتِ الْفُرْقَةِ لَمْ يَثْبُتْ] لِاَنَّ الْحَمْلَ حَادِثٌ بَعْدَ الطَّلَاقِ فلاَ يَكُوْنُ مِنْهُ لِاَنَّ وَطْأَهَا حَرَامٌ.

قَالَ [اِلَّا اَنْ يَدَّعِيَهٗ] لِاَنَّهُ الْتَزَمَهٗ.

وَلَهٗ وَجْهٌ بِاَنْ وَطِئَهَا بِشُبْهَةٍ فِي الْعِدَّةِ [فَاِنْ كَانَتِ الْمَبْتُوتَةُ صَغِيْرَةً يُجَامَعُ مِثْلُهَا فَجَائَتْ بِوَلَدٍ لِتِسْعَةِ اَشْهُرٍ لَمْ يَلْزَمْهُ حَتّٰى تَأْتِيَ بِهٖ لِاَقَلَّ مِنْ تِسْعَةِ اَشْهُرٍ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ. وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ: يَثْبُتُ النَّسَبُ مِنْهُ اِلٰى سَنَتَيْنِ]

لِاَنَّهَا مُعْتَدَّةٌ يَحْتَمِلُ اَنْ تَكُوْنَ حَامِلًا وَلَمْ تُقِرَّ بِانْقِضَاءِ الْعِدَّةِ فَاَشْبَهَتِ الْكَبِيْرَةَ.

وَلَهُمَا اَنَّ لِانْقِضَاءِ عِدَّتِهَا جِهَةً مُتَعَيِّنَةً وَهُوَ الْاَشْهُرُ فَبِمُضِيِّهَا يَحْكُمُ الشَّرْعُ بِالْاِنْقِضَاءِ وَهُوَ فِي الدَّلَالَةِ فَوْقَ اِقْرَارِهَا لِاَنَّهُ لَا يَحْتَمِلُ الْخِلَافَ. وَالْاِقْرَارُ يَحْتَمِلُهُ وَاِنْ كَانَتْ مُطَلَّقَةً طَلَاقًا رَجْعِيًّا فَكَذٰلِكَ الْجَوَابُ عِنْدَهُمَا. وَعِنْدَهُ يَثْبُتُ اِلٰى سَبْعَةٍ وَعِشْرِيْنَ شَهْرًا لِاَنَّهُ يُجْعَلُ وَاطِئًا فِيْ آخِرِ الْعِدَّةِ وَهِيَ الثَّلَاثَةُ الْاَشْهُرُ ثُمَّ تَأْتِيْ لِاَكْثَرِ مُدَّةِ الْحَمْلِ وَهُوَ سَنَتَانِ. وَاِنْ كَانَتِ الصَّغِيْرَةُ ادَّعَتِ الْحَبَلَ فِي الْعِدَّةِ فَالْجَوَابُ فِيْهَا وَفِي الْكَبِيْرَةِ سَوَاءٌ. لِاَنَّ بِاِقْرَارِهَا يُحْكَمُ بِبُلُوْغِهَا.

ترجمہ: [اور جس عورت کو طلاق بتہ (طلاق بائن یا تین طلاقیں) دی گئی اس کے بچے کا نسب ثابت ہوگا جب (طلاق کے بعد) دو سال سے کم وقت میں پیدا ہو] کیونکہ ہوسکتا ہے طلاق کے وقت بچہ پیٹ میں ہو پس نطفہ ٹھہرنے سے پہلے فراش کا زوال (نکاح کا ختم ہونا) یقینی نہیں ہوگا لہٰذا احتیاطاً نسب ثابت ہوگا۔

[اور اگر جدائی کے بعد دو سال پورے ہونے کے بعد بچہ پیدا ہو تو ثابت نہیں ہوگا] کیونکہ یہ حمل طلاق کے بعد ٹھہرا لہٰذا یہ اس مرد کا نہیں کیونکہ اب اس کا وطی کرنا حرام ہے [مگر یہ کہ وہ اس کا دعویٰ کرے] کیونکہ اس نے اسے اپنے اوپر لازم کیا۔

اور اس بات کی ایک وجہ ہے وہ یہ کہ عدت کے دوران شبہ میں وطی ہوئی ہو۔

[اور اگر مبتوتہ نابالغہ ہو لیکن اس کی مثل سے جماع ہوسکتا ہو اور طلاق کے نو ماہ بعد اس کے ہاں بچہ پیدا ہوا تو وہ بچہ اس مرد کا نہیں ہوگا حتیٰ کہ اگر وہ نو ماہ سے کم میں ہوتا (تو اسی کا ہوتا) یہ حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہما کا قول ہے اور حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: دو سال کے اندر اندر اسی سے نسب ثابت ہوگا]

کیونکہ وہ عدت گزار رہی ہے اور اس بات کا احتمال ہے کہ وہ حاملہ ہو اور اس نے عدت ختم ہونے کا اقرار بھی نہیں کیا پس وہ بالغہ کے مشابہ ہوگی۔ طرفین کی دلیل یہ ہے کہ اس کی عدت کی جہت متعین ہے اور وہ مہینوں کے حساب سے ہے لہٰذا (تین) مہینے گزرنے پر شریعت عدت ختم ہونے کا حکم دیتی ہے اور یہ بات دلالت میں اقرار سے بڑھ کر ہے کیونکہ اس میں اختلاف کا احتمال نہیں جبکہ اقرار میں اس (اختلاف) کا احتمال ہے۔

اور اگر اسے طلاق رجعی دی گئی تو طرفین کے نزدیک یہی حکم ہوگا اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ستائیس ماہ تک نسب ثابت ہوگا کیونکہ اسے عدت کے آخر میں وطی کرنے والا قرار دیا جائے گا اور وہ تین مہینے ہیں۔

پھر حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت گزرے گی اور وہ دو سال ہیں۔ اور اگر نابالغہ لڑکی عدت کے دوران حمل کا دعویٰ کرے تو اس کا اور بالغہ دونوں کا ایک ہی حکم ہوگا کیونکہ اس کے اقرار پر اس کے بالغ ہونے کا حکم لگایا جائے گا۔

توضیح: چونکہ طلاق رجعی میں عدت کے دوران رجوع ہوسکتا ہے لیکن جب طلاق بائن ہو یا تین طلاقیں ہوں (اور ان کو ہی طلاق بتہ کہا جاتا ہے) تو فوری جدائی ہوجاتی ہے۔

طلاق بتہ کی صورت میں اگر طلاق کے بعد بچہ پیدا ہو تو اس کا کیا حکم ہوگا؟

اس سلسلے میں پہلی صورت یہ ہے کہ طلاق کے بعد دو سال سے کم مدت میں بچہ پیدا ہو گیا تو بچے کا نسب ثابت ہو جائے گا اس کی وجہ یہ ہے کہ اس بات کا احتمال ہے کہ طلاق کے وقت عورت کو حمل ٹھہر گیا ہو اور اس بات کا یقین نہیں کہ حمل ٹھہرنے سے پہلے عورت مرد کے نکاح سے نہ نکلی ہو اور حدیث کے مطابق بچہ فراش کے لئے ہوتا ہے یعنی جس کی وہ بیوی ہے اور نسب کے ثبوت میں احتیاط سے کام لیا جاتا ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ان کے درمیان تفریق کے بعد دو سال پورے ہونے پر بچہ پیدا ہوا تو نسب ثابت نہیں ہوگا کیونکہ یہ حمل طلاق کے بعد کا ہے کیونکہ حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت دو سال ہے اور طلاق بائن یا تین طلاقوں کے بعد مرد کا بیوی سے وطی کرنا حرام ہے ـــــ

البتہ اگر وہ دعویٰ کرے کہ یہ اسی کا بچہ ہے تو نسب ثابت ہوگا کیونکہ اس نے خود اس کا التزام کیا ہے۔

سوال: یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ طلاق بائن یا تین طلاقوں کے بعد مرد مطلقہ خاتون سے صحبت کرے۔

جواب: اس کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ شبہ میں عدت کے دوران وطی ہو جائے۔

نابالغہ مطلقہ کے بچے کا حکم

اگر مطلقہ مبتوتہ نابالغہ ہو لیکن اس کی مثل سے جماع ہو سکتا ہو اور طلاق کے نو ماہ بعد بچہ پیدا ہو جائے تو وہ اس مرد کا نہیں ہوگا البتہ نو مہینوں سے کم مدت میں پیدا ہو تو اس مرد کا ہوگا یہ حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ اگر طلاق کے بعد دو سال کے اندر بچہ پیدا ہو تو اس مرد سے نسب ثابت ہو جائے گا۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ ممکن ہے وہ لڑکی حاملہ ہو اور عدت پوری ہونے کا اقرار نہ کرے تو اس کا وہی حکم ہوگا جو بالغہ عورت کا ہے۔ (یہ حکم پہلے گزر چکا ہے)

طرفین کی دلیل یہ ہے کہ چونکہ یہ لڑکی نابالغہ ہے اور اس کو حیض نہیں آتا اور جسے حیض نہ آئے اس کی عدت مہینوں کے حساب سے ہوتی ہے لہٰذا جب (تین) مہینے گزر جائیں تو شریعت کے مطابق اس کی عدت پوری ہو گئی اور عورت کے عدت کے پورا ہونے کے اقرار کے مقابلے میں اس کی دلالت زیادہ ہے کیونکہ اس میں اختلاف کا احتمال نہیں جبکہ اقرار میں اختلاف ہو سکتا ہے۔

طلاق رجعی کا حکم

مسئلہ مذکورہ میں اگر طلاق رجعی دی تو طرفین کے نزدیک یہی حکم ہوگا (جو ابھی ذکر کیا گیا) لیکن حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ستائیس مہینوں تک نسب ثابت ہوگا یعنی طلاق کے ستائیس ماہ کے بعد بچہ پیدا ہو تو نسب ثابت ہو جائے گا۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ جب اس کی عدت تین مہینے ہے اور اس عدت کے آخر میں وطی پائی جائے پھر حمل کی اکثر مدت دو سال مکمل ہوں تو اس طرح ستائیس ماہ ہوں گے اور چونکہ طلاق رجعی دی گئی لہٰذا وہ عدت کے دوران وطی کر سکتا ہے۔

اور اگر وہ نابالغہ ہو اور عدت کے دوران حمل کا دعویٰ کرے تو اس کا اور بالغہ کا حکم ایک جیسا ہوگا کیونکہ جب اس نے اقرار کیا تو وہ بالغہ شمار ہوگی۔

بیوہ عورت کے بچے کا ثبوت نسب

(۱۹۹): [وَيَثْبُتُ نَسَبُ وَلَدِ الْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا مَا بَيْنَ الْوَفَاةِ وَبَيْنَ السَّنَتَيْنِ] وَقَالَ زُفَرُ: إِذَا جَائَتْ بِهٖ بَعْدَ انْقِضَاءِ عِدَّةِ الْوَفَاةِ لِسِتَّةِ اَشْهُرٍ لَا يَثْبُتُ النَّسَبُ لِاَنَّ الشَّرْعَ حَكَمَ بِانْقِضَاءِ عِدَّتِهَا بِالشُّهُورِ لِتَعَيُّنِ الْجِهَةِ فَصَارَ كَمَا اِذَا اَقَرَّتْ بِالِانْقِضَاءِ كَمَا بَيَّنَّا فِي الصَّغِيْرَةِ اِلَّا اَنَّا نَقُوْلُ لِانْقِضَاءِ عِدَّتِهَا جِهَةٌ اُخْرٰى وَهُوَ وَضْعُ الْحَمْلِ. بِخِلَافِ الصَّغِيْرَةِ لِاَنَّ الْاَصْلَ فِيْهَا عَدَمُ الْحَمْلِ لِيَسَتْ بِمَحَلٍّ قَبْلَ الْبُلُوْغِ وَفِيْهِ شَكٌّ.

ترجمہ: [اور جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے اس کے بچے کا نسب وفات سے دو سال کے درمیان ثابت ہوگا]

حضرت امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب عدت وفات (چار ماہ دس دن) گزرنے کے چھ ماہ بعد بچہ پیدا ہو تو نسب ثابت نہیں ہوگا کیونکہ شریعت نے اس کی عدت کا پورا ہونا مہینوں کے ذریعے قرار دیا ہے کیونکہ یہ جہت متعین ہے تو یہ اس طرح ہو جائے گا جیسے اس نے عدت ختم ہونے کا اقرار کیا جس طرح ہم نے نابالغہ کے بارے میں ذکر کیا۔

مگر ہم کہتے ہیں کہ عدت کے اختتام کی دوسری جہت ہے اور وہ بچے کی پیدائش ہے بخلاف نابالغہ کے کیونکہ اس میں اصل حمل کا نہ ہونا ہے کیونکہ بلوغت سے پہلے وہ حمل کا محل نہیں اور اس میں شک ہے۔

توضیح: بیوہ عورت کے ہاں خاوند کی وفات کے بعد دو سال سے کم مدت میں بچہ پیدا ہو جائے تو اس کا نسب ثابت ہو جائے گا کیونکہ اگر دو سال کے بعد پیدا ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ حمل اس شخص کا نہیں کیونکہ زیادہ سے زیادہ مدت حمل دو سال ہے۔ اور دو سال سے کم مدت میں پیدا ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ نطفہ اسی شخص کا تھا۔

اس مسئلہ میں حضرت امام زفر رحمہ اللہ کا اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں: عدت گزرنے کے چھ ماہ بعد بچہ پیدا ہو تو نسب ثابت نہیں ہوگا۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ بیوہ عورت کی عدت کی جہت مہینوں کا شمار ہے (یعنی چار ماہ دس دن) تو یہ اس طرح ہوگا جیسے اس نے عدت ختم ہونے کا اقرار کر لیا تو اب عدت کے بعد چھ ماہ گزرنے پر بچہ پیدا ہو تو وہ اس کا نہیں ہوگا کیونکہ اس سے ثابت ہوا کہ یہ نیا علوق ہے یعنی عدت کے بعد نطفہ ٹھہرا ہے جس طرح نابالغہ کے بارے میں مسئلہ بیان ہو چکا ہے۔

دیگر ائمہ فرماتے ہیں کہ اس عورت کی عدت کی جہت مہینے نہیں بلکہ وضع حمل ہے لہٰذا یہاں مہینوں کا اعتبار نہیں ہوگا جہاں تک نابالغہ کا تعلق ہے تو اصل کے اعتبار سے وہ حمل کا محل ہی نہیں کیونکہ حمل بلوغت کے بعد ٹھہرتا ہے اور اس کے بالغ ہونے میں شک ہے لہٰذا اس مسئلہ کو نابالغہ والے مسئلہ پر قیاس کرنا درست نہیں۔

عدت ختم ہونے کے اقرار کے بعد بچے کی پیدائش

(۲۰۰) : [وَإِذَا اعْتَرَفَتِ الْمُعْتَدَّةُ بِانْقِضَاءِ عِدَّتِهَا ثُمَّ جَائَتْ بِالْوَلَدِ لِأَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ يَثْبُتُ نَسَبُهُ] لِأَنَّهُ ظَهَرَ كَذِبُهَا بِيَقِينٍ فَبَطَلَ الْإِقْرَارُ [وَإِنْ جَائَتْ بِهِ لِسِتَّةِ أَشْهُرٍ لَمْ يَثْبُتْ] لِأَنَّا لَمْ نَعْلَمْ بِبُطْلَانِ الْإِقْرَارِ لِاحْتِمَالِ الْحُدُوثِ بَعْدَهُ. وَهٰذَا اللَّفْظُ بِإِطْلَاقِهِ يَتَنَاوَلُ كُلَّ مُعْتَدَّةٍ.

[جب عورت عدت ختم ہونے کا اقرار کرے پھر چھ ماہ سے کم مدت میں بچہ پیدا ہوجائے تو اس بچے کا نسب ثابت ہو جائے گا] کیونکہ یقینی طور پر اس کا جھوٹ ظاہر ہوگیا لہٰذا اس کا اقرار باطل ہوجائے گا۔

[اور اگر چھ ماہ بعد بچہ پیدا ہوتو نسب ثابت نہیں ہوگا] کیونکہ ہمیں اس کے اقرار کے باطل ہونے کا علم نہیں ممکن ہے یہ حمل اقرار کے بعد ٹھہرا ہو اور لفظ معتدہ مطلق ہونے کی وجہ سے ہر عدت والی عورت کو شامل ہے۔

توضیح: اگر معتدہ عورت عدت گزر جانے کا اقرار کرے اور اس کے بعد بچہ پیدا ہوتو کیا نسب ثابت ہوگا؟ تو یہاں دو صورتیں ہیں:

پہلی صورت یہ ہے کہ عدت گزرنے کے اقرار کے بعد چھ مہینے گزرنے سے پہلے بچہ پیدا ہوا تو اس کا نسب ثابت ہوگا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت کا اقرار جھوٹ ہے کیونکہ اسے حمل تھا اور اس کی عدت وضع حمل ہے اور اس نے غلط بیانی کی کہ عدت ختم ہوگئی اس لئے اس کا اقرار باطل ہوگیا۔

دوسری صورت میں چھ مہینے گزرنے کے بعد بچہ پیدا ہوا تو اس سے نسب ثابت نہیں ہوگا کیونکہ اس کے اقرار کا بطلان یقینی نہیں اس لئے کہ ہوسکتا ہے یہ حمل عدت گزرنے کے بعد کا ہو۔

اور مصنف کا لفظ معتدہ مطلق ذکر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس سے ہر قسم کی معتدہ عورت مراد ہے۔

معتدہ عورت کے ہاں پیدا ہونے والے بچے کی پیدائش کا ثبوت

(۲۰۱) : [وَإِذَا وَلَدَتِ الْمُعْتَدَّةُ وَلَدًا لَمْ يَثْبُتْ نَسَبُهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ إِلَّا أَنْ يَشْهَدَ

بِوِلَادَتِهَا رَجُلَانِ اَوْ رَجُلٌ وَّامْرَاَتَانِ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ هُنَاكَ حَبَلٌ ظَاهِرٌ اَوْ اعْتِرَافٌ مِّنْ قِبَلِ الزَّوْجِ فَيَثْبُتُ النَّسَبُ مِنْ غَيْرِ شَهَادَةٍ. وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ: يَثْبُتُ فِي الْجَمِيْعِ بِشَهَادَةِ امْرَاَةٍ وَاحِدَةٍ] لِاَنَّ الْفِرَاشَ قَائِمٌ بِقِيَامِ الْعِدَّةِ وَهُوَ مُلْزِمٌ لِلنَّسَبِ وَالْحَاجَةُ اِلٰى تَعْيِيْنِ الْوَلَدِ اَنَّهٗ مِنْهَا فَيَتَعَيَّنُ بِشَهَادَتِهَا كَمَا فِيْ حَالِ قِيَامِ النِّكَاحِ.

وَلِاَبِيْ حَنِيْفَةَ اَنَّ الْعِدَّةَ تَنْقَضِيْ بِاِقْرَارِهَا بِوَضْعِ الْحَمْلِ. وَالْمُنْقَضِيْ لَيْسَ بِحُجَّةٍ فَمَسَّتْ الْحَاجَةُ اِلٰى اِثْبَاتِ النَّسَبِ ابْتِدَائً فَيُشْتَرَطُ كَمَالُ الْحُجَّةِ. بِخِلَافِ مَا اِذَا كَانَ ظَهَرَ الْحَبَلُ اَوْ صَدَرَ الْاِعْتِرَافُ مِنَ الزَّوْجِ لِاَنَّ النَّسَبَ ثَابِتٌ قَبْلَ الْوِلَادَةِ وَالتَّعَيُّنُ يَثْبُتُ بِشَهَادَتِهَا [

[فَاِنْ كَانَتْ مُعْتَدَّةً عَنْ وَفَاةٍ فَصَدَّقَهَا الْوَرَثَةُ فِي الْوِلَادَةِ وَلَمْ يَشْهَدْ عَلَى الْوِلَادَةِ اَحَدٌ فَهُوَ ابْنُهٗ فِيْ قَوْلِهِمْ جَمِيْعًا] وَهٰذَا فِيْ حَقِّ الْاِرْثِ ظَاهِرٌ لِاَنَّهٗ خَالِصُ حَقِّهِمْ فَيُقْبَلُ فِيْهِ تَصْدِيْقُهُمْ. اَمَّا فِيْ حَقِّ النَّسَبِ هَلْ يَثْبُتُ فِيْ حَقِّ غَيْرِهِمْ.

قَالُوْا: اِذَا كَانُوْا مِنْ اَهْلِ الشَّهَادَةِ يَثْبُتُ لِقِيَامِ الْحُجَّةِ وَلِهٰذَا قِيْلَ: تُشْتَرَطُ لَفْظَةُ الشَّهَادَةِ. وَقِيْلَ لَا تُشْتَرَطُ لِاَنَّ الثُّبُوْتَ فِيْ حَقِّ غَيْرِهِمْ تَبَعٌ لِلثُّبُوْتِ فِيْ حَقِّهِمْ بِاِقْرَارِهِمْ. وَمَا ثَبَتَ تَبَعًا لَا يُرَاعٰى فِيْهِ الشَّرَائِطُ.

ترجمہ: [اور جب عدت گزارنے والی عورت کے ہاں بچہ پیدا ہو تو حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا نسب ثابت نہیں ہوگا مگر یہ کہ اس کی پیدائش کی دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں گواہی دیں مگر یہ کہ اس کا حمل ظاہر ہو یا خاوند کی طرف سے اعتراف ہو تو گواہی کے بغیر بھی نسب ثابت ہو جائے گا۔ حضرت امام ابویوسف اور حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں: ان تمام صورتوں میں ایک عورت کی گواہی سے نسب ثابت ہو جائے گا]

کیونکہ عدت کی وجہ سے فراش (منکوحہ ہونا) قائم ہے اور وہ نسب کو لازم کرتا ہے اور اس بات کی حاجت ہے کہ بچے کا اس خاتون سے ہونا متعین ہو اور وہ ایک عورت کی گواہی سے متعین ہوگا جس طرح نکاح قائم ہونے کی حالت میں ہوتا ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ عورت نے جب بچہ پیدا ہونے کا اقرار کیا تو عدت ختم ہو گئی اور جو چیز ختم ہو گئی (یعنی عدت) وہ دلیل نہیں ہو سکتی، لہٰذا نسب کو ابتدائی طور پر ثابت کرنے کی حاجت ہوئی اس لئے کامل حجت شرط ہوگی۔

بخلاف اس کے جب حمل ظاہر ہو یا خاوند اعتراف کرے، کیونکہ نسب ولادت سے پہلے ثابت ہوگا اور تعین عورت کی گواہی سے ثابت ہوگا۔

[پس اگر عورت وفات کی عدت گزار رہی ہو اور وارث بچے کی پیدائش کی تصدیق کریں اور بچے کی پیدائش کی گواہی

کوئی نہ دے تو سب کے نزدیک وہ اس کا بیٹا ہوگا] اور یہ بات وراثت کے حق میں ظاہر ہے کیونکہ یہ خالص ان کا حق ہے اس لئے اس میں ان کی تصدیق قبول کی جائے گی اور نسب کے حق میں کیا ان (ورثاء) کے غیر کے حق میں یہ تصدیق قبول ہوگی؟

تو فقہاء کرام فرماتے ہیں: جب وہ (ورثاء) گواہی دینے کے اہل ہوں تو دلیل قائم ہونے کی وجہ سے نسب ثابت ہو جائے گا اسی لئے کہا گیا کہ لفظ شہادت شرط ہے اور کہا گیا کہ شرط نہیں ہے کیونکہ دوسروں کے حق میں اس کا ثبوت ان (وارثوں) کے حق میں ثبوت کے تابع ہے اور یہ ان کے اقرار کی وجہ سے ہے۔

اور جو بات بالتبع ثابت ہو اس میں شرائط کی رعایت نہیں کی جاتی ہے۔

توضیح: یہاں یہ مسئلہ بیان کیا جارہا ہے کہ اگر معتدہ عورت کی عدت کے دوران بچہ پیدا ہو تو کیا اس کا نسب ثابت ہوگا اگر ثابت ہو تو اس کی کیا صورت ہوگی۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ چند صورتوں میں نسب ثابت ہوگا۔

① دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں بچے کی ولادت کی گواہی دیں۔

② یا اس عورت کا حمل ظاہر ہو۔

③ یا خاوند کی طرف سے اعتراف پایا جائے تو ان تینوں صورتوں میں گواہی کے بغیر نسب ثابت ہو جائے گا۔

اور اگر ان تینوں باتوں میں سے کوئی بات نہ پائی جائے تو نسب ثابت نہیں ہوگا۔

حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد رحمہما اللہ کا اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں: ان تمام (مذکورہ بالا) صورتوں میں ایک عورت کی گواہی سے نسب ثابت ہو جائے گا یعنی بچے کی پیدائش پر ایک عورت کی گواہی کافی ہے۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ عدت، فراش (منکوحہ ہونے) کے قائم مقام ہے یعنی گویا وہ اس کی بیوی ہے اور اس سے نسب لازم آتا ہے البتہ اس بات کو ثابت کرنا ضروری ہے کہ یہ بچہ اسی عورت کا ہے تو وہ ایک عورت کی گواہی سے بھی ثابت ہو جاتا ہے جس طرح عورت حالت نکاح میں ہو تو یہی شہادت کافی ہوتی ہے۔

حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ جب عورت نے بچے کے پیدا ہونے کا اقرار کر لیا تو عدت ختم ہو گئی کیونکہ حاملہ عورت کی عدت بچے کی پیدائش تک ہوتی ہے۔

اور جو چیز ختم ہو جائے اسے دلیل نہیں بنایا جا سکتا لہٰذا اس بات کی حاجت ہے کہ ابتداءً بچے کے نسب کو ثابت کیا جائے اور اس کے لئے کامل دلیل کی حاجت ہے۔

البتہ حمل ظاہر ہو یا خاوند اعتراف کرے تو وہ صورت الگ ہے کیونکہ اس صورت میں بچے کی پیدائش سے پہلے ہی نسب ثابت ہو گیا اور اب اس بچے کا اس عورت سے جنم لینے کا ثبوت ایک عورت کی گواہی سے ہو سکتا ہے۔

(گویا یہاں دو باتیں ہیں ایک بچے کا نسب اور دوسرا اس عورت کے ہاں اس کی پیدائش، نسب پہلے ہی ثابت ہو گیا کیونکہ وہ حاملہ ہے یا خاوند اعتراف کر رہا ہے اور چونکہ ولادت عورتوں کے سامنے ہوتی ہے لہٰذا اس کے ثبوت کے لئے ایک

عورت کی گواہی کافی ہوگی۔ ۱۲ ہزاروی)

دوسرا مسئلہ:

اس عورت کا ہے جو خاوند کی وفات کی وجہ سے عدت گزار رہی ہے تو اس صورت میں چونکہ ورثاء کا حق متعلق ہے کہ اگر بچے کا نسب ثابت ہو جائے تو وہ بھی وارث ہوگا۔ اس لئے یہاں دو باتیں ہیں ایک نسب کا ثبوت اور دوسرا وراثت کا ثبوت۔

اگر ورثاء اس بچے کی پیدائش کی تصدیق کریں اور اس ولادت پر کوئی گواہی نہ دیں تو تمام فقہاء کے نزدیک یہ اسی فوت ہونے والے شخص کا بچہ ہوگا۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں: وراثت کے حق میں یہ بات ظاہر ہے کیونکہ وہ ورثاء کا خالص حق ہے لہٰذا اس سلسلے میں ان کی تصدیق قبول کی جائے گی۔

لیکن نسب کے حق میں ان کی تصدیق دوسروں کے لئے ہے تو کیا اس سلسلے میں ان کی تصدیق قبول کی جائے گی؟

تو فقہاء کرام فرماتے ہیں:

اگر وہ ورثاء شہادت دینے کے اہل ہیں تو نسب ثابت ہو جائے گا کیونکہ یہ دلیل ہے اور وہ قائم ہو گئی یہی وجہ ہے کہ کہا گیا لفظ شہادت شرط ہے (اور یہ شہادت کے اہل ہیں)

بعض نے کہا کہ لفظ شہادت شرط نہیں کیونکہ غیر کے حق میں ثبوت ان کے اپنے حق کے تابع ہے جو اقرار سے ثابت ہوا یعنی وارثوں کی تصدیق ان کے اپنے حق کے بارے میں ہے اور یہ اصل ہے اور اس سے بالتبع نسب ثابت ہو رہا ہے جو ان کے غیر کا حق ہے اور جو چیز بالتبع ثابت ہو اس کے لئے لفظ شہادت شرط نہیں کیونکہ اس میں شرائط کا لحاظ نہیں کیا جاتا۔

نکاح کے بعد چھ مہینوں سے پہلے بچے کی پیدائش

(۲۰۲): [وَاِذَا تَزَوَّجَ الرَّجُلُ امْرَاَةً فَجَائَتْ بِوَلَدٍ لِاَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ اَشْهُرٍ مُنْذُ يَوْمِ تَزَوَّجَهَا لَمْ يَثْبُتْ نَسَبُهُ] لِاَنَّ الْعُلُوقَ سَابِقٌ عَلَى النِّكَاحِ فَلَا يَكُوْنُ مِنْهُ [وَاِنْ جَائَتْ بِهِ لِسِتَّةِ اَشْهُرٍ فَصَاعِدًا يَثْبُتُ نَسَبُهُ مِنْهُ اعْتَرَفَ بِهِ الزَّوْجُ اَوْ سَكَتَ] لِاَنَّ الْفِرَاشَ قَائِمٌ وَّالْمُدَّةُ تَامَّةٌ [فَاِنْ جَحَدَ الْوِلَادَةَ يَثْبُتُ بِشَهَادَةِ امْرَاَةٍ وَاحِدَةٍ تَشْهَدُ بِالْوِلَادَةِ حَتّٰى لَوْ نَفَاهُ الزَّوْجُ يُلَاعِنُ] لِاَنَّ النَّسَبَ يَثْبُتُ بِالْفِرَاشِ الْقَائِمِ. وَاللِّعَانُ اِنَّمَا يَجِبُ بِالْقَذْفِ وَلَيْسَ مِنْ ضَرُوْرَتِهِ وُجُوْدُ الْوَلَدِ فَاِنَّهُ يَصِحُّ بِدُوْنِهِ [فَاِنْ وَلَدَتْ ثُمَّ اخْتَلَفَا فَقَالَ الزَّوْجُ: تَزَوَّجْتُكِ مُنْذُ اَرْبَعَةِ وَقَالَتْ هِيَ: مُنْذُ سِتَّةِ اَشْهُرٍ فَالْقَوْلُ قَوْلُهَا وَهُوَ ابْنُهُ] لِاَنَّ الظَّاهِرَ شَاهِدٌ لَّهَا فَاِنَّهَا تَلِدُ ظَاهِرًا مِنْ نِكَاحٍ لَا مِنْ سِفَاحٍ وَلَمْ يَذْكُرِ الِاسْتِحْلَافَ وَهُوَ عَلَى الِاخْتِلَافِ.

ترجمہ: [اور جب کسی شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا اور اس کے ہاں نکاح کے دن سے چھ ماہ گزرنے سے پہلے بچہ پیدا ہو تو اس کا نسب ثابت نہیں ہوگا] کیونکہ یہ حمل نکاح سے پہلے کا ہے لہٰذا اس سے نہیں ہوگا۔

[اور اگر چھ ماہ بعد یا اس سے بھی بعد پیدا ہوا تو اس کا نسب ثابت ہوگا اگر خاوند اعتراف کرے یا خاموش رہے]

کیونکہ فراش قائم ہے اور مدت پوری ہے ——

[اور اگر وہ پیدائش کا انکار کرے تو ایک عورت جو بچے کی پیدائش کی گواہی دے، کی شہادت سے نسب ثابت ہو جائے گا حتیٰ کہ اگر خاوند نفی کرے تو لعان ہوگا]

کیونکہ موجود فراش کی وجہ سے نسب ثابت ہے اور لعان قذف کی وجہ سے واجب ہوگا اور لعان کے لئے بچے کا پایا جانا ضروری نہیں، کیونکہ یہ اس کے بغیر بھی صحیح ہوتا ہے۔

[اور اگر بچہ پیدا ہو پھر دونوں میں اختلاف ہو جائے اور خاوند کہے کہ میں نے چار ماہ پہلے نکاح کیا تھا اور عورت کہے چھ ماہ پہلے نکاح ہوا تھا تو عورت کا قول معتبر ہوگا اور وہ بچہ اسی خاوند کا ہوگا]

کیونکہ ظاہر عورت کے حق میں گواہ ہے کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ بچہ نکاح کے ذریعے پیدا ہوا زنا کے ذریعے نہیں۔

اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے قسم لینے کا ذکر نہیں کیا اور اس میں اختلاف ہے۔

توضیح: حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ اور زیادہ سے زیادہ دو سال ہے لہٰذا اگر نکاح کے بعد چھ ماہ گزرنے سے پہلے بچہ پیدا ہو جائے تو اس شخص سے نسب ثابت نہیں ہوگا کیونکہ حمل پہلے سے موجود تھا۔

اور اگر چھ ماہ گزرنے پر بچہ پیدا ہو تو نسب ثابت ہوگا لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ خاوند اعتراف کرے کہ یہ اسی کا ہے یا خاموش رہے کیونکہ خاموشی بھی رضا ہے وہ اس کی منکوحہ ہے (اسی کو فراش کہتے ہیں) اور مدت حمل بھی مکمل ہے۔

لیکن اس دوسری صورت میں انکار کرے کہ یہ بچہ اس کا نہیں ہے لیکن ایک عورت گواہی دے کہ یہ بچہ اس کی بیوی کے ہاں پیدا ہوا ہے تو نسب ثابت ہو جائے گا اور چونکہ اس نے بیوی پر الزام لگایا اس لئے لعان کیا جائے گا۔

نوٹ: لعان کی تفصیل آپ نے گزشتہ صفحات میں پڑھ لی ہے یہ بھی یاد رہے کہ اگر مرد عورت پر زنا کا الزام لگائے تو بھی لعان ہوتا ہے لہٰذا لعان کے لئے بچے کا ہونا ضروری نہیں اگر مرد اور عورت میں بچے کی پیدائش کے بعد اختلاف ہو جائے یعنی مرد کہے کہ میں نے تجھ سے چار ماہ قبل نکاح کیا (لہٰذا یہ بچہ میرا نہیں) اور عورت کہے کہ نکاح چھ ماہ قبل ہوا ہے تو عورت کا قول معتبر ہوگا اور بچے کا نسب ثابت ہو جائے گا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ظاہر، عورت کا گواہ ہے کیونکہ وہ اس کی بیوی ہے اور زنا کا الزام بھی نہیں لگایا جا سکتا ہے لہٰذا بچے کو محفوظ رکھنے کے لئے عورت کی بات تسلیم کی جائے گی۔ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے عورت سے قسم لینے کا ذکر نہیں کیا اور اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ صاحبین کے نزدیک قسم لی جائے گی لیکن حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قسم نہیں لی جائے گی۔

طلاق کو بچے کی پیدائش کے ساتھ مشروط کرنا

(۲۰۳): [وَاِنْ قَالَ لِامْرَاَتِهٖ اِذَا وَلَدْتِ وَلَدًا فَاَنْتِ طَالِقٌ فَشَهِدَتْ امْرَاَةٌ عَلَى الْوِلَادَةِ لَمْ تَطْلُقْ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ. وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ: تَطْلُقُ] لِاَنَّ شَهَادَتَهَا حُجَّةٌ فِيْ ذٰلِكَ.

قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ «شَهَادَةُ النِّسَاءِ جَائِزَةٌ فِيْمَا لَا يَسْتَطِيْعُ الرِّجَالُ النَّظَرَ اِلَيْهِ» وَلِاَنَّهَا لَمَّا قُبِلَتْ فِي الْوِلَادَةِ تُقْبَلُ فِيْمَا يَبْتَنِيْ عَلَيْهَا وَهُوَ الطَّلَاقُ وَلِاَبِيْ حَنِيْفَةَ اَنَّهَا ادَّعَتْ الْحِنْثَ فَلَا يَثْبُتُ اِلَّا بِحُجَّةٍ تَامَّةٍ. وَهٰذَا لِاَنَّ شَهَادَتَهُنَّ ضَرُوْرِيَّةٌ فِيْ حَقِّ الْوِلَادَةِ فَلَا تَظْهَرُ فِيْ حَقِّ الطَّلَاقِ لِاَنَّهٗ يَنْفَكُّ عَنْهَا [وَاِنْ كَانَ الزَّوْجُ قَدْ اَقَرَّ بِالْحَبَلِ طَلُقَتْ مِنْ غَيْرِ شَهَادَةٍ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَعِنْدَهُمَا تُشْتَرَطُ شَهَادَةُ الْقَابِلَةِ] لِاَنَّهٗ لَا بُدَّ مِنْ حُجَّةٍ لِدَعْوَاهَا الْحِنْثَ. وَشَهَادَتُهَا حُجَّةٌ فِيْهِ عَلٰى مَا بَيَّنَّا.

وَلَهٗ اَنَّ الْاِقْرَارَ بِالْحَبَلِ اِقْرَارٌ بِمَا يُفْضِيْ اِلَيْهِ وَهُوَ الْوِلَادَةُ. وَلِاَنَّهٗ اَقَرَّ بِكَوْنِهَا مُؤْتَمَنَةً فَيُقْبَلُ قَوْلُهَا فِيْ رَدِّ الْاَمَانَةِ.

ترجمہ: [اور اگر مرد نے اپنی بیوی سے کہا اگر تیرے ہاں بچہ پیدا ہو تو تجھے طلاق ہے پس ایک عورت نے پیدائش کی گواہی دی تو حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک طلاق نہیں ہوگی۔ حضرت امام ابویوسف اور حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں: طلاق ہو جائے گی] کیونکہ اس مسئلہ میں ایک عورت کی گواہی حجت ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

شَهَادَةُ النِّسَاءِ جَائِزَةٌ فِيْمَا لَا يَسْتَطِيْعُ الرِّجَالُ النَّظَرَ اِلَيْهِ[1]

ترجمہ: ''عورتوں کی گواہی اس معاملہ میں جائز ہے جسے مرد نہ دیکھ سکیں۔

اور اس لئے بھی کہ جب بچے کی پیدائش کے بارے میں اس کی گواہی قبول ہوگی تو جو مسئلہ اس پر مبنی ہے اس میں بھی قبول ہوگی اور وہ طلاق ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عورت نے قسم ٹوٹنے (یعنی شرط کے پورا ہونے) کا دعویٰ کیا پس وہ کامل دلیل کے بغیر ثابت نہیں ہوگا اور یہ اس لئے کہ ان کی شہادت بچے کی ولادت کے بارے میں ضرورت کے تحت قبول ہوتی ہے لہٰذا طلاق کے حق میں قبول نہیں ہوگی کیونکہ اس کا حکم اس سے جدا ہے۔

[اور اگر مرد نے حمل کا اقرار کیا تو حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک گواہی کے بغیر اسے طلاق ہو جائے گی اور

---

[1] اس مفہوم کی حدیث مصنف عبدالرزاق و مصنف ابن شیبہ میں باب ماتجوز فیہ شہادۃ النساء، حدیث: ۸، ۷، ۲ میں ہے۔

صاحبین کے نزدیک دایہ کی گواہی شرط ہے]

کیونکہ جب عورت نے شرط پائے جانے کا دعویٰ کیا تو اس کی دلیل ضروری ہے اور اس کی گواہی حجت ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ حمل کا اقرار اس بات کا اقرار ہے جس کی طرف حمل جا رہا ہے یعنی بچے کی پیدائش، دوسری بات یہ کہ مرد اس بات کا اقرار کر رہا ہے کہ عورت (حمل کی) امینہ ہے تو امانت کی واپسی کے بارے میں عورت کا قول معتبر ہوگا۔

توضیح: اگر مرد عورت کی طلاق کو بچے کی پیدائش سے مشروط کرے اور کوئی عورت گواہی دے کہ اس کے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے۔ تو اس صورت میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک طلاق نہیں ہوگی اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک طلاق ہو جائے گی۔

صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ عورت کی گواہی قبول ہوگی اور اس سے بچے کی ولادت ثابت ہو جائے گی اور یہی شرط ہے لہٰذا جب یہ شرط پائی گئی تو طلاق ہو جائے گی۔

صاحبین نے ایک نقلی دلیل پیش کی اور وہ حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے کہ جس معاملے تک مردوں کی رسائی نہ ہو اور ان کا دیکھنا جائز نہ ہو وہاں عورتوں کی گواہی قبول ہوتی ہے اور دوسری عقلی دلیل ہے وہ فرماتے ہیں: طلاق کی بنیاد بچے کی ولادت ہے تو جب اس پر ایک عورت کی گواہی قبول کی جاتی ہے تو طلاق کے سلسلے میں بھی یہ گواہی قبول ہوگی۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ جب عورت نے قسم ٹوٹنے یعنی شرط کے پائے جانے کا دعویٰ کیا تو اس کے لئے کامل حجت کی ضرورت ہے۔ اور یہ ضرورت کے تحت ہے کیونکہ عورتوں کی گواہی بچے کی ولادت کے بارے میں ضرورت کی وجہ سے قبول ہوتی ہے اس لئے کہ وہاں مرد گواہ نہیں ہو سکتا لہٰذا ولادت کی گواہی طلاق کی گواہی نہیں ہوگی کیونکہ دونوں باتیں الگ الگ ہیں۔

مرد، عورت کے حمل کا اقرار کرے؟

اگر مرد یہ اقرار کرے کہ اس کی بیوی حاملہ ہے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک گواہی کے بغیر ہی طلاق ہو جائے گی کیونکہ مرد کا حمل کا اقرار کرنا ولادت کا بھی اقرار ہے اور دوسری بات یہ کہ مرد اس بات کا اقرار کر رہا ہے کہ اس کی بیوی کے پیٹ میں اس کی امانت ہے لہٰذا اس امانت کی واپسی یعنی بچے کی ولادت کے بارے میں عورت کا قول قبول کیا جائے گا۔

لیکن صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک اس صورت میں بھی دایہ کی گواہی شرط ہے کیونکہ جب عورت نے قسم ٹوٹنے یعنی بچہ پیدا ہونے کا دعویٰ کیا تو اس کے لئے دلیل کی ضرورت ہے اور دایہ کی گواہی اس کے لئے دلیل و حجت ہے۔

حمل کی زیادہ سے زیادہ اور کم از کم مدت

(۲۰۴): قَالَ [وَاَكْثَرُ مُدَّةِ الْحَمْلِ سَنَتَانِ] لِقَوْلِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا: «اَلْوَلَدُ لَا يَبْقٰى فِي الْبَطْنِ اَكْثَرَ مِنْ سَنَتَيْنِ وَلَوْ بِظِلِّ مِغْزَلٍ» [وَاَقَلُّهُ سِتَّةُ اَشْهُرٍ] لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى: ﴿وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا﴾ ثُمَّ قَالَ [وَفِصَالُهٗ فِيْ عَامَيْنِ] فَبَقِيَ لِلْحَمْلِ سِتَّةُ اَشْهُرٍ وَالشَّافِعِيُّ يُقَدِّرُ الْاَكْثَرَ بِاَرْبَعِ سِنِيْنَ. وَالْحُجَّةُ عَلَيْهِ مَا رَوَيْنَاهُ.

وَالظَّاهِرُ اَنَّهَا قَالَتْهُ سَمَاعًا اِذِ الْعَقْلُ لَا يَهْتَدِيْ اِلَيْهِ.

ترجمہ: امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں [اور حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت دو سال ہیں] کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: «اَلْوَلَدُ لَا يَبْقٰى فِي الْبَطْنِ اَكْثَرَ مِنْ سَنَتَيْنِ وَلَوْ بِظِلِّ مِغْزَلٍ» ''بچہ پیٹ میں دو سال سے زیادہ نہیں رہتا اگرچہ تکلے کے سائے کی مقدار ہو۔''[1]

[اور کم از کم مدت چھ مہینے ہے] کیونکہ ارشاد خداوندی ہے:

وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا[2]

ترجمہ: ''اور اس کا حمل اور دودھ چھڑانا تیس مہینے ہے۔''

پھر فرمایا: وَفِصَالُهٗ فِيْ عَامَيْنِ ''اور اس کا دودھ چھڑانا دو سال (کے بعد ہے)''۔

پس حمل کے لئے چھ مہینے باقی رہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اکثر مدت چار سال مقرر فرمائی ہے اور ان کے خلاف ہماری دلیل وہ روایت ہے جو ہم نے نقل کی ہے اور ظاہر یہی ہے کہ اُمّ المومنین رضی اللہ عنہا نے یہ بات (حضور علیہ السلام سے) سن کر فرمائی ہے کیونکہ عقل کے ذریعے ایسی بات نہیں کہی جاسکتی ہے۔

توضیح: مندرجہ بالا عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ نکاح کے بعد چھ مہینے گزرنے پر بچہ پیدا ہو سکتا ہے اور اس کا نسب ثابت ہو جائے گا اسی طرح اگر نکاح کے دو سال بعد تک حمل ٹھہر سکتا ہے۔

مثلاً کسی شخص نے بیوی کو طلاق دی تو طلاق کے بعد دو سال سے کم وقت میں بچہ پیدا ہوا تو اس کا نسب اس شخص سے ثابت ہو جائے گا اگر طلاق کے دو سال بعد یا نکاح کے بعد چھ ماہ گزرنے سے پہلے بچہ پیدا ہو تو وہ اس شخص کا نہیں ہوگا۔

اس پر قرآن وسنت سے دلائل ترجمہ میں گزر چکے ہیں۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ چار سال کا قول کرتے ہیں لیکن احناف نے جو دلائل پیش کئے ان کا قول ان کے خلاف ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول حدیث موقوف ہے لیکن مقدار وغیرہ میں حدیث موقوف، حدیث مرفوع کی طرح ہوتی ہے کیونکہ اس میں اپنی طرف سے بات نہیں کی جاسکتی بلکہ حضور علیہ السلام

---

[1] سنن کبریٰ: بیہقی: ۷/ ۴۴۳
[2] سورۃ الاحقاف، آیت: ۱۵

سے سن کر آپ نے بیان کیا۔

لونڈی سے نکاح کیا پھر طلاق دے کر خریدا تو اس کے بچے کا حکم

(۲۰۵) : [وَمَنْ تَزَوَّجَ اَمَةً فَطَلَّقَهَا ثُمَّ اشْتَرَاهَا. فَاِنْ جَائَتْ بِوَلَدٍ لِاَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ اَشْهُرٍ مُنْذُ يَوْمِ اشْتَرَاهَا لَزِمَهُ وَاِلَّا لَمْ يَلْزَمْهُ] لِاَنَّهُ فِي الْوَجْهِ الْاَوَّلِ وَلَدُ الْمُعْتَدَّةِ فَاِنَّ الْعُلُوقَ سَابِقٌ عَلَى الشِّرَاءِ. وَفِي الْوَجْهِ الثَّانِي وَلَدُ الْمَمْلُوْكَةِ لِاَنَّهُ يُضَافُ الْحَادِثُ اِلٰى اَقْرَبِ وَقْتِهِ فَلَا بُدَّ مِنْ دَعْوَةٍ. وَهٰذَا اِذَا كَانَ الطَّلَاقُ وَاحِدًا بَائِنًا اَوْ خُلْعًا اَوْ رَجْعِيًّا. اَمَّا اِذَا كَانَ اثْنَتَيْنِ يَثْبُتُ النَّسَبُ اِلٰى سَنَتَيْنِ مِنْ وَقْتِ الطَّلَاقِ لِاَنَّهَا حُرِّمَتْ عَلَيْهِ حُرْمَةً غَلِيظَةً فَلَا يُضَافُ الْعُلُوقُ اِلَّا اِلٰى مَا قَبْلَهُ. لِاَنَّهَا لَا تَحِلُّ بِالشِّرَاءِ.

[وَمَنْ قَالَ لِاَمَتِهِ اِنْ كَانَ فِيْ بَطْنِكِ وَلَدٌ فَهُوَ مِنِّي فَشَهِدَتْ عَلَى الْوِلَادَةِ امْرَاَةٌ فَهِيَ اُمُّ وَلَدِهِ] لِاَنَّ الْحَاجَةَ اِلٰى تَعْيِينِ الْوَلَدِ. وَيَثْبُتُ ذٰلِكَ بِشَهَادَةِ الْقَابِلَةِ بِالْاِجْمَاعِ.

ترجمہ: [اور جس شخص نے لونڈی سے نکاح کیا پھر اسے طلاق دے کر خرید لیا پھر اس کو خریدنے کے بعد چھ ماہ سے کم مدت میں اس کے ہاں بچہ پیدا ہوا تو وہ بچہ اسی کو لازم ہوگا ورنہ اسے لازم نہیں ہوگا]

کیونکہ پہلی صورت میں وہ معتدہ عورت کا بچہ ہے کیونکہ حمل خریدنے سے پہلے کا ہے۔

اور دوسری صورت میں وہ مملوکہ کا بچہ ہے کیونکہ وہ نیا علوق (حمل) قریب ترین وقت کی طرف مضاف ہے لہٰذا دعویٰ ضروری ہے۔

اور یہ اس صورت میں ہے کہ جب ایک طلاق بائن ہو یا خلع یا رجعی طلاق ہو، اور اگر دو طلاقیں ہوں تو طلاق سے دو سال تک اس کا نسب ثابت ہو جائے گا کیونکہ وہ حرمت غلیظہ کے ساتھ حرام ہوئی اس لئے اس کا علوق (حمل ٹھہرنا) پہلے کی طرف مضاف نہیں ہوگا کیونکہ وہ خریدنے سے حلال نہیں ہوتی

[اور جس شخص نے اپنی لونڈی سے کہا کہ اگر تمہارے پیٹ میں بچہ ہو تو وہ مجھ سے ہے پھر اس بچے کی پیدائش پر ایک عورت نے گواہی دی تو وہ اُمّ ولد ہوگی] کیونکہ بچے کی تعیین کی حاجت ہے اور یہ تعیین دایہ کی گواہی سے ثابت ہوگی اور اس پر اجماع ہے۔

توضیح: یہاں لونڈی سے متعلق دو مسئلوں کا بیان ہے:

پہلا مسئلہ:

یہ کہ کسی شخص نے کسی دوسرے آدمی کی لونڈی سے شادی کی پھر اسے طلاق دے کر خود اسے خرید لیا اگر اسے خریدنے

کے بعد چھ ماہ سے پہلے بچہ پیدا ہو جائے تو وہ بچہ اسی کا ہوگا ورنہ اس کا نہیں ہوگا۔

پہلی صورت کی وجہ یہ ہے کہ اس لونڈی کو خرید نے سے پہلے حمل ٹھہرا ہوا تھا اور وہ اسی شخص کی معتدہ تھی لہٰذا یہ حمل اسی کا تھا۔

اور دوسری صورت میں جب خرید نے کے چھ ماہ بعد بچہ پیدا ہوا تو گویا وہ حمل عدت کے دوران کا تھا اور پہلے سے نہیں تھا البتہ اگر وہ دعویٰ کرے کہ یہ اسی کا ہے تو ثابت ہو جائے گا کیونکہ ہو سکتا ہے اس نے عدت کے دوران وطی کی ہو۔

اور طلاق بائن ہو یا خلع ہو یا طلاق رجعی ہو اور ایک طلاق ہو۔

کیونکہ خلع بھی طلاق بائن ہوتی ہے اور طلاق رجعی میں رجوع ہو سکتا ہے اور طلاق بائن میں حلالہ کے بغیر نکاح جائز ہے اور خرید نے کے ساتھ بھی وہ ملک یمین کے طور پر اس کے لئے حلال ہو سکتی ہے۔

اور اگر دو طلاقیں ہوں تو لونڈی کی دو طلاقیں طلاق مغلظہ ہوتی ہیں اور اس سے حرمت غلیظہ ثابت ہوتی ہے لہٰذا اس حمل کو پہلے سے قرار دیا جائے گا کیونکہ وہ خرید نے سے حلال نہیں ہوتی اور جب خرید نے سے وہ حلال نہ ہوگی تو اس حمل کو پہلے سے قرار دیا جائے گا لہٰذا طلاق کے بعد دو سال تک پیدا ہونے والا بچہ اسی کا ہوگا۔

دوسرا مسئلہ:

لونڈی کے مالک نے اپنی لونڈی سے کہا کہ جو تیرے پیٹ میں ہے اگر یہ بچہ ہو تو وہ مجھ سے ہے پھر کسی عورت نے گواہی دی کہ اس کے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے تو وہ لونڈی اُمّ ولد ہو جائے گی کیونکہ ضرورت صرف اس قدر تھی کہ یہ ثابت ہو جائے کہ وہ بچہ اسی لونڈی کا ہے اور وہ بالاتفاق ایک عورت کی گواہی سے ثابت ہو جاتا ہے لہٰذا وہ اُمّ ولد ہو گئی کیونکہ جب لونڈی کے ہاں اس کے آقا کی اولاد پیدا ہو تو وہ اُمّ ولد ہو جاتی ہے۔

کسی بچے کو اپنا بیٹا قرار دینا اور اس کا اقرار کرنا

(۲۰۶) : [وَمَنْ قَالَ لِغُلَامٍ هُوَ ابْنِيْ ثُمَّ مَاتَ فَجَائَتْ اُمُّ الْغُلَامِ وَقَالَتْ اَنَا امْرَاَتُهٗ فَهِيَ امْرَاَتُهٗ وَهُوَ ابْنُهٗ يَرِثَانِهٖ] وَفِي النَّوَادِرِ جُعِلَ هٰذَا جَوَابُ الِاسْتِحْسَانِ. وَالْقِيَاسُ اَنْ لَا يَكُوْنَ لَهَا الْمِيْرَاثُ لِاَنَّ النَّسَبَ كَمَا يَثْبُتُ بِالنِّكَاحِ الصَّحِيْحِ يَثْبُتُ بِالنِّكَاحِ الْفَاسِدِ وَبِالْوَطْئِ عَنْ شُبْهَةٍ وَبِمِلْكِ الْيَمِيْنِ. فَلَمْ يَكُنْ قَوْلُهٗ اِقْرَارًا بِالنِّكَاحِ

وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ اَنَّ الْمَسْاَلَةَ فِيْمَا اِذَا كَانَتْ مَعْرُوْفَةً بِالْحُرِّيَّةِ وَبِكَوْنِهَا اُمَّ الْغُلَامِ وَالنِّكَاحُ الصَّحِيْحُ هُوَ الْمُتَعَيِّنُ لِذٰلِكَ وَضْعًا وَعَادَةً [وَلَوْ لَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّهَا حُرَّةٌ فَقَالَتِ الْوَرَثَةُ اَنْتِ اُمُّ وَلَدٍ فَلَا مِيْرَاثَ لَهَا] لِاَنَّ ظُهُوْرَ الْحُرِّيَّةِ بِاعْتِبَارِ الدَّارِ حُجَّةٌ فِيْ دَفْعِ الرِّقِّ لَا فِيْ

اسْتِحْقَاقِ الْمِيْرَاثِ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ .

ترجمہ: [اور جس شخص نے کسی غلام کے بارے میں کہا کہ یہ میرا بیٹا ہے پھر وہ مر گیا پھر اس غلام کی ماں آئی اور اس نے کہا کہ میں اس شخص کی بیوی ہوں تو وہ اس کی بیوی اور غلام اس کا بیٹا ہوگا اور وہ دونوں اس کے وارث ہوں گے]
نوادر میں ہے کہ یہ حکم استحسان کے مطابق ہے اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ اس عورت کے لئے وراثت نہ ہو کیونکہ نسب جس طرح نکاح صحیح سے ثابت ہوتا ہے نکاح فاسد سے بھی ثابت ہوتا ہے نیز وطی بالشبہ اور ملک یمین سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ اس لئے مرد کا یہ اقرار، نکاح کا اقرار نہیں ہوگا۔
استحسان کی وجہ یہ ہے کہ یہ مسئلہ اس وقت ہے جب وہ عورت آزادی کے ساتھ اور اس لڑکے کی ماں ہونے کے ساتھ معروف ہو اور اس کے لئے وضع اور عادت کے اعتبار سے نکاح صحیح متعین ہوتا ہے۔
[اور اگر یہ بات معلوم نہ ہو کہ وہ عورت آزاد ہے اور میت کے وارث کہیں کہ تم اُمّ ولد ہو تو اس کے لئے وراثت نہیں ہو گی] کیونکہ وطن (دارالاسلام) کے اعتبار سے آزادی کا ظہور میراث کے حق میں غلامی دور کرنے کے سلسلے میں حجت ہے۔

توضیح: کسی بچے کا نسب معروف نہ ہو اور کوئی شخص کہے کہ یہ میرا بیٹا ہے اس اقرار کے بعد وہ شخص فوت ہو جائے پھر اس لڑکے کی ماں آ کر اقرار کرے کہ وہ اس فوت ہونے والے شخص کی بیوی ہے تو وہ دونوں اس میت کے وارث ہوں گے۔
نوادر (غیر ظاہر الروایت) میں اس فیصلے کو استحسان قرار دیا گیا ہے (یعنی یہ قیاس کے خلاف ہے)
اس کی وجہ یہ بیان کی گئی کہ محض نسب کا ثابت ہونا نکاح کی دلیل نہیں کیونکہ نکاح فاسد، شبہ کے ساتھ وطی اور ملک یمین سے بھی نسب ثابت ہو جاتا ہے کیونکہ ان صورتوں میں بھی بچہ اسی کا ہوتا ہے جس نے وطی کی —— ملک یمین سے مراد لونڈی ہے ——
استحسان کی وجہ یہ بیان کی گئی کہ یہ مسئلہ اس صورت میں ہے جب عورت کا آزاد ہونا معروف ہو اور یہ بھی معروف ہو کہ وہ اس لڑکے کی ماں ہے اور نکاح بنیادی طور پر اور عرف میں صحیح ہی ہوتا ہے (فاسد نہیں ہوتا)
دوسری صورت یہ ہے کہ عورت کے بارے میں یہ معلوم نہیں کہ وہ آزاد ہے اور وارث کہتے ہیں کہ یہ اُمّ ولد یعنی لونڈی ہے تو اس صورت میں وہ وراثت کے حق دار نہیں ہوں گے۔
اس کی وجہ یوں بیان کی گئی کہ مسلمانوں کے ملک میں ہونے کی وجہ سے اسے آزاد قرار دینا اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ اس سے غلامی کی نفی ہو جائے لیکن اس سے وراثت ثابت نہیں ہوگی (جب تک اس کا آزاد ہونا معلوم نہ ہو)

بَابُ الْوَلَدِ مَنْ اَحَقُّ بِهٖ

باب: بچے کی پرورش کا زیادہ حق دار کون ہے

مرد و عورت کے درمیان تفریق کی صورت میں ماں بچے کی زیادہ حق دار ہے

(۲۰۷): [وَاِذَا وَقَعَتِ الْفُرْقَةُ بَيْنَ الزَّوْجَيْنِ فَالْاُمُّ اَحَقُّ بِالْوَلَدِ] لِمَا رُوِيَ [اَنَّ امْرَاَةً قَالَتْ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ ابْنِيْ هٰذَا كَانَ بَطْنِيْ لَهٗ وِعَاءً وَحِجْرِيْ لَهٗ حِوَاءً وَثَدْيِيْ لَهٗ سِقَاءً وَزَعَمَ اَبُوْهُ اَنَّهٗ يَنْزِعُهٗ مِنِّيْ. فَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ: اَنْتِ اَحَقُّ بِهٖ مَا لَمْ تَتَزَوَّجِيْ] وَلِاَنَّ الْاُمَّ اَشْفَقُ وَاَقْدَرُ عَلَى الْحَضَانَةِ فَكَانَ الدَّفْعُ اِلَيْهَا اَنْظَرَ. وَاِلَيْهِ اَشَارَ الصِّدِّيْقُ بِقَوْلِهٖ: رِيْقُهَا خَيْرٌ لَّهٗ مِنْ شَهْدٍ وَعَسَلٍ عِنْدَكَ يَا عُمَرُ. قَالَهٗ حِيْنَ وَقَعَتِ الْفُرْقَةُ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ امْرَاَتِهٖ وَالصَّحَابَةُ حَاضِرُوْنَ مُتَوَافِرُوْنَ

[وَالنَّفَقَةُ عَلَى الْاَبِ] عَلٰى مَا نَذْكُرُ [وَلَا تُجْبَرُ الْاُمُّ عَلَيْهِ] لِاَنَّهَا عَسَتْ تَعْجِزُ عَنِ الْحَضَانَةِ [فَاِنْ لَمْ تَكُنْ لَهٗ اُمٌّ فَاُمُّ الْاُمِّ اَوْلٰى مِنْ اُمِّ الْاَبِ وَاِنْ بَعُدَتْ] لِاَنَّ هٰذِهِ الْوِلَايَةَ تُسْتَفَادُ مِنْ قِبَلِ الْاُمَّهَاتِ [فَاِنْ لَمْ تَكُنْ اُمَّ الْاُمِّ فَاُمُّ الْاَبِ اَوْلٰى مِنَ الْاَخَوَاتِ] لِاَنَّهَا مِنَ الْاُمَّهَاتِ، وَلِهٰذَا تَحْرَزُ مِيْرَاثُهُنَّ السُّدُسَ وَلِاَنَّهَا اَوْفَرُ شَفَقَةً لِلْوِلَادِ [فَاِنْ لَمْ تَكُنْ لَهٗ جَدَّةٌ فَالْاَخَوَاتُ اَوْلٰى مِنَ الْعَمَّاتِ وَالْخَالَاتِ] لِاَنَّهُنَّ بَنَاتُ الْاَبَوَيْنِ وَلِهٰذَا قُدِّمْنَ فِي الْمِيْرَاثِ.

وَفِيْ رِوَايَةٍ الْخَالَةِ اَوْلٰى مِنَ الْاُخْتِ لِاَبٍ لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ «اَلْخَالَةُ وَالِدَةٌ» وَقِيْلَ فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى: ﴿وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ﴾ اَنَّهَا كَانَتْ خَالَتَهٗ [وَتُقَدَّمُ الْاُخْتُ لِاَبٍ وَاُمٍّ] لِاَنَّهَا اَشْفَقُ (ثُمَّ الْاُخْتُ مِنَ الْاُمِّ ثُمَّ الْاُخْتُ مِنَ الْاَبِ) لِاَنَّ الْحَقَّ لَهُنَّ مِنْ قِبَلِ الْاُمِّ (ثُمَّ الْخَالَاتُ اَوْلٰى مِنَ الْعَمَّاتِ) تَرْجِيْحًا لِقَرَابَةِ الْاُمِّ [وَيَنْزِلْنَ كَمَا نَزَلَتِ الْاَخَوَاتُ] مَعْنَاهُ تَرْجِيْحُ ذَاتِ قَرَابَتَيْنِ ثُمَّ قَرَابَةِ الْاُمِّ [ثُمَّ الْعَمَّاتُ يَنْزِلْنَ كَذٰلِكَ. وَكُلُّ مَنْ تَزَوَّجَتْ مِنْ هٰؤُلَاءِ يَسْقُطُ حَقُّهَا] لِمَا رَوَيْنَا. وَلِاَنَّ زَوْجَ الْاُمِّ اِذَا كَانَ اَجْنَبِيًّا يُعْطِيْهِ نَزْرًا وَيَنْظُرُ اِلَيْهِ شَزْرًا

فلاَ نَظَرَ.

قَالَ [اِلَّا الْجَدَّةَ اِذَا كَانَ زَوْجُهَا الْجَدُّ] لِاَنَّهُ قَامَ مَقَامَ اَبِيهِ فَيَنْظُرُ لَهُ [وَكَذٰلِكَ كُلُّ زَوْجٍ هُوَ ذُو رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْهُ] لِقِيَامِ الشَّفَقَةِ نَظَرًا اِلَى الْقَرَابَةِ الْقَرِيبَةِ [وَمَنْ سَقَطَ حَقُّهَا بِالتَّزَوُّجِ يَعُودُ اِذَا ارْتَفَعَتِ الزَّوْجِيَّةُ] لِاَنَّ الْمَانِعَ قَدْ زَالَ.

ترجمہ: [اور جب مرد اور عورت کے درمیان تفریق ہو جائے تو ماں کو بچے کا زیادہ حق حاصل ہوتا ہے) کیونکہ ایک روایت میں ہے کہ ایک عورت نے رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: یارسول اللہ! میرے اس بیٹے کے لئے میرا پیٹ برتن، میری گود پناہ گاہ اور میرے پستان مشکیزے (سیرابی کا ذریعہ) تھے اور اس کے باپ کا ارادہ ہے کہ وہ اس کو مجھ سے چھین لے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا: اَنْتِ اَحَقُّ بِهٖ مَا لَمْ تَتَزَوَّجِيْ تو اس کی زیادہ حق دار ہے جب تک (کسی اور سے) شادی نہ کر لے۔ ❶

نیز ماں زیادہ شفیق اور پرورش پر زیادہ قادر ہوتی ہے لہٰذا زیادہ شفقت اس کے سپرد کرنے میں ہے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: اے عمر! اس کا (ماں کا) لعاب اس (بچے) کے لئے اس شہد سے زیادہ بہتر ہے جو آپ کے پاس اسے ملے۔ ❷

آپ نے یہ بات اس وقت فرمائی جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور آپ کی زوجہ کے درمیان تفریق ہو گئی اور اس وقت کافی تعداد میں صحابہ کرام موجود تھے۔

[اور خرچہ باپ کے ذمہ ہوگا] جیسا کہ ہم ذکر کریں گے۔

[اور اس (پرورش) پر ماں کو مجبور نہ کیا جائے] کیونکہ ہو سکتا ہے وہ (بچے کی) پرورش سے عاجز ہو۔

[اور اگر اس بچے کی ماں نہ ہو تو ماں کی ماں (بچے کی نانی) باپ کی ماں (دادی) سے زیادہ مناسب ہے اگرچہ وہ (نانی) دور کی نانی ہو] کیونکہ اس ولایت کا فائدہ ماؤں کی طرف سے حاصل کیا جاتا ہے۔

[اگر ماں کی ماں نہ ہو تو باپ کی ماں بہنوں کے مقابلے میں زیادہ مستحق ہے] کیونکہ دادی بھی ماؤں میں سے ہے اسی لئے ان کی وراثت چھٹا حصہ ہوتا ہے۔ اور اس لئے بھی کہ ولادت کی وجہ سے ان کو زیادہ شفقت ہوتی ہے۔

[اور اگر بچے کی دادی نہ ہو تو پھوپھیوں اور خالاؤں کے مقابلے میں بہنیں زیادہ حق دار ہیں] کیونکہ وہ اس کے ماں باپ کی بیٹیاں ہیں اسی لئے وہ میراث میں مقدم ہوتی ہیں اور ایک روایت کے مطابق باپ کی طرف سے بہن کے مقابلے میں خالہ زیادہ حق رکھتی ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: اَلْخَالَةُ وَالِدَةٌ "خالہ والدہ (کی طرح) ہے"۔

اور آیت قرآنیہ ﴿وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ﴾ ❸ انہوں نے اپنے ماں باپ کو تخت پر بٹھایا کے بارے میں کہا

❶ سنن ابی داؤد، حدیث: ۲۲۷۶ ❷ نصب الرایہ: ۳/۲۶۶، ۲۶۷ ❸ سورۃ یوسف، آیت: ۱۰۰

گیا کہ وہ (ماں حضرت یوسف علیہ السلام کی) خالہ تھیں ــــ

[اور (بچے کی) سگی بہن کو مقدم کیا جائے] کیونکہ اس میں شفقت زیادہ ہوتی ہے [پھر ماں کی طرف سے بہن پھر باپ کی طرف سے بہن] کیونکہ ان کو ماں کی طرف سے حق حاصل ہوتا ہے۔

[پھر پھوپھیوں کے مقابلے میں خالائیں زیادہ حق دار ہیں] ماں کی قرابت کو ترجیح حاصل ہے۔

[اور وہ بہنوں والی ترتیب سے ہوں گی] یعنی جس کی دو قرابتیں ہیں اس کو ترجیح ہوگی پھر ماں کی قرابت [پھر پھوپھیوں کی بھی یہی ترتیب ہوگی اور ان میں سے جو نکاح کرے اس کا حق ساقط ہو جائے گا] جس طرح ہم نے روایت کیا نیز اس لئے بھی کہ جب ماں کا خاوند اجنبی ہو تو وہ اس بچے کو کم چیز دے گا اور غضب آلود آنکھوں سے دیکھے گا تو شفقت نہ ہوگی۔

فرماتے ہیں [مگر دادی جب اس کا خاوند بچے کا دادا ہو] کیونکہ وہ باپ کے قائم مقام ہونے کی وجہ سے شفقت کرے گا ــــ

[اسی طرح ہر وہ خاوند جو بچے کا ذورحم محرم ہو] کیونکہ قریبی قرابت کی وجہ سے اس میں شفقت ہوگی ــــ

[اور جس (خاتون) کا حق شادی کی وجہ سے ساقط ہو جائے تو زوجیت کے ختم ہونے کی وجہ سے وہ حق دوبارہ لوٹ آئے گا] کیونکہ رکاوٹ زائل ہوگئی۔

توضیح: اگر طلاق وغیرہ کی وجہ سے بیوی اور خاوند کے درمیان تفریق ہو جائے تو بچے کی پرورش کا زیادہ حق دار کون ہو گا؟ اس سلسلے میں بچے پر شفقت کا زیادہ لحاظ رکھا گیا ہے اور اسی اعتبار سے ترتیب بیان کی گئی ہے وہ ترتیب اس طرح ہے:

① سب سے زیادہ حق بچے کی ماں کو حاصل ہے اس حوالے سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث مبارک اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی ذکر ہو چکا ہے، البتہ اس کا نفقہ باپ کے ذمہ ہوگا۔

نوٹ: بعض اوقات ماں بچے کی پرورش سے عاجز ہوتی ہے لہٰذا اس پر زبردستی نہیں کی جائے گی۔

② ماں نہ ہو تو دادی کے مقابلے میں نانی کا حق زیادہ ہے اگرچہ پڑنانی یا اس سے اوپر کی نانی ہو کیونکہ یہ ولایت ماؤں کی طرف سے حاصل ہوتی ہے اور نانی کا تعلق بچے کی ماں کے ساتھ ہے دادی کا باپ کی وجہ سے ہے۔

③ اگر نانی نہ ہو تو دادی کا حق سب سے زیادہ ہے کیونکہ یہ بھی ماں کی طرح ہے اور دوسری خواتین کے مقابلے میں اسے بچے پر شفقت زیادہ ہوتی ہے اور اس کو پوتے کی وراثت سے چھٹا حصہ ملتا ہے۔

④ اگر دادی نہ ہو تو بچے کی بہنیں، اس کی پھوپھیوں اور خالاؤں سے زیادہ حق رکھتی ہیں کیونکہ یہ بچہ اور وہ ایک ماں باپ کی اولاد ہیں اسی لئے وہ وراثت میں (پھوپھیوں اور خالاؤں سے) مقدم ہوتی ہیں۔

نوٹ: ایک روایت میں اس طرح آیا کہ بچے کی بہن کے مقابلے میں اس کی خالہ کا حق زیادہ ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے خالہ کو ماں قرار دیا اور قرآن پاک میں جو آیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے ماں باپ کو تخت پر بٹھایا تو وہ آپ کی خالہ

تھیں جن کو ماں کہا گیا۔

۵ بہنوں میں سے سگی بہن مقدم ہوگی کیونکہ وہ زیادہ شفقت رکھتی ہے ـــ پھر ماں کی طرف سے بہن پھر باپ کی طرف سے بہن کا حق ہو۔ کیونکہ ان کو ماں کی طرف سے حق حاصل ہوتا ہے اس لئے ماں کی نسبت مقدم ہوگی۔

۶ اگر بہنیں نہ ہوں یا کسی وجہ سے وہ یہ ذمہ داری اٹھانہ سکیں تو پھوپھیوں کے مقابلے میں خالائیں مقدم ہوں گی کیونکہ ماں کی قرابت کو ترجیح دی جائے گی۔ اور ان میں بھی وہی ترتیب ہوگی جو بہنوں کے بارے میں بیان ہو چکی ہے۔

۷ اگر خالائیں نہ ہوں تو پھوپھیوں کا حق ہوگا اور ان میں بھی وہی ترتیب ہوگی یعنی پہلے سگی پھوپھی پھر جو پھوپھی باپ کی ماں کی طرف سے بہن ہو پھر جو باپ کی طرف سے ہو۔

نوٹ: ان خواتین میں سے جو خاتون کسی سے نکاح کر لے تو اس کا حق ساقط ہو جائے گا کیونکہ سوتیلا باپ بچے پر شفقت کی بجائے اسے پریشان کرے گا۔

اور یہ اس وقت ہے جب وہ سوتیلا باپ کوئی غیر شخص ہو اگر وہ بچے کا محرم ہے مثلاً اس کی پھوپھی اس کے ماموں سے نکاح کر لیتی ہے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ وہ بچے کے ساتھ اچھا سلوک کرے گا جس طرح دادی کا خاوند بچے کا دادا ہو ـــ اور اگر ان خواتین کی زوجیت ختم ہو جائے تو وہ دوبارہ مستحق ہو جائیں گی۔

اگر بچے کے لئے قریبی رشتہ دار خاتون نہ ہو تو کیا حکم ہوگا

(۲۰۸) : [فَإِنْ لَمْ تَكُنْ لِلصَّبِيِّ امْرَأَةٌ مِنْ أَهْلِهِ فَاخْتَصَمَ فِيهِ الرِّجَالُ فَأَوْلَاهُمْ أَقْرَبُهُمْ تَعْصِيبًا] لِأَنَّ الْوِلَايَةَ لِلْأَقْرَبِ وَقَدْ عُرِفَ التَّرْتِيبُ فِي مَوْضِعِهِ. غَيْرَ أَنَّ الصَّغِيرَةَ لَا تُدْفَعُ إِلَى عَصَبَةٍ غَيْرِ مُحَرَّمٍ كَمَوْلَى الْعَتَاقَةِ وَابْنِ الْعَمِّ تَحَرُّزًا عَنِ الْفِتْنَةِ

ترجمہ: [اور اگر اس بچے کے لئے اس کے خاندان کی کوئی عورت (پرورش کے لئے) نہ ہو اور اس کے بارے میں مردوں کے درمیان جھگڑا ہو جائے تو ان میں جو بطور عصبہ زیادہ قریب ہے وہ زیادہ حق دار ہوگا'] کیونکہ ولایت (پرورش وغیرہ امور) زیادہ قریبی کے لئے ہوتی ہے اور یہ ترتیب اپنے مقام پر معلوم کی گئی ہے۔

البتہ اگر نابالغہ بچی ہو تو عصبہ غیر محرم کے سپرد نہ کی جائے جس طرح مولى العتاقه اور چچازاد بھائی اور ایسا فتنے سے بچنے کے لئے کیا جائے۔

توضیح: گزشتہ سطور میں بتایا گیا کہ جس بچے کے ماں باپ میں تفریق ہو جائے یا ماں فوت ہو جائے تو اس بچے کی پرورش کس کی ذمہ داری ہے تو ان خواتین کا ذکر کیا گیا جن کو یہ حق حاصل ہوتا ہے۔

اب یہ بتایا جا رہا ہے کہ اگر ان خواتین میں سے کوئی نہ ہو اور مردوں کے درمیان اختلاف ہو جائے اور ہر ایک اسے

لینا چاہتا ہو تو جو عصبات میں سے زیادہ قریبی ہو اس کا حق ہوگا البتہ **مولی العتاقہ** یا چچازاد بھائی کے سپرد نہ کی جائے، اگر وہ بچی ہو کیونکہ ان سے اس کی عزت پر حملے کا خطرہ ہے۔

مولیٰ العتاقہ آج کے زمانے میں نہیں کیونکہ یہ اس غلام کو کہتے ہیں جسے اس کے مولیٰ نے آزاد کر دیا یہ بھی اس بچی کے لئے غیر محرم ہے جس طرح چچازاد غیر محرم ہے۔

عصبہ باپ کی طرف سے وہ رشتہ دار جو وارث بنتا ہے جیسے باپ، چچا، بھائی اور چچازاد بھائی وغیرہ۔

عصبات کی ترتیب اس طرح ہے بیٹا پھر اس کا بیٹا (نیچے تک) پھر باپ پھر دادا پھر اس سے اوپر پردادا وغیرہ اس کے بعد بھائی پھر ان کی اولاد، پھر چچا پھر ان کی اولاد وغیرہ۔

(یہ تفصیل نکاح اور میراث کے بیان میں ذکر کی گئی ہے)

بچے کی پرورش کا حق کب تک ہوگا؟

(۲۰۹) : [وَالْأُمُّ وَالْجَدَّةُ اَحَقُّ بِالْغُلَامِ حَتّٰى يَأْكُلَ وَحْدَهُ وَيَشْرَبَ وَحْدَهُ وَيَلْبَسَ وَحْدَهُ وَيَسْتَنْجِيَ وَحْدَهُ. وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيْرِ: حَتّٰى يُسْتَغْنٰى فَيَأْكُلُ وَحْدَهُ وَيَشْرَبُ وَحْدَهُ وَيَلْبَسُ وَحْدَهُ] وَالْمَعْنٰى وَاحِدٌ لِاَنَّ تَمَامَ الْاِسْتِغْنَاءِ بِالْقُدْرَةِ عَلَى الْاِسْتِنْجَاءِ.

وَوَجْهُهُ اَنَّهُ اِذَا اسْتَغْنٰى يَحْتَاجُ اِلَى التَّأَدُّبِ وَالتَّخَلُّقِ بِآدَابِ الرِّجَالِ وَاَخْلَاقِهِمْ. وَالْاَبُ اَقْدَرُ عَلَى التَّأْدِيْبِ وَالتَّثْقِيْفِ. وَالْخَصَّافُ قَدَّرَ الْاِسْتِغْنَاءَ بِسَبْعِ سِنِيْنَ اعْتِبَارًا لِلْغَالِبِ [وَالْاُمُّ وَالْجَدَّةُ اَحَقُّ بِالْجَارِيَةِ حَتّٰى تَحِيْضَ] لِاَنَّ بَعْدَ الْاِسْتِغْنَاءِ تَحْتَاجُ اِلٰى مَعْرِفَةِ آدَابِ النِّسَاءِ وَالْمَرْاَةُ عَلٰى ذٰلِكَ اَقْدَرُ وَبَعْدَ الْبُلُوْغِ تَحْتَاجُ اِلَى التَّحْصِيْنِ وَالْحِفْظِ وَالْاَبُ فِيْهِ اَقْوٰى وَاَهْدٰى.

وَعَنْ مُحَمَّدٍ اَنَّهَا تُدْفَعُ اِلَى الْاَبِ اِذَا بَلَغَتْ حَدَّ الشَّهْوَةِ لِتَحَقُّقِ الْحَاجَةِ اِلَى الصِّيَانَةِ.

[وَمَنْ سِوَى الْاُمِّ وَالْجَدَّةِ اَحَقُّ بِالْجَارِيَةِ حَتّٰى تَبْلُغَ حَدًّا تُشْتَهٰى. وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيْرِ: حَتّٰى تَسْتَغْنِيَ] لِاَنَّهَا لَا تَقْدِرُ عَلَى اسْتِخْدَامِهَا. وَلِهٰذَا لَا تُؤَاجِرُهَا لِلْخِدْمَةِ فَلَا يَحْصُلُ الْمَقْصُوْدُ. بِخِلَافِ الْاُمِّ وَالْجَدَّةِ لِقُدْرَتِهِمَا عَلَيْهِ شَرْعًا.

ترجمہ: [اور ماں اور نانی کو بچے کی پرورش کا حق اس وقت تک رہے گا جب تک خود کھانے، پینے اور اپنے آپ لباس پہننے پر قادر نہ ہو اور جب تک خود استنجاء نہ کر سکے اور جامع صغیر میں ہے حتیٰ کہ وہ بے نیاز ہو جائے اور اپنے آپ کھانا کھا سکے، پانی پی سکے اور لباس پہن سکے۔

دونوں (عبارتوں) کا مفہوم ایک ہے کیونکہ وہ مکمل طور پر اس وقت بے نیاز ہوتا ہے جب وہ استنجاء کرنے پر قادر ہو جائے]
اس کی وجہ یہ ہے کہ جب وہ ان (مذکورہ بالا) کاموں میں (دوسروں کی محتاجی سے) بے نیاز ہو جائے گا تو اب اسے مردوں کے آداب و اخلاق سیکھنے اور اپنانے کی ضرورت ہوگی اور باپ ادب و ثقافت سکھانے پر زیادہ قادر ہوتا ہے۔
امام خصاف رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے بے نیاز ہونے کے لئے سات سال کی عمر کا اندازہ لگایا ہے انہوں نے غالب حالات کا اعتبار کیا۔

[اور ماں اور نانی لڑکی کا اس وقت تک زیادہ خیال رکھتی ہیں جب تک اسے حیض نہ آئے) کیونکہ وہ (کھانے پینے وغیرہ سے] بے نیاز ہونے کے بعد عورتوں کے آداب سیکھنے کی محتاج ہوتی ہے اور اس مسئلہ میں عورت کو زیادہ قدرت حاصل ہوتی ہے اور بلوغت کے بعد اس کی حفاظت کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے اور اس سلسلے میں مرد کو زیادہ قوت و قدرت حاصل ہوتی ہے۔
حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ جب وہ شہوت کی عمر کو پہنچ جائے تو اسے باپ کے حوالے کیا جائے کیونکہ اب حفاظت کی حاجت ثابت ہو گئی۔

[ماں اور نانی کے علاوہ (خواتین) لڑکی کا حق اس وقت تک رکھتی ہیں جب تک وہ شہوت کی حد کو نہ پہنچ جائے اور جامع صغیر میں اس طرح ہے کہ جب وہ بے نیاز ہو جائے] کیونکہ وہ (پرورش کرنے والی خاتون) اس سے خدمت نہیں لے سکتی اور نہ ہی کسی کام کے لئے اجرت پر دے سکتی ہے پس مقصود حاصل نہ ہوگا۔
بخلاف ماں اور نانی کے کیونکہ انہیں شرعی طور پر (خدمت لینے کا) حق حاصل ہے۔

توضیح: بچے اور بچی کی پرورش کی مدت کے حوالے سے تفصیل بیان کی جارہی ہے اور اس سلسلے میں دو باتیں پیش نظر رہیں:
- ماں اور نانی کا معاملہ الگ ہے اور دیگر خواتین کا الگ ہے۔
- بچے کا مسئلہ الگ ہے اور بچی کا الگ ہے۔

تفصیل

جب تک بچہ اپنے آپ کھانے پینے، لباس پہننے اور استنجاء کرنے کے قابل نہ ہو بچہ ہو یا بچی ماں یا نانی کے سپرد رہے گا جب وہ یہ کام کر سکے تو اگر بچہ ہے تو وہ باپ کے حوالے ہو جائے گا کیونکہ اب مردوں والے کاموں کی تربیت باپ کر سکتا ہے لیکن بچی کو جب تک حیض نہیں آتا وہ ماں یا نانی کے پاس رہے گی کیونکہ عورتوں سے متعلق امور، عورتیں ہی سکھا سکتی ہیں اور بلوغت کے بعد بچی باپ کے سپرد کی جائے گی کیونکہ اب اسے حفاظت کی ضرورت ہوگی اور وہ باپ ہی کر سکتا ہے اس میں حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں: بچی جب حد شہوت کو پہنچ جائے تو باپ کے حوالے کی جائے تا کہ اس کی حفاظت ہو سکے۔

ماں اور نانی کے علاوہ دیگر جن خواتین کا ذکر کیا گیا ان کے پاس بچی اسی وقت تک رہے گی جب تک اسے شہوت نہیں

آتی کیونکہ ان کو شرعاً اس سے خدمت لینے کا حق نہیں لہٰذا اب اُن کے پاس رہنا بے مقصد ہے لیکن چونکہ ماں، نانی (اور دادی) کو شرعی طور پر اس سے خدمت لینے کا حق حاصل ہے لہٰذا ان کے پاس بلوغت تک رہ سکتی ہے۔

لونڈی اور اُمِّ ولد آزاد ہو جائیں تو ان کا حکم

(۲۱۰): قَالَ [وَالْاَمَةُ اِذَا اَعْتَقَهَا مَوْلَاهَا وَاُمُّ الْوَلَدِ اِذَا اُعْتِقَتْ كَالْحُرَّةِ فِيْ حَقِّ الْوَلَدِ] لِاَنَّهُمَا حُرَّتَانِ اَوَانَ ثُبُوْتِ الْحَقِّ [وَلَيْسَ لَهُمَا قَبْلَ الْعِتْقِ حَقٌّ فِي الْوَلَدِ لِعَجْزِهِمَا] عَنِ الْحَضَانَةِ بِالِاشْتِغَالِ بِخِدْمَةِ الْمَوْلٰى [وَالذِّمِّيَّةُ اَحَقُّ بِوَلَدِهَا الْمُسْلِمِ مَا لَمْ يَعْقِلِ الْاَدْيَانَ اَوْ يَخَفْ اَنْ يَّأْلَفَ الْكُفْرَ] لِلنَّظَرِ قَبْلَ ذٰلِكَ وَاحْتِمَالِ الضَّرَرِ بَعْدَهٗ [وَلَا خِيَارَ لِلْغُلَامِ وَالْجَارِيَةِ] وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: لَهُمَا الْخِيَارُ لِاَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ خَيَّرَ.

وَلَنَا اَنَّهٗ لِقُصُوْرِ عَقْلِهٖ يَخْتَارُ مَنْ عِنْدَهُ الدَّعَةُ لِتَخْلِيَتِهٖ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ اللَّعِبِ فَلَا يَتَحَقَّقُ النَّظَرُ، وَقَدْ صَحَّ اَنَّ الصَّحَابَةَ لَمْ يُخَيِّرُوْا. اَمَّا الْحَدِيْثُ فَقُلْنَا قَدْ قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ [اَللّٰهُمَّ اهْدِهٖ] فَوُفِّقَ لِاخْتِيَارِهِ الْاَنْظَرَ بِدُعَائِهٖ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ اَوْ يُحْمَلُ عَلٰى مَا اِذَا كَانَ بَالِغًا.

ترجمہ: امام قدوری ﷫ فرماتے ہیں کہ جب لونڈی کو اس کا آقا آزاد کرے یا اُمِّ ولد آزاد ہو جائے تو بچے کے حق میں وہ آزاد عورتوں کی طرح ہیں) کیونکہ حق ثابت ہونے کے وقت وہ آزاد ہوں گی۔

[اور آزادی سے پہلے ان کو بچے (کی پرورش) کا حق حاصل نہیں ہوگا کیونکہ وہ عاجز ہوتی ہیں] یعنی پرورش کرنے سے (عاجز ہوتی ہیں) اس لئے کہ وہ مولیٰ کی خدمت میں مشغول ہوتی ہیں۔

[اور ذمیہ عورت اپنے مسلمان بچے کی زیادہ حق دار ہے جب تک بچے کو دین کی سمجھ حاصل نہ ہو یا جب تک اس کے کفر سے مانوس ہونے کا ڈر نہ ہو]

کیونکہ اس میں شفقت ہے اور اس (عمر) کے بعد (دینی) نقصان کا احتمال ہے۔

(اور اس سلسلے میں بچے یا بچی کا اپنا اختیار نہیں ہوگا)

حضرت امام شافعی ﷫ فرماتے ہیں: ان دونوں کو اختیار ہوگا کیونکہ حضور ﷺ نے اختیار دیا ہے۔ [1]

ہماری دلیل یہ ہے کہ بچے کی عقل ناقص ہوتی ہے اس لئے وہ (ماں باپ میں سے) اسے اختیار کرے گا جس کے ہاں اسے آزادی حاصل ہو اور وہ اس کے کھیلنے میں رکاوٹ نہ ڈالے۔ لہٰذا شفقت متحقق نہیں ہوگی۔ اور صحیح احادیث سے ثابت

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الطلاق، باب من احق بالولد، حدیث: ۲۲۷۷

ہے کہ صحابہ کرام نے (بچے کو) اختیار نہیں دیا —— جہاں تک تمہاری پیش کردہ حدیث کا تعلق ہے تو ہم کہتے ہیں حضور علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا تھا کہ یا اللہ! اسے ہدایت دے۔ ◆

توحضور علیہ السلام کی دعا کی وجہ سے اسے اس کی طرف راہنمائی کی گئی جس میں شفقت زیادہ تھی۔

یا اس حدیث کو اس صورت پر محمول کیا جائے گا جب وہ بچہ بالغ ہو——

توضیح: اگر بچے کی ماں لونڈی ہو یا اُمِّ ولد ہو (یعنی وہ لونڈی جس کے ہاں اس کے مالک سے اولاد ہو تو وہ اس مالک کے مرنے کے بعد آزاد ہو جاتی ہے) اگر چہ اُمِّ ولد آزاد ہو جائے تو ان کو بچے کی پرورش کا حق حاصل ہو جاتا ہے کیونکہ اس حق میں رکاوٹ ان کی غلامی تھی اور وہ ختم ہو گئی۔

اصل بات یہ ہے کہ لونڈی چاہے وہ اُمِّ ولد ہی ہو جب تک آزاد نہ ہوا پنے مالک کی خدمت میں مصروف رہنے کی وجہ سے بچے کی پرورش نہیں کر سکتی اور آزادی کے بعد اس کی وہ مصروفیت ختم ہو گئی۔

دوسرا مسئلہ: یہ ہے کہ کسی مسلمان نے اہل کتاب عورت سے شادی کی اس کا بچہ مسلمان ہے کیونکہ باپ مسلمان ہے تو اس کی ماں (ذمیہ) اس وقت تک اس بچے کی پرورش کر سکتی ہے جب تک وہ بچہ سمجھ بوجھ نہ رکھتا ہو یا اس بات کا ڈر نہ ہو کہ وہ کفر سے مانوس ہو جائے گا۔

کیونکہ اس حالت سے پہلے شفقت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی ماں کی پرورش کرے اور بعد میں شفقت یہ ہے کہ اسے کفریہ عقیدہ سے بچایا جائے اگر وہ اپنی ماں کے پاس رہے گا تو وہ اسے غیر مسلم بنا دے گی۔

تیسرا مسئلہ:

یہ ہے کہ کیا اس بچے اور بچی کو اختیار ہوگا کہ وہ اور باپ میں سے جس کے پاس چاہیں، رہیں ہمارے نزدیک اسے اختیار نہیں دیا جائے گا کیونکہ بچے کی عقل ناقص ہوتی ہے وہ چاہے گا کہ وہ ان میں سے اس کی پرورش میں رہے جس کے ہاں اسے کھیل کود کی آزادی ہو اور یہ شفقت کے خلاف ہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اسے اختیار دیا جائے گا ان کی دلیل حدیث شریف ہے کہ حضور علیہ السلام نے ایک لڑکے کو اختیار دیا تھا۔ (حوالہ گزر چکا ہے)

ہماری طرف سے یہ جواب دیا گیا کہ صحابہ کرام نے اختیار نہیں دیا اور جو حدیث پیش کی گئی اس کے دو جواب ہیں:

① حضور علیہ السلام نے اس کے لئے ہدایت کی دعا بھی کی تھی اور اس دعا کی برکت سے اسے زیادہ شفقت والی شخصیت کی طرف راہنمائی حاصل ہو گئی۔

② دوسرا جواب یہ ہے کہ اس اختیار سے مراد بالغ کو اختیار دینا ہے۔

نوٹ: یہ دوسرا احتمال درست نہیں کیونکہ جس واقعہ میں اختیار دیا گیا تھا وہاں بچہ نابالغ تھا۔

◆ سنن ابوداؤد، کتاب الطلاق، باب اذا اسلم احد الابوین، حدیث: ۲۲۴۴۔ سنن نسائی، حدیث: ۳۴۷۰

فصل:

طلاق یافتہ عورت کا بچے کو شہر سے باہر لے جانا

(۲۱۱) : [وَإِذَا أَرَادَتِ الْمُطَلَّقَةُ أَنْ تَخْرُجَ بِوَلَدِهَا مِنَ الْمِصْرِ فَلَيْسَ لَهَا ذٰلِكَ] لِمَا فِيهِ مِنَ الْإِضْرَارِ بِالْأَبِ [إِلَّا أَنْ تَخْرُجَ بِهِ إِلٰى وَطَنِهَا وَقَدْ كَانَ الزَّوْجُ تَزَوَّجَهَا فِيهِ] لِأَنَّهُ الْتَزَمَ الْمُقَامَ فِيهِ عُرْفًا وَشَرْعًا. قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ [مَنْ تَأَهَّلَ بِبَلْدَةٍ فَهُوَ مِنْهُمْ] وَلِهٰذَا يَصِيرُ الْحَرْبِيُّ بِهِ ذِمِّيًّا. وَإِنْ أَرَادَتِ الْخُرُوجَ إِلٰى مِصْرٍ غَيْرِ وَطَنِهَا وَقَدْ كَانَ التَّزَوُّجُ فِيهِ أَشَارَ فِي الْكِتَابِ إِلٰى أَنَّهُ لَيْسَ لَهَا ذٰلِكَ. وَهٰذَا رِوَايَةُ كِتَابِ الطَّلَاقِ. وَقَدْ ذَكَرَ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ أَنَّ لَهَا ذٰلِكَ لِأَنَّ الْعَقْدَ مَتٰى وُجِدَ فِي مَكَانٍ يُوجِبُ أَحْكَامَهُ فِيهِ كَمَا يُوجِبُ الْبَيْعُ التَّسْلِيمَ فِي مَكَانِهِ. وَمِنْ جُمْلَةِ ذٰلِكَ حَقُّ إِمْسَاكِ الْأَوْلَادِ.

وَجْهُ الْأَوَّلِ أَنَّ التَّزَوُّجَ فِي دَارِ الْغُرْبَةِ لَيْسَ الْتِزَامًا لِلْمُكْثِ فِيهِ عُرْفًا. وَهٰذَا أَصَحُّ وَالْحَاصِلُ أَنَّهُ لَا بُدَّ مِنَ الْأَمْرَيْنِ جَمِيعًا: الْوَطَنُ وَوُجُودُ النِّكَاحِ.

ترجمہ: [اور جب مطلقہ عورت بچے کو شہر سے باہر لے جانے کا ارادہ کرے تو اسے اس کا حق نہیں ہے) کیونکہ اس میں (بچے کے] باپ کو تکلیف پہنچانا ہے۔

(مگر یہ کہ وہ اسے اپنے وطن لائے اور خاوند نے اسی وطن میں نکاح کیا تھا) کیونکہ مرد نے عرف اور شریعت کے مطابق اس مقام کا التزام کیا، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ تَأَهَّلَ بِبَلْدَةٍ فَهُوَ مِنْهُمْ

ترجمہ: جو شخص کسی شہر میں شادی کرے وہ انہی میں سے ہے۔ [1]

اسی لئے حربی (کافر) اس وجہ سے ذمی ہو جاتا ہے۔ اور اگر وہ خاتون بچے کو اپنے وطن کے علاوہ کہیں لے جانا چاہے اور اس نے اسی جگہ نکاح کیا تھا تو کتاب میں اس طرف اشارہ ہے کہ اسے اس بات کا حق نہیں اور یہ کتاب الطلاق کی روایت ہے اور جامع صغیر میں ذکر کیا کہ وہ ایسا کر سکتی ہے کیونکہ نکاح کا عقد جب کسی جگہ پایا گیا تو اس کے احکام اسی جگہ

[1] مسند احمد بن حنبل، ۱/ ۶۲، مجمع الزوائد، جلد: ۲/ ۱۵۶

واجب ہوں گے جس طرح بیع کی وجہ سے (مبیع) اسی جگہ سپرد کیا جائے گا اور ان تمام احکام میں سے اولاد کو وہاں روکنا بھی ہے پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ اگر اجنبیت کے مقام پر نکاح کیا تو یہ وہاں ٹھہرنے کا التزام نہیں ہے عرف یہی ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ دو باتوں کا ہونا ضروری ہے وطن اور نکاح کا پایا جانا۔

توضیح: مرد اور عورت کے درمیان تفریق کی وجہ سے بچہ اپنی ماں کے پاس ہو تو کیا وہ اسے اس شہر سے باہر لے جا سکتی ہے جس شہر میں بچے کا باپ ہے تو اسے اس بات کا حق نہیں کیونکہ یہ عمل باپ کو ضرر اور تکلیف پہنچانے کا سبب بنتا ہے لیکن جب عورت اپنے وطن سے باہر ہو تو اسے اپنے وطن لا سکتی ہے جبکہ خاوند نے اس وطن میں اس سے نکاح کیا ہو کیونکہ مرد نے عرف اور شریعت کے مطابق وہاں ٹھہرنے کا التزام کیا۔

اس پر شرعی دلیل رسول اکرم ﷺ کی حدیث پیش کی گئی کہ جو شخص کسی جگہ نکاح کرتا ہے وہ ان ہی میں سے ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ اگر کافر حربی مسلمانوں کے ملک میں نکاح کرے تو وہ اس وجہ سے ذمی ہو جائے گا (یعنی یہاں کا باشندہ ہو جائے گا) اگر عورت اپنے وطن کے علاوہ کسی جگہ لے جانا چاہتی ہے اور خاوند نے وہاں نکاح کیا تھا تو امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی بات کی طرف اشارہ کیا کہ وہ ایسا نہیں کر سکتی۔

البتہ جامع صغیر میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ وہ ایسا کر سکتی ہے کیونکہ جب کسی جگہ عقد نکاح ہو جائے تو نکاح کے احکام اسی جگہ لازم ہوتے ہیں جس طرح کسی مقام پر سودا ہو تو مبیع اور ثمن اسی جگہ سپرد کئے جائیں گے۔ اور بچے کو اسی مقام پر ٹھہرانا بھی انہی احکام میں سے ہے۔

امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے وطن کے علاوہ کسی مقام پر نکاح کرے تو عرف کے مطابق وہ وہاں ٹھہرنے کا التزام نہیں کرتا۔ زیادہ صحیح قول یہی ہے گویا بچے کو ٹھہرانے کے سلسلے میں دو باتیں ہیں ایک وطن دوسرا نکاح کا پایا جانا۔

خلاصہ یہ ہے کہ مرد جہاں رہتا ہے عورت وہاں سے بچے کو نہیں لے جا سکتی اگر اس جگہ لے جانا ہے جو عورت کا اپنا وطن ہے تو لے جا سکتی ہے کیونکہ نکاح کی وجہ سے مرد کا بھی وہی وطن ہے لیکن اگر اس کا اپنا وطن دوسرا ہو تو محض نکاح کی وجہ سے وہاں نہیں لے جا سکتی۔

(نوٹ: ہمارے عرف میں مرد جہاں نکاح کرتا ہے اسے اپنا وطن نہیں بناتا مثلاً لاہور کا رہنے والا اگر کراچی میں نکاح کرے تو وہ کراچی میں رہائش اختیار نہیں کرتا لہٰذا اگر عورت بچے کو کراچی اپنے ماں باپ کے ہاں لے جائے تو مرد کو ضرر لاحق ہوگا اس لئے اسے یہ حق نہیں ہونا چاہئے۔ (۱۲ ہزاروی)

دو شہروں کے درمیان کتنا فاصلہ ہو

(۲۱۲): وَهٰذَا كُلُّهُ اِذَا كَانَ بَيْنَ الْمِصْرَيْنِ تَفَاوُتٌ. اَمَّا اِذَا تَقَارَبَا بِحَيْثُ يُمْكِنُ لِلْوَالِدِ اَنْ

يُطَالِعَ وَلَدَهُ وَيَبِيتَ فِيْ بَيْتِهِ فَلاَ بَأْسَ بِهِ. وَكَذَا الْجَوَابُ فِي الْقَرْيَتَيْنِ، وَلَوْ انْتَقَلَتْ مِنْ قَرْيَةِ الْمِصْرِ اِلَى الْمِصْرِ لَا بَأْسَ بِهِ لِاَنَّ فِيْهِ نَظَرًا لِلصَّغِيْرِ حَيْثُ يَتَخَلَّقُ بِأَخْلَاقِ اَهْلِ الْمِصْرِ وَلَيْسَ فِيْهِ ضَرَرٌ بِالْاَبِ، وَفِيْ عَكْسِهِ ضَرَرٌ بِالصَّغِيْرِ لِتَخَلُّقِهِ بِأَخْلَاقِ اَهْلِ السَّوَادِ فَلَيْسَ لَهَا ذٰلِكَ.

ترجمہ: اور یہ تمام باتیں اس وقت ہوں گی جب (ان) دوشہروں کے درمیان زیادہ دوری ہو لیکن جب قریب قریب ہوں کہ والد کے لئے بچے کو دیکھنا ممکن ہو اور وہ رات اپنے گھر میں گزار سکے تو کوئی حرج نہیں۔

دو بستیوں کا بھی یہی حکم ہے اور اگر شہر کی ایک بستی سے شہر کی طرف منتقل ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں اس میں بچے پر شفقت ہے کہ وہ شہر والوں کے آداب اختیار کرے گا اور اس میں باپ کو ضرر نہیں پہنچتا ——

اور اس کے برعکس میں بچے کے لئے ضرر ہے کہ وہ دیہاتیوں کے اخلاق وعادات اپنائے گا لہٰذا عورت کو اس کا حق نہیں۔

توضیح: بنیادی طور پر بچے کو باہر لے جانے کی ممانعت اس لئے ہے کہ اس کے باپ کو جدائی کا صدمہ اٹھانا پڑے گا لیکن جب دونوں شہروں کے درمیان فاصلہ کم ہو اور مرد بچے کو روزانہ دیکھ سکے اور رات اپنے گھر آجائے تو کوئی حرج نہیں وہ دو شہر ہوں یا دیہات ——

ایک اور مسئلہ یہ ہے کہ اگر عورت بچے کو دیہات سے شہر میں لے آئے تو بچے کے حق میں بہتر ہے کہ وہ شہر والوں کے طور طریقے سیکھے گا اور باپ کو بھی کوئی پریشانی نہیں ہوگی اور اگر شہر سے دیہات میں لے جائے تو اس میں بچے کا نقصان ہے کیونکہ دیہاتی ماحول اس کے لئے نقصان دہ ہوگا لہٰذا اس طرح نہ کیا جائے۔

بَابُ النَّفَقَةِ

باب: نفقہ کا بیان

بیوی کا نفقہ خاوند پر لازم ہے

(۲۱۳) : قَالَ [النَّفَقَةُ وَاجِبَةٌ لِلزَّوْجَةِ عَلٰى زَوْجِهَا مُسْلِمَةً كَانَتْ اَوْ كَافِرَةً اِذَا سَلَّمَتْ نَفْسَهَا اِلٰى مَنْزِلِهٖ فَعَلَيْهِ نَفَقَتُهَا وَكِسْوَتُهَا وَسُكْنَاهَا] وَالْاَصْلُ فِيْ ذٰلِكَ قَوْلُهٗ تَعَالٰى: ﴿لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ[1]﴾ وقوله تعالى: ﴿وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ[1]﴾ وَقَوْلُهٗ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فِيْ حَدِيْثِ حَجَّةِ الْوَدَاعِ (وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ) وَلِاَنَّ النَّفَقَةَ جَزَاءُ الْاِحْتِبَاسِ فَكُلُّ مَنْ كَانَ مَحْبُوْسًا بِحَقٍّ مَقْصُوْدٍ لِغَيْرِهٖ كَانَتْ نَفَقَتُهٗ عَلَيْهِ: اَصْلُهُ الْقَاضِيْ وَالْعَامِلُ فِي الصَّدَقَاتِ .وَهٰذِهِ الدَّلَائِلُ لَا فَصْلَ فِيْهَا فَتَسْتَوِی فِيْهَا الْمُسْلِمَةُ وَالْكَافِرَةُ

[وَيُعْتَبَرُ فِيْ ذٰلِكَ حَالُهُمَا جَمِيْعًا] قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيْفُ: وَهٰذَا اخْتِيَارُ الْخَصَّافِ وَعَلَيْهِ الْفَتْوٰى، وَتَفْسِيْرُهٗ اَنَّهُمَا اِذَا كَانَا مُوسِرَيْنِ تَجِبُ نَفَقَةُ الْيَسَارِ، وَاِنْ كَانَا مُعْسِرَيْنِ فَنَفَقَةُ الْاِعْسَارِ، وَاِنْ كَانَتْ مُعْسِرَةً وَالزَّوْجُ مُوسِرًا فَنَفَقَتُهَا دُوْنَ نَفَقَةِ الْمُوسِرَاتِ وَفَوْقَ نَفَقَةِ الْمُعْسِرَاتِ .

وَقَالَ الْكَرْخِيُّ: يُعْتَبَرُ حَالُ الزَّوْجِ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى: ﴿لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ[1]﴾ وَجْهُ الْاَوَّلِ قَوْلُهٗ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لِهِنْدٍ امْرَاَةِ اَبِيْ سُفْيَانَ «خُذِیْ مِنْ مَالِ زَوْجِك مَا يَكْفِيك وَوَلَدِك بِالْمَعْرُوْفِ» اعْتَبَرَ حَالَهَا وَهُوَ الْفِقْهُ فَاِنَّ النَّفَقَةَ تَجِبُ بِطَرِيْقِ الْكِفَايَةِ، وَالْفَقِيْرَةُ لَا تَفْتَقِرُ اِلٰى كِفَايَةِ الْمُوسِرَاتِ فَلَا مَعْنٰى لِلزِّيَادَةِ، وَنَحْنُ نَقُوْلُ بِمُوْجَبِ النَّصِّ اَنَّهٗ يُخَاطِبُ بِقَدْرِ وُسْعِهٖ وَالْبَاقِيْ دَيْنٌ فِيْ ذِمَّتِهٖ، وَمَعْنٰى قَوْلِهٖ بِالْمَعْرُوْفِ الْوَسَطُ وَهُوَ الْوَاجِبُ وَبِهٖ يَتَبَيَّنُ اَنَّهٗ لَا مَعْنٰى لِلتَّقْدِيْرِ كَمَا ذَهَبَ اِلَيْهِ الشَّافِعِيُّ اَنَّهٗ عَلَى الْمُوسِرِ مُدَّانِ وَعَلَى الْمُعْسِرِ مُدٌّ وَّعَلَى الْمُتَوَسِّطِ مُدٌّ وَّنِصْفُ مُدٍّ، لِاَنَّ مَا وَجَبَ كِفَايَةً لَا يَتَقَدَّرُ شَرْعًا فِيْ نَفْسِهٖ .

ترجمہ: فرماتے ہیں [بیوی کا نفقہ (خرچ) خاوند پر لازم ہے بیوی مسلمان ہو یا کافر، جب وہ اپنے آپ کو خاوند کے گھر میں اس کے سپرد کر دے تو مرد پر اس کا (کھانے پینے کا) خرچ، اس کا لباس اور رہائش لازم ہے]

اس سلسلے میں اصل (دلیل) ارشاد خداوندی ہے:

لِيُنفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ ❶

ترجمہ: مالدار اپنی مالداری کے مطابق خرچ کرے۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ❷

ترجمہ: اور باپ پر ان عورتوں کا رزق اور لباس معروف طریقے پر ہے۔

اور سرکار دو عالم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر فرمایا:

وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ❸

ترجمہ: اور ان عورتوں کے لئے تم پر ان کا رزق اور لباس اچھے طریقے سے لازم ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ نفقہ، (عورت کو) روکنے کا عوض ہے پس جو شخص کسی کے حق میں رکا ہوا ہو تو اس کا نفقہ اس کے ذمے ہوگا اور اس کی اصل قاضی اور صدقات وصول کرنے والے ہیں۔

اور ان دلائل میں کوئی فرق نہیں اس لئے مسلمان اور کافر عورت برابر ہیں ——

[اور اس سلسلے میں دونوں کی حالت کا اعتبار ہوگا]

بندہ ضعیف کہتا ہے یہ حضرت امام خصاف رحمۃ اللہ علیہ کا مختار قول ہے اور اسی پر فتویٰ ہے اور اس کی وضاحت اس طرح ہے کہ جب دونوں کشادہ حال ہوں تو کشادہ حال والا خرچہ واجب ہوگا اور اگر دونوں تنگدست ہوں تو تنگدستی والا نفقہ واجب ہوگا اور اگر عورت تنگدست اور مرد کشادہ حال ہو تو عورت کا نفقہ کشادہ حال عورتوں کے نفقہ سے کم اور تنگدست عورتوں کے نفقہ سے زیادہ ہوگا۔

حضرت امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: خاوند کے حال کا اعتبار ہوگا اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی یہی ہے کیونکہ ارشاد خداوندی ہے:

لِيُنفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ ❹

ترجمہ: کشادہ حال کو چاہئے کہ اپنی کشادہ حالی کے مطابق خرچ کرے۔

پہلے قول کی وجہ رسول اکرم ﷺ کا ابوسفیان کی بیوی ہند رضی اللہ عنہا سے یہ ارشاد گرامی ہے:

❶ سورہ طلاق، آیت: ۷ ❷ سورہ البقرۃ، آیت: ۲۳۳

❸ سنن ابوداؤد، کتاب المناسک، باب صفۃ حجۃ النبی ﷺ، حدیث: ۱۹۰۵ ❹ سورہ طلاق، آیت: ۷

خُذِی مِنْ مَالِ زَوْجِكِ مَا يَكْفِيكِ وَوَلَدِكِ بِالْمَعْرُوفِ

ترجمہ: اپنے خاوند کے مال سے اس قدر لو جو تمہیں اور تمہاری اولاد کو معروف طریقے سے کافی ہو۔ ❶

آپ نے ہند رضی اللہ عنہا کی حالت کا اعتبار کیا اور فقہ (کے مطابق) بھی یہی ہے کیونکہ نفقہ کفایت کے طریقے پر واجب ہوتا ہے۔ اور فقیر عورت کشادہ حال عورتوں کے نفقہ کی محتاج نہیں ہوتی پس زائد کا کوئی مطلب نہیں۔

اور ہم نص کے مطابق بات کرتے ہیں کہ مرد کو اس کی طاقت کے مطابق کے ساتھ خطاب کیا گیا اور باقی اس کے ذمہ قرض ہے اور بالمعروف کا مطلب یہ ہے کہ درمیانے انداز پر خرچ کرے اور یہی واجب ہے اور اس سے واضح ہو گیا کہ مقدار مقرر کرنے کا کوئی مقصد نہیں جس طرح حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس طرف گئے ہیں کہ کشادہ حال شخص پر دو کلو، تنگدست پر ایک کلو اور درمیانی حالت والے کے ذمہ ڈیڑھ کلو واجب ہے کیونکہ جو چیز کفایت کے اعتبار سے واجب ہو وہ ذاتی طور پر شرعاً متعین نہیں کی جاسکتی۔

توضیح: جب کوئی شخص کسی دوسرے آدمی کے حق میں پابند ہو تو اس کی ضروریات اس شخص کے ذمہ ہوتی ہیں جس کے حق میں وہ پابند ہے اور کہیں جا نہیں سکتا۔

جس طرح قاضی اور زکوٰۃ وصول کرنے والا عامل (یا مدرس وغیرہ دیگر قومی خدمات انجام دینے والے لوگ) قوم کے کام میں پابند ہوتے ہیں وہ تجارت وغیرہ کے لئے وقت نہیں پاتے تو ان کی ضرورتوں کو قوم پورا کرتی ہے اور ان کو تنخواہ دی جاتی ہے اسی طرح عورت خاوند کے حق کے لئے پابند ہوتی ہے وہ کہیں آنے جانے اور مال کمانے کے لئے آزاد نہیں ہوتی اس لئے اس کا کھانا پینا، لباس اور رہائش خاوند کے ذمہ ہوتی ہے وہ خاتون مسلمان ہو یا کافر (کتابیہ) ہو لیکن یہ شرط ہے کہ وہ اپنے آپ کو خاوند کے گھر میں اس کے سپرد کرے (ورنہ نفقہ کی مستحق نہیں ہوگی)

اس سلسلے میں قرآن پاک کا حکم اور حدیث شریف متن اور ترجمہ کے ساتھ گزر چکی ہے۔

چونکہ مرد اور عورت بعض اوقات مالی اعتبار سے برابر ہوتے ہیں اور کبھی ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔

ایک امیر اور دوسرا غریب ہوتا ہے تو اس سلسلے میں حضرت خصاف رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتویٰ ہے کہ دونوں کے حال کا اعتبار کیا جائے۔

یعنی اگر دونوں مالدار ہوں تو مرد کو مالدار لوگوں کے حساب سے نفقہ دینا چاہئے اگر دونوں تنگدست ہوں تو اس حساب سے خرچہ دیا جائے اگر عورت تنگدست اور مرد کشادہ حال ہو تو درمیانہ طریقہ اختیار کریں۔

اس سلسلے میں حضرت امام کرخی اور امام شافعی رحمہما اللہ کا اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں: کشادہ حال مرد اپنی طاقت کے مطابق خرچ کرے یعنی وہ عورت کا نہیں مرد کی حالت کا لحاظ کرتے ہیں۔

لیکن حضرت خصاف رحمۃ اللہ علیہ کا قول حدیث کے مطابق ہے جب حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیوی ہند رضی اللہ عنہا نے اپنے

❶ سنن ابوداؤد، کتاب البیوع، باب الرجل یاخذ حقہ من تحت یدہ، حدیث: ۳۵۳۲

خاوند کی کنجوسی کا ذکر کیا اور حضور علیہ السلام سے پوچھا کہ کیا وہ اپنے خاوند کی بے خبری میں ان کا مال لے سکتی ہیں۔

تو آپ نے فرمایا: اس قدر لے سکتی ہو جس قدر تمہیں اور تمہارے بچوں کو کافی ہو۔

تو آپ نے عورت کے حال اور اس کی ضرورت کا اعتبار کیا فقہ کا تقاضا بھی یہی ہے کیونکہ عورت کو اپنی ضروریات پوری کرنا ہے اور جب وہ تنگدست ہے تو اسے ان عورتوں کے نفقہ کے مطابق ضرورت نہیں جو کشادہ حال ہیں کیونکہ ان کی ضروریات کے لئے زیادہ مال کی ضرورت ہوتی ہے۔

لیکن ہم قرآن پاک کے مطابق عمل کرتے ہیں مطلب یہ ہے کہ اگر عورت کشادہ حال ہے اور مرد زیادہ گنجائش نہیں رکھتا تو وہ اپنی طاقت کے مطابق خرچ کرے اور باقی مال مرد کے ذمہ قرض ہو جائے گا۔ قرآن پاک میں اور حدیث شریف میں لفظ معروف آیا ہے اس سے متوسط مراد ہے اور یہی واجب ہے یہاں سے ایک اور بات واضح ہوئی کہ جب اس قدر مال دیا جائے جو کافی ہو تو اس کی مقدار مقرر نہیں کی جا سکتی جس طرح امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر مرد کشادہ حال ہو تو دو مد (دو کلو) متوسط درجہ کا ہو تو ڈیڑھ کلو اور تنگدست ہو تو ایک کلو خرچ کرے۔

یہ بات اس لئے صحیح نہیں کہ ضرورت کے مطابق خرچ کرتے وقت مقدار شرعی طور پر مقرر نہیں کی جا سکتی بعض اوقات کم خرچ ہوتا بعض اوقات زیادہ۔

عورت نفقہ کی کب مستحق ہو گی اور کب نہیں؟

(۲۱۴) : [وَاِنْ امْتَنَعَتْ مِنْ تَسْلِيْمِ نَفْسِهَا حَتّٰى يُعْطِيَهَا مَهْرَهَا فَلَهَا النَّفَقَةُ] لِاَنَّهٗ مَنْعٌ بِحَقٍّ فَكَانَ فَوْتُ الْاِحْتِبَاسِ لِمَعْنًى مِنْ قِبَلِهٖ فَيُجْعَلُ كَلَا فَائِتٍ.

[وَاِنْ نَشَزَتْ فَلَا نَفَقَةَ لَهَا حَتّٰى تَعُوْدَ اِلٰى مَنْزِلِهٖ] لِاَنَّ فَوْتَ الْاِحْتِبَاسِ مِنْهَا. وَاِنْ عَادَتْ جَاءَ الْاِحْتِبَاسُ فَتَجِبُ النَّفَقَةُ. بِخِلَافِ مَا اِذَا امْتَنَعَتْ مِنَ التَّمْكِيْنِ فِيْ بَيْتِ الزَّوْجِ لِاَنَّ الْاِحْتِبَاسَ قَائِمٌ وَّالزَّوْجُ يَقْدِرُ عَلَى الْوَطْيِ كَرْهًا.

ترجمہ: [اور اگر وہ اپنے آپ کو مرد کے سپرد کرنے سے روکے یہاں تک کہ وہ اس کا مہر ادا کرے تو اس کے لئے نفقہ ہوگا] کیونکہ یہ منع کرنا حق کی وجہ سے ہے لہٰذا احتباس (عورت کا پابند ہونا) مرد کی طرف سے کسی سبب کی بنیاد پر فوت ہوا، لہٰذا اسے فوت نہ ہونے کی طرح قرار دیا جائے گا۔

[اور اگر عورت نافرمانی کرے تو جب تک خاوند کے گھر کی طرف نہ لوٹے اس کے لئے نفقہ نہیں ہوگا] کیونکہ پابندی کا فوت ہونا عورت کی وجہ سے ہے۔ اگر وہ لوٹ آئے تو پابندی دوبارہ پائی جائے گی لہٰذا نفقہ واجب ہو جائے گا بخلاف اس کے جب وہ خاوند کے گھر میں خاوند کو اپنے قریب نہ آنے دے کیونکہ پابندی قائم ہے اور خاوند زبردستی جماع کرنے پر قادر ہے۔

توضیح: بیوی نفقہ کی کب مستحق ہوگی اور کب نہیں اس سلسلے میں تین صورتیں بیان کی گئیں:

پہلی صورت:

اگر مہر معجّل ہو اور عورت مہر کی وجہ سے اپنے آپ کو خاوند کے سپرد نہ کرے تو وہ نفقہ کی مستحق ہوگی کیونکہ وہ خاوند کو اپنے حق کی وجہ سے روک رہی ہے اور اس کا خاوند کے گھر میں اپنے آپ کو حکمی طور پر پابند کرنا پایا گیا لہٰذا وہ نفقہ کی مستحق ہے۔

دوسری صورت:

اگر وہ خاوند کی نافرمانی کر کے باہر چلی جائے تو احتباس ختم ہو گیا یعنی خاوند کے گھر میں پابند نہیں رہی لہٰذا نفقہ واجب نہیں ہوگا البتہ واپس آجائے تو اب پابندی پائی گئی لہٰذا نفقہ واجب ہو جائے گا۔

تیسری صورت:

وہ خاوند کے گھر میں موجود ہے لیکن مرد کو قریب نہیں آنے دیتی تو بھی نفقہ واجب ہوگا کیونکہ مرد اس کی مرضی کے بغیر بھی صحبت کرسکتا ہے لہٰذا وہ گھر میں پابند ہونے کی وجہ سے نفقہ کی مستحق ہوگی۔

نابالغ بیوی کا نفقہ

(۲۱۵) : [وَاِنْ كَانَتْ صَغِيْرَةً لَاّ يُسْتَمْتَعُ بِهَا فَلَا نَفَقَةَ لَهَا] لِاَنَّ امْتِنَاعَ الِاسْتِمْتَاعِ لِمَعْنًى فِيْهَا. وَالِاحْتِبَاسُ الْمُوْجِبُ مَا يَكُوْنُ وَسِيْلَةً اِلٰى مَقْصُوْدٍ مُسْتَحَقٍّ بِالنِّكَاحِ وَلَمْ يُوجَدْ. بِخِلَافِ الْمَرِيْضَةِ عَلٰى مَا نُبَيِّنُ.

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: لَهَا النَّفَقَةُ لِاَنَّهَا عِوَضٌ مِّنَ الْمِلْكِ عِنْدَهٗ كَمَا فِي الْمَمْلُوْكَةِ بِمِلْكِ الْيَمِيْنِ.

وَلَنَا اَنَّ الْمَهْرَ عِوَضٌ عَنِ الْمِلْكِ وَلَا يَجْتَمِعُ الْعِوَضَانِ عَنْ مُعَوَّضٍ وَاحِدٍ فَلَهَا الْمَهْرُ دُوْنَ النَّفَقَةِ.

ترجمہ: [اور اگر (بیوی) نابالغہ ہو جس سے نفع حاصل نہ کیا جا سکے تو اس کے لئے نفقہ نہیں ہوگا] کیونکہ نفع حاصل کرنے میں رکاوٹ ایسی وجہ سے ہے جو عورت میں پائی جاتی ہے۔

اور نفقہ واجب کرنے والا احتباس وہ ہے جو اس مقصود کا وسیلہ بنے جس کا استحقاق نکاح کے ذریعے حاصل ہوتا ہے اور وہ نہیں پایا گیا بخلاف بیمار عورت کے، جس طرح ہم بیان کریں گے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس کے لئے نفقہ ہوگا کیونکہ یہ اس ملکیت کا عوض ہے جو شوہر کو حاصل ہے جس طرح اس عورت کا حکم ہے جس کی ملکیت لونڈی ہونے کی وجہ سے حاصل ہو۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ ملک کے بدلے میں مہر ہوتا ہے اور ایک مُعَوَّض (جس کا عوض ہو) کے دو عوض نہیں ہوتے

لہٰذا اس کے لئے مہر ہوگا نفقہ نہیں ہوگا۔

توضیح: ضابطہ یہ ہے کہ عورت کا نفقہ وغیرہ احتباس کی وجہ سے ہوتا ہے کہ وہ خاوند کے حق میں پابند ہے۔ لیکن یہ احتباس مطلق نہیں بلکہ ایسا احتباس جو نکاح کی وجہ سے حاصل ہونے والے مقصود کا وسیلہ ہو یعنی عورت سے جماع ہو سکے۔ لہٰذا نابالغہ بیوی کا نفقہ اس لئے نہیں ہوگا کہ اس سے نفع حاصل نہیں ہو سکتا۔

لیکن حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اس کے لئے نفقہ ہوگا کیونکہ وہ ملک کو علت قرار دیتے ہیں یعنی مرد کو نکاح کی وجہ سے بیوی کی ملکیت حاصل ہوگئی لہٰذا اس کا عوض یعنی نفقہ اسے ملنا چاہئے۔ انہوں نے لونڈی کی مثال دی کہ اس کا نفقہ اس کے مالک کے ذمہ ہوتا ہے۔

احناف کی طرف سے اس کا جواب یوں دیا گیا کہ ملک کا عوض مہر ہے اگر نفقہ بھی عوض ہو تو ایک معوض کے دو عوض ہو جائیں گے لہٰذا نابالغ بیوی کا مہر واجب ہوگا نفقہ نہیں۔ معوض (واؤ پر فتحہ) جس چیز کا عوض ہو وہ معوض ہوتی ہے۔

خاوند نابالغ اور بیوی بالغ ہو تو نفقہ کا حکم

(۲۱۶) : [وَاِنْ كَانَ الزَّوْجُ صَغِيْرًا لَا يَقْدِرُ عَلَى الْوَطْيِئِ وَهِيَ كَبِيْرَةٌ فَلَهَا النَّفَقَةُ مِنْ مَالِهٖ] لِاَنَّ التَّسْلِيْمَ قَدْ تَحَقَّقَ مِنْهَا، وَاِنَّمَا الْعَجْزُ مِنْ قِبَلِهٖ فَصَارَ كَالْمَجْبُوْبِ وَالْعِنِّيْنِ.

ترجمہ: [اور اگر خاوند نابالغ ہو جو وطی پر قادر نہ ہو سکتا ہو اور بیوی بالغہ ہو تو اس کے لئے اس لڑکے کے مال سے نفقہ ہوگا] کیونکہ عورت کی طرف سے اپنے آپ کو اس کے سپرد کرنا پایا گیا اور کمزوری لڑکے کی طرف سے ہے جیسے نامرد اور وہ جس کا عضو تناسل کٹا ہوا ہو۔۔۔

توضیح: یہ مسئلہ پہلے مسئلہ کے برعکس ہے خاوند کم عمر اور بیوی بالغہ ہے لہٰذا اگر وہ جماع نہیں کر سکتا تو اس کی وجہ عورت نہیں بلکہ وہ خود ہے اس لئے اس کے مال میں سے اس کا ولی عورت کا نفقہ دے گا۔ اور عورت نے اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دیا ہے جس طرح نامرد جو جماع نہیں کر سکتا یا جس کا عضو تناسل کٹا ہوا اور اس سے جماع نہیں ہو سکتا اس کی بیوی کا نفقہ اس پر واجب ہے کیونکہ یہ علت مرد میں ہے عورت میں نہیں۔۔۔۔

مقروض عورت گرفتار ہو تو اس کا اور بیمار عورت کا نفقہ

(۲۱۷) : [وَاِذَا حُبِسَتِ الْمَرْاَةُ فِيْ دَيْنٍ فَلَا نَفَقَةَ لَهَا] لِاَنَّ فَوْتَ الْاِحْتِبَاسِ مِنْهَا بِالْمُمَاطَلَةِ. وَاِنْ لَمْ يَكُنْ مِنْهَا بِاَنْ كَانَتْ عَاجِزَةً فَلَيْسَ مِنْهُ، وَكَذَا اِذَا غَصَبَهَا رَجُلٌ كُرْهًا فَذَهَبَ بِهَا. وَعَنْ اَبِيْ يُوْسُفَ اَنَّ لَهَا النَّفَقَةَ، وَالْفَتْوٰى عَلَى الْاَوَّلِ لِاَنَّ فَوْتَ الْاِحْتِبَاسِ لَيْسَ مِنْهُ

لِيُجْعَلَ بَاقِيًا تَقْدِيْرًا. وَكَذَا إِذَا حَجَّتْ مَعَ مَحْرَمٍ لِأَنَّ فَوْتَ الِاحْتِبَاسِ مِنْهَا.

وَعَنْ أَبِيْ يُوْسُفَ أَنَّ لَهَا النَّفَقَةَ لِأَنَّ إِقَامَةَ الْفَرْضِ عُذْرٌ. وَلٰكِنْ تَجِبُ عَلَيْهِ نَفَقَةُ الْحَضَرِ دُوْنَ السَّفَرِ لِأَنَّهَا هِيَ الْمُسْتَحِقَّةُ عَلَيْهِ. وَلَوْ سَافَرَ مَعَهَا الزَّوْجُ تَجِبُ النَّفَقَةُ بِالِاتِّفَاقِ لِأَنَّ الِاحْتِبَاسَ قَائِمٌ لِقِيَامِهِ عَلَيْهَا وَتَجِبُ نَفَقَةُ الْحَضَرِ دُوْنَ السَّفَرِ. وَلَا يَجِبُ الْكِرَاءُ لِمَا قُلْنَا

[فَإِنْ مَرِضَتْ فِيْ مَنْزِلِ الزَّوْجِ فَلَهَا النَّفَقَةُ] وَالْقِيَاسُ أَنْ لَا نَفَقَةَ لَهَا إِذَا كَانَ مَرَضًا يَمْنَعُ مِنَ الْجِمَاعِ لِفَوْتِ الِاحْتِبَاسِ لِلِاسْتِمْتَاعِ.

وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ أَنَّ الِاحْتِبَاسَ قَائِمٌ فَإِنَّهُ يَسْتَأْنِسُ بِهَا وَيَمَسُّهَا وَتَحْفَظُ الْبَيْتَ. وَالْمَانِعُ بِعَارِضٍ فَأَشْبَهَ الْحَيْضَ.

وَعَنْ أَبِيْ يُوْسُفَ أَنَّهَا إِذَا سَلَّمَتْ نَفْسَهَا ثُمَّ مَرِضَتْ تَجِبُ النَّفَقَةُ لِتَحَقُّقِ التَّسْلِيْمِ. وَلَوْ مَرِضَتْ ثُمَّ سَلَّمَتْ لَا تَجِبُ لِأَنَّ التَّسْلِيْمَ لَمْ يَصِحَّ قَالُوْا هٰذَا حَسَنٌ.

وَفِيْ لَفْظِ الْكِتَابِ مَا يُشِيْرُ إِلَيْهِ.

ترجمہ: [اور اگر عورت کو قرض کی وجہ سے قید کر دیا گیا تو اس کے لئے نفقہ نہیں ہوگا کیونکہ اس کی طرف سے ڈھیل کی وجہ سے احتباس زائل ہوا اور اگر عورت کے (قرض کی ادائیگی سے) عاجز ہونے کی وجہ سے (زوال التباس) اس کی طرف سے نہ بھی ہو تو مرد کی طرف سے نہیں]

اسی طرح اگر کوئی شخص اس عورت کو چھین کر اپنے ساتھ لے جائے۔ حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ اس کے لئے نفقہ ہوگا لیکن فتویٰ پہلی بات پر ہے کیونکہ احتباس کا فوت ہونا مرد کی طرف سے نہیں کہ اسے تقدیراً باقی قرار دیا جائے اسی طرح اگر عورت اپنے محرم کے ساتھ حج کرے (تو یہی حکم ہے) کیونکہ احتباس کا فوت ہونا عورت کی طرف سے ہے۔ حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ اس کے لئے نفقہ ہوگا کیونکہ فرض کی ادائیگی (حج کرنا) عذر ہے لیکن مرد پر حالت اقامت کا نفقہ واجب ہوگا سفر کا نہیں کیونکہ عورت کو مرد سے اسی کا استحقاق حاصل ہے۔

اور اگر مرد اس کے ساتھ سفر کرے تو بالاتفاق نفقہ واجب ہوگا کیونکہ احتباس قائم ہے اس لئے کہ وہ اس کے ساتھ ہے البتہ حالت اقامت کا نفقہ واجب ہوگا سفر کا نہیں۔

اور کرایہ واجب نہیں ہوگا جیسا کہ ہم نے کہا (کہ اقامت کا نفقہ واجب ہے)

[اور اگر وہ خاوند کے گھر میں بیمار ہو جائے تو اس کے لئے نفقہ ہوگا] اور قیاس یہ ہے کہ اس کے لئے نفقہ نہ ہو جب بیماری ایسی ہو جو جماع میں رکاوٹ بنے کیونکہ نفع حاصل کرنے کے حق میں احتباس فوت ہو گیا۔ استحسان کی وجہ یہ ہے کہ احتباس قائم ہے کیونکہ خاوند اس سے مانوس ہو سکتا ہے اور اسے ہاتھ لگا سکتا ہے اور وہ اس کے گھر کی حفاظت کرتی

ہے اور رکاوٹ عارضی ہے لہٰذا وہ حیض کے مشابہ ہے۔

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ جب وہ اپنے نفس کو سپرد کر دے پھر بیمار ہو جائے تو نفقہ واجب ہو جائے گا کیونکہ سپرد کرنا پایا گیا۔

اور اگر بیمار ہونے کے بعد سپرد کرے تو نفقہ واجب نہیں ہوگا کیونکہ سپرد کرنا درست نہیں۔ فقہاء کرام فرماتے ہیں: یہ بات عمدہ ہے اور کتاب (مختصر القدوری) میں اس بات کی طرف اشارہ ہے۔

توضیح: یہاں ان چند صورتوں کا ذکر ہے جن میں عورت نفقہ کی مستحق ہوتی ہے اور چند وہ صورتیں جن میں نفقہ کی مستحق نہیں ہوتی۔ اور یہ بات پہلے بیان ہو چکی ہے کہ بیوی، مرد کے حق میں احتباس (یعنی پابند ہونے) کی وجہ سے نفقہ کی مستحق ہوتی ہے—— ان صورتوں میں بعض جگہ حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے اور بعض جگہ سب کا اتفاق ہے تفصیل اس طرح ہے:

(۱) عورت نے کسی کا قرض دینا تھا اور ادائیگی نہ کرنے کی وجہ سے اسے قید کر دیا گیا یا کوئی شخص اسے زبردستی بھگا کر لے گیا تو اس کے لئے نفقہ نہیں ہوگا کیونکہ احتباس نہ رہا جو نفقہ کا سبب ہے۔

کہا گیا کہ اس میں عورت مجبور ہے کیونکہ وہ عاجز ہے تو اس کا جواب دیا گیا کہ یہ ٹھیک ہے لیکن مرد تو قصوروار نہیں۔

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ اسے نفقہ دیا جائے گا (کیونکہ وہ عاجز ہے) دیگر ائمہ کی دلیل یہ ہے احتباس کا ختم ہونا مرد کی طرف سے نہیں کہ اسے تقدیراً باقی قرار دیا جائے فتویٰ اسی قول پر ہے (امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر نہیں)

(۲) عورت اپنے محرم کے ساتھ حج کرنے گئی تو بھی اس کو نفقہ نہیں ملے گا کیونکہ احتباس نہ رہا۔

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسے نفقہ ملے گا کیونکہ حج کی ادائیگی ایک فریضہ کی ادائیگی ہے لہٰذا یہ عذر ہے۔

البتہ مرد پر حالت اقامت کا نفقہ واجب ہوگا سفر کے اخراجات نہیں کیونکہ وہ حالت اقامت کے نفقہ کی مستحق ہے۔

(۳) اگر وہ خاوند کے ہمراہ سفر کرے تو سب کا اتفاق ہے کہ اسے نفقہ ملے گا کیونکہ خاوند کے ساتھ ہونے کی وجہ سے احتباس باقی ہے البتہ سفر کا خرچہ نہیں ملے گا اقامت کا ملے گا کیونکہ اس کا استحقاق یہی ہے اسی لئے وہ کرائے کی بھی مستحق نہیں۔

(۴) اگر عورت اپنے خاوند کے گھر میں ایسی بیماری کے ساتھ بیمار ہو جائے جس کی وجہ سے اس سے جماع نہیں ہو سکتا تو استحسان یہ ہے کہ وہ نفقہ کی مستحق ہے کیونکہ احتباس قائم ہے وہ اس سے مانوس ہو سکتا ہے، ہاتھ لگا سکتا ہے اور وہ گھر کی حفاظت کرتی ہے وغیرہ وغیرہ۔

اگرچہ قیاس یہ ہے کہ وہ نفقہ کی مستحق نہ ہو کیونکہ وہ اس سے اپنی شہوت کو پورا نہیں کر سکتا۔

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اگر وہ اپنے آپ کو مرد کے سپرد کر دے پھر بیمار ہو جائے تو سپردگی کی وجہ سے وہ نفقہ کی مستحق ہوگی۔
اور اگر بیمار ہونے کے بعد سپرد کرے تو نفقہ واجب نہیں ہوگا کیونکہ یہ سونپنا صحیح نہیں۔ فقہاء کرام نے اس قول کو حسن قرار دیا ہے۔
اور متن (مختصر القدوری) میں بھی اس طرف اشارہ پایا جاتا ہے یعنی جب کہا کہ ''اگر وہ خاوند کے گھر میں بیمار ہو'' کیونکہ اس سے یہ بات سمجھی جاتی ہے کہ عورت نے اپنے آپ کو خاوند کے گھر اس کے سپرد کیا پھر وہ بیمار ہوگئی۔ ◆

بیوی کے خادم کا خرچہ

(۲۱۸) : قَالَ: [وَيُفْرَضُ عَلَى الزَّوْجِ النَّفَقَةُ إِذَا كَانَ مُوسِرًا وَنَفَقَةُ خَادِمِهَا] اَلْمُرَادُ بِهٰذَا بَيَانُ نَفَقَةِ الْخَادِمِ، وَلِهٰذَا ذُكِرَ فِيْ بَعْضِ النُّسَخِ: وَتُفْرَضُ عَلَى الزَّوْجِ إِذَا كَانَ مُوسِرًا نَفَقَةُ خَادِمِهَا.

وَوَجْهُهُ اَنَّ كِفَايَتَهَا وَاجِبَةٌ عَلَيْهِ، وَهٰذَا مِنْ تَمَامِهَا إِذْ لَا بُدَّ لَهَا مِنْهُ [وَلَا يُفْرَضُ لِاَكْثَرَ مِنْ نَفَقَةِ خَادِمٍ وَاحِدٍ] وَهٰذَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ.

وَقَالَ اَبُو يُوسُفَ: تُفْرَضُ لِخَادِمَيْنِ لِاَنَّهَا تَحْتَاجُ اِلٰى اَحَدِهِمَا لِمَصَالِحِ الدَّاخِلِ وَاِلَى الْاٰخَرِ لِمَصَالِحِ الْخَارِجِ.

وَلَهُمَا اَنَّ الْوَاحِدَ يَقُومُ بِالْاَمْرَيْنِ فَلَا ضَرُوْرَةَ اِلَى اثْنَيْنِ، وَلِاَنَّهُ لَوْ تَوَلّٰى كِفَايَتَهَا بِنَفْسِهٖ كَانَ كَافِيًا. فَكَذَا اِذَا اَقَامَ الْوَاحِدُ مَقَامَ نَفْسِهٖ، وَقَالُوْا: اِنَّ الزَّوْجَ الْمُوسِرَ يَلْزَمُهُ مِنْ نَفَقَةِ الْخَادِمِ مَا يَلْزَمُ الْمُعْسِرُ مِنْ نَفَقَةِ امْرَاَتِهٖ وَهُوَ اَدْنَى الْكِفَايَةِ.

وَقَوْلُهُ فِي الْكِتَابِ اِذَا كَانَ مُوسِرًا اِشَارَةٌ اِلٰى اَنَّهُ لَا تَجِبُ نَفَقَةُ الْخَادِمِ عِنْدَ اِعْسَارِهٖ وَهُوَ رِوَايَةُ الْحَسَنِ عَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ. وَهُوَ الْاَصَحُّ خِلَافًا لِمَا قَالَهُ مُحَمَّدٌ لِاَنَّ الْوَاجِبَ عَلَى الْمُعْسِرِ اَدْنَى الْكِفَايَةِ وَهِيَ قَدْ تَكْتَفِيْ بِخِدْمَةِ نَفْسِهَا.

ترجمہ: امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ [اگر خاوند خوشحال ہو تو اس پر بیوی اور اس کے خادم کا بھی خرچہ لازم ہوگا]۔
اس بیان سے مراد خادم کے نفقہ کا بیان ہے اسی لئے بعض نسخوں میں اس طرح ذکر کیا گیا ''خاوند اگر خوشحال ہو تو اس پر اس کے خادم کا نفقہ بھی لازم ہے۔''

◆ عینی شرح ہدایہ، جلد: ۲، ص: ۴۶۳

اس کی وجہ یہ ہے کہ مرد پر عورت کی کفایت واجب ہے اور اس میں خادم کا خرچہ بھی شامل ہے کیونکہ وہ اس کے لئے ضروری ہے۔

[اور ایک خادم سے زیادہ کا نفقہ لازم نہیں]۔ اور یہ حضرت امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک ہے۔ حضرت امام ابویوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: دو خادموں کا خرچہ لازم ہے کیونکہ وہ ان میں سے ایک کی گھر کے کام کاج کے لئے اور دوسرے کی گھر کے باہر کاموں کے لئے محتاج ہے۔

طرفین کی دلیل یہ ہے کہ ایک آدمی دونوں کام کر سکتا ہے لہٰذا دو کی ضرورت نہیں ہے اور اس لئے بھی کہ وہ (خاوند) خود عورت کے (کام کاج) کے لئے کافی ہے اسی طرح اگر وہ اپنی جگہ ایک خادم مقرر کر دے (تو کافی ہے)

علماء کرام فرماتے ہیں کہ خوشحال خاوند پر خادم کا نفقہ اس قدر لازم ہے جتنا تنگ دست پر بیوی کا نفقہ لازم ہے اور وہ کم از کم کفایت ہے۔

اور کتاب (مختصر القدوری) میں یہ لفظ کہ جب خوشحال ہو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تنگ دستی کی حالت میں خادم کا نفقہ واجب نہیں۔ حضرت امام حسن رحمہ اللہ نے حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے اسی طرح روایت کیا ہے یہی زیادہ صحیح ہے۔

لیکن حضرت امام محمد رحمہ اللہ کا اس میں اختلاف ہے کیونکہ تنگدست پر کم از کم اتنا لازم ہے جو کافی ہو اور عورت بعض اوقات اپنی خدمت کے لئے کفایت کرتی ہے۔

توضیح: چونکہ بعض اوقات گھر کا کام کاج زیادہ ہوتا ہے اور مرد کی مالی حالت اچھی ہونے کی وجہ سے وہ بیوی کی معاونت کے لئے خادم رکھ سکتا ہے لہٰذا خاوند کی ذمہ داری ہے کہ وہ بیوی کے نفقہ کے ساتھ ساتھ خادم کا نفقہ بھی دے۔

اس کی وجہ یہ بیان کی گئی کہ مرد پر عورت کا نفقہ اس قدر واجب ہے جو اسے کفایت کرے اور اس کفایت میں خادم بھی آتا ہے لہٰذا خادم کا نفقہ اس پر واجب ہوگا اور چونکہ ایک خادم کافی ہوتا ہے لہٰذا اس پر ایک ہی خادم کا نفقہ لازم ہوگا۔

یہ حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام محمد رحمہما اللہ کا موقف ہے جبکہ حضرت امام ابویوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس پر دو خادموں کا نفقہ لازم ہوگا کیونکہ دو خادموں کی ضرورت ہے ایک گھریلو کاموں کے لئے اور دوسرا بیرونی امور کے لئے،

طرفین کی دلیل یہ ہے کہ جب ایک خادم تمام کام کر سکتا ہے اور خود خاوند بھی اس کا ہاتھ بٹا سکتا ہے تو دو کی ضرورت نہیں۔

نیز یہ نفقہ اتنی مقدار میں ہوگا جس قدر تنگ دست خاوند پر اس کی بیوی کا نفقہ لازم ہوتا ہے اور وہ کم از کم اتنا ہو جو اس کو کافی ہو۔

امام قدوری رحمہ اللہ نے خادم کا نفقہ ذکر کرتے ہوئے یہ قید ذکر فرمائی کہ خاوند خوشحال ہو اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تنگدست خاوند پر بیوی کے خادم کا نفقہ واجب نہیں ہے۔

حضرت امام حسن بن زیاد رضی اللہ عنہ نے حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے یہی بات نقل کی ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے کیونکہ تنگدست پر اولیٰ کفایت لازم ہے اور عورت اپنے کام خود بھی کر سکتی ہے۔

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اس سے اختلاف کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: اگر خاوند تنگدست ہو اور اس کے ہاں خادم ہو تو اس کا نفقہ واجب ہوگا اور اگر نہ ہو تو واجب نہیں ہوگا۔ ◆

تنگدست شخص کی بیوی کا خرچہ اس کے ذمہ قرض ہوگا

(۲۱۹): [وَمَنْ اَعْسَرَ بِنَفَقَةِ امْرَاَتِهٖ لَمْ يُفَرَّقْ بَيْنَهُمَا وَيُقَالُ لَهَا اسْتَدِيْنِيْ عَلَيْهِ] وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: يُفَرَّقُ، لِاَنَّهٗ عَجَزَ عَنِ الْاِمْسَاكِ بِالْمَعْرُوْفِ فَيَنُوْبُ الْقَاضِيْ مَنَابَهٗ فِي التَّفْرِيْقِ كَمَا فِي الْجَبِّ وَالْعُنَّةِ، بَلْ اَوْلٰى لِاَنَّ الْحَاجَةَ اِلَى النَّفَقَةِ اَقْوٰى.

وَلَنَا اَنَّ حَقَّهٗ يَبْطُلُ وَحَقَّهَا يَتَاَخَّرُ، وَالْاَوَّلُ اَقْوٰى فِي الضَّرَرِ، وَهٰذَا لِاَنَّ النَّفَقَةَ تَصِيْرُ دَيْنًا بِفَرْضِ الْقَاضِيْ فَتَسْتَوْفِي الزَّمَانَ الثَّانِيْ، وَفَوْتُ الْمَالِ وَهُوَ تَابِعٌ فِي النِّكَاحِ لَا يَلْحَقُ بِمَا هُوَ الْمَقْصُوْدُ وَهُوَ التَّنَاسُلُ.

وَفَائِدَةُ الْاَمْرِ بِالْاِسْتِدَانَةِ مَعَ الْفَرْضِ اَنْ يُمَكِّنَهَا اِحَالَةَ الْغَرِيْمِ عَلَى الزَّوْجِ، فَاَمَّا اِذَا كَانَتِ الْاِسْتِدَانَةُ بِغَيْرِ اَمْرِ الْقَاضِيْ كَانَتِ الْمُطَالَبَةُ عَلَيْهَا دُوْنَ الزَّوْجِ.

[وَاِذَا قَضَى الْقَاضِيْ لَهَا بِنَفَقَةِ الْاِعْسَارِ ثُمَّ اَيْسَرَ فَخَاصَمَتْهُ تَمَّمَ لَهَا نَفَقَةَ الْمُوْسِرِ] لِاَنَّ النَّفَقَةَ تَخْتَلِفُ بِحَسَبِ الْيَسَارِ وَالْاِعْسَارِ، وَمَا قَضٰى بِهٖ تَقْدِيْرٌ لِنَفَقَةٍ لَمْ تَجِبْ، فَاِذَا تَبَدَّلَ حَالُهٗ فَلَهَا الْمُطَالَبَةُ بِتَمَامِ حَقِّهَا.

ترجمہ: [اور جو شخص اپنی بیوی کا نفقہ ادا کرنے سے تنگدست ہو تو ان دونوں کے درمیان تفریق نہ کی جائے اور عورت سے کہا جائے کہ اس (یعنی خاوند) کے نام پر قرض حاصل کرو]

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ان کے درمیان تفریق کی جائے کیونکہ وہ عورت کو اچھے طریقے سے رکھنے سے عاجز ہے لہٰذا قاضی تفریق کرنے میں اس کے قائم مقام ہوگا جس طرح اس شخص کے حق میں ہوتا ہے جس کا عضو مخصوص کٹا ہوا ہو اور جو نامرد ہو بلکہ یہ اولیٰ ہے کیونکہ نفقہ کی حاجت زیادہ قوی ہوتی ہے۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ (تفریق سے) مرد کا حق باطل ہو جاتا ہے اور عورت کا مؤخر ہوتا ہے اور ضرر کے اعتبار سے پہلا زیادہ قوی ہے۔ اور یہ اس لئے کہ نفقہ قاضی کے لازم کرنے سے قرض ہو جاتا ہے جسے دوسرے وقت میں وصول کیا جا سکتا ہے اور نکاح میں مال کا فوت ہونا تابع ہے اسے مقصود کے ساتھ نہیں ملایا جا سکتا ہے اور وہ (مقصود) نسل بڑھانا ہے اور قاضی کے لازم کرنے کے ساتھ قرض لینے کے حکم کا فائدہ یہ ہے کہ قرض خواہ کو خاوند کی طرف پھیرا جا سکتا ہے اور اگر

◆ عینی شرح ہدایہ، جلد: ۲، ص: ۶۵۴

قاضی کے حکم کے بغیر قرض حاصل کیا جائے تو مطالبہ عورت سے ہوگا خاوند سے نہیں۔

[اور جب قاضی عورت کے لئے (مرد کی) تنگدستی کے اعتبار سے نفقہ لازم کرے پھر وہ کشادہ حال ہو جائے اور عورت اس سے جھگڑا کرے تو قاضی اس کے لئے خوشحال خاوند کے حساب سے نفقہ پورا کرنے کا حکم دے]۔

کیونکہ نفقہ خوشحالی اور تنگدستی کے حساب سے مختلف ہوتا ہے اور قاضی نے جو فیصلہ کیا وہ اس نفقہ کا اندازہ ہے جو ابھی واجب نہیں ہوا اور جب اس کی حالت بدل گئی تو اس کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے حق کی تکمیل کا مطالبہ کرے۔

توضیح: بیوی کے نفقہ، لباس اور رہائش کے حوالے سے تفصیلی مسائل کا بیان ہو چکا ہے اب ایک اہم مسئلہ کا ذکر ہے کہ جب مرد اپنی بیوی کو خرچہ دینے کے قابل نہ ہو تو کیا کیا جائے؟

احناف کے نزدیک قاضی اس عورت کو حکم دے کہ وہ مرد کے نام پر قرض حاصل کر کے اپنی ضروریات پوری کرے۔

اس سلسلے میں قاضی کا حکم ضروری ہے تا کہ قرض خواہ عورت کی بجائے اس کے خاوند سے مطالبہ کرے اگر قاضی کے حکم کے بغیر عورت قرض لے گی تو اسے خود ادا کرنا ہوگا۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ایسی صورت میں قاضی ان کے درمیان تفریق کر دے اب قاضی اس عورت کے خاوند کے قائم مقام ہوگا جس طرح مرد کا عضو مخصوص کٹا ہوا ہو یا وہ نامرد ہو تو قاضی مرد کے قائم مقام ہو کر تفریق کرتا ہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نفقہ کی عدم ادائیگی کی وجہ سے تفریق کو زیادہ اہم قرار دیتے ہیں کیونکہ نفقہ کی حاجت زیادہ ہوتی ہے۔

احناف کی طرف سے یہ جواب دیا گیا کہ تفریق کی وجہ سے مرد کا حق باطل ہوتا ہے جبکہ عورت کا حق باطل نہیں مؤخر ہوتا ہے کیونکہ قاضی کے حکم سے قرض لیا جا سکتا ہے اور دوسرے وقت میں ادائیگی ہو جاتی ہے نیز نکاح کا مقصود نسل بڑھانا ہے اور مال اس کے تابع ہے اس لئے مال کو اس کے ساتھ ملایا نہیں جا سکتا ہے۔

ایک اور مسئلہ یہ ہے کہ جب خاوند تنگ دست ہو اور مرد پر اس اعتبار سے نفقہ واجب کر دیا گیا پھر وہ خوشحال ہو جائے تو اس کی حیثیت کے مطابق نفقہ مکمل کیا جائے اگر عورت اس کا مطالبہ کرے اس کی وجہ یہ ہے کہ مرد کی خوشحالی اور تنگدستی کے اعتبار سے نفقہ بدلتا رہتا ہے اور چونکہ نفقہ یومیہ واجب ہوتا ہے ایک ہی دفعہ واجب نہیں ہوتا اور قاضی نے جس نفقہ کا ابھی فیصلہ کیا یہ اس وقت کے لئے مقرر ہو رہا ہے جو ابھی واجب ہی نہیں ہوا کیونکہ ابھی خوشحالی کے دن نہیں آئے اس لئے جب اس کی مالی حالت بدل جائے تو اب اس حساب سے نفقہ مکمل کرنا ہوگا۔

اگر کچھ عرصہ خاوند نے نفقہ نہ دیا تو کیا حکم ہوگا؟

(۲۲۰) : [وَإِذَا مَضَتْ مُدَّةٌ لَّمْ يُنْفِقِ الزَّوْجُ عَلَيْهَا وَطَالَبَتْهُ بِذٰلِكَ فَلَا شَيْئَ لَهَا إِلَّا أَنْ يَّكُوْنَ الْقَاضِيْ فَرَضَ لَهَا النَّفَقَةَ أَوْ صَالَحَتِ الزَّوْجَ عَلٰى مِقْدَارٍ فِيْهَا فَيَقْضِيْ لَهَا بِنَفَقَةِ مَا

مَضٰی] لِاَنَّ النَّفَقَةَ صِلَةٌ وَّلَيْسَتْ بِعِوَضٍ عِنْدَنَا عَلٰى مَا مَرَّ مِنْ قَبْلُ فَلَا يُسْتَحْكَمُ الْوُجُوْبُ فِيْهَا اِلَّا بِالْقَضَاءِ كَالْهِبَةِ لَا تُوْجِبُ الْمِلْكَ اِلَّا بِمُؤَكِّدٍ وَهُوَ الْقَبْضُ وَالصُّلْحُ بِمَنْزِلَةِ الْقَضَاءِ لِاَنَّ وِلَايَتَهُ عَلٰى نَفْسِهٖ اَقْوٰى مِنْ وِلَايَةِ الْقَاضِيْ، بِخِلَافِ الْمَهْرِ لِاَنَّهٗ عِوَضٌ.

(وَاِنْ مَاتَ الزَّوْجُ بَعْدَمَا قَضٰى عَلَيْهِ بِالنَّفَقَةِ وَمَضٰى شُهُوْرٌ سَقَطَتِ النَّفَقَةُ) وَكَذَا اِذَا مَاتَتِ الزَّوْجَةُ لِاَنَّ النَّفَقَةَ صِلَةٌ وَّالصِّلَاتُ تَسْقُطُ بِالْمَوْتِ كَالْهِبَةِ تَبْطُلُ بِالْمَوْتِ قَبْلَ الْقَبْضِ.

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَصِيْرُ دَيْنًا قَبْلَ الْقَضَاءِ وَلَا تَسْقُطُ بِالْمَوْتِ لِاَنَّهٗ عِوَضٌ عِنْدَهٗ فَصَارَ كَسَائِرِ الدُّيُوْنِ، وَجَوَابُهٗ قَدْ بَيَّنَّاهُ.

ترجمہ: [اور جب کچھ مدت گزر جائے اور خاوند، اپنی بیوی پر خرچ نہ کرے اور عورت اس کا مطالبہ کرے تو عورت کے لئے کچھ نہیں ہوگا مگر یہ کہ قاضی اس کے لئے نفقہ لازم کرے یا وہ مرد کے ساتھ کسی مقدار پر مصالحت کرے تو قاضی گزشتہ نفقہ کا فیصلہ کرے) کیونکہ نفقہ صلہ کی حیثیت رکھتا ہے عوض نہیں یہ ہمارے نزدیک ہے جیسا کہ پہلے گزر گیا (عوض مہر ہے نفقہ نہیں]

لہٰذا اس میں وجوب قاضی کے فیصلہ کے بغیر مستحکم نہیں ہوگا جس طرح ہبہ کا حکم ہے کہ وہ ملک کو واجب نہیں کرتا مگر یہ کہ کوئی تاکید پائی جائے اور وہ (تاکید) قبضہ ہے اور (ان کے درمیان مصالحت) فیصلے کی طرح ہے۔

کیونکہ مرد کی اپنی ذات پر ولایت قاضی کی اس پر ولایت سے زیادہ مضبوط ہے بخلاف مہر کہ وہ عوض ہے۔

[اگر مرد نفقہ کے اس کے ذمہ ہونے کے فیصلے کے بعد فوت ہو جائے اور کچھ مہینے گزر گئے تو نفقہ ساقط ہو جائے گا]۔

اسی طرح اگر عورت فوت ہو جائے کیونکہ نفقہ صلہ ہے اور صلے موت کی وجہ سے ساقط ہو جاتے ہیں جس طرح قبضہ سے پہلے موت کی وجہ سے (صلہ) باطل ہو جاتا ہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وہ نفقہ مرد کے ذمہ قاضی کے فیصلے سے پہلے قرض ہو جائے گا اور موت کی وجہ سے ساقط نہیں ہوگا کیونکہ ان کے نزدیک یہ عوض ہے پس یہ باقی قرضوں کی طرح ہوگا اور اس کا جواب بیان ہو چکا ہے (کہ یہ عوض نہیں بلکہ صلہ ہے)

توضیح: اگر مرد نے کچھ عرصہ عورت کو نفقہ نہ دیا تو کیا حکم ہوگا اس حوالے سے احناف اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان اختلاف ہے اور اس اختلاف کی وجہ یہ کہ احناف کے نزدیک عورت کا نفقہ عوض نہیں اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ عوض ہے۔

احناف کے نزدیک گزشتہ عرصہ کا نفقہ عورت کا استحقاق نہیں رہا البتہ دو صورتوں میں وہ لے سکتی ہے:

پہلی صورت یہ کہ قاضی اس کے لئے نفقہ مقرر کرے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ عورت نفقہ کی ایک مخصوص مقدار پر خاوند سے مصالحت کر لے تو قاضی گزشتہ ایام کے نفقہ کی ادائیگی کا حکم دے گا۔

اور باہم مصالحت بھی قاضی کے حکم کی طرح ہے بلکہ اس سے زیادہ مضبوط ہے کیونکہ خاوند کو اپنے نفس پر جو ولایت حاصل ہے وہ اس ولایت سے زیادہ قوی ہے جو قاضی کو اس پر حاصل ہے۔

احناف کے ہاں گزشتہ ایام کا نفقہ لازم نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ صلہ (عطیہ) ہے اور اس کا وجوب قاضی کے فیصلے سے مستحکم و مضبوط ہوتا ہے جیسے ہبہ سے ملک کا وجوب قبضہ سے ہوتا ہے۔ البتہ مہر عوض ہوتا ہے۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ عوض ہے لہٰذا قاضی کے فیصلے سے پہلے وہ مرد کے ذمہ قرض ہوگا۔

دوسرا مسئلہ:

یہ ہے کہ جب قاضی مرد پر نفقہ کا فیصلہ کر دے اور کئی ماہ گزر جائیں اور پھر خاوند یا بیوی فوت ہو جائے تو یہ ساقط ہو جائے گا کیونکہ یہ صلہ ہے اور صلات (عطیات) موت کی وجہ سے ساقط ہو جاتے ہیں جس طرح ہبہ پر قبضہ کرنے سے پہلے موہوب لہ فوت ہو جائے تو ہبہ ساقط ہو جائے گا۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک عورت سے نفقہ ساقط نہیں ہوتا کیونکہ وہ اسے عوض قرار دے کر تمام قرضوں کی طرح قرار دیتے ہیں جو موت سے ساقط نہیں ہوئے۔

بیوی کو پیشگی خرچ دینا پھر خاوند کا فوت ہو جانا

(۲۲۱) : [وَإِنْ اَسْلَفَهَا نَفَقَةَ السَّنَةِ] اَيْ عَجَّلَهَا [ثُمَّ مَاتَ لَمْ يُسْتَرْجَعْ مِنْهَا شَيْءٌ وَهٰذَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَاَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُمَا اللهُ تَعَالٰى. وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللهُ يُحْتَسَبُ لَهَا نَفَقَةُ مَا مَضٰى وَمَا بَقِيَ فَهُوَ لِلزَّوْجِ] وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰى. وَعَلٰى هٰذَا الْخِلَافِ الْكِسْوَةُ لِاَنَّهَا اسْتَعْجَلَتْ عِوَضًا عَمَّا تَسْتَحِقُّهُ عَلَيْهِ بِالْاِحْتِبَاسِ. وَقَدْ بَطَلَ الْاِسْتِحْقَاقُ بِالْمَوْتِ فَيَبْطُلُ الْعِوَضُ بِقَدْرِهٖ كَرِزْقِ الْقَاضِيْ وَعَطَاءِ الْمُقَاتِلَةِ.

وَلَهُمَا اَنَّهٗ صِلَةٌ وَقَدْ اتَّصَلَ بِهِ الْقَبْضُ وَلَا رُجُوْعَ فِي الصِّلَاتِ بَعْدَ الْمَوْتِ لِانْتِهَاءِ حُكْمِهَا كَمَا فِي الْهِبَةِ. وَلِهٰذَا لَوْ هَلَكَتْ مِنْ غَيْرِ اسْتِهْلَاكٍ لَا يُسْتَرَدُّ شَيْءٌ مِّنْهَا بِالْاِجْمَاعِ.

وَعَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللهُ اَنَّهَا اِذَا قَبَضَتْ نَفَقَةَ الشَّهْرِ اَوْ مَا دُوْنَهٗ لَا يُسْتَرْجَعُ مِنْهَا شَيْءٌ لِاَنَّهٗ يَسِيْرٌ فَصَارَ فِيْ حُكْمِ الْحَالِ.

ترجمہ: [اور اگر اس کو ایک سال کا نفقہ پہلے دے] یعنی جلدی دے پھر فوت ہو جائے تو اس سے کوئی چیز واپس نہ لی

جائے یہ حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک ہے اور حضرت امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جتنا وقت گزرا ہے اس کا حساب اس کے نفقہ کے طور پر کیا جائے اور باقی خاوند کا ہوگا]

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے، اور لباس کے بارے میں بھی یہی اختلاف ہے کیونکہ وہ عورت احتباس کی وجہ سے جس چیز کی مستحق ہوئی وہ اس نے جلدی وصول کر لی اور موت کی وجہ سے استحقاق باطل ہو گیا تو اس کی مقدار عوض بھی باطل ہو گیا جس طرح قاضی کا اعزازیہ اور مجاہدین کا عطیہ ہوتا ہے۔

شیخین کی دلیل یہ ہے کہ یہ صلہ ہے (عوض نہیں) اور اس کے ساتھ قبضہ متصل ہو گیا اور موت کے بعد عطیات (صلہ) واپس نہیں لیا جاتا کیونکہ اس کا حکم ختم ہو گیا جس طرح ہبہ کا مسئلہ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اگر وہ ہلاک کرنے کے بغیر خود ہلاک ہو جائے تو کوئی چیز واپس نہیں کی جائے گی اس پر اتفاق ہے۔

حضرت امام محمد رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ اگر وہ ایک ماہ یا اس سے کم کے نفقہ پر قبضہ کرے تو اس سے کچھ بھی نہ لیا جائے کیونکہ یہ تھوڑا ہے لہٰذا وہ حال کے حکم میں ہوگا۔

توضیح: بعض اوقات خاوند اپنی بیوی کو پیشگی خرچہ دے دیتا ہے پھر وہ فوت ہو جاتا ہے مثلاً ایک سال آئندہ کا خرچہ دیا اور چھ مہینے بعد فوت ہو گیا۔ تو کیا باقی چھ ماہ کا نفقہ عورت سے واپس لے کر مرد کے مال وراثت میں شامل کیا جائے یا وہ اسی کا ہو گیا۔

اس سلسلے میں حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام ابو یوسف رحمہما اللہ کا مؤقف یہ ہے کہ واپس نہ لیا جائے جبکہ حضرت امام محمد اور حضرت امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک واپس لیا جائے۔

اس اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ شیخین کے نزدیک بیوی کا نفقہ عطیہ ہے عوض نہیں اور عطیات واپس نہیں لئے جاتے اور خاص طور پر جب ان پر قبضہ کر لیا جائے۔

اور حضرت امام محمد اور حضرت امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک یہ عوض ہے یعنی عورت کی ملک جو مرد کو حاصل ہوئی اس کا عوض ہے لہٰذا جو زائد ہے وہ واپس کرنا ہوگا جس طرح قاضی اور دیگر سرکاری ملازمین کا حکم ہے۔

شیخین نے اپنے مؤقف پر یہ دلیل بھی دی کہ اگر وہ مال اپنے آپ ہلاک ہو تو واپس نہیں کیا جاتا اور اس پر سب کا اتفاق ہے لہٰذا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ عطیہ ہے۔ حضرت امام محمد رحمہ اللہ سے ایک اور قول منقول ہے جس کے مطابق وہ فرماتے ہیں کہ اگر ایک مہینے یا اس سے کم مدت کا نفقہ ہو تو واپس نہیں کیا جائے گا کیونکہ وہ کم ہے لہٰذا وہ موجودہ وقت کے نفقہ کی طرح ہوگا۔

غلام خاوند کی بیوی کا نفقہ

(۲۲۲) : [وَإِذَا تَزَوَّجَ الْعَبْدُ حُرَّةً فَنَفَقَتُهَا دَيْنٌ عَلَيْهِ يُبَاعُ فِيهَا] وَمَعْنَاهُ إِذَا تَزَوَّجَ بِإِذْنِ

الْمَوْلٰى لِاَنَّهٗ دَيْنٌ وَّجَبَ فِيْ ذِمَّتِهٖ لِوُجُوْدِ سَبَبِهٖ وَقَدْ ظَهَرَ وُجُوْبُهٗ فِيْ حَقِّ الْمَوْلٰى فَيَتَعَلَّقُ بِرَقَبَتِهٖ كَدَيْنِ التِّجَارَةِ فِي الْعَبْدِ التَّاجِرِ، وَلَهٗ اَنْ يَّفْدِيَ لِاَنَّ حَقَّهَا فِي النَّفَقَةِ لَا فِيْ عَيْنِ الرَّقَبَةِ. فَلَوْ مَاتَ الْعَبْدُ سَقَطَتْ، وَكَذَا اِذَا قُتِلَ فِي الصَّحِيْحِ لِاَنَّهٗ صِلَةٌ.

[وَاِنْ تَزَوَّجَ الْحُرُّ اَمَةً فَبَوَّاَهَا مَوْلَاهَا مَعَهٗ مَنْزِلًا فَعَلَيْهِ النَّفَقَةُ] لِاَنَّهٗ تَحَقَّقَ الِاحْتِبَاسُ [وَاِنْ لَمْ يُبَوِّئْهَا فَلَا نَفَقَةَ لَهَا] لِعَدَمِ الِاحْتِبَاسِ، وَالتَّبْوِئَةُ اَنْ يُّخَلِّيَ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗ فِيْ مَنْزِلِهٖ وَلَا يَسْتَخْدِمَهَا، وَلَوِ اسْتَخْدَمَهَا بَعْدَ التَّبْوِئَةِ سَقَطَتِ النَّفَقَةُ لِاَنَّهٗ فَاتَ الِاحْتِبَاسُ، وَالتَّبْوِئَةُ غَيْرُ لَازِمَةٍ عَلٰى مَا مَرَّ فِي النِّكَاحِ، وَلَوْ خَدَمَتْهُ الْجَارِيَةُ اَحْيَانًا مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّسْتَخْدِمَهَا لَا تَسْقُطُ النَّفَقَةُ لِاَنَّهٗ لَمْ يَسْتَخْدِمْهَا لِيَكُوْنَ اسْتِرْدَادًا. وَالْمُدَبَّرَةُ وَاُمُّ الْوَلَدِ فِيْ هٰذَا كَالْاَمَةِ.

وَاللّٰهُ تَعَالٰى اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

ترجمہ: [اور جب غلام کسی آزاد عورت سے نکاح کرے تو اس کا نفقہ اس غلام پر قرض ہوگا جس کے لئے اسے فروخت کیا جائے گا]

اس کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ اپنے آقا کی اجازت سے نکاح کرے کیونکہ یہ قرض ہے جو اس کے ذمے ہے کیونکہ اس کا سبب پایا گیا اور مولیٰ کے حق میں اس کا وجوب ظاہر ہو گیا ہے پس وہ اس غلام کی گردن (یعنی ذات سے متعلق ہو جائے گا جس طرح تاجر غلام کا تجارتی قرض (اس کے ذمے ہوتا ہے) اور آقا کے لئے جائز ہے کہ وہ اس کا فدیہ دے کیونکہ عورت کا حق نفقہ میں غلام کی ذات میں نہیں اور اگر غلام فوت ہو جائے تو نفقہ ساقط ہو جائے گا اسی طرح اگر قتل کیا جائے تو صحیح قول کے مطابق یہی حکم ہوگا کیونکہ یہ صلہ (عطیہ) ہے۔

[اور اگر آزاد مرد، لونڈی سے نکاح کرے اور آقا اس لونڈی کو اپنے ساتھ اپنے گھر میں ٹھکانہ دے تو نفقہ اس کے ذمے ہوگا] کیونکہ احتباس ثابت ہو گیا [اور اگر وہ اس کو ٹھکانہ نہ دے تو نفقہ نہیں ہوگا کیونکہ احتباس نہیں پایا گیا]

اور ٹھکانہ دینے کا مطلب یہ ہے کہ اس لونڈی اور اس کے خاوند کے درمیان اپنے گھر میں علیحدگی کے لئے جگہ دے اور خود اس سے خدمت نہ لے۔ اور اگر اسے ٹھکانہ دینے کے بعد اس سے خدمت لیتا ہے تو نفقہ ساقط ہو جائے گا کیونکہ احتباس نہ رہا۔

اور جیسا کہ کتاب النکاح میں گزر چکا ہے مالک پر ٹھکانہ دینا لازم نہیں۔

اور اگر لونڈی کبھی کبھی اس (مالک) کی خدمت کرے اور وہ اس سے خدمت نہ لے تو نفقہ ساقط نہیں ہوگا کیونکہ وہ اس سے خدمت نہیں لے رہا کہ اسے واپس لینا پایا جائے۔

مدبرہ اور اُمّ ولد اس مسئلہ میں عام لونڈی کی طرح ہیں اور اللہ تعالیٰ بہتر بات کو خوب جانتا ہے۔

توضیح:

نوٹ: اگر چہ آج کل غلامی کا دور نہیں لیکن معلومات کی حد تک ان مسائل کو جاننے میں کوئی حرج نہیں۔

مسئلہ زیر بحث یہ ہے کہ اگر غلام کسی آزاد عورت سے نکاح کرے تو اس عورت کا نفقہ غلام پر ہوگا یا اس کے آقا کے ذمے ہوگا۔ اس سلسلے میں دیکھنا یہ ہے کہ اس نے اپنے آقا کی اجازت سے نکاح کیا یا اس کی اجازت کے بغیر، اگر اس کی اجازت سے نکاح کیا ہے تو غلام کو فروخت کر کے عورت کو نفقہ دیا جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نکاح کی وجہ سے نفقہ غلام پر واجب ہوا اور وہ کسی چیز کا مالک نہیں لہٰذا یہ مالک کے ذمے ہو گیا کیونکہ اس کی اجازت سے نکاح ہوا ——

اب اگر مالک اپنی طرف سے نفقہ دے دیتا ہے تو غلام اسی کا رہے گا ورنہ اسے فروخت کر کے نفقہ دیا جائے گا۔

اور چونکہ نفقہ عطیہ ہوتا ہے لہٰذا اگر غلام فوت ہو جائے یا قتل ہو جائے تو نفقہ ساقط ہو جائے گا۔

دوسرا مسئلہ:

یہ ہے کہ آزاد مرد نے لونڈی سے نکاح کیا اب دو صورتیں ہیں لونڈی کے آقا نے اپنے گھر میں ان کو کوئی کمرہ بطور رہائش دیا اور لونڈی سے خدمت نہ لی تو احتباس خاوند کے حق میں ہونے کی وجہ سے خاوند کے ذمے نفقہ ہوگا اور اگر لونڈی کا مالک اس سے خدمت لیتا ہے تو نفقہ ساقط ہو جائے گا کیونکہ خاوند کے حق میں عورت کا احتباس نہ رہا۔ البتہ لونڈی کبھی کبھی مالک کی خدمت کرے تو خاوند کے حق میں احتباس باقی رہے گا اس سے نفقہ ساقط نہیں ہوگا عام لونڈی ہو یا مدبرہ (جسے مالک نے کہا میرے مرنے کے بعد تو آزاد ہے) یا اُمّ ولد (جس لونڈی کے ہاں اس کے آقا کی اولاد ہو) ان سب کا ایک ہی حکم ہے۔

نوٹ: لونڈی کے آقا پر لازم نہیں کہ وہ ان کو اپنے ہاں رہائش کے لئے جگہ دے۔

فصل:

رہائش فراہم کرنا

(۲۲۳) : [وَعَلَى الزَّوْجِ اَنْ يُسْكِنَهَا فِيْ دَارٍ مُفْرَدَةٍ لَيْسَ فِيْهَا اَحَدٌ مِنْ اَهْلِهٖ اِلَّا اَنْ تَخْتَارَ ذٰلِكَ] لِاَنَّ السُّكْنٰى مِنْ كِفَايَتِهَا فَتَجِبُ لَهَا كَالنَّفَقَةِ. وَقَدْ اَوْجَبَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى مَقْرُوْنًا بِالنَّفَقَةِ. وَاِذَا وَجَبَ حَقًّا لَهَا لَيْسَ لَهٗ اَنْ يُشْرِكَ غَيْرَهَا فِيْهِ لِاَنَّهَا تَتَضَرَّرُ بِهٖ. فَاِنَّهَا لَا تَأْمَنُ عَلٰى مَتَاعِهَا. وَيَمْنَعُهَا ذٰلِكَ مِنَ الْمُعَاشَرَةِ مَعَ زَوْجِهَا وَمِنَ الْاِسْتِمْتَاعِ. اِلَّا اَنْ تَخْتَارَ لِاَنَّهَا رَضِيَتْ بِانْتِقَاصِ حَقِّهَا [وَاِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ مِنْ غَيْرِهَا فَلَيْسَ لَهٗ اَنْ يُسْكِنَهٗ مَعَهَا] لِمَا بَيَّنَّا وَلَوْ اَسْكَنَهَا فِيْ بَيْتٍ مِنَ الدَّارِ مُفْرَدٍ وَلَهٗ غَلْقٌ كَفَاهَا لِاَنَّ الْمَقْصُوْدَ قَدْ حَصَلَ.

[وَلَهٗ اَنْ يَمْنَعَ وَالِدَيْهَا وَوَلَدَهَا مِنْ غَيْرِهٖ وَاَهْلَهَا مِنَ الدُّخُوْلِ عَلَيْهَا] لِاَنَّ الْمَنْزِلَ مِلْكُهٗ فَلَهٗ حَقُّ الْمَنْعِ مِنْ دُخُوْلِ مِلْكِهٖ [وَلَا يَمْنَعُهُمْ مِنَ النَّظَرِ اِلَيْهَا وَكَلَامِهَا فِيْ اَيِّ وَقْتٍ اخْتَارُوْا] لِمَا فِيْهِ مِنْ قَطِيْعَةِ الرَّحِمِ. وَلَيْسَ لَهٗ فِيْ ذٰلِكَ ضَرَرٌ. وَقِيْلَ: لَا يَمْنَعُهَا مِنَ الدُّخُوْلِ وَالْكَلَامِ وَاِنَّمَا يَمْنَعُهُمْ مِنَ الْقَرَارِ وَالدَّوَامِ لِاَنَّ الْفِتْنَةَ فِي اللَّبَاثِ وَتَطْوِيْلِ الْكَلَامِ. وَقِيْلَ: لَا يَمْنَعُهَا مِنَ الْخُرُوْجِ اِلَى الْوَالِدَيْنِ وَلَا يَمْنَعُهُمَا مِنَ الدُّخُوْلِ عَلَيْهَا فِيْ كُلِّ جُمُعَةٍ. وَفِيْ غَيْرِهِمَا مِنَ الْمَحَارِمِ التَّقْدِيْرُ بِسَنَةٍ وَهُوَ الصَّحِيْحُ.

ترجمہ: [اور خاوند پر لازم ہے کہ وہ اپنی بیوی کو الگ رہائش دے جس میں اس کے گھر والوں میں سے کوئی نہ ہو مگر یہ کہ عورت اس بات کو پسند کرے] کیونکہ رہائش کفایت میں سے ہے لہٰذا نفقہ کی طرح یہ بھی واجب ہے اور اللہ تعالیٰ نے نفقہ کے ساتھ ملا کر اسے واجب کیا۔

پس جب یہ عورت کے حق کے طور پر واجب ہے تو مرد کے لئے جائز نہیں کہ اس میں اس کے ساتھ کسی اور کو شریک کرے کیونکہ اس کی وجہ سے عورت کو ضرر پہنچتا ہے۔

اسے اپنے سامان پر امن نہیں ہوگا اور وہ اپنے خاوند کے ساتھ نہیں رہ سکے گی اور نہ ہی وہ اس سے (جنسی) نفع حاصل کر سکے گا۔ مگر یہ کہ عورت پسند کرے کیونکہ وہ اپنے حق میں کمی پر راضی ہو گئی۔

[اور اگر خاوند کا دوسری بیوی سے بیٹا ہو تو وہ اسے اس کے ساتھ ٹھہرانے کا حق نہیں رکھتا]
جیسا کہ ہم نے بیان کیا اور اگر وہ اسے حویلی کے کسی مکان میں الگ رکھے اور اس کے لئے الگ کنڈی (اور تالہ) ہو تو یہ اس کے لئے کافی ہے کیونکہ مقصود حاصل ہو گیا۔
[مرد کو حق حاصل ہے کہ وہ عورت کے والدین اور دوسرے خاوند سے اس کے بیٹے کو اس کے پاس آنے سے منع کرے] کیونکہ یہ گھر اس کی ملکیت ہے اور اسے اپنی ملک میں داخل ہونے سے منع کرنے کا حق ہے۔
[اور وہ ان کو اس عورت کو دیکھنے اور گفتگو سے منع نہ کرے وہ جس وقت چاہیں]
کیونکہ اس میں قطع رحم ہے اور اس سے مرد کو ضرر بھی نہیں پہنچتا ــــ یہ بھی کہا گیا کہ وہ ان کو اپنے گھر آنے اور گفتگو سے نہ روکے البتہ وہاں ٹھہرنے سے روکے کیونکہ وہاں رکنے اور طویل گفتگو سے فتنہ پیدا ہو سکتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ ہفتے میں ایک دن عورت کو ماں باپ کی طرف جانے سے نہ روکے اور نہ ہی والدین کو وہاں آنے سے روکے اور ان دونوں کے علاوہ اس کے مُحْرِمْ لوگوں کے لئے ایک سال مقرر ہے یہی صحیح ہے۔

توضیح: جب کوئی شخص شادی کرتا ہے تو میاں بیوی کے ذاتی تعلقات ہوتے ہیں جو دوسرے لوگوں سے پوشیدہ ہوتے ہیں اور عورت اپنا جہیز کا سامان لاتی ہے جو اس کی ملکیت ہوتی ہے اس لئے اپنی نجی زندگی کو خوشگوار بنانے اور اپنے سامان کو نقصان سے بچانے کے لئے ضروری ہے کہ مرد اسے الگ رہائش دے۔ قرآن پاک میں بھی عورت کے لئے نفقہ اور رہائش کا اکٹھا ذکر کیا ہے۔
لیکن چونکہ یہ عورت کا حق ہے اس لئے اگر عورت باقی گھر والوں کے ساتھ رہنا چاہے تو اکٹھے رہ سکتے ہیں۔
لیکن اس صورت میں بھی اس کے لئے الگ کمرہ ہونا چاہیئے تا کہ ان کی پرائیویٹ زندگی میں خلل نہ آئے اور یہ ایسا کمرہ ہو جس کو بند کر کے کنڈی لگائی جا سکے اگر اس شخص کی پہلی بیوی سے جوان لڑکا ہے تو اسے ساتھ رکھنا خطرناک اور گناہ کا موجب ہو سکتا ہے اسی طرح جوان دیور کا مسئلہ بھی ہے۔
اس کے علاوہ عورت کے ماں باپ اور رشتہ داروں کے آنے جانے کا مسئلہ ہے تو خاوند کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنے گھر میں آنے سے منع کرے خاص طور پر جب فتنے کا خطرہ ہو اور یہ مکان مرد کی ملکیت ہے لہٰذا اسے روکنے کا حق ہے ــــ
البتہ محض ملاقات اور گفتگو جو زیادہ طویل نہ ہو اس سے نہیں روک سکتا ہے کیونکہ اگر روکے گا یہ توصلہ رحمی کے خلاف ہے۔
صاحب ہدایہ نے ایک قول یوں نقل کیا کہ اس کے ماں باپ ہفتہ میں ایک دن اس سے ملاقات کے لئے آ سکتے ہیں باقی محرم رشتہ داروں کو سال میں ایک مرتبہ آنے کی اجازت دی جائے اسی کو صحیح قول قرار دیا۔
نوٹ: بعض اوقات مرد کے سسرال والے ان میاں بیوی کے درمیان لڑائی جھگڑے اور جدائی کا باعث بنتے ہیں لڑکی کی ماں اسے خاوند کے خلاف ابھارتی ہے اور کبھی وہ اچھائی کا راستہ دکھاتی ہے تو حالات کے مطابق خود فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ (۱۲ ہزاروی)

غیر موجود خاوند کی بیوی کا نفقہ

(۲۲۴): [وَاِذَا غَابَ الرَّجُلُ وَلَهُ مَالٌ فِيْ يَدِ رَجُلٍ يَعْتَرِفُ بِهِ وَبِالزَّوْجِيَّةِ فَرَضَ الْقَاضِيْ فِيْ ذٰلِكَ الْمَالِ نَفَقَةُ زَوْجَةِ الْغَائِبِ وَوَلَدِهِ الصِّغَارِ وَوَالِدَيْهِ وَكَذَا اِذَا عَلِمَ الْقَاضِيْ ذٰلِكَ وَلَمْ يَعْتَرِفْ بِهِ] لِاَنَّهُ لَمَّا اَقَرَّ بِالزَّوْجِيَّةِ الْوَدِيْعَةَ فَقَدْ اَقَرَّ اَنَّ حَقَّ الْاَخْذِ لَهَا؛ لِاَنَّ لَهَا اَنْ تَاْخُذَ مِنْ مَالِ الزَّوْجِ حَقَّهَا مِنْ غَيْرِ رِضَاهُ، وَاِقْرَارُ صَاحِبِ الْيَدِ مَقْبُوْلٌ فِيْ حَقِّ نَفْسِهٖ لَا سِيَّمَا هَاهُنَا فَاِنَّهُ لَوْ اَنْكَرَ اَحَدَ الْاَمْرَيْنِ لَا تُقْبَلُ بَيِّنَةُ الْمَرْاَةِ فِيْهِ لِاَنَّ الْمُوْدَعَ لَيْسَ بِخَصْمٍ فِيْ اِثْبَاتِ الزَّوْجِيَّةِ عَلَيْهِ وَلَا الْمَرْاَةُ خَصْمٌ فِيْ اِثْبَاتِ حُقُوْقِ الْغَائِبِ. وَاِذَا ثَبَتَ فِيْ حَقِّهٖ تَعَدّٰى اِلَى الْغَائِبِ. وَكَذَا اِذَا كَانَ الْمَالُ فِيْ يَدِهٖ مُضَارَبَةً. وَكَذَا الْجَوَابُ فِي الدَّيْنِ. وَهٰذَا كُلُّهُ اِذَا كَانَ الْمَالُ مِنْ جِنْسِ حَقِّهَا دَرَاهِمَ اَوْ دَنَانِيْرَ اَوْ طَعَامًا اَوْ كِسْوَةً مِنْ جِنْسِ حَقِّهَا. اَمَّا اِذَا كَانَ مِنْ خِلَافِ جِنْسِهٖ لَا تُفْرَضُ النَّفَقَةُ فِيْهِ لِاَنَّهُ يَحْتَاجُ اِلَى الْبَيْعِ. وَلَا يُبَاعُ مَالُ الْغَائِبِ بِالْاِتِّفَاقِ. اَمَّا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ فَلِاَنَّهُ لَا يُبَاعُ عَلَى الْحَاضِرِ وَكَذَا عَلَى الْغَائِبِ. وَاَمَّا عِنْدَهُمَا فَلِاَنَّهُ اِنْ كَانَ يَقْضِيْ عَلَى الْحَاضِرِ لِاَنَّهُ يَعْرِفُ امْتِنَاعَهُ لَا يَقْضِيْ عَلَى الْغَائِبِ لِاَنَّهُ لَا يَعْرِفُ امْتِنَاعَهُ.

قَالَ [وَيَاْخُذُ مِنْهَا كَفِيْلًا بِهَا] نَظَرًا لِلْغَائِبِ لِاَنَّهَا رُبَّمَا اسْتَوْفَتِ النَّفَقَةَ اَوْ طَلَّقَهَا الزَّوْجُ وَانْقَضَتْ عِدَّتُهَا فَرْقٌ بَيْنَ هٰذَا وَبَيْنَ الْمِيْرَاثِ اِذَا قُسِّمَ بَيْنَ وَرَثَةٍ حُضُوْرٍ بِالْبَيِّنَةِ وَلَمْ يَقُوْلُوْا: لَا نَعْلَمُ لَهُ وَارِثًا اٰخَرَ حَيْثُ لَا يُؤْخَذُ مِنْهُمُ الْكَفِيْلُ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ لِاَنَّ هُنَاكَ الْمَكْفُوْلَ لَهُ مَجْهُوْلٌ وَّهَاهُنَا مَعْلُوْمٌ وَّهُوَ الزَّوْجُ وَيُحَلِّفُهَا بِاللّٰهِ مَا اَعْطَاهَا النَّفَقَةَ نَظَرًا لِّلْغَائِبِ.

قَالَ [وَلَا يَقْضِيْ بِنَفَقَةٍ فِيْ مَالِ غَائِبٍ اِلَّا لِهٰؤُلَاءِ] وَوَجْهُ الْفَرْقِ هُوَ اَنَّ نَفَقَةَ هٰؤُلَاءِ وَاجِبَةٌ قَبْلَ قَضَاءِ الْقَاضِيْ وَلِهٰذَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّاْخُذُوْا قَبْلَ الْقَضَاءِ فَكَانَ قَضَاءُ الْقَاضِيْ اِعَانَةً لَهُمْ. اَمَّا غَيْرُهُمْ مِنَ الْمَحَارِمِ فَنَفَقَتُهُمْ اِنَّمَا تَجِبُ بِالْقَضَاءِ لِاَنَّهُ مُجْتَهَدٌ فِيْهِ. وَالْقَضَاءُ عَلَى الْغَائِبِ لَا يَجُوْزُ. وَلَوْ لَمْ يَعْلَمِ الْقَاضِيْ بِذٰلِكَ وَلَمْ يَكُنْ مُقِرًّا بِهٖ فَاَقَامَتِ الْبَيِّنَةَ عَلَى الزَّوْجِيَّةِ اَوْ لَمْ يُخَلِّفْ مَالًا فَاَقَامَتِ الْبَيِّنَةَ لِيَفْرِضَ الْقَاضِيْ نَفَقَتَهَا عَلَى الْغَائِبِ وَيَاْمُرَهَا بِالْاِسْتِدَانَةِ لَا يَقْضِي الْقَاضِيْ بِذٰلِكَ لِاَنَّ فِيْ ذٰلِكَ قَضَاءً عَلَى الْغَائِبِ

وَقَالَ زُفَرُ: يَقْضِيْ فِيْهِ لِاَنَّ فِيْهِ نَظَرًا لَهَا وَلَا ضَرَرَ فِيْهِ عَلَى الْغَائِبِ. فَاِنَّهُ لَوْ حَضَرَ وَصَدَّقَهَا فَقَدْ اَخَذَتْ حَقَّهَا، وَاِنْ جَحَدَ يَحْلِفُ. فَاِنْ نَكَلَ فَقَدْ صَدَقَ. وَاِنْ اَقَامَتْ بَيِّنَةً فَقَدْ ثَبَتَ حَقُّهَا، وَاِنْ عَجَزَتْ يَضْمَنُ الْكَفِيْلُ اَوِ الْمَرْاَةُ. وَعَمَلُ الْقُضَاةِ الْيَوْمَ عَلٰى هٰذَا اَنَّهُ يَقْضِيْ بِالنَّفَقَةِ عَلَى الْغَائِبِ لِحَاجَةِ النَّاسِ وَهُوَ مُجْتَهَدٌ فِيْهِ. وَفِيْ هٰذِهِ الْمَسْاَلَةِ اَقَاوِيْلُ مَرْجُوْعٌ عَنْهَا فَلَمْ يَذْكُرْهَا.

ترجمہ: [اور جب کوئی شخص غائب ہو اور اس کا مال کسی دوسرے شخص کے پاس ہو جو اس کا اعتراف کرتا ہو اور یہ بھی کہ فلاں عورت اس غائب شخص کی بیوی ہے تو قاضی اس مال میں اس غائب شخص کی بیوی، اس کی نابالغ اولاد اور اس کے ماں باپ کا نفقہ مقرر کرے اسی طرح اگر قاضی کو اس بات کا علم ہو اور وہ شخص (جس کے پاس مال ہے) اعتراف نہ کرے]

کیونکہ جب اس نے اقرار کیا کہ یہ اس شخص کی بیوی ہے اور اس کا مال اس کے پاس ہے تو اس نے اس بات کا اقرار کیا کہ اس عورت کو لینے کا حق ہے کیونکہ وہ اس بات کا حق رکھتی ہے کہ اپنے خاوند کے مال میں سے اس کی مرضی کے بغیر اپنا حق وصول کرے۔

اور امانت دار کا اقرار اس کی اپنی ذات کے حق میں مقبول ہے خاص طور پر اس جگہ، کیونکہ اگر دو باتوں میں سے ایک کا انکار کرے تو اس میں عورت کے گواہ قبول نہیں کئے جاتے کیونکہ امانت دار اس کی زوجیت کو ثابت کرنے میں فریق مخالف نہیں ہے اور نہ ہی عورت غائب کے حقوق ثابت کرنے میں فریق نہیں بن سکتی۔

اور جب امانت دار کے حق میں ثابت ہو جائے تو وہ اس غائب کی طرف متعدی ہوگا۔

اسی طرح جب مال اس کے پاس مضاربت کے طور پر ہو، قرض کا بھی یہی حکم ہے۔

اور یہ تمام باتیں اس صورت میں ہیں جب مال اس کے حق کی جنس سے ہو مثلاً درہم یا دینار یا غلہ یا کپڑے اس کے حق کی جنس سے ہوں۔

اور اگر اس کے حق کی جنس سے نہ ہو تو اس میں اس کا نفقہ مقرر نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ اسے فروخت کرنے کی حاجت ہوگی۔ اور اس پر اتفاق ہے کہ غائب کا مال فروخت نہیں کیا جا سکتا۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس لئے کہ حاضر کا مال فروخت نہیں کیا جا سکتا اسی طرح غائب کے مال کا حکم ہے اور صاحبین کے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ قاضی حاضر کا مال اس وقت فروخت کرتا ہے جب وہ جانتا ہے کہ یہ انکار کرے گا اور غائب کا مال اس لئے فروخت نہیں کر سکتا کہ اسے اس کے انکار کا علم نہیں۔

امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں [وہ اس عورت سے کوئی شخص ضامن لے] اس میں غائب پر شفقت ہے کیونکہ بعض اوقات عورت نفقہ لے چکی ہوتی ہے یا خاوند نے اسے طلاق دی اور اس کی عدت ختم ہو گئی ——

اس مسئلہ میں اور وراثت میں فرق ہے جب وراثت موجود وارثوں میں گواہی کے ساتھ تقسیم کی جائے اور وہ یہ بات نہ کہیں کہ ہم اس کے کسی اور وارث کو نہیں جانتے تو امام اعظم ﷫ کے نزدیک ضامن نہ لیا جائے کیونکہ یہاں جس کے لئے ضامن لیا جائے گا وہ مجہول ہے اور اس (نفقہ کے) مسئلہ میں معلوم ہے اور وہ خاوند ہے۔

قاضی اس عورت سے اللہ کے نام کی قسم لے کہ اس (مرد) نے اسے نفقہ نہیں دیا اس میں غائب شخص پر شفقت ہے۔

امام قدوری ﷫ فرماتے ہیں [اور غائب کے مال میں صرف ان (مذکورہ بالا) لوگوں کے نفقہ کا فیصلہ کیا جائے] فرق کی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں کا نفقہ قاضی کے فیصلے سے پہلے واجب ہے اسی لئے وہ قاضی کے فیصلے سے پہلے وصول کر سکتے ہیں لہٰذا قاضی کا فیصلہ ان کی مدد ہے ——

لیکن دوسرے محارم کا نفقہ قاضی کے فیصلے سے واجب ہوتا ہے کیونکہ یہ اجتہادی مسئلہ ہے اور غائب کے خلاف فیصلہ جائز نہیں ——

اور اگر قاضی کو اس کا علم نہ ہو اور امانت دار اس کا اقرار بھی نہ کرے اور عورت زوجیت پر گواہ قائم کرے یا خاوند نے مال نہ چھوڑا ہو اور وہ زوجیت پر گواہ قائم کرے تا کہ قاضی غائب (خاوند) پر نفقہ لازم کرے اور عورت کو قرض لینے کا حکم دے تو قاضی اس کا فیصلہ نہ کرے کیونکہ یہ غائب کے خلاف فیصلہ ہے۔

حضرت امام زفر ﷫ فرماتے ہیں:

اس میں فیصلہ کر سکتا ہے کیونکہ اس میں عورت پر شفقت ہے اور غائب کو نقصان نہیں کیونکہ اگر وہ حاضر ہوتا اور عورت کی تصدیق کرتا تو وہ اپنا حق لے لیتی اور اگر وہ انکار کرتا تو اسے قسم دی جاتی اور اگر قسم سے انکار کرتا تو اس کی تصدیق کی جاتی اور اگر عورت گواہ پیش کرے تو اس کا حق ثابت ہو جائے گا اور اگر (گواہ پیش کرنے سے عاجز ہو تو کفیل (ضامن) یا عورت پر چٹی آئے گی۔

اور آج کے دور میں قاضی کا فیصلہ اسی طرح ہوتا ہے کہ وہ غائب پر نفقہ کا فیصلہ کرتا ہے کیونکہ لوگوں کی حاجت ہے اور یہ اجتہادی مسئلہ ہے ——

اور اس سلسلے میں بعض اقوال سے رجوع کیا گیا پس ہم نے ان کو ذکر نہیں کیا۔

توضیح: بیوی کے نفقہ سے متعلق ایک اہم مسئلہ تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا وہ اس طرح کہ اگر عورت کا شوہر غائب ہو موجود نہ ہو اور اس مرد کا مال کسی آدمی کے پاس بطور امانت موجود ہو —— تو دیکھا جائے:

(الف) وہ شخص اس مال کا بھی اقرار کرتا ہے اور اس بات کا بھی کہ یہ عورت اس کی بیوی ہے تو قاضی اس مال میں اس غیر موجود شخص کی بیوی، نابالغ اولاد اور اس کے ماں باپ کا نفقہ مقرر کرے۔

(ب) اسی طرح اگر امانت دار انکار کرے لیکن قاضی کو علم ہو کہ اس غائب شخص کا مال اس کے پاس ہے تو بھی قاضی فیصلہ کر دے۔

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اس شخص نے اقرار کیا کہ یہ عورت اس کی بیوی ہے اور مال کا بھی اعتراف کیا تو

گویا اس نے اس بات کا اعتراف کیا کہ اس مال کے ساتھ عورت کا حق متعلق ہے کیونکہ عورت اپنا حق خاوند کے مال سے اس کی مرضی کے بغیر بھی لے سکتی ہے اور امانت کا اقرار اس کے اپنے حق میں مقبول ہوتا ہے خاص طور پر اس جگہ بدرجہ اولیٰ مقبول ہوگا (کیونکہ عورت کا نفقہ لازمی ہے)

(ج) اگر امانت دار دو باتوں میں سے ایک کا انکار کرے یعنی اس کی زوجیت یا امین ہونے کا انکار کرے تو عورت کے پیش کردہ گواہوں کی گواہی قبول نہیں ہوگی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر وہ زوجیت پر گواہ پیش کرے تو اس لئے قبول نہیں کہ امانت دار اس کا فریق مخالف نہیں کہ وہ غائب پر اس کی زوجیت ثابت کرے اور اگر وہ امانت کے ثبوت پر گواہ پیش کرے تو اس میں بھی وہ معنوی طور پر اس کا فریق مخالف نہیں اور غائب کے حقوق ثابت کرنا بھی عورت کا کام نہیں۔

لہٰذا جب امانت دار کے حق میں اس کا اقرار قبول ہوا تو اس کا اپنا حق ثابت ہوا پھر وہ غائب کی طرف متعدی ہو گیا۔

(د) اگر عورت کے خاوند نے اس شخص کو مضاربت کے لئے مال دیا ہو اور وہ اس کے پاس ہو تو وہ پہلے والا حکم ثابت ہو جائے گا یعنی قاضی عورت کے نفقہ کا فیصلہ کرے گا۔

اسی طرح اگر کوئی شخص عورت کے خاوند کا مقروض ہو اور عورت اسے قاضی کے پاس لے جائے اور وہ قرض اور عورت کی زوجیت کا اقرار کرے تو اس مال میں عورت کے نفقہ کا فیصلہ کیا جائے گا۔

نوٹ: مذکورہ بالا صورتوں میں نفقہ کا فیصلہ اس وقت ہوگا جب وہ مال نفقہ کی جنس سے ہو مثلاً روپیہ، پیسہ ہو، لباس ہو یا غلہ وغیرہ ہو اگر نفقہ کی جنس سے نہ ہو جیسے جانور یا سامان وغیرہ تو عورت کو فروخت کرنے کی ضرورت ہوگی لہٰذا اس میں قاضی فیصلہ نہ کرے کیونکہ غائب کا مال فروخت نہیں کیا جاتا اس پر اتفاق ہے البتہ دلائل میں اختلاف ہے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر کوئی شخص موجود ہو تو بھی قاضی اس کا مال فروخت نہیں کر سکتا کیونکہ فروخت کرنا اس پر پابندی لگانا ہے اور عاقل بالغ پر پابندی نہیں لگائی جا سکتی۔

صاحبین اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ اگرچہ موجود شخص کا مال فروخت کرنے کا فیصلہ ہو سکتا ہے کیونکہ اس کے انکار کا علم ہے لیکن غائب شخص کا انکار معروف نہیں لہٰذا اس کا مال فروخت کرنے کا فیصلہ نہیں ہو سکتا۔

(ہ) چونکہ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ عورت نے پہلے نفقہ وصول کر لیا ہو یا اسے طلاق ہو گئی اور عدت پوری ہو گئی اور وہ نفقہ کی مستحق نہ رہی ہو لہٰذا اس سے ضامن لیا جائے تاکہ مرد پر ظلم نہ ہو۔

سوال: اگر کوئی شخص فوت ہو جائے اور اس کی وراثت موجود وارثوں میں تقسیم کی جائے اور ان پر گواہ موجود ہوں اور وہ یہ نہ کہیں کہ ہمیں اس کے کسی اور وارث کا علم نہیں تو حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان وارثوں سے ضامن نہیں لیا جاتا تو نفقہ کی صورت میں ضامن کیوں لیا جاتا ہے۔

جواب: اس کی وجہ یہ ہے کہ وراثت کے مسئلہ میں جس کے لئے ضامن لیا جائے گا وہ مجہول ہے اور یہاں معلوم ہے اور وہ اس عورت کا خاوند ہے۔

نوٹ: عورت کو قسم بھی دی جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم کھائے کہ خاوند نے اسے نفقہ نہیں دیا کیونکہ مرد پر شفقت کا بھی تقاضا ہے۔

(و) امام قدوری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: غائب کے مال میں صرف ان ہی لوگوں کے لئے فیصلہ کیا جائے یعنی بیوی، نابالغ اولاد اور اس (غائب) کے ماں باپ ــــ

اس کی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں کا نفقہ قاضی کے فیصلہ کے بغیر اور اس سے پہلے بھی واجب ہوتا ہے اور قاضی کا فیصلہ ان کی مدد کے طور پر ہوتا ہے۔

اور دیگر لوگ جو اس کے محارم ہیں ان کا نفقہ قاضی کے فیصلے سے واجب ہوتا ہے کیونکہ یہ اجتہادی مسئلہ ہے کیونکہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ اولاد کے علاوہ کسی کو نفقہ دینے کے قائل نہیں ہیں اور اس صورت میں غائب کے خلاف فیصلہ جائز نہیں۔

(ر) اور اگر قاضی کو اس کی زوجیت کا علم نہ ہو اور امانت دار شخص بھی اس کا اقرار نہ کرے یا خاوند نے مال نہ چھوڑا ہو تو ان تمام صورتوں میں اگر عورت گواہ قائم کرے اور اس کا ارادہ یہ ہو کہ قاضی اس غائب پر نفقہ کا فیصلہ کرے اور عورت کو قرض لینے کا حکم دے تو قاضی یہ فیصلہ نہ کرے کیونکہ یہ غائب کے خلاف فیصلہ ہے اور یہ جائز نہیں اس سلسلے میں حضرت امام زفر رحمہ اللہ کا اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں: قاضی اس کی بات سنے اور خاوند کے مال میں اس کے لئے نفقہ کا فیصلہ کرے اور اگر مال نہ ہو تو قرض لینے کی اجازت دے کیونکہ اس میں عورت پر شفقت ہے اور خاوند کو ضرر نہیں کیونکہ اگر وہ موجود ہوتا اور عورت کی تصدیق کرتا تو وہ اپنا حق وصول کرتی اور اگر انکار کرتا تو اسے قسم دی جاتی اور اگر خاوند قسم سے انکار کرے تو اس نے عورت کی تصدیق کر دی۔

اور اگر عورت گواہ قائم کرے تو اس کا حق ثابت ہو جائے گا اور اگر (گواہ پیش کرنے سے) عاجز ہو تو ضامن یا عورت تاوان بھریں گے۔

امام قدوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: چونکہ یہ اجتہادی مسئلہ ہے اور لوگوں کی حاجت ہے لہٰذا اس دور میں امام زفر رحمہ اللہ کے قول پر عمل ہوگا۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں: اس مسئلہ میں کئی اور اقوال ہیں جن سے رجوع کیا گیا لہٰذا ان کو ذکر نہیں کیا۔

فصل:

طلاق یافتہ کا خرچہ اور رہائش

(۲۲۵): [وَإِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ فَلَهَا النَّفَقَةُ وَالسُّكْنٰى فِيْ عِدَّتِهَا رَجْعِيًّا كَانَ أَوْ بَائِنًا] وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: لَا نَفَقَةَ لِلْمَبْتُوتَةِ إِلَّا إِذَا كَانَتْ حَامِلًا. أَمَّا الرَّجْعِيُّ فَلِأَنَّ النِّكَاحَ بَعْدَهُ قَائِمٌ لَا سِيَّمَا عِنْدَنَا فَإِنَّهُ يَحِلُّ لَهُ الْوَطْيُ، وَأَمَّا الْبَائِنُ فَوَجْهُ قَوْلِهِ مَا رُوِيَ «عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ قَالَتْ: طَلَّقَنِيْ زَوْجِي ثَلَاثًا فَلَمْ يَفْرِضْ لِيْ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُكْنٰى وَلَا نَفَقَةً» وَلِأَنَّهُ لَا مِلْكَ لَهُ وَهِيَ مُرَتَّبَةٌ عَلَى الْمِلْكِ وَلِهٰذَا لَا تَجِبُ لِلْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا لِانْعِدَامِهِ. بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَتْ حَامِلًا لِأَنَّا عَرَفْنَاهُ بِالنَّصِّ وَهُوَ قَوْلُه تَعَالٰى: ﴿وَإِنْ كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ﴾ الْآيَةَ.

وَلَنَا أَنَّ النَّفَقَةَ جَزَاءُ احْتِبَاسٍ عَلٰى مَا ذَكَرْنَا. وَالِاحْتِبَاسُ قَائِمٌ فِيْ حَقِّ حُكْمٍ مَقْصُوْدٍ بِالنِّكَاحِ وَهُوَ الْوَلَدُ إِذِ الْعِدَّةُ وَاجِبَةٌ لِصِيَانَةِ الْوَلَدِ فَتَجِبُ النَّفَقَةُ وَلِهٰذَا كَانَ لَهَا السُّكْنٰى بِالْإِجْمَاعِ وَصَارَ كَمَا إِذَا كَانَتْ حَامِلًا.

وَحَدِيْثُ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ رَدَّهُ عُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَإِنَّهُ قَالَ: لَا نَدَعُ كِتَابَ رَبِّنَا وَسُنَّةَ نَبِيِّنَا بِقَوْلِ امْرَأَةٍ لَا نَدْرِيْ صَدَقَتْ أَمْ كَذَبَتْ حَفِظَتْ أَمْ نَسِيَتْ. سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: [لِلْمُطَلَّقَةِ الثَّلَاثِ النَّفَقَةُ وَالسُّكْنٰى مَا دَامَتْ فِي الْعِدَّةِ] وَرَدَّهُ أَيْضًا زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَأُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ وَجَابِرٌ وَعَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ.

ترجمہ: [اور جب کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دے تو اس کی عدت کے دوران اس کے لئے نفقہ بھی ہوگا اور رہائش بھی، رجعی طلاق ہو یا بائن]

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: طلاق بائن والی عورت کے لئے نفقہ نہیں ہوگا مگر یہ کہ وہ حاملہ ہو۔

طلاق رجعی کی صورت میں اس لئے کہ اس (طلاق) کے بعد بھی نکاح قائم ہوتا ہے خاص طور پر ہمارے (احناف

کے) نزدیک کیونکہ اس سے وطی کرنا جائز ہے ــــ

اور طلاق بائن کی صورت میں اس لئے لازم نہیں ہوتا کہ حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ میرے خاوند نے مجھے تین طلاقیں دیں تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لئے نفقہ اور رہائش مقرر نہ کی۔ ◆

دوسری دلیل یہ ہے کہ وہ اس کی ملک میں نہیں اور یہ احکام ملک پر مرتب ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ جس کا خاوند فوت ہو جائے اس کے لئے (نفقہ وغیرہ) واجب نہیں کیونکہ اس کی ملک نہیں ــــ بخلاف حاملہ عورت کے کیونکہ اس (کے نفقہ) کا علم ہمیں نص کے ذریعے ہوا۔ اور وہ ارشاد خداوندی ہے:

وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ ◆

ترجمہ: اور اگر وہ حمل والیاں ہوں تو ان پر خرچ کرو۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ نفقہ، احتباس کا بدلہ ہے جس طرح ہم نے ذکر کیا ہے اور احتباس اس حکم کے حق میں قائم ہے جو نکاح کا مقصود ہے اور وہ اولاد ہے اور عدت اولاد کی حفاظت کے لئے واجب ہوئی ہے لہٰذا نفقہ واجب ہوگا یہی وجہ ہے کہ اس (مطلقہ بائنہ) کے لئے رہائش واجب ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے اور یہ حاملہ کی طرح ہوگئی۔

اور حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا والی حدیث کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رد کیا اور فرمایا: ہم ایک عورت کے قول پر اپنے رب کی کتاب اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت چھوڑ نہیں سکتے ہمیں معلوم نہیں کہ اس نے سچ کہا یا جھوٹ اسے یاد رہا یا نہیں۔

میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا: لِلْمُطَلَّقَةِ الثَّلَاثِ النَّفَقَةُ وَالسُّكْنٰى مَا دَامَتْ فِي الْعِدَّةِ تین طلاقوں والی عورت کے لئے نفقہ بھی ہے اور رہائش بھی جب تک وہ عدت میں ہو۔ ◆

حضرت زید بن ثابت، حضرت اسامہ بن زید، حضرت جابر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم نے بھی اسے رد کیا۔

توضیح: مطلقہ عورت جب تک عدت میں ہو اس کا نفقہ اور رہائش طلاق دینے والے خاوند کے ذمہ ہوتی ہے طلاق رجعی، طلاق بائن اور طلاق مغلظہ سب کا یہی حکم ہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اس میں اختلاف ہے وہ صرف طلاق رجعی کی صورت میں عورت کے نفقہ کے قائل ہیں طلاق بائن یا تین طلاقوں کی صورت میں ان کے نزدیک مطلقہ عورت کو عدت کے دوران نفقہ نہیں دیا جائے گا البتہ حاملہ ہو تو اس کا نفقہ خاوند پر واجب ہوگا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل

وہ فرماتے ہیں: طلاق رجعی کی صورت میں اختتام عدت تک نکاح قائم ہوتا ہے اور خاص طور پر احناف کے نزدیک

◆ صحیح مسلم کتاب الطلاق، باب المطلقہ البائن لا نفقہ لها، حدیث: ۳۶۹۷ ◆ سورہ طلاق، آیت: ۶
◆ ترمذی کتاب الطلاق، باب ما جاء فی المطلقہ ثلاثا لا سکنی لها ولا نفقہ، حدیث: ۱۱۸۰

قائم ہوتا ہے۔ اسی لئے وہ اس سے وطی بھی کر سکتا ہے۔ (امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وطی نہیں کر سکتا رجوع بھی زبانی کرے گا) فرماتے ہیں: اس قیام نکاح کی وجہ سے وہ عدت کے دوران نفقہ کی مستحق ہوتی ہے۔

لیکن طلاق بائن یا طلاق مغلظہ میں نکاح باقی نہیں رہتا لہٰذا وہ اس کی ملک سے نکل گئی اور نفقہ کی بنیاد ملک ہے جب ملک نہیں تو نفقہ بھی نہیں۔

وہ تائید میں فرماتے ہیں کہ یہی وجہ ہے کہ بیوہ کے لئے نفقہ نہیں ہوتا کیونکہ ملک ختم ہو گئی۔

انہوں نے حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا والی حدیث سے بھی استدلال کیا کہ ان کے شوہر نے ان کو تین طلاقیں دیں تو حضور علیہ السلام نے ان کے لئے نفقہ مقرر نہیں فرمایا۔

اعتراض اور اس کا جواب

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ پر یہ اعتراض ہوا کہ آپ حاملہ کے لئے نفقہ کے قائل ہیں حالانکہ طلاق بائن کی صورت میں وہ بھی مرد کی ملک سے نکل گئی۔

وہ اس کا جواب یوں دیتے ہیں کہ حاملہ کا نفقہ قرآن مجید کی نص سے ثابت ہے۔ (آیت اور اس کا ترجمہ گزر چکا ہے)

احناف کی دلیل

احناف فرماتے ہیں: نفقہ احتباس کی جزا ہے اور عدت کے دوران عورت کا احتباس قائم رہتا ہے کیونکہ اگر وہ دوسری جگہ نکاح کرے تو بچے کے نسب میں خرابی پیدا ہو گی لہٰذا وہ بچے کی حفاظت کے لئے عدت گزارتی ہے اور یہ احتباس خاوند کے حق میں ہے لہٰذا اس پر نفقہ واجب ہے — یہی وجہ ہے کہ عدت کے دوران اس کے لئے رہائش کا انتظام مرد کے ذمہ ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے۔

لہٰذا یہ حاملہ کی طرح ہو گئی۔

حضرت فاطمہ بنت قیس والی حدیث کا حضرت عمر فاروق اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رد کیا۔ (تفصیل ترجمہ میں گزر چکی ہے) اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے وہ حدیث بھی ذکر فرمائی جس میں حضور علیہ السلام نے تین طلاقوں والی عورت کے لئے عدت کے دوران نفقہ اور رہائش کا حکم دیا۔ (حدیث مع ترجمہ گزر گئی ہے)

بیوہ عورت کے لئے نفقہ نہیں ہو گا

(۲۲۶): [وَلَا نَفَقَةَ لِلْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا] لِاَنَّ احْتِبَاسَهَا لَيْسَ لِحَقِّ الزَّوْجِ بَلْ لِحَقِّ الشَّرْعِ فَاِنَّ التَّرَبُّصَ عِبَادَةٌ مِّنْهَا.

اَلَا تَرٰى اَنَّ مَعْنَى التَّعَرُّفِ عَنْ بَرَاءَةِ الرَّحِمِ لَيْسَ بِمُرَاعًى فِيْهِ حَتّٰى لَا يُشْتَرَطَ فِيْهَا

الْحَيْضُ فَلَا تَجِبُ نَفَقَتُهَا عَلَيْهِ. وَلِأَنَّ النَّفَقَةَ تَجِبُ شَيْئًا فَشَيْئًا وَلَا مِلْكَ لَهُ بَعْدَ الْمَوْتِ فَلَا يُمْكِنُ إِيجَابُهَا فِي مِلْكِ الْوَرَثَةِ [وَكُلُّ فُرْقَةٍ جَاءَتْ مِنْ قِبَلِ الْمَرْأَةِ بِمَعْصِيَةٍ مِثْلَ الرِّدَّةِ وَتَقْبِيلِ ابْنِ الزَّوْجِ فَلَا نَفَقَةَ لَهَا] لِأَنَّهَا صَارَتْ حَابِسَةً نَفْسَهَا بِغَيْرِ حَقٍّ فَصَارَتْ كَمَا إِذَا كَانَتْ نَاشِزَةً. بِخِلَافِ الْمَهْرِ بَعْدَ الدُّخُولِ لِأَنَّهُ وُجِدَ التَّسْلِيمُ فِي حَقِّ الْمَهْرِ بِالْوَطْءِ. وَبِخِلَافِ مَا إِذَا جَاءَتْ الْفُرْقَةُ مِنْ قِبَلِهَا بِغَيْرِ مَعْصِيَةٍ كَخِيَارِ الْعِتْقِ وَخِيَارِ الْبُلُوغِ وَالتَّفْرِيقِ لِعَدَمِ الْكَفَاءَةِ لِأَنَّهَا حَبَسَتْ نَفْسَهَا بِحَقٍّ وَذٰلِكَ لَا يُسْقِطُ النَّفَقَةَ كَمَا إِذَا حَبَسَتْ نَفْسَهَا لِاسْتِيفَاءِ الْمَهْرِ.

ترجمہ: [اور بیوہ عورت کے لئے نفقہ نہیں ہے] کیونکہ اس کا احتباس (عدت) خاوند کے حق کے لئے نہیں بلکہ شریعت کے حق کے لئے ہے کیونکہ اس کا ٹھہرنا عبادت ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اس میں رحم کی برأت کی پہچان والے معنیٰ کی رعایت نہیں کی جاتی حتیٰ کہ اس میں حیض کی شرط بھی نہیں پس اس کا نفقہ اس (فوت شدہ خاوند) کے ذمہ نہیں ہوگا اور اس لئے بھی کہ نفقہ تھوڑا تھوڑا کر کے واجب ہوتا ہے اور موت کے بعد اس کی ملک باقی نہیں رہتی لہٰذا ورثاء کی ملک میں اس کو واجب کرنا ممکن نہیں [اور جو تفریق عورت کی جانب سے آئے کہ اس نے گناہ کا ارتکاب کیا جیسے مرتد ہونا (معاذ اللہ) یا خاوند کے (بالغ) بیٹے کا بوسہ لیتا تو اس عورت کے لئے نفقہ نہیں ہوگا]

کیونکہ وہ اپنے نفس کو کسی حق کے بغیر روکنے والی ہے تو یہ اس طرح ہو جائے گا جیسے نافرمان عورت ہوتی ہے۔

بخلاف مہر کے جو جماع کے بعد لازم ہوتا ہے تو وہ اس لئے ہے کہ وطی کے ذریعے مہر کے حق میں اپنے آپ کو سونپنا پایا گیا۔ اور بخلاف اس کے جب تفریق عورت کی طرف سے کسی گناہ کے بغیر ہو جیسے خیار عتق اور خیار بلوغ اور کفو نہ ہونے کی وجہ سے تفریق، کیونکہ اس نے حق کی وجہ سے اپنے نفس کو روکا اور اس وجہ سے نفقہ ساقط نہیں ہوتا جس طرح وہ مہر کی وصولی کے لئے اپنے نفس کو روکے۔

توضیح: یہاں تین مسائل بیان کئے گئے جو عورت کے نفقہ سے متعلق ہیں:

① بیوہ عورت کا نفقہ۔

② عورت کے گناہ کی وجہ سے تفریق کی صورت میں عدت کے دوران کا نفقہ۔

③ عورت کی وجہ سے تفریق ہو لیکن اس کا گناہ نہ ہو تو اس کی عدت کے دوران اس کا نفقہ۔

پہلی صورت میں یعنی جب عورت بیوہ ہو جائے تو اس کے لئے نفقہ نہیں ہوگا کیونکہ اس کا احتباس یعنی عدت گزارنا خاوند کے حق کی وجہ سے نہیں بلکہ شریعت کا حق ہے کیونکہ (چار مہینے دس دن کی) عدت اس کی طرف سے عبادت ہے۔

اس عدت کا مقصد اس کے رحم کی حالت معلوم کرنا نہیں اسی لئے اس میں حیض شرط نہیں اس لئے مرد کے ذمے (یعنی اس کے مال میں سے) نفقہ واجب نہیں ہوگا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ نفقہ تھوڑا تھوڑا کر کے واجب ہوتا ہے اور وہ اس وقت ہوتا ہے جب مال مرد کی ملک میں ہو اور موت کے بعد وہ وارثوں کی ملک ہوتا ہے اور ان کی ملک میں واجب کرنا ممکن نہیں۔

دوسرا مسئلہ:

جب عورت کے کسی گناہ کی وجہ سے تفریق ہو جائے تو بھی نفقہ واجب نہیں ہوگا جیسے عورت مرتد ہو جائے یا خاوند کے دوسری بیوی سے بالغ بیٹے کا شہوت کے ساتھ بوسہ لے کیونکہ عورت کا احتباس حق کے بغیر ہے لہٰذا وہ نافرمان بیوی کی طرح ہوگئی تو جس طرح اس کا نفقہ واجب نہیں اس کا بھی واجب نہیں۔

نوٹ: اس صورت میں اس کا مہر روکا نہیں جائے گا کیونکہ جب اس نے اپنے آپ کو صحبت کے لئے خاوند کے سپرد کر دیا تو وہ مہر کی مستحق ہوگئی۔

تیسرا مسئلہ:

یہ ہے کہ ان کے درمیان تفریق عورت کے گناہ کی وجہ سے نہیں بلکہ کسی اور وجہ سے ہوئی جیسے خیار عتق یا خیار بلوغ یا کفو نہ ہونے کی وجہ سے تفریق ہوئی تو وہ عدت کے دوران نفقہ کی مستحق ہے کیونکہ اس نے اپنے آپ کو حق کی وجہ سے روکا اور اس صورت میں نفقہ ساقط نہیں ہوتا جیسے عورت مہر کی وصولی کے لئے اپنے آپ کو مرد سے دور رکھے تو نفقہ واجب ہوتا ہے۔

نوٹ: خیار عتق یہ ہے کہ کوئی لونڈی کسی شخص کے نکاح میں ہو اور اس کا آقا اسے آزاد کر دے تو اسے اختیار ہوتا ہے کہ نکاح کو برقرار رکھے یا ختم کر دے۔

خیار بلوغ یہ ہے کہ کسی لڑکی کا بچپن میں باپ یا دادا کے علاوہ کسی ولی نے نکاح کر دیا تو بالغ ہونے کے بعد اسے نکاح فسخ کرنے کا اختیار ہوتا ہے۔

عدم کفو یعنی غیر کفو میں نکاح کیا اور برادری والوں نے عدالت سے رجوع کیا اور ان میاں بیوی کے درمیان تفریق ہو گئی۔ (کفو کی بحث کتاب النکاح میں گزر چکی ہے)

مطلقہ عورت مرتد ہو جائے تو اس کا نفقہ ساقط ہو جائے گا

(۲۲۷) : [وَاِنْ طَلَّقَهَا ثَلَاثًا ثُمَّ ارْتَدَّتْ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ سَقَطَتْ نَفَقَتُهَا. وَاِنْ مَكَّنَتْ ابْنَ زَوْجِهَا] مِنْ نَفْسِهَا [فَلَهَا النَّفَقَةُ] مَعْنَاهُ: مَكَّنَتْ بَعْدَ الطَّلَاقِ. لِاَنَّ الْفُرْقَةَ تَثْبُتُ بِالطَّلْقَاتِ الثَّلَاثِ وَلَا عَمَلَ فِيْهَا لِلرِّدَّةِ وَالتَّمْكِيْنِ. اِلَّا اَنَّ الْمُرْتَدَّةَ تُحْبَسُ حَتّٰى تَتُوْبَ. وَلَا نَفَقَةَ لِلْمَحْبُوْسَةِ. وَالْمُمَكِّنَةُ لَا تُحْبَسُ فَلِهٰذَا يَقَعُ الْفَرْقُ.

ترجمہ: [اور اگر مرد عورت کو تین طلاقیں دے پھر وہ عورت مرتد ہو جائے (العیاذ باللہ) تو اس کا نفقہ ساقط ہو

جائے گا اور اگر وہ اپنے خاوند کے بیٹے کو صحبت کا موقع فراہم کرے تو اس کے لئے نفقہ ہوگا]

اس کا مطلب یہ ہے کہ طلاق کے بعد موقع فراہم کرے کیونکہ تفریق تین طلاقوں کے ساتھ ہوئی اور اس (تفریق) میں مرتد ہونے یا شوہر کے بیٹے کو موقع فراہم کرنے کا کوئی عمل دخل نہیں مگر مرتدہ کو قید کیا جائے گا حتیٰ کہ وہ توبہ کرے اور قید کی گئی خاتون کا نفقہ نہیں ہوتا اور ہمبستری پر قادر کرنے والی کو قید نہیں کیا جاتا لہٰذا دونوں مسئلوں میں فرق ہے۔

توضیح: چونکہ عدت کے دوران عورت کا نفقہ خاوند پر لازم ہوتا ہے لہٰذا اگر عدت کے دوران اگر ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ وہ نفقہ کی مستحق نہ رہے تو نفقہ ساقط ہو جائے گا اس کی مثال یہ ہے کہ عورت مرتدہ ہو جائے۔ (العیاذ باللہ)

اس کی وجہ یوں بیان کی گئی کہ تفریق تین طلاقوں کی وجہ سے ہوئی مرتد ہونے کی وجہ سے نہیں لیکن مرتدہ عورت کو توبہ کرنے تک قید کیا جاتا ہے اور قیدی عورت کا نفقہ خاوند کے ذمہ نہیں ہوتا۔

دوسری صورت میں نفقہ واجب ہوگا اور وہ صورت اس طرح ہے کہ عدت کے دوران مطلقہ عورت نے اپنے خاوند کے بالغ بیٹے کی صحبت کی خواہش کو پورا کیا چونکہ اس صورت میں اسے قید نہیں کیا جاتا لہٰذا وہ نفقہ کی مستحق ہے اور تفریق کی وجہ بھی یہ عمل نہیں بلکہ تفریق طلاقوں کی وجہ سے ہوتی ہے اور یہ عمل بعد میں پیدا ہوا۔

فصل:

نابالغ اولاد کا نفقہ

(۲۲۸): [وَنَفَقَةُ الْاَوْلَادِ الصِّغَارِ عَلَى الْاَبِ لَا يُشَارِكُهُ فِيْهَا اَحَدٌ كَمَا لَا يُشَارِكُهُ فِيْ نَفَقَةِ الزَّوْجَةِ] لِقَوْلِهِ تَعَالٰى: ﴿وَ عَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ﴾ وَالْمَوْلُوْدُ لَهٗ هُوَ الْاَبُ [فَاِنْ كَانَ الصَّغِيْرُ رَضِيْعًا فَلَيْسَ عَلٰى اُمِّهٖ اَنْ تُرْضِعَهٗ] لِمَا بَيَّنَّا اَنَّ الْكِفَايَةَ عَلَى الْاَبِ وَاُجْرَةُ الرَّضَاعِ كَالنَّفَقَةِ وَلِاَنَّهَا عَسَاهَا لَا تَقْدِرُ عَلَيْهِ لِعُذْرٍ بِهَا فَلَا مَعْنٰى لِلْجَبْرِ عَلَيْهِ.

وَقِيْلَ فِيْ تَاْوِيْلِ قَوْله تَعَالٰى: ﴿لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا﴾ بِاِلْزَامِهَا الْاِرْضَاعَ مَعَ كَرَاهَتِهَا. وَهٰذَا الَّذِيْ ذَكَرْنَا بَيَانُ الْحُكْمِ. وَذٰلِكَ اِذَا كَانَ يُوْجَدُ مَنْ تُرْضِعُهٗ. اَمَّا اِذَا كَانَ لَا تُوْجَدُ مَنْ تُرْضِعُهٗ تُجْبَرُ الْاُمُّ عَلَى الْاِرْضَاعِ صِيَانَةً لِلصَّبِيِّ عَنِ الضَّيَاعِ.

قَالَ [وَيَسْتَاْجِرُ الْاَبُ مَنْ تُرْضِعُهٗ عِنْدَهَا] اَمَّا اسْتِئْجَارُ الْاَبِ فَلِاَنَّ الْاَجْرَ عَلَيْهِ. وَقَوْلُهٗ عِنْدَهَا مَعْنَاهُ اِذَا اَرَادَتْ ذٰلِكَ لِاَنَّ الْحَجْرَ لَهَا.

ترجمه: [اور چھوٹی اولاد کا خرچہ باپ کے ذمہ ہے اس میں اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں جس طرح بیوی کے خرچہ میں اس کے ساتھ کوئی بھی شریک نہیں ہوتا]۔

کیونکہ ارشاد خداوندی ہے:

وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ (۱)

ترجمہ: اور جس کی اولاد ہے اس کے ذمے ان کا رزق ہے۔

اور مولود له (جس کی اولاد ہے) سے باپ مراد ہے [اور اگر چھوٹا بچہ دودھ پینے والا ہو تو اس کی ماں پر اسے دودھ پلانا لازم نہیں] جیسا کہ ہم نے بیان کیا کہ کفایت باپ کے ذمے ہے اور دودھ پلانے کی اجرت نفقہ کی طرح ہے اور ہوسکتا ہے وہ کسی عذر کی وجہ سے دودھ پلانے پر قادر نہ ہو لہٰذا اس پر زبردستی کرنے کا کوئی فائدہ نہیں اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی:

لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا (۲)

ترجمہ: اور ماں کو اس کے بچے کے سلسلے میں تکلیف نہ دی جائے۔

---

(۱) سورہ بقرہ، آیت: ۲۳۳ (۲) سورہ بقرہ، آیت: ۲۳۳

کی تاویل میں کہا گیا ہے کہ اس کے ناپسند کرنے کے باوجود اس پر دودھ پلانا لازم کر کے تکلیف نہ دی جائے۔

اور یہ بات جو ہم نے بیان کی ہے یہ حکم ہے اور یہ اس وقت ہے جب کوئی ایسی عورت پائی جائے جو اسے دودھ پلائے —— اور اگر ایسی عورت نہ پائی جائے تو بچے کو ضائع ہونے سے بچانے کے لئے اس کی ماں کو دودھ پلانے پر مجبور کیا جائے۔

فرماتے ہیں [اور باپ ایسی عورت کو اجرت پر حاصل کرے جو اس بچے کی ماں کے پاس اسے دودھ پلائے]

باپ کا اجرت پر حاصل کرنا اس لئے ہے کہ اجرت اس کے ذمے ہے اور یہ کہنا کہ ماں کے پاس (دودھ پلائے) اس کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ چاہے کیونکہ پرورش کا حق اسی کا ہے۔

توضیح: چونکہ اولاد کا سلسلہ نسب باپ سے چلتا ہے اور قرآن پاک میں بھی اولاد کی نسبت باپ کی طرف کرتے ہوئے اسے مَوْلُوْدٌ لَهٗ (جس کا بچہ ہے) فرمایا لہٰذا جب تک اولاد نابالغ ہو اس کے اخراجات باپ کے ذمے ہوں گے۔

اگر دودھ پیتا بچہ ہو تو اسی ضابطہ کی وجہ سے کہ اس کی کفایت باپ کے ذمے ہے، ماں پر دودھ پلانا لازم نہیں اور بعض اوقات وہ دودھ پلانے کے قابل نہیں ہوتی تو مرد کی ذمہ داری ہے کہ اس کا انتظام کرے اور کسی عورت کو دودھ پلانے کے لئے اجرت پر حاصل کرے اور مرد خود اجرت ادا کرے بچے کی ماں کو تکلیف نہ دے۔ قرآن پاک میں جو فرمایا گیا کہ عورت کو اس کے بچے کی وجہ سے تکلیف نہ دی جائے، تو اس کی ایک تاویل یہی کی گئی کہ اگر کوئی دوسری عورت موجود ہو جو دودھ پلائے تو بچے کی ماں کو تکلیف نہ دی جائے۔

البتہ جب کوئی دوسری عورت نہ ہو تو بچے کو ضائع ہونے سے بچانے کے لئے ماں کو مجبور بھی کیا جا سکتا ہے چونکہ ماں اپنے بچے کو اپنی گود میں رکھنا چاہتی ہے اور اپنے آپ سے دور کرنا نہیں چاہتی لہٰذا اگر دوسری عورت دودھ پلائے تو ماں کے پاس پلائے البتہ وہ لے جانے کی اجازت دے تو لے جا سکتی ہے۔

نوٹ: آج کل اکثر بند ڈبوں میں موجود دودھ بازار سے خرید کر بچوں کو پلایا جاتا ہے تو اس کی قیمت مرد کے ذمہ ہو گی کیونکہ یہ مرد کی ذمہ داری ہے۔ ۱۲ ہزاروی

ماں اپنے بچے کو اجرت پر دودھ نہیں پلا سکتی

(۲۲۹) : [وَاِنِ اسْتَأْجَرَهَا وَهِيَ زَوْجَتُهٗ اَوْ مُعْتَدَّتُهٗ لِتُرْضِعَ وَلَدَهَا] لَمْ يَجُزْ لِاَنَّ الْاِرْضَاعَ مُسْتَحَقٌّ عَلَيْهَا دِيَانَةً.

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ﴾ اِلَّا اَنَّهَا عُذِرَتْ لِاحْتِمَالِ عَجْزِهَا. فَاِذَا اَقْدَمَتْ عَلَيْهِ بِالْاَجْرِ ظَهَرَتْ قُدْرَتُهَا فَكَانَ الْفِعْلُ وَاجِبًا عَلَيْهَا فَلَا يَجُوْزُ اَخْذُ الْاَجْرِ عَلَيْهِ. وَهٰذَا فِي الْمُعْتَدَّةِ عَنْ طَلَاقٍ رَجْعِيٍّ رِوَايَةً وَّاحِدَةً لِاَنَّ النِّكَاحَ قَائِمٌ. وَكَذَا فِي الْمَبْتُوْتَةِ فِيْ رِوَايَةٍ. وَفِيْ رِوَايَةٍ اُخْرٰى: جَازَ اسْتِئْجَارُهَا لِاَنَّ النِّكَاحَ قَدْ زَالَ

وَجْهُ الْأُوْلٰى أَنَّهُ بَاقٍ فِيْ حَقِّ بَعْضِ الْأَحْكَامِ.

[وَلَوِ اسْتَأْجَرَهَا وَهِيَ مَنْكُوْحَتُهُ أَوْ مُعْتَدَّتُهُ لِإِرْضَاعِ ابْنٍ لَهُ مِنْ غَيْرِهَا جَازَ] لِأَنَّهُ غَيْرُ مُسْتَحَقٍّ عَلَيْهَا [وَإِنِ انْقَضَتْ عِدَّتُهَا فَاسْتَأْجَرَهَا] يَعْنِيْ لِإِرْضَاعِ وَلَدِهَا [جَازَ] لِأَنَّ النِّكَاحَ قَدْ زَالَ بِالْكُلِّيَّةِ وَصَارَتْ كَالْأَجْنَبِيَّةِ [فَإِنْ قَالَ الْأَبُ لَا أَسْتَأْجِرُهَا وَجَاءَ بِغَيْرِهَا فَرَضِيَتِ الْأُمُّ بِمِثْلِ أَجْرِ الْأَجْنَبِيَّةِ أَوْ رَضِيَتْ بِغَيْرِ أَجْرٍ] كَانَتْ هِيَ أَحَقَّ لِأَنَّهَا أَشْفَقُ فَكَانَ نَظَرًا لِلصَّبِيِّ فِي الدَّفْعِ إِلَيْهَا [وَإِنِ الْتَمَسَتْ زِيَادَةً لَمْ يُجْبَرِ الزَّوْجُ عَلَيْهَا] دَفْعًا لِلضَّرَرِ عَنْهُ وَإِلَيْهِ الْإِشَارَةُ بِقَوْلِهِ تَعَالٰى: ﴿لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ﴾ أَيْ بِإِلْزَامِهِ لَهَا أَكْثَرَ مِنْ أُجْرَةِ الْأَجْنَبِيَّةِ.

[وَنَفَقَةُ الصَّغِيْرِ وَاجِبَةٌ عَلٰى أَبِيْهِ وَإِنْ خَالَفَهُ فِيْ دِيْنِهِ، كَمَا تَجِبُ نَفَقَةُ الزَّوْجَةِ عَلَى الزَّوْجِ وَإِنْ خَالَفَتْهُ فِيْ دِيْنِهِ] أَمَّا الْوَلَدُ فَلِإِطْلَاقِ مَا تَلَوْنَا، وَلِأَنَّهُ جُزْؤُهُ فَيَكُوْنُ فِيْ مَعْنٰى نَفْسِهِ، وَأَمَّا الزَّوْجَةُ فَلِأَنَّ السَّبَبَ هُوَ الْعَقْدُ الصَّحِيْحُ فَإِنَّهُ بِإِزَاءِ الْاِحْتِبَاسِ الثَّابِتِ بِهِ، وَقَدْ صَحَّ الْعَقْدُ بَيْنَ الْمُسْلِمِ وَالْكَافِرَةِ وَتَرَتَّبَ عَلَيْهِ الْاِحْتِبَاسُ فَوَجَبَتِ النَّفَقَةُ.

وَفِيْ جَمِيْعِ مَا ذَكَرْنَا إِنَّمَا تَجِبُ النَّفَقَةُ عَلَى الْأَبِ إِذَا لَمْ يَكُنْ لِلصَّغِيْرِ مَالٌ، أَمَّا إِذَا كَانَ فَالْأَصْلُ أَنَّ نَفَقَةَ الْإِنْسَانِ فِيْ مَالِ نَفْسِهِ صَغِيْرًا كَانَ أَوْ كَبِيْرًا.

ترجمہ: [اور اگر وہ اسے اجرت پر حاصل کرے اور وہ اس کی بیوی یا اس کی معتدہ ہے (عدت گزار رہی ہے)] تا کہ وہ اپنے بچے کو دودھ پلائے) تو اس کے لئے (اجرت پر) دودھ پلانا جائز نہیں کیونکہ شرعی اور اخلاقی اعتبار سے یہ اس کی ذمہ داری ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ [1]

ترجمہ: اور مائیں اپنی اولاد کو دودھ پلائیں۔

البتہ وہ عاجز ہو تو اسے معذور قرار دیا جائے گا تو جب وہ اجرت کے ساتھ یہ اقدام کرتی ہے تو ظاہر ہوا کہ وہ (دودھ پلانے پر) قادر ہے تو یہ عمل اس پر واجب ہو جائے گا اور اس کے لئے اجرت لینا جائز نہیں ہو گا۔

ایک روایت کے مطابق طلاق رجعی کی عدت گزارنے والی کا یہی حکم ہے کیونکہ نکاح قائم ہے اور ایک روایت کے مطابق طلاق بائن کی عدت گزارنے والی کا بھی یہی حکم ہے۔

اور دوسری روایت یہ ہے کہ اجرت لینا جائز ہے کیونکہ نکاح زائل ہو گیا —— پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ بعض احکام کے حق میں نکاح باقی ہے ——

---

[1] سورہ بقرہ، آیت: ۲۳۳

[اور اگر وہ اپنی اس بیوی کو جو ابھی اس کے نکاح میں ہے یا اس کی عدت گزار رہی ہے اپنے ایسے بچے کو دودھ پلانے کے لئے اجرت پر حاصل کرے جو بچہ دوسری بیوی سے ہے تو یہ جائز ہے] کیونکہ یہ اس عورت کی ذمہ داری نہیں۔

[اور اگر اس کی عدت ختم ہوگئی اور اس نے اسے اجرت پر حاصل کیا] کہ بچے کو دودھ پلائے [تو جائز ہے] کیونکہ نکاح مکمل طور پر زائل ہوگیا اور وہ اجنبی عورت کی طرح ہوگئی۔

[پس اگر باپ نے کہا کہ میں اسے اجرت پر حاصل نہیں کرتا اور وہ کسی دوسری عورت کو لے آیا پھر ماں اجنبی عورت کی اجرت کی مثل پر راضی ہوگئی یا اجرت کے بغیر (دودھ پلانے پر) راضی ہو تو] یہ زیادہ حق رکھتی ہے۔ کیونکہ اس میں شفقت زیادہ ہے لہٰذا اس کے حوالے کرنے میں بچے پر شفقت ہے [اور اگر وہ زیادہ اجرت طلب کرے تو خاوند کو اس پر مجبور نہیں کیا جائے گا] تا کہ اس سے ضرر کو دور کیا جائے اور ارشاد باری تعالیٰ:

لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ◆

ترجمہ: اور ماں کو اس کے بچے کی وجہ سے تکلیف نہ دی جائے اور نہ باپ کو اس کے بچے کی وجہ سے تکلیف دی جائے۔

اس میں اسی طرف اشارہ ہے یعنی اجنبی عورت کی اجرت سے زیادہ اجرت لازم کر کے تکلیف نہ دی جائے۔

[اور نابالغ بچے کا نفقہ اس کے باپ پر واجب ہے اگرچہ وہ دین میں اس کے خلاف ہو جس طرح بیوی کا نفقہ خاوند پر واجب ہے اگرچہ وہ دین میں اس کی مخالف ہو]

جہاں تک بچے کا تعلق ہے تو جو آیت ہم نے ذکر کی وہ مطلق ہے نیز وہ اس کی جزء ہے لہٰذا وہ اس کی ذات کی طرح ہے اور بیوی کا نفقہ اس لئے کہ اس کا سبب عقد صحیح ہے اور وہ احتباس کے مقابلے میں ہے جو نکاح کے ذریعے ثابت ہوتا ہے۔

اور کافر (اہل کتاب) اور مسلمان (مرد) کے درمیان عقد نکاح درست ہے اور اس پر احتباس مرتب ہوتا ہے لہٰذا نفقہ واجب ہوگیا۔

اور یہ تمام صورتیں جو ہم نے ذکر کی ہیں تو باپ پر نفقہ اس وقت واجب ہوگا جب بچے کا اپنا مال نہ ہو اگر اس کا اپنا مال ہو تو اصل یہ ہے کہ انسان کا نفقہ اس کے ذاتی مال میں ہوتا ہے وہ چھوٹا ہو یا بڑا۔

توضیح: بچے کو دودھ پلانے سے متعلق ایک اور مسئلہ بیان کیا جا رہا ہے کہ کوئی ماں اپنے بچے کو دودھ پلانے کی اجرت نہیں لے سکتی کیونکہ اگر وہ دودھ پلاتی ہے تو یہ اس کا اخلاق اور دینی فرض ہے لہٰذا اگر خاوند بچے کی ماں کو جو اس مرد کے نکاح میں موجود ہو یا عدت گزار رہی ہو، اجرت پر حاصل کرے تو یہ جائز نہیں۔ اس پر آیت کریمہ ذکر کی (جو مع ترجمہ گزر چکی ہے)

البتہ وہ دودھ پلانے سے عاجز ہو تو یہ عذر ہوگا لیکن جب وہ اجرت کے ساتھ دودھ پلانے پر آمادہ ہوتی ہے تو واضح ہوگیا کہ وہ عاجز نہیں ہے لہٰذا اجرت نہیں لے سکتی اگر عورت عدت گزار رہی تو دو صورتیں ہیں طلاق رجعی ہوگی یا طلاق بتہ یعنی بائن یا تین طلاقیں۔ طلاق رجعی کی صورت میں اس کا نکاح ابھی باقی ہے اور دوسری صورت میں بھی بعض احکام کے حوالے

◆ سورہ بقرہ، آیت: ۲۲۳

سے نکاح باقی ہے لہٰذا اس حالت میں وہ اجرت نہیں لے سکتی البتہ ایک روایت کے مطابق طلاق بائن یا تین طلاقوں کی صورت میں اجرت لے سکتی ہے کیونکہ نکاح زائل ہو گیا۔

دوسرا مسئلہ:

یہ ہے کہ بچہ خاوند کی دوسری بیوی کا ہو اور دودھ پلانے والی بھی اس کی بیوی ہو ابھی نکاح میں ہو یا عدت گزار رہی ہو تو وہ اجرت پر دودھ پلا سکتی ہے کیونکہ دوسری عورت کے بچے کو دودھ پلانا اس پر واجب نہیں۔

تیسرا مسئلہ:

یہ ہے کہ بچہ اسی عورت کا ہے لیکن اس کی عدت ختم ہو گئی ہے اور اسے اجرت پر حاصل کیا جائے تو جائز ہے کیونکہ نکاح مکمل طور پر ختم ہو گیا اور وہ اجنبی عورت کی طرح ہو گئی۔

تیسرا مسئلہ:

عورت کی عدت ختم ہو گئی اور خاوند نے اسے اجرت پر لینے کی بجائے کسی اور عورت سے اجارہ کرنا چاہا پھر بچے کی ماں اس اجرت پر راضی ہو گئی جو اجنبیہ عورت کو دے رہا تھا تو یہ زیادہ حق دار ہے کیونکہ بچے کے لئے شفقت کا باعث ہے اور اگر زیادہ اجرت طلب کرے تو خاوند کو مجبور نہیں کیا جائے گا کیونکہ جس طرح بچے کی وجہ سے اس کی ماں کو تکلیف دینا منع ہے اسی طرح باپ کو بھی تکلیف دینا منع ہے۔ (آیت مع ترجمہ گزر چکی ہے)

پانچواں مسئلہ:

یہ ہے کہ نابالغ اولاد کا نفقہ باپ کے ذمہ ہوتا ہے چاہے دونوں کے دین میں اختلاف بھی کیوں نہ ہو کیونکہ قرآن پاک کا حکم مطلق ہے (آیت گزر چکی ہے) نیز وہ اس کی جزء ہے گویا وہ اس کی اپنی ذات کی طرح ہے۔

اور بیوی کا نفقہ اس لئے کہ نفقہ کا سبب احتباس ہے اور احتباس کی بنیاد نکاح ہے اور غیر مسلم (اہل کتاب) سے نکاح درست ہے [1] لہٰذا بیوی مسلمان ہو یا غیر مسلم اس کا نفقہ خاوند کے ذمے ہے۔

چھٹا مسئلہ:

ان تمام صورتوں میں بچے کا نفقہ اس وقت باپ کے ذمے ہوگا جب بچے کا اپنا مال نہ ہو ورنہ اس کے اپنے مال سے ہو گا کیونکہ اصل یہی ہے کہ آدمی کا نفقہ اس کے اپنے مال میں ہوتا ہے وہ بڑا ہو یا چھوٹا۔

نوٹ: بیوی کا اپنا مال ہو تو بھی اس کا نفقہ خاوند کے ذمہ ہوگا کیونکہ یہ احتباس کا بدلہ ہے۔

[1] تفصیل کتاب النکاح میں دیکھیں۔

فصل

نادار آباؤ اجداد کا خرچہ اگرچہ غیر مسلم ہوں انسان پر لازم ہے

(۲۲۰) : [وَعَلَى الرَّجُلِ اَنْ يُنْفِقَ عَلَى اَبَوَيْهِ وَاَجْدَادِهٖ وَجَدَّاتِهٖ اِذَا كَانُوا فُقَرَاءَ وَاِنْ خَالَفُوْهُ فِيْ دِيْنِهٖ] اَمَّا الْاَبَوَانِ فَلِقَوْلِهٖ تَعَالٰى: ﴿وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا﴾ نَزَلَتِ الْاٰيَةُ فِي الْاَبَوَيْنِ الْكَافِرَيْنِ. وَلَيْسَ مِنَ الْمَعْرُوْفِ اَنْ يَّعِيْشَ فِيْ نِعَمِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَيَتْرُكَهُمَا يَمُوْتَانِ جُوْعًا. وَاَمَّا الْاَجْدَادُ وَالْجَدَّاتُ فَلِاَنَّهُمْ مِنَ الْاٰبَاءِ وَالْاُمَّهَاتِ وَلِهٰذَا يَقُوْمُ الْجَدُّ مَقَامَ الْاَبِ عِنْدَ عَدَمِهٖ وَلِاَنَّهُمْ سَبَّبُوْا لِاِحْيَائِهٖ فَاسْتَوْجَبُوْا عَلَيْهِ الْاِحْيَاءَ بِمَنْزِلَةِ الْاَبَوَيْنِ.

وَشَرَطَ الْفَقْرَ لِاَنَّهٗ لَوْ كَانَ ذَا مَالٍ. فَاِيْجَابُ نَفَقَتِهٖ فِيْ مَالِهٖ اَوْلٰى مِنْ اِيْجَابِهَا فِيْ مَالِ غَيْرِهٖ. وَلَا يُمْنَعُ ذٰلِكَ بِاخْتِلَافِ الدِّيْنِ لِمَا تَلَوْنَا [وَلَا تَجِبُ النَّفَقَةُ مَعَ اخْتِلَافِ الدِّيْنِ اِلَّا لِلزَّوْجَةِ وَالْاَبَوَيْنِ وَالْاَجْدَادِ وَالْجَدَّاتِ وَالْوَلَدِ وَوَلَدِ الْوَلَدِ] اَمَّا الزَّوْجَةُ فَلِمَا ذَكَرْنَا اَنَّهَا وَاجِبَةٌ لَّهَا بِالْعَقْدِ لِاِحْتِبَاسِهَا لِحَقٍّ لَهٗ مَقْصُوْدٍ. وَهٰذَا لَا يَتَعَلَّقُ بِاتِّحَادِ الْمِلَّةِ. وَاَمَّا غَيْرُهَا فَلِاَنَّ الْجُزْئِيَّةَ ثَابِتَةٌ وَجُزْءُ الْمَرْءِ فِيْ مَعْنٰى نَفْسِهٖ. فَكَمَا لَا يُمْتَنَعُ نَفَقَةُ نَفْسِهٖ لِكُفْرِهٖ لَا يُمْتَنَعُ نَفَقَةُ جُزْئِهٖ اِلَّا اَنَّهُمْ اِذَا كَانُوْا حَرْبِيِّيْنَ لَا تَجِبُ نَفَقَتُهُمْ عَلَى الْمُسْلِمِ وَاِنْ كَانُوْا مُسْتَاْمَنِيْنَ. لِاَنَّا نُهِيْنَا عَنِ الْبِرِّ فِيْ حَقِّ مَنْ يُّقَاتِلُنَا فِي الدِّيْنِ.

ترجمہ: [اور آدمی پر لازم ہے کہ اپنے ماں باپ اور دادوں اور دادیوں پر خرچ کرے اگر وہ محتاج ہوں اگرچہ وہ دین میں اس کے مخالف ہوں]

جہاں تک ماں باپ کا تعلق ہے تو ارشاد خداوندی ہے:

وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا [1]

ترجمہ: اور دنیا میں ان (ماں باپ) سے اچھا سلوک کرو۔

[1] سورہ لقمان، آیت: ۱۵

یہ آیت کافر ماں باپ کے بارے میں نازل ہوئی اور یہ بات معروف (اچھی) نہیں کہ خود اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں زندگی گزارے اور ان کو اس طرح چھوڑے کہ وہ بھوک سے مر جائیں——

اور دادوں اور دادیوں کے بارے میں یہ حکم اس لئے ہے کہ وہ بھی باپوں اور ماؤں میں شامل ہیں یہی وجہ ہے کہ باپ کی عدم موجودگی میں دادا اس کے قائم مقام ہوتا ہے نیز یہ لوگ اس کی زندگی کا سبب ہیں تو اس پر ان کی زندگی کو قائم رکھنا واجب ہے جس طرح ماں باپ کا حکم ہے۔

اور محتاجی کی شرط رکھی گئی کیونکہ اگر وہ مال دار ہوں تو ان کا نفقہ ان کے اپنے مال میں واجب ہونا غیر کے مال میں واجب ہونے سے اولیٰ ہے اور یہ نفقہ دین میں اختلاف کی وجہ سے ممنوع نہیں جیسا کہ ہم نے آیت ذکر کی ہے۔

[اور اختلاف دین کی وجہ سے سوائے بیوی، ماں، باپ، دادا، دادی، اولاد اور اولاد کی اولاد کے کسی اور کا نفقہ واجب نہیں ہوتا]

بیوی کا نفقہ اس وجہ سے جو ہم نے ذکر کی ہے کہ وہ عقد نکاح کی وجہ سے واجب ہوتا ہے اور وہ ایسے حق کی وجہ سے مرد کے حق میں پابند ہے جو (نکاح سے) مقصود ہے (یعنی اولاد کا ہونا) اور اس کا تعلق دین میں متحد ہونے کے ساتھ نہیں ہے اور دوسرے افراد (مذکورہ بالا) کا نفقہ اس لئے کہ جزء ہونا ثابت ہے اور انسان کی جزء اس کی ذات کے معنیٰ میں ہے۔

تو جس طرح کفر کی وجہ سے انسان کا اپنا نفقہ ممنوع نہیں ہوتا اسی طرح اس کی جزء کا نفقہ بھی ممنوع نہیں ہوتا مگر یہ کہ جب وہ حربی ہوں تو ان کا نفقہ مسلمان پر واجب نہیں ہوگا اگرچہ وہ امن لے کر آئیں کیونکہ جو لوگ ہم سے لڑتے ہیں ان کے ساتھ نیکی سے ہمیں منع کیا گیا ہے——

توضیح: آدمی پر کن لوگوں کے اخراجات واجب ہیں اور کب واجب ہیں نیز اس وجوب کی وجہ کیا ہے؟ ان امور کا بیان ہے تو بتایا کہ آدمی پر اس کی بیوی، ماں، باپ، دادا، دادی کا نفقہ واجب ہے لیکن شرط یہ ہے کہ یہ نادار ہوں اور چونکہ یہ نفقہ ان رشتوں کی وجہ سے واجب ہوتا ہے لہٰذا اگر یہ لوگ کافر بھی ہوں تو بھی ان کا نفقہ واجب ہوگا اس سلسلے میں قرآن پاک کی آیت کا حوالہ دیا گیا کہ ان (ماں باپ) سے اچھا سلوک کرو اور یہ آیت کافر ماں باپ کے بارے میں نازل ہوئی۔

چونکہ قرآن پاک میں ان سے اچھے سلوک کا حکم ہے تو اگر آدمی خود نعمتوں کے ذریعے عیش کرے اور ماں باپ بھوکے مر جائیں تو یہ معروف طریقے پر ان کے ساتھ سلوک نہیں ہے۔

جہاں تک دادا دادی کا تعلق ہے تو یہ بھی ماں باپ کی جگہ ہیں یہی وجہ ہے کہ جب باپ نہ ہو تو دادا اس کے قائم مقام ہوتا اور اس کی جگہ اپنے پوتے کی وراثت کا مستحق ہوتا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ آدمی کی زندگی کا سبب تو یہی لوگ ہیں لہٰذا اسے بھی ان کی زندگی کا سبب بن کر ان پر اپنا مال خرچ کرنا چاہئے اور ان کو ماں باپ کی طرح سمجھنا چاہئے۔

محتاجی کی شرط: محتاجی کی شرط اس لئے ہے کہ اصل یہ ہے کہ انسان اپنے مال سے خرچ کرے۔

27/27

اختلاف دین اور نفقہ:

بیوی، ماں باپ، دادا، دادی اور اولاد کا خرچہ واجب ہونے میں دین کو نہیں دیکھا جائے گا بلکہ اس اختلاف کے باوجود نفقہ واجب ہوتا ہے ان کے علاوہ کسی کا نفقہ اختلاف دین کی صورت میں واجب نہیں ہوتا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ بیوی کو نفقہ اس لئے ملتا ہے کہ وہ خاوند کے حق میں پابند ہے اور اس کا تعلق نکاح سے ہے دونوں کے دین کا ایک ہونا ضروری نہیں۔

باقی لوگوں میں جزئیت ثابت ہے انسان اپنے ماں باپ اور دادا دادی کی جزء ہوتا ہے اور اولاد اس کی اپنی جزء ہوتی ہے تو جس طرح کوئی شخص کافر ہو تو اپنے اوپر خرچ کرتا ہے اسی طرح ان لوگوں کا نفقہ بھی کفر کی وجہ سے منع نہیں ہوگا۔

اگر یہ لوگ حربی ہوں

حربی سے مراد وہ کافر ہیں جن کے ساتھ مسلمانوں کی جنگ رہتی ہے تو اگر ماں باپ وغیرہ حربی ہوں تو ان کا نفقہ بیٹے پر واجب نہیں ہوگا اگرچہ وہ مستامن ہوں۔ مستامن اسے کہتے ہیں جو ویزا کے ذریعے ہمارے ملک میں کچھ عرصے کے لئے آتا ہے۔

ان کو نفقہ نہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ جو لوگ مسلمانوں سے لڑتے ہیں ان سے بھلائی کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

عیسائی پر اس کے مسلمان بھائی کا خرچہ لازم نہیں

(۲۲۱) : [وَلَا تَجِبُ عَلَى النَّصْرَانِيِّ نَفَقَةُ اَخِيْهِ الْمُسْلِمِ] وَكَذَا لَا تَجِبُ عَلَى الْمُسْلِمِ نَفَقَةُ اَخِيْهِ النَّصْرَانِيِّ لِاَنَّ النَّفَقَةَ مُتَعَلِّقَةٌ بِالْاِرْثِ بِالنَّصِّ بِخِلَافِ الْعِتْقِ عِنْدَ الْمِلْكِ لِاَنَّهُ مُتَعَلِّقٌ بِالْقَرَابَةِ وَالْمَحْرَمِيَّةِ بِالْحَدِيْثِ. وَلِاَنَّ الْقَرَابَةَ مُوْجِبَةٌ لِلصِّلَةِ. وَمَعَ الِاتِّفَاقِ فِي الدِّيْنِ اٰكَدُ وَدَوَامُ مِلْكِ الْيَمِيْنِ اَعْلٰى فِي الْقَطِيْعَةِ مِنْ حِرْمَانِ النَّفَقَةِ. فَاعْتَبَرْنَا فِي الْاَعْلٰى اَصْلَ الْعِلَّةِ وَفِي الْاَدْنٰى الْعِلَّةَ الْمُؤَكَّدَةَ فَلِهٰذَا افْتَرَقَا [وَلَا يُشَارِكُ الْوَلَدَ فِيْ نَفَقَةِ اَبَوَيْهِ اَحَدٌ] لِاَنَّ لَهُمَا تَاْوِيْلًا فِيْ مَالِ الْوَلَدِ بِالنَّصِّ. وَلَا تَاْوِيْلَ لَهُمَا فِيْ مَالِ غَيْرِهٖ. وَلِاَنَّهٗ اَقْرَبُ النَّاسِ اِلَيْهِمَا فَكَانَ اَوْلٰى بِاسْتِحْقَاقِ نَفَقَتِهِمَا عَلَيْهِ. وَهِيَ عَلَى الذُّكُوْرِ وَالْاِنَاثِ بِالسَّوِيَّةِ فِيْ ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ وَهُوَ الصَّحِيْحُ. لِاَنَّ الْمَعْنٰى يَشْمَلُهُمَا.

ترجمہ: [اور عیسائی شخص پر اس کے مسلمان بھائی کا نفقہ لازم نہیں] اسی طرح مسلمان پر اس کے عیسائی بھائی کا خرچہ لازم نہیں کیونکہ نفقہ کا تعلق وراثت سے ہے اور یہ نص [1] سے ثابت ہے بخلاف اس کے جب ملک میں آنے کے بعد آزاد ہو

[1] اس سے مراد یہ آیت ہے: وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ (اور وارث پر اس کی مثل ہے)(سورہ بقرہ، آیت: ۲۳۳)

جائے کیونکہ اس کا تعلق قرابت اور محرم ہونے کے ساتھ ہے اور یہ بات حدیث سے ثابت ہے۔ ◆①

اور اس لئے کہ قرابت صلہ رحمی کو واجب کرتی ہے اور جب دونوں دین میں متفق ہوں تو زیادہ تاکید ہوتی ہے اور ملک یمین (غلامی) کا ہمیشہ باقی رہنا نفقہ سے محرومی کے مقابلے میں قطع رحمی میں بڑھ کر ہے پس ہم نے اعلیٰ میں اصل علت کا اعتبار کیا اور ادنیٰ میں علت مؤکدہ کا اعتبار کیا اس لئے دونوں میں فرق ہے۔

[اور ماں باپ کے نفقہ میں اولاد کے ساتھ کوئی دوسرا شریک نہیں ہوگا] کیونکہ ان دونوں کے لئے نص ◆② کے ذریعے اولاد کے مال میں تاویل کی جاتی ہے اور دوسروں کے مال میں ان کے لئے تاویل نہیں ہوتی ——

دوسری بات یہ ہے کہ بیٹا باقی لوگوں کے مقابلے میں ان کے زیادہ قریب ہے پس اس پر ان کے نفقہ کا استحقاق زیادہ مناسب ہے۔

اور یہ بیٹوں اور بیٹیوں سب پر برابر ہے یہ ظاہر الروایۃ کے مطابق ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ مفہوم دونوں (لڑکوں اور لڑکیوں) کو شامل ہے۔

توضیح: عیسائی پر اپنے مسلمان بھائی کا اور مسلمان پر اپنے عیسائی بھائی کا نفقہ واجب نہیں کیونکہ اس کا تعلق وراثت سے ہے ارشاد خداوندی ہے:

وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ◆③

ترجمہ: اور وارث پر اس کی مثل ہے۔

اور مسلمان اور ذمی (کافر) ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے جبکہ آزادی کا مسئلہ مختلف ہے یعنی اگر ایک بھائی دوسرے غلام بھائی کو خریدے اور ان میں سے ایک مسلمان اور دوسرا عیسائی ہو تو وہ آزاد ہو جائے گا کیونکہ آزادی کا تعلق قریبی رشتہ دار (محرم) کے مالک ہونے کے ساتھ ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ مَلَكَ ذَا رَحِمٍ مَحْرِمٍ مِّنْهُ عُتِقَ عَلَيْهِ

ترجمہ: اور جو شخص اپنے کسی ذی رحم محرم کا مالک ہو جائے تو وہ اس کی طرف سے آزاد ہو جائے گا۔

اور حدیث پاک کے مطابق نفقہ کا وجوب قرب اور محرمیت سے متعلق ہے جس طرح حدیث پہلے بیان ہو چکی ہے۔ اور قرابت صلہ رحمی کو واجب کرتی ہے اور جب قرابت و محرمیت کے ساتھ دونوں کا دین بھی ایک ہو تو یہ حکم تاکیدی ہو جاتا ہے۔

اب دو چیزیں ہیں ایک غلامی اور دوسرا نفقہ سے محرومی، تو قطع رحم کے سلسلے میں ہمیشہ کی غلامی زیادہ مؤثر ہے لہٰذا اعلیٰ (یعنی غلامی کو ختم کرنے) میں اصل علت کا اعتبار کیا کہ اگر وہ بھائی آزاد نہ ہو تو قطع رحم لازم آتا ہے اور ادنیٰ یعنی نفقہ سے

◆①، ◆② اس سے مراد یہ حدیث شریف ہے: اَنْتَ وَمَالُكَ لِاَبِيْكَ (تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے) (سنن ابی داود، حدیث: ۳۵۲۸)

◆③ سورہ بقرہ، آیت: ۲۳۳

محرومی میں علت مؤکدہ کا اعتبار کریں گے یعنی دونوں مسلمان بھی ہوں تو نفقہ واجب ہوگا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب دونوں مسلمان نہیں تو نفقہ واجب نہیں ہوگا البتہ خریدنے سے آزادی واقع ہو جائے گی اس لئے دونوں میں فرق ہے۔

ماں باپ کے نفقہ میں عدم شراکت

ماں باپ کا نفقہ اولاد پر واجب ہے اور اس میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہوتا——

اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حدیث پاک میں ہے:

اَنْتَ وَمَالُكَ لِاَبِيْكَ ❶

تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے تو اس حدیث کی تاویل میں یہ حکم ثابت ہوتا ہے اور دوسروں کے مال میں یہ تاویل نہیں ہو سکتی۔

دوسری وجہ یہ کہ دوسرے لوگوں کی نسبت اولاد ماں باپ کے زیادہ قریب ہوتی ہے لہٰذا ماں باپ کے نفقہ کی ذمہ داری زیادہ اسی پر ہوتی ہے۔

نیز اس سلسلے میں بیٹوں اور بیٹیوں سب کے لئے ایک ہی حکم ہے ظاہر الروایت سے یہی ثابت ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ بیٹوں کی طرح بیٹیاں بھی اولاد میں شامل ہیں۔

نوٹ: جس طرح پہلے گزر گیا کہ اگر ماں باپ کا اپنا مال ہو تو اس میں سے خرچ کیا جائے نیز اگر بیٹے ماں باپ کو نفقہ دے سکیں تو بیٹیوں کو مجبور نہ کیا جائے کیونکہ وہ اپنے خاوند کے زیر اثر ہوتی ہیں اور اکثر وہ اس ذمہ داری کو پورا نہیں کر سکتیں۔ (۱۲ ہزاروی)

نادار محرم رشتہ داروں کا خرچہ

(۲۳۲) : [وَالنَّفَقَةُ لِكُلِّ ذِي رَحِمٍ مَحْرَمٍ إِذَا كَانَ صَغِيْرًا فَقِيْرًا أَوْ كَانَتْ امْرَأَةً بَالِغَةً فَقِيْرَةً أَوْ كَانَ ذَكَرًا بَالِغًا فَقِيْرًا زَمِنًا أَوْ أَعْمٰى] لِأَنَّ الصِّلَةَ فِي الْقَرَابَةِ الْقَرِيْبَةِ وَاجِبَةٌ دُوْنَ الْبَعِيْدَةِ. وَالْفَاصِلُ أَنْ يَكُوْنَ ذَا رَحِمٍ مَحْرَمٍ، وَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ﴾ (وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ) وَفِيْ قِرَاءَةِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ "وَعَلَى الْوَارِثِ ذِي الرَّحِمِ الْمَحْرَمِ مِثْلُ ذٰلِكَ" ثُمَّ لَا بُدَّ مِنَ الْحَاجَةِ وَالصِّغَرُ وَالْأُنُوْثَةُ وَالزَّمَانَةُ وَالْعَمٰى أَمَارَةُ الْحَاجَةِ لِتَحَقُّقِ الْعَجْزِ. فَإِنَّ الْقَادِرَ عَلَى الْكَسْبِ غَنِيٌّ بِكَسْبِهِ.

بِخِلَافِ الْأَبَوَيْنِ لِأَنَّهُ يَلْحَقُهُمَا تَعَبُ الْكَسْبِ وَالْوَلَدُ مَأْمُوْرٌ بِدَفْعِ الضَّرَرِ عَنْهُمَا فَتَجِبُ

❶ سنن ابی داؤد، حدیث: ۳۵۲۸

نَفَقَتُهُمَا مَعَ قُدْرَتِهِمَا عَلَى الْكَسْبِ.

قَالَ [وَيَجِبُ ذٰلِكَ عَلٰى مِقْدَارِ الْمِيْرَاثِ وَيُجْبَرُ عَلَيْهِ] لِاَنَّ التَّنْصِيْصَ عَلَى الْوَارِثِ تَنْبِيْهٌ عَلٰى اعْتِبَارِ الْمِقْدَارِ، وَلِاَنَّ الْغُرْمَ بِالْغُنْمِ وَالْجَبْرَ لِاِيْفَاءِ حَقٍّ مُسْتَحَقٍّ

ترجمہ: [اور ہر ذی رحم محرم کا نفقہ واجب ہے جب وہ نابالغ فقیر ہو یا عورت بالغہ محتاج ہو یا مرد بالغ محتاج ہو شل ہو یا نابینا ہو)

کیونکہ قریبی قرابت کے لئے صلہ رحمی واجب ہے دور کی قرابت کے لئے نہیں اور ان دونوں کے درمیان فرق اس طرح ہوگا کہ وہ ذی رحم محرم ہو (یعنی اس کے ساتھ نکاح ہمیشہ کے لئے حرام ہو]

اور ارشاد خداوندی ہے:

وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ ◆1

ترجمہ: اور وارث پر اس کی مثل (ذمہ داری) ہے۔

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں ہے:

''اور ذی رحم وارث پر اس کی مثل ہے۔''

پھر ضروری ہے کہ وہ حاجت مند ہو اور عورت ہونا، شل ہونا اور نابینا ہونا حاجت کی علامات ہیں کیونکہ عاجز ہونا ثابت ہو گیا کیونکہ جو کمانے پر قادر ہے وہ اپنی کمائی کی وجہ سے بے نیاز ہوتا ہے بخلاف ماں باپ کے کیونکہ ان کو کمانے کی مشقت لاحق ہوتی ہے اور اولاد کو حکم ہے کہ وہ ماں باپ سے ضرر کو دور کریں لہٰذا ان کا نفقہ واجب ہے باوجود اس کے کہ وہ کمانے پر قادر ہوں۔

امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں [اور یہ نفقہ وراثت کی مقدار پر واجب ہوگا اور اس شخص کو مجبور کیا جائے گا] کیونکہ آیت میں وارث کا لفظ اسی مقدار کے اعتبار پر آگاہی ہے نیز ادائیگی، نفع کے اعتبار سے ہوتی ہے اور مجبور اس لئے کیا جائے گا کہ جو حق اس کے ذمہ ہے اسے ادا کرے۔

توضیح: ایسے رشتہ دار جو قریبی ہوں یعنی ذی رحم محرم ہوں [جن کے ساتھ نکاح ہمیشہ کے لئے حرام ہوتا ہے] اگر وہ محتاج ہوں جیسے نابالغ فقیر ہو یا بالغ مرد یا عورت نادار ہوں یا وہ کمانے کے قابل نہ ہوں مثلاً شل ہو چل پھر نہ سکتا ہو یا نابینا ہو تو انسان پر ایسے رشتہ داروں کا نفقہ واجب ہوتا ہے اس کی دلیل آیت کریمہ ہے کہ وارث پر اس کی مثل ہے بلکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں ذی رحم محرم کے الفاظ بھی ہیں۔

البتہ ضروری ہے کہ وہ لوگ حاجت مند ہوں اور معذور شخص چونکہ کمانے کے قابل نہیں ہوتا لہٰذا وہ بھی حاجت مند

◆1 سورہ بقرہ، آیت: ۲۳۳

ہے۔ کیونکہ جو کمانے کے قابل ہو وہ قادر ہوتا ہے۔ لیکن ماں باپ اگر کمانے کے قابل بھی ہوں تو ان کے نادار ہونے کی صورت میں اولاد ان کے نفقہ کی ذمہ دار ہے کیونکہ محنت مزدوری میں مشقت ہوتی ہے اور اولاد پر لازم ہے کہ ماں باپ کو تکلیف نہ دے۔

اس سلسلے میں یہ بھی یاد رہے کہ ان کا نفقہ وراثت کے تناسب سے ہوگا کیونکہ قرآن پاک میں وارث کے لفظ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کیونکہ خرچہ آمدن کے مطابق ہوتا ہے لہٰذا جس قدر اسے ان سے وراثت ملتی ہے اسی قدر اس کے ذمہ نفقہ ہوگا۔

اور اگر یہ شخص ایسے لوگوں کو نفقہ نہ دے تو اس کو مجبور کیا جائے گا کیونکہ حق کی وصولی کے لئے ایسا کیا جا سکتا ہے۔

نوٹ: بعض اوقات نابینا شخص یا جو ٹانگوں سے معذور ہے کاروبار وغیرہ کے ذریعے اچھا خاصہ مال کما سکتے ہیں لہٰذا اس صورت میں وہ اپنا خرچہ خود برداشت کریں گے۔ ۱۲ ہزاروی

بالغ بیٹی اور اپاہج بیٹے کا خرچہ

(۲۳۳) : قَالَ [وَتَجِبُ نَفَقَةُ الِابْنَةِ الْبَالِغَةِ وَالِابْنِ الزَّمِنِ عَلٰى اَبَوَيْهِ اَثْلَاثًا عَلَى الْاَبِ الثُّلُثَانِ وَعَلَى الْاُمِّ الثُّلُثُ] لِاَنَّ الْمِيْرَاثَ لَهُمَا عَلٰى هٰذَا الْمِقْدَارِ.

قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيفُ: هٰذَا الَّذِى ذَكَرَهُ رِوَايَةُ الْخَصَّافِ وَالْحَسَنِ، وَفِىْ ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ كُلُّ النَّفَقَةِ عَلَى الْاَبِ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى: ﴿وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ﴾ وَصَارَ كَالْوَلَدِ الصَّغِيْرِ.

وَوَجْهُ الْفَرْقِ عَلَى الرِّوَايَةِ الْاُوْلٰى اَنَّهٗ اجْتَمَعَتْ لِلْاَبِ فِى الصَّغِيْرِ وِلَايَةٌ وَّمَئُوْنَةٌ حَتّٰى وَجَبَتْ عَلَيْهِ صَدَقَةُ فِطْرِهٖ فَاخْتَصَّ بِنَفَقَتِهٖ، وَلَا كَذٰلِكَ الْكَبِيْرُ لِانْعِدَامِ الْوِلَايَةِ فِيْهِ فَتُشَارِكُهُ الْاُمُّ. وَفِىْ غَيْرِ الْوَالِدِ يُعْتَبَرُ قَدْرُ الْمِيْرَاثِ حَتّٰى تَكُوْنَ نَفَقَةُ الصَّغِيْرِ عَلَى الْاُمِّ وَالْجَدِّ اَثْلَاثًا. وَنَفَقَةُ الْاَخِ الْمُعْسِرِ عَلَى الْاَخَوَاتِ الْمُتَفَرِّقَاتِ الْمُوسِرَاتِ اَخْمَاسًا عَلٰى قَدْرِ الْمِيْرَاثِ. غَيْرَ اَنَّ الْمُعْتَبَرَ اَهْلِيَّةُ الْاِرْثِ فِى الْجُمْلَةِ لَا اِحْرَازُهٗ. فَاِنَّ الْمُعْسِرَ اِذَا كَانَ لَهٗ خَالٌ وَّابْنُ عَمٍّ تَكُوْنُ نَفَقَتُهٗ عَلٰى خَالِهٖ وَمِيْرَاثُهٗ يُحْرِزُهُ ابْنُ عَمِّهٖ [وَلَا تَجِبُ نَفَقَتُهُمْ مَعَ اخْتِلَافِ الدِّيْنِ لِبُطْلَانِ اَهْلِيَّةِ الْاِرْثِ وَلَا بُدَّ مِنِ اعْتِبَارِهٖ وَلَا تَجِبُ عَلَى الْفَقِيْرِ] لِاَنَّهَا تَجِبُ صِلَةً وَّهُوَ يَسْتَحِقُّهَا عَلٰى غَيْرِهٖ فَكَيْفَ تَسْتَحِقُّ عَلَيْهِ بِخِلَافِ نَفَقَةِ الزَّوْجَةِ وَوَلَدِهِ الصَّغِيْرِ لِاَنَّهُ الْتَزَمَهَا بِالْاِقْدَامِ عَلَى الْعَقْدِ، اِذِ الْمَصَالِحُ لَا تَنْتَظِمُ دُوْنَهَا، وَلَا يَعْمَلُ فِىْ مِثْلِهَا الْاِعْسَارُ.

ثُمَّ الْيَسَارُ مُقَدَّرٌ بِالنِّصَابِ فِيمَا رُوِيَ عَنْ أَبِي يُوسُفَ.

وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهُ قَدَّرَهُ بِمَا يَفْضُلُ عَلَى نَفَقَةِ نَفْسِهِ وَعِيَالِهِ شَهْرًا أَوْ بِمَا يَفْضُلُ عَلَى ذٰلِكَ مِنْ كَسْبِهِ الدَّائِمِ كُلَّ يَوْمٍ لِأَنَّ الْمُعْتَبَرَ فِي حُقُوقِ الْعِبَادِ وَإِنَّمَا هُوَ الْقُدْرَةُ دُونَ النِّصَابِ فَإِنَّهُ لِلتَّيْسِيرِ وَالْفَتْوٰى عَلَى الْأَوَّلِ. لٰكِنَّ النِّصَابَ نِصَابُ حِرْمَانِ الصَّدَقَةِ.

ترجمہ: امام قدوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں [بالغ بیٹی اور (بالغ) اپاہج بیٹے کا نفقہ والدین پر واجب ہے اس کے تین حصے کے دو حصے باپ کے ذمہ اور ایک حصہ ماں پر لازم ہوگا] کیونکہ ان دونوں کے لئے وراثت اسی مقدار پر ہوتی ہے۔ ضعیف بندہ (صاحب ہدایہ) کہتا ہے کہ یہ جو کچھ ذکر کیا یہ حضرت خصاف اور حضرت حسن رحمہما اللہ کی روایت ہے۔

ظاہر الروایت میں ہے کہ تمام نفقہ باپ کے ذمہ ہوگا۔

کیونکہ ارشاد خداوندی ہے:

وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ [1]

ترجمہ: اور مولود لہ (باپ) کے ذمہ ان کا رزق اور لباس ہے۔

اور یہ چھوٹے بچے کی طرح ہو گئے۔

پہلی روایت کے مطابق فرق کی وجہ یہ ہے کہ چھوٹے بچے کے لئے باپ کو ولایت بھی حاصل ہے اور اس کی مُئُوْنَۃ (پرورش کی ذمہ داری) بھی اسی پر ہے حتیٰ کہ اس کا صدقہ فطر بھی باپ پر ہی واجب ہے اس لئے وہ نفقہ کے ساتھ خاص ہے۔

اور بڑی اولاد کا معاملہ اس طرح نہیں کیونکہ اس پر ولایت نہیں اس لئے اس کے ساتھ اس کی ماں شریک ہوگی۔

اور والد کے علاوہ میں وراثت کا اعتبار ہوتا ہے حتیٰ کہ (اگر باپ نہ ہو تو) نابالغ کا نفقہ ماں اور دادا پر اسی طرح تین حصوں میں تقسیم ہوگا۔

اور تنگدست بھائی کا نفقہ متفرق خوشحال بہنوں کے ذمے پانچ حصوں کے مطابق ہوگا جس طرح وراثت کا حکم ہے لیکن وراثت کی اہلیت (استحقاق) کافی ہے اگرچہ (کسی وجہ سے) اسے حصہ نہ ملے۔

تنگدست آدمی کا ماموں اور چچازاد بھائی ہوں تو نفقہ ماموں پر ہوگا اور وراثت اس کے بھتیجے کو ملے گی۔

[اور اگر دونوں کا دین مختلف ہو تو ان کا نفقہ واجب نہیں ہوگا کیونکہ وراثت کی اہلیت باطل ہوگئی جبکہ اس کا اعتبار ضروری ہے اور فقیر پر واجب نہیں]

کیونکہ بطور صلہ (عطیہ) واجب ہوتا ہے اور وہ محتاج شخص خود اس کا مستحق ہے تو اس پر کسی دوسرے کا استحقاق کیسے ہو گا بخلاف بیوی اور نابالغ اولاد کے نفقہ کے کیونکہ اس نے عقد نکاح کا اقدام کر کے اسے اپنے اوپر لازم کیا ہے کیونکہ نفقہ

[1] سورہ بقرہ، آیت: ۲۳۳

کے بغیر نکاح کے مقاصد پورے نہیں ہوتے اور اس قسم کی صورت میں تنگدستی کا اعتبار نہیں ہوتا پھر خوشحالی کا اندازہ نصاب کے ساتھ لگایا گیا ہے جیسا کہ حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ انہوں نے اتنی مقدار کا ذکر کیا کہ جب آدمی اپنی ذات اور اہل وعیال پر خرچ کرے تو جس قدر بچ جائے یا اس کے دائمی کسب سے ہر دن بچ جائے (تو وہ خوشحال ہوگا) کیونکہ بندوں کے حقوق میں استطاعت اور قدرت کا اعتبار ہے نصاب کا نہیں۔ مراد یہ ہے کہ جس قدر میسر ہو اور فتویٰ پہلے قول پر ہے لیکن نصاب سے مراد وہ نصاب ہے جس کی وجہ سے صدقہ نہیں لے سکتا۔

توضیح: امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: بالغ لڑکی یا اپاہج لڑکے کا خرچہ ماں اور باپ دونوں پر اس طرح ہوگا جس طرح ان کا وراثت میں حصہ ہوتا ہے یعنی دو تہائی باپ کے ذمے اور ایک تہائی ماں کے ذمے ہوگا۔

صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ حضرت امام خصاف اور امام حسن رحمۃ اللہ علیہما کا قول ہے جبکہ ظاہر الروایہ میں (حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے) منقول ہے کہ نفقہ صرف باپ پر ہوتا ہے ماں پر نہیں۔ قرآن پاک میں یوں فرمایا کہ باپ کے ذمے ان کا رزق اور لباس ہے لہٰذا جس طرح نابالغ بچوں کا نفقہ صرف باپ کے ذمہ ہوتا ہے ماں پر ذمہ داری نہیں ڈالی جاتی ان کا بھی یہی حکم ہے۔

ماں کی شراکت کی وجہ:

پہلا قول یعنی ماں بھی بالغ لڑکی (جب تک اس کی شادی نہیں ہوتی) اور معذور لڑکے کے نفقہ میں شریک ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ چھوٹے بچے کی ولایت اور اس کے اخراجات کی ذمہ داری دونوں باپ کے ذمے ہوتی ہیں حتیٰ کہ اس کا صدقہ فطر بھی باپ ہی ادا کرتا ہے لہٰذا اس کا نفقہ خاص باپ پر ہوگا ـــــ

جبکہ بڑی اولاد کی ذمہ داری باپ پر نہیں ہوتی کیونکہ وہ باپ کی ولایت سے نکل چکا ہے لہٰذا اس میں ماں بھی شریک ہوگی۔

اور جب والد کے علاوہ کوئی دوسرا بھی نفقہ میں شریک ہو تو وراثت کی مقدار کا اعتبار ہوگا حتیٰ کہ اگر بچہ فقیر ہو اور اس کا باپ موجود نہ ہو تو ماں اور دادا اس طرح پر خرچ کریں گے کہ دادا دو تہائی اور ماں ایک تہائی دے گی کیونکہ وراثت کی تقسیم اسی طرح ہوتی ہے۔

تنگدست بھائی کا نفقہ

اگر بھائی تنگدست ہو اور بہنیں متفرق ہوں یعنی کچھ سگی ہوں کچھ باپ کی طرف سے اور کچھ ماں کی طرف سے ہوں لیکن خوشحال ہوں تو اس بھائی کا نفقہ ان کے ذمے وراثت کے حساب سے ہوگا یعنی کل اخراجات کو پانچ حصوں میں تقسیم کریں گے سگی بہن تین حصے اور دوسری دونوں ایک ایک حصہ خرچ کریں گی کیونکہ ان کے درمیان وراثت اسی طرح تقسیم ہوتی ہے۔

اہلیت ارث کا اعتبار

بعض اوقات ایک شخص وراثت کا اہل ہوتا ہے لیکن کسی وجہ سے اسے وراثت نہیں ملتی جیسے دادا وراثت کا اہل ہے لیکن میت کا بیٹا موجود ہو تو دادا کو وراثت نہیں ملتی لہٰذا یہ دیکھنا ہوگا کہ وہ کسی نہ کسی صورت میں وارث بنتا ہو، اس لئے اگر تنگدست ہو اور اس کا ماموں اور چچا کا بیٹا دونوں موجود ہوں تو نفقہ ماموں کے ذمے ہوگا اور وراثت چچا کا بیٹا لے گا اس کی وجہ یہ ہے کہ چچا کا بیٹا عصبات میں سے ہے اور وہ وارث ہے لیکن محرم نہیں اس کے ساتھ شادی ہو سکتی ہے لیکن ماموں محرم ہے عصبہ نہیں اس لئے نفقہ اس کے ذمے ہوگا اگرچہ وہ لڑکی کے چچا یا اس کے بیٹے کی موجودگی میں وارث نہیں ہوگا۔

دین میں اختلاف

امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگر ذو رحم محرم دوسرے دین سے تعلق رکھتا ہو تو اس پر نفقہ لازم نہیں ہوگا کیونکہ نفقہ کی بنیاد وراثت ہے اور ان کے درمیان وراثت جاری نہیں مسلمان اور کافر ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے۔

فقیر محرم کا حکم

اگر کسی بچے کا محرم فقیر ہو تو اس پر اس کا نفقہ لازم نہیں ہوگا کیونکہ یہ نفقہ بطور عطیہ ہے اور فقیر خود دوسروں کا محتاج ہے گویا وہ خود حق دار ہے لہٰذا اس کے ذمے کوئی حق کیسے ہوگا۔

البتہ بیوی اور نابالغ اولاد کا نفقہ فقیر خاوند اور باپ پر لازم ہے کیونکہ اس نے نکاح کے ذریعے اسے اپنے اوپر لازم کیا ہے کیونکہ نکاح کے مقاصد یعنی نسل بڑھانا اور اکٹھے رہنا نفقہ کے بغیر حاصل نہیں ہوتے۔

لہٰذا اس سلسلے میں خاوند یا نابالغ بچوں کے والد کی تنگدستی کو نہیں دیکھا جائے گا۔

خوشحالی کی مقدار

آدمی کے پاس کتنا مال ہو تو وہ خوشحال کہلا سکتا ہے تو اس سلسلے میں حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہما کے درمیان اختلاف ہے۔ حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: نفقہ کے سلسلے میں خوشحال ہونے سے مراد زکوٰۃ کے نصاب کا مالک ہونا ہے۔

جبکہ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر محرم شخص کے ماہانہ ذاتی اور اہل و عیال کے اخراجات سے کچھ بچ جاتا ہے یا وہ مستقل طور پر مال کماتا ہے اور یومیہ گھریلو اخراجات سے کچھ بچ جاتا ہے تو وہ خوشحال ہے۔

وہ فرماتے ہیں: نفقہ میں اس بات کا اعتبار ہے کہ وہ نفقہ دینے کی طاقت رکھتا ہو اور وہ جس قدر بھی میسر ہو اور یہاں زکوٰۃ کا نصاب مراد نہیں بلکہ وہ نصاب مراد ہے جس کی وجہ سے آدمی زکوٰۃ لے نہیں سکتا۔ وجوب زکوٰۃ والا نصاب نہیں۔

فتویٰ حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ہے۔

غیر موجود بیٹے کے مال میں والدین کا نفقہ

(۲۲۴) : [وَاِذَا كَانَ لِلِابْنِ الْغَائِبِ مَالٌ قُضِيَ فِيْهِ بِنَفَقَةِ اَبَوَيْهِ] وَقَدْ بَيَّنَّا الْوَجْهَ فِيْهِ [وَاِذَا بَاعَ اَبُوْهُ مَتَاعَهُ فِيْ نَفَقَتِهِ (جَازَ)] عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ. وَهٰذَا اسْتِحْسَانٌ [وَاِنْ بَاعَ الْعَقَارَ لَمْ يَجُزْ] وَفِيْ قَوْلِهِمَا لَا يَجُوْزُ ذٰلِكَ كُلُّهُ وَهُوَ الْقِيَاسُ. لِاَنَّهُ لَا وِلَايَةَ لَهُ لِانْقِطَاعِهَا بِالْبُلُوْغِ. وَلِهٰذَا لَا يَمْلِكُ فِيْ حَالِ حَضْرَتِهِ وَلَا يَمْلِكُ الْبَيْعَ فِيْ دَيْنٍ لَهُ سِوَى النَّفَقَةِ. وَكَذَا لَا تَمْلِكُ الْاُمُّ فِي النَّفَقَةِ.

وَلِاَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللهُ اَنَّ لِلْاَبِ وِلَايَةَ الْحِفْظِ فِيْ مَالِ الْغَائِبِ؛ اَلَا تَرٰى اَنَّ لِلْوَصِيِّ ذٰلِكَ فَالْاَبُ اَوْلٰى لِوُفُوْرِ شَفَقَتِهِ. وَبَيْعُ الْمَنْقُوْلِ مِنْ بَابِ الْحِفْظِ وَلَا كَذٰلِكَ الْعَقَارُ لِاَنَّهَا مُحْصَنَةٌ بِنَفْسِهَا. وَبِخِلَافِ غَيْرِ الْاَبِ مِنَ الْاَقَارِبِ لِاَنَّهُ لَا وِلَايَةَ لَهُمْ اَصْلًا فِي التَّصَرُّفِ حَالَةَ الصِّغَرِ وَلَا فِي الْحِفْظِ بَعْدَ الْكِبَرِ.

اِذَا جَازَ بَيْعُ الْاَبِ فَالثَّمَنُ مِنْ جِنْسِ حَقِّهِ وَهُوَ النَّفَقَةُ فَلَهُ الْاِسْتِيْفَاءُ مِنْهُ. كَمَا لَوْ بَاعَ الْعَقَارَ وَالْمَنْقُوْلَ عَلَى الصَّغِيْرِ جَازَ لِكَمَالِ الْوِلَايَةِ. ثُمَّ لَهُ اَنْ يَاْخُذَ مِنْهُ بِنَفَقَتِهِ لِاَنَّهُ مِنْ جِنْسِ حَقِّهِ [وَاِنْ كَانَ لِلِابْنِ الْغَائِبِ مَالٌ فِيْ يَدِ اَبَوَيْهِ وَاَنْفَقَا مِنْهُ لَمْ يَضْمَنَا] لِاَنَّهُمَا اسْتَوْفَيَا حَقَّهُمَا لِاَنَّ نَفَقَتَهُمَا وَاجِبَةٌ قَبْلَ الْقَضَاءِ عَلٰى مَا مَرَّ وَقَدْ اَخَذَا جِنْسَ الْحَقِّ [وَاِنْ كَانَ لَهُ مَالٌ فِيْ يَدِ اَجْنَبِيٍّ فَاَنْفَقَ عَلَيْهِمَا بِغَيْرِ اِذْنِ الْقَاضِيْ (ضَمِنَ)] لِاَنَّهُ تَصَرُّفٌ فِيْ مَالِ الْغَيْرِ بِغَيْرِ وِلَايَةٍ لِاَنَّهُ نَائِبٌ فِي الْحِفْظِ لَا غَيْرُ. بِخِلَافِ مَا اِذَا اَمَرَهُ الْقَاضِيْ لِاَنَّ اَمْرَهُ مُلْزِمٌ لِعُمُوْمِ وِلَايَتِهِ.

وَاِذَا ضَمِنَ لَا يَرْجِعُ عَلَى الْقَابِضِ لِاَنَّهُ مَلَكَهُ بِالضَّمَانِ فَظَهَرَ اَنَّهُ كَانَ مُتَبَرِّعًا بِهِ.

ترجمہ: [اور جب غائب بیٹے کا مال ہو تو اس میں اس کے ماں باپ کے نفقہ کا فیصلہ کیا جائے] اس کی وجہ پہلے بیان ہو چکی ہے۔

اور جب اس کا باپ اپنے نفقہ کے لئے اس کا سامان فروخت کرے تو حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک [جائز ہے] اور یہ استحسان ہے۔ [اور اگر (اس کی) زمین فروخت کرے تو جائز نہیں]

اور صاحبین رحمہما اللہ کے قول کے مطابق کوئی چیز بھی فروخت کرنا جائز نہیں اور قیاس یہی ہے کیونکہ (بیٹے کے) بالغ ہونے سے باپ کی ولایت ختم ہو گئی اسی لئے بیٹے کی موجودگی میں وہ مالک نہیں ہوتا اور نفقہ کے علاوہ وہ اپنے قرض کی ادائیگی کے

لئے بھی فروخت نہیں کر سکتا اسی طرح نفقہ میں ماں بھی (بیٹے کے مال کی) مالک نہیں ہوتی۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ باپ کو غائب (بیٹے) کے مال کی حفاظت کی ولایت حاصل ہے۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ وصی کو یہ ولایت حاصل ہوتی ہے تو باپ کو بدرجہ اولیٰ حاصل ہوگی کیونکہ وہ زیادہ شفیق ہوتا ہے۔

اور منقولی چیز حفاظت کے باب سے ہے جبکہ زمین کا یہ معاملہ نہیں کیونکہ وہ خود اپنی محافظ ہے۔

اور بخلاف باپ کے علاوہ قرابت داروں کے کیونکہ ان کو بچپن کی حالت میں تصرف کی ولایت اور بالغ کے لئے حفاظت کی ولایت بالکل حاصل نہیں۔

جب باپ کا فروخت کرنا جائز ہے تو ثمن (اس چیز کی قیمت) اس (باپ) کے حق کی جنس سے ہے اور وہ (حق) نفقہ ہے پس اسے اس سے وصول کرنے کا حق ہے۔

جس طرح اگر وہ نابالغ اولاد کے لئے زمین یا منقول چیز فروخت کرے تو جائز ہے کیونکہ ولایت کامل ہے پھر وہ اس سے اپنا نفقہ وصول کرے کیونکہ وہ اس کے حق کی جنس سے ہے۔

[اور اگر غائب بیٹے کا مال ماں باپ کے پاس ہو اور وہ اس میں سے خرچ کریں تو ان پر چٹی نہیں آئے گی] کیونکہ انہوں نے اپنا حق وصول کیا کیونکہ ان کا نفقہ قاضی کے فیصلے سے پہلے بھی واجب ہوتا ہے جیسا کہ گزر گیا۔

اور انہوں نے حق کی جنس سے وصول کیا۔

[اور اگر اس کا مال کسی اجنبی کے پاس ہو اور وہ قاضی کی اجازت کے بغیر ان پر خرچ کرے تو ضامن ہوگا] کیونکہ یہ ولایت کے بغیر دوسرے کے مال میں تصرف کرنا ہے کیونکہ وہ صرف حفاظت کے لئے اس کا نائب ہے اس کے علاوہ کے لئے نہیں)

بخلاف اس کے جب قاضی اس کو حکم دے کیونکہ اس کا حکم لازم کرنے والا ہے کیونکہ اس کی ولایت عام ہے اور جب وہ ضامن ہے تو قبضہ کرنے والے کی طرف رجوع نہ کرے کیونکہ وہ ضمان کے ساتھ مالک ہوا پس ظاہر ہوا کہ وہ اس میں متبرع (اپنی طرف سے نیکی کرنے والا) ہے۔

توضیح: گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے کہ ماں باپ کا نفقہ اولاد کے ذمے ہوتا ہے اب یہ بتانا مقصود ہے کہ اگر بیٹا موجود نہ ہو تو کیا کیا جائے؟

تو اس سلسلے میں تین صورتیں ہیں:

① بیٹا غائب ہے اور اس کا مال موجود ہے۔

② بیٹا موجود نہیں اور اس کا مال اس کے ماں باپ کے پاس موجود ہے۔

③ تیسری صورت یہ ہے کہ غائب شخص کا مال کسی اجنبی شخص کے پاس ہے۔

تو تینوں کے احکام تفصیل سے بیان کئے جا رہے ہیں:

پہلی صورت:

بیٹا موجود نہیں لیکن اس کے پاس مال ہے تو قاضی کو چاہئے کہ وہ اس کے مال میں اس کے ماں باپ کے لئے نفقہ کا فیصلہ کرے (اس کی وجہ پہلے بیان ہو چکی ہے)

اگر بیٹے کا مال روپے پیسے کی صورت میں نہ ہو بلکہ سامان ہو اور باپ اس سامان کو فروخت کرے تو حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بطور استحسان جائز ہے البتہ اس کی زمین فروخت کرنا جائز نہیں۔

جبکہ صاحبین کے نزدیک زمین کی طرح دوسرا سامان بھی فروخت نہیں کرسکتا اور قیاس بھی یہی ہے۔

صاحبین کی دلیل اور قیاس کی وجہ یہ ہے کہ جب بیٹا بالغ ہو گیا تو اب باپ کی ولایت ختم ہو گئی۔

یہی وجہ ہے کہ اگر وہ موجود ہوتا تو باپ اس کے مال کا مالک نہ ہوتا باپ کا بیٹے پر قرض ہوتا تو بھی اس کا مال فروخت نہ کرسکتا البتہ اس کی موجودگی میں نفقہ کے لئے فروخت کرسکتا اسی طرح ماں بھی نفقہ کے لئے فروخت نہیں کرسکتی۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ غائب بیٹے کے مال کی حفاظت کے لئے باپ کو ولایت حاصل ہے وہ فرماتے ہیں: جب وصی کو ولایت حاصل ہے تو باپ کو بدرجۂ اولیٰ حاصل ہوگی کیونکہ اس میں شفقت زیادہ ہے (اور وہ بیٹے کے مال کو ضائع نہیں کرے گا) اور منقول چیز کو فروخت کرنا حفاظت کی ہی ایک صورت ہے جبکہ زمین خود محفوظ ہوتی ہے۔

نوٹ: باپ کے علاوہ قریبی رشتہ داروں کو تصرف کی ولایت بالکل حاصل نہیں ہوتی بچہ بالغ ہو یا نابالغ۔

چونکہ نفقہ کے لئے ایسے مال کی ضرورت ہے جو نفقہ کی جنس سے ہو جیسے روپیہ پیسہ اور لباس وغیرہ لہٰذا جب باپ کے لئے غائب بیٹے کا سامان فروخت کرنا جائز ہوا تو اب اس کے بدلے میں ملنے والی رقم سے وصول کرسکتا ہے جس طرح نابالغ بچے کی ضروریات کے لئے اس کا سامان یا زمین فروخت کرسکتا ہے کیونکہ نابالغ کی ولایت مکمل طور پر باپ کو حاصل ہوتی ہے اب حاصل ہونے والی رقم سے اس بچے کا نفقہ لے گا۔

دوسری صورت:

جب غائب اولاد کا مال ماں باپ کے قبضہ میں ہو اور وہ اپنا نفقہ وصول کریں تو ان پر ضمان نہیں ہوگی (چٹی نہیں بھریں گے) کیونکہ انہوں نے اپنا حق وصول کیا ہے کیونکہ اولاد کے مال میں ماں باپ کا حق قاضی کے فیصلے کے بغیر بھی ہوتا ہے۔

تیسری صورت:

غائب شخص کا مال ماں باپ کے علاوہ کسی کے پاس ہو تو اسے قاضی کے فیصلے کا انتظار کرنا چاہئے اگر قاضی کے فیصلے کے بغیر اس کے ماں باپ پر خرچ کرے تو ضامن ہوگا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے دوسرے کے مال میں ولایت کے بغیر تصرف کیا ہے اگر کہا جائے کہ وہ اس کا نائب ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ صرف حفاظت کے لئے نائب ہے اس کے علاوہ اسے کوئی اختیار نہیں۔

لیکن جب قاضی اجازت دے تو خرچ کرسکتا ہے کیونکہ قاضی کو ولایت عامہ حاصل ہے وہ اجازت دے سکتا ہے۔

قاضی نے نفقہ کا فیصلہ کیا اور مدت گزر گئی

(۲۳۵) : [وَاِذَا قَضَى الْقَاضِيْ لِلْوَلَدِ وَالْوَالِدَيْنِ وَذَوِي الْاَرْحَامِ بِالنَّفَقَةِ فَمَضَتْ مُدَّةٌ سَقَطَتْ] لِاَنَّ نَفَقَةَ هٰؤُلَاءِ تَجِبُ كِفَايَةً لِلْحَاجَةِ حَتّٰى لَا تَجِبُ مَعَ الْيَسَارِ وَقَدْ حَصَلَتْ بِمُضِيِّ الْمُدَّةِ. بِخِلَافِ نَفَقَةِ الزَّوْجَةِ اِذَا قَضٰى بِهَا الْقَاضِيْ لِاَنَّهَا تَجِبُ مَعَ يَسَارِهَا فَلَا تَسْقُطُ بِحُصُوْلِ الْاِسْتِغْنَاءِ فِيْمَا مَضٰى.

قَالَ [اِلَّا اَنْ يَّأْذَنَ الْقَاضِيْ بِالْاِسْتِدَانَةِ عَلَيْهِ] لِاَنَّ الْقَاضِيَ لَهٗ وِلَايَةٌ عَامَّةٌ فَصَارَ اِذْنُهٗ كَاَمْرِ الْغَائِبِ فَيَصِيْرُ دَيْنًا فِيْ ذِمَّتِهٖ فَلَا تَسْقُطُ بِمُضِيِّ الْمُدَّةِ. وَاللّٰهُ تَعَالٰى اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

ترجمہ: [اور جب قاضی نے اولاد، ماں باپ اور ذوی الارحام کے لئے نفقہ کا فیصلہ کیا اور مدت گزر گئی تو ساقط ہو جائے گا] کیونکہ ان لوگوں کا نفقہ ان کی حاجت کو پورا کرنے کے لئے واجب ہوتا ہے حتیٰ کہ اگر وہ خوشحال ہوں تو واجب نہیں ہوتا اور مدت گزرنے کے ساتھ حاجت بھی ختم ہوگئی بخلاف بیوی کے نفقہ کے، کیونکہ وہ عورت کے مالدار ہونے کے باوجود (خاوند پر) واجب ہوتا ہے لہٰذا گزشتہ وقت میں بے نیاز ہونے کے باوجود ساقط نہیں ہوگا۔

امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں [مگر یہ کہ قاضی خاوند کے حساب میں قرض لینے کا حکم دے]

کیونکہ قاضی کو ولایت عامہ حاصل ہے پس اس کی اجازت غائب کے حکم کی طرح ہے لہٰذا وہ اس کے ذمہ قرض ہوگا اور مدت گزرنے کے باوجود ساقط نہیں ہوگا —— اور اللہ تعالیٰ بہتر بات کو خوب جانتا ہے۔

توضیح: چونکہ نفقہ حاجت کو پورا کرنے کے لئے واجب ہوتا ہے لہٰذا جتنی مدت کے لئے قاضی نے کسی شخص کی اولاد، ماں باپ یا محرم رشتہ داروں کے لئے مقرر کیا اور وہ مدت گزر گئی تو یہ نفقہ ساقط ہو جائے گا کیونکہ وہ اپنی حاجت پوری کر چکے ہیں۔

یعنی اس گزرے ہوئے وقت کا کھانا کھا چکے ہیں اور اب اس کی ضرورت نہیں ——

یہی وجہ ہے کہ اگر یہ لوگ کشادہ حال ہوں تو ان کا نفقہ واجب نہیں ہوتا بلکہ خود اپنے مال سے خرچ کریں گے۔

البتہ بیوی کا نفقہ اس کے مالدار ہونے کے باوجود خاوند پر واجب ہوتا ہے لہٰذا وہ ساقط نہیں ہوگا اگرچہ اس نے گزشتہ وقت میں حاصل نہ کیا ہو۔

ایک استثنائی صورت یہ ہے کہ قاضی نے کسی شخص کی اولاد یا ماں باپ یا قریبی محرم رشتہ دار جو محتاج تھے کو قرض لینے کی اجازت دی کہ ادائیگی وہی شخص کرے گا جس کے ذمے ان کا نفقہ ہے تو اسے ادا کرنا ہوگا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ قاضی کو ولایت عامہ حاصل ہے لہٰذا اس کی طرف سے اجازت اسی طرح ہے جس طرح اس غائب شخص نے حکم دیا اس لئے وہ اس کے ذمہ قرض ہو جائے گا اور مدت گزرنے پر ساقط نہیں ہوگا۔

فصل: لونڈی اور غلام کا خرچ آقا پر لازم ہے

(۲۳۶): [وَعَلَى الْمَوْلَى اَنْ يُنْفِقَ عَلَى عَبْدِهٖ وَاَمَتِهٖ] لِقَوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَمَالِيْكِ [اِنَّهُمْ اِخْوَانُكُمْ جَعَلَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى تَحْتَ اَيْدِيْكُمْ. اَطْعِمُوْهُمْ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ وَاَلْبِسُوْهُمْ مِمَّا تَلْبِسُوْنَ. وَلَا تُعَذِّبُوْا عِبَادَ اللّٰهِ] [فَاِنِ امْتَنَعَ وَكَانَ لَهُمَا كَسْبٌ اكْتَسَبَا وَاَنْفَقَا] لِاَنَّ فِيْهِ نَظَرًا لِلْجَانِبَيْنِ حَتّٰى يَبْقَى الْمَمْلُوْكُ حَيًّا وَيَبْقٰى فِيْهِ مِلْكُ الْمَالِكِ (وَاِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُمَا كَسْبٌ) بِاَنْ كَانَ عَبْدًا زَمِنًا اَوْ جَارِيَةً لَا يُؤَاجَرُ مِثْلُهَا [اُجْبِرَ الْمَوْلٰى عَلٰى بَيْعِهِمَا] لِاَنَّهُمَا مِنْ اَهْلِ الْاِسْتِحْقَاقِ وَفِي الْبَيْعِ اِيْفَاءُ حَقِّهِمَا وَاِبْقَاءُ حَقِّ الْمَوْلٰى بِالْخُلْفِ. بِخِلَافِ نَفَقَةِ الزَّوْجَةِ لِاَنَّهَا تَصِيْرُ دَيْنًا فَكَانَ تَاْخِيْرًا عَلٰى مَا ذَكَرْنَا. وَنَفَقَةُ الْمَمْلُوْكِ لَا تَصِيْرُ دَيْنًا فَكَانَ اِبْطَالًا. وَبِخِلَافِ سَائِرِ الْحَيَوَانَاتِ لِاَنَّهَا لَيْسَتْ مِنْ اَهْلِ الْاِسْتِحْقَاقِ فَلَا يُجْبَرُ عَلٰى نَفَقَتِهَا. اِلَّا اَنَّهٗ يُؤْمَرُ بِهٖ فِيْمَا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ اللّٰهِ تَعَالٰى لِاَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «نَهٰى عَنْ تَعْذِيْبِ الْحَيَوَانِ وَفِيْهِ ذٰلِكَ». «وَنَهٰى عَنْ اِضَاعَةِ الْمَالِ وَفِيْهِ اِضَاعَتُهٗ».

وَعَنْ اَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ اَنَّهٗ يُجْبَرُ. وَالْاَصَحُّ مَا قُلْنَا. وَاللّٰهُ تَعَالٰى اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

ترجمہ: [اور آقا پر لازم ہے کہ اپنے غلام اور لونڈی پر خرچ کرے] کیونکہ حضور علیہ السلام نے غلاموں اور لونڈیوں کے بارے میں فرمایا:

اِنَّهُمْ اِخْوَانُكُمْ جَعَلَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى تَحْتَ اَيْدِيْكُمْ. اَطْعِمُوْهُمْ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ وَاَلْبِسُوْهُمْ مِمَّا تَلْبِسُوْنَ. وَلَا تُعَذِّبُوْا عِبَادَ اللّٰهِ

ترجمہ: بے شک یہ تمہارے بھائی ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں تمہارے ماتحت کیا ہے ان کو اس (کھانے) سے کھلاؤ جو خود کھاتے ہو اور اس لباس سے پہناؤ جو خود پہنتے ہو اور اللہ کے بندوں کو عذاب نہ دو۔ [1]

[اور اگر وہ رک جائے اور ان کے لئے کوئی ذریعہ معاش ہو تو وہ مال کمائیں اور اپنے اوپر خرچ کریں]

کیونکہ اس میں دونوں طرف والوں کے لئے شفقت ہے حتیٰ کہ مملوک (غلام یا لونڈی) زندہ رہیں اور اس میں مالک کی ملک بھی باقی رہے ——

[اور اگر وہ کمانے کے قابل نہ ہوں] اس طرح کہ غلام اپاہج ہو اور لونڈی ایسی ہو کہ اس کی مثل کو اجرت پر نہیں دیا جا

---

[1] سنن ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی حق المملوک، حدیث: ۵۱۵۷۔ صحیح بخاری، حدیث: ۶۰۵۰

سکتا[تو مولی کو مجبور کیا جائے کہ وہ ان کو فروخت کرے] کیونکہ وہ مستحقین میں سے ہیں اور فروخت کرنے میں ان کے حق کو پورا کرنا اور اس کے بدل (یعنی قیمت) کے ذریعے آقا کا حق باقی رکھنا ہے۔

بخلاف بیوی کے نفقہ کے کہ وہ قرض ہو جاتا ہے لہٰذا اس میں تاخیر ہو جائے گی باطل نہیں ہوگا جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے۔ اور مملوک (غلام اور لونڈی) کا نفقہ قرض نہیں ہوتا لہٰذا یہ باطل ہو جائے گا ــــ

اور بخلاف تمام حیوانات کے، کیونکہ وہ مستحقین میں سے نہیں ہیں اس لئے ان کے نفقہ پر زبردستی نہیں کی جائے گی البتہ اسے حکم دیا جائے کہ دیانتداری کے تقاضے کے مطابق عمل کرے کیونکہ حضور علیہ السلام نے حیوانات کو عذاب دینے سے منع فرمایا۔ [1] اور اس (نہ دینے) میں یہ (عذاب) ہے۔ [2]

اور حضور علیہ السلام نے مال ضائع کرنے سے منع فرمایا اور اس وجہ سے مال کو ضائع کرنا ہے۔

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ اسے مجبور کیا جائے اور زیادہ صحیح وہ ہے جو ہم نے کہا ــــ اور اللہ تعالیٰ بہتر بات کو خوب جانتا ہے۔

توضیح:

نوٹ: ایک وقت تھا جب انسانوں کی خرید وفروخت ہوتی تھی اور خریدا گیا انسان کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا تھا ــــ الحمد للہ! رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے آہستہ آہستہ غلامی کا سلسلہ ختم ہو گیا (یہ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی برکات میں سے ایک برکت ہے)

فقہاء کرام نے احادیث مبارکہ کی روشنی میں غلاموں کے مسائل اپنی کتب میں ذکر فرمائے۔ اسی سلسلے میں امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

غلام اور لونڈی کا نفقہ ان کے آقا کے ذمے ہے اور اس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث شریف بطور دلیل پیش فرمائی۔ (حدیث مع ترجمہ گزر چکی ہے)

اور اگر وہ ان لوگوں کو نفقہ دینے سے انکار کرے اور وہ کمانے کے قابل ہوں تو خود کمائی کر کے اپنے اخراجات پورے کریں (لیکن اس صورت میں اس پر لازم ہے کہ ان کو کسب حلال کی اجازت دے)

اس طرح دونوں کا فائدہ ہے غلام کو رزق مل جائے گا اور آقا کی ملک باقی رہے گی۔

اور اگر وہ کمانے کے قابل نہ ہوں مثلاً غلام معذور ہو اور لونڈی اس قابل نہ ہو کہ اس سے مزدوری کروائی جائے تو ان کے مالک پر لازم ہے کہ ان کو فروخت کر دے کیونکہ وہ نفقہ کے مستحق ہیں اور اس طرح ان کو دوسرے آقا کے پاس نفقہ مل جائے گا اور پہلے آقا کو ان کی قیمت کی رقم مل جائے گی۔

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی حق المملوک، حدیث: ۱۵۶۱

[2] صحیح بخاری، کتاب الاستقراء، فی باب ما ینھی عن اضاعۃ المال، حدیث: ۲۴۷۸

بیوی اور غلام کا فرق

چونکہ بیوی کا نفقہ خاوند کے ذمہ دَین (قرض) ہوتا ہے اس لئے وہ باطل نہیں ہوتا جبکہ غلاموں کا نفقہ قرض نہیں ہوتا لہٰذا وہ باطل ہو جاتا ہے اس لئے ان کو فروخت کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ عورت کے نفقہ میں تاخیر ہو سکتی ہے باطل نہیں ہوتا جب وقت پر نہ ملے اور اگر غلاموں کو نہ دیا جائے تو باطل ہو جاتا ہے۔

حیوانات کا نفقہ

حیوانات کا خرچہ انسان پر واجب نہیں کیونکہ وہ اہل استحقاق میں سے نہیں لیکن دینی اور شرعی تقاضا ہے کہ ان پر خرچ کرے کیونکہ حضور علیہ السلام نے حیوانات کو عذاب دینے سے منع فرمایا اور ان کو چارہ نہ دینا عذاب دینا ہے۔ علاوہ ازیں حضور علیہ السلام نے مال ضائع کرنے سے منع فرمایا اور اگر ان کو چارہ نہ دیا جائے تو وہ ضائع ہو جائیں گے۔

حضرت امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جانوروں کے مالک کو مجبور کیا جائے لیکن صاحب ہدایہ فرماتے ہیں: پہلی بات صحیح ہے (راقم کے خیال میں آج کے دور میں حضرت امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر عمل ہونا چاہئے۔ (۱۲ ہزاروی)

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ عَلٰی اِحْسَانِهٖ وَ فَضْلِهٖ —— آج ۷ ربیع الاول شریف ۱۴۳۹ھ بمطابق ۲۶ نومبر ۲۰۱۷ء بروز اتوار بوقت صبح صادق ہدایہ شریف (کتاب الطلاق) کا ترجمہ مع توضیح پایہ تکمیل کو پہنچا۔ اس کا آغاز ۱۳ جولائی ۲۰۱۷ء کو ہوا یوں یہ کام چار ماہ سترہ دن میں مکمل ہوا ——

محمد صدیق ہزاروی سعیدازہری
(شیخ الحدیث جامعہ ہجویریہ دربار عالیہ
حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ لاہور پاکستان)

امتحان کی تیاری کے لیے سوالات

(۱) طلاق کی تین قسمیں ہیں حسن، احسن اور بدعی ہیں ان تینوں کی وضاحت کریں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک ان میں سے کون سی طلاق مستحب تھی اور کیوں؟

(۲) کس طلاق میں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے اور ان کی دلیل اور احناف کی طرف سے جواب نقل کریں۔

(۳) طلاق بدعت کی کیا کیا صورتیں ہیں اور اس مسئلہ میں حنفی شافعی اختلاف مع دلائل ذکر کریں۔

(۴) سنت طلاق کی دو صورتیں ہیں وقت کے اعتبار سے اور عدد کے اعتبار سے ان کی وضاحت کریں اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف مع دلیل بتائیں۔

(۵) جس عورت کو حیض نہ آتا ہو اسے سنت طلاق دینے کا طریقہ کیا ہے۔

(۶) عام طور پر مشہور ہے کہ حاملہ عورت کو طلاق نہیں ہوتی کیا یہ صحیح ہے نیز حاملہ عورت کو جماع کے بعد طلاق دینا جائز ہے اس کی وجہ بتائیں۔ حاملہ عورت کو سنت طلاق دینے میں امام ابوحنیفہ اور صاحبین رحمہم اللہ کے درمیان اختلاف ذکر کریں۔

(۷) حیض کی حالت میں طلاق کا کیا حکم ہے، کیا یہ طلاق واقع ہو جاتی ہے اس سلسلے میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا واقعہ نقل کریں۔ اور کیا اس طلاق کے بعد رجوع مستحب ہے یا واجب؟ واجب ہے تو اس کی وجہ ذکر کریں۔

(۸) مدخول بہا حائضہ عورت کو کہا جائے تجھے سنت کے مطابق تین طلاقیں تو یہ طلاقیں کس طرح واقع ہوں گی اس سلسلے میں امام زفر رحمہ اللہ کیا فرماتے ہیں نیز جسے حیض نہ آتا ہو اسے یہ الفاظ کہے تو کیا حکم ہوگا۔

(۹) وہ کون کون سے لوگ ہیں جن کی طلاق واقع نہیں ہوتی اور کیوں؟

(۱۰) مکرہ (جسے مجبور کیا گیا) اس کی طلاق کا کیا حکم ہے اور اس سلسلے میں امام شافعی رحمہ اللہ کا موقف کیا ہے دونوں طرف کے دلائل ذکر کریں۔

(۱۱) نشے والے آدمی کی طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں اس مسئلہ میں کس کا اختلاف ہے اختلاف اور دونوں طرف کے دلائل ذکر کریں نیز گونگے کی طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں؟

(۱۲) لونڈی کی کل طلاقیں دو ہیں یا تین امام شافعی رحمہ اللہ کا اختلاف کیا ہے ان کی پیش کردہ حدیث کا جواب اور احناف کی پیش کردہ حدیث نقل کریں۔ نیز عقلی دلیل بھی ذکر کریں۔

(۱۳) غلام شوہر اپنی بیوی کو خود طلاق دے گا یا اس کا آقا؟ وجہ بھی ذکر کریں۔

(۱۴) الفاظ کے اعتبار سے طلاق کی دو قسمیں صریح اور کنایہ ہیں ان کی وضاحت کریں اور چند کنایہ الفاظ ذکر کریں۔

(۱۵) عورت کے جسم یا کسی عضو کی طرف نسبت کر کے طلاق دینے کے بارے میں تفصیل بتائیں۔

(۱۶) اگر نصف طلاق یا تہائی طلاق دی تو کیا حکم ہوگا اور اگر کہے ایک سے دو تک یا ایک اور دو کے درمیان طلاق، تو اس کا حکم کیا ہوگا۔ امام ابوحنیفہ اور صاحبین رحمہم اللہ کے درمیان اختلاف بھی بتائیں۔

(۱۷) اگر طلاق کی نسبت فاصلے کی طرف کی جائے یا جگہ کی طرف کی جائے تو کیا حکم ہوگا۔

(۱۸) اگر زمانے کی طرف نسبت کی جائے مثلاً کہے تجھے کل آئندہ طلاق وغیرہ تو حکم کیا ہوگا اور اگر کل گزشتہ کی طرف نسبت کی تو کیا حکم ہوگا۔

(۱۹) طلاق کی نسبت شادی سے پہلے کی طرف کرنے کی کیا صورت ہوگی اور شادی کرنے سے طلاق کو مشروط کرنا کیسا ہے اور اس صورت میں طلاق کب ہوگی۔

(۲۰) کیا عورت کی طرف سے طلاق ہو سکتی ہے مثلاً مرد کہے کہ "میں تجھ سے طلاق والا ہوں" تو کیا حکم ہوگا اور اگر کہے کہ میں تجھ پر حرام یا تجھ سے جدا ہوں تو کیا حکم ہوگا اور اس سلسلے میں نیت کی کیا حیثیت ہوگی اگر ائمہ کا اختلاف ہے تو اسے واضح کریں۔

(۲۱) اگر خاوند طلاق دیتے ہوئے انگلیوں سے اشارہ کرے تو طلاق کی کیا صورت ہوگی تفصیلی طور پر بیان کریں۔

(۲۲) طلاق کو شدت یا سختی کے ساتھ موصوف کیا تو کون سی طلاق واقع ہوگی مثلاً اَنْتِ طَالِقٌ بَائِنٌ کہا، اس سلسلے میں حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا کیا اختلاف ہے دونوں طرف کے دلائل ذکر کریں۔ اس سلسلے میں دیگر کون سے الفاظ کتاب میں مذکور ہیں۔

(۲۳) جب طلاق کو کسی چیز سے تشبیہ دی جائے تو کون سی طلاق واقع ہوگی اور اس سلسلے میں ائمہ احناف کا اختلاف ذکر کریں۔
(۲۴) غیر مدخول بہا بیوی کو طلاق دینے کی مختلف صورتیں اور ان کے احکام بیان کریں۔
(۲۵) طلاق دیتے ہوئے لفظ ''قبل'' اور لفظ ''بعد'' استعمال کیا تو اس کی مختلف صورتیں اور ان کے احکام ذکر کریں۔
(۲۶) مشروط طلاق میں شرط کا ذکر پہلے کیا یا بعد میں کیا تو دونوں کے حکم میں فرق کی وضاحت کریں۔
(۲۷) طلاق کے لئے کنایہ الفاظ کے استعمال سے کون سی طلاق واقع ہوتی ہے اور اس سلسلے میں چند صورتیں ذکر کی گئی ہیں ان کی وضاحت کریں۔
(۲۸) کنایہ الفاظ کے ساتھ طلاق دیتے وقت نیت کب ضروری ہوتی ہے اور کیوں؟
(۲۹) کنایات کی بنیادی تین اقسام بیان کی گئی ہیں ان کی وضاحت کریں اور ہر ایک کے احکام بتائیں۔
(۳۰) اگر خاوند اپنی بیوی کو طلاق کا اختیار دے اور طلاق کی نیت کرے تو اس کے لئے کیا کیا امور ضروری ہیں یعنی مجلس کے اعتبار سے لفظ نفس کے استعمال کے حوالے سے، نیز طلاق کون سی واقع ہوگی۔
(۳۱) اگر خاوند تین مرتبہ کے اِخْتَارِیْ اِخْتَارِیْ اِخْتَارِیْ اور عورت تینوں اختیارات کو قبول کرے تو حضرت امام ابوحنیفہ اور صاحبین کے درمیان اختلاف اور دلائل ذکر کریں۔ اور اگر وہ اِخْتَرْتُ نَفْسِیْ اِخْتِیَارَۃً کہے تو کیا حکم ہوگا۔
(۳۲) عورت کو اختیار کب تک باقی رہے گا دلیل کے ساتھ ذکر کریں۔
(۳۳) طلاق کا اختیار دینے کے بعد کیا شوہر اس اختیار سے رجوع کر سکتا ہے یا نہیں اگر نہیں تو کیوں؟
(۳۴) کسی دوسرے شخص کو طلاق دینے کا وکیل بنایا جا سکتا ہے یا نہیں اور کیا یہ اختیار مجلس تک محدود ہوگا اور اگر وہ وکیل بناتے وقت یہ کہے کہ اگر تو چاہے تو اب کیا حکم ہوگا۔ اس سلسلے میں امام زفر رحمہ اللہ کا موقف کیا ہے۔
(۳۵) مرد نے عورت کو تین طلاقوں کا اختیار دیا اس نے ایک طلاق دی تو کیا حکم ہوگا اور اگر اس کے برعکس ہوا یعنی ایک کا اختیار دیا اور اس نے تین دیں تو اس کے حکم میں امام اعظم اور صاحبین رحمہما اللہ کے درمیان کیا اختلاف ہے۔
(۳۶) اگر مرد اپنی بیوی سے کہے: اَنْتِ طَالِقٌ کُلَّمَا شِئْتِ یا کہے: حَیْثُ شِئْتِ یا اَیْنَ شِئْتِ تو ان صورتوں میں طلاق کی کیا صورت ہوگی۔
(۳۷) اگر کسی عورت سے کہا کہ اگر میں تجھ سے نکاح کروں تو تجھے طلاق ہے تو اس صورت میں امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کا اختلاف مع دلیل ذکر کریں۔
(۳۸) الفاظ شرط کون کون سے ہیں اور اگر ان کے ساتھ طلاق کی شرط کو ذکر کیا تو کیا حکم ہوگا۔
(۳۹) کیا شرط ذکر کرنے کے بعد طلاق دے دے تو شرط ختم ہو جائے گی یا باقی رہے اور کب نافذ ہوگی۔
(۴۰) اگر شرط کے پائے جانے میں مرد اور عورت کے درمیان اختلاف ہو جائے تو کس کی بات معتبر ہوگی تفصیلی جواب ذکر کریں۔
(۴۱) طلاق کی شرط اس وقت پائی جائے جب عورت مرد کے نکاح میں ہو یا بعد میں پائی جائے یا بعض ملکیت میں اور بعض ملکیت سے بعد پائی جائے تو ان صورتوں میں طلاق کا حکم کیا ہوگا مسائل کے ساتھ واضح کریں۔
(۴۲) طلاق دیتے ہوئے ان شاء اللہ کہا تو کیا طلاق ہو جائے گی اس کی صورت بیان کریں اور اپنے موقف پر نقلی دلیل (حدیث

شریف) اور عقلی دلیل ذکر کریں۔

(۴۳) طلاق دیتے ہوئے حرف استثناء (ان شاء اللہ) کہنے سے پہلے بیوی انتقال کر جائے تو کیا حکم ہے اور اگر طلاق میں حرف استثناء (الا) ذکر کرے تو کیا حکم ہے اس کی وجہ بھی بیان کریں۔

(۴۴) مریض کی طلاق کے سلسلے میں عورت کی وراثت کے احکام ہیں مریض سے کون سا مریض مراد ہے نیز اس حالت میں طلاق کی صورت میں اس کے مرنے کے بعد عورت کس صورت میں وارث ہوگی اور کب وارث نہیں ہوگی اور وارث ہونے کی وجہ کیا ہے۔

(۴۵) اگر کوئی شخص مرض الموت میں بیوی کے لئے قرض کا اقرار کرے یا اس کے لئے وصیت کرے پھر مر جائے تو کیا حکم ہوگا اس سلسلے میں حضرت امام ابوحنیفہ اور صاحبین رحمہم اللہ کے درمیان اختلاف مع دلائل ذکر کریں۔

(۴۶) قریب المرگ شخص قیدی ہو یا جہاد میں ہو اور بیوی کو طلاق دے پھر وہ قتل ہو جائے یا قصاص میں قتل کیا جائے تو اس کی بیوی وارث ہوگی یا نہیں تفصیلی نوٹ لکھیں۔

(۴۷) آدمی صحت مند تھا کہ بیوی کو مشروط طلاق دی اور جب وہ مرض الموت میں تھا کہ شرط پائی گئی اور اسے طلاق ہو گئی تو کیا وہ اس کی وارث ہوگی اور بیماری کی حالت میں شرط کا ذکر کیا تو کیا حکم ہوگا۔

(۴۸) اگر مرد نے حالت مرض میں تین طلاقیں دیں پھر تندرست ہوا اور فوت ہوا تو وہ وارث ہوگی یا نہیں حضرت امام زفر رحمہ اللہ کیا فرماتے ہیں دونوں طرف کے دلائل بھی ذکر کریں۔

(۴۹) اگر طلاق دی پھر وہ عورت معاذ اللہ مرتد ہو گئی پھر اسلام لائی اس کے بعد خاوند بیماری کی حالت میں مر گیا اور عورت عدت گزار رہی تھی تو وارث نہیں ہوگی اور اگر مرتد نہیں ہوئی بلکہ خاوند کے (دوسری بیوی سے) بیٹے سے حرام کاری کراتی تو وارث ہوگی فرق کی وجہ بتائیں۔

(۵۰) عورت کو کون سی طلاق دینے کے بعد رجوع ہو سکتا ہے کتنی طلاقوں کے بعد رجوع ہو سکتا ہے اور کب تک ہو سکتا ہے۔

(۵۱) رجوع کرنے کا طریقہ احناف کے نزدیک کیا ہے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا کیا اختلاف ہے دونوں طرف کے دلائل بھی ذکر کریں۔

(۵۲) رجوع پر گواہ بنانے کی شرعی حیثیت کیا ہے واجب ہے یا مستحب احناف، حضرت امام شافعی اور حضرت امام مالک کا قول بتائیں ان کی دلیل اور احناف کا جواب نقل کریں۔

(۵۳) اگر خاوند کہے کہ میں نے رجوع کر لیا اور عورت کہے میری عدت ختم ہو گئی ہے تو کیا حکم ہوگا حضرت امام ابوحنیفہ اور صاحبین رحمہم اللہ کا اختلاف اور دلیل ذکر کریں۔

(۵۴) رجوع کا حق ختم ہونے کے بارے میں تفصیلی نوٹ لکھیں۔

(۵۵) اگر مرد عورت اکٹھے ہوں اور کمرے کا دروازہ بند ہو جسے خلوت صحیحہ کہتے ہیں اور مرد جماع کا انکار کرے پھر اسے طلاق دے، تو رجوع کا حق ہوگا یا نہیں نیز اسے مہر دینے کا حکم کیا ہوگا دلیل کے ساتھ جواب دیں۔

(۵۶) کیا عدت کے دوران عورت زیب و زینت اختیار کر سکتی ہے اگر کر سکتی ہے تو اس کی وجہ کیا ہے؟ اس سلسلے میں طلاق رجعی اور طلاق بائن دونوں کا حکم ایک جیسا ہے یا فرق ہے۔

(۵۷) عدت کے دوران مرد کے لئے عورت کے پاس جانا یا اسے سفر پر لے جانا کیسا ہے اس مسئلہ میں ائمہ کے درمیان اختلاف اور دلائل ذکر کریں۔

(۵۸) طلاق رجعی کی عدت میں مرد عورت سے صحبت کرسکتا ہے یا نہیں حنفی شافعی اختلاف سے دلائل نقل کریں۔

(۵۹) طلاق بائن کی صورت میں عورت اپنے (پہلے) خاوند کے لئے دوبارہ کیسے حلال ہوسکتی ہے۔

(۶۰) عدت کے دوران پہلا خاوند دوبارہ نکاح کرسکتا ہے اگر طلاق بائن ہو دوسرا آدمی نکاح نہیں کرسکتا فرق کی وجہ کیا ہے؟

(۶۱) تین طلاقوں کے بعد عورت پہلے خاوند کے لئے کب حلال ہوسکتی ہے اس عمل کا نام کیا ہے اور اس کی کیفیت کیا ہے اس سلسلے میں قرآنی آیت بطور دلیل ذکر کریں۔

(۶۲) حلالہ کے لئے دوسرے خاوند کا صحبت کرنا شرط ہے جبکہ قرآن پاک میں صرف نکاح کا ذکر ہے تفصیلاً وضاحت کریں۔

(۶۳) حلالہ کی شرط پر نکاح کرنا کیسا ہے جبکہ حدیث شریف میں حلالہ کرنے والے اور جس کے لئے کیا جائے دونوں پر لعنت بھیجی گئی ہے کیا اس شرط پر نکاح ہوجائے گا ائمہ کا مؤقف تفصیلاً مع دلائل ذکر کریں۔

(۶۴) حلالہ کے بعد عورت پہلے خاوند کے پاس تین طلاقوں کے ساتھ واپس آئے گی یا پہلے سے باقی کے ساتھ؟ اس سلسلے میں ائمہ ثلاثہ احناف کے درمیان اختلاف مع دلائل ذکر کریں۔

(۶۵) ایلاء کا لغوی اور اصطلاحی معنیٰ بتائیں قرآن پاک سے اس کا حوالہ دیں اور اس کا شرعی حکم ذکر کریں۔ اس میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا کیا اختلاف ہے۔ ان کی دلیل اور ہمارا جواب ذکر کریں۔

(۶۶) ایلاء کی مدت کتنی ہے اگر اس دوران جماع کرے تو کیا حکم ہوگا اور نہ کرے اور مدت پوری ہوجائے تو کیا حکم ہوگا۔

(۶۷) عورت کو طلاق رجعی دی اور عدت کے دوران ایلاء کیا تو کیا ایلاء ہوجائے گا؟ اور اگر طلاق بائن دی اور ایلاء کیا تو کیا حکم ہوگا دونوں کا حکم واضح کریں۔

(۶۸) ایلاء والا شخص جسے مولی کہا جاتا ہے جماع کے ذریعے رجوع کرتا ہے لیکن اگر جماع پر قادر نہ ہو تو ایلاء کیسے ہوگا جماع پر قادر نہ ہونے کی صورتیں بھی بتائیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مؤقف بھی بتائیں اور دونوں طرف کے دلائل بھی ذکر کریں۔

(۶۹) اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے کہ تو مجھ پر حرام ہے تو کیا طلاق ہوجائے گی؟ کس صورت میں ہوگی اور کس صورت میں نہیں ہوگی اور اگر ہوگی تو کون سی طلاق ہوگی۔

(۷۰) خلع کا لغوی اور اصطلاحی معنیٰ بیان کریں اس کا طریقہ بتائیں اور خلع سے کون سی طلاق واقع ہوگی۔

(۷۱) خلع کا عوض لینا مرد کے لئے کس صورت میں مکروہ ہے ارشاد خداوندی سے استدلال کریں اور کیا مہر سے زیادہ لینا جائز ہے یا ناجائز، حدیث شریف کے حوالے سے بیان کریں۔

(۷۲) خلع میں عوض باطل کب ہوتا ہے اور اس صورت میں خاوند کو کچھ ملے گا یا نہیں نیز طلاق ہوجائے گی یا نہیں نیز بتائیں کہ خلع میں کون سی چیز عوض ہوسکتی ہے۔

(۷۳) عورت نے مال کے بدلے میں طلاق کا مطالبہ کیا تو کیا طلاقوں کے حساب سے رقم کی ادائیگی ہوگی یا کیا صورت ہوگی اس سلسلے میں اگر بالف ہزار کے بدلے میں "علی الف" کہے تو امام ابوحنیفہ اور صاحبین رحمہم اللہ کے درمیان کیا اختلاف ہے نیز

طلاق کون سی واقع ہوگی۔

(۷۴) اگر مرد نے کہا تجھے ایک ہزار کے بدلے طلاق ہے لیکن یا کہا تجھے تین دن کا اختیار ہے تو کیا اختیار باطل ہوگا امام اعظم اور صاحبین رحمہم اللہ کے درمیان اختلاف مع دلائل بیان کریں۔

(۷۵) مبارات کی تعریف ذکر کریں اور اسے خلع کی طرح قرار دینے کی وجہ بتائیں نیز اس سلسلے میں تینوں ائمہ احناف کا مؤقف دلائل کے ساتھ ذکر کریں۔

(۷۶) باپ نے نابالغ بچی کی طرف سے اس کے مال سے خلع کیا تو کیا حکم ہے اور اگر رقم اپنے ذمے لے تو کیا حکم ہوگا اور اس سلسلے میں عورت کی قبولیت کی حیثیت ہے۔

(۷۷) ظہار کسے کہتے ہیں اس کی تفصیلی وضاحت کریں کیا ظہار سے عورت ہمیشہ کے لئے حرام ہوجاتی ہے یا کب تک حرام ہوتی ہے۔ظہار کے بارے میں قرآنی آیت مع ترجمہ نقل کریں۔

(۷۸) محرم عورت کے کن کن اعضاء بیوی کو تشبیہ دینے سے ظہار ہوتا ہے ان اعضاء کا ذکر کریں اور ظہار کی وجہ بیان کریں اس سلسلے میں شیخین اور امام محمد رحمہم اللہ کے درمیان اختلاف کی وضاحت کریں۔

(۷۹) اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے کہ تو مجھ پر میری ماں کی طرح ہے تو اس سے کیا واقع ہوگا کیا اس میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے؟ اگر ہے تو اس کی وضاحت کریں۔

(۸۰) اگر بیوی کو ماں کی طرح حرام کہے تو ظہار ہوگا یا طلاق یا کچھ نہیں ہوگا تفصیلی جواب مطلوب ہے۔اس سلسلے میں تینوں ائمہ احناف کا مؤقف مختلف ہے اس کی وضاحت کریں۔

(۸۱) وہ کون کون سی صورتیں ہیں جن میں ظہار باطل ہوجاتا ہے اور کیوں؟ اس سلسلے میں قرآنی آیت سے راہنمائی حاصل کریں۔

(۸۲) اگر اپنی تمام بیویوں کو ایک ہی جملہ میں ماں کی پیٹھ کی طرح قرار دے تو کیا سب سے ظہار ہوگا اس کی وجہ بھی بتائیں اور یہ بھی بتائیں کہ کفارہ ایک ہوگا یا زیادہ؟

(۸۳) ظہار کا کفارہ کیا کیا کام ہیں پھر کیا ان میں اختیار ہے یا عدم استطاعت کی وجہ سے دوسرے عمل کی طرف منتقل ہوگا اور کیا کفارہ ادا کرنے سے پہلے یا اس کے درمیان جماع کرسکتا ہے تفصیل بتائیں۔

(۸۴) کفارے کے روزوں کے درمیان جماع کیا تو کیا نئے سرے سے روزے رکھنا شروع کرے؟ طرفین (حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام محمد) اور حضرت امام ابو یوسف (رحمہم اللہ) کے درمیان اختلاف اور اس کی وجہ بتائیں۔

(۸۵) اگر کفارہ کھانا کھلانے کی صورت میں ہو تو کتنے مسکینوں کو کھلائے گا اور اگر کھلانے کی جگہ ان کو دینا ہو تو کیا طریقہ ہوگا۔

(۸۶) اگر ایک مسکین کو ساٹھ دن کا کھانا دے تو کون سا طریقہ جائز ہے اور ادائیگی ہوجائے گی اور کس صورت میں ادائیگی نہیں ہوگی۔

(۸۷) لعان کا کیا معنیٰ ہے یہ کب ہوتا ہے اور اس کا طریقہ کیا ہے اور یہ کس کس کے درمیان ہوتا ہے۔

(۸۸) لعان کے لئے عورت کا مطالبہ کرنا شرط ہے کیوں؟ نیز لعان کے بعد عورت مرد کے درمیان رشتہ باقی رہے گا یا نہیں؟

(۸۹) کون سے خاوند یا عورت کے درمیان لعان نہیں ہوسکتا اور اس کی وجہ کیا ہے۔

(۹۰) اگر خاوند، بچے کی نفی کرے اور اس وجہ سے لعان ہو تو بچے کے نسب اور اس کے مستقبل کا کیا ہوگا اس سلسلے میں حدیث

شریف ذکر کریں۔

(۹۱) عورت کے حمل کی نفی پر لعان ہوگا یا نہیں اگر نہیں تو اس کی کیا وجہ ہے۔

(۹۲) خاوند پیدا ہونے والے بچے کی اپنے آپ سے نفی کرے تو کب تک یہ صحیح ہوگی اسی طرح اگر ایک ہی حمل سے دو بچے آگے پیچھے پیدا ہوں تو نفی کس صورت میں معتبر ہوگی۔

(۹۳) عِنِّیْن کسے کہتے ہیں اگر عورت اس سے تفریق کا مطالبہ کرے تو قاضی کیا عمل کرے گا اور یہ تفریق کون سی طلاق ہوگی اس مسئلہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا موقف کیا ہے۔

(۹۴) عِنِّیْن کی بیوی کو خلوت صحیحہ کے بعد مہر ملے گا یا نہیں اور عدت کا کیا حکم ہوگا اگر جماع کے سلسلے میں مرد اور عورت کے درمیان اختلاف ہو جائے تو کیا حکم ہوگا۔

(۹۵) اگر بیوی میں عیب ہو تو شوہر کو اختیار نہیں ہوگا اس سلسلے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کیا فرماتے ہیں۔

(۹۶) وہ کون کون سے عیب ہیں جو مرد میں پائے جائیں تو عورت کو علیحدگی کا اختیار ہوگا اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان اختلاف مع دلائل ذکر کریں۔

(۹۷) مجبوب کسے کہتے ہیں اور اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

(۹۸) طلاق یافتہ عورت کی عدت کتنے حیض ہیں قرآن پاک کی آیت ذکر کریں اگر عورت کو حیض نہ آتا ہو یا حاملہ ہو تو عدت کس طرح گزارے گی۔

(۹۹) لفظ قروء سے کیا مراد ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک طہر مراد ہمارے نزدیک حیض مراد ہے ہماری دلیل کیا اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے موقف سے کیا خرابی لازم آتی ہے۔

(۱۰۰) بیوہ عورت کی عدت وفات کتنی مدت ہے دلیل کے ساتھ ذکر کریں نیز اگر وہ حاملہ بھی ہو تو کیا حکم ہوگا۔

(۱۰۱) مطلقہ عورت کا خاوند فوت ہو جائے اور ابھی وہ عدت میں ہو تو کیا حکم ہوگا ابعد الاجلین سے کیا مراد ہے۔ اس مسئلہ میں ائمہ ثلاثہ احناف کے درمیان اختلاف مع دلائل ذکر کریں۔

(۱۰۲) اگر کوئی مرتد (معاذ اللہ) ہو جائے اور اس وجہ سے اسے قتل کر دیا جائے تو اس کی عدت اور وراثت کا کیا حکم ہوگا۔

(۱۰۳) جس عورت کا حیض بند ہو گیا جسے آئسہ کہتے ہیں وہ مہینوں کے حساب سے عدت گزارتی ہے اگر عدت کے دوران خون آ گیا تو کیا کرے پھر بند ہو گیا تو کیا کرنا ہوگا۔

(۱۰۴) نکاح فاسد ہوا یا شبہ کے ساتھ وطی ہوئی تو وہ عدت گزارے گی جب تفریق ہوگئی اس کی کیا وجہ ہے۔

(۱۰۵) نابالغ بچے کی بیوی حاملہ تھی اور وہ مر گیا تو عدت کا کیا حکم ہے۔ ائمہ احناف کے درمیان اختلاف مع دلائل ذکر کریں۔

(۱۰۶) دو عدتوں میں تداخل ہوگا اس کی وضاحت کریں اور جس حیض میں طلاق ہوئی وہ عدت میں شمار ہوگا یا نہیں اگر نہیں تو اس کی کیا وجہ ہے۔

(۱۰۷) عدت کی ابتداء کب سے ہوگی اس مسئلہ میں امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے دونوں طرف کا موقف مع دلائل ذکر کریں۔

(۱۰۸) عدت ختم ہونے کے بارے میں اختلاف ہو تو کس کا قول معتبر ہوگا مرد کا یا عورت کا اور کیوں؟

(۱۰۹) غیر مسلم عورت پر عدت لازم نہیں ہوتی اس کی وجہ تفصیل سے ذکر کریں۔

(۱۱۰) سوگ سے کیا مراد ہے مطلقہ اور بیوہ کے سوگ کی تفصیل اور حکم بتائیں نیز اس مسئلہ میں امام شافعی ؒ کا کیا اختلاف ہے اور ہماری دلیل کیا ہے نیز کافرہ عورت پر سوگ نہیں کیا وجہ ہے۔

(۱۱۱) عدت کے دوران عورت کو نکاح کا پیغام دینا کیسا ہے اور اس میں کون سی صورت جائز ہے قرآن وسنت کی روشنی میں واضح کریں۔

(۱۱۲) طلاق یافتہ عدت کے دوران گھر سے باہر نہیں جاسکتی اسی طرح بیوہ عورت کا بھی حکم ہے تو کیا کسی عذر کی وجہ سے بھی نہیں جا سکتیں تفصیل کے ساتھ واضح کریں۔

(۱۱۳) عدت کے دوران مرد اور عورت کے درمیان پردہ ہوگا یا نہیں نیز اگر سفر کے دوران عورت کو تین طلاقیں دی دیں یا فوت ہو گیا تو عورت عدت کہاں گزارے اور کیا طریقہ اختیار کرے اگر اس مسئلہ میں اختلاف ہو تو اس کی وضاحت بھی کریں۔

(۱۱۴) نکاح کے بعد کتنی مدت گزرنے پر بچہ پیدا ہو تو اس شخص سے بچے کا نسب ثابت ہوگا اور اگر طلاق دی تو کتنی مدت بعد تک پیدا ہونے والے بچے کا نسب اس سے ثابت ہوگا اور طلاق کو نکاح کے ساتھ مشروط کیا تو مہر کا حکم کیا ہوگا۔

(۱۱۵) حمل کی کم از کم اور زیادہ سے زیادہ مدت کیا ہے اس سلسلے میں اُمّ المومنین حضرت عائشہ ؓ کے ارشاد گرامی کی وضاحت کریں۔

(۱۱۶) بچے کی پرورش کا سب سے زیادہ حق کس کو حاصل ہے اگر میاں بیوی میں تفریق ہو جائے تو جن خواتین کو پرورش کا حق حاصل ہوتا ہے ان کا ذکر ترتیب سے کریں اور حکمت بھی بیان کریں۔

(۱۱۷) بچے اور بچی کی پرورش کا حق کب تک ہوتا ہے دونوں کا حکم الگ الگ ہے اس کی وضاحت بھی کریں اور وجہ بھی بتائیں۔

(۱۱۸) طلاق یافتہ عورت بچے کو دوسرے شہر میں لے جاسکتی ہے یا نہیں اس سلسلے میں صاحب ہدایہ نے جو تفصیل ذکر کی ہے اس کی وضاحت کریں۔

(۱۱۹) بیوی کا نفقہ اور رہائش وغیرہ خاوند کے ذمہ ہے اس کی وجہ کیا ہے نقلی دلیل (قرآن وحدیث) اور عقلی دلیل ذکر کریں۔

(۱۲۰) وہ کون کون سی صورتیں ہیں جن میں عورت نفقہ کی مستحق نہیں ہوتی نیز نفقہ کی مقدار کے حوالے سے تفصیل ذکر کریں۔

(۱۲۱) آدمی پر نابالغ بیوی کا خرچہ ہوتا ہے یا نہیں امام شافعی ؒ کا اختلاف ہے وضاحت کریں نیز اختلاف کی وجہ کیا ہے۔

(۱۲۲) آدمی پر نابالغ اولاد کا نفقہ لازم ہوتا ہے اور بالغ اولاد کا کس صورت میں لازم ہوگا نیز ماں باپ کا نفقہ اولاد پر لازم ہے۔ کیا ان کے مالدار ہونے کی صورت میں بھی لازم ہوگا اگر نہیں تو کیا وجہ ہے۔

(۱۲۳) مرد موجود نہ ہو تو بیوی بچوں اسی طرح ماں باپ کے نفقہ کے لئے کیا کیا جائے اگر اس کا مال موجود تو کیا حکم ہے مال موجود نہ ہو تو کیا حکم ہے۔

(۱۲۴) اگر کوئی شخص تنگدست ہو اور بیوی کے اخراجات کی ادائیگی نہ کر سکتا ہو تو کیا طریقہ اختیار کیا جائے گا حضرت امام شافعی ؒ اور احناف کے درمیان اختلاف کی نوعیت اور دلائل ذکر کریں۔

(۱۲۵) اگر شوہر اپنی بیوی کو کچھ عرصہ خرچہ نہ دے تو گزشتہ دنوں کا خرچہ اسے لینے کا حق ہے یا نہیں اگر نہیں تو اس کی کیا وجہ ہے۔

اسی طرح جب قاضی نے نفقہ کا فیصلہ کیا اور چند ماہ بعد خاوند فوت ہو گیا تو کیا حکم ہو گا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا موقف ان کی دلیل کیا ہے۔

(۱۲۶) مرد نے بیوی کو پیشگی خرچہ دیا پھر وہ فوت ہو گیا تو کیا باقی خرچہ واپس لیا جا سکتا ہے؟ اس سلسلے میں ائمہ احناف کے درمیان اختلاف مع دلائل ذکر کریں۔

(۱۲۷) بیوی کو علیحدہ رہائش دینے اور ماں باپ اور دیگر رشتہ داروں سے ملاقات کی اجازت کے بارے میں تفصیلی احکام بیان کریں۔

(۱۲۸) طلاق یافتہ عورت کو عدت کے دوران نفقہ دینا خاوند پر لازم ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ رجعی طلاق کے علاوہ میں اختلاف کرتے ہیں دونوں طرف کا موقف مع دلائل ذکر کریں۔

(۱۲۹) بیوہ عورت کے لئے نفقہ نہیں اس کی کیا وجہ ہے، اور اگر عورت کی وجہ سے تفریق ہو تو کس صورت میں نفقہ نہیں ہو گا اور کس صورت میں لازم ہو گا۔

(۱۳۰) دودھ پیتے بچے کو دودھ پلانا ماں کی ذمہ داری نہیں اس کی کیا وجہ ہے اس مسئلہ میں تفصیل ہے اس کی وضاحت کریں دایہ کی اجرت کس پر ہو گی، دودھ پلانے والی عورت نہ ملے تو ماں کے لئے کیا حکم ہو گا اور کیا ماں اپنے بچے کو دودھ پلانے کی اجرت لے سکتی ہے؟ دلائل کے ساتھ بیان کریں۔

(۱۳۱) اگر ماں باپ یا چھوٹی اولاد کافر ہوں تو پھر بھی نفقہ واجب ہو گا اگر ہو گا تو اس کی وجہ بتائیں اسی طرح اگر بیوی کتابیہ ہو تو خاوند کے ذمے اس کا نفقہ ہو گا؟

(۱۳۲) وہ کون سے رشتہ دار ہیں جن کی تنگدستی کی وجہ سے آدمی پر ان کا نفقہ واجب ہوتا ہے اور اس کی وجہ کیا ہے۔

(۱۳۳) دو بھائی دین میں ایک دوسرے کے مخالف ہوں تو کیا مسلمان بھائی پر کافر بھائی کا خرچہ ہو گا اگر نہیں تو کیوں؟

(۱۳۴) بالغ بیٹی اور اپاہج بالغ بیٹے کے خرچہ کا کیا حکم ہے۔

(۱۳۵) آسانی کی حالت (حالت یسر) کے بارے میں ائمہ کا اختلاف بیان کریں۔

(۱۳۶) بیٹا موجود نہ ہو اور اس کا مال موجود ہو تو ان کے نفقہ کے لئے کیا طریقہ اختیار کیا جائے اور کیا اس کا سامان یا زمین اس مقصد کے لئے فروخت کی جا سکتی ہے۔

(۱۳۷) قاضی نے کسی شخص کی اولاد، ماں باپ یا ذوی الارحام رشتہ داروں کے لئے نفقہ کا فیصلہ کیا اور مدت گزر گئی تو کیا نفقہ ساقط ہو جائے گا اگر ساقط ہو گا تو اس کی وجہ کیا ہے نیز بیوی کا حکم اس سے مختلف ہے فرق کیوں ہے اور کس صورت میں ان لوگوں کا یہ نفقہ ساقط نہیں ہو گا۔